ہم ہمارے قارئین کو
نئے سال کی مبارک باد
پیش کرتے ہیں۔

آندھرا پردیش بہ یک نظر

* آبادی	۴۳۵,۰۳ لاکھ
* اقوام درج فہرست کی آبادی	۵۷,۷۵ لاکھ
* رقبہ	۲,۷۶,۷۵۴ مربع کیلو میٹر
* اضلاع	۲۱
* تعلقہ جات	۱۹۵
* قصبات اور شہر	۲۲۳
* آباد گاؤں	۲۷,۲۲۱
* پنچائتیں	۱۵,۹۲۰
* پنچائت سمیتیاں	۳۲۳
* ارکان پارلیمنٹ	۵۹
* لیجسلیٹیو اسمبلی کے ارکان بشمول ایک نامزد کردہ رکن	۲۸۸
* لیجسلیٹیو کونسل کے ارکان	۹۰
* یونیورسٹیاں	۵
* پڑھے لکھے لوگ	۱,۰۶,۹۰ لاکھ

آندھرا پردیش

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

★

جنوری ۱۹۷۷

مارگا سرا – پوش

شاکھا ۱۸۹۸

جلد نمبر ۲۱

شمارہ ۳

★

سرورق کا پہلا صفحہ

جب خواب سچے ہوتے دکھائی دیتے ہیں

سرورق کا چوتھا صفحہ

طوفان باد و باراں سے پہلے کی خاموشی

آندھرا پردیش (اردو) ماہنامہ
زر سالانہ چھ روپئیے- فی پرچہ ۵۰ پیسے
وی پی بھیجنے کا قاعدہ نہیں -
چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے۔

ترتیب

صفحہ

*

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ
حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا۔
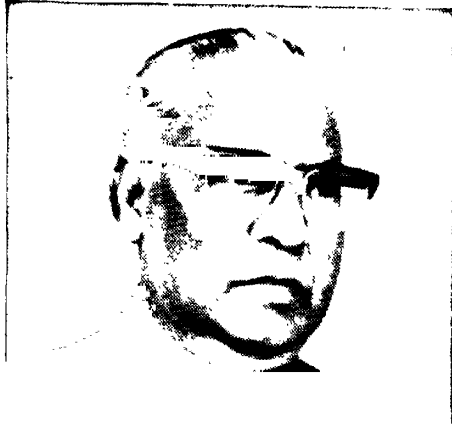
طوفان باد و باراں

گورنر کا پیام

۲۸ - نومبر ۱۹۷۶ کو طوفان باد و باراں سے متاثرہ علاقوں کے عوام سے گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے شری - آر - ڈی - بھنڈارے، گورنر آندھرا پردیش نے حسب ذیل پیام جاری کیا -

حالیہ طوفان باد و باراں کی وجہ سے ریاست کو بھاری نقصان پہنچا جسکے نتیجے میں ہزاروں لوگوں پر بے اندازہ مصیبتیں ٹوٹ پڑیں یہ بد قسمتی ہے کہ ریاست کو ایک ہی ماہ میں پے در پے تین دفعہ آفات سماوی سے دو چار ہونا پڑا جسکی وجہ سے جائداد اور انسانی جانوں کا قابل لحاظ نقصان ہوا - نیلور سے مشرقی گوداوری تک تباہی مچانے کے بعد اب قدرت کا بے رحم ہاتھ اضلاع وسا کھاپٹنم اور سریکا کلم کو بھی اپنی مہلک لپیٹ میں لینا چاہتا ہے۔ مجھے بہت رنج ہوا کہ طوفان کی وجہ سے نہ صرف آندھرا پردیش کے ساحلی اضلاع اور رائلسیما بلکہ پڑوسی ریاست ٹامل ناڈو میں بھی زبردست تباہی آئی -

طوفان باد و باراں سے متاثرہ علاقوں کے عوام کو میں اپنی دلی ہمدردیاں پیش کرتا ہوں جنہیں قدرتی تغیرات کا ہمت اور حوصلے کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے - متاثرہ علاقوں کے لوگوں کے مصیبتوں کو دور کرنے کےلئے ریاست کی جانب سے تیزی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ امداد بہم پہنچائی جارہی ہے - پھر بھی ایسے سوانحات پر عوام اجتماعی طور پر جتنا کچھ کر سکتے ہیں ریاستی مشنری انجام نہیں دے سکتی میں تمام سماجی خدمات کے اداروں ، معزز حضرات اور رضا کارانہ ایجنسیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ باز آباد کاری کے کام میں اپنا دست تعاون آگے بڑھائیں -

آندھرا پردیش کے عوام کی جانب سے عمومی اور طوفان باد و باراں سے متاثرہ علاقوں کے عوام کی جانب سے خصوصی طور پر میں وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے امدادی کاموں کے لئے آندھرا پردیش کے عوام سے ہمدردی کے طور پر ۳ لاکھ روپے کی فراخدلانہ امداد منظور کی -

امدادی فنڈ میں عطیئے دینے کے لئے

چیف منسٹر کی اپیل

پے درپے طوفانوں اور سیلابوں کی وجہ سے ہماری ریاست میں جو زبردست تباہی آئی ہے اس سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں ۔ پورے سات اضلاع اس سے شدید طور پر متاثر ہوئے ہیں ۔ ضلع نیلور سے ضلع مشرقی گوداوری تک کی تمام ساحلی پٹی بشمول ضلع چتور زبردست تباہی آئی ہے ۔

مصیبتوں کو دور کرنے کے لئے ریاستی حکومت تمام ممکنہ اقدامات کررہی ہے ۔ لیکن میں تمام افراد ، انجمنوں ، کمپنیوں اور غیر سرکاری ایجنسیوں اور تنظیموں سے پر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان تکالیف کو دور کرنے کے لئے فراخدلی کے ساتھ تعاون کریں ۔ میں ہر جماعت اور فرد سے اپیل کرتا ہوں کہ اس عظیم کام کے لئے وہ جو کچھ بھی ہوسکے عطیئے کے طور پر دیں ۔ تمام عطیئے سکریٹری محکمہ مال حکومت آندھرا پردیش سکریٹریٹ کے ہاں روانہ کئے جائیں ۔ تمام چیک چیف منسٹر اکاؤنٹ ریلیف فنڈ کے نام جاری کئے جائیں ۔ ادویات ، ملبوسات اور عطیوں کی دوسری اشیاء سکریٹری محکمہ مال حکومت آندھرا پردیش یا راست طور پر ڈسٹرکٹ کلکٹروں کے ہاں بھیجی جائیں ۔

جے وینگل راؤ

تحریک امداد باھمی

دیہی بھارت کی بہترین امید

زراعت کو ملکی معیشت میں جو اھمیت حاصل ھے اس کے پیش نظر امداد باھمی کو "دیہی بھارت کی بہترین امید" قرار دیا گیا ھے ۔ بھارت میں امداد باھمی کی تاریخ کی ابتداء ۱۹۰۴ ع میں ھوئی جب امداد باھمی کی قرضہ انجمنوں سے متعلق ایکٹ لاگو ھوا ۔

تاھم زرعی قرضوں ، خرید و فروخت ، زرعی پیداوار کی تیاری اور کاشتکاری کے لئے درکار چیزوں (بیج ، کھاد وغیرہ) کی بہم رسانی کے میدانوں میں امداد باھمی کی انجمنوں کی نشو و نما کے باقاعدہ اور جامع پروگرام دوسرے ، تیسرے اور چوتھے پنجسالہ پلانوں میں وضع کئے گئے ۔ چوتھے پلان میں مختلف اقسام کے کواپریٹیو اداروں کا مربوط ارتقاء مقصود تھا ۔ پانچویں پنجسالہ پلان میں پیش نظر مقصد زرعی کواپریٹیو انجمنوں کو مضبوط بنانا ، صارفین کی کواپریٹیو تنظیموں کو کامیابی سے چلانا علاقائی عدم توازن کو درست کرنا اور کواپریٹیو اداروں کی سرگرمیوں کو چھوٹے اور مارجینل کسانوں ، نیز لوگوں کے کمزور طبقوں کی طرف مبذول کرنا ھے ۔

امداد باھمی کی تحریک مختلف کاروباری راھوں پر چل نکلی ھے مثلاً زراعت کے لئے سرمایے کے انتظام ، بکری ، پراسیسنگ سپلائی اور گوداموں میں مال کی سنبھال ، قرض کے لین دین سے متعلق کارروائی ، چھوٹی اور درمیانہ درجے کی صنعتوں ، دیہات میں بجلی کے اھتمام ، مکانوں ، ٹرانسپورٹ ، مچھلیاں پکڑنے ، مرغیاں پالنے ، ڈیری کے دھندے اور عوام میں اناج ، کنٹرول کے کپڑے اور چیدہ چیدہ اشیائے لازمی کی تقسیم وغیرہ ۔

لازمی اشیاء کی پیداوار اور کمزور طبقوں میں ان کی تقسیم کو یقینی بنانے کے لئے اس حکمت عملی کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے کواپریٹیو اداروں کو ایک اھم رول سونپا گیا ۔ تقسیم کے بندوبست میں صارف کو بھی شامل کیا جائیگا ۔ لازمی اشیاء کے ۱۷ زمروں کی تقسیم کو ترجیحی اھمیت دی گئی ھے ۔ ان میں شامل ھیں : اناج (گیہوں ، چاول اور موٹا اناج جہاں کہیں اس کی ضرورت ھو) چینی ، وناسپتی اور کھانے کے تیل ، سٹینڈرڈ کپڑا ، گھریلو ایندھن جیسے مٹی کا تیل اور کوئلہ ، سیمنٹ ، طلباء کے لئے کاپی ، کاغذ ، دیا سلائیاں ، کھیتی باڑی کے لئے ڈیزل آئیل ، ضروری دوائیاں ، کپڑے دھونے والا صابن ، سوڈا ایش ، بچوں کی غذا ، نمک ، عام قسم کے جوتے اور گاڑیوں کے ٹائر اور ٹیوب ۔ کواپریٹیو اداروں کو تجارتی دستور اور بہتر پیشہ ورانہ نظم و نسق کے مطابق ڈھالا جارھا ھے ۔

قومی سطح کی کواپریٹیو فیڈریشنیں

اس دھائی میں رو نما ھونے والا بڑا واقعہ قومی کواپریٹیو فیڈریشنوں کا ظہور ھے جنھوں نے امداد باھمی کے ڈھانچے میں ایک نیا اضافہ کیا ھے ۔ قومی سطح کی کواپریٹیو تنظیموں میں زراعتی کواپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن ، آل انڈیا اسٹیٹ کواپریٹیو بینک فیڈریشن ، چینی کے کواپریٹیو کارخانوں کی فیڈریشن ، صارفین کی فیڈریشن ، صنعتی کواپریٹیو اداروں کی قومی فیڈریشن ، کتائی کے کارخانوں کی فیڈریشن ، ھاؤسنگ فیڈریشن اور ڈیری فیڈریشن آف انڈیا شامل ھیں ۔ ان سب کے اوپر نیشنل کواپریٹیو یونین آف انڈیا ھے ۔

نیشنل کواپریٹیو یونین آف انڈیا

نیشنل کواپریٹیو یونین کو ملک میں امداد باھمی کی تحریک کا ترجمان سمجھا جاتا ھے ۔ ریاستی سطح کی سبھی کواپریٹیو یونینیں اس سے ملحق ھیں اور اس کے ۱۱۱ ممبر ھیں ۔ دیگر ارکان میں قومی اور اعلی سطح کی کواپریٹیو سوسائٹیاں اور ماھر ادارے شامل ھیں ۔ اس کی جانب سے دو رسالے شائع کئے جاتے ھیں ۔ پندرہ روزہ "کواپریٹیو" اور سہ ماھی "انڈین کواپریٹیو ریویو" ۔

سرکار کی شرکت

شروع شروع میں امداد باھمی کی انجمنیں سرکار کی سرگرم امداد سے ھی اپنے آپ کو اس قابل بنا سکتی ھیں کہ وہ دیہی معیشت کی راہ میں روڑے اٹکانے والی قوتوں کا مقابلہ کامیابی سے

کرسکیں ۔ سرکاری تائیداب پنجسالہ پلانوں میں شامل امداد باھمی کے ترقیاتی پروگراموں کے ذریعے کئی طرح سے حاصل ہے۔ سرکاری امداد کا بڑا مقصد یہ ہے کہ تحریک امداد باھمی کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ وہ پنپ کر خود انحصاری اور خود ضابطگی صلاحیت پیدا کرے ۔

دوسرے سرکاری اداروں کی جانب سے کواپریٹیو اداروں کی امداد

ریزرو بنک آف انڈیا :

تھوڑی اور درمیانہ مدت کے لئے زراعتی سرگرمیوں کے لئے رعائتی شرح سود پر قرض کے ذریعے امداد باھمی کے واسطے سرمائے کے وسائل فراہم کرکے ریزرو بنک آف انڈیا ایک اھم خدمت سرانجام دیتا ہے ۔ یہ طویل مدتی کارروائیوں کے فنڈ میں سے قرض دے کر ریاستی سرکاروں کو مالی امداد بہم پہنچاتا ہے تاکہ وہ کواپریٹیو قرضہ اداروں کے حصے خرید کر ان کے سرمائے میں اضافہ کریں ۔ اس کی طرف سے بنک ریٹ پر قلیل مدت کے قرضے انگریکلچرل ری فائننس کارپوریشن اور ریاستی کواپریٹیو بنکوں کو دئے جاتے ھیں جس سے وہ بنکروں کی سوسائٹیوں کی پیداواری اور فروختنی سرگرمیوں میں روپیہ لگا پاتے ھیں ۔ نیشنل ایگریکلچرل (سٹیبلائزیشن) فنڈ کو قدرتی آفتوں سے بری طرح متاثر ہونے والے علاقوں میں قلیل مدتی قرضوں کو با سانی درمیانہ مدت کے قرضوں میں بدلنے کی غرض سے خاص قرضے دینے کے لئے کام میں لایا جاتا ہے ۔ سرمائے کی فراھمی کے علاوہ ریزرو بنک نے کواپریٹیو قرض کے ڈھانچے کو مضبوط بنانے کا بیڑہ بھی اٹھایا ہے ۔

اسٹیٹ بنک آف انڈیا :

اسٹیٹ بنک آف انڈیا نے کئی اقدامات کئے ھیں جیسے دیہاتی علاقوں کے اندر کافی تعداد میں شاخیں کھولنا ، کواپریٹیو کریڈٹ سوسائٹیوں میں روپیہ بھجوانے کی سہولیات کا اہتمام اور کواپریٹیو مارکیٹنگ اور پراسیسنگ سوسائٹیوں کو قرض دلوانا ریاستی کواپریٹیو بنکوں کے پاس سرکاری کفالتیں گروی رکھنے پر بالائی حد کا مقرر کیا جانا ، سنٹرل اور مارگیج بنکوں کے جاری کردہ ڈیبنچروں کے عوض عبوری قرض دینا اور انہیں خرید لینا نیز سرکاری گوداموں کی طرف سے جاری کی جانے والی رسیدوں کو بطور ضمانت رکھکر قرض دینا ، اسٹیٹ بنک کی طرف سے مالی امداد بہم پہنچانے جانے کے کچھ دیگر طریقے ھیں ۔ بنک کی دیہاتی شاخیں چھوٹے کسانوں کو یہ صلاح مشورہ دیتی ھیں کہ وہ دستیاب قرض کی مدد سے اصلاح یافتہ طریقے برت کر اپنے چھوٹے چھوٹے کھیتوں سے زیادہ پیداوار حاصل کریں ۔ بنک کی دیہاتی شاخوں سے زراعت کی ترقی کے واسطے لگ بھگ ۲ لاکھ چھوٹے کسانوں کو تقریباً ۱۳۰ کروڑ روپئے کے قرضے دئے جارہے ھیں ۔

نیشنل کواپریٹیو ڈیویلپمنٹ کارپوریشن

نیشنل کواپریٹیوڈیولپمنٹ کارپوریشن ایکٹ مجریہ ۱۹۶۲ع میں کارپوریشن کی تشکیل ، فرائض اور وسائل میں توسیع کی غرض سے ۱۹۷۴ع میں ترمیم کردی گئی ہے جس سے زرعی پیداوار اور نوٹیفائڈ اجناس کی پراسیسنگ ، اسٹوریج اور مارکیٹنگ کے پروگراموں کی منصوبہ بندی ، ترویج اور مالی تائید نیز امداد باھمی کی انجمنوں کی وساطت سے بیج یا کھاد وغیرہ کی تقسیم کے سلسلے میں یہ قانون زیادہ موثر کردار ادا کرسکے گا۔ کارپوریشن کا واسطہ کواپریٹیو صیغہ کے تحت مرغبان پالنے، ڈیری مچھلیاں پالنے اور جنگلات کی چھوٹی موٹی چیزوں سے رہے گا۔

ایگریکلچرل ری فائننس کارپوریشن

۱۹۶۳ع میں قائم شدہ یہ کارپوریشن کواپریٹیو لینڈ ۔ ڈیویلپمنٹ بنکوں کے ذریعے زرعی ترقیاتی اسکیموں کے لئے سرمایہ بہم پہنچا کر درمیانہ و طویل مدتی قرضوں کا انتظام کرتا ہے ۔ کارپوریشن کی سرگرمیوں کا خاص مدعا زراعت میں سرمایہ کاری کی رفتار کو تیز کرنا ، اس کے مقاصد میں رنگا رنگی لانا، مختلف علاقوں میں سرمایہ کاری کا برابر برابر پھیلاؤ اور قرض کی مقدار ھی نہیں بلکہ خاصیت میں بھی سدھار کرنا ہے ۔ یہ کارپوریشن انٹرنیشنل ڈیویلپمنٹ ایسوسی ایشن ، جو تعمیر نو اور ترقیات کے بین الاقوامی بنک سے وابستہ ہے، کے زرعی کریڈٹ پراجیکٹوں کے لئے مالی پشت پناھی بہم پہنچانے والا واحد ادارہ ہے ۔

کواپریٹیو ڈھانچہ

ملکی سطح پر مارکیٹنگ ، پراسیسنگ اور اسٹوریج کنزیومر کواپریٹیو، امداد باھمی کی تربیت سے متعلق معاملوں کے علاوہ بعض متفرق کواپریٹیو اداروں کا نظم و نسق مرکزی وزارت صنعت و شہری رسد رسانی کے محکمہ سول سپلائز و کواپریشن کے ذمے ھیں۔ دیگر صنعتوں مثلاً ریلوے، ڈاک و تار یونیورسٹیوں وغیرہ کے کواپریٹیواداروں کا بندوبست متعلقہ مرکزی وزارتوں کے ھاتھ میں ھی ہے ۔ البتہ زرعی کریڈٹ کا اہتمام بدستور وزارت زراعت و آبپاشی کا محکمہ دیہات سدھار کرتا ہے ۔

ریاستوں اور مرکزی نظم و نسق کے علاقوں میں امداد باھمی کے ترقیاتی پروگراموں پر عمل درآمد کرنے والی سرکاری مشینری ، پالیسی سے متعلق امور سے نمٹنے والے دفتری محکموں اور کواپریٹیو سوسائٹیوں کے رجسٹرار کے زیرنگرانی مختلف حلقوں میں کام چلانے والی ایک ایسی تنظیم پر مشتمل ہے جو ریاستی

کواپریٹیو قوانین کی رو سے عائد ہونے والی قانونی ذمہ داریاں نبھاتی ہے اور ترویجی، ترقیاتی اور تال میل کے فرائض انجام دیتی ہے ۔ کچھ ریاستوں میں سبھی صیغوں کے کواپریٹیو ادارے کواپریٹیو سوسائٹیوں کے رجسٹرار کے ماتحت ہیں جبکہ دوسری ریاستوں میں انتظامی ذمہ داری متعلقہ محکموں میں بٹی ہوئی ہے اور رجسٹرار کا بڑا کام زرعی ، صارفین اور متفرق کواپریٹیو اداروں کی نگہداشت ہے ۔

کواپریٹیو ڈھانچہ زیادہ تر وفاقی ہے اور خاص شعبوں کی بعض باتوں کو چھوڑ کر دوہرا یا تہرا انتظامی سلسلہ پایا جاتا ہے ۔

جون ۱۹۷۳ ع میں کل ۱،۷۸،۱۷۲ کواپریٹیو کریڈٹ سوسائٹیاں تھیں جن میں سے ۱،۶۱،۴۰۱ کا تعلق زراعت سے تھا اور ۱۶،۷۷۱ غیر زرعی تھیں زرعی کریڈٹ سوسائٹیوں میں سے پرائمری کریڈٹ سوسائٹیوں پرائمری لینڈ ڈیولپمنٹ بنکوں اور رہن اراضی کے بنکوں کی تعداد بالترتیب ۱،۶۰،۱۴۰ اور ۸۵۵ تھی ۔ غیر زرعی سوسائٹیوں میں سے ۱۱،۹۳۵ بچت و قرض کی سوسائٹیاں تھیں ۔ اسی طرح جون ۱۹۷۳ ع میں ۱،۵۰،۵۰۳ کواپریٹیو نان کریڈٹ سوسائٹیاں تھیں جن میں سے ۴۹،۸۰۴ کا تعلق زراعت سے تھا اور ۱،۰۰،۶۹۹ غیر زرعی سوسائٹیاں تھیں ۔

زراعت کے لئے کواپریٹیو قرض

کواپریٹیو کریڈٹ ادارے زیادہ تر زرعی ترقیات کے ان پروگراموں کی تائید کے لئے ہیں جن کا مدعا پیداواری صلاحیت کو بڑھانا ہے ۔ ان پروگراموں کے سلسلے میں کلیدی سامان جیسے کیمیائی کھاد ، بیج اور کیڑے مار ادویات کے حصول نیز زرعی مشینوں ، آبپاشی کے چھوٹے انتظامات اور طویل مدتی نوعیت کے زمین سدھار کاموں کے واسطے قرض دینے والے کواپریٹیو اداروں کا بڑا سہارا لیا گیا ہے ۔

قرض دینے والے ادارے

ایگریکلچرل ری فائننس کارپوریشن ، لینڈ ڈیولپمنٹ بنکوں اسٹیٹ کواپریٹیو بنکوں اور شیڈولڈ تجارتی بنکوں کے طویل مدتی وسائل میں اضافہ کرتی ہے ۔

نیشنل کواپریٹیو ڈیولپمنٹ کارپوریشن مختلف کواپریٹیو ترقیاتی پروگراموں کے لئے جن میں سے بیشتر عوام کے کمزور طبقوں اور کم ترقی یافتہ علاقوں کے لئے مخصوص ہوتے ہیں مالی امداد بہم پہنچاتی ہے ۔

غیر زرعی کریڈٹ سوسائٹیاں

جون ۱۹۷۳ ع کے آخر میں شہری بنکوں ، ملازمین کی کریڈٹ سوسائٹیوں اور ان کے تقریباً ۹۰ لاکھ ممبروں پر مشتمل بچت سوسائٹیوں جیسی ۱۶،۷۷۱ غیر زرعی کریڈٹ سوسائٹیاں موجود تھیں ان سوسائٹیوں کے پاس ۴۲۱،۳ کروڑ روپے جمع ہو چکے تھے جبکہ ان کی طرف سے دئے جانے والے قرضوں کی میزان ۶۱۹،۱ کروڑ روپے تھی ۔ شہری بنکوں (پرائمری بنکوں سمیت کی تعداد ۱،۲۱۵ تھی ، ان کے ممبروں کی تعداد ۴۳ لاکھ تھی اور کاروباری سرمایہ ۳۶۳،۸ کروڑ روپے تھا۔ بنکوں نے ۳۶۹،۴ کروڑ روپے کے قرضے دے رکھے تھے ۔

صارفین کے کواپریٹیو ادارے

روزمرہ کے استعمال کی لازمی اشیاء کی جائز اور منصفانہ تقسیم میں ہاتھ بٹانے اور عوامی تقسیم کے سسٹم میں موثر طور پر شریک ہونے کی غرض سے ملک بھر میں صارفین کے کواپریٹیو اداروں کا جال بچھا دیا گیا ہے ۔

ان کنزیومر کواپریٹیو اداروں کی ایک بڑی دین پرچون بیوپار کی جدید کاری ہے ۔ کواپریٹیو انجمنوں کی طرف سے قائم کئے جانےوالے ڈیپارٹمنٹ اسٹور جنھیں " سہربازار "، اور " اپنابازار "، اور جنتا بازار "، کہا جاتا ہے صارفین میں مقبول ہیں ۔ ان دوکانوں کی تعداد جہاں ۶۷-۱۹۶۶ ع میں صرف ۳۸ تھی ۷۴-۱۹۷۳ ع میں یہ ۱۳۴ ہوگئی اور ان کی پرچون بکری اسی عرصے میں ۱۱،۲۷ کروڑ روپے سے بڑھکر ۶۰ کروڑ روپے تک جا پہنچی ۔ علاوہ ازیں تھوڑی توفیق والے علاقوں مثلاً صنعتی اور کان مزدوروں کی بستیوں میں ، چائے کے کھیتوں میں کام کرنے والوں اور ریلوے کرمچاریوں ، محکمہ ڈاک و تار کے ملازمین وغیرہ کے لئے بڑی تعداد میں کنزیومر کواپریٹیو چلائے گئے ہیں ایسے مزدوروں کے لئے قائم کی جانے والی امداد باہمی کی انجمنوں کی تعداد ۷۴-۱۹۷۳ ع میں ۱۴۴،۴ (ممبر ۲۰ لاکھ)، ۴۱۹ (ممبر ۲۱ لاکھ) اور ۱۴۸ (ممبر ۴۲ ہزار) تھی ۔

صارفین کی نیشنل کواپریٹیو فیڈریشن (این - سی - سی ایف) قومی سطح پر کواپریٹیو سوسائٹیوں کی تنظیم ہے ۔ اس نے گذشتہ برسوں کے دوران قابل ذکر ترقی کی ہے ۔ صنعت کار اس بات پر رضامند ہوگئے ہیں کہ روزانہ کام آنے والی کچھ اشیاء (مثلاً ماچس ، بلیڈ ، بناسپتی ، سائکلوں کے ٹائر ٹیوب وغیر کی پیداوار کا ۲۰ فیصد وہ صارفین کی کواپریٹیو سوسائٹیوں کے ذریعے تقسیم کرنے کے لئے مخصوص کردیں گے ۔ کواپریٹیو سوسائٹیوں کے ذریعے تقسیم کرنے کے لئے سوڈا ایش کی مقدار سالانہ ۳۶۰۰ ٹن سے بڑھا کر ۱۶،۰۰۰ ٹن کردی گئی ہے ۔ علاوہ ازیں چھپائی کے کام آنے والے ۱۲،۱۰۰ ٹن سفید کاغذ کا کوٹہ بھی

کواپریٹیوسوسائٹیوں کی فیڈریشن کے لئے مقرر کیا گیا ہے تا کہ طلباء کے لئے ان کی کاپیاں بنا کر صارفین کی کواپریٹیوسوسائٹیوں کے ذریعہ انہیں تقسیم کیا جاسکے ۔ کچھ خاص چیزوں کی فروخت کے لئے ، جیسے کسٹم والوں کی طرف سے ضبط کیا جانے والا مال درآمد کیا ہوا خشک میوہ اور کھجوروں وغیرہ کے معاملے میں دوسرے تاجروں کی بجائے صارفین کی کواپریٹیو سوسائٹیوں کو ترجیح دی جاتی ہے ۔

صارفین کی کواپریٹیوسوسائٹیاں یونیورسٹی کے طلباء اور کالجوں کے ہوسٹلوں کو اسٹیشنری کا سامان ، نصاب کی کتابیں اور دوسری اشیاء رعائتی نرخوں پر مہیا کرتی ہیں ۔ اس سلسلے میں دلی کا سپر بازار طلباء کے ۴۱ ہوسٹلوں کی ضروریات پوری کررہا ہے ۔

دیہی علاقوں میں گاؤں کی سطح پر سروس کواپریٹیو سوسائٹیاں اور منڈی کی سطح پر مارکیٹنگ کواپریٹیو سوسائٹیاں لوگوں کو ضروری اشیاء فراہم کرنے کا کام کررہی ہیں ۔ گاؤں کی سطح پر کام کرنے والی تقریباً ۲۸,۰۰۰ سوسائٹیاں اور ۱,۵۳۰ مارکیٹنگ سوسائٹیاں روزانہ کام آنے والی اشیاء تقسیم کرتی ہیں ۔ علاوہ ازیں کواپریٹیوسوسائٹیاں ۳۶,۰۰۰ کے قریب راشن کی دوکانوں کا بھی انتظام چلاتی ہیں ۔

کھاد وغیرہ کی سپلائی :

کواپریٹیو سوسائٹیوں نے کیمیائی کھاد کی فروخت کے لئے ۴۰,۰۰۰ پرچون دکانیں قائم کیں ۔ ۱۹۷۳-۷۴ع کے دوران کواپریٹیو مراکز نے ۴۰۰ کروڑ روپئے کی مالیت کی کیمیائی کھاد فروخت کی جب کہ ۱۹۶۱-۶۲ع میں ۳۲ کروڑ روپئے کی کیمیائی کھاد فروخت کی گئی تھی ۔ ۱۹۷۸-۷۹ع کے اختتام تک کواپریٹیو سوسائٹیاں ۸۰۰ کروڑ روپئے کی کیمیائی کھاد تقسیم کرلیں گی ۔ ۱۹۷۳-۷۴ع کے دوران ہی کواپریٹیو سوسائٹیوں نے ۱۰۰ کروڑ روپئے کی مالیت کے بیج ، کیڑے مارنے کی دوائیں اور زرعی آلات تقسیم کئے ۔

زائد فروخت کرنے والی دوسری کواپریٹیو سوسائٹیاں :

کواپریٹیو تحریک میں دوسری کواپریٹیو سوسائٹیاں بھی بہت اہم رول ادا کرتی ہیں ۔ یہ سوسائٹیاں مارکیٹنگ ، چیزوں کو سڑنے گلنے سے محفوظ کرنے ، ذخیرہ کرنے ، مرغی انڈے کا کارو بار کرنے ، دودھ اور مکانات کے شعبوں سے تعلق رکھتی ہیں ۔ ۳۰ جون سنہ ۱۹۷۳ع کو ۱,۳۸,۱۷۳ کواپریٹیو سوسائٹیاں تھیں جن کے ممبروں کی تعداد ۱۰,۱۷ کروڑ تھی ۔ ان کا شیئر سرمایہ ۹۰۴,۹ کروڑ روپئے تھا اور ورکنگ سرمایہ ۱,۶۸۰,۰ کروڑ روپئے تھا ۔

مارکیٹنگ :

مارکیٹنگ کے میدان میں کواپریٹیو سوسائٹیوں کا ڈھانچہ ۳,۳۰۰ پرائمری سوسائٹیوں پر مشتمل ہے ۔ ان کے دائرے میں ملک کی تمام اہم زرعی اشیاء فروخت کرنے والی منڈیاں ، پردیشوں میں کام کرنے والی ۲۰ مارکیٹنگ فیڈریشنیں اور ایک قومی کواپریٹیو مارکیٹنگ فیڈریشن آتی ہیں ۔ کواپریٹیو سوسائٹیوں کا نظام ملک میں اناج کی سپلائی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور سول سپلائز ڈپارٹمنٹ و فوڈ کارپوریشن آف انڈیا جیسی پبلک سیکٹر کی تنظیموں سے اس کا گہرا رابطہ ہے ۔

۱۹۷۳-۷۴ع کے دوران کواپریٹیو سوسائٹیوں نے ۱,۰۱۰ کروڑ روپئے کی مالیت کی زرعی پیداوار فروخت کی ۔ اندازہ ہے کہ ۱۹۷۸-۷۹ع کے دوران ۱,۹۰۰ کی مالیت کی پیداوار ان سوسائٹیوں کے ذریعے فروخت ہونے لگے گی ۔

پراسیسنگ

کواپریٹیو سیکٹر میں اب تک زرعی پیداوار کے لئے ۱,۸۵۰ پراسیسنگ یونٹ منظم کئے گئے ہیں ۔ ان میں سے ۱,۰۴۴ کارخانے تو لگا بھی دئے گئے ہیں ۔ ۱۹۷۸-۷۹ع کے اختتام تک اس طرح کے ۲,۱۰۵ کارخانے لگ چکے ہوں گے ۔ ملک میں چینی کی پیداوار کا تقریباً ۴۴ فیصد کواپریٹیو سیکٹر میں تیار ہوتا ہے ۔ کواپریٹیو اداروں کی طرف سے چلائی جانے والی ان فیکٹریوں اور صارفین کی کواپریٹیو سوسائٹیوں میں براہ راست رابطہ ہے ۔

دی انڈین فارمرز فرٹیلائزرس کواپریٹیو لمیٹیڈ (انکو) :

کسانوں کو کیمیائی کھاد مہیا کرنے والی کواپریٹیو سوسائٹی (افکو) قومی سطح پر کام کرنے والی ایک ایسی تنظیم ہے جس میں نئی یونٹ ہیں ۔ ۲۵,۰۰۰ سے زیادہ کواپریٹیو سوسائٹیاں اس کی ممبر ہیں ۔ دلی میں رجسٹر کی گئی سوسائٹی نے گجرات میں کلول کے مقام پر اسونیا اور یوریا کا ایک پلانٹ لگایا ہے جو سالانہ ۳,۰۰,۳۰۰ ٹن اسونیا اور ۳,۹۶,۰۰۰ ٹن یوریا تیار کرے گا ۔ کانڈلا میں این پی کے ، کھاد کے کارخانے کی سالانہ پیداوار ۳,۲۰,۰۰۰ ٹن ہے ۔ ۱۹۷۵ع میں اپریل سے لیکر ستمبر تک اس طرح کے مختلف کارخانوں نے ۱,۵۵,۹۴۱ ٹن امونیا ۶۹,۱۸۷ ٹن یوریا اور ۵۵,۲۶۱ این ۔ پی کے کھاد تیار کی ۔ یہ پیداوار آندھرا پردیش ، گجرات ، ہریانہ ، کرناٹک ، مدھیہ پردیش ، مہاراشٹر ، پنجاب ، راجستھان ، تامل ناڈو اور اتر پردیش میں کواپریٹیو سوسائٹیوں کے ذریعے اسی تناسب سے تقسیم کی گئی جس تناسب سے ہر پردیش کے حصے افکو میں ہیں ۔

ذخیرہ کرنا :

کواپریٹیو سوسائٹیو کے پاس اپنی اشیاء کا ذخیرہ کرنے

کی جو صلاحیت ہے اس میں اضافہ کرنے کا منصوبہ بنانے ، اسے بڑھاوا دینے اور مالی وسائل مہیا کرنے کی ذمہ داری نیشنل کوآپریٹیو ڈیویلپمنٹ کارپوریشن کی ہے - ۱۹۷۳-۷۴ع میں کوآپریٹیو اداروں کے پاس ۴۲ لاکھ ٹن اشیاء کا ذخیرہ کرنے کی صلاحیت تھی جبکہ ۱۹۶۰-۶۱ع میں صرف ۸ لاکھ ٹن اشیاء ہی کا ذخیرہ ہوسکتا تھا - مارچ ۱۹۷۴ع کے اختتام تک ۱۳,۹۴۴ دیہی اور ۴,۰۵۶ دوسرے ایسے گودام تھے جن میں ۳۲٫۲۸ لاکھ ٹن اشیاء کا ذخیرہ ہو سکتا تھا -

کمزور طبقوں کے لئے کوآپریٹیو ادارے :

یہ کوآپریٹیو ادارے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں مثلاً چھوٹے کسان ، ماہی گیر وغیرہ کے لئے روزگار کے وسائل میں وسعت دینے کا کام کرتے ہیں - دودھ کے لئے مویشی پالنے ، مچھلیاں پکڑنے اور اجتماعی کھیتی کے کاموں میں مدد دینے کے لئے جو کوآپریٹیو سوسائٹیاں ہیں وہ خاص طور پر کمزور طبقوں کی مدد کا کام کرتی ہیں -

ڈیری :

ڈیری کے کام کو ترقی دینے کے لئے کوآپریٹیو ادارے روز بروز زیادہ اہم رول ادا کررہے ہیں - اس وقت دودھ ، مکھن وغیرہ تیار کرنے کے کل ۱۳۷ پلانٹ ہیں - ان میں سے ۳۵ کوآپریٹیو اداروں کے پاس ہیں - بہت سے پردیشوں میں پبلک سیکٹر میں کام کرنے والے ڈیری کے کارخانوں کو دودھ کی سب سے زیادہ سپلائی کوآپریٹیو ایجنسیوں کے ذریعے ہوتی ہے - مہاراشٹرا ، اتر پردیش اور پنجاب میں صوبائی سطح پر ڈیری کا کام کرنے والی ۸ کوآپریٹیو فیڈریشنیں ہیں - ۱۹۷۰ع میں اس طرح کی کوآپریٹیو ایجنسیوں کی ایک قومی فیڈریشن بھی قائم ہوئی تھی - گجرات کے ضلع کائرا میں (آنند کے مقام پر) دودھ فروخت کرنے والوں کی یونین اس شعبے میں بہت قابل قدر کام کررہی ہے -

کھیتی :

۳۰ - جون ۱۹۷۴ع تک ملک بھر میں مشترکہ کھیتی کرنے والی ۴,۹۸۵ سوسائٹیاں تھیں اور ان کے اراکین کی تعداد ۱,۲۲,۰۰۰ تھی جو ۳٫۲ لاکھ ہیکٹر رقبے پر کھیتی کرتے تھے - ان کے علاوہ اجتماعی کھیتی کرنے والی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی تعداد ۴,۷۴۰ تھی - ان کے ۱,۴۸,۰۰۰ اراکین ۳٫۱ ہیکٹر رقبے پر کھیتی کرتے تھے -

مچھلیاں پکڑنے کا کام :

مچھلیاں پکڑنے کے کام میں کوآپریٹیو اداروں کا تنظیمی ڈھانچہ ان سوسائٹیوں پر مشتمل ہے جن کے ممبر ماہی گیر ہیں - ۳۰ - جون سنہ ۱۹۷۳ع کو ماہی گیروں کی ۴,۵۰۱ کوآپریٹیو سوسائٹیاں تھیں جن کے کل اراکین ۴,۷۷,۹۱۲ تھے - علاوہ ازیں ضلع کی سطح پر کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی ۹۴ مرکزی فیڈریشنیں اور ۸ صوبائی سطح پر کام کرنے والی فیڈریشنیں تھیں -

مزدور اور تعمیرات :

تعمیر کا کام کرنے والے مزدوروں کو معقول اجرتوں پر کام مہیا کرنے اور ٹھیکہ داروں کی طرف سے لوٹ کھسوٹ سے بچانے کے لئے کوآپریٹیو سوسائٹیاں منظم کی گئی ہیں - ۱۹۶۰-۶۱ع کے دوران تعمیر کا کام کرنے والے مزدوروں کی ۳,۱۰۹ کوآپریٹیو سوسائٹیاں تھیں (جنگلات میں کام کرنے والے مزدوروں کی سوسائٹیاں بھی ان میں شامل ہیں) جن کے اراکین کی تعداد ۲٫۷۴ لاکھ تھی - ۱۹۷۴ع کے اختتام پر اس طرح کا کام کرنے والے مزدوروں کی ۸,۰۹۸ کوآپریٹیو سوسائٹیاں تھیں جن کے اراکین کی تعداد ۵٫۴۲ لاکھ تھی - بارہ پردیشوں میں ضلع کی سطح پر ایسی ۶۲ کوآپریٹیو سوسائٹیاں ہیں - علاوہ اس کے آندھرا پردیش ، دلی ہریانہ ، پنجاب ، راجستھان اور اتر پردیش میں بھی صوبائی سطح پر کوآپریٹیو فیڈریشنیں بھی ہیں -

جنگلات میں کام کرنے والے مزدوروں کے کوآپریٹیو ادارے اپنے ممبروں کے مفاد کا تحفظ کرنے میں بڑا اہم رول ادا کرتے ہیں - یہ مزدور عام طور پر قبائلی ہوتے ہیں -

تقریباً تمام پردیشوں میں ٹینڈر طلب کئے بغیر مزدوروں کی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو کام کا ٹھیکہ دیا جاتا ہے - ٹھیکہ دیتے وقت مالی اخراجات کی ایک حد مقرر کردی جاتی ہے -

مکانات کی تعمیر :

۱۹۷۴ع کے اختتام تک رہائشی مکانات تعمیر کرنے والی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی تعداد ۲۰,۰۰۰ تھی جن کے ۱۳ لاکھ ممبر تھے - ان سوسائٹیوں نے ۵ لاکھ رہائشی "یونٹ" تعمیر کئے جن میں مکانات بھی شامل ہیں - ۱۹۷۴ع کے اختتام تک رہائشی یونٹوں اور مکانات کی اتنی ہی تعداد زیر تعمیر تھی - یہ سوسائٹیاں نہ صرف رہنے کے لئے مکانات مہیا کرتی ہیں بلکہ لاکھوں ہنرمند اور دوسرے مزدوروں کو ان کے ذریعے روزگار بھی ملتا ہے -

ٹرانسپورٹ :

۱۹۷۲-۷۳ع میں ریہڑے کھینچنے اور رکشا چلانے والوں کی ۳۴۴ کوآپریٹیو سوسائٹیاں تھیں جن کے کل ۱۹,۲۰۱ ممبر تھے - علاوہ ازیں ٹرانسپورٹ کا کام کرنے والے دوسرے لوگوں کی

۱,۰۴۸ کواپریٹیو انجمنیں تھیں جن کے کل ۵۵,۸۸۹ ممبر تھے۔ ان کواپریٹیو سوسائٹیوں کے پاس ۱,۷۷۶ گاڑیاں تھیں ۔

چھاپے خانے :

جون ۱۹۷۳ع کے اختتام تک کواپریٹیو سوسائٹیوں کے تحت چلنے والے ۲۷۸ چھاپے خانے تھے اور ان کے ممبروں کی تعداد ۲۶,۲۰۵ تھی ۔ ان چھاپے خانوں پر ۹۳,۰۵ لاکھ روپے کا سرمایہ لگا تھا اور ۱۹۷۲-۷۳ع میں انہوں نے ۱,۶۳ کروڑ روپئے کی مالیت کا کاروبار کیا ۔

دیہات میں بجلی پہنچانے کا کام :

۱۹۷۴ع کے اختتام تک آندھرا پردیش ، گجرات ، کرناٹک مہاراشٹرا اور اتر پردیش میں دیہات کو بجلی مہیا کرنے والی ایک ایک کواپریٹیو سوسائٹی تھی ۔ یہ ، وسائٹیاں آزمائش کے طور پر شروع کی گئی تھیں ۔ انہوں نے ۳۰۷ گاؤں میں بجلی پہنچائی ۲۸۳,۳ کلو میٹر جی ۱۱ کے ۔ وی اور ایل ٹی ، کی نئی لائنیں لگائیں اور ۳۲۰۰۰ نئے کنکشن دے ۔ ۱۹۷۴ع کے اختتام تک آندھرا پردیش میں اس طرح کی دو اور بہار و اڑیسہ میں ایک ایک کواپریٹیو سوسائٹی قائم کی گئی ۔

قبائلی علاقے :

قبائلی لوگوں کی بہبود کے لئے پردیش کی سطح پر آندھرا پردیش ، بہار ، مدھیہ پردیش ، مہاراشٹرا اور اڑیسہ میں کواپریٹیو فیڈریشنیں قائم کی گئی ہیں تاکہ جنگلوں سے دستیاب ہونے والی اشیاء فروخت کی جاسکیں اور قبائلی علاقوں میں روزانہ استعمال ہونے والی اشیاء سپلائی کی جاسکیں ۔

کواپریٹیو سوسائٹیوں کے کام کی تربیت اور تعلیم :

کواپریٹیو کے کام کی تربیت اور تعلیم کے دو پہلو ہیں ۔ (۱) ایسی تربیت جو کواپریٹیو اداروں کے ممبروں اور عہدہداروں کو دی جاتی ہے ۔ (۲) وہ تربیت جو کواپریٹیو اداروں کے ملازمین کو دی جاتی ہے ۔ اس ساری تعلیم و تربیت کا انتظام نیشنل کواپریٹیو یونین آف انڈیا اور اسٹیٹ کواپریٹیو یونینس کرتی ہیں ۔ نیشنل کواپریٹیو یونین کی طرف سے کواپریٹیو تربیت کے لئے قائم کردہ کمیٹی اعلی اور درمیانے درجے کی تربیت کے لئے براہ راست ذمہ دار ہے اور اسٹیٹ کواپریٹیو یونینوں کی طرف سے چلائے جارہے مراکز کی رہنمائی کرتی ہے ۔

ویکنٹھ مہتہ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کواپریٹیو مینیجمنٹ :

یہ تنظیم ہونا کے مقام پر اعلی سطح کی تربیت کے ادارے کا کام کرتی ہے اور کواپریٹیو اداروں میں کام کرنے والے اعلی سطح کے افسران یہاں تربیت پاتے ہیں ۔ اس انسٹی ٹیوٹ میں تحقیق و تربیت دونوں کو اہمیت دی جاتی ہے اور یہ کواپریٹیو اداروں کی تنظیم و انتظام کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کرنے کے علاوہ کواپریٹیو سوسائٹیوں کو مشورہ دینے کا کام بھی کرتی ہے ۔

* * * *

(ڈسپلن سے قوم طاقتور بنتی ہے)

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر :- سری فخرالدین علی احمد صدر جمہوریہ ہند ۲۳ - نومبر کو سردار ولبھ بھائی پٹیل پولیس اکیڈیمی حیدر آباد میں پریڈ کا معائنہ کر رہے ہیں -

بائیں جانب درمیان میں :- گورنر شری آر - ڈی - بھنڈارے نے ۴ - ڈسمبر کو رویندرا بھارتی میں منعقدہ ایک جلسے میں جیالاجیکل سروے آف انڈیا کے پورے ۱۲۵ سال مکمل ہونے پر شائع کردہ ایک کتاب کی رسم اجرا انجام دے رہے ہیں -

دائیں جانب اوپر :- سری - نورالحسن مرکزی وزیر تعلیم نے ۲۷ - نومبر کو گورنمنٹ جونیر کالج فار گرلز ناملی حیدرآباد کے احاطے میں بورڈ آف انٹرمیڈیٹ ایجوکیشن کے " ودیا بھون " کا سنگ بنیاد رکھا - سری یم - وی - کرشنا راؤ ریاستی وزیر تعلیم بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں -

دائیں جانب نیچے :- سری کے - وی - رگھوناتھ ریڈی مرکزی وزیر لیبر نے ۲۴ - نومبر کو رامنتا پور حیدر آباد میں بلڈنگ کامپلکس کا سنگ بنیاد رکھا -
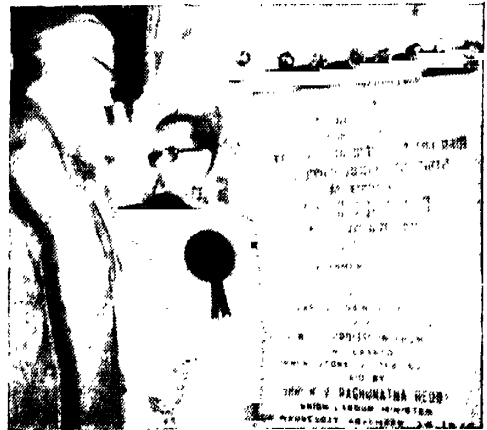
بائیں جانب نیچے :- سریمتی شکنتلابائی بھنڈارے ۱۹ - نومبر کو ذدھی گان مندر حیدر آباد میں خاندانی منصوبہ بندی پر خواتین کی پہلی کانفرنس کا افتتاح کر رہی ہیں -

محکمہ بھاری صنعت ملک کی صنعتی ترقی کا ضامن ہے

۱۱۔ اکتوبر ۱۹۷۴ء کو وزارت صنعت اور شہری رسدات کی تشکیل نو کی گئی اور سابقہ بھاری صنعت کی وزارت کو محکمہ بھاری صنعت میں تبدیل کیا گیا ۔ ملک کی انجینیرنگ کی تمام بھاری اور ھلکی صنعتوں کی پیداوار کا ذمہ دار محکمہ بھاری صنعت ھے ۔ اس محکمہ کے تحت آنے والی صنعتوں میں بجلی تیار کرنے والے پلانٹ ، نقل وحمل اور زراعت کےلئے واگن ، ریل کے ڈبے ، کار ، اسکوٹر ، ٹریکٹر ، تعمیری کاموں کے لئے تعمیری سازوسامان ، مٹی ڈھونے والی گاڑیاں ، خصوصی کرین وغیرہ اور بنیادی صنعتیں مثلاً فولاد ، غیرآھنی دھات ، کھادیں ، ریفائنریز ، پٹرو کیمیکلز ، کاسٹک سوڈا ، سوڈا ایش ، سیمنٹ ، شکر ، کاغذ، بجلی اور ڈیزل کے پمپ ، مشینی اوزار اور کپڑے کی صنعت کے لئے درکار مشینری کی صنعتیں شامل ھیں۔

ملک کے مرکزی پبلک سیکٹر کے تحت آنیوالی تمام بھاری انجینیرنگ کی یونٹوں کی دیکھ بھال بھاری انجینیرنگ کا محکمہ ھی کرتا ھے ۔ ان صنعتی یونٹوں میں وہ یونٹیں شامل نہیں ھیں جو ریلوے ، دفاع ، مواصلات اور جہازرانی کے محکموں کے تحت آتی ھیں ۔ محکمہ ھذا کے تحت آنےوالی صنعتی یونٹیں مندرجہ ذیل ھیں :—

۱ ۔ بھارت ھیوی الیکٹریکلس لمیٹیڈ ۔
۲ ۔ ھیوی انجینیرنگ کارپوریشن لمیٹیڈ ۔
۳ ۔ بھارت ھیوی پلیٹ اینڈ وسلس لمیٹیڈ ۔
۴ ۔ مائننگ اینڈ الائیڈ مشنری کارپوریشن ۔
۵ ۔ تروینی اسٹرکچرلس لمیٹیڈ ۔
۶ ۔ بھارت پمپس اینڈ کمپریسرس لمیٹیڈ ۔
۷ ۔ تنگبھدرا اسٹیل پراڈکٹس لمیٹیڈ ۔
۸ ۔ جیپ اینڈ کمپنی لمیٹیڈ ۔
۹ ۔ بریتھویٹ اینڈ کمپنی (انڈیا) لمیٹیڈ ۔
۱۰ ۔ رچرڈس اینڈ کروڈاس (۱۹۷۲ء) لمیٹیڈ ۔
۱۱ ۔ ھندوستان مشین ٹولس لمیٹیڈ ۔
۱۲ ۔ مشین ٹول کارپوریشن آف انڈیا ۔
۱۳ ۔ انڈین لمٹینڈرڈ واگن کمپنی لمیٹیڈ اینڈ برن کمپنی ۔
۱۴ ۔ اسکوٹرس (انڈیا) لمیٹیڈ ۔

صنعتی یونٹوں کی شاندار کارگذاری

بھاری انجینیرنگ صنعتی یونٹوں کی شاندار کارگذاری کا اس بات سے پتہ چلتا ھے کہ بجلی کی مشینین اور ساز و سامان کی ۱۹۶۰ء میں کی گئی پیداوار کے مقابلہ میں ۱۹۷۳ء میں ۳۶۴ فیصد کا اضافہ ھوا ھے اور دوسری مشنری کی پیداوار ۵۵۴ فیصد بڑھی ھے۔ نقل و حمل میں کام آنے والےساز و سامان کی پیداوار میں ڈیڑھ گنا اضافہ ھوا ھے ۔ بھاری مشینری اور ساز و سامان کی پیداوار میں نہ صرف بے حد اضافہ ھوا بلکہ اس مشینری کی تیاری میں استعمال کیا گیا مال زیادہ تر دیسی ھی تھا ۔

صلاحیت کا استعمال

ملک میں بھاری صنعتوں کی موجودہ صلاحیتوں کے موثر طور پر استعمال کرنے کی اولین ذمہ داری محکمہ بھاری صنعت پر تھی تاکہ پیداوار کی سطح کو بڑھایا جا سکے ۔

اس مقصد کے حصول کے لئے کئی قدم اٹھائے گئے ۔ اس ضمن میں سب سے پہلے اس بات پر توجہ دی گئی کہ حکومت انتظامی کارکردگی کی بجائے ترقیاتی کارکردگی کو اھمیت دے اور اھم فیصلے کرنے میں ھونے والی تاخیر کو ختم کرنے کے لئے مناسب ماحول پیدا کیا جائے اس کے لئے صنعتوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی گئی تاکہ وہ اپنی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال کے لئے مناسب طریقے اختیار کرسکیں ۔

حکومت نے جہاں صنعتوں پر اس بات کا دباؤ ڈالا ھے کہ وہ اپنے یونٹ ٹھیک طرح سے چلائیں اور پیداواری لاگت کو کم کریں وھاں قیمتوں پر کنٹرول اور بونس کی ادائیگی اور قرضوں کے سلسلہ میں ایک لچکدار رویہ بھی اختیار کیا ھے اس رویئے کا سبب یہ تھا کہ پیداوار کی شرح میں کمی نہ ھو اور لاگت میں کمی کر کے ھمارے صنعتی یونٹ بین الاقوامی مارکٹ میں کامیابی کے ساتھ مقابلہ کریں ۔

اس کے ساتھ ھی حکومت کا مقصد یہ بھی رہا ھے کہ پیداوار کی کم لاگت کے فوائد عوام تک پہنچائے جائیں اور منافع کو صنعت ھی میں پھر سے لگا یا جائے ۔

بھاری صنعتوں کے نظم و نسق اور انتظامی ڈھانچے کو پیشہ‌ورانہ طور پر بہتر بنانے کی جانب بھی پوری توجہ دی جارہی ہے۔

بھاری صنعت کے مختلف یونٹوں کو خام مال اور مالی امداد کی فراہمی اور حکومت کے دوسرے محکموں سے جلد فیصلے کروانے کی اہم ترین ذمہ‌داری بھی محکمہ بھاری صنعت نے اپنے ذمے لی ہے۔

پبلک سیکٹر کی کارکردگی

ان تمام اقدامات سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں وہ نہایت ہی اطمینان بخش ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سرکاری شعبے کی صنعتوں کی پیداوار جو ۷۲ - ۱۹۷۱ ع میں ۲۰۸ کروڑ روپے کے بقدر تھی - ۷۳ - ۱۹۷۲ ع میں بڑھکر دوگنی یعنی ۴۰۹ کروڑ روپے کے بقدر ہوگئی - ۷۵ - ۱۹۷۴ میں یہ پیداوار بڑھکر ۷۰۰ کروڑ روپے کی حد تک پہنچ گئی - اگرچہ ۷۳ - ۱۹۷۲ ع میں ان صنعتوں کو ۱۳ کروڑ روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑا تھا مگر ان یونٹوں نے نہ صرف اپنے خسارے کو پورا کرلیا بلکہ ۳۱ کروڑ روپے کا منافع بھی کمایا - اس مدت کے دوران ان صنعتوں نے کل ۴۴ کروڑ روپے کا منافع کمایا - اس بات کی پوری امید کی جاتی ہے کہ منافع کے موجودہ بحران کو برقرار رکھا جا سکے گا -

اس شاندار کارکردگی سے حوصلہ پاکر محکمہ نے اپنا نشانہ بڑھا کر ۲۰۷ کروڑ روپے کے بقدر کردیا - ایمرجنسی کے دوران پیدا شدہ ڈسپلن کی نئی فضاء میں پبلک سیکٹر کے صنعتی یونٹوں نے اس نشانے کو ۲۰۷ کروڑ روپے سے بڑھا کر ۸۰۰ کروڑ روپے کرنے کا فیصلہ کیا ہے - ان صنعتوں کی مصنوعات کی قیمت کو یکم اپریل ۱۹۷۵ ع کو مروجہ قیمت کی سطح پر برقرار رکھنے، صنعتوں کے غیر پیداواری اخراجات میں ۱۰ فیصد کی کمی کرنے اور زیر تکمیل پروجیکٹوں کو جلد از جلد مکمل کرنے کا بھی فیصلہ کیا گیا ہے -

پرائیویٹ سیکٹر میں پیداوار کی شرح میں بھی بڑی حد تک اضافہ ہوا ہے - مشینی اوزار، ٹیکسٹائل مشینری، ٹریکٹر، اسکوٹر، موٹرسائیکل، موپڈ، ڈیزل انجن اور صنعتی مشینیں بنانے والی صنعتوں میں پیداوار کی شرح میں نمایاں کامیابی حاصل کی گئی ہے -

انتظامیہ کا نیا روپ

محکمہ بھاری صنعت نے اپنے وجود میں آنے کے ساتھ ہی اس بات کی پوری پوری کوشش کی کہ انتظامیہ کو ایک نیا روپ دیا جائے تا کہ بہتر کار کردگی کے ذریعہ بہتر نتائج حاصل ہو سکیں -

* * * * *

شری جے وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۳ - اکتوبر کو سکندرآباد ریلوے اسٹیشن پر " آندھرا پردیش سوپر فاسٹ ایکسپریس کا افتتاح کیا -

کے - راگھون نائیر

محنت کش طبقے کی بہبود کیلئے اقدامات

وزیراعظم کے ۲۰ - نکاتی پروگرام کی بیشتر باتوں کو عملی جامہ پہنانے کی ذمہ داری مرکزی وزارت محنت اور زراعت کے کندھوں پر ہے - پارلیمنٹ میں وزیر محنت مسٹر رگھوناتھریڈی نے اپنی وزارت کی بجٹ مانگوں کے دوران اپنے محکمے کے کام کی جو تفصیلات بتائیں ان سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰- نکاتی اقتصادی پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کیا کچھ کیا جا چکا ہے اور کیا کچھ کرنا ابھی باقی ہے مسٹر ریڈی نے سب سے زیادہ اہمیت بیگار ختم کرنے کے کام کو دی - پارلیمنٹ نے جب سے بیگار ختم کرنے کا قانون منظور کیا ہے ، اس وقت سے لیکر اب تک اس سلسلے میں کافی پیش رفت ہوئی ہے - جو محنت کرنے والے جبری مزدوری کی پابندیوں سے آزاد ہوئے ہیں ان کی بہبود کیلئے مرکز نے ریاستی سرکاروں کو مفصل ہدایات دی ہیں - صوبائی حکومتیں اب ایسی اسکیمیں تیار کررہی ہیں جن سے بیگار سے آزاد کئے جانے والے محنت کش ، روزگار حاصل کرسکیں مگر ڈھکی چھپی صورتوں میں اب بھی کہیں کہیں جبری مزدوری لی جاتی ہے اور اس لئے ملک کے مختلف حصوں میں یہ معلوم کرنے کی مہم چلائی جارہی ہے کہ کہاں کہاں اور اس کس شکل میں بیگار لی جاتی ہے -

دوسرا بڑا اور اہم کام زرعی مزدوروں کی مزدوری مقرر کرنا ہے - ہندوستان میں اس وقت کھیتوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد پانچ کروڑ کے قریب ہے اور ان سب کی حالت سدھارنے کے لئے بہت محنت اور وقت کی ضرورت ہے بہت سی ریاستی سرکاروں نے زرعی مزدوروں کی کم سے کم مزدوری مقرر کردی ہے اور ریاستی سرکاروں کی انتظامی مشینری بھی ان قوانین کو عملی جامہ پہنانے کی تیاری کر رہی ہے - مسٹر ریڈی نے پارلیمنٹ میں بتایا کہ مرکزی حکومت بھی کم سے کم تنخواہوں کے ایکٹ میں ترمیم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے حکومت کی کوششوں سے اتنا تو ہوا ہے کہ بیڑی مزدوروں کی اجرتیں بڑھی ہیں اور ان میں یکسانیت سی آ گئی ہے -

۲۰ - نکاتی اقتصادی پروگرام میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ صنعتی مزدوروں کو کارخانوں کا انتظام چلانے کے کام میں بھی شریک کیا جانا چاہئے - اس سے مزدوروں میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہوگا - اور وہ پیداوار کے کام میں اپنے آپ کو برابر کا شریک سمجھیں گے اس سلسلے میں بہت کام کیا جا چکا ہے - پبلک سیکٹر کے بیشتر اداروں نے اپنے کارخانوں میں اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے اقدامات کئے ہیں - اس کے علاوہ کچھ صوبائی حکومتوں نے بھی اپنے زیر انتظام اداروں میں اس اسکیم پر عمل کرنا شروع کیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ صنعتی تعلقات کو اگر بہتر بنانا ہے تو اس کا سب سے اچھا طریقہ یہی ہے کہ مزدوروں کو ہر سطح پر کارخانوں کے انتظامی معاملات میں شریک کیا جائے اس میں شک نہیں کہ گذشتہ ایک سال سے صنعتی محاذ پر اب وہ حالت نہیں جو ایک برس پہلے تھی - ۱۹۷۴ ع میں ہڑتالوں وغیرہ سے جو نقصان ہوا ۱۹۷۵ ع میں ہم نے صرف اس سے نصف نقصان اٹھایا اور ایمرجنسی کے بعد تو ہڑتالوں کی تعداد اور بھی کم ہوگئی -

صنعتی تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے حکومت نے ایمرجنسی کے بعد کچھ اور اقدامات بھی کئے ہیں اس سلسلے میں اعلی سطح پر ایک قومی ادارہ بنایا گیا ہے جس کے ذریعے پرائیویٹ سیکٹر میں کام کرنے والے مزدوروں اور صنعتکاروں کی تنظیموں کے درمیان مختلف مسائل پر مشورہ ہو سکے گا - مزدوروں کے مفادات کا تحفظ کرنے کے لئے مرکزی حکومت نے کچھ اور قوانین بھی بنائے ہیں عورتوں اور مردوں کے لئے یکساں کام کیلئے یکساں اجرت کا قانون بنایا گیا ہے - اس کے علاوہ صنعتی تنازعات کے ایکٹ میں ترمیم کی گئی ہے - تاکہ چھٹنی وغیرہ کا خطرہ نہ رہے امید کی جاتی ہے کہ ان تمام اقدامات سے محنت کش طبقے کی حالت بہتر ہوگی پیداوار بڑھے گی اور ہم خوشحال زندگی کی طرف زیادہ تیزی سے قدم بڑھائیں گے -

* * * *

بچوں کی بہبود کیلئے موثر اقدامات

بچے ملک کے لئے ایک انتہائی قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں - ہمارے قومی منصوبوں میں بچوں کی ہمہ جہت بہبود کے پروگرام کو ہمیشہ خصوصی اہمیت دی گئی ہے - اس پروگرام کا مقصد بچوں کو ہر اعتبار سے صحت مند ، تندرست اور خوشحال بنانا ہے تاکہ بڑے ہو کر وہ ایک کامیاب شہری بنیں اور ملک و قوم کی بہترین طریقے پر خدمت کرسکیں - حکومت نے بچوں کی فلاح و بہبود کے لئے متعدد اقدامات کئے ہیں -

قومی ترقی میں بچوں کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے بھارت سرکار نے ۲۲ - اگسٹ ۱۹۷۴ ع کو بچوں سے متعلق ایک قومی پالیسی پر عملدرآمد شروع کیا - یہ پالیسی بچوں کی بہبود کے ۱۵-نکاتی پروگرام پر مبنی ہے - اس کے تحت بچوں کی صحت و سلامتی ، انہیں تغذیہ بخش اور وٹامنوں سے بھر پور متوازن خوراک کی فراھمی ، اپاھج بچوں کی معقول دیکھ بھال اور پرورش اور غریب مزدور اور بیمار خواتین کے بچوں کی نگہداشت کے لئے پرورش گھروں کا بندوبست اور دماغی و جسمانی طور پر معذور بچوں کی مناسب دیکھ بھال کے انتظامات کئے گئے ہیں -

وزیراعظم شریمتی اندراگاندھی کی زیر صدارت ۳ - ڈسمبر ۱۹۷۴ ع کو بچوں سے متعلق ایک قومی بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی - مذکورہ بورڈ کی پہلی میٹنگ میں بچوں کی بہبود کے لئے ترجیحات اور پروگراموں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی اور طریقہ کار مرتب کیا گیا - مذکورہ پالیسی پر موثر عمل در آمد کے لئے مختلف ریاستوں کو ھدایات اور مشورے دئے گئے -

بچوں کی جسمانی ، نفسیاتی اور سماجی ترقی کو فروغ دینے کی غرض سے ، پانچویں پنجسالہ منصوبے میں بہبود اطفال کی مربوط خدمات کی اسکیم شروع کی گئی ہے - مذکورہ اسکیم کے تحت بچوں کی بہبود کے لئے ۳۳ پراجیکٹ شروع کئے گئے ھیں - ان میں سے دس پراجیکٹ قبائلی علاقوں میں ، ۱۹ دیہی علاقوں میں اور چار شہری گندی بستیوں میں کام کر رہے ھیں - ان پراجیکٹوں کے تحت بچوں کو تغذیہ بخش خوراک مہیا کی جارھی ہے ، حاملہ اور دودھ پلانے والی ماؤں کی صحت و دیکھ بھال کی طرف خصوصی توجہ دی جا رھی ہے -اور بچوں کی صحت وتندرستی کو بہتر بنانے کے لئے ہر امکانی کوشش کی جاری ہے- اس اسکیم پر آزمائشی بنیاد پر عملدرآمد شروع کیا گیا ہے اور اگر یہ کامیاب ثابت ہوئی تو اسے مزید وسعت دی جائے گی -

حکومت کی ان کوششوں کے ساتھ ساتھ ، والدین کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں کے مستقبل کو سنوارنے کے لئے ہر وہ تعمیری طریقہ اپنائیں اور بچوں کی بھر مار کو روکنے کے لئے کنبہ بندی پر عمل کریں - انہیں یہ بھی چاھئے کہ وہ اپنے بچوں کی صحت اور خوراک کی طرف خاص دھیان دیں اور قیمتی اشیائے خوردنی اور پھلوں کی بجائے انہیں ھرے پتے دار ترکاریاں ، ساگ ، گیہوں ، چنا اور مٹر وغیرہ کھلائیں ، اس لئے کہ یہ چیزیں گاؤں اور شہر دونوں میں آسانی سے سستے داموں پر مل جاتی ھیں اور افادیت میں کسی قیمتی پھل سے کم نہیں ھیں -

گھر میں ماں کا رول کلیدی اہمیت رکھتا ہے - بچے کی مناسب دیکھ بھال ، پرورش اور متوازن غذا کی فراھمی میں اس کا سب سے بڑا ھاتھ ہے - اس لئے ہر ماں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضمن میں اپنی اھم ذمےداریوں کو پوری طرح محسوس کرے اور اپنے بچوں کے مستقبل کو تابناک بنانے اور اسے کامیاب شہری بنانے میں اپنا بھر پور تعاون دے -

* * * * *

بیک ورڈ کلاسس کواپریٹیو فینانس کارپوریشن

آندھرا پردیش بیک ورڈ کلاسس کواپریٹیو فینانس کارپوریشن لمیٹڈ حیدرآباد کی رجسٹری ۴ - ستمبر ۱۹۷۴ع کو عمل میں آئی - یہ کارپوریشن اپنی قسم کا پہلا کارپوریشن ھے جو ملک میں پسماندہ طبقات کی تیز رفتار معاشی ترقی کے لئے قائم کیا گیا ھے - پسماندہ طبقات ریاست کی جملہ آبادی کے ۳۸ فیصد پر مشتمل ھیں - آندھرا پردیش میں پسماندہ طبقات کی اکثریت پیشہ ورانہ گروپس سے تعلق رکھتی ھے جیسے بافندے - چرواھے - ماھی گیر - درزی - کمہار - بڑھئی - نائی - لوھار ، دھوبی وغیرہ - یہ طبقے مالیہ کی کمی - فنی آگہی کی غیر موجودگی اور مارکٹنگ سہولتوں کی عدم دستیابی کے باعث اپنے پیشوں کو فروغ نہیں دے سکے -

کارپوریشن کا اولین فریضہ آندھرا پردیش کے پسماندہ طبقات کی اقتصادی ترقی کے لئے جد و جہد کرنا ھے - اسکے اھم مقاصد یہ ھیں - زراعت - افزائش مویشیاں - چھوٹی صنعتوں - دیہی صنعتوں - اور گھریلو صنعتوں کے فروغ کے پروگرام بنانا - انکی عمل آوری کرنا اور اس سلسلے میں امدادی سرگرمیاں انجام دینا - مذکورہ بالا مقصد کے حصول کے لئے فنی آگہی - انتظامی و مالی امداد اور دوسری کسی اور قسم کی امداد نیز اراکین کو مالی ضمانت پہنچانا - زرعی صنعتوں ، چھوٹی صنعتوں اور گھریلو صنعتوں کے فروغ کے ایسے پروگرام تیار کرنا اور روبہ عمل لانا جس سے وسیع پیمانے پر روزگار کے مواقع پیدا ھوں - چھوٹی دیہی اور گھریلو صنعتوں کو فروغ دینے کی خاطر ان سے متعلق مسائل کا سروے ، ریسرچ اور انکے مطالعہ کا اھتمام کرنا اور انکی ترقی کے امکانات کا پتہ چلانا تاکہ انکے فروغ سے پیشہ ور پسماندہ طبقات کو کاروبار ملے - اراکین کو کاروبار چلانے کے لئے نقد رقمی قرضوں کی فراھمی کا انتظام کرنا -

کارپوریشن کے انتظامی اور عاملانہ اختیارات ایک بورڈ آف ڈائرکٹرس کو حاصل ھیں جس میں حکومت کے ترقیاتی محکموں کے نمائندے اور پانچ غیر سرکاری اراکین شامل ھیں - محکمہ سماجی بھلائی کے سکریٹری اس کارپوریشن کے صدرنشین اور ناظم محکمہ بہبودی پسماندہ طبقات اسکے مینیجنگ ڈائرکٹر ھیں -

کارپوریشن کا منظورہ سرمایہ حصص ۵ کروڑ روپئے ھے اور یہ لائف انشورنس کارپوریشن - تجارتی بینکوں اور دوسرے مالیاتی اداروں سے قرض حاصل کرسکتا ھے -

ریاستی حکومت نے اس کارپوریشن کو ۲۰ لاکھ روپئے کی مالی امداد ۱۹۷۴-۷۵ع کے منصوبہ جاتی موازنے سے فراھم کی ھے اور ۱۹۷۵-۷۶ع کے لئے ۶۵ لاکھ روپئے دئے جن میں ۱۹۷۶-۷۷ع کے منصوبہ جاتی موازنے سے دئے جانے والے ۲۰ لاکھ روپئے بھی شامل ھیں - اس کے علاوہ کارپوریشن کی اچھی کارکردگی کے پیش نظر اور اسکیمات کی عمل آوری کے لئے جزوی رقومات کے مطالبات کی پابجائی کی خاطر محکمہ بہبودی پسماندہ طبقات کی بچتوں میں سے ۱۹۷۵-۷۶ع کے دوران ۲۹,۹۰ لاکھ روپیے زائد رقم کے طور پر دئے گئے -

۱۹۷۶-۷۷ع کے دوران کارپوریشن کے لئے منصوبہ جاتی موازنے کے تحت ۳۴ لاکھ روپیے کی گنجائش رکھی گئی ھے جس میں سے ۲۵ لاکھ روپیے ۱۹۷۵-۷۶ع میں دئے جا چکے ھیں ۱۹۷۷-۷۸ع کے منصوبے کی گنجائش میں سے ۱۰ لاکھ روپیے کی رقم پیشگی دی جا چکی ھے -

پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے صناعوں اور خواندہ بےروزگاروں کو خودروزگار اسکیمات چلانے کے قابل بنانے کے لئے کارپوریشن کو سال ۱۹۷۴-۷۵ع کے لئے فروغ روزگار کے پروگراموں کے تحت ۱۶ لاکھ روپیوں کے خرچ کی گنجائش فراھم کی گئی تھی - یہ پوری کی پوری رقم استعمال میں لائی جاچکی ھے -

حکومت نے ۲۰ - نکاتی فارمولے کے تحت ۱۹۷۴-۷۵ع - ۱۹۷۵-۷۶ع اور ۱۹۷۶-۷۷ع کے دوران متعلقہ اضلاع میں پسماندہ طبقات کے مفاد اور معاشی امداد کے پروگراموں کی عمل آوری کے لئے کارپوریشن کو جملہ ۶۱,۸۹ لاکھ روپیے کا سرمایہ فراھم کیا ھے -

اس طرح کارپوریشن کو اب تک مختلف پروگراموں کے تحت فراھم کردہ سرمایہ کی جملہ مقدار ۲۳۵,۴۰ لاکھ روپیے ھوگئی ھے -

کارپوریشن کی جانب سے اب تک ۱۰ کروڑ ۸۸ لاکھ ۳ ہزار ۳ سو ۶۶ روپیے کی لاگت کے اسکیمات کو روبہ عمل لایا گیا ہے جسکے لئے بینکوں سے ۸۷۸۲۸۳۲۶ روپیے بطور امداد حاصل کئے گئے اور ۱۹۰۳۱۲۴۵ روپیے بطور مارجن رقم کے کام میں لائے گئے - ان اسکیمات سے ۶۵۸۰۸ اشخاص کو فائدہ پہنچا -

ایسے علاقوں میں جہاں بینکنگ کی سہولتیں نہیں ہیں پسماندہ طبقات کی معاشی سدھار کے لئے قرض فراہم کرنیکی غرض سے کارپوریشن نے آندھرا بینک سے ۴۰ لاکھ روپیے بطور قرض حاصل کئے - یہ رقم اس مقصد کے لئے ڈسٹرکٹ سوسائٹیوں میں تقسیم کی جائیگی -

اگرچیکہ بینکوں کی جانب سے کارپوریشن کی اسکیمات کی خاصی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے لیکن کئی مواضعات سے متعلق اسکیمات کو بینکوں کا اشتراک حاصل نہیں ہوا ہے - ان رقومات کی تقسیم کو سوسائٹیوں کے اختیار میں دیدیا گیا ہے- ان کی وصولی اور بینکوں کو ادائی کی ذمہ داری سوسائٹیوں پرہے- اس اسکیم کے تحت قرض منظور کرنیکی حد زیادہ سے زیادہ ۳ ہزار روپیے رکھی گئی ہے -

اس طرح بیکورڈ کلاسس فینانس کارپوریشن اپنا بہترین قدم آگے بڑھا چکا ہے اور اپنی تشکیل کی مختصر مدت کے دوران میں پسماندہ طبقات کی منصوبہ بند معاشی ترقی کا موثر ذریعہ بن چکا ہے -

* * * *

محنت و مشقت میں مصروف نوجوان

جہیز کی لعنت ختم ہونی چاہئے

جہیز جیسی تباہ کن لعنت کا خاتمہ کرنے میں ملک کے نوجوان اہم اور فیصلہ کن کردار ادا کر سکتے ہیں ۔ ان کا فریضہ ہے کہ وہ موثر انداز میں اپنے اس کردار کو ادا کریں اور ملک کو اس لعنت سے نجات دلائیں ۔

زمانہ قدیم سے ہمارے معاشرے میں عورت کی روائتی عزت و توقیر کے باوجود اس کو وہ مقام حاصل نہیں رہا جسکی کہ وہ حقدار ہے ۔ اس پس منظر کو ملحوظ رکھتے ہوئے خود هندوستانی معاشرے کے رسم و رواج اور دوسرے بیشتر ترقی یافتہ ممالک کی سیاسی روایات سے یکسر اختلاف کرتے ہوئے دستور هند نے عورت کو سیاست میں مرد کے مساوی رتبہ عطا کیا ہے ۔ ہمارے ملک میں عورت کو مساویانہ رتبہ دلانے میں دو قوتوں کا هاتھ رہا ایک تو قومی تحریک اور دوسرے مہاتما گاندھی کی بے نظیر قیادت ۔ گاندھی جی ایک بڑے سیاسی قائد ہونے کے علاوہ ایک عظیم سماجی مصلح اور انقلابی بھی تھے ۔

انیسویں صدی کے اصلاحی تحریکات کا دائرہ اثر روائتی خاندانی ڈھانچے کے اندر عورت کے موقف کو بہتر بنانے میں محدود ہو کر رہ گیا تھا ۔ لیکن نئی صدی کے آغاز سے عورتوں کے گروہس نے رضاکارانہ طور پراپنے گھروں سے نکل کر سماجی بھلائی کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کردیا خاص طور پر ان کی سرگرمیاں تعلیم نسوان معاشرے کے کمزور طبقات کی فلاح و بہبود اور مصیبت زدوں کی امداد وغیرہ جیسے شعبوں پر حاوی تھیں ۔ بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں عورتوں کی متعدد تنظیمیں عالم وجود میں آئیں جو زیادہ تر غیر سیاسی نوعیت کی تھیں اور ان تنظیموں کے قیام کے نتیجے میں سیاسی حقوق کی مانگوں نے جنم لیا ۔ ملک کی ممتاز شاعرہ بلبل هند سروجنی نائیڈو آزادی نسوان کی تحریک کی رهنما تھیں اور انہیں کی قیادت میں ایک وفد انگلستان گیا تھا۔ ان کی کوششیں یقیناً بار آور ہوئیں اور ۱۹۲۱ ع کے قانون اصلاحات میں تعلیم یافتہ اور صاحب جائداد خواتین کو حق رائے دیہی دیا گیا ۔ بلا شبہ یہ ایک دور رس اقدام تھا ۔

گاندھی جی کا طرز عمل اور برتاؤ ان کے زمانے کے متعدد مروجہ سماجی روایات کے بالکل بر عکس تھا ۔ دوسرے معاملات کی طرح اس معاملے میں بھی وہ اپنے وقت سے بہت آگے تھے ۔ انہوں نے اس بات کا ببانگ دهل اعلان کر دیا تھا کہ " حقوق نسوان کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ ممکن نہیں "۔ ان کا ایقان تھا کہ عورت کو هندوستانی معاشرے کی تشکیل جدید میں ایک مثبت اور فعال کردار ادا کرنا ہے اور هندو سماج میں سماجی انصاف قائم کرنے کے لئے عورت کو برابر کا رتبہ دینا ایک ناگزیر امر ہے ۔ گاندھی جی کے اس ایقان اور اعلان کی بدولت عورتوں کو تحریک آزادی میں حصہ لینے کا موقع هاتھ آیا جس سے اس زمانے کی سیاسی اور سماجی سر بر آوردہ شخصیتوں کے ذهنوں پر راست اثرات مرتب ہوئے ۔ چنانچہ بہت سے ترقی پسند سیاسی تنظیموں نے عورتوں کو تحریک آزادی کی اگلی صفوں میں جگہ دینے پر پسندیدگی کے ساتھ اتفاق کیا ۔ طرز فکر کی اس تبدیلی کا یہ نتیجہ نکلا کہ حصول آزادی کے بعد ہمارے دستور نے فرد کو با عزت اور مساوی رتبے کی طمانیت دی اور عورتوں کے واسطے برابر کے سیاسی اور قانونی بنیادی حقوق کا اعلان کیا گیا ۔ اس طرح یہ واضح ہو جاتا ہے کہ سیاسی سطح پر عورتوں کو بلند مقام دلانے کے لئے ہمارے قائدین نے وہ سب کچھ کیا جو ان کے مقدور میں تھا ۔ البتہ سماجی سطح پر زمانہ قدیم سے چلی آنے والی بندشوں اور رکاوٹوں کے باعث کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں کی جا سکی ۔ چنانچہ ۱۹۷۵ ع کی قومی کمیٹی نے بھی اس سلسلے میں کچھ اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے اور حکومت اور قوم نیز صاحب سمجھ لوگوں پر زور دیا ہے کہ وہ عورت کو سماج میں ناجائز اور نا پسندیدہ بندھنوں سے نجات دلانے کی بھر پور جدوجہد کریں ۔

عورتوں کی تیز رفتار ترقی و بہبود میں رکاوٹ ڈالنے والی تمام برائیوں میں بد ترین اور سب سے زیادہ تباہ کن برائی اور لعنت شاید جہیز ہی ہے جو ہمارے معاشرے کے لئے ایک انتہائی شرمناک اور باعث هلاکت رواج ہے ۔ ہمارے ابتدائی معاشرتی نظام میں جہیز کی رسم عام طور پر معدوم تھی ۔ قدیم هندوستانی کتابوں میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں ہے سمرتی نے البتہ دلہن کے باپ کی جانب سے دلہن کو تحائف و زیورات وغیرہ دئے جانیکا ذکر کیا ہے لیکن انکی تعداد اور قیمت کا کوئی تعین نہیں کیا ہے بلکہ اس معاملے کو لڑکی کے باپ کی استطاعت

اور صوابدید پر چھوڑ دیا ہے - انیسویں صدی کے وسط تک دلہن کو دئے جانے والے زیورات وغیرہ ماں باپ کی محبت کی نشانی سمجھے جاتے تھے اور ان کی اہمیت اس کے سوا کچھ اور نہیں تھی - دلہن کے ساتھ ملنے والے سامان وغیرہ یا نقدی کے سلسلے میں کسی طرح کی سودے بازی یا قبل از قبل مقدار کے تعین کا رواج نہیں تھا - البتہ گذشتہ ٦٠ یا ٧٠ برس کے دوران میں جہیز کی لعنت کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا ہے اور جہیز کی رقم کی مقدار نا قابل برداشت حد تک بڑھ گئی ہے - لڑکے کی تعلیم - عہدہ اور اس کے معاشی موقف کے لحاظ سے جہیز کی رقم کا تعین ہونے لگا ہے - یہ لعنت اتنی عام ہوگئی ہے اور اس سلسلے میں اتنا زور دیا جانے لگا ہے کہ بہت سی معصوم اور غریب کنواریوں کو انتہائی قدم اٹھانا پڑا اور انہوں نے تنگ آکر اپنی زندگیاں قربان کردیں - جہیز کی لعنت کی وجہ سے غریب لڑکیوں کی جو حالت زار ہے اسکے بیان کرنیکی یہاں چنداں ضرورت نہیں اس لئے ہر شخص اس سے واقف ہے -

برسہا برس سے بہت سے سماجی مصلحین نے بشمول راجہ رام موہن رائے کے اس سماجی برائی کے خلاف جان توڑ جنگ کی ہے لیکن بد قسمتی سے اس سلسلے میں کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی - اس کی اولین وجہ یہ ہے کہ ہمارا قدامت پسند معاشرہ نئی تبدیلی اور نئی طرز فکر کو اپنانے کے لئے آسانی کے ساتھ تیار نہیں ہوا -

لیکن پرانا نظام بدلتا ہے اور نیا نظام اس کی جگہ لیتا ہے - چنانچہ قانون امتناع جہیز بابت ١٩٦١ع کو صحیح سمت میں اٹھایا جانے والا پہلا قدم کہا جا سکتا ہے گو یہ قانون متوقع اور زود اثر نتائج پیدا کرنے میں پورا پورا کامیاب نہ ہو سکا - یاد ہوگا کہ مسودہ قانون پر بحث کے دوران یہ خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ جہیز کی لعنت کو مٹانے کے لئے معاشرے کے ضمیر کو جگانے کی ضرورت ہے اور تنہا قانون سازی کے ذریعے اس مسئلے سے نمٹا نہیں جا سکتا - بحث میں اس ضرورت پر بھی زور دیا گیا تھا کہ اس برائی کے خاتمے کے لئے عورتوں کے واسطے روزگار کے مواقعات اور دوسری سہولتوں میں اضافہ کیا جائے - لیکن بدقسمتی سے اس سلسلہ میں بھی خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہو سکی -

آئیے اب ہم حقیقت پسندی کے ساتھ موجودہ موقف کا جائزہ لیں - سچ تو یہ ہیکہ ہمارے معاشرے کا ضمیر اور شعور ابھی تک بیدار نہیں ہوا ہے جیسا کہ سسرال والوں اور شوہروں کی جانب سے لڑکیوں پر معقول جہیز نہ لانے کی پاداش میں آئے دن ہونیوالے ظلم و ستم کے واقعات سے ظاہر ہے - یہ بھی ایک افسوس ناک بات ہیکہ تعلیم کا فروغ بھی اس سلسلے میں غیر موثر رہا ہے - اس لئے کہ پڑھے لکھے نوجوان انتہائی بے شرمی کے ساتھ اس برائی کو بر قرار رکھنے پر مائل نظر آتے ہیں نہ کہ اس کو ختم کرنے پر -

ان حالات میں ضرورت ہے کہ قانون کو انتہائی سختی کے ساتھ نافذ العمل کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں اور ساتھ ہی ساتھ سماجی شعور کو بھی بتدریج اس لعنت کے خلاف بیدار کیا جائے - " مخالف جہیز یوم " جو پہلی سے ٢٠ - نومبر تک منائی جانیوالی ریاست کی سالگرہ تقاریب کا ایک جز ہے - کا مقصد یہ ہیکہ معاشرے کی اس بد ترین لعنت کی جانب عوام کی توجہ مبذول کرائی جائے اور ان کے ضمیر کو جھنجوڑ کر انہیں اس برائی کے خلاف آمادہ جنگ کیا جائے - معاشرے کو اپنے دماغ اور ذہن کو اس ناپاک اور گندے رواج کے خلاف تیار کرنا چاہئے اور اسکی ہلاکت خیزی سے اپنے آپ کو محفوظ کر کے بدلتے حالات اور وقت کے ساتھ آگے کی جانب پیش قدمی کرنی چاہئے -

ہمارے نوجوانوں کو معاشرے میں اسطرح کی تبدیلی روبہ عمل لانے کے سلسلے میں ایک اہم کردار ادا کرنا ہے اور مخالف جہیز عہد کو مقدس عہد سمجھکر اس پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہونا ہے تا کہ ہمارا معاشرہ اور ہمارا ملک ایک تابناک مستقبل کی سمت پیش رفت کر سکے -

* * * * *

یٹری منسٹر ین بھگوان داس بیھکرۂ
ہمراہ جیف منسٹر نے ہیلی کاپٹر میں
ن باد و باراں سے متاثرہ علاقوں کا
ہ لیا اور عوام کو شخصی طور پر
ی امداد بہم پہنچانے کا تیقن دیا ۔

اس پرچے میں شائع کردہ مختلف متاثرہ مقامات کی
تصاویر سے نقصانات کا اندازہ لگتا ہے ۔

آفات سماوی سے ریاست
اور عوام بے پناہ

ہماری ریاست کے ساحلی اضلا
میں چتور اور کڈپہ کے ک
زبردست نقصان سے دوچار
ہوئے ۔

ریاستی حکومت نے فوری
اور بر وقت کام کا آغاز کیا ۔
چونکہ امداد کا کام بہت
بھاری پیمانے پر کرنا ہے
اس میں عوام کا تعاون
حاصل کرنے کے لئے
ایک خصوصی ریلیف فنڈ
قائم کیا گیا ۔

میں زبردست تباہی الی
صائب کا شکار ہوئے
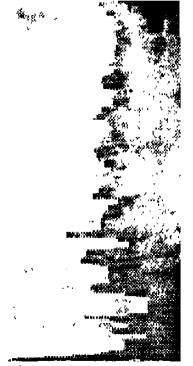
ع مشرقی گوداوری سے نیلور اور رائلسیما
علاقے حالیہ طوفان باد و باراں سے
ئے اور عوام بے پناہ مصائب کا شکار
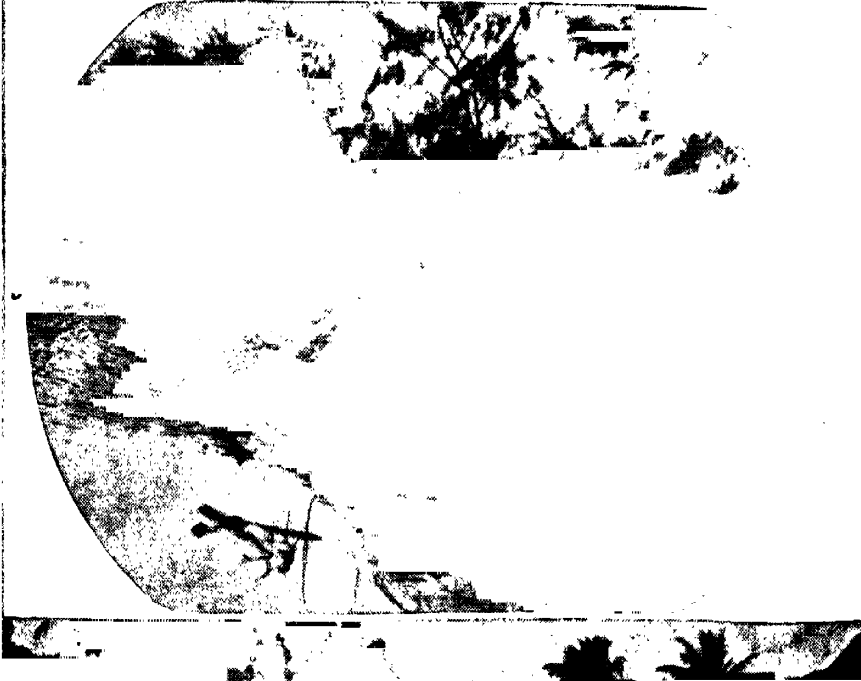
متاثرہ اضلاع کے مختلف علاقوں میں ناریل کے
درخت زمین سے اکھڑ گئے اور کیلوں اور آم کے
باغ مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔

ساحلی اضلاع میں دھان کی فصل کو
بے اندازہ نقصان پہنچا۔

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر :- شری پی - رنگاریڈی وزیر فینانس نے ۱۴ - نومبر کو اونگول میں نمایش کا افتتاح کیا -

بائیں جانب درمیان میں :- شری ڈی - سنو سوامی وزیر سمکیات یوم تاسیس آندھرا پردیش کے موقع پر خواتین میں سلائی مشینیں تقسیم کر رہے ھیں -

بائیں جانب نیچے :- '' ما تلگو تلی کی ملے پوڈنڈا ،، کا مشہور گیت لکھنے والے شری سنکرم باڈی سندرا چاری کو یکم نومبر ٹاؤن ھال نیلور میں یوم تاسیس آندھرا پردیش کے موقع پر اعزاز دیا گیا -

دائیں جانب اوپر :- یوم تاسیس آندھرا پردیش کی تقاریب کے موقع پر ۲۰ - نومبر کو اونگول میں ایک ۴ سالہ بچی نے کلچرل پروگرام میں حصہ لیا -

دائیں جانب نیچے :- شری پی - نرساریڈی وزیر مال نے ۱۳ - نومبر کو نرمل میں یوم تاسیس آندھرا پردیش کے سلسلے میں سرپنچوں کی کانفرنس سے خطاب کیا -

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب درمیان میں :- شری کے - سوامی ناتھن ڈسٹرکٹ کلکٹر اونگول میں باؤلیوں کی کھدوائی کا افتتاح کر رہے ہیں -

بائیں جانب اوپر :- ڈاکٹر جی - رادھا کرشنا مورتی (گورنر کے نمائندے) یکم نومبر کو گورنمنٹ ہسپتال تاڈی پتری میں روٹری کلب کی جانب سے منعقد کردہ فیملی پلاننگ کیمپ میں نس بندی کروانے والے شخص کو دھوتی بطور عطیہ دے رہے ہیں -

بائیں جانب نیچے :- ڈاکٹر کشن راؤ سونیکر ڈسٹرکٹ میڈیکل اینڈ ہیلتھ افسر اننت پور نے یکم نومبر کو روٹری کلب کی جانب سے گورنمنٹ ہسپتال تاڈی پتری میں منعقد کردہ فیملی پلاننگ کیمپ کا افتتاح کیا -

دائیں جانب اوپر :- شری - جی - کمارا سوامی ریڈی کلکٹر ضلع مغربی گوداوری نے یکم نومبر کو لائینز کلب تاڈے پلی گوڈم کی جانب سے گونگوں اور بہروں کے علاج کے لئے منعقد کردہ تین روزہ کیمپ کا افتتاح کیا -

دائیں جانب نیچے :- شری - وائی - نارائن سوامی وزیر اسمال اسکیل انڈسٹریز نے ۴ - نومبر کو پدا پاڈو کے بے زمین ہریجنوں کو پٹے تقسیم کئے -

ستین جالی
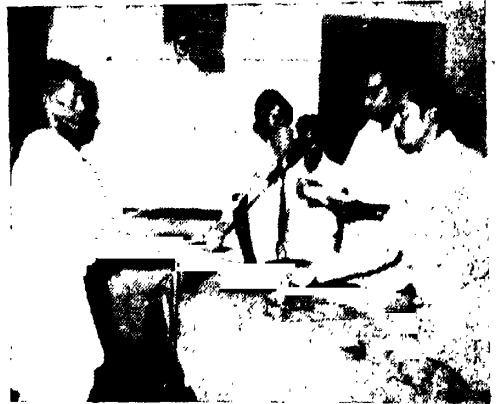
تلوک چند محروم ۔ فکر و نظر کے آئینہ میں

اردو شاعری کی یہ ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ اس نے فکر و خیال کے رنگا رنگ پھول کھلائے ۔ اور ہر پھول کو اپنے حسین و جمیل اور سدا بہار گلشن میں رعنائیوں اور رنگینیوں سے ہمکنار کیا ۔ آج جب ہم اردو کے شاعروں کی طویل فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں صدھا ایسے دلکش نام اور ایسی پروقار اور پر کشش شخصیتیں نظر آتی ہیں جن کی ذہنی اور دماغی صلاحیتوں نے ہماری شاعری کو ارتقا کی اعلی منزلوں تک پہونچایا اور اسے اس قابل بنادیا کہ وہ تمام ترقی یافتہ زبانوں کی شاعری کی صف میں ان کے دوش بدوش کھڑی ہو سکے ۔ برج نرائن چکبست ، دیا شنکر نسیم ، رتن ناتھ سر شار ، سرور جہان آبادی اور تلوک چند محروم کا شمار ایسے ہی با عظمت اور بلند پایہ شاعروں میں ہے ۔

محروم کی شاعری اردو ادب میں ایک صحت مند گراں قدر اور دل آویز اضافہ ہے۔ ان کے کلام کے بیشتر مجموعے شائع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں اور اہل علم اور ادب دوست حضرات سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں ۔ محروم نے اردو شاعری کی جس صنف سخن کی طرف توجہ کی اس کو اپنے کمال شاعری فطری ذہانت اور طباعی سے معراج کمال تک پہنچا دیا ہے ۔

انہوں نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی قطعات بھی لکھے ہیں اور رباعیات بھی مرثیے بھی کہے ہیں اور مسدس بھی مگر ان کے حقیقی میلان طبع کو سمجھنے کے لئے جب تک ان کی نظموں رباعیات اور غم و الم میں ڈوبے ہوئے مرثیوں کا مطالعہ نہ کیا جائے اس وقت تک ان کی عظیم شاعرانہ صلاحیتوں کا پتہ لگا نا مشکل ہے ۔ ان کا تجربہ و مشاہدہ بہت وسیع اور نظر باریک بین ہے ۔ یہی سبب ہے کہ محروم کے احاطہ فکر سے کوئی چیز باہر نہیں انہوں نے اس دنیا آب و گل کی چھوٹی چھوٹی چیزوں پر اظہار خیال کیا ہے ۔ اور جس موضوع پر بھی طبع آزمائی کی ہے اس میں شعریت کا ایک دریا بند کردیا ہے ۔ وہ دنیا کی ہر چیز کو شاعرانہ نکتہ نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک فطری شاعر تھے ۔ فطری شاعر اور اکتسابی شاعر میں یہ نمایاں فرق ہوتا ہے کہ فطری شاعر جس چیز پر اظہار خیال کرتا ہے اسے شعریت کے اعلی منازل سے ہم کنار کردیتا ہے ۔ اس کے برخلاف اکتسابی شاعر باوجود کہ الفاظ سے ایک حسین و جمیل محل تعمیر کرتا ہے، مگر اس میں شعریت کا فقدان ہوتا ہے۔ محروم فطری شاعر ہیں اسلئے وہ جس شئے و خیال اور موضوع کو نظم کا جامہ پہناتے ہیں اس میں جگہ جگہ شعریت کے سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں ۔ جوش ملسیانی کے الفاظ میں ” محروم صاحب کے کلام میں ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ وہ ہر ایک مضمون پر شاعرانہ نقطہ نگاہ سے اظہار خیال کرتے ہیں اور سخن گسترانہ انداز کو ہاتھ سے نہیں چھوڑتے ۔،،

مناظر قدرت کی تصویر کشی ہو یا مناظر فطرت کی نقاب کشائی بہار کی آمد ہو یا خزاں کا زمانہ ہر ایک کی تصویر کشی محروم اس حسن و خوبی کے ساتھ کرتے ہیں کہ پورا پورا نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جا تا ہے ۔ جہاں غم و الم کی داستان بیان کرتے ہیں وہاں ایسا اثر پیدا کر دیتے ہیں کہ قاری اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔

اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ عہد شباب ہی میں محروم صاحب کو ایسے صدمے اٹھانے پڑے جس سے ان کے غموں کے گہرے زخم کبھی مندمل نہ ہوسکے اور ان کے کلام میں غم و الم کا ایک بے پایاں سیلاب بند ہو گیا ۔ ان کے لئے سب سے بڑا سانحہ ان کی رفیقہ حیات کا دنیا سے کوچ کر جا نا تھا ۔ جس نے محروم کے دل و جگر کو ایسا صدمہ پہنچایا جسے وہ کبھی بھلا نہ سکے ۔ پھر تو انہوں نے جو شعر کہے.وہ اسی درد و غم میں ڈوبے ہوئے تھے ۔ سر عبدالقادر کے الفاظ میں ” ایک اور چیز ان کے کلام میں پائی جاتی ہے وہ کیفیت غم ہے بہار ہو یا خزاں قدرت کے ہر منظر کو دیکھ کر ان کے دل کا کوئی نہ کوئی زخم تازہ ہوجاتا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے قدرت نے درد و گداز طبیعت میں حد سے زیادہ رکھا تھا اس پر بعض ذاتی صدمات ایسے پیش آئے کہ شاعر سرا پا درد ہو گیا ۔ ان صدموں میں سب سے زیادہ اثر اس جاں کاہ زمانے کا ہے جب محروم کی جواں بیوی شادی کے چند سال بعد ایک ننھی سی لڑکی چھوڑ کر اس دنیا سے چل بسی اس کو بستر مرگ پر دیکھ کر جو کچھ

ان کے دل پر گذری ننھی سی بیٹی کی بے بسی پر جو غم ہوا اپنی خانہ ویرانی کا جو مسلسل نقشہ آنکھوں میں پھرا یہ سب کیفیتیں نہایت درد بھرے لفظوں میں بیان ہوئی ہیں ،، چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں جو انہوں نے اپنی بیوی کی رحلت پر کہے ہیں -

یہ آج ہونے لگی ہے کدھر کی تیاری
ہے بے طرح سترشح نظر سے بیزاری
کہاں ہے آج تمہاری وہ طرز غم خواری
کہ بے اثر مرے نالے ہیں بے اثر زاری
یہ ہاتھ جوڑ کے مجھ سے معافیاں کیسی
چھیڑی ہے آج یہ رخصت کی داستاں ایسی

محروم کی زندگی کا یہی وہ حادثہ ہے جو غم و الم بن کر ان کے کلام میں ہر جگہ نظر آتا ہے ان کا صدمہ اس وقت اور بھی بڑھ جاتا ہے جب ان کی شیر خوار بچی اپنے معصومانہ انداز میں اپنی پیاری ماں کو ڈھونڈتی ہے اور کوئی جواب نہ پا کر موت کی ابدی نیند سو جاتی ہے - کہتے ہیں -

اس کو بھی غائبانہ معلوم ہو گیا ہے
خواب عدم میں تم ہو یا بخت سو گیا ہے

غم و الم کی کسک یہیں ختم نہیں ہو گئی ہے بلکہ شاعر کے دل اور اس کے ذہن و دماغ میں مستقل جگہ بنا چکی ہے۔ قدرتی مناظر اپنی تمام تر رعنائیوں اور رنگینیوں کے باوجود شاعر غم کے لئے سامان لطف و انبساط فراہم نہ کر پائے - حسن و جمال کے اس سیلاب میں بھی شاعر کے یہاں ایک ہوک اٹھتی رہی-

آنکھ کھولی ادھر ستاروں نے
جلوے دکھلائے ماہ پاروں نے
گو اشارے کئے ہزاروں نے
آنکھ اٹھائی نہ غم کے ماروں نے
شام غم ہے کنار راوی ہے
میں ہوں اور میری سینہ کاوی ہے

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ محروم کی زندگی عہد شباب ہی سے درد و یاس کا پیکر بن گئی تھی جس کا اثر آخر وقت تک ان کی شاعری میں قائم و بر قرار رہا -

ان کی ایک نظم " فصل بہاری ،، ہے جس میں انہوں نے خزاں کے بعد آنے والی بہار کا دلکش نقشہ اس خوبی کے ساتھ کھینچا ہے کہ دل جھوم اٹھتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عروس بہار اپنے گیسوؤں کی خوشبو بکھیرتی ، قدم قدم پر جادو جگاتی، سب کو مست و بیخود بناتی چلی آرہی ہے مگر خود شاعر (محروم) اس سے لطف نہیں اٹھا پاتا - گویا بہار کی آمد آمد سے اس کے زخم ہرے ہو جاتے ہیں چنانچہ نظم اس بند پر ختم ہوتی ہے -

" آمد گل کا ہم کو کیا احساس
دل ہے پہلو میں کب کا کشتہ یاس
یہ جو نالے ہیں زینت قرطاس
ہے فقط اپنی شاعری کا پاس
ورنہ ہم کو خزاں بہار ہے ایک
برگ گل اور نوک خار ہے ایک

محروم کی بہار یہ نظموں میں بھی جا بہ جا کیفیت غم نمایاں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا درد مند دل دوسروں کے درد کو بھی اسی طرح محسوس کرتا ہے جس طرح اپنے غم کو - ان کے خزینہ کلام کی یہ ایک نمایاں خوبی ہے کہ دوسروں کے غم بھی خود شاعر کے غم معلوم ہوتے ہیں انہوں نے احباب اور اپنے ہم عصروں کے انتقال پر جو آنسو بہائے ہیں ان میں سوز و گداز کا ایک دریا بند کردیا ہے - اس طرح کی نظموں اور مرثیوں میں انہوں نے درد و یاس کی جس بے پایاں کیفیت کو بیان کیا ہے وہ ان کے دلی جذبات ملک و قوم سے انکی محبت اور اپنے ہم عصروں سے ان کے بے پناہ قلبی تعلق کا پتہ دیتی ہے - مولانا گرامی ، غالب بنارسی ، سرور جہاں آبادی ، قادر کاکوروی ، چکبست معنوی اور حسرت موہانی کے آسودہ خاک ہو جانے پر محروم نے جو نظمیں لکھی ہیں ان میں مذکورہ کیفیات بھر پور موجود ہیں - ان نظموں میں ایک خوبی اور ہے جس کے باعث وہ دوسری نظموں سے ممتاز اور جداگانہ نظر آتی ہے وہ ہے ان کا زور بیان - وہ الفاظ کے آبدار موتی اور خوش نما نگینے اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ شخص متعلق کی عظمت سامنے آجاتی ہے مثلاً

" شاهد نیچر کا حسن جاں فزاں دیکھے کوئی
یا تری تحریر میں تیری ادا دیکھے کوئی
ساز بزم راز کی سن کر صدا دیکھے کوئی
ہے یہ کس کا نغمہ رنگینی ادا دیکھے کوئی
نقش فریادی ہے کس کی شوخئی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا
نت نیا پردہ اٹھا کر طلعت مستور کا
اهل عالم کو دکھاتا ہے تماشا حور کا
جو طبیعت میں تری ہے گل میں رنگینی کہاں
شعر نازک کو ترے پہنچے بت چینی کہاں

محروم نے بہت سی بہار یہ نظمیں لکھی ہیں ان میں ,, باد بہاری چلی ،، اپنی گونا گوں کیفیات کے لحاظ سے اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے چند بند ملاحظہ فرمائیں ۔

گلشن آفاق میں پھول کھلاتی ہوئی
ناچتی گاتی ہوئی
جلوۂ فردوس کا رنگ جماتی ہوئی
عطر اڑاتی ہوئی
باد بہاری چلی

سبزۂ گلزار کو کرتی ہوئی شاد کام
بھرتی مستی کے جام
دھر کو دیتی ہوئی دور طرب کا پیام
ہنستی ہنساتی ہوئی
باد بہاری چلی

بسنت کے موضوع پر محروم نے جو نظمیں لکھی ہیں انہیں پڑھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بسنت ان کا خاص موضوع تھا۔ ان نظموں میں انہوں نے حسن ادا اور قادرالکلامی کا بہترین مظاہرہ کیا ہے ۔ یہ نظمیں سلاست اور روانی کی بہترین مثال ہیں ۔ ایک ایک مصرعے پر تغزل کا بھر پور رنگ چھایا ہوا ہے ۔ الفاظ کی برجستگی خیال کی بلندی ، لفظوں کے جال اور معنی کے هجوم سے شعریت کے چشمے ابل رہے ہیں ۔ ملاحظہ کیجئے ۔

پھر گلشن عالم میں پیغام بسنت آیا
پھر گونجتے ہیں نغمے مسرور فضاؤں میں
اک کیف کا عالم ہے صحرا کی ہواؤں میں
رعنائی دلکش ہے پھولوں کی اداؤں میں
بے تابئی الفت ہے بلبل کی نواؤں میں
بلبل کی نواؤں نے ہر ذرے کو تڑپا یا

صبا نے مژدہ سنا یا کہ پھر بسنت آ یا
گلوں نے جلوہ دکھا یا کہ پھر بسنت آ یا
کلی کلی نے چٹک کر خوشی آمدید کہا
یہ کس نے ان کو بتا یا کہ پھر بسنت آ یا

مذکورہ بالا نظمیں ایک موضوع پر ہونے کے باوجود ایک انفرادی شان رکھتی ہیں شاعر کا یہ کمال فن ہوتا ہے کہ ایک ہی موضوع پر اظہار خیال کرے اور اس اہتمام کے ساتھ کہ ہر بار اس میں ندرت ، جدت اور بانکپن پیدا ہو جائے ۔

,, ہلال عید ،، بھی جناب محروم کی ایک مشہور و معروف نظم ہے جو لطافت اور روانی کا ایک اعلی نمونہ ہے اس نظم میں انہوں نے ہلال عید کے نمودار ہونے کا جو منظر دکھا یا ہے وہ کتنا دلکش ہے سلاست روانی اور برجستگی کی اس سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں

دیکھو دیکھو وہ میں نے دیکھ لیا
قلعہ کوہ سے ذرا اونچا
چھپ گیا چھپ گیا کہیں دیکھو
پھر نظر آنے کا وہیں دیکھو
وہ جو ہے سامنے شجر دیکھو
اس سے اوپر اٹھا نظر دیکھو
اے لو ! اے لو ! وہیں نظر آیا
مژدہ اے شائقین نظر آ یا

محروم کے یہی شاعرانہ اوصاف تھے جنہوں نے اکبرالہ‌آبادی جیسے عظیم شاعر سے بھی خراج تحسین حاصل کر لیا ۔

ہے داد کا مستحق کلام محروم
لفظوں کا جمال اور معنی کا ہجوم
ہے ان کا سخن مفید و دانش آ
ان کی نظموں کی ہے بجا ملک میں دھوم

* * * *

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر :- شری - جے - وینگل راؤ چیف منسٹر آندھرا پردیش نے ۱۵ - نومبر کو بالا نگر میں '' سیٹلائیٹ انڈسٹریل اسٹیٹ کا افتتاح کیا -

بائیں جانب درمیان میں :- چیف منسٹر گوداوری آبی تنازعے سے متعلق ٹریبیونل کے صدر نشین اور ارکان کے ساتھ -

بائیں جانب نیچے :- بھوٹان سے آئی ہوئی پندرہ افراد پر مشتمل ایک جماعت نے نومبر ۲۰ - سے ۲۲ تک رویندرا بھارتی میں پروگرام پیش کئے -

دائیں جانب اوپر :- چیف منسٹر نے ۳۰ - نومبر کو جمخانہ گراؤنڈ سکندرآباد پر منعقدہ ۱۲ واں آل انڈیا سیول سرویس کرکٹ ٹورنمنٹ میں جیتنے والوں کو انعامات دیئے

دائیں جانب نیچے :- شری کے - راجملو وزیر صحت و طبابت نے ریجنل فیملی پلاننگ سنٹر حیدرآباد کے جلسے میں ''۲۰ سالہ ترقی ،، پر شائع کردہ ایک ساونیر کی رسم اجراء انجام دیا۔ ڈاکٹر ما تھر ڈائرکٹر میڈیکل اینڈ ہیلتھ سرویسس نے وزیر موصوف کا خیرمقدم کیا۔

شری منشی بنارسی داس سکسینہ قمر پیلی بھیتی

۲۶ - چھبیس جنوری - یوم جمہوریہ ہند

بھارت کی فضیلت | ہمارا پیارا بھارت ایک وشال دیش ہے ۔

یہاں کی دھرتی اپجاؤ ، کھیت سر سبز و شاداب ، لہلہاتی ہوئی گھاس ، گنگا ، جمنا وغیرہ جیسے امرت کی ندیاں بہانے والے بہت سے دریا ۔ دلفریب منظر ، دلکش نظارے ، پانی کے فوارے فلک بوس عمارتیں و مندر ، بہت سے خوشگوار موسم ۔ ہر طرح کے اناج کی بافراط پیداوار ۔ ہزاروں قسم کی ترکاریوں و بھاجیوں کی اپج ۔ طرح طرح کے میٹھے و رسیلے مقوی میوے و پھل ۔ مختلف قسم کے خوشبودار پھول ۔ ان گنت اقسام کے خوبصورت چرندے ، پرندے ، درندے ۔ رینگنے والے متعدد طرح کے کیڑے مکوڑے ۔ لاکھوں قسم و شکل و صورت و رنگ و روپ و جسامت کی مچھلیاں ۔ دریائی جانور ۔ مردوں کو زندہ کرنے والی متعدد قسم کی جڑی بوٹیاں ۔ سونے چاندی عام دھاتوں اور قیمتی ہیرے جواہرات وغیرہ کی کھانیں ہیں ۔ یہاں کی دھرتی سونا اگلتی ہے ۔

اس کے اتر میں دنیا کا سب سے اونچا ہمالیہ پربت ۔ دکھن میں بھارت مہا گر ہے ۔ یہاں مختلف رنگ و روپ ، شکل و صورت ، ناک و نقشے ، قد و قامت مختلف ماتر بھاشاؤں ، فیشن و پوشاک و لباس ، رسم و رواج ، تہذیب و تمدن ، طرز معاشرت رہن سہن ، بود و باش و عقائد وغیرہ کے حامل لوگ رہتے ہیں ۔

بھارت کی عظمت | بھگوان شری رام ، بھگوان شری کرشن اور کئی اوتاروں نے یہیں اوتار لیا ۔ بھگوان مہا ویر ، بھگوان بدھ جیسے زبردست ترین و یکتائے روزگار مہا پرشس ۔ ارجن جیسے تیر انداز ۔ کرن جیسے دانی ۔ راجہ مور دھج جیسے مہمان نواز راجہ ہریشچندر جیسے ستیہ وادی ۔ اکلاویا جیسے سعادتمند شاگرد ۔ سکھین جیسے حکیم ۔ رام سورتی جیسے پہلوان ۔ دربا سا جیسے تپسوی ۔ لکشمن جی جیسے جتی ۔ شرون کمار جیسے خدمت گذار بیٹے ۔ نل نیل جیسے انجینیر ۔ چانک جیسے سیاست داں والمیک جیسے شاعر ۔ پوتنا جیسے کوی ۔ کالی داس جیسے ناٹک کار ۔ تان سین جیسے گویئے ۔ مہیش داس بیربل جیسے حاضر جواب بھاماشا جیسے دریا دل ۔ بھر گو سنگتا جیسے جوتشی ۔ میرا بائی سورداس ، تلسی داس جیسے بھگت ۔ سنت گیانیشور سنت تکارام جیسے سنت ۔ گرو نانک جیسے گرو ۔ مہارانہ پرتاپ ۔ مہا رانا پرتھوی راج ۔ چھتر پتی شوا جی ۔ رانی کرناوتی ، رانی لکشمی بائی جیسے ویر ۔ امر سنگھ راٹھور جیسے بہادر ۔ آلہا رودل جیسے سورما ۔ آریہ بھٹ جیسے ہیئت داں ۔ سر جگدیش چندر بوس جیسے سائنس داں ۔ یوگی ومنا جیسے یوگی ۔ مہرشی سوامی دیا نند سرسوتی جیسے سدھارک ۔ بھا نا متی جیسی جادو گرنی ۔ لیلاوتی جیسی حساب داں ۔ انسوئیا جیسی ستی ۔ سیتا جیسی پتی ورتا ۔ پدمنی ۔ دمینتی ۔ پدماوتی ۔ سنجوگتا جیسی خوبصورت ترین دیویاں ۔ راجہ وکرماجیت جیسے منصف ۔ پرتاپ ردر دیو جیسے اپنے وچن کے اٹل ۔ جگت گرو شنکر اچاریہ ۔ سوامی رام تیرتھ ایم ۔ اے ۔ ایشور چندر ودیا ساگر ۔ سوامی وویکانند جیسے ودوان ۔ کبیرداس جیسے گیانی ۔ رانا سانگا جیسے ویر ۔ سروجنی نائیڈو جیسی مقررہ ۔ ٹیگور جیسے نثر و نظم نگار ۔ دیا رام گو جر جیسے دلاور ۔ گوپال کرشن گوکھلے ۔ بال گنگا دھر تلک ۔ لالہ لاجپت رائے جیسے دور درشی ۔ راجہ ہرش ۔ راجہ اشوک جیسے حکمراں ۔ پر ہلاد ابھیمنو جیسے چرتروان ۔ قصہ مختصر یہ کہ ہر خوبی کے یکتائے روزگار حامل ہر کلا اور علوم و فنون کے شہرہ آفاق ماہر یہاں لاتعداد ہوئے ہیں ۔

بھارت کی انفرادیت | بھارت کی فوقیت ، خصوصیت ، اہمیت کہاں تک بیان کی جائے ۔ یہاں کے مہا پرشوں کے یہاں کی ہر میدان کی شہرۂ آفاق ہستیوں کے حالات لکھنے کے لئے ہزاروں سال کی بھی عمر کافی نہ ہوگی لاکھوں آدمی لاکھوں سال تک لاکھوں کتابوں میں ان کی جیونیاں لکھتے رہیں تو بھی لاتعداد واقعات چھوٹ جائینگے اور لا تعداد حضرات کے نام ۔ ساری دنیا کے تمام ملکوں میں جو جو خوبیاں پائی جاتی ہیں وہ سب خوبیاں اور ان کے علاوہ اور بہت سی دوسری خوبیاں اکیلے یعنی صرف ایک بھارت میں ہیں ۔

دنیا نے تہذیب یہاں سے سیکھی ۔ بھگوان کی ہر نعمت اور ہر برکت یہاں موجود ہے بہر حال یہ ملک ہر طرح سے مالا مال و خوشحال تھا ۔ اسے سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا

اسی لئے ساری دنیا کی نیتیں و نظریں ادھر لگی رہتی تھیں مگر بھارت کو نیچا دکھانے کی کس میں طاقت تھی -

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

مگر انتہائی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یعنی یہ کہ آپس کی رنجشوں ، کشمکشوں اور نا اتفاقیوں نے اس کے گلے میں غلامی کا طوق پہنا دیا -

یہیں کے بعض حکمرانوں نے اپنے حریفوں کو نیچا دکھانے کے لئے بیرونی قوموں کو دعوت دے کر بلایا اور ان کا ساتھ دے کر اپنے والوں کے گلے کاٹے -

نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ یکے بعد دیگرے کئی بیرونی قوموں نے اس پر حملے کئے اور اپنی قسمت اور اپنے ظرف کے مطابق یہاں سے بے شمار دولت و جواہرات ، نایاب و کمیاب چیزیں لوٹ کھسوٹ لے گئیں - کوہ نور ہیرا اور تخت طاؤس وغیرہ بھی جیسی بیش بہا اور عدیم المثال چیزیں یہاں سے چلی گئیں - قابل دید اشیا ، نادر نمونے اور لا جواب مورتیاں وغیرہ بھی چلی گئیں -

مہمان اور حکمران | بعض قومیں مہمان بن کر آئیں اور حکمران بن کر رہیں -

دکان دار اور تاجدار | بعض دکاندار بن کر آئے اور تاجدار بن کر رہے -

ملک روندے گئے ہیں پیروں سے
چین کس کو ملا ہے غیروں سے

یکے بعد دیگرے کئی بیرونی قومیں بر سر اقتدار آتی اور جاتی رہیں اور بھارت کے دل میں آزادی کی یاد کھٹکتی سی رہی -

انگریزوں کی آمد اور ان کا تسلط | آج سے تین سو ستہرسال پہلے انگریز یہاں آئے - پہلے ادھر ادھر تجارت کرتے رہے پھر رفتہ رفتہ اپنا تسلط جمانا شروع کردیا - اور حکمران بن بیٹھے -

انگریزوں کی پالیسی | انگریزوں نے اپنی بعض پالیسیوں کی وجہ سے بھارت باسیوں کو بد ظن بنا لیا - اب ہر بھارت باسی یہی کہنے لگا کہ :-

ہمیں ایک ایسے بھارت کی تعمیر مقصود ہے جو بنی نوع انسان کو امن ، ترقی ، آزادی اور خوش حالی دے -

آندھرا پردیش

سب کا متفقہ عقیدہ یہی تھا کہ قوم کی عزت اور وقار کے مقابلے میں بھاری سے بھاری بھی قربانی کوئی حقیقت نہیں رکھتی لہذا جانوں کی بازیاں لگا کر اور ہمہ اقسام کی قربانیاں دیکر ۱۵ - اگسٹ سنہ ۱۹۴۷ ع سکروار کو آزادی حاصل کی -

بھارت کے تیوہار | بھارت میں ۱۴ - اگست سنہ ۱۹۴۷ ع کی شام تک تیوہار دو طرح کے ہوتے تھے -

ایک تو وہ جنہیں کسی ایک مذہب کے سارے فرقے مانتے و مناتے تھے دوسرے وہ جنہیں ایک ہی مذہب کے پورے فرقے مانتے تو تھے مگر مناتے نہیں تھے - ان تیوہاروں میں بعض ایسے بھی تھے جو بھارت کے کسی ایک حصے میں مانے و منائے جاتے تھے اور دوسرے حصے میں نہیں ۱۵ - اگست ۱۹۴۷ ع نے ایک تیوہار کو جنم دیا اور ۲۶ - جنوری ۱۹۵۰ ع نے ایک دوسرے تیوہار کا آغاز کیا - اس طرح یہ دو (۱۵ - اگست اور ۲۶ - جنوری) نئے تیوہار وجود میں آئے اور ان کا نام قومی تیوہار پڑا - ان قومی تیوہاروں کو بلا لحاظ مذہب و ملت ہر ہندوستانی مانتا اور مناتا ہے -

قومی تیوہار نمبر (۱) یعنی ۱۵ - اگست کا تو ہم تفصیلی ذکر قومی تیوہار نمبر (۱) میں کر ہی چکے ہیں - آئیے اب ۲۶ - جنوری (چھبیس جنوری) کے متعلق کچھ بتائیں -

چھبیس جنوری کو کئی ایک واقعات ظہور پذیر ہوئے - جن میں سے ہم چند مشہور واقعات بتاتے ہیں :-

۲۶ - جنوری ۱۵۳۰ ع کو ظہیرالدین بابر بادشاہ کی موت -

۲۶ - جنوری ۱۵۳۹ ع کو شیر شاہ نے ہمایوں کو ہرایا -

۲۶ - جنوری ۱۵۵۶ ع کو شہنشاہ جہانگیر پیدا ہوا -

۲۶ - جنوری ۱۷۹۲ ع کو انگریزوں اور ٹیپو سلطان میں آخری لڑائی ہوئی -

۲۶ - جنوری ۱۸۱۴ ع کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلے صلح نامے پر کلکتہ میں دستخط کئے -

۲۶ - جنوری ۱۸۱۶ ع کو انگریزی فوجوں نے ترکی فوج سے شکست قبول کی -

۲۶ - جنوری ۱۸۷۶ ع کو کلکتہ اور بمبئی میں پہلی ریل جاری ہوئی -

۲۶ - جنوری ۱۸۸۱ ع کو کلکتہ ، بمبئی اور مدراس میں ٹیلی فون جاری ہوا -

۲۶ - جنوری ۱۹۱۶ ع کو پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ع - ۱۹۱۸) انگریزی فوجیں ترکی میں ہاریں -

۲۶ - جنوری ۱۹۳۰ ع کو بھارت نے حصول آزادی کے لئے قسم کھائی اور گھوشنا کی -

۲۶ - جنوری ۱۹۳۳ ع کو کانگریس نے ہندوستان کو آزاد کرانے کا حلف لیا -

۲۶ - جنوری ۱۹۴۱ ع کو دنیا کے تمام اخباروں میں یہ کیفیت چھپی کہ سوبھاش چندر بوس اپنی کوٹھری سے غائب -

۲۶ - جنوری ۱۹۵۰ ع کو گن تنتر کی گھوشنا کی گئی (بھارت کے جمہوریہ ہونے کا اعلان کیا گیا)

یعنی سنہ ۱۹۵۰ ع کی یہی چھبیس ۲۶ - جنوری ہے جس دن ہمارا دستور نافذ ہوا -

بھارت ما تا کی جئے | آج کی خوشیوں کا کیا کہنا - خوشیاں آسمان سے برستی ہیں اور ہر ایک کو شرابور کردیتی ہیں - ہر طرف سے '' بھارت ما تا کی جئے ،، اور '' جئے ہند ،، کے نعرے گونج اٹھتے ہیں - بھارت کی چہل پہل دیکھنے ہی بن پڑتی ہے جسے دیکھو مست و مگن نظر آتا ہے -

چھبیس جنوری سے متعلق چند واقعات | چھبیس جنوری کے سلسلے میں چند واقعات کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا - چھبیس جنوری سنہ انیس سو تیس عیسوی (۲۶ - جنوری سنہ ۱۹۳۰ ع) یعنی آج (۲۶ - جنوری سنہ ۱۹۷۷ ع) سے ٹھیک سینتالیس سال پہلے کی بات ہے کہ بھارت باسیوں نے یہ حلف لیا تھا کہ جب تک انہیں مکمل سوراجیہ نہیں ملے گا تب تک وہ اپنی کوشش جاری رکھیں گے اور بھارت کی آزادی کے لئے ہر طرح کی قربانی دیں گے -

صدق دل سے تصدیق | تاریخ و سنہ متذکرہ صدر پر لا تعداد جلسوں میں بے شمار ادیبوں نے صدق دل سے اس امر کی تصدیق کی تھی کہ :-

'' ہمارا عقیدہ ہے کہ دیگر عوام کی طرح ہندوستان کے بھی عوام کا یہ مسلمہ حق ہے کہ وہ آزادی حاصل کرکے اپنی محنت و مشقت کا پھل کھائیں اور ضروریات زندگی کے سارے سامان حاصل کریں تا کہ انہیں ترقی کے پورے مواقع میسر آسکیں ،،

انڈین نیشنل کانگریس | انڈین نیشنل کانگریس نے اپنے لاہور کے اس اجلاس (جس میں اس کے تمام اراکین نے شریک ہو کر منتہائے مقصد کا اعلان کرکے اس منزل تک پہنچنے کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کا مطالبہ کیا تھا) کے تھوڑے دن بعد بھارتی عوام کے مسلمہ حق اور ان کی آزادی کے متعلق عزم راسخ کا مظہر حلف نامہ جاری کیا - اس کے بعد آزادی ملک کی جدو جہد کے دوران ہر چھبیس (۲۶) کو یہ حلف نامہ عام جلسوں میں دہرایا جاتا رہا - حتی کہ ۱۵ - اگست سنہ ۱۹۴۷ ع کو ہمارا بھارت دیش آزاد ہو گیا

قانون سازی | پارلیمنٹ ہاؤس نئی دلی میں کانسٹی ٹیوینٹ اسمبلی نے ۹ - دسمبر سنہ ۱۹۴۶ ع سے قانون سازی کے کام پر سوچ وچار کرنا شروع کردیا تھا جو دو سال گیارہ مہینے اور سترہ دن میں ختم ہوا - یہ آئین (۳۹۵) دفعات کا تھا جو ۲۶ - نومبر سنہ ۱۹۴۹ ع کو منظور کیا گیا -

حصول آزادی کے بعد | ہمیں آزادی ملنے کے بعد بھی بھارت اور اس کے نیتاؤں کو طرح طرح کی مشکلوں اور کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑا - مثلاً انتقال حکومت سے پہلے کی مدت میں غیر تصفیہ شدہ امور کے علاوہ بھارت کے بٹوارے کے سبب بہت سے مسئلے پیدا ہو گئے - پھر بھی آئین ساز مجلس اپنے کام میں برا بر لگی رہی - اور اس نے مختلف پہلوؤں سے کمیٹیاں مقرر کیں یہ کمیٹیاں اسمبلی کو سوچ و چار کرنے کے لئے تفصیلی رپورٹیں تیار کرتیں - چنانچہ تیار کی ہوئی رپوٹوں کی مدد سے ختم اگست سنہ ۱۹۴۷ ع میں اسمبلی اس قابل ہو گئی کہ اس نے آئین کا مسودہ تیار کرکے ایک ڈرافٹنگ کمیٹی قائم کردی - اس کمیٹی کے چیر مین شری امبیڈکر تھے - بہت سے طویل اجلاسوں اور بہت سے قانونوں کا گہرا جائزہ لینے کے بعد کمیٹی نے فروری سنہ ۱۹۴۸ ع میں اپنا متذکرہ صدر مسودہ اسمبلی میں پیش کردیا -

اسمبلی کے اجلاس | بہت دنوں تک اس مسودے پر سوچ وچار ہوتا رہا - اسمبلی کے شروع کے چھ اجلاس مقاصدی قرارداد اور مختلف کمیٹیوں کی رپورٹوں پر غور کرنے کے لئے مختص رہے اور اب آئین کے مسودے پر سوچ وچار کرنے کے لئے اسے پانچ اجلاس کرنے پڑے - اسمبلی کے اجلاس کل (۱۶۵) دن رہے جن میں (۱۱۴) دن تو آئین کے مسودے پر سوچ وچار ہوتا رہا - اس سوچ وچار میں (۷۶۳۵) ترمیمیں سامنے آئیں جن میں سے (۲۴۷۳) با ضابطہ پیش کی گئیں تریپن ہزار (۵۳,۰۰۰) آدمیوں نے عام گیلریوں میں بیٹھ کر اپنی آزادی کے اس منشور کی تحریر کا تاریخی کام اپنی آنکھوں سے دیکھا -

مدت تیاری قانون اور اخراجات تیاری قانون | ملک کی حقیقی امنگوں کو پورا کرنے والا اور باشندوں کی پیاس بجھانے والا یہ قانون دو سال میں تیار ہوا اور اس پر اٹھائیس لاکھ روپئے خرچ ہوئے -

۲۴ - جنوری سنہ ۱۹۵۰ ع کی شام :

۲۴ - جنوری سنہ ۱۹۵۰ ع کی شام میں بھارت کی دستور ساز مجلس کے اسپیکر شری ماولنکر نے ڈاکٹر راجندر پرشاد کے بھارت کے پہلے راشٹر پتی ہونے کا اعلان فرمایا ۔

۲۶ - جنوری کی اهمیت میں مزید ممتاز اضافہ اس وجہ سے ہوا کہ چھبیس (۲۶) جنوری سنہ انیس سو پچاس عیسوی برهسپت (پنجشنبہ ، جمعرات) کو بھارت کی مقتدر اعلی جمہوریہ کی اساس رکھی گئی اور دنیا کی ایک نئی جمہوریہ کی حیثیت سے اس نے اپنا بنا یا ہوا آئین نافذ کیا یعنی یہ کہ ہندوستانی عوام ملک کے اس دستور کو قبول کرتے ہیں جو ایک مکمل اور خود مختار جمہوریہ کی حیثیت سے نافذ کیا جا رہا ہے جسے ۲۶ - نومبر سنہ ۱۹۴۹ ع کو ہندوستانی مجلس دستور ساز نے منظور کیا تھا اور آج کی تاریخ یعنی ۲۶ - جنوری سنہ ۱۹۵۰ ع اس کے نفاذ کے لئے مقرر کی گئی تھی ۔

اس آئین کی رو سے تمام اقتدار و اختیار کے ماخذ عوام ہیں اور اس میں بھارت کے تمام عوام کو سماجی ، معاشی ، سیاسی انصاف ، سوچ وچار ، اظہار خیال ، عقیدہ و مذہب ، عبادت کی آزادی اور ہر طرح کی مساوات اور آزادی کی نہ صرف گارنٹی ہی دی گئی بلکہ یہ نعمتیں انہیں حاصل ہوں گی ۔

۲۶ - جنوری سنہ ۱۹۵۰ ع برهسپت دس بجکر اٹھار منٹ صبح آزاد ہند کے سب سے پہلے گورنر جنرل چکرورتی شری راج گوپال چاری (راجہ جی) نے بھارت کے ری پبلک ہونے کا اعلان فرمایا ۔ راجہ جی کو اکتیس ۳۱ توپوں کی سلامی دی گئی ۔

راشٹر پتی ڈاکٹر راجندر پرشاد کو جمہوریہ ہند کا راشٹر پتی بنا یا گیا ۔ شری سر هری لال جی کنیا جیف جسٹس سپریم کورٹ نے ہندی میں حلف لیا ۔ راشٹر پتی کو اکتیس (۳۱) توپوں کی سلامی دے کر گورنر جنرل کا جھنڈا سر نگوں کر کے راشٹر پتی کا جھنڈا لہرایا گیا ۔

آج کے دن (۲۶ - جنوری) دہلی کا جشن جمہوریہ دیکھنے کے قابل ہے پورے بھارت کے ہر کلا و علم و ہنر و فن کے چوٹی کے ماہروں کو دہلی بلوا کر انہیں اعزازات ، خطا بات اور نقد انعامات سے ہر سال آج ہی کے دن (۲۶ - جنوری) سر فراز فرمایا جاتا ہے ۔

* * * * * *

ـــــ(باتیں کم کام زیادہ)ـــــ

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب درمیان میں :۔شری آر۔ دسرتھ رامی ریڈی اسپیکر آندھرا پردیش اسمبلی نے ۲۔ نومبر کو سلور پیٹھ میں ایک جلسے عام سے خطاب کیا۔

شری جے۔ وینگل راؤ چیف منسٹر ، شری بی۔ نرسا ریڈی وزیر مال بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ھیں۔

بائیں جانب اوپر :۔شری جے۔ وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۷۔ نومبر نکریکل میں ایک جلسے عام سے خطاب کیا۔

بائیں جانب نیچے :۔ شری اے۔ وینکٹ ریڈی وزیر چھوٹی آبپاشی نے ۱۹۔ نومبر کو وزیر اعظم کے یوم پیدائش و یوم خواتین کے موقع پر ٹاؤن ہال نیلور میں ایک جلسے عام کو مخاطب کیا۔

دائیں جانب اوپر :۔ شری بی۔ رنگاریڈی وزیر فینانس و اطلاعات نے ۵۔ دسمبر کو گنٹور میں شری پنڈیالہ ناگیشور راؤ کو مبارکباد دی۔

دائیں جانب نیچے :۔ شریمتی یم۔ لکشمی دیوی وزیر باز آباد کاری نے ۱۲۔ نومبر کو موضع مارتھڈو میں جوتی سہیلا منڈلی کا سنگ بنیاد رکھا۔

صابر کوسگوی

غزل

آپ کے ساتھ گلستاں کے گلستاں ہونگے
سوختہ دل کیلئے سوختہ ساماں ہونگے

ہم تیری بزم میں جب آ کے غزل خواں ہونگے
شمع افکار کے ایوان درخشاں ہونگے

دفعتاً زخم جگر مرے فروزاں ہونگے
آپ کے سامنے کچھ لعل بدخشاں ہونگے

ضبط کے ہاتھوں سے تھامینگے جنوں کا دامن
ہم نہ پھولوں کی طرح چاک گریباں ہونگے

آپ ہی جان غزل آپ ہیں عنوان غزل
آپ کے سامنے خیام کے دیوان ہونگے

دوستو! عشق کی رسوائی کا چرچا نہ کرو
ورنہ وہ ہم سے سر راہ گریزاں ہونگے

شوخی فکر و سخن لاؤں کہاں سے صابر
جو بھی ہونگے مرے افکار پریشاں ہونگے

* * * * *

غزل

ہوش مندوں کا جنوں پہ مرے احسان نہ تھا — دل اکیلا تھا مرا کوئی نگہبان نہ تھا
غم کے دروازے پہ جب درد نے دستک دی ہے — ایک سایہ تھا جنوں کا، کوئی انسان نہ تھا
روشنی درد کے بے نور بدن سے نکلی — راکھ کر ڈھیر میں جنگاری کا امکان نہ تھا
آج کیوں ڈولنے لگتا ہے سفینہ دل کا — کل جو گذرا تھا ادھر سے کوئی طوفان نہ تھا
اپنے ہی شہر میں ملتے ہیں کئی ویرانے — اپنے ہی شہر کے دروازے پہ دربان نہ تھا
کتنے تاریک فسردہ ہیں غموں کے چہرے — کام ظلمت سے گذرنا کوئی آسان نہ تھا
اپنے چہروں کے نقابوں کو ابھی رہنے دو — اور کچھ دیر چھپالینے میں نقصان نہ تھا

وقت نے کتنے فسانوں کو نکھارا صابر
کتنے افسانوں کو جن کا کوئی عنوان نہ تھا

* * * *

خواجہ محمود احمد ایم - یس - سی

پودوں کی افزائش اور اس کی اہمیت

جس وقت سے انسان نے خانہ بدوشی زندگی کو خیرباد کہا اور بستیاں بسانا شروع کیں اسوقت سے ہی اس کو ضروریات زندگی جیسے غذا ، مکان اور لباس وغیرہ کی فراہمی کی فکر بھی دامنگیر ہوئی اور اس نے اس ضمن میں جد و جہد شروع کردی ۔ چونکہ اسے اپنی بیشتر ضروریات اطراف و اکناف کے پودوں سے حاصل کرنی تھی اسلئے اس کی یہ کوشش رہی کہ پودوں کی افزائش بہتر سے بہتر طور پر عمل میں لائی جائے ۔

زمانہ قدیم سے انسان عمدہ اور فائدہ بخش پودوں کی افزائش کرتا رہا ہے اسلئے آج کے تمام کارآمد پودے انسان کی محنت اور جنگلی پودوں سے ان کے انتخاب اور بہترین طریقے پر ان کی افزائشی عمل کا ثمرہ ہے۔

انسان اپنے ذاتی تجربے سے یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگیا کہ ہوشیاری اور احتیاط کے ساتھ پودوں کے انتخاب اور ان کی حفاظت کرکے اپنی پسند کے پودوں کی افزائش کی جاسکتی ہے۔ فصلوں کو فروغ دینے کے لئے اس نے انتخاب کے طریقہ کار کو ایک اہم اصول کے طور پر اپنایا لیکن اسمیں اسکو بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ طریقہ چونکہ صرف تجربے کی خاطر اپنایا گیا تھا اسلئے منتخب شدہ پودوں کی نسل اکثر اوقات بے کار ثابت ہوئی اور اس کے برعکس بعض اوقات انتخاب کے اصول کے ذریعے بہت اہم اور کارآمد پودوں کا وجود بھی عمل میں آیا ہے جیسے تمباکو ، گیہوں ، مکئی اور چاول کے پودے وغیرہ ۔

موجودہ صدی کے اوائل میں ''مینڈل،، کے اصولوں سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے انہیں دوبارہ اپنایا گیا جس کی بدولت پودوں میں نسلی خصوصیات کے ترکیبی نظام اور Science of Genetics کا وجود ہوا ۔ جنیٹکس کے اصولوں کو بروئے کار لاکر انسان نے مذکورہ تجارتی اقسام کے پودوں کی افزائش میں غیر معمولی پیش رفت حاصل کی ۔

زمانہ قدیم میں پودوں کی افزائش

یہ بتانا بہت دشوار ہے کہ انسان نے کب سے پودوں کی افزائش کا آغاز کیا ، لیکن یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ۷۰۰ قبل مسیح میں Assyrians اور Baby Ionians نے کھجور کے درخت پر مصنوعی طور پر زیرگی کا عمل کیا تھا ۔

انگریزوں کے امریکی ساحل پر قدم رکھنے سے قبل ہی سرخ ہندی مکئی کے پودوں کی افزائش کا غیر معمولی کارنامہ انجام دے چکے تھے ۔ پھر کیف پودوں میں جنس کے وجود کی حقیقت کا علم Camerarius کی تحقیقات کے بعد ہی ۱۶۹۴ع میں ہوا ۔ تھامس فیرچائلڈ نے ۱۷۱۷ع میں Sweet William پودے کا Carnation پودے سے پہلی بار مصنوعی اختلاط کروایا تھا ۔ اس اختلاط سے حاصل شدہ مخلوط النسل پودے کو Fair child's male کہا جاتا ہے ۔ سنہ ۱۷۶۰ع اور سنہ ۱۷۶۶ع کے درمیان جرمن سائنس دان جوزف کول ریوٹر نے پودوں کے باقاعدہ مصنوعی اختلاط کی جانچ کی ۔ انگریز سائنس‌دان تھامس انڈریو نائٹ (سنہ ۱۸۰۵ تا سنہ ۱۸۵۹ع) ان پیش رو اشخاص میں شمار کیا جاتا ہے جنہوں نے پودوں کی عملی طور پر افزائش اور فروغ کے لئے اختلاط کے عمل کو اپنایا تھا ۔

Devries کے مطابق (سنہ ۱۹۰۷ع) میں ایک انگریز جان بی کوئیور اور اسکاٹلینڈ کا کاشتکار Patric shreiff پہلے اشخاص ہیں جنہوں نے پودوں میں نسلی خصوصیات سے متعلق تجربے کئے ۔

فصلوں کی افزائش میں پیش رفت

پودوں کی افزائش کے ذریعے فصلوں کی کاشت کو بہت فروغ حاصل ہوا ۔ اس ضمن میں چند واقعات قابل ذکر ہیں ۔ گنے کے پودے سے زیادہ پیداوار اور شکر کی زیادہ مقدار حاصل کرنے کیلئے ہندوستانی گنے کے مقامی پودے کو اعلی نسل کے گنے کے پودے سے اختلاط عمل میں لایا گیا ۔ یہاں یہ بتانا خالی از دلچسپی نہیں کہ شمالی ہند میں اگنے والا گنا Sacchrum Barberies شمالی ہند کے سخت موسم کو برداشت تو کرلیتا ہے لیکن زیادہ پیداوار نہیں دیتا اور اس میں شکر کی مقدار بھی بہت کم ہوتی ہے۔ Sacchrum afficinarum جو گنے کی اعلی قسم سمجھی جاتی ہے نہ صرف زیادہ پیداوار ہی دیتی ہے بلکہ اس سے زیادہ مقدار میں

شکر بھی حاصل کی جاتی ہے - حالانکہ اس کا تنا موٹا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ شمالی ہند کی سخت سردی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ جنوبی ہند کے گرم علاقوں میں زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ Dr. C. A. Barbar اور ان کے جانشین Dr., T. S. Venkatraman نے ان دونوں اقسام کا اختلاط کروایا اور مخلوط النسل پودے کو بعد ازاں Sacchrum Spontaneum سے اختلاط کروا کر بہترین فصل اور شکر کی زیادہ مقدار دینے والا پودہ حاصل کیا جو شمالی ہند کے سخت موسم کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے - سنہ ۱۹۰۰ع کے اوائل میں مسٹر ھاورڈس نے ہندوستان میں سب سے پہلے اعلی قسم اور عمدہ فصل کے گیہوں کے پودے کی افزائش کے لئے کام شروع کیا - چنانچہ اس مقصد کے لئے مقامی قسم کے گیہوں کے پودے Streio pusa اور New pusa گیہوں کے پودے کا انتخاب کیا گیا تھا - یہ تجربہ کامیاب رہا - چنانچہ یہ قسم زیادہ پیداوار اور اعلی قسم کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی - شمالی ہند میں گیہوں کے پودوں کو ایک بیماری آنے لگی ہے جس کو Black Stemrust کہا جاتا ہے۔ اسکے انسداد کے پروگرام کے تحت گیہوں کے پودے میں اس بیماری سے بچنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے تحقیقات شروع کی گئیں جو اب تک بھی جاری ہے -

پودوں کی افزائش کا مقصد :-

پودوں کی افزائش کا اہم مقصد یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے واحد قسم کے پودے میں زیادہ سے زیادہ مفید اور عمدہ خصوصیات کو (جو معاشی اہمیت کے حامل ہیں) یکجا کرنا ہے۔

اضافہ پیداوار :-

پلانٹ بریڈنگ کا بنیادی مقصد زیادہ پیداوار دینے والے پودوں کا انتخاب اور ان کی افزائش ہے - بہترین آلات زراعت آبپاشی کی سہولتیں ، کھاد کی فراہمی ، زیادہ سے زیادہ قابل زراعت زمین کی موجودگی اور بہتر طریقہ کاشت کے باوجود انسان تمام لوگوں کی ضروریات کے مطابق کافی مقدار میں غلہ پیدا نہیں کر سکتا - ہمارے ملک میں اس سلسلہ میں بہت کچھ کیا جا چکا ہے اور کیا جارہا ہے - زیادہ فصل دینے والی اقسام کو وسیع پیمانے پر فروغ دیا گیا - مثلا زیادہ فصل دینے والی گیہوں کی اقسام سونا ۲۲۷ ، سلونورا ۶۴ کلیان ، میکسکن ہیں ، مکئی میں گنگا ۱۰۱ ، وھائٹ گرین گنگا ۲ ، جواہر کسانی ہیں چاول میں باسمتی ، بیگام ٹی ۲۳ ، اے ، سی ۳۴۰۲ اور اے ، سی ۳۴۰۳ وغیرہ ہیں - حال ہی میں ڈاکٹر سواسی ناتھن نے گیہوں میں Triple dwarf varity. کی افزائش کی ہے - جو ہمارے ملک کے لئے بہت موزوں ہے -

اعلی قسم :-

پیداوار کی مقدار کے علاوہ افزائش کرنے والے کے لئے اعلی قسم کی پیداوار کا بھی لحاظ کرنا ضروری ہے - مثلا کھٹے سنتروں کے مقابلے میں میٹھے سنترے زیادہ پسندیدہ ہیں - میکسکن گیہوں اگرچہ کہ زیادہ پیداوار دیتی ہے لیکن اسکے لال دانے چپاتی تیار کرنے کے لئے موزوں نہیں ہیں اس سے بننے والی روٹی بھی لال ہوتی ہے - اس کے مقابلے میں سونا ۲۲۷ اور کلیانی گیہوں سے مزیدار چپاتیاں تیار کی جاسکتی ہیں - یہ گیہوں میکسن گیہوں کے اختلاط سے وجود میں لائی گئی ہے۔

کیڑوں اور بیماریوں سے مدافعتی صلاحیت :-

کاشت کئے جانے والے اقسام کے پودوں کی اہم خصوصیت ان کی پیداواری صلاحیت ہے۔ بیماریوں کی وجہ سے پودوں میں زیادہ پیداوار دینے کی صلاحیت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے جو بیکٹریا ، فنجی اور وائرس وغیرہ کی وجہ سے نمودار ہوتی ہیں - ہماری موجودہ معلومات میں یہ بات آئی ہے کہ پودوں میں مدافعتی صلاحیت قدرتی طور پر موجود ہوتی ہے - بعض پودوں میں یہ صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ان خصوصیات کو معاشی اہمیت کے پودوں سے مخلوط کیا جاسکتا ہے -

پیداوار کی قبل از وقت پختگی :-

بیشتر اوقات فصل اگانے والے ، پیداوار کو جلد از جلد حاصل کرنا چاہتے ہیں - چونکہ قبل از وقت حاصل ہونے والی ترکاریاں اور پھل عام طور پر زیادہ قیمت پر فروخت ہوتی ہیں - اسکے مقابلے میں دیر سے آنے والی پیداوار سے اتنی قیمت حاصل نہیں ہوسکتی۔

* * * * *

موضع کندوکور ضلع پرکاسم میں یکم نومبر کو یوم تاسیس آندھرا پردیش کے موقع پر ایک جلوس نکالا گیا -

میونسپل آفس اونگول میں یوم تاسیس آندھرا پردیش کی تقاریب کے موقع پر ۱۷ - نومبر " یوم مخالف جہیز " منا کر انعقاد عمل میں لایا گیا - شری پی نارائن ریڈی ریونیو افسر نے جلسے کی صدارت کی -

خبریں

تصویروں

میں

شری سیشنا یم - یل اے نے دھون میں ۲ - نومبر کو دودھ فروخت کرنے کے مرکز کا افتتاح کیا -

شری چندر شیکھر راؤ " ویٹ لفٹنگ چمپین " نے ۲۰- نومبر کو پرکاشم بھون اونگول میں یوم تاسیس آندھرا پردیش کی تقاریب کے موقع پر ویٹ لفٹنگ کا مظاہرہ کیا -
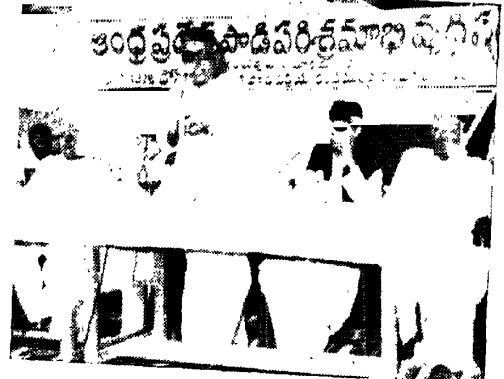
محمد عبدالقادر ادیب

تنظیم نو

تنظیم نو قبول ہو، شاعر کا ہے پیام ترے دم سے ہند نے پایا فلک مقام
کانٹے وطن کے بن گئے گلرنگ و لالہ فام خوشبو بکھیرتے ہیں چمن میں ہر ایک گام

تنظیم گلستاں سے ہی ہے شاخ برگ و بار
ہے باغباں کے دم سے چمن میں نئی بہار

قائم تھے سیم و زر کے کئی لات اور منات اک ایک کرکے گرنے لگے نہ ملی برات
محنت کشوں کو تو نے ستمگر سے دی نجات کمزور بے بسوں کو ملی اک نئی حیات

مزدور اور غریب کسان شادماں ہے آج
نہ غمزدہ کوئی ہے نہ ماتم کناں ہے آج

مفلس کے دل کا چمن جواں غم کا سنگسار تاریک بزم میں ہے چراغاں لئے بہار
سہرخ کی آنکھوں میں ہے حسین دلربا خمار جینے کی آرزو میں مچلنے لگا ہے دمار

فیض حیات نو سے ہیں کانٹے بھی آج پھول
اکسیر بن گئی ہے خاک وطن کی دھول

بے کار پر طریقہ ستم کا نہ چل سکا کمزور طبقہ قرض کے جنگل سے بچ گیا
بازار چور ہونے لگا ہے گریز پا دھن تھا جو کالا سارا حکومت کو دیدیا

گودام خون پھر نہ غریبوں کا پی سکے
قانون ایسا بن گیا کمزور جی سکے

نہ تھا نصیب گھر جسے گھر دار ہوگیا جس کو نہ تھی زمیں وہ زمیں دار ہوگیا
ناری کا بھی سماج میں اب بار ہوگیا بے کار جو وطن میں تھا باکار ہوگیا

خوشحال ہو رہا ہے وطن آج ہر طرح
پھلتا ہے پھولتا ہے چمن آج ہر طرح

ٹکنالوجی میں کام کئے ہم نے بے شمار ایٹم کے تجربوں سے بڑھا دیش کا وقار
میدان میں فضاؤں کے ہندی ہے شہسوار اس فن میں اپنا بڑھ گیا دنیا میں اعتبار

میدان اس میں بھی ہمارا ہی نام ہے
بزم جہاں میں اپنا ہی، اب دور جام ہے

چھایا ہوا ہے ابر گہر بار ہر طرف دریا سجا رہے ہیں چمن زار ہر طرف
احساس نو کا ہے یہی شہکار ہر طرف محنت کی شاخ اب ہے ثمردار ہر طرف

ہر ایک پاس رکھنے لگا ہے زبان کا
احساس عام ہونے لگا آن بان کا

* * * *

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر:- شری وائی۔ نارائن سوامی وزیر اسمال اسکیل انڈسٹری نے ۱۰۔ نومبر کو موضع رالا کنٹہ ضلع مغربی گوداوری میں ایک اسکول کی عمارت کا افتتاح کیا۔

بائیں جانب درمیان میں:- شری سیتنا رام وزیر دیہی ترقیات نے حال میں سہانندی فاریسٹ میں ایک پارک کا افتتاح کیا۔

بائیں جانب نیچے:- شری انا پا ریڈی ایم۔ ایل۔ اے بنیم تعلقہ نندیال سہا نندی فاریسٹ پارک میں ایک پودہ لگا رہے ہیں۔

دائیں جانب اوپر:- شری ٹی۔ ایل۔ ین۔ ریڈی ڈسٹرکٹ جج نیلور ۱۴۔ نومبر کو یوم اطفال کے سلسلے میں انعامات تقسیم کر رہے ہیں۔

دائیں جانب نیچے:- شری بی۔ وینکٹ ریڈی ایم۔ یل۔ اے نندیال سہانندی فاریسٹ پارک میں ایک پودہ لگا رہے ہیں۔

حفیظ فضا

غزل

دست آذر میں گھڑی بھر کو جو تیشہ ٹھہرے
تو کسی بت پہ کہیں دیدۂ بینا ٹھہرے

میرے گیتوں کی پر اسرار خموشی کے قریں
تیری بجتی ہوئی پائل کا بھی لہرا ٹھہرے

ریگ زاروں کی کڑی دھوپ میں اے ابر بہار
تیری امید میں اک ہم تھے کہ تنہا ٹھہرے

دشت ہجراں میں کہیں قافلہ درد کے ساتھ
یاد محبوب سے مہکا ہوا لمحہ ٹھہرے

شہر گل سے ہمیں مقتل میں لئے آئی ہے
زندگی ہم ترے خوابوں کا سویرا ٹھہرے

ایک اک حرف پڑھو ہم کو کہ ہم بھی لوگو
شب کی محفل میں اجالوں کا صحیفہ ٹھہرے

جس نے روشن کئے راتوں کے در و بام فضاؔ
ہائے اس شخص کے گھر میں ہی اندھیرا ٹھہرے

* * * * *

PUBLISH BY THE DIRECTOR OF INFORMATION & PUBLIC RELATIONS ANDHRA PRADESH, HYDERABAD.
PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING, GOVT. OF ANDHRA PRADESH, AT GOVT. CENTRAL PRESS, HYDERABAD

Regd. No. H./HD-76.

کسی بھی ملک کے لئے جمہوریت بے حد اہم ہے لیکن جمہوریت بذات خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ یہ کچھ مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے اور ہم اپنے ملک میں کن مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں ہیں؟ ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ ۶۰ کروڑ کی آبادی والے ملک کو ایک دور سے نکال کر ایک نئے دور میں داخل کردیں ۔ ہم اپنے عوام کی مادی اور جسمانی زندگی کو محض بہتر بنانا ہی نہیں چاہتے بلکہ انہیں اس سے بھی کچھ زیادہ دینا چاہتے ہیں — ایک ایسی نئی زندگی جس میں ان کی شخصیت کو پوری طرح فروغ حاصل ہو سکے ۔

— اندرا گاندھی

آندھرا

آندھراپردیش

فبروری سنه ۱۹۷۷ع ۵۰ پیسے

آندھرا پردیش بہ یک نظر

* آبادی	..	..	.. ۴۳۵,۰۳ لاکھ
* اقوام درج فہرست کی آبادی	..	..	.. ۵۷,۷۵ لاکھ
* رقبہ	..	..	۲,۷۶,۷۵۴ مربع کیلو میٹر
* اضلاع	..	..	.. ۲۱
* تعلقہ جات	..	..	.. ۱۹۵
* قصبات اور شہر	..	..	.. ۲۲۴
* آباد گاؤں	..	..	.. ۲۷,۲۲۱
* پنچائتیں	..	..	.. ۱۵,۹۲۰
* پنچائت سمیتیاں	..	..	.. ۳۲۴
* ارکان پارلیمنٹ	..	..	.. ۵۹
* لیجسلیٹیو اسمبلی کے ارکان بشمول ایک نامزد کردہ رکن		..	.. ۲۸۸
* لیجسلیٹیو کونسل کے ارکان	..	..	.. ۹۰
* یونیورسٹیاں	..	..	.. ۵
* پڑھے لکھے لوگ	..	..	.. ۱,۰۶,۹۰ لاکھ

آندھرا پردیش

ترتیب

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ
حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا۔

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

★

فبروری ۱۹۷۷

ماگھ — پھالگن

شاکھا ۱۸۹۸

جلد ۲۱

شمارہ نمبر ۴

سرورق کا پہلا صفحہ

جواہر بال بھون میں کٹھ پتلیوں کا ناچ

سرورق کا چوتھا صفحہ

طلوع آفتاب کا ایک منظر

اس شمارے میں اہل قلم نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

آندھرا پردیش (اردو) ماہنامہ
زر سالانہ چھ روپئے۔ فی پرچہ ۵۰ پیسے
وی پی بھیجنے کا قاعدہ نہیں۔
چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے۔

شری نورالحسن مرکزی وزیر تعلیم نے ۲۷ - نومبر کو حیدرآباد میں ''ودیا بھون،، کا سنگ بنیاد رکھا -

کل ہند میوزیم کانفرنس کے وفود نے ۱۸ - ڈسمبر کو راج بھون میں گورنر سے ملاقات کی -

خبریں تصویروں میں

شری نورالحسن مرکزی وزیر تعلیم نے ۱۶ - ڈسمبر کو حیدرآباد میں سالارجنگ میوزیم کی سلور جوبلی تقاریب کا افتتاح کیا شری آر - ڈی - بھنڈارے گورنر نے تقریب کی صدارت کی -
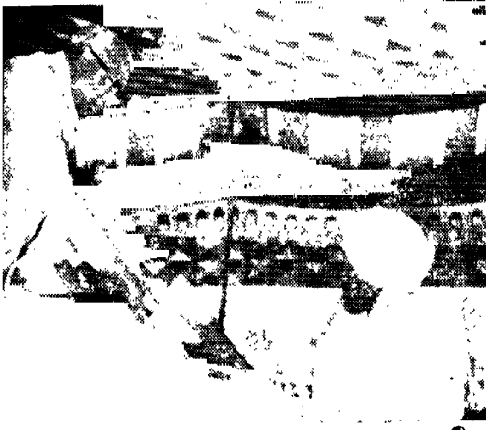
گورنر شری آر - ڈی - بھنڈارے نے ۳۰ - ڈسمبر کو پٹن چرو میں کمزور طبقات کو پٹے عطا کئے -

طوفان باد و باراں سے متاثرہ علاقوں کے لئے امدادی اقداما

اپنے دورہ ضلع گنٹور کے وقت چیف منسٹر موضع تنالی میں تباہ شدہ دھان کی بالیوں کا معائنہ کررہے ھیں ۔

شری جے۔ وینگل راؤ چیف منسٹر آندھرا پردیش نے ۳ ۔ ڈسمبر ۱۹۷۶ کو طوفان باد و باراں سے ہونے والے نقصانات کی تفصیلات بتاتے ہوئے حسب ذیل بیان جاری کیا ۔

طوفان باد و باراں سے متاثرہ اضلاع نیلور، چتور، برکاشم، گنٹور، کرشنا، مغربی گوداوری کے کلکٹروں اور ڈسٹرکٹ ریوینیو افسر کڑپہ نے ۲ ۔ ڈسمبر کو سرکاری سطح کی ایک میٹنگ کے بعد ۳ ۔ ڈسمبر کو چیف منسٹر اور وزیر مال سے ملاقات کی ۔ طوفان باد و باراں سے ہونے والے نقصان کا تخمینہ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۲۲۴ کروڑ روپیے لگایا گیا ھے، جبکہ ان اضلاع میں صحیح نقصان کے اعداد و شمار جمع کئے جا رہے ھیں ۔

۱۵۹ اشخاص کی جانیں گئیں ، ۱۶۰۰ مویشی جنکی مالیت ۵۲ لاکھ روپیے ھے ھلاک ھوئے۔ تقریباً ۱,۹ لاکھ مکانات منہدم ھو گئے یا انہیں شدید نقصان پہنچا جس سے ۱۰ کروڑ روپیے کا نقصان ھوا ۔ تقریباً ۱۴۰۰ آبپاشی کے ذرایعوں کو نقصان پہنچا جنھیں درست کرنے کے لئے کم سے کم ۵ کروڑ روپیے خرچ ھونگے ۔ سرکاری عمارتوں اور سڑکوں کی درستگی کے لئے ۸ کروڑ روپیے خرچ ھونگے۔

وسیع پیمانے پر فصلیں تباہ ہو گئیں ۱,۶ لاکھ ایکر پر کھڑی ہوئی دھان کی فصل اور ۴,۰ لاکھ ایکر پر کھڑی فصلوں کا شدید نقصان ھوا۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کروڑ روپیے مالیت کی فصلوں کو نقصان پہنچا۔ طوفان باد و سے بہ جانے والا اناج اور مویشیوں کے چارے کا نقصان ا شامل نہیں ھے۔

کلکٹروں کی جانب سے مکانات کے نقصانات پر ف ۱۵۰ روپیے کے حساب سے امداد دی جا چکی ھے ۔ قرض منظوری دینے اور تمباکو کے گوداموں کی درستگی کے لئے کلک کو اختیارات دئے گئے ھیں ۔ ربیع کی فصل کے لئے حسب ض قرض کی سہولتیں فراھم کرنے جہاں بھی ممکن ھو سکا خم اقدامات کئے گئے۔

شری آر-ڈی - بھنڈارے گورنر نے ۴ - جنوری کو پد یاترا کر کے گندی بستیوں کا معائنہ کیا -

شری آر - ڈی - بھندارے گورنر نے ۲۱ - ڈسمبر کو گاندھی بھون میں تھیٹر آرٹس کنونشن کو مخاطب کیا -

خبریں تصویروں میں

نیشنل اسٹوڈنٹ یونین آف انڈیا آندھرا پردیش یونٹ نے پرانے کپڑے جمع کرنے کے پروگرام کا آغاز کیا - یہ کپڑے چیف منسٹر کو پیش کئے جائیں گے -
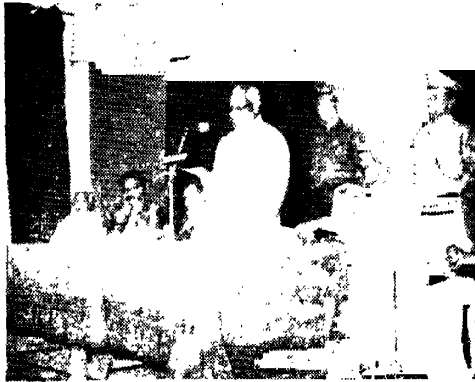
شری آر - ڈی - بھنڈارے گورنر ۱۵ - دسمبر کو نوجوان ادیبوں کی کانفرنس میں صدارتی خطبہ پڑھ رہے ہیں۔ ڈاکٹر سی - یچ - دیوانند راؤ وزیر سیاحت بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں -

سماج میں ہریجنوں کے لئے صحیح مقام

پہلے ویدک زمانے کے اوائل میں ایک ہی کنبے کے مختلف افراد اپنے اپنے رجحانات اور اپنی قابلیت کے مطابق کوئی بھی کام دھندہ کر سکتے تھے ۔ کنبے کے ہر فرد کو اپنی پسند کا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت تھی ۔ کہا جاتا ہے کہ ویدک زمانے میں تمام آدمی برابر کا درجہ رکھتے تھے اور جس صورت میں ہم آج کل چھوت چھات دیکھتے ہیں اس کا وجود ہی نہیں تھا ۔ رگ وید کے مطابق اس زمانے میں سماج میں کسی بھی شخص کو زیادہ اونچا یا زیادہ نیچا نہیں سمجھا جاتا تھا ۔ لیکن مساوات کی اس صحتمندانہ اسپرٹ کی جگہ آہستہ آہستہ ذات پات کے سسٹم نے لے لی اور چھوت چھات کی بدعت وجود میں آ گئی جس نے ہندوؤں کو منقسم کر دیا ، ان کے سوچنے کے ڈھنگ کو دھندلا بنا دیا اور تمام فرقے کے ڈھانچے کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا ۔ پھر روایاتی طور پر ہر ذات کسی نہ کسی پیشے سے وابستہ ہو گئی ۔ خواہ یہ نظم و نسق چلانے کا تھا ، تجارت کا یا محنت مزدوری کرنے کا تھا ۔ اور مختلف پیشہ ورانہ طبقے اپنے اپنے دائرے میں ایک دوسرے سے الگ تھلگ ہونے لگے ۔ کام کی نوعیت کے مطابق ، مثلاً گندگی وغیرہ کی صفائی کے پیشے کے مطابق بعض طبقوں کو اچھوت سمجھا جانے لگا اور انہیں دیہات میں بھی دوسروں سے الگ تھلگ رکھا جانے لگا ۔ چھوت چھات کو اپنا کر اونچے درجے کے طبقوں نے انہیں اپنے سے دور رکھا اور سماج میں انہیں نچلے درجے کا ایک مقام دیدیا ۔

سماجی اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں، مذہبی پرچار کرنے والوں اور دوسرے روشن خیال مفکرین نے لوگوں کو چھوت چھات کی بدعت کو ختم کرنے کی تلقین کی ۔ البتہ کمیونل ایوارڈ کے سلسلے میں مہاتما گاندھی کے برت اور ۱۹۳۲ ع کے پونہ کے سمجھوتے تک چھوت چھات کو ختم کرنے کی مہم نے مطلوبہ زور نہ پکڑا ۔ مہاتما گاندھی نے اس بدعت کو ختم کرنے کی زبردست کوششیں شروع کیں اور انہوں نے ہریجنوں کی حالت سدھارنے کو اپنے تعمیری پروگرام کا ایک اہم جزو بنا لیا ۔

شیڈولڈ کاسٹس

شیڈولڈ کاسٹس ، کی اصطلاح پہلی بار ۱۹۳۵ ع کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں استعمال کی گئی ۔ اپریل ۱۹۳۶ ع میں برطانوی سرکار نے گورنمنٹ آف انڈیا (شیڈولڈ کاسٹس) آرڈر ۱۹۳۶ جاری کیا ۔ جس کے مطابق اس زمانے کے مختلف صوبوں میں شیڈولڈ کاسٹس کی فہرست مرتب کی گئی ۔ ۱۹۵۰ ع میں اس سلسلے میں جو فہرست مرتب کی گئی وہ اسی فہرست کا نظر ثانی شدہ روپ تھا ۔ ملک کے آزاد ہونے اور آئین کے وجود میں آنے کے بعد راشٹرپتی نے آئین کے آرٹیکل ۳۴۱ کے مطابق ان فہرستوں کا نوٹیفیکیشن کیا ۔

۱۹۷۱ ع کی مردم شماری کے مطابق ملک میں شیڈولڈ کاسٹس کی آبادی تقریباً ۸ کروڑ بنتی ہے جو کہ ملک کی کل آبادی کا تقریباً ۱۵ فیصد حصہ ہے ۔ شیڈولڈ کاسٹس کی آدھی سے کچھ زیادہ تعداد ملک کے چار پردیشوں—اتر پردیش (ایک کروڑ ۸۵ لاکھ) ، مغربی بنگال (۸۸ لاکھ) ، بہار (۷۹ لاکھ) اور تامل ناڈو (۷۳ لاکھ)—میں رہتی ہے ۔

بھارت کے آئین میں شیڈولڈ کاسٹس کو کچھ تحفظات دئیے گئے ہیں ۔ ان تمام تحفظات کا اہتمام آئین کے آرٹیکل ۴۶ میں مندرج ہدائتی اصولوں کو عمل میں لانے میں آسانی پیدا کرنے کے خیال سے کیا گیا ہے۔ ان اصولوں میں یہ کہا گیا ہے کہ " ریاست کمزور طبقوں کے تعلیمی اور اقتصادی مفاد کو بڑھاوا دینے کی طرف خاص توجہ دیگی ، بالخصوص شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کی طرف ، اور انہیں سماجی بے انصافی اور ہر قسم کی لوٹ کھسوٹ سے بچائے گی "۔ ان تحفظات میں چھوت چھات کے خاتمے کے علاوہ انہیں پارلیمنٹ میں اور پردیشوں کی ودھان سبھاؤں میں نمائندگی ، مرکز کی اور پردیشوں کی سرویز میں نمائندگی، مندروں وغیرہ کے دروازے ان پر کھلے رکھنے تعلیمی اداروں میں داخلے، ان کی سماجی، تعلیمی اور اقتصادی ترقی کے خصوصی اقدامات اور انسانوں کو خریدنے اور بیچنے ، بیگار (ایک طرح کی جبری مزدوری کا سسٹم) اور جبری مزدوری کی اس طرح کی دوسری صورتوں پر پابندی لگانے کے اہتمام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے لئے دئیے گئے تحفظات سے متعلقہ تمام امور کی جانچ پڑتال کے لئے ایک خصوصی افسر مقرر کرنے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

چھوت چھات کا خاتمہ

چھوت چھات کے رواج کو آئین کے آرٹیکل ۱۷ کے تحت ختم کر دیا گیا ہے اور آرٹیکل ۳۵ کی دفعات کے مطابق، پارلیمنٹ نے چھوت چھات سے متعلق جرائم کے بارے میں ۱۹۵۵ ع کا ایکٹ پاس کیا - جس کی رو سے چھوت چھات کو قابل دست اندازی پولیس جرم قرار دیا گیا ہے اور قانون کے تحت اس کی سزا دی جاسکتی ہے۔ اس قانون کے تحت کسی دوکان، پبلک ریسٹورنٹ، ہوٹل وغیرہ میں جانے کے سلسلے میں کسی قسم کی سماجی و مذہبی رکاوٹ پیدا کرنے، ہسپتال میں کسی کو داخل کرنے سے انکار کرنے اور چھوت چھات کی وجہ سے کسی کو کوئی چیز بیچنے سے یا اسے کوئی سروس بہم پہنچانے سے انکار کرنے کے جرم کی سزا دی جاسکتی ہے۔ مذکورہ قانون میں چھ ماہ تک قید اور پانچ سو روپے تک کے جرمانے کی یا دونوں ھی سزائیں دینے کی گنجائش رکھی گئی ہے -

چھوت چھات سے متعلق جرائم کا قانون ، ۱۹۵۵ ع جب سے نافذ ہوا ہے، پارلیمنٹ میں اور پارلیمنٹ سے باہر بھی یہ نکتہ چینی کی گئی ہے کہ یہ قانون جس مقصد سے بنا یا گیا تھا وہ پورا نہیں ہوا - یہ کہا گیا کہ اس قانون کے تحت سزا ناکافی ہے اور وہ بھی بہت کم لوگوں کو دی گئی ہے - اس نکتہ چینی کو مد نظر رکھتے ہوئے بھارت سرکار نے ایک کمیٹی مقرر کی جسے تمام متعلقہ حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد مذکورہ قانون میں ترمیم کے لئے سفارشات پیش کرنے کو کہا گیا۔ اپریل ۱۹۷۲ ع میں اس قانون میں ترمیم کرنے کے لئے ایک بل لوک سبھا میں پیش کیا گیا۔ یہ بل بعد ازاں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کیا گیا جس نے فبروری ۱۹۷۳ ع میں اپنی رپورٹ پیش کی - توقع ہے کہ پارلیمنٹ میں یہ ترمیمی بل جلد ھی پاس ہو جائے گا -

چھوت چھات دور کرنے کے اقدامات

مختلف پردیشوں کی سرکاروں اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں کے ایڈ منسٹریشن نے چھوت چھات کو دور کرنے کے کئی اقدامات کئے ھیں - پردیشوں کی سرکاروں نے وقتاً فوقتاً ڈسٹرکٹ حکام اور پنچائتی راج کے اداروں کو ایسی ہدایات جاری کی ھیں جن میں چھوت چھات کو ، بالخصوص دیہات میں ، ختم کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ پردیشوں کی سرکاروں نے چھوت چھات کی روک تھام کے قانون کے تحت جرائم کی رجسٹریشن، تحقیقات اور قانونی کارروائی سے متعلق انتظامیہ اداروں کی کار کردگی کو بہتر بنانے کی غرض سے کمیٹیاں بھی مقرر کی ھیں - یہ کمیٹیاں وقتاً فوقتاً مذکورہ قانون پر عملدرآمد کی رفتار کا جائزہ لیتی رھتی ھیں۔ گجرات وغیرہ بعض پردیشوں میں عام شکایت یہ کی جاتی ہے کہ ھریجنوں کو پبلک جگہوں مثلاً مندروں ہوٹلوں اور ریسٹورنٹوں ، حجام کی دوکانوں میں جانے کی اجازت نہیں دی جاتی اور انہیں پانی کے مشترکہ وسائل کو بھی استعمال کرنے نہیں دیا جا تا -

زبردست مہم

اس تباہ کن رواج کو ختم کرنے کے لئے کلکٹروں اور پولیس کے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ایسی امتیازی کارروائی کے بارے میں شکا یات کی چھان بین کریں - انہوں نے ھریجنوں کو ہوٹلوں، ریسٹورنٹوں وغیرہ پبلک مقامات میں داخل ہونے سے روکنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی بھی کی ہے - اس قسم کے جن اداروں میں چھوت چھات برتی جاتی ہے، ان کے خلاف سخت کارروائی کرنے سے گریز نہیں کیا جاتا۔ پنچائتی راج کے اداروں سے بھی ھریجنوں کے خلاف امتیازی کارروائی کی صورت میں فوری کارروائی کرنے کو کہا گیا ہے۔ تامل ناڈو پردیش کی سرکار نے شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے افراد پر جسمانی تشدد اور ظلم کے واقعات کی روک تھام کے لئے چلتے پھرتے پولیس اسکواڈ قائم کئے ھیں۔ یہ چھوت چھات کے قانون کے تحت جرائم کا پتہ لگاتے اور مجرموں کو سزا دلواتے ھیں یہ چلتے پھرتے اسکواڈ اسٹیٹ پولیس ڈپارٹمنٹ کے کنٹرول میں کام کر رہے ھیں۔

اگست ۱۹۷۳ ع میں پردھان منتری نے تمام وزراء اعلیٰ کو یہ لکھا کہ وہ اپنی نگرانی میں ایک '' سیل ،، قائم کریں جو ھریجنوں - قبائل اور اقلیتوں کی شکا یات کی چھان بین کرے اور کہ پردیش کی سرکاری ملازمتوں اور پبلک سیکٹر کے اداروں میں مذکورہ زمروں کے افراد کو روزگار دلانے کی خاص کوشش کی جائے - شیڈولڈ کاسٹس اور قبیلوں کی شکا یات پر غور کرنے یا سرکاری ملازمتوں وغیرہ میں ان طبقوں کے افراد کی بھرتی کی حالت کا جائزہ لینے کے لئے خاص '' سیل ،، یا کمیٹیاں بہار ، ھریانہ ھماچل پردیش، کیرالہ، اتر پردیش، تامل ناڈو، مغربی بنگال اور پنجاب وغیرہ پردیشوں میں قائم کی گئی ھیں - اتر پردیش میں ڈی - آئی - جی پولیس کے تحت ایک خصوصی '' سیل،، قائم کیا گیا ہے جو اس سلسلے کی شکا یات کی فوری تحقیقات کرے گا اور ضروری قانونی کارروائی کرے گا۔ گجرات میں راجکوٹ اور بڑودہ کے مقامات پر بھی خصوصی '' سیل ،، قائم کیا گیا ہے - مدھیہ پردیش میں ہیڈ کوارٹرز میں ڈی۔ آئی -جی کے تحت ایک '' سیل ،، قائم کیا گیا ہے اور ڈویژنوں اور اضلاع میں بھی اس کا عملہ متعین کیا گیا ہے۔ کیرالہ میں اسپیشل سپرنٹنڈنٹ پولیس کے تحت ایک خصوصی '' سیل ،، قائم کیا گیا ہے -

ان فرقوں کے مفاد کے تحفظ کی ایک اسکیم انہیں قانونی امداد بہم پہنچانے سے متعلق ہے۔ شیڈولڈ کاسٹس کے افراد کو قانونی امداد بہم پہنچانے کی اسکیم گجرات، ہریانہ ، ہماچل پردیش ، جموں و کشمیر ، کرناٹک ، مدھیہ پردیش ، اڑیسہ، پنجاب، راجستھان ، تریپورہ اور پانڈیچری میں زیر عمل ہے ۔

مختلف ذاتوں میں شادیاں

مختلف ذاتوں میں ایسی شادیوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے جہاں ایک فریق کا شیڈولڈ کاسٹس سے تعلق ہو ، آندھرا پردیش مدھیہ پردیش، بہار، گجرات، کیرالہ، مہاراشٹرا ، کرناٹک ، تامل ناڈو اور اڑیسہ کی سرکاروں نے کچھ اسکیموں پر عمل شروع کیا ہے ۔ تامل ناڈو کے سوا تمام ریاستوں میں میاں بیوی دونوں، اور ان کی اولاد کو وظیفوں اور ہاسٹل میں رہائش کی اور دوسری تعلیمی سہولتیں دی جاتی ہیں جو کہ شیڈولڈ کاسٹس کو ۔ کچھ ریاستوں میں ایسے شادی شدہ جوڑوں کو نقد انعامات اور سونے کے تمغے بھی دئے جاتے ہیں ۔

غیرسرکاری تنظیمیں

بعض غیر سرکاری تنظیمیں مثلاً ہریجن سیوک سنگھ ، بھارتیہ ڈپریسڈ کلاسز لیگ ، ایشور سرن آشرم ، الہ آباد ، ہند سوئیپرز سیوک سماج ، رام کرشن مشن آشرم، پرچارکوں و بھجن منڈلیوں کے ذریعہ اور پوسٹروں اور فلم شو وغیرہ کے ذریعے چھوت چھات کو دور کرنے کے لئے قابل قدر اقدامات سر انجام دے رہی ہیں۔ ہریجن سیوک سنگھ نے شیڈولڈ کاسٹس کے لئے آشرم اسکول بال واڑی، ٹیکنیکل ٹریننگ اسکول قائم کیا ہے ۔ خاکروبوں کے کام کے حالات کو سدھارنے کے لئے ایک اسکیم پر بھی عمل شروع کیا گیا ہے ۔

ترقیاتی پروگرام

آئین میں سماجی انصاف کی جس پالیسی کا ذکر کیا گیا ہے اس پر عمل کرتے ہوئے پہلے پانچسالہ پلان سے ہی شیڈولڈ کاسٹس اور آبادی کے دوسرے طبقوں کی معاشی و سماجی حالت میں پائے جانے والے بھاری فرق کو کم کرنے کی خاص کوششیں کی گئی ہیں ۔ اب تک کے پانچسالہ پلانوں کے دوران ان طبقوں کے افراد کا معیار زندگی اونچا کرنے کی منظم کوششیں کی گئی ہیں تاکہ یہ لوگ جلد ہی سماج میں دوسروں کے ساتھ اپنا صحیح مقام پاسکیں ۔ درج ذیل اعداد و شمار سے یہ معلوم ہوگا کہ پہلے پانچسالہ پلان سے لیکر پسماندہ طبقوں کے سیکٹر کی رقوم میں سے کتنی رقم شیڈولڈ کاسٹس کی بہبود کے لئے خرچ کی گئی ہے :

آندھرا پردیش

پلان		خرچ کی گئی رقم (کروڑ روپیوں میں)
پہلا پلان	..	۷،۰۸
دوسرا پلان	..	۲۷،۴۸
تیسرا پلان	..	۳۷،۷۸
۶۹ - ۱۹۶۶ء	..	۲۶،۴۷
چوتھا پلان	..	۶۷،۵
پانچواں پلان (مخصوص رقم)	..	۵۰،۰۰

پانچویں پلان میں مخصوص رقم :

جیسا کہ آئین میں تصور کیا گیا ہے ، سرکار نے شیڈولڈ کاسٹس کے لوگوں کی بھلائی کے پروگراموں پر مسلسل توجہ دی ہے۔ ۷۵-۱۹۷۴ء میں شیڈولڈ کاسٹس کے لوگوں کی بھلائی کے لئے شروع کئے گئے مختلف پروگراموں پر ۲۵،۶۱ کروڑ روپیے صرف کئے گئے۔ ان میں ۸،۹۴ کروڑ روپے کی رقم مرکزی سیکٹر کی اور ۱۶،۶۷ کروڑ روپے کی رقم ریاستی سیکٹر کی تھی۔ ۷۶-۱۹۷۵ء میں اس سلسلے کے خرچ کا اندازہ ۳۲،۵ کروڑ روپے ہے جس میں ۱۲،۲ کروڑ روپے کی مرکزی سیکٹر کے اور ۲۰،۳ کروڑ روپے ریاستی سیکٹر کے ہیں ۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے لئے اس ضمن میں ۳۷،۹ کروڑ روپے کی رقم مخصوص کی گئی ہے جس میں سے ۱۴،۷۵ کروڑ روپے کی رقم مرکزی سیکٹر کی اور ۲۳،۱۵ کروڑ روپے کی رقم ریاستی سیکٹر کی ہوگی ۔ اس کے علاوہ تقریباً ۳۵ کروڑ روپے کی رقم کا اہتمام ریاستی بجٹوں میں ان کے حصے کے اخراجات کے لئے کیا گیا ہے ۔ لہذا ۷۷ - ۱۹۷۶ء میں شیڈولڈ کاسٹس کی بھلائی کے لئے کل تقریباً ۷۳ کروڑ روپے کی رقم صرف ہوگی ۔

تعلیم :

شیڈولڈ کاسٹس کے لئے تعلیمی سہولتیں مہیا کرنے پر زیادہ زور دیا گیا ہے ۔ تعلیمی سہولتوں میں توسیع کے ذریعے ہی یہ فرقے ترقی کرکے ملک کی عام آبادی کے برابر کی سطح تک پہنچ سکتے ہیں۔ شیڈولڈ کاسٹس کے بچوں کی بہبود کے لئے مختلف تعلیمی پروگراموں میں میٹرک سے پہلے کی تعلیم ، وظیفوں ، ٹیوشن فیس اور امتحان کی فیس کی معافی ، تعلیم کے لئے درکار مختلف اشیاء کی بہم رسانی ، اسکولوں میں دوپہر کا کھانا مہیا کرنے ، رہائشی نوعیت کے اسکول قائم کرنے اور اسکولوں اور ہوسٹلوں کی عمارتوں کی تعمیر کے لئے گرانٹ دینے کے لئے انتظامات شامل ہیں ۔ اس نوعیت کے اقدامات کے نتیجے میں اسکولوں میں شیڈولڈ کاسٹس کے بچوں کی گنتی بہت بڑھ گئی ہے ۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ شیڈولڈ کاسٹس کے تقریباً ایک کروڑ طالب علم اس وقت اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں ۔ شیڈولڈ کاسٹس میں خواندگی کی شرح ۱۹۶۱ء میں ۱۰،۲۷ فیصد سے بڑھکر ۱۹۷۱ء میں ۱۴،۶ فیصد ہوگئی

یعنی کہ اس میں ۳۴ فیصد کا اضافہ ہوا۔ جبکہ عام آبادی کے لئے خواندگی کی شرح اس عرصے میں ۲۴ فیصد سے بڑھکر ۲۹ فیصد ہوگئی یعنی کہ اس میں ۲۰ فیصد کا اضافہ ہوا۔ مرکزی اہتمام کے پروگراموں کے تحت جن اسکیموں پر عمل شروع کیا گیا وہ بعد از میٹرک کی تعلیم کے لئے وظیفوں، لڑکیوں کے ہوسٹل قائم کرنے اور کوچنگ وغیرہ کے انتظامات سے متعلق ہیں۔

میٹرک سے بعد کی تعلیم کے لئے وظیفے :

تعلیمی پروگرام میں سب سے اہم اسکیم میٹرک سے بعد کی تعلیم کے لئے وظیفے دینے کی ہے۔ ۷۴-۱۹۷۳ء میں اس اسکیم میں ضروری ردوبدل کیا گیا اور وظیفوں کی رقم میں مناسب اضافہ کیا گیا۔ طالب علموں کو گذارے کا الاؤنس دیئے جانے کے علاوہ انہیں لازمی فیس کی رقم بھی واپس کی جاتی ہے۔ ضروری چیزوں کی قیمتیں بڑھ جانے کی وجہ سے سہولتیں دینے کو مراعات دینے کے لئے آمدنی کی حد ۵۰۰ روپے سے بڑھا کر ۷۵۰ روپے ماہانہ کردی گئی۔ اس کا اطلاق ۷۷-۱۹۷۶ء کے تعلیمی سال سے شیڈولڈ قبیلوں پر بھی ہوگا۔ وظیفوں کی شرح بڑھائے جانے سے پانچویں پلان کے دوران اس سلسلے میں مرکزی سرکار کی ذمہ داری تقریباً ۱۱۰ کروڑ روپے کے مصارف تک پہنچ گئی ہے۔ ۷۵-۱۹۷۴ء میں مختلف پردیشوں کو اس سلسلے میں ۱۰.۰۵ کروڑ روپے الاٹ کئے گئے۔ (۸.۴۴ کروڑ روپے شیڈولڈ کاسٹس کے لئے اور ۱.۶۱ کروڑ روپے شیڈولڈ قبیلوں کے لئے) تقریباً ۳ لاکھ ۹ ہزار وظیفے شیڈولڈ کاسٹس کے طالب علموں کو اور تقریباً ۶۰ ہزار وظیفے شیڈولڈ قبیلوں کے طالب علموں کو دیئے گئے۔ ۷۶-۱۹۷۵ء کے دوران ۱۴ کروڑ روپے کی رقم شیڈولڈ قبیلوں کے طالب علموں کو وظیفے دینے کے لئے مخصوص کی گئی ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں دونوں کے لئے وظیفوں کی گنتی ۴ لاکھ ہوگی۔ اس کے علاوہ مختلف پردیشوں کی سرکاریں ۱۵ کروڑ روپے کی رقم سالانہ اس سلسلے میں صرف کریں گی۔

لڑکیوں کے لئے ہاسٹل :

مختلف سطحوں پر تعلیم پانے والی شیڈولڈ کاسٹس کی لڑکیوں کے لئے ہاسٹل تعمیر کرنے کے لئے پردیش سرکاروں کو مالی امداد بہم پہنچانے کے لئے مرکزی سیکٹر میں ایک اور اسکیم تیار کی گئی ہے۔ پانچویں پنجسالہ پلان میں اس اسکیم کے لئے دو کروڑ روپے کی رقم مخصوص کی گئی ہے۔ اس اسکیم کا مدعا ہاسٹلوں کو ایسے کثیرالمقاصد اداروں کی صورت دینا ہے جن میں شیڈولڈ کاسٹس لڑکیاں آرٹس، دستکاری، ہاؤس کیپنگ وغیرہ کی تربیت حاصل کرسکیں۔

ہوسٹل کی عمارتوں کی تعمیر کے اخراجات میں اضافے کو مد نظر رکھتے ہوئے نومبر ۱۹۷۵ء میں فی طالب علم گرانٹ کی شرح بڑھا دی گئی ہے۔ شروع میں اس اسکیم کے تحت ایسے ہوسٹل کے لئے جہاں رہائش کے علاوہ ڈائننگ ہال کچن، سینٹری بلاک وغیرہ کی سہولتوں کا بھی بند و بست کیا گیا ہو، زیادہ سے زیادہ امداد ۱۵۰۰ روپے فی طالب علم کی شرح سے دی جاتی تھی اور اگر اس میں صرف رہائش کا ہی انتظام ہوتا تھا تو ۱,۰۰۰ روپے فی طالب علم کے حساب سے امداد دی جاتی تھی۔ ۷۶-۱۹۷۵ء میں ان رقوم کی زیادہ سے زیادہ حد بڑھا کر علی الترتیب ۴۴۰۰ روپے اور ۳۲۰۰ روپے کردی گئی ہے۔ ۷۵-۱۹۷۴ء میں اس امداد کے لئے ۲۵ لاکھ روپے کی رقم مخصوص کی گئی اور اس میں سے ۲۴ لاکھ ایک ہزار روپے کی رقم صرف کی گئی۔ ۷۶-۱۹۷۵ء میں اس اسکیم کے تحت ۳۰ لاکھ روپے کی رقم مخصوص کی گئی۔

جو اطلاعات ملی ہیں ان کے مطابق شیڈولڈ کاسٹس لڑکیوں کے لئے تقریباً ۲۰ نئے ہوسٹل ۷۵-۱۹۷۴ء میں اور ۷۶-۱۹۷۵ء میں تقریباً ۷۰ نئے ہوسٹل قائم کئے گئے۔ اندازہ ہے کہ مختلف پردیشوں میں لڑکیوں کے لئے ۱۰۰ ہوسٹل قائم کرنے کی تجویز ہے۔

امتحان سے پہلے کی ٹریننگ :

مرکزی سیکٹر کی ایک اور اسکیم شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کو امتحان سے پہلے اس کی تیاری کے لئے ٹریننگ دینے کی ہے۔ اس اسکیم کا مدعا یہ ہے کہ شیڈولڈ کاسٹس قبیلوں اور شیڈولڈ قبیلوں کے امیدواروں کو آئی۔اے۔ایس، آئی۔پی۔ایس وغیرہ سروسوں اور نچلی سطح کی ملازمتوں میں بھی کافی تعداد میں داخل ہونے میں مدد مل سکے۔ یہ امر باعث اطمینان ہے کہ یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانات کی بناء پر آئی۔اے۔ایس اور آئی۔پی۔ایس میں ریزرو اسامیاں اب پوری تعداد میں پر کی جارہی ہیں۔ اب تک دھلی، الہ آباد، مدراس، پٹیالہ، جے پور اور شیلانگ میں چھ آل انڈیا سینٹر قائم کئے جا چکے ہیں۔ اب تک اندازاً شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے ۴۰۰ امیدوار ان سنٹروں کے ذریعے آئی۔اے۔ایس، آئی۔پی۔ایس اور مرکزی سروسز کے لئے منتخب کئے جا چکے ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں منعقدہ امتحان میں مذکورہ سنٹروں میں ٹریننگ پانے والے ۵۸ امیدوار آئی۔اے۔ایس، آئی۔پی۔ایس اور مرکزی سروسز کے لئے منتخب ہوئے۔

اسکے علاوہ اسٹیٹ سول سروسز کے لئے آندھرا پردیش، بہار، گجرات، ھریانہ، کیرالہ، مدھیہ پردیش، کرناٹک، اڑیسہ، اتر پردیش، مغربی بنگال اور دھلی میں امتحان سے

پہلے ٹریننگ دینے کے گیارہ سینٹر قائم کئے گئے ہیں ۔ ان کے علاوہ الہ آباد اور تریچور پلی میں دو ایسے سینٹر قائم کئے گئے ہیں جن میں شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے امیدواروں کو انجینیرنگ سروسز کے لئے مشترکہ امتحان کی تیاری کے سلسلے میں ٹریننگ دی جاتی ہے ۔

پڑھائی و رہنمائی کے سینٹر :

تیسرے درجے کی آسامیوں میں بھرتی کے لئے مدراس ، جبلپور ، کانپور اور دہلی میں پڑھائی و رہنمائی کے چار سینٹر قائم کئے گئے ہیں جن میں شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے ان امیدواروں کو جن کے نام تیسرے درجے کی آسامیوں کے لئے ایمپلائمنٹ ایکسچینجوں میں درج ہیں ایسی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ انٹرویو بورڈ کا کامیابی سے سامنا کرسکیں ۔ ۱۹۷۶-۷۷ میں ایسے مزید ۶ سینٹر قائم کرنے کی تجویز ہے ۔

سمندر پار کے ملکوں میں پڑھائی کے لئے وظیفے :

سرکار کی طرف سے شیڈولڈ کاسٹس ، شیڈولڈ قبیلوں ، ڈی نوٹیفائڈ خانہ بدوش اور نیم خانہ بدوش قبیلوں اور اقتصادی لحاظ سے دوسرے پسماندہ طبقوں کے طالبعلموں کو ۱۹۵۴-۵۵ع سے سمندرپار ملکوں میں پڑھائی کے لئے وظیفے بھی دئے جارہے ہیں ۔ اس اسکیم کے تحت ہرسال شیڈولڈ کاسٹس کو گیارہ ، شیڈولڈ قبیلوں کو چھ اور ڈی نوٹیفائڈ ، خانہ بدوش ، نیم خانہ بدوش قبیلوں کو ایک اور دوسرے پسماندہ طبقوں کو تین یعنی کل ۲۱ وظیفے انجینیرنگ ، ٹیکنالوجی ، ڈاکٹری ، زراعت اور سائنسی مضامین میں پوسٹ گریجویٹ سطح کی ریسرچ کے لئے دئے جاتے ہیں ۔ ۱۹۷۳-۷۴ع کے آخر تک مذکورہ طبقوں کے ۲۲۰ طالب علم اس اسکیم سے مستفید ہوچکے تھے ۔ ۱۹۷۵-۷۶ میں اس مقصد کے لئے ۱۱ لاکھ روپے کی رقم مخصوص کی گئی ۔

تعلیمی نوعیت کی اسکیموں کے علاوہ مرکزی سرکار اور پردیشوں کی سرکاریں ان طبقوں کی اقتصادی ترقی کی طرف بھی توجہ دے رہی ہیں ۔ ان لوگوں کی بہبود کے لئے زراعت ، امداد باہمی ، آبپاشی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں سے متعلق کئی ترقیاتی اسکیموں پر عمل شروع کیا گیا ہے ۔

مالی کارپوریشنیں :

شیڈولڈ کاسٹس کے افراد کو مالی امداد پہنچانے کے لئے آندھرا پردیش ، تامل ناڈو اور راجستھان میں مالی ترقیاتی کارپوریشنیں قائم کی گئی ہیں ۔

زمین کی الاٹمنٹ :

پردیش سرکاروں نے شیڈولڈ کاسٹس کے افراد کو ترجیحی بنیادوں پر زرعی زمین الاٹ کرنے کے قواعد مرتب کئے ہیں اور اس مقصد کے لئے زمین کا کچھ حصہ ان کے لئے مخصوص کردیا جاتا ہے ۔ زمین کی ملکیت کی حد کے پرانے قوانین کے تحت شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے ۵ لاکھ کنبوں کو زمین الاٹ کی گئی اور تقریباً ۵۰ ہزار کنبوں کو اس سلسلے کے نظرثانی شدہ قوانین کے تحت مختلف پردیشوں اور مرکزی سرکار کے علاقوں میں زمین الاٹ کی گئی ہے ۔

شیڈولڈ کاسٹس کے افراد کی کھیتی باڑی کے بہتر طریقے اپنانے کے سلسلے میں حوصلہ افزائی کرنے کے لئے انہیں کھیتی کے جدید اوزار ، بہتر قسم کے بیج ، کھاد وغیرہ مہیا کرنے کے اقدامات کئے گئے ہیں ۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ شیڈولڈ کاسٹس کے ۲۳ ہزار سے زیادہ کنبوں کو ۱۹۷۴-۷۵ ع میں اس قسم کی امداد بہم پہنچائی گئی ۔ کچھ پردیشوں کی سرکاروں نے شیڈولڈ کاسٹس کے کنبوں کو بہتر نسل کے دودھ دینے والے مویشی اور مرغیاں وغیرہ بھی کم داموں پر مہیا کرنے کے اقدامات کئے اور انہیں نقد گرانٹ دی ۔ چھوٹے پیمانے کی آبپاشی اسکیم میں نئے کنوؤں کی تعمیر ، پرانے کنوؤں کی مرمت ، ڈیزل پمپ سیٹ اور بجلی کے پمپ لگانے اور آبپاشی کے لئے تالاب وغیرہ تعمیر کرنے کا پروگرام شامل ہے ۔ شیڈولڈ کاسٹس کے دستکاروں کو اپنا کار و بار چلانے کے سلسلے میں بھی مالی امداد دی جاتی ہے ۔ انہیں مارکیٹنگ کی اور تکنیکی رہنمائی کی سہولتیں بھی بہم پہنچائی جاتی ہیں ۔ انہیں رسے بنانے ، ٹوکریاں بنانے ، جوتے بنانے اور کپڑا بننے اور درزی کے کام وغیرہ کی بھی ٹریننگ دی جاتی ہے ۔ ٹریننگ کے بعد انہیں اپنا کام چلانے کے لئے بلا سود قرض دیا جاتا ہے ۔ ریزرو بنک نے قومی ملکیت میں لئے گئے بنکوں کو بھی یہ ہدایت کی ہے کہ وہ شیڈولڈ کاسٹس کے افراد کو رعایتی شرح سود پر قرضے دیں ۔

صنعتی ٹریننگ انسٹیٹیوٹ :

ملک میں مختلف پردیشوں مرکزی انتظام کے علاقوں میں صنعتی ٹریننگ دینے کے ۳۶۶ ایسے انسٹیٹیوٹ ہیں جن میں فٹر ، ٹرنر ، الیکٹریشین ، موٹر مکینک وغیرہ کورسوں کی تربیت دی جاتی ہے ۔ ان انسٹی ٹیو ٹوں میں شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے لئے سیٹیں ان کی آبادی کے لحاظ سے ریزرو رکھی جاتی ہیں اور ۴۵ روپے ماہانہ کے حساب سے وظیفہ دیا جاتا ہے ۔ ۳۰ جون ۱۹۷۵ع کو ان انسٹیٹیوٹوں میں شیڈولڈ کاسٹس کے

۱۰,۳۵۰ اور شیڈولڈ قبیلوں کے ۳,۳۵۰ افراد ٹریننگ حاصل کررہے تھے۔

مکانات

پانچویں پنجسالہ پلان کے دوران شیڈولڈ کاسٹ کے افراد کو مکانات اور مکان تعمیر کرنے کی جگہیں مہیا کرنے کے مسئلے کی طرف زیادہ توجہ دی جارہی ہے۔ دیہی علاقوں میں بےزمین محنت کشوں کو مکان تعمیر کرنے کی جگہیں الاٹ کرنے کی ایک خاص اسکیم تیار کی گئی ہے۔ اندازاً ۶۰ لاکھ سے زیادہ بے زمین افراد کو مکان تعمیر کرنے کے لئے جگہیں مفت مہیا کی جا چکی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر افراد شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ پانچویں پنجسالہ پلان کے دوران مختلف پروگراموں کے تحت شیڈ ولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے لئے ۲۰۶۰۵۰ مکانات تعمیر کرنے کی تجویز ہے جن پر تقریباً ۹۵ کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔ شیڈولڈ کاسٹس کے کے افراد کو تعمیر کی لاگت کے ۷۵ فیصد تک رقم امداد کے طور پر دی جاتی ہے۔ عمارتی سامان کی قیمت میں اضافے کو مد نظر رکھتے ہوئے ستمبر ۱۹۷۵ ع میں اس اسکیم پر نظر ثانی کی گئی اور تعمیر کی لاگت کی رقم کی حد عام طور پر ۱۲۰۰ روپے سے بڑھا کر ۲۰۰۰ روپے اور برفانی علاقوں کے لئے ۳۰۰۰ روپے کردی گئی ہے۔ کچھ پردیشوں جیسا کہ آندھرا پردیش، راجستھان، کرناٹک اور تامل ناڈو میں ہاؤسنگ کارپوریشن قائم کی گئی ہیں۔ ان کارپوریشنوں اور کیرالہ سرکار نے بھی وسیع پیمانے پر تعمیر مکانات کے پروگرام پر عمل شروع کیا ہے۔

پینے کا پانی:

شیڈولڈ کاسٹس کے لئے پینے کے پانی کی سہولتیں فراہم کرنے کے پروگرام کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ ۷۵-۱۹۷۴ ع میں مختلف پردیشوں۔ مرکزی انتظام کے علاقوں میں پینے کی پانی کے لئے ۳,۰۰۰ سے زیادہ کنوئیں کھودے گئے۔

اوپر جن پروگراموں کا ذکر کیا گیا ہے وہ پسماندہ طبقوں سے متعلق سیکٹر کے اضافی نوعیت کے پروگرام ہیں۔ اور ان کی ترقی کے پروگراموں کا بیشتر حصہ عام ترقیاتی سیکٹروں سے وابستہ ہوگا۔ پہلے ہی بہت سی شیڈولڈ کاسٹس، اسمال فارمرز ڈیولپمنٹ ایجنسیوں (ایس۔ ایف۔ ڈی۔ اے) اور مارجنل فارمرز اینڈ ایگریکلچرل لیبررز (ایم۔ ایف۔ اے۔ ایل) کے پروگراموں سے مستفیدھو رہی تھیں۔ ایم۔ ایف۔ اے۔ ایل اسکیم عملدرآمد کے آغاز کے بعد مارچ ۱۹۷۵ ع تک مختلف دیہی پروگراموں کے تحت ۲۸۳۴۸۵ زرعی محنت کشوں اور مارجنل کسانوں کو روزگار دلا یا گیا۔

مختلف مرکزی وزارتوں اور مختلف پردیشوں کی سرکاروں سے کئی میٹنگوں میں اس معاملے پر بات چیت ہوئی کہ شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کو کچھ ٹھوس فائدے بہم پہنچائے جائیں۔ پردیشوں کی سرکاروں نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔

پردیشوں کے پروگرام:

مختلف پردیشوں میں پسماندہ طبقوں کی بہبود کے محکموں کے انچارج وزیروں کی ایک کانفرنس نئی دھلی میں ۱۹ اور ۲۰ اپریل ۱۹۷۵ ع کو ہوئی تھی جس میں پھر اس معاملے پر غور کیا گیا۔

آندھرا پردیش کی سرکار مختلف محکموں میں بجٹ کے ۱۵ فیصد تک اس ضمن میں تفصیلی پروگرام مرتب کر رہی ہے۔ بہار سرکار نے پلاننگ ڈیپارٹمنٹ میں ایک ''سیل،، قائم کیا ہے۔ ویلفیر سیکریٹری اور متعلقہ محکمے کے سیکریٹری اس کے ممبر ہوں گے۔ اور یہ ''سیل،، عام سیکٹر کی اسکیموں کا مطالعہ کرے گا اور اس بات کا تعین کرےگا کہ شیڈولڈ کاسٹس کو کیا ٹھوس فائدے بہم پہنچائے جا سکتے ہیں۔ ہریانہ سرکار نے اعلی اختیارات کی دو کمیٹیاں مقرر کی ہیں۔ کیبنٹ کی ایک سب کمیٹی اور سیکریٹریوں کی ایک کمیٹی، جس کے چیئرمین چیف سیکریٹری ہوں گے۔ یہ اس بات کا دھیان رکھیں گی کہ مختلف سیکٹروں میں ایسے پروگراموں کے لئے مخصوص رقم صرف کی جائے اور شیڈولڈ کاسٹس کو حقیقی فائدہ پہنچے۔ کرناٹک سرکار نے بھی ایک اسکیم تیار کی ہے اور پانچویں پلان کے عام سیکٹر کے ترقیاتی پروگراموں میں سے شیڈولڈ کاسٹس کے لئے الاٹ کئے جانے والے پروگراموں کا تعین کیا ہے۔ زراعت، مویشی پالنے، مچھلیاں پالنے، باغبانی، ریشم تیار کرنے، صنعت و تجارت، صحت و فیملی پلاننگ روزگار و ٹریننگ، امداد باہمی، جنگلات، چھوٹے پیمانے کی آبپاشی تعلیم، دیہی ترقی، رسل و رسائل اور اطلاعات وغیرہ شعبوں میں علحدہ رقوم بھی مخصوص کی گئی ہیں۔

کیرالہ سرکار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ پانچویں پنجسالہ پلان میں عام سیکٹر کا ۱۰ فیصد فنڈ شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے فائدہ کے لئے خرچ کیا جائے۔ مدھیہ پردیش سرکار نے پانچویں پلان میں عام سیکٹر کے مخصوص سرمایے کا ۱۴ فیصد حصہ شیڈولڈ کاسٹس کے لئے مخصوص کیا ہے۔ پانڈیچری کی سرکار بھی شیڈولڈ کاسٹس کے لئے مختلف ترقیاتی اسکیموں پر صرف کی جانے والی رقوم کا تعین کرنے کے اقدامات کر رہی ہے۔ اتر پردیش سرکار نے بعض محکموں میں کل مخصوص رقم کا ۲۰ فیصد حصہ شیڈولڈ کاسٹس کے لئے صرف کرنے کے لئے مخصوص کیا ہے۔ ان میں چھوٹے پیمانے کی آبپاشی، زراعت، پنچائتی راج

لوکل سیلف گورنمنٹ، مویشی پالنے اور لوگوں کو صحت بخش غذا بہم پہنچانے وغیرہ سے متعلق محکمے شامل ہیں ۔ محکمہ آبپاشی اور کچھ دوسرے محکموں نے اس مطلب کی ہدایات جاری کی ہیں کہ قرضوں کی ۲۰ فیصد رقم ہریجنوں میں تقسیم کی جائے۔ انہوں نے لینڈ ڈیویلپمنٹ بنک کے تحت ایک کروڑ روپے کی رقم بھی ہریجنوں کیلئے مخصوص کی ہے ۔ اسی طرح پانچویں پلان کی مدت میں ۷ کروڑ روپئے کی رقم ہریجنوں کو پینے کے پانی کی سپلائی کے لئے مخصوص کی گئی ہے۔ پنجاب سرکار نے بھی اس امر کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی ہے کہ مختلف سیکٹروں کے پروگراموں سے ہریجنوں کو کیا ٹھوس فائدے بہم پہنچائے جا سکتے ہیں ۔

۲۰ نکاتی پروگرام :

جولائی ۱۹۷۵ء میں پردھان منتری نے ملک کی تیزرفتار معاشی ترقی اور کمزور طبقوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ۲۰ نکاتی پروگرام کا اعلان کیا۔ اس پروگرام کے بہت سے اجزا کا تعلق ایسے اقدامات سے ہے جن کا شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کی بہبود پر براہ راست اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر اس پروگرام میں درج ذیل باتیں شامل ہیں ۔

(۱) زرعی زمین کی حد ملکیت کو کم کرنا اور فاضل زمین کو بے زمین افراد میں تیزی سے تقسیم کرنا ۔

(۲) بے زمین اور کمزور طبقوں کے لئے مکان تعمیر کرنے کی جگہیں مہیا کرنا ۔

(۳) جبری مزدوری کے رواج کو ختم کرنا ۔

(۴) دیہی قرضوں کو ختم کرنا ۔

(۵) زرعی محنت کشوں کے لئے کم از کم اجرتیں مقرر کرنا ۔

(۶) طالب علموں کے لئے کتابیں اور اسٹیشنری مہیا کرنا

(۷) اپرنٹس شپ ایکٹ میں ترمیم کرنا ۔

۲۰ نکاتی پروگرام پر تیزی سے عمل جاری ہے۔ ایک لاکھ ۳۰ ہزار بیگھے فاضل زمین آسام میں جولائی سے ستمبر ۱۹۷۵ ع تک شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کو الاٹ کی گئی ۔ بہار میں ۱۲ ہزار ایکڑ زمین شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں میں تقسیم کی جا چکی ہے جبکہ راجستھان میں ۱۵۳,۲۲۲ ایکڑ زمین ان میں تقسیم کی جاچکی ہے ۔ اڑیسہ میں ۳۰ ہزار ایکڑ زمین تقسیم کی جا چکی ہے جبکہ تریپورہ میں ۱۰۳۰۵ ہیکٹر زمین شیڈولڈ کاسٹس کو اور ۱۷۳۷۴ ہیکٹر زمین شیڈولڈ قبیلوں کو الاٹ کردی گئی ہے ۔ اتر پردیش میں ۳۰۱۶۵۲ ہیکٹر زمین شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں میں تقسیم کی جا چکی ہے ۔ مغربی بنگال میں اس سلسلے میں ۶ لاکھ ۸ ہزار ایکڑ زمین تقسیم کی جا چکی ہے ۔

بے زمین دیہی محنت کشوں کو مکان تعمیر کرنے کی جگہیں الاٹ کرنے کا کام تیزی سے کیا جا رہا ہے اور ۱۵ جنوری ۱۹۷۶ تک تقریباً ۶۰ لاکھ جگہیں الاٹ کی جا چکی ہیں ۔ ان سے مستفید ہونے والے زیادہ تر افراد شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں سے تعلق رکھتے ہیں ۔

جبری مزدوری کے رواج کا خاتمہ :

کئی پردیشوں کی سرکاروں نے قانون منظور کرکے جبری مزدوری کے رواج کو ناجائز قرار دے دیا ہے ۔ حال ہی میں پارلیمنٹ نے جبری مزدوری کے سسٹم کو ختم کرنے کا ایکٹ پاس کیا ہے تا کہ سماج کے کمزور طبقے لوٹ کھسوٹ کا شکار نہ ہوں ۔ اس ایکٹ کے نفاذ سے جبری مزدوری لینے کا رواج ختم ہوگیا ہے اور جبری مزدوری کرنے والا ہر مزدور اب آزاد ہو چکا ہے ۔ کوئی بھی قرض خواہ اب جبری مزدوری سے وابستہ کسی بھی ایسے قرضہ کی کوئی رقم وصول نہیں کرسکتا جو اس قانون کے تحت ختم ہوگیا ہے ۔ اس قانون میں اس طرح آزاد ہونے والے افراد کی بحالی کے لئے موزوں اقدامات کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور وزارت محنت میں اس بارے میں مختلف پردیشوں کی کارروائیوں میں تال میل قائم رکھنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے ۔

دیہی قرضے :

جہاں تک دیہی قرضوں کا تعلق ہے وزارت زراعت نے مختلف پردیشوں کی سرکاروں کے لئے کچھ ہدایات جاری کی ہیں جن کی بنا پر ان سرکاروں نے چھوٹے کسانوں، مارجنل کسانوں، دیہی دستکاروں اور زرعی محنت کشوں جیسے کمزور طبقوں سے قرضوں کی وصولی پر روک لگانے کے احکام جاری کئے ہیں۔

کم از کم اجرتیں :

بہت سی پردیش سرکاروں نے کم از کم زرعی اجرتوں پر بھی نظر ثانی کی ہے ۔ موجودہ اطلاعات کے مطابق بڑھی ہوئی یہ اجرتیں درج ذیل ہیں :

راجستھان : ۵ روپئے کی بجائے ۶ روپے روزانہ ۔

اتر پردیش : مشرق علاقے میں ۵ روپے ، مرکزی علاقے میں ۶,۵۰ روپے ، پہاڑی علاقے میں ۶ روپے اور مغربی علاقے میں ۶,۵۰ روپے ۔

گجرات : ۳ روپے کی بجائے ۵ روپے روزانہ -

آسام : ۵٫۲۰ روپے روزانہ

چنڈی گڈھ : ۳٫۵۰ روپے کی بجائے ۶٫۵۰ روپے روزانہ -

اڑیسہ : ۳ روپے کی بجائے ۴ روپے روزانہ -

مغربی بنگال : ۵٫۶۰ روپے روزانہ -

نصابی کتابوں کی سپلائی :

اتر پردیش ، آندھرا پردیش ، راجستھان ، کیرالہ اور مدھیہ پردیش میں نصابی کتابوں کی قیمتیں کم کرنے اور انہیں کنٹرول کرنے اور ہاسٹلوں میں رہنے والے طالبعلموں کو کنٹرول شدہ نرخوں پر ضروری چیزیں مہیا کرنے اور کتابوں کے " بنک " قائم کرنے کی کاروائی کی گئی ہے - آندھرا پردیش میں نیشنلائزڈ نصابی کتابیں پہلی سے دسویں جماعت تک پڑھنے والے طالب علموں کو مفت مہیا کی جا رہی ہیں اور اس سے تقریباً ڈیڑھ لاکھ طالب علموں کو فائدہ پہنچا ہے - مدھیہ پردیش میں میٹرک سے پہلے کی جماعتوں میں شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے تقریبا ۵ لاکھ طالب علموں کو مفت کتابیں مہیا کی جارہی ہیں -

اپرنٹس شپ اسکیم :

۱۹۶۱ء کے اپرنٹس شپ ایکٹ میں اس مطلب کی ترمیم کی گئی ہے کہ پردیش سرکاریں متعلقہ پردیش میں شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کی آبادی کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے لئے ٹریننگ کے لئے جگہیں ریزرو رکھیں - اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس کاروائی کے نتیجے میں فبروری ۱۹۷۶ء کے آخر تک شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے تقریباً ۲ ہزار افراد بطور اپرنٹس کام کررہے تھے -

ملازمتوں میں ریزرویشن :

چھوت چھات کو ختم کرنے کے مسئلے کا ایک اور اہم پہلو یہ رہا ہے کہ چونکہ شیڈولڈ کاسٹس کے افراد ایک لمبے عرصے سے دوسری ذاتوں کے لوگوں پر انحصار رکھتے آئے ہیں اور نسبتاً کم منافع بخش کام کرتے رہے ہیں ، اس لئے اس صورت حالات میں بہتری لانے کے لئے بھارت سرکار نے آئین کے آرٹیکل ۱۶ اور آرٹیکل ۳۳۸ کے تحت مرکزی سرکار کی ملازمتوں میں کچھ فیصد ملازمتیں شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے امیدواروں کے لئے ریزرو کردیں - یہ تعداد اب ۱۲ فیصد سے بڑھاکر ۱۵ فیصد کردی گئی ہے - ترقی کے لئے بھی ملازمتوں میں اسی طرح کی ریزرویشن کا اہتمام کیا گیا ہے - اس کے علاوہ انہیں براہ راست بھرتی کے لئے عمر کی حد میں پانچ سال تک کی رعایت ، فیس کی رعایت ، انٹرویو کے لئے سفر الاؤنس اور کوالیفیکیشنز کے معیار میں رعایت وغیرہ کی سہولتیں بھی دی گئی ہیں -

ان اقدامات کے نتیجے میں مرکزی حکومت کے مختلف سروسز میں شیڈولڈ کاسٹس کی نمائندگی میں بتدریج اضافہ ہوا - ان طبقوں کے درجہ اول کے افسروں کی تعداد ۱۹۶۹ء میں ۵۰۹ تھی جو بڑھکر ۱۹۷۳ء میں ۱۰۵۸ اور ۱۹۷۵ء میں ۱۱۹۷ ہوگئی - اسی طرح درجہ دوئم کے افسروں کی تعداد ۱۹۶۹ء میں ۱۴۳۳ سے بڑھکر ۱۹۷۵ء میں ۲۶۸۹ ہوگئی - درجہ سوئم اور جہارم کے افسران کی تعداد اسی عرصے میں علی الترتیب ۱۲۱,۲۳۵ سے بڑھکر ۱۷۴,۰۲۵ اور ۲۱۷,۷۷۲ سے بڑھکر ۲۳۰,۸۱۱ ہوگئی - ۱۹۵۴ء میں آئی اے ایس اور آئی - پی - ایس میں شیڈولڈ کاسٹس کے افراد کی تعداد علی الترتیب ۱۸ اور ۷ تھی جو ۱۹۷۴ء میں بڑھکر ۲۵۲ اور ۱۳۰ ہوگئی -

پبلک سیکٹر کے ادارے :

مرکزی حکومت کے تحت پبلک سیکٹر کے اداروں میں شیڈولڈ کاسٹس کی نمائندگی کی پوزیشن درج ذیل ہے :

درجہ	تعداد یکم جنوری ۱۹۷۱ء کو	تعداد یکم جنوری ۱۹۷۵ء کو
درجہ اول	۱۶۳	۸۸۱
درجہ دوم	۵۴۹	۱۶۴۲
درجہ سوم	۱۹,۳۰۲	۱,۰۴,۱۱۹
درجہ جہارم (خاکروبوں کو چھوڑ کر)	۲۰,۶۲۶	۱,۱۸,۵۰۹
درجہ جہارم (خاکروب)	۴,۵۴۷	۱۳,۱۰۴

پردیشوں کی سرکاروں میں نمائندگی :

پردیشوں کی سرکاروں نے بھی بالعموم مذکورہ نوعیت کی مراعات دی ہیں - ہریانہ ، جموں و کشمیر اور اتر پردیش کی سرکاروں نے درجہ سوئم اور درجہ جہارم کی ترقی سے پر کی جانے والی بعض آسامیوں کے سلسلے میں ریزرویشن کا اہتمام کیا ہے -

پارلیمنٹری کمیٹی :

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی ایک اسٹینڈنگ کمیٹی مقرر کی گئی ہے جو اس بات کا دھیان رکھتی ہے کہ سرکار کی

طرف سے شیڈولڈ کاسٹس اور قبیلوں کی بہبود کے پروگرام اور شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں سے متعلق کمیشن کی طرف سے سالانہ رپورٹوں میں پیش کی گئی سفارشات پر ٹھیک طرح عمل کیا جاتا ہے یا نہیں - بعد ازاں یہ محسوس کیا گیا کہ کیونکہ شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کی بہبود کے بہت سے پروگراموں کو پردیشوں کی سرکاریں عملی جامہ پہناتی ہیں اس لئے یہ سرکاریں بھی ودھان سبھا کی ایسی ہی کمیٹیاں مقرر کریں جو شیڈولڈ کاسٹس اور شیڈولڈ قبیلوں کے مفاد کی نگرانی کرسکیں - چنانچہ بہار، ہریانہ ، کرناٹک ، کیراله ، اترپردیش ، مہاراشٹرا ، پنجاب ، راجستھان اور مغربی بنگال وغیرہ پردیشوں میں سرکار نے اس طرح کی کمیٹیاں قائم کردی ہیں اور وہ اس سلسلے میں بہت مفید کام انجام دے رہی ہیں -

مسلسل کوششیں :

سرکار کی طرف سے شیڈولڈ کاسٹس قبیلوں کے رهن سہن کو بہتر بنانے اور زندگی کے تمام شعبوں میں ان کے لئے ترقی کے نئے مواقع فراہم کرنیکی کوششیں جاری ہیں تاکہ وہ سماج میں دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنا جائز مقام حاصل کرسکیں -

* * * * *

۳۱ - ڈسمبر کو شری جے - وینگل راؤ چیف منسٹر آندھرا پردیش نے کل ہند صنعتی نمائیش کا افتتاح کیا -

انڈو جاپان وفد نے ۳۱ - ڈسمبر کو سکریٹریٹ میں چیف منسٹر سے ملاقات کی -

خبریں تصویروں میں
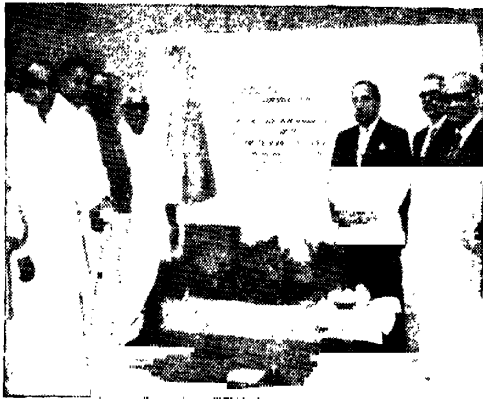
چیف منسٹر نے کمرشیل ٹیکس اور محکمے اکسائز کے بلڈنگ کامپلکس کا افتتاح کیا -
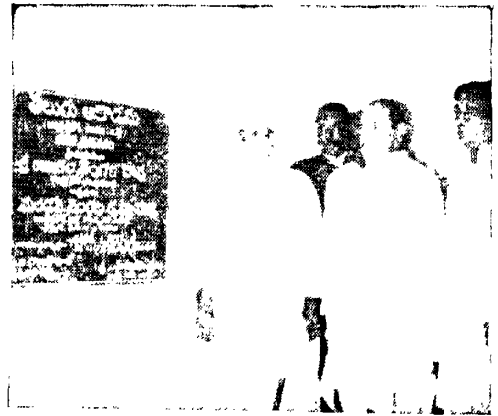
چیف منسٹر نے یکم جنوری کو تلگو اکیڈیمی حیدر آباد کے باب الداخلہ کا افتتاح کیا -

موضع ینابلی کا تاریخ ساز کارنامہ

کینر سانی ڈیم کے زیر سایہ واقع پرامن اور غیر معروف موضع ینابلی نے سال نو کے موقع پر ایک تاریخ ساز کارنامہ انجام دیا ہے - ۲۰ - ڈسمبر کو مستقبل کے ہندوستان کے ابھرتے ہوئے لیڈر سنجے گاندھی کے یادگار دورۂ کتہ گوڑم کے موقع پر ۸۳۰۰ افراد کو جو زیادہ تر درج فہرست قبائل - درج فہرست اقوام اور پسماندہ و دوسرے کمزور طبقات سے تعلق رکھتے تھے ۲٫۱۱ کروڑ روپے کے قرضے نقد اور جنس کی شکل میں تقسیم کئے گئے جس سے ان طبقات کی پریشان حال زندگی میں ایک روشن باب کا اضافہ ہوگا - غالباً ہندوستان میں اس سے قبل سماجی و معاشی سطح پر بہ یک وقت اتنا بڑا کارنامہ کبھی انجام نہیں دیا گیا - بلا شبہ ریاست آندھرا پردیش نے ملک کے سامنے ایک قابل تقلید مثال قائم کی ہے اور اپنے اس بے نظیر کارنامے پر وہ یقیناً فخر محسوس کرسکتی ہے -

ضلع کھمم میں درج فہرست قبائل- و درج فہرست اقوام بھاری تعداد میں آباد ہیں - ۱۹۷۱ع کی مردم شماری کے مطابق ضلع کی جملہ ۱۳٫۷۰ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے جن میں درج فہرست اقوام و قبائل کی تعداد ۳٫۰ لاکھ ہے - ما سوا دو کے ضلع کے تمام تعلقوں میں ۱۹۷۵ع سے انٹیگریٹیڈ ٹرائبل ڈیولپمنٹ ایجنسی کام کررہی ہے جو ۴ ٹرائبل ڈیولپمنٹ بلاکس ۳ ٹرائبل بلاکس اور ۲ بیک ورڈ بلاکس پر مشتمل ہے- پراجکٹ کا رقبہ ۳۴۳٫۷ لاکھ افراد کی آبادی اور ۳۷۷ دیہاتوں پر محیط ہے - اس علاقے کی صرف قبائلی آبادی دو لاکھ ہے -

سنجے گاندھی کے دورۂ کوتہ گوڑم کے موقع پر قانون تحدید اراضی کے تحت حاصل کردہ تقریباً ۲۰۷ ایکر فاضل اراضی بے زمین غرباء میں تقسیم کی گئی - علاوہ ازیں ۸۴۸ ایکر پر مشتمل رھائشی اراضیات بھی تقسیم کی گئیں -

زمینات کی بازیابی - باؤلیوں کی کھدوائی - ھل جوتنے کے بیلوں - دودھیارے مویشیوں - مرغبانی - دوائیں چھڑکنے کے آلات - آئیل انجنوں ، الکٹرک موٹروں - بیل گاڑیوں وغیرہ کے لئے کمزور طبقات میں فراخدلانہ قرضے تقسیم کئے گئے - اس موقع پر اگر قرضے فراہم کرنے والی ایجنسیاں جیسے کواپریٹیو ادارے - کمرشیل بینک - ٹرائیبل ڈیولپمنٹ ایجنسی وغیرہ بہ رضا و رغبت خود بخود پیش قدمی نہ کرتیں تو اتنا عظیم اور منفرد نوعیت کے کارنامے کا انجام پانا محال تھا -

سنٹرل بینکوں - اور کمرشیل بینکوں نیز اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی کی امداد سے ۱٫۸۹ کروڑ روپیے کے قرضے منظور کئے گئے - شیڈولڈ کاسٹس اور بیک ورڈ کلاسس فینانس کارپوریشن نے ۱۶٫۶ لاکھ روپیے کی انتہائی فراخدلانہ امداد مہیا کی جبکہ انٹیگریٹیڈ ڈیولپمنٹ ایجنسی نے ۲٫۸۲ لاکھ روپیے کے قرضے فراہم کئے - کمرشیل بینکوں نے بھی اپنے ھم پیشہ اداروں کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے مرغبانی پیگری اور دودھیارے مویشیوں کے لئے ۲٫۵۰ لاکھ روپیے کی امداد بہم پہنچائی - موضع ینابلی میں انجام دیا ہوا کارنامہ خاص طور پر کمزور طبقات کے آنسوؤں کو خشک کرنے کے لئے آزاد ہندوستان میں کی جانے والی جد و جہد کی تاریخ میں نشان راہ کی حیثیت رکھتا ہے -

نصف صدی کے اختتام اور منصوبہ بندی کمیشن کے قیام اور ہمارے پنجسالہ منصوبوں کی ابتداء سے کمزور طبقات کے لئے ایک " نئے پیغام "، کا آغاز ہوا - جب سے کہ ہمارے پنجسالہ منصوبوں نے کمزور طبقات کی ترقی پر زور دینا شروع کیا ہے اسوقت سے انکی معاشی فلاح و بہبود ہمارے منصوبوں کا نصب العین بن گئی ہے- تعلیمی اسکیمات بھی منصوبوں کا ایک اہم جز رہی ہیں -

پیچیدہ مسئلہ :

کمزور طبقات بشمول درج فہرست اقوام و قبائل کی بھلائی اور بہتری کے مسئلے کی پیچیدہ ہیئت اس امر کو جان لینے سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ طبقات ملک کی پوری آبادی کے ۱۱ حصے کے مساوی ہیں - آندھرا پردیش میں ان طبقات کی تعداد ریاست کی آبادی کا ۲۰ فیصد ہے - ریاست میں ہریجنوں کی تعداد ۶۰ لاکھ ہے اسلئے انکی ہمہ جہتی ترقی سے اس ریاست کو خصوصی تعلق خاطر ہونا چاہیئے -

آندھرا پردیش کی مجاہدانہ جد و جہد کے باعث حالیہ برسوں میں کمزور طبقات نے عموماً اور قبائلیوں نے خصوصاً ترقی کی جانب زبردست پیش رفت کی ہے - پسماندہ طبقات اور درج

فہرست اقوام کے لئے فینانس کارپوریشنوں کی تشکیل غالباً ملک میں آندھرا پردیش کے لئے ایک منفرد اعزاز کی حامل ہے جسمیں ان طبقات کی زرعی اور معاشی بہبود کی ضروریات کی تکمیل کی جارہی ہے - یہ کارپوریشن محدود پیمانے پر تیکنیکی جانکاری بھی فراہم کرتے ہیں -

آج کا بیدار ہندوستان نہرو خاندان کی روایتوں کے جھنڈے تلے نئی وسعتوں کی سمت آگے بڑھ رہا ہے - وزیر اعظم کے ۲۰-نکاتی معاشی پروگرام اور یوتھ لیڈر شری سنجے گاندھی کے ۵-نکاتی پروگرام کے اعلان نے اس راہ کی نشاندھی کی ہے جس پر سے مستقبل قریب میں قوم کو گذرنا ہے -

خصوصی حوصلہ افزائی :

حقیقت میں ۲۰ - نکاتی پروگرام سے کمزور طبقات کی ترقی کو خصوصی حوصلہ افزائی اور حمایت حاصل ہوئی ہے - اس سماجی اور معاشی پروگرام میں حسب ذیل امور شامل ہیں (۱) بے زمین کمزور طبقات کو رہائشی زمینات کی فراہمی (ب) ہاسٹلوں میں رہنے والے طلباء کو اشیائے ضروریہ کی کنٹرول نرخوں پر سربراہی (ج) کنٹرول نرخ پر کتابوں اور اسٹیشنری کی فراہمی اور (د) خاص طور پر کمزور طبقات میں بیروزگاری کو دور کرنے کے لئے کار آموزی اسکیمات کا آغاز -

مارچ ۱۹۷۶ تک ۶،۶۱ لاکھ خاندانوں کو رہائشی زمینات دی جا چکی ہیں - نومبر ۱۹۷۶ع تک ۹۸۲۱ ایکر زمین حاصل کی گئی ہے جسکی لاگت ۱،۲۷ کروڑ روپیے ہے اور اس سے ۱۷۴،۲۳ خاندان مستفید ہونگے - ۲۳۳۶ ہاسٹلوں کو اشیائے ضروریہ کنٹرول نرخوں پر سربراہ کئے جارہے ہیں جس سے ۱۴۳۳۶ طلباء کو فائدہ پہنچ رہا ہے جو بیشتر کمزور طبقات سے تعلق رکھتے ہیں -

ایک کروڑ کتابیں :

سال ۱۹۷۵ع کے دوران میں ایک کروڑ کتابیں چھپوا کر سربراہ کی گئیں جو سال گذشتہ کے مقابلہ میں ۴۰ فیصد زیادہ ہیں - محکمہ جات ہریجن ویلفیر - بیکورڈ کلاسس - ٹرائبل ولفیر کو اب تک ۲۸،۱۲ لاکھ روپیے کی قومیائی ہوئی کتابیں سربراہ کی گئیں - اسکولوں میں ۳۰۴۶ بک بینکس قائم کئے گئے اسکے علاوہ کالجوں میں ۸۰ اور جونیر کالجوں میں ۶۳ بک بینک قائم کئے گئے - کارآموزوں کی نئی اسکیم بھی کمزور طبقات کے لئے بلا شبہ ایک نعمت کی حیثیت رکھتی ہے -

اپریل ۱۹۷۶ع تک تربیت حاصل کرنے والوں کی تعداد ۲۳۸۶ تھی جبکہ فراہم کردہ گنجائش صرف ۴۳۱۲ کی تعداد کے لئے تھی نومبر ۱۹۷۶ع تک ۵۰۰۱ کی گنجائش کے مقابلے میں تربیت پانے والوں کی تعداد ۵۱۳۶ ہوگئی - مرکزی شعبے میں فراہم کردہ ۴۷۰۹ کی گنجائش کے مقابلے میں زیر تربیت امیدواروں کی تعداد ۴۰۸۵ تھی -

تمام ملک میں ترقی کی اس رفتار کو نہ صرف برقرار رکھا جانا چاہئے بلکہ مستقبل میں اسے مزید تقویت پہنچائی جانی چاہیئے تاکہ ہمارا سماج بندھنوں سے چھٹکارا پا کر ایسے اونچے اور روشن مقام پر پہنچ جائے جہاں ہمارے بچے اور بچوں کے بچے آزاد فضا اور برادرانہ ماحول میں سانس لے سکیں - بلا شبہ یہ خواب ہر ہندوستانی کا ہے جو ایک دن یقیناً پورا ہو کر رہے گا -

* * * *

هندوستان میں لوہے اور فولاد کی صنعت

بھارت میں قابل فروخت فولاد تیار کرنے کی پیداواری صلاحیت جو ۱۹۶۴-۶۵ء میں ۴۵ لاکھ ٹن تھی بڑھکر تقریباً ۱۰۲ لاکھ ٹن (بوکارو کے کارخانے اور بجلی کی بھٹیوں والے فولاد یونٹوں سمیت) ہو چکی ہے -

ایک وقت تھا جب بھارت میں مرکب فولاد ، خاص قسم کا فولاد اور ٹول فولاد قریب قریب بالکل ہی نہیں بنتا تھا لیکن اب ہم فولاد کی یہ خاص قسمیں ۳۰۵ لاکھ ٹن سالانہ کی مقدار میں تیار کررہے ہیں -

۱۹۶۴-۶۵ء میں ملک میں ۳۵ لاکھ ٹن فولاد میسر تھا - ۱۹۷۴-۷۵ء میں یہ مقدار ۶۶ لاکھ ٹن تک پہنچ گئی یعنی کہ اس مقدار میں تقریبا ۹۰ فیصد کا اضافہ ہوا -

فولاد کی صنعت کی ترقی دوسرے پانچسالہ پلان کے دوران بھلائی ، درگاپور اور روڑکیلا میں دس دس لاکھ ٹن کی پیداواری صلاحیت کے تین کارخانے قائم کرنے سے شروع ہوئی - پرائیویٹ سیکٹر کے دو کارخانوں ، " ٹسکو " اور " اسکو " کی پیداواری صلاحیت بڑھاکر علی الترتیب ۲۰ لاکھ اور ۱۰ لاکھ ٹن کرنے کا کام بھی شروع کیا گیا - پبلک سیکٹر کے تینوں کارخانے ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۲ء کے درمیانی عرصے میں مرحلہ وار قائم کئے گئے اور پرائیویٹ سیکٹر کے دونوں کارخانوں کی توسیع کا کام ۱۹۵۹ء میں مکمل ہوا - تیسرے پلان کے دوران فولاد کے تینوں کارخانوں کی توسیع اور بوکارو میں فولاد تیار کرنے کا ایک نیا کارخانہ قائم کرنے پر کافی زور دیا گیا - اس ضمن میں چوتھے پلان کا پروگرام پہلے سے قائم شدہ پیداواری صلاحیت سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور سیلم (تامل ناڈو) ، وجے نگر (کرناٹک) اور وشاکھا پٹنم (آندھرا پردیش) میں تین نئے کارخانے قائم کرنے کی اسکیموں پر مبنی تھا - ان کا مقصد پانچویں پلان کی ضروریات کے لئے فولاد کی مزید پیداواری صلاحیت وجود میں لانا تھا -

تین گنا اضافہ :

بوکارو میں قائم کئے جارہے کارخانے کو چھوڑ کر ، پچھلے دس سالوں میں فولاد کے پانچ منظم بڑے کارخانوں میں فولاد کے ڈلے تیار کرنے کی پیداواری صلاحیت میں ۴۸ فیصد اور قابل فروخت فولاد تیار کرنے کی پیداواری صلاحیت میں ۴۷ فیصد اضافہ ہوا - اس کے علاوہ بجلی کی بھٹیوں والے نئے یونٹ قائم کئے گئے ہیں جو فولاد اور مرکب فولاد تیار کرتے ہیں اور ان کی پیداواری صلاحیت تقریباً ۴۰ لاکھ ٹن ہے - بھلائی کے کارخانے میں مزید توسیع کرکے اس کی صلاحیت پیداوار کو ۴۰ لاکھ ٹن فولاد کے ڈلوں تک بڑھایا جا رہا ہے - بوکارو کا فولاد کارخانہ ، ۱۷ لاکھ ٹن کی ابتدائی پیداواری صلاحیت کے ساتھ تقریباً مکمل ہو چکا ہے - پبلک سیکٹر کے تینوں اور پرائیویٹ سیکٹر کے دونوں کارخانوں کی فولاد کے ڈلے اور قابل فروخت فولاد تیار کرنے کی ۱۹۶۴-۶۵ء اور ۱۹۷۴-۷۵ء کی پیداواری صلاحیت درج ذیل ہے -

ے بڑے کارخانوں کی پیداواری صلاحیت (...، ٹنوں میں) -

فولاد کے ڈلے	۱۹۶۴-۶۵	۱۹۷۴-۷۵
بھلائی	۱۰۰۰	۲۵۰۰
درگا پور	۱۰۰۰	۱۶۰۰
روڑ کیلا	۱۰۰۰	۱۸۰۰
' ٹسکو '	۲۰۰۰	۲۰۰۰
' اسکو '	۱۰۰۰	۱۰۰۰
ب) قابل فروخت فولاد :		
بھلائی	۷۷۰	۱۹۶۵
درگا پور	۸۱۴	۱۲۳۹
روڑ کیلا	۱۷۰۸	۱۲۲۵
' ٹسکو '	۱۵۰۰	۱۵۰۰
' اسکو '	۸۰۰	۸۰۰
جملہ	۵۵۹۲	۶۷۲۹

ظاہر ہے کہ جبکہ فولاد کے دو غیر سرکاری کارخانوں کی
یداواری صلاحیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ، پبلک سیکٹر کے
ینوں کارخانوں نے نمایاں ترقی کی ہے — اور بھلائی کے کارخانے
ی پیداواری صلاحیت میں سب سے زیادہ اضافہ ہوا ہے -

پانچ بڑے منظم کارخانوں میں قابل فروخت فولاد کی
یداواری صلاحیت میں ۷ ۴ فیصد اضافے کے علاوہ بجلی کی بھٹیوں
والے یونٹوں کے قیام سے مزید ۴. لاکھ ٹن کی پیداواری صلاحیت
ائم کی جا چکی ہے - اگر ۶ ۷ لاکھ ٹن کی پیداواری صلاحیت
یں ۴. لاکھ ٹن کی اس صلاحیت کو بھی شامل کیا جائے تو
ل پیداواری صلاحیت ۷.۱ لاکھ ٹن ہوجاتی ہے جو کہ ۱ سال
ہلے کی پیداواری صلاحیت کا ۳۳ ۲ فیصد ہے - اس طرح پچھلے
س سالوں میں ملک میں فولاد تیار کرنے کی صلاحیت
یداوار دوگنا سے بھی زیادہ ہوچکی ہے - اس میں بوکارو
کے فولاد کارخانے کی ۱.۷ لاکھ ٹن کی فولاد کے ڈلے تیار
کرنے کی صلاحیت شامل نہیں ہے - بوکارو کی سیلنگ مل
پالو ہوچکی ہے اور ہاٹ اسٹرپ مل کے اس سال کے آخر
ک چالو ہوجانے کی امید ہے - اگر گذشتہ دہائی کے عرصے
یں بوکارو کارخانے کے لئے کئے گئے کام کو بھی شامل کرلیا
ائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ پچھلے دس سال کے عرصے میں
لاد تیار کرنے کی پیداواری صلاحیت لگ بھگ تین گنا ہوگئی

پیداوار میں اس اضافے کے علاوہ ، جو کہ اپنے آپ میں
کافی اہمیت رکھتا ہے ، پچھلے دس سال کے عرصے میں اس امر
کو یقینی بنانے کے لئے کئی اقدامات کئے گئے کہ مستقبل میں
فولاد نہ صرف بآسانی مل سکے بلکہ بہ اتنی مقدار میں تیار
ہو کہ ہم اسے کافی مقدار میں برآمد کرکے زر مبادلہ بھی کما
سکیں - اس سلسلے کے کچھ اہم اقدامات درج ذیل ہیں :—

مرکب ٹول ، اور خاص قسم کے فولادکی پیداوار :

۶۵-۱۹۶۴ء میں ہمیں اسٹین لیس اسٹیل ، ہائی اسپیڈ
اسٹیل ، کیس ہارڈنگ اسٹیل ، ڈائی بلاک اسٹیل ، الائے
کنسٹرکشنل اسٹیل ، فری کٹنگ اسٹیل وغیرہ ہرطرح کا مرکب
فولاد درآمد کرنا پڑتا تھا - دس سال کے عرصے میں ہی ہم اس
غیر اطمینان بخش حالت سے بہت آگے نکل آئے ہیں - اب ہم
اسی منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ ہم مرکب اور خاص قسم
کے فولاد کی زیادہ تر ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ان قسموں
کا فولاد ملک ہی میں تیار کررہے ہیں - ۷۵-۱۹۷۴ء میں
۳.۵ لاکھ ٹن مرکب اوزاری اور خصوصی فولاد تیار کیا گیا
جبکہ ۷۰-۱۹۶۹ء میں یہ مقدار ۲.۶ لاکھ ٹن تھی -

فولاد کی میسر مقدار کا نیا ریکارڈ :

۶۵-۱۹۶۴ء میں ملک میں کل ۵۳ لاکھ ٹن فولاد
میسر تھا جبکہ ۷۵-۱۹۷۴ء میں یہ مقدار ۶۶لاکھ ٹن ہوگئی
اور اس طرح اس میں واضح طور پر ۲۵ فیصد کا اضافہ ہوا -
۷۵-۱۹۷۴ء میں فولاد کی میسر مقدار کا نیا ریکارڈ اس لئے قائم
ہوا کیونکہ پانچ منظم بڑے کارخانوں نے قابل فروخت فولاد
کی پیداوار کا نیا ریکارڈ قائم کیا - اس اضافے کے نتیجے میں اب
مارکیٹ میں فولاد کی کمی نہیں رہی - اس کے ساتھ ہی پیداوار
میں اضافے کو مد نظر رکھتے ہوئے درآمد میں بھاری کمی
کئے جانے کی امید ہے - ۷۵-۱۹۷۴ء میں سب قسموں کا کل
۱۰ لاکھ ٹن فولاد درآمد کیا گیا تھا جس کی مالیت ۲۶۰ کروڑ
روپے بنتی ہے - ۷۶-۱۹۷۵ء میں ۷۵ کروڑ روپے کا فولاد درآمد
کئے جانے کا امکان ہے - یعنی کہ اس کی درآمد میں لگ بھگ
۷۱ فیصد کمی ہوجائے گی - اس کے علاوہ ملک کے پاس برآمد
کے لئے سلاخوں اور بلٹس وغیرہ کی شکل میں زیادہ مال موجود ہوگا -

اسٹیل اتھارٹی آف انڈیا لمٹیڈ :

پچھلے دس سال کے عرصے میں فولاد کی پیداوار میں
اضافے کے ساتھ ساتھ ایک ایسی تنظیم کی ضرورت محسوس کی گئی
جو فولاد کے تمام کارخانوں کی سرگرمیوں میں تال میل قائم کرسکے
اس طرح ۲۴- جنوری ۱۹۷۳ء کو اسٹیل اتھارٹی آف انڈیا
لمٹیڈ کا قیام عمل میں آیا - یہ تنظیم سرکار نے درج ذیل مقاصد

کے لئے قائم کی :—

(۱) لوہے و فولاد اور ان سے متعلقہ خام لوہے، مینگنیز جونے کے پتھر، فریکٹریوں وغیرہ کی صنعتوں کے بارے میں سرکار کی طرف سے وقتاً فوقتاً طے شدہ مقاصد اور قومی معاشی پالیسی کے مطابق منظم و منصوبہ بند ترقی کے اقدامات کرنا ۔

(۲) ذیلی صنعتوں کی سرگرمیوں میں تال میل قائم کرنا، انکے اقتصادی و سالی مقاصد نشانے طے کرنا اور ان کے لئے استعمال میں لائے جانے والے تمام وسائل کے زیادہ سے زیادہ استعمال کو یقینی بنانے کے لئے ان کے کاموں کا جائزہ لینا اور انہیں کنٹرول کرنا۔

(۳) سرکار کی طرف سے سرمایہ کاری کے لئے شعبوں کی کھوج کرنا اور ایسے شعبوں میں سرمایہ لگانا یا سرمایہ لگانے میں مدد دینا ۔

(۴) لوہے و فولاد اور دوسری متعلقہ صنعتوں کی ترقی کے لئے ایک قومی پالیسی تیار کرنا اور سرکار کے پاس اس کی سفارش کرنا اورسرکار کو پالیسی اورتکنیکی معاملوں کے بارے میں مشورہ دینا ۔

اسٹیل اتھارٹی آف انڈیا لمیٹیڈ کی کامیابیاں :

اگرچہ اسٹیل اتھارٹی آف انڈیا لمٹیڈ کے قیام کو دو سال ہوئے ہیں اور اس عرصے کے پہلے کچھ مہینے بھی اس سلسلے کی ابتدائی انتظامیہ کارروائی میں ہی صرف ہو گئے تھے، تاہم اس تنظیم کی مسلسل کوششوں کے نتیجے میں پیداوار بڑھانے اور پیداواری صلاحیت سے زیادہ فائدہ اٹھانے، بچولیوں کی منافع خوری کو روکنے، مال پیدا کرنے والوں کی مالی حالت کو سدھارنے، درآمد کو کم کرنے، برآمد کو بڑھاوا دینےاور وسائل کو مد نظر رکھتے ہوئے مستقبل میں فولاد کی صنعت کی ترقی کے پروگرام مرتب کرنے میں مدد ملی ہے ۔ اس تنظیم کی ٹھوس کامیابیاں درج ذیل ہیں ۔

(۱) ۱۹۷۴-۷۵ع میں پانچ بڑے کارخانوں نے قابل فروخت فولاد کی تیاری کا ایک ریکارڈ قائم کیا۔ انکی قابل فروخت فولاد کے لئے پیداواری صلاحیت اگرچہ ۶۷ لاکھ ٹن ہے تاہم مئی ۱۹۷۴ع کی ریلوے ہڑتال کی دھمکی اور کوکنگ کوئلے، ٹرانسپورٹ، بجلی، لوہے کے مرکبات اور تکنیکی امداد سے متعلق مشکلات کے پیش نظر پیداوار کا نشانہ ۵۰ لاکھ ٹن مقرر کیا گیا تھا ۔ قابل فروخت فولاد کی اصل پیداوار ۴۹ لاکھ ٹن ہوئی جو کہ مقررہ نشانے کا ۹۷،۱ فیصد تھی ۔ بھلائی اسٹیل پلانٹ نے اور ٹاٹا آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی لمیٹیڈ نے مقررہ نشانے سے زیادہ فولاد تیار کیا ۔ روڑکیلا اسٹیل پلانٹ نے مقررہ نشانے کا ۹۷،۲ فیصد، درگاپور اسٹیل پلانٹ نے ۷۷،۴ فیصد اور انڈین آئرن اینڈ اسٹیل کمپنی نے مقررہ نشانے کا ۸۵،۹ فیصد فولاد تیار کیا ۔

(۲) ۱۹۷۴-۷۵ع کے دوران روڑکیلا اسٹیل پلانٹ نے ۸،۱۲ لاکھ ٹن قابل فروخت فولاد تیار کیا جو کہ اس کارخانے کے لئے ایک ریکارڈ پیداوار ہے ۔ اس بات کو دھیان میں رکھیں کہ یہ کارخانہ وہ چیزیں تیار کرتا ہے جو کہ زیادہ تر درآمد کی جاتی ہیں، تو اس کارخانے کی پیداوار سے درآمد میں کافی کمی کرنے میں مدد ملی ہے ۔

(۳) روڑکیلا کے کھاد کارخانے میں ۲،۴۵ لاکھ ٹن کیلشیم ایمونیم نائٹریٹ تیار ہوااور یہ بھی اس کارخانے کا ایک نیا ریکارڈ ہےاور اس طرح اس نے اپنے مقررہنشانے سے زیادہ کھاد تیار کی ۔

(۴) درگاپور کے مرکب فولاد کے پلانٹمیں ۱۹۷۴-۷۵ع میں ۸،۳۶۰ ٹن فولاد کے ڈلےاور ۳۶،۶۸۰ ٹن قابل فروخت فولاد تیار ہوا جو کہ اس کارخانے کے لئے ایک نیاریکارڈ ہے۔ اس طرح اس نے اپنی ۱۹۶۹-۷۰ع کی ۶۵۶۱۵ ٹن فولاد کے ڈلوں اور ۱۹۷۳-۷۴ع کی ۳۵،۰۷ ٹن قابل فروخت فولاد کی پیداوار کا ریکارڈ توڑدیا ۔

(۵) فولاد کے کارخانوں کو ضروری چیزیں سپلائی کرنے والوں، ریلوے، اور مال تیار کرنے والوں کے مشورے سے ۱۹۷۵-۷۶ع کے لئے قابل فروخت فولاد کی پیداوار کا نشانہ ۵۷ لاکھ ٹن مقرر کیا گیا ہے جو کہ ۱۹۷۴-۷۵ع کی ریکارڈ پیداوار سے ۸ لاکھ ٹن زیادہ ہے ۔ اس طرح ۱۹۷۵-۷۶ع کا نشانہ ۱۹۷۴-۷۵ع کی اصل پیداوار کا ۱۱۶،۳ فیصد بنتا ہے ۔

(۶) فولاد کی صنعت کو جدید بنانے میں اور اسے اپنے اندرونی وسائل سے ترقی کے قابل بنانے میں معاون ثابت ہونے کے لئے ایک مرکزی فنڈ قائم کیا گیا ہے جس میں کہ ''فروخت'' کی قیمت اور''روک'' قیمت میں فرق کی رقم جمع کردی جاتی ہے ۔ یہ مرکزی فنڈ اکتوبر ۱۹۷۳ع میں اعلان کی گئی

قیمتوں کے بارے میں نئی پالیسی طے کئے جانے سے وجود میں آیا - مرکزی فنڈ میں جمع ہونے والی رقم یقیناً فولاد کی صنعت کی ساری ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہوگی لیکن یہ بات پہلی بار یقینی بن جائیگی کہ فولاد کی صنعت کے منافع کی رقم زیادہ ڈیویڈنڈ دے کر ضائع نہ کردی جائے بلکہ اسے اسٹیل اتھارٹی آف انڈیا کی طرف سے پلاننگ کمیشن کے مشورے سے منظور شدہ اسکیموں پر صرف کیا جائے -

(۷) ہندوستان اسٹیل لمیٹڈ نے ۷۴-۱۹۷۳ء میں ۱۷،۴ کروڑ روپے منافع کمایا - اس کے مقابلے میں ۷۵-۱۹۷۴ء میں ۴۴ کروڑ روپے کا منافع ہونے کا اندازہ ہے -

(۸) ۷۵-۱۹۷۴ء کے دوران فولاد کی تقسیم کے طریقوں میں سدھار اور اسکے نتیجے میں اسٹاک کے " سرگرم " ہونے سے ، جس میں کہ ۷۵-۱۹۷۴ء کی فولاد کی ریکارڈ پیداوار سے مدد ملی ، ۷۵-۱۹۷۴ء نیا ریکارڈ تھا اور یہ پچھلے سال کی مقدار سے ۱۱ لاکھ ٹن یعنی ۲۰ فیصد زیادہ تھی -

فولاد کے کھپت کاروں سے تبادلہ خیال کے بعد اسٹیل اتھارٹی آف انڈیا لمیٹڈ کے کمرشیل ڈائریکٹوریٹ نے یہ اندازہ لگایا کہ ۷۶-۱۹۷۵ء میں ملک میں فولاد کی مانگ ۶۲ لاکھ ٹن ہوگی اور اس کے میسر آسکنے والی مقدار ۶۴ لاکھ ٹن ہوگی - اس طرح ملک کے پاس فالتو فولاد موجود رہیگا اور ۷۶-۱۹۷۵ء میں بھی فولاد کے بآسانی میسر آسکنے والی حالت قائم رہنے کی توقع ہے -

(۹) ۷۵-۱۹۷۴ء میں پچھلے سال کی نسبت صنعتی تعلقات میں بہتری ہوئی - ۷۵-۱۹۷۴ء میں کام کے گھنٹوں کے نقصان کے باعث پیداوار کی مالیت میں تقریبا ۸ کروڑ روپے کی مالیت کی کمی کا اندازہ ہے ، جبکہ اس سے پچھلے سال اس وجہ سے ۳۲ کروڑ روپئے کی مالیت کی کمی ہوئی تھی -

(۱۰) ۱- جون ۱۹۷۴ء کو اسٹیل اتھارٹی آف انڈیا لمیٹڈ کی ذیلی تنظیم کی حیثیت سے " دی سیل انٹر نیشنل لمیٹڈ " قائم کی گئی - ڈلوں ، سلیب ، بلٹس ، سلاخوں ، راڈز ، اسٹرکچرلز اور جست کی قلعی والی چادروں وغیرہ زمروں کے فولاد کی کئی قسموں کی متوقع فاضل پیداوار کے پیش نظر مذکورہ تنظیم ۷۶-۱۹۷۵ء میں ان قسموں کی برآمد کی اسکیم تیار کررہی ہے - ۷۵-۱۹۷۴ء میں لوہے و فولاد کی کل برآمد ۹،۱ لاکھ ٹن ہوئی جس کی مالیت ۲۰ کروڑ روپے بنتی ہے -

فولاد کی پیداواری صلاحیت میں توسیع :

فولاد کی پیداواری صلاحیت میں توسیع کے منظم اقدامات کئے جارہے ہیں - ان میں درج ذیل اقدامات شامل ہیں :

(الف) بھیلائی اسٹیل پلانٹ کی فولاد کے ڈلے تیار کرنے کی پیداواری صلاحیت کو ۲٫۵ لاکھ ٹن سے بڑھا کر ۴٫۰ لاکھ ٹن سالانہ تک پہنچانا -

(ب) بوکارو اسٹیل پلانٹ کی پیداواری صلاحیت کو ۱٫۷ لاکھ ٹن سے ۴٫۰ لاکھ ٹن سالانہ تک اور پھر ۴٫۷ لاکھ ۵۰ ہزار ٹن سالانہ تک پہنچانے کے لئے کارخانے کی مسلسل تعمیر کا کام -

(ج) اسٹیل اتھارٹی آف انڈیا لمیٹڈ کی سرگرمیوں میں تنوع پیدا کرنے کے لئے ، پیداوار کو بحال رکھنے اور نئی قسم کی چیزیں تیار کرنے کے لئے سرمایہ کاری کی نئی اسکیمیں شروع کی گئی ہیں - ان میں بڑی اسکیمیں 'سیلم اسٹیل لمیٹڈ ، کدرے مکھ آئرن اور پراجیکٹ ، ڈونیملائی آئرن اور پروجیکٹ، سپائرل ویلڈ پائپ پلانٹ (روز کیلا اسٹیل پلانٹ میں) اور بھیلائی میں ریفریکٹری پلانٹ کی ہیں -

(د) " سیل " نے وشاکھا پٹنم اسٹیل پلانٹ اور وجے نگر اسٹیل پلانٹ کے نئے کارخانوں کے لئے تفصیلی پروجیکٹ رپورٹیں مرتب کرنے کے اقدامات کئے ہیں -

(ہ) مزید توسیع کے امکانات کا جائزہ لینے کے مقصد سے " سیل " نے میٹالرجیکل اینڈ انجینیرنگ کنسلٹنٹس (انڈیا) لمیٹڈ کو مدھیہ پردیش میں بیلاڈلا اور مہاراشٹر میں سورج گڑھ کے مقامات پر منظم فولاد کارخانے قائم کرنے اور مرکب فولاد کے کارخانے میں توسیع کے امکانات کے بارے میں رپورٹیں تیار کرنے کے لئے کہا ہے -

کامیابیوں کا اختصار :

لوہے و فولاد کی صنعت کے شعبے میں پچھلے دس سالوں کی کامیابیوں کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے -

(۱) ملک میں قابل فروخت فولاد کے لئے پیداواری صلاحیت جو کہ ۱۹۶۴-۶۵ع میں ۴۵ لاکھ ٹن تھی ، بڑھکر ۱۲۰ لاکھ ٹن (بوکارو اور بجلی کی بھٹیوں کے اسٹیل یونٹوں سمیت) ہوگئی ہے ۔

(۲) ملک میں مرکب ، ٹول اور خاص قسم کے فولاد کے لئے پیداواری صلاحیت نہ ہونے کے برابر تھی لیکن اب ہم خاص قسموں کا ۳٫۵ لاکھ ٹن فولاد سالانہ تیار کررہے ہیں ۔

(۳) فولاد کی میسر مقدار ۱۹۶۴-۶۵ع میں ۵۳ لاکھ ٹن تھی جو کہ ۱۹۷۴-۷۵ع میں بڑھکر ۶۶ لاکھ ٹن ہوگئی ۔ اس طرح اسمیں تقریباً ۲۵ فیصد کا اضافہ ہوا ۔

(۴) کچھ خاص قسم کے فولاد کی میسر آنے والی فاضل مقدار کے پیش نظر ان اقسام ، جیسا کہ بلٹس ، سلیب ، سلاخیں وغیرہ کے بارے میں لمبے عرصے کی برآمدی پالیسی تیار کرنے کے لئے ایک خصوصی تنظیم مقرر کی گئی ہے ۔

(۵) اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ فولاد کی صنعت کے مسئلوں کو مربوط ڈھنگ سے حل کرنے کے لئے ایک ماہر تنظیم کی ضرورت ہے ، پبلک سیکٹر میں ایک نئی تنظیم " اسٹیل اتھارٹی آف انڈیا لمیٹیڈ " قائم کی گئی ہے ۔ اپنے قیام کے دو برسوں کی مختصر مدت میں اس تنظیم نے درج ذیل کام کئے ہیں ۔

(الف) ۱۹۷۴-۷۵ع میں قابل فروخت فولاد کی پیداوار کا ایک نیا ریکارڈ قائم ہوا ۔

(ب) ۱۹۷۵-۷۶ع کے لئے ۱۹۷۴-۷۵ع کی اصل پیداوار سے بھی ۱۶ فیصد زیادہ پیداوار کا نشانہ مقرر کیا گیا ۔

(ج) فولاد کی صنعت کو جدید بنانے اور اس کے ترقیاتی پروگراموں کے لئے پہلی بار ایک مرکزی فنڈ قائم کیا گیا ہے ۔

(د) فولاد کی صنعت کی مالی حالت اگرچہ ابھی بھی بالکل اطمینان بخش نہیں تاہم یہ ۱۹۷۴-۷۵ع میں ۱۹۷۳-۷۴ع اور اس سے پہلے کی نسبت سدھر گئی ہے ۔

(ہ) پیداوار میں اضافے کو مد نظر رکھتے ہوئے ، تقسیم کے تمام سسٹم میں کئی طریقوں سے سدھار کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں اب ملک بھر میں پھیلے ہوئے ۲ مرکزوں سے فولاد باآسانی مل سکتا ہے جبکہ پہلے اس سلسلے میں مشکلیں پیش آتی تھیں ۔

(و) فولاد کی صنعت میں صنعتی تعلقات میں پہلے کی نسبت ۱۹۷۴-۷۵ع میں بہتری ہوئی ہے ۔ اس کے نتیجے میں ۱۹۷۴-۷۵ع میں صرف ۸ کروڑ روپے کی مالیت کی پیداوار کا نقصان صنعتی تعلقات میں نا خوشگواری آنے کے باعث ہوا جبکہ ۱۹۷۳-۷۴ع میں اسی وجہ سے ۲۳ کروڑ روپے کی مالیت کی پیداوار کم ہوئی تھی ۔

(ز) بھارت میں فولاد کی صنعت زر مبادلہ کمانے والی صنعت بن گئی ہے ۔ اندازہ ہے کہ برآمد اور درآمد کے فرق سے یہ صنعت ۳۵ کروڑ روپے کماسکے گی ۔

(۶) وجے نگر اور وشاکھاپٹنم سے متعلق تفصیلی پروجیکٹ رپورٹوں کے بارے میں کام شروع کردیا گیا ہے ۔

(۷) لوہے و فولاد کی صنعت کے لئے ایک ریسرچ اینڈ ڈیویلپمنٹ تنظیم رانچی میں کام کررہی ہے ۔ یہ تنظیم اس صنعت کے کئی فوری مسئلوں کو سلجھانے کے لئے مصروف کار ہے ۔

(۸) پچھلے دس برسوں میں ملک فولاد کے بارے میں مشاورتی سروس کے سلسلے میں نہ صرف خود کفیل ہوگیا ہے بلکہ اب اس سلسلے میں ہم دوسرے ملکوں کو مشاورتی سروس بہم پہنچانے کے قابل بھی ہوگئے ہیں ۔

اس طرح ۱۹۷۴-۷۵ع میں ختم ہونے والے دس برسوں کے دوران لوہے و فولاد کی صنعت کے شعبے میں کئی کامیابیاں حاصل کی گئی ہیں ۔ ہم ۱۹۶۴-۶۵ع کے مقابلے میں آئندہ دس برسوں میں صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے کہیں زیادہ اچھی حالت میں ہیں ۔

حقائق ایک نظر میں

۱۔ ایک ہزار سال پہلے بھارت فولاد تیار کرتا تھا اور برآمد بھی کرتا تھا ۔

۲۔ ۱۹۶۴-۶۵ع اور ۱۹۷۴-۷۵ع کے درمیانی عرصے میں فولاد کے ڈلوں کی پیداوار میں ۱۴۸ فیصد اور قابل فروخت فولاد کی پیداوار میں ۱۴۷ فیصد کا اضافہ ہوا ۔

۳۔ ۱۷ لاکھ ٹن فولاد کی ابتدائی پیداواری صلاحیت والا بوکارو کارخانہ لگ بھگ مکمل ہوگیا ہے ۔

۴۔ پچھلے دس برسوں میں فولاد کے بارے میں ملک کی پیداواری صلاحیت دوگنا سے بھی زیادہ ہوگئی ہے ۔

۵ - ۶۵ - ۱۹۶۴ء میں ملک کو ہرقسم کے مرکب فولاد کے لئے درآمد پر انحصار رکھنا پڑتا تھا ۔ اب اس زمرے کا زیادہ تر فولاد ملک میں ہی تیار کیا جارہا ہے ۔

۶ - ۷۵-۱۹۷۴ء میں میسر آنے والے فولاد کی مقدار کا ایک نیا ریکارڈ قائم ہوا اور اب مارکیٹ میں فولاد کی قلت نہیں ۔

۷ - ملک اب فولاد برآمد کرنے کے قابل ہوگیا ہے ۔ اندازہ ہے کہ ۷۶-۱۹۷۵ء میں ۱۰۹ کروڑ روپے کا فولاد برآمد کیا جائے گا ۔

۸ - پچھلے دس برسوں میں ملک فولاد کے بارے میں مشاورتی سروس کے سلسلے میں نہ صرف خود کفیل ہو گیا ہے بلکہ اب اس شعبے میں ہم دوسرے ملکوں کو مشاورتی سروس بہم پہنچانے کے قابل بھی ہو گئے ہیں ۔

* * * * *

——(باتیں کم کام زیادہ)——

جاوید مرزا

جمہوریت میں عوام کے حقوق و فرائض

وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی نے ایک بار پھر بڑے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ ایمرجنسی سے پہلے ہنگامہ آرائی کی جو کھلی چھوٹ دے دی گئی تھی اسے پھر سے نہیں دھرایا جائیگا بی - بی - سی کے نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے وزیراعظم نے ان مشکلات کا ذکر کیا جو کچھ برس پہلے مہنگائی اور خشک سالی کی وجہ سے لوگوں کو پیش آرہی تھیں ان حالات میں ایسی سیاسی جماعتوں نے جو جمہوری طریقوں سے کبھی اقتدار حاصل کرنے کی امید نہ رکھتی تھیں عوام کی ان مشکلات سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کی ایک جمہوری نظام میں لوگوں کے اگر حقوق ہوتے ہیں تو ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں مگر ان سیاسی جماعتوں نے یہ بات بالکل فراموش کردی کہ جمہوریت میں حزب اختلاف کے کیا فرائض ہیں انہوں نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے طاقت کا استعمال بھی کیا کئی مقامات پر قانون ساز اسمبلیوں کے ممبروں کے ساتھ بد سلوکی کی گئی اور جن افراد کو عوام نے منتخب کیا تھا انہیں مستعفی ہونے پر مجبور کیا گیا - انہیں اس بات کی اجازت بھی نہیں دی گئی کہ وہ اپنی رکنیت کی مدت مکمل کرلیں واقعہ یہ ہے کہ بد امنی اور لاقانونیت زندگی کے ہر شعبے میں پھیلائی گئی نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ فیکٹریوں کی پیداوار متاثر ہوئی اور تعلیمی اداروں کے کام میں بھی رکاوٹ پڑی -

ایسی صورت حال کو سدھارنے کیلئے ایمرجنسی نافذ کی گئی اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ بدامنی سارے ملک میں پھیلتی اورھمارا قومی وجود خطرے میں پڑ جاتا -

ایمرجنسی نافذ کرنے کے نو ماہ بعد اب صورت حال بالکل مختلف ہے - مارکیٹ میں روزانہ ضرورت کی چیزیں افراط سے اور مقررہ قیمتوں پر مل رہی ہیں - دنیا کے دوسرے ملکوں میں جبکہ ہر جگہ مہنگائی بڑھ رہی ہے ہندوستان میں ایک ہی سال کے دوران قیمتیں گری ہیں - ایک طرف فیکٹریوں کی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے اور دوسری طرف خریف کی فصل بہت اچھی ہوئی - اب امید ہے کہ ربیع کی فصل بھی بہت اچھی ہوگی - اس لئے ہندوستان میں اس وقت اعتماد اور امید کی فضا پائی جاتی ہے اور وزیراعظم کا یہ کہنا غلط نہیں کہ ہندوستان کا مستقبل روشن ہے - مگر اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں اچانک ہی یہ غم ستانے لگا ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کا کیا ہوگا یہ بات بارہا دھرائی جاچکی ہے کہ ہند سرکار اور ہندوستان کے لوگ دوسرے ملکوں کے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہتے - اس لئے دوسرے ملکوں کی سرکاروں اور وہاں کے لوگوں سے بھی توقع کی جاتی ہے کہ وہ ہمارے ملک کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کریں گے ہندوستان کا نظام حکومت آخرکار وہی ہوگا جو یہاں کے لوگ چاہتے ہیں نہ کہ وہ جسے باہر کے کچھ مبصر پسند کرتے ہیں -

کسی ملک کے لئے سب سے اہم بات اس کا اتحاد اور اس کی سالمیت ہے - باقی سب باتیں دوسرے درجے پر آتی ہیں - ایمرجنسی سے پہلے اپوزیشن کے ایک لیڈر نے فوج اور پولیس کو بھی حکم نہ ماننے پر اکسایا تھا یہ بہت ہی خطرناک رجحان تھا اور کسی ملک کی حکومت.......... ایسی باتیں کرنے کی اجازت مطلق نہ دیتی گذشتہ مدت کے دوران ہندوستان میں ایک نئی امید اور اعتماد کی فضا پیدا ہوئی ہے اور ہمارے عوام اس بات کا مصمم ارادہ لئے ہوئے ہیں کہ وہ ماضی کی لاقانونیت کو واپس نہیں آنے دیں گے -

* * * * *

نائیدو پیٹھ ضلع نیلور میں

شری سنجے گاندھی نے اضلاع نیلور ، چتور، اور کرشنا میں طوفان بادوباراں سے متاثرہ کئی علاقوں کا دورہ کیا اور پے در پے طوفانوں کے سبب عوام کی مصیبتوں کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔
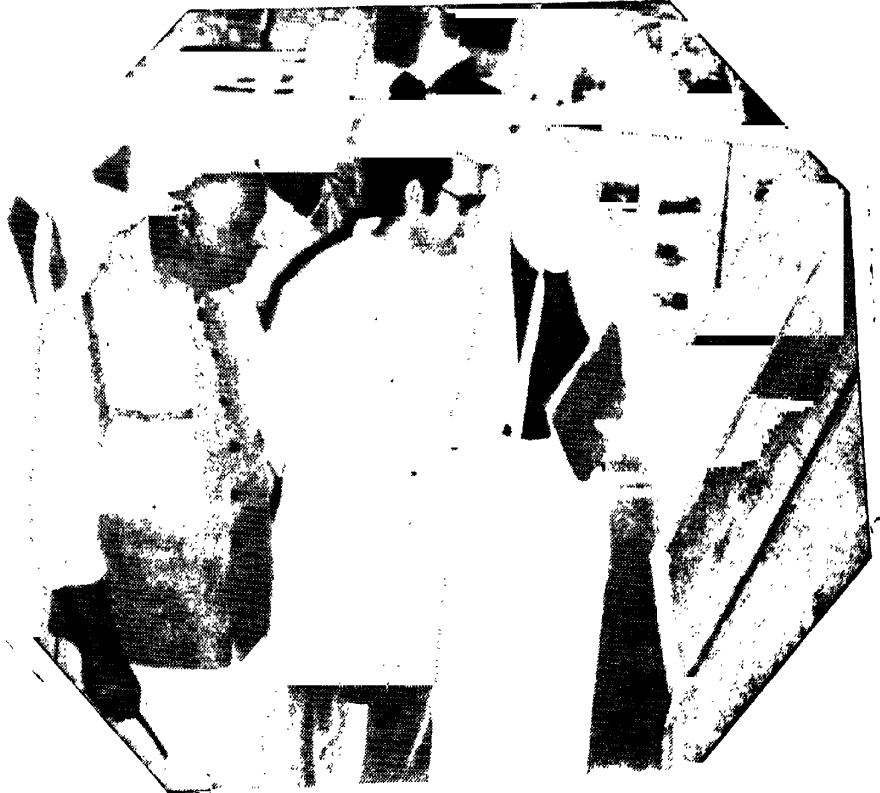
نوجوان ایک مضبوط اور نظم و ضبط کی پابند قوم کی تعمیر میں مصروف۔

تعمیری سرگرمیوں میں نوجوان حصہ لے رہے ھیں ۔
قومی ترقی میں نوجوان آگے آگے ھیں ۔ سماج میں تیزی کے
ساتھ تبدیلی لانے کے لئے نوجوان آگے آچکے ھیں ۔
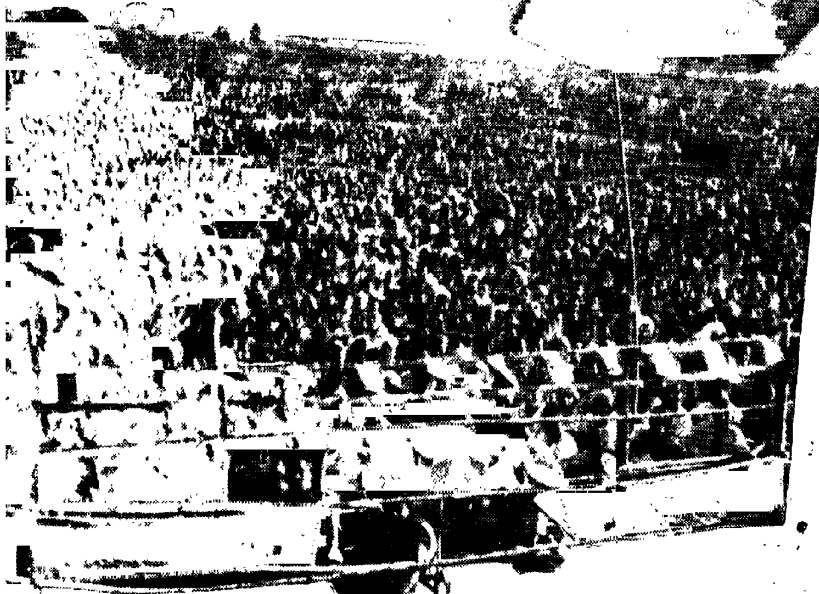
یوتھ لیڈر نے عظیم اجتماع کو مخاطب کیا
۳۲۰ بین فرقے جاتی شادی شدہ جوڑوں کو
مبارک باد دی۔

★

انہوں نے بناسپلی میں آشرم اسکول
کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔
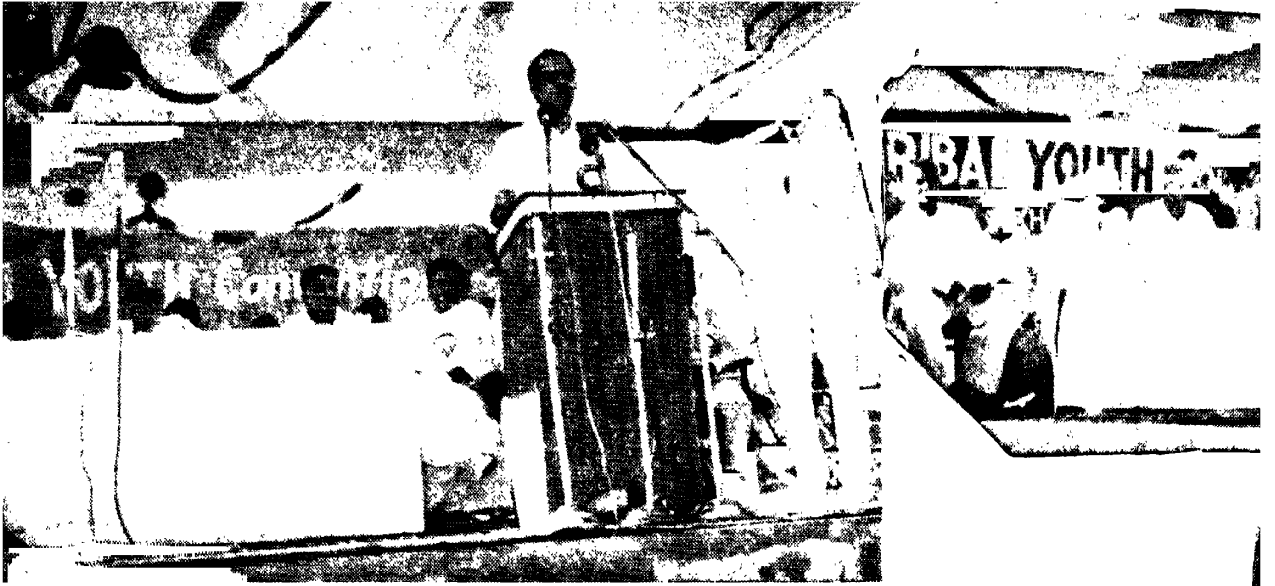
سنجے گاندھی کی آندھرا پردیش میں آمد ۔ کھمم اور نظام آباد میں استقبال ۔

سنجے گاندھی ضلع کھمم کے قبائلی موضع بناسی میں — ان کے یادگار دورے کے موقع پر ۸۳۰۰ کمزور طبقات اور قبائلی خاندانوں میں ۲۰ کروڑ روپے تقسیم کئے گئے۔ اس سے قبل کبھی بھی اتنے خاندانوں کو ایک ہی دن میں اتنی بھاری امداد نہیں دی گئی۔

ے گاندھی کی آندھرا پردیش میں آمد۔
لم پیٹھ اور نظام کالج گراونڈ پر استقبال۔

کوئلے کے شہر
کوتہ گوڑم میں

سنجے گاندھی
اکیو یڈو
ضلع کرشنا میں

عابد صدیقی

سوامی رام تیرتھ اور اقبال

سوامی رام تیرتھ ہندوستان کے عظیم مذہبی پیشوا تھے - جنہوں نے ویدانت کے ذریعہ عوام میں اپنے افکار و کردار کی روشنی پھیلائی اور اپنی زندگی کے صرف تیس برسوں میں معرفت و محبت کے وہ رموز بتائے کہ ہزاروں کی تعداد میں عوام انکے پیرو و پرستار بن گئے۔ انہوں نے مذہب کو ایک غیر معمولی طاقت سمجھا اور عمل کے بغیر روحانیت کو بے جان جسم سے موسوم کیا - رام تیرتھ کے فلسفہ ویدانت اور انکے قول و فعل کی ہم آہنگی سے اقبال جیسے عظیم شاعر فلسفی اور مفکر بھی متاثر ہوئے اقبال نے بانگ درا ، میں اپنی نظم '' سوامی رام تیرتھ ،، میں اس بلند پایہ مذہبی رہنما کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ھے اور انکے تصورات کی نہایت دلچسپ انداز میں توضیع و تشریح کی ھے -

سوامی رام تیرتھ پنجاب کے ضلع گوجر انوالہ کے مرلی‌والہ دیہات میں ہندوستان کے سادھو اور پروہت ھیرانند کے گھر پیدا ھوئے - وہ گئو سوامی خاندان سے تعلق رکھتے تھے - انکے دادا رام چندرا نے جو مشہور نجومی تھے پہلے ھی پیشنگوئی کی تھی کہ تیرتھ ایک بڑے اسکالر اور مذھبی رہنما ہونگے اور انکے افکار کا دنیا بھر میں چرچا رھے گا انکی سنہ پیدائش کے بارے میں دو روایات ھیں - نارائن سوامی اور پورن سنگھ کے بموجب وہ ۲۲ - اکتوبر کو سنہ ۱۸۷۳ میں پیدا ھوئے جبکہ انکے بھتیجے برج‌لال نے انکا سنہ پیدائش سنہ ۱۸۷۰ بتایا ھے اپنے اس بیان کی دلیل میں انہوں نے ھیرانند کا خط بھی نقل کیا ھے جسمیں رام تیرتھ کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ھے اسطرح رام تیرتھ گاندھی جی کے ہم عصر ھیں جو ۲ - اکتوبر کو سنہ ۱۸۶۹ میں پیدا ھوئے - رام تیرتھ ایک سال کے بھی نہ ھوئے تھے کہ انکی والدہ انتقال کر گئیں اور انکی پرورش پھوپھا اور پھوپی نے کی - انکی پھوپی دھرم کور نہایت مذہبی اور خدا ترس خاتون تھیں وہ اکثر مذھبی مقامات کی زیارت کرتی تھیں اور رام تیرتھ کو ھمیشہ اپنے ساتھ رکھتیں - مختلف منادر اور مذہبی مقامات کی یاترا نے تیرتھ کے ذہن و فکر پر مذھب کی عظمت کے گہرے اور

دیر پا نقوش چھوڑے - مندروں کے صبح و شام بجنے والے ناقوس انکے قلب پر کیفیت طاری کردیتے اور وہ ان کی آواز کو سن کر خوشی سے پھولے نہیں سماتے - انہیں ابتدا ھی سے ''کتھا،، کا شوق تھا اور اس دوران وہ بڑے انہماک سے پنڈت کے لب و لہجہ اور حرکات و سکنات کا مطالعہ کرتے - کھیل کود سے زیادہ انہیں کتھا سننے سے دلچسپی رہی - دور طالب علمی میں رام تیرتھ ایک محنتی اور ذہین طالب علم تھے - اردو اور فارسی زبانوں سے بھی انہیں بے حد لگاؤ رہا ابتدائی دور میں اپنے استاد محمد علی کا کافی اثر انہوں نے قبول کیا - انکی شادی گیارہ برس کی عمر میں وزیرآباد کے وبرو کے گاؤں کے پنڈت رام چندر کی لڑکی سے ھوئی - شادی کے بعد تیرتھ تعلیم کی خاطر گوجر انوالہ منتقل ھوئے جہاں پنڈت نانک چند نے جو انکے سوتیلی ماں کے والد تھے اسکول میں شریک کیا اور اپنے ھی گھر رہنے کی اجازت دی تعلیم کے دوران تیرتھ کی ملاقات بھگت دھنا مل سے ھوئی جنہوں نے انکی زندگی پر گہرے اثرات چھوڑے - دھنامل ایک روحانی پیشوا تھے - سوامی رام تیرتھ نے تعلیم کے دوران کافی مصائب برداشت کئے اور نہایت جراءت مندی سے حالات کا مقابلہ کیا وہ انٹرنس پاس کرکے گورنمنٹ کالج لاھور میں داخل ھوئے جہاں سے انہوں نے ریاضی میں ایم اے کیا وہ لکچراری کے عہدہ کے لئے کوشش بھی کرتے رھے - اسی دوران انہیں بیرون ملک اعلی تعلیم کے لئے منتخب کرلیا گیا لیکن بعض وجوہات کی بنا پر بعد میں انہیں اجازت نہ مل سکی - رام تیرتھ کو کتابوں کے مطالعہ کا بے پناہ شوق تھا کتابوں سے انکی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ اخراجات کا بڑا حصہ کتابوں کی خریدی پر صرف ھوتا انہیں علم ریاضی پر بڑی مہارت تھی اور اسکے مختلف موضوعات پر انہوں نے کئی مضامین بھی لکھے - انکے خیال میں علم ریاضی ہماری ذہنی سطح کو بے پناہ وسعتیں عطا کرتا ھے - سنتان دھرم سبھا ایجوکیشن سوسائٹی کے اسکول میں وہ سائنس اور ریاضی کے شعبہ کے نگران مقرر ھوئے - سنہ ۱۸۹۵ ع میں سیالکوٹ میں مشن ھائی اسکول کے استاد کی حیثیت سے انکا تقرر ھوا اور پھر مشن کالج لاھور میں پروفیسر ھوئے -

ویدانت سے سوامی رام تیرتھ کو ابتدا ھی سے وابستگی رھی اور عمر کے ساتھ ساتھ اسکا رنگ اور بھی چڑھتا گیا وہ زندگی کے اعلی اقدار پر ایقان رکھتے تھے - اس لئے انہوں نے کبھی بھی دولت کی فراوانی کے لئے حرص و ھوس کو پھٹکنے نہیں دیا اور ظاھری زیب و بناوٹ کو عیش سے تعبیر کیا ھے - جدید علوم سے بہرہ ور ھونے کے باوجود سوامی رام تیرتھ نے سادگی پسند کی اور خواھشات سے بے نیاز زندگی گذاری انہوں نے اپنے مذھبی رہنما دھنا مل کو کوئی ۱۱۲۴ خطوط لکھے جن میں اپنے مذھبی

انکار کو بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے انکے کئی خطوط اردو زبان میں موجود ہیں ۔

رام تیرتھ نے ویدانت کے ایک سچے پیرو کی حیثیت سے اپنی ساری زندگی اسی عقیدہ کی اشاعت و تبلیغ میں گذاردی انکا خیال تھا کہ اگر دنیا میں کہیں سچائی ہے تو وہ صرف ویدانت میں ہے اپنے خالق سے نسبت و تعلق نے اتنی شدت اختیار کرلی تھی کہ اب انہیں سوائے خدا کے کوئی وجود نظر نہیں آتا تھااور یہ کائنات سراسر فریب نظر آتی تھی چنانچہ رام تیرتھ نے اپنے والد کے نام مکتوب میں لکھا ہے کہ "آپ کے بیٹے تیرتھ رام کا جسم اب خدا کے ہاتھوں بک چکا ہے اور اس پر خود میرا حق باقی نہیں رہا ۔ آج دیوالی ہے اور میں نے خدا کو پا کر خود کو کھو دیا ہے ۔ میں آپکو مبارک باد دیتا ہوں اب آپکو جب بھی ضرورت ہو میرے مالک کو پکارئیے وہ آپ کی ضرورت پوری کرے گا گذشتہ ۱۹ ، ۲۰ روز سے وہ میرے تمام کام انجام دے رہا ہے پھر وہ آپکے کام کیوں پورے نہیں کرے گا "۔

رام تیرتھ نے ابتدا میں خدا تک رسائی کے تین راستے بتائے تھے جن میں کرما یوگا ، بھکتی یوگا اور جنن یوگا شامل ہیں کرما یوگا کا مطلب انہوں نے عمل سے لیا ہے اور بھکتی یوگا سے مراد پیار و محبت کے احساسات ہیں جبکہ جنن یوگا فکر و بصیرت سے عبارت ہے ۔ انہوں نے اپنے لئے بھکتی کا راستہ اختیار کیا رام تیرتھ نے بھگوت گیتا کا بھی تفصیل سے مطالعہ کیا راماین سنتے سنتے رام کی محبت ان پر اسقدر غالب آجاتی کہ وہ گھنٹوں دریائے راوی کے کنارے فکر الہی میں ڈوبے رہتے اور کبھی کبھی تلسی داس کی راماین سنکر ان پر محویت کا عالم طاری ہوجاتا ۔

سنہ ۱۸۹۶ع میں انہوں نے متھرا ، برنداون ، اور مغربی اتر پردیش کے علاقوں کا سفر کیا کیونکہ ان علاقوں کا کرشن کی زندگی سے گہرا تعلق رہا ہے رام تیرتھ نے پنڈت دین دیال کے ہمراہ اپنی اس یاترا میں اعلان بھی کیا کہ انہیں کرشن جی کا دیدار بھی نصیب ہوا ۔ بھکتی یوگ کا رام تیرتھ پر اسقدر اثر ہوا کہ اگر مزید کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہتا تو شاید وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتے ۔ اس اثنا میں انکی ملاقات جگت گرو شنکر اچاریہ سے ہوئی ۔ انہوں نے شنکر اچاریہ سے وحدانیت (Monoism) کی خصوصی تعلیم و تربیت حاصل کی اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ کرشن جی کی محبت کے ساتھ ساتھ فلسفہ ویدانت نے انکی زندگی کو نیا انداز فکردیا اس زمانے میں انہوں نے امریکی مصنفین ایمرسن ، ویٹ مین وغیرہ کی کتابوں کا مطالعہ بھی کیا اور خود کو ویدانت کے لئے وقف کرنے کا مصمم عزم کرلیا ۔ تیرتھ نے اعلان کیا کہ بے خوفی و جرأت مندی انکی شخصیت پر محیط ہے اور مسلسل مجاھدہ و ریاضت کے ذریعہ وہ ترک نفس کا راستہ اختیار کرتے ہوئے عرفان الہی کی منزل پر آئے ہیں ۔ سنہ ۱۸۹۷ع میں سوامی ویویکانند کے لکچرس نے انہیں بے حد متاثر کیا اور ویدانت پر ویویکانند کے فکر انگیز اور روح پرور خیالات کا اتنا اثر ہوا کہ ویویکانند کے روپ میں انہیں ویدانت کا ایک شارح اور با عمل شخص مل گیا بعد میں وہ خود اسقدر محو ہوگئے کہ اب کوئی گرو انکے لئے قابل تقلید نہیں رہا ۔ سنہ ۱۸۹۸ میں رام نے رووبت امرت درشنی سبھا قایم کی جسکا مقصد عقیدہ ویدانت کی تبلیغ تھا انہوں نے مختلف مذھبی مقامات کی یاترا کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان مقامات کا نظارہ ھی سب کچھ نہیں تاوقتیکہ آتما کے درشن نہ ہوں روح کا اضطراب کم نہیں ہوگا ۔ رشی کیش میں انہوں نے اپنی ساری دولت لٹادی ۔ آتما درشن کا جنون کام آگیا اور وہ ایک مرتبہ پانی میں کود پڑے تاکہ زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرلیں لیکن پانی میں انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی پوشیدہ طاقت انہیں ڈھکیل کر کنارہ تک لائی ہے اور اسطرح انہیں آتما درشن نصیب ہوگیا اپنے اس روحانی سفر کا حال تیرتھ نے 'جلوہ تمہارا ، میں بیان کیا ھے جو نثر و نظم پر مشتمل ہے ۔ قدرتی مناظر کے بارے میں اپنے احساسات کو شاعری کا روپ دیکر انہوں نے زندگی کی رعنائیوں سے پیار کرنا سکھایا ہے دریاؤں کی روانی ، کہساروں کی عظمت و جلال کے مناظر کے ذریعہ انہیں خالق کائنات کے جلال و جمال کا اندازہ ہوا انسانی آبادیوں سے دور رہکر بھی وہ تنہا نہیں رہے خالق کے ساتھ وابستہ ہوکر مخلوق سے وابستگی کا معیار زیادہ بلند ہو جاتا ہے ۔ رام تیرتھ جیسے جیسے کٹر ویدانتی ہوتے گئے انکے لئے خارجی دنیا میں اتنی دلچسپی نہ رہی ۔ ۲۰ فبروری سنہ ۱۸۹۹ع کو انکے ہاں دوسرا لڑکا برھمانند پیدا ہوا انکی بیوی شیو دیوی بے حد مسرور ہوئیں اکثر لوگوں نے انہیں اس موقع پر مبارکباد پیش کی سوامی جی نے جس رد عمل کا اظہار کیا اسکا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو دھنامل کو انہوں نے لکھا تھا ۔

" کسی ندی کے شامل ہونے سے سمندر پانی سے لبریز نہیں ہوجاتا اور اگر ندی شامل نہ بھی ہو تو سمندر کی روانی اور اسکے بہاؤ میں کمی نہیں ہوتی اسی طرح اگر سورج روشن ہو تو چراغ کی روشنی یا اسکے گل ہونے سے فرق نہیں پڑتا ، یہی انسانی زندگی میں رنج و خوشی کی حقیقت ہے ۔

رام تیرتھ نے چند دن کشمیر میں بھی گذارے اور وہاں سے واپسی کے بعدانکی مبلغانہ زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوا ہزاروں کی تعداد میں عوام انکے جلسوں میں شریک ہوتے ۔ انہوں نے

اپنے افکار اور ویدانت کی توسیع و اشاعت کے لئے ایک رسالہ
'' الف ،، جاری کیا جسکی پیشانی پر ویدا کا منتر اور نیچے فارسی
کا ایک شعر لکھا ہوتا - ویدانت کے پرچار کی خاطر انہوں نے
ملازمت سے استعفاء بھی دے دیا اور ایک بڑے قافلہ کے ہمراہ
ہری‌دوار اور گنگوتری گئے اپنی جمع شدہ دولت گنگا میں بہادی
اور اپنے ساتھیوں کو نصیحت کی کہ وہ خداکی مرضی کے آگے
خود کو سپرد کردیں ، انہوں نے فکر معاش میں مبتلا رہنے
والوں سے کہا کہ اگر خدا ہمکو زندہ رکھنا چاہے تو کھانے
پینے کا انتظام بھی کردیگا ورنہ ہم موت کے حوالے ہوجائینگے
اور موت بے عقیدہ زندگی سے کہیں بہتر ہے -

رام تیرتھ نے اس دوران جو لازوال روحانی مسرتیں حاصل
کیں انکا حال انہوں نے اپنی اردو نظموں میں بیان کیا ہے انہوں نے
چند دن اتار کاشی (کراچی) میں گذارنے کے بعد سنیاس لے لیا
جب ہی سے انکا نام تیرتھ رام سے رام تیرتھ ہو گیا -

وہ کئی مقامات پر مذہب کی تبلیغ کرتے رہے متھورا میں مذہبی
کانفرنس کی صدارت بھی کی اور قدیم و جدید نقطہ نظر کے
حامل افراد کو متاثر کیا - صحراؤں کی تنہائی اور کوہساروں کی
خاموشی سے نکل کر وہ جاپان جیسے صنعتی شہر بھی گئے جہاں
مادی تہذیب کا غلبہ تھا اسکے باوجود تیرتھ نے روحانیت
اور ویدانت کی روشنی سے اس تہذیب کو نئے راستوں کی نشاندھی
کی - انہوں نے ہند جاپان کلب میں جو افکار پیش کئے وہ ایک
مذہبی رہنما کے راسخ اعتقاد کا اعلی ثبوت ہیں - سوامی نے کہا
کہ دنیا میرا دیس ہے اور نیک عمل میرا مذہب ہے انہوں نے
ویدانت کو بدھ مت سے مختلف قرار دینے کی تردید کرتے ہوئے
کہا کہ صرف اسکی تشریحات عصر جدید کی ضروریات کے تحت
فلسفہ و سائنس کے پس منظر میں پیش کی جارھی ہیں - جاپان
کے علاوہ وہ امریکہ بھی گئے جہاں دو سال تک انہوں نے اپنے
پیغام کوعام کیا - امریکہ میں ایک‌بار سفید فام ایک خاتون اپنے
بچے کی موت کے بعد ذھنی سکون کی تلاش میں رام تیرتھ کے
پاس آئیں - رام نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ کسی نیگرو لڑکے کو
گود لے لیں اور اپنے بچے کی طرح اسے پیار دیں - خاتون بے حد
ناراض ہوئیں اور کہا کہ یہ کام تو مشکل ہے تیرتھ نے جواب
دیا کہ خوشیوں کا حصول بھی اسقدر آسان نہیں ، امریکہ
سے واپسی کے بعد اگنی کش اور پھر تہری میں مستقل طور
پر رہنے لگے سنہ ۱۹۰۶ع میں وہ ھردوار (سہارنپور) گئے تھے
ایک دن وہ اپنے عقیدتمندوں کے ھجوم میں دریائے گنگا کے
کنارے ویدانت پر اپنے افکار کے دریا بہا رہے تھے کہ یکا یک
انہوں نے اشنان کا ارادہ ظاھر کیا اور تیرتے ہوئے دریا میں دور
تک نکل گئے اسی حالت میں انپر رام کی محبت کا غلبہ ہوا
اور عین دریا میں انہوں نے سادھی لگادی یعنی ان پر جذب
مستی کی حالت طاری ہوگئی اور انکا جسم لہروں کی نظر ہوگیا-
سادھی لگانا دراصل ویدانت کی اصطلاح ہے اسکا مفہوم یہی
ہے کہ عاشق (بھگت) محبوب کو خود سے الگ نہیں سمجھتا
بلکہ ایک ایسی منزل آتی ہے کہ وہ خود محبوب بن جاتا ہے -

اقبال رام تیرتھ کی روحانی عظمت سے متاثر ہوئے اور
وحدت‌الوجود پر انکے ایقان اور عشق و مستی کی کیفیات نے ایشیا
کے اس عظیم شاعر کے احساسات کو گرمایا مسلک عشق اقبال
کے فکر و وجدان کا سرچشمہ ہے اس بناء پر رام تیرتھ کی شخصیت
سے انکا متاثر ہونا ناگذیر تھا اقبال کی عظمت کا یہی راز بھی ہے
کیونکہ —

'' پروانہ چراغ حرم و دیر نداند ،،

اقبال نے بھی تصوف کو پیش کیا ہے جبکہ رام تیرتھ
نے تصوف کی عملی صورت گری کی جسکا اعتراف اقبال نے ان الفاظ
میں کیا ہے -

آہ کھولا کس ادا سے تونے راز رنگ و بو
میں ابھی تک ہوں اسیر امتیاز رنگ و بو

اقبال اور رام تیرتھ وحدت‌الوجود کے قائل ہیں اقبال نے
اپنی نظم میں رام تیرتھ کی وفات پر انہیں خراج عقیدت پیش کرتے
ہوئے وحدت‌الوجود کے بعض نکات کو بھی بیان کیا ہے وہ کہتے
ہیں —

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرہ بیتاب تو
پہلے گوہر تھا بنا اب گوہر نایاب تو

ویدانت کی بنیادی تعلیم یہی ہے کہ انسان کی روح کا
خدا سے وہی تعلق ہے جو قطرہ کو دریا سے ہے یعنی انسان اور
خدا دونوں کی اصل ایک ہی ہے جسطرح قطرہ اور دریاکی حالت
ہے گویا رام تیرتھ نے وفات نہیں پائی بلکہ قطرہ (روح یا آتما)
دریا (پرماتما) سے مل گیا - مرنے سے قبل انکی حالت گوھرکی
تھی لیکن واصل حق ہوکر گوھرنایاب ہوگئے اور گوھرنایاب
کی نظیر نہیں ملتی - اقبال نے اس شعر میں رام تیرتھ کی عظمت
اور انکے مقام کو واضح کیا ہے چنانچہ اسکی تفصیل دوسرے
شعر میں یوں کی گئی ہے -

آہ کھولا کس ادا سے تونے راز رنگ و بو
میں ابھی تک ہوں اسیر امتیاز رنگ و بو

تیرتھ نے اپنے نیک عمل کے ذریعہ اس کائنات کی حقیقت
سے آگہی حاصل کرلی انہوں نے اس راز کو جان لیا کہ یہ
ساری کائنات سراسر فریب نظر ہے در اصل اللہ (پرماتما) ھی‌موجود

ہے اسکے سوا جو کچھ نظر آتا ہے اس ذات واحد کی تجلیات کا عکس ہے اور دنیا محض دھوکے کی ٹٹی ہے -

ویدانت نے اس نکتہ کو بھی سمجھایا ہے کہ انسانی زندگی کا موت کے بعد خدائی زندگی سے ربط و تعلق ہوجاتا ہے قطرہ دریا میں مل جائے تو اسمیں بھی پورے دریا کے سیلان کی قوت پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی بات کو رام تیرتھ والی نظم میں اقبال بیان کرتے ہیں۔

مٹ کے غوغا زندگی کاشورش محشر بنا
یہ شیرازہ بجھ کے آتش خانہ آذر بنا

انسانی زندگی کا غوغا ، اسکی موت کے بعد شورش محشر بن جاتا ہے اور یہی شورش محشر در حقیقت طاقت و توانائی اور عظمت و جلال کی منزل ہے -

حقیقت سے آشنا اور رموز معرفت سے واقف شخص ہی اپنی ہستی کی نفی کرسکتا ہے اور اس کائنات کی حقیقت یہی ہے کہ الااللہ کا موتی لا کے دریا میں نہاں ہے خدا سے ربط و نسبت بڑھانے کے لئے خود کو فنا کرنا ضروری ہے یہ فنائیت ہی بقائے دوام عطا کرتی ہے اور انسان شب و روز ' کن فیکون ، اور ' کل یوم ہو فی شان ، کے مظاہرے سے لطف اندوز ہوتا ہے -

سالک اپنی ذات میں ضرب الہی کے احساس کو شدت سے محسوس کرنے لگتا ہے لا کی منزل سے الااللہ کی منزل تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے جسے رام تیرتھ اور پھر اقبال نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے -

نفی ہستی اک کرشمہ ہے دل آگاہ کا
لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الااللہ کا

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اقبال نے فنا کو نیست و نابود کرنے یا ذات کو مٹا دینے کے مفہوم میں نہیں لیا ہے بلکہ انکے خیال میں فنا ایسی حالت کا نام ہے جبکہ سالک اپنی آرزوؤں اور مرضی کو رضائے الہی کے تابع کردیتا ہے اور مطیع کامل بن جاتا ہے یہ اطاعت عشق کے بغیر ناممکن ہے

اسلئے آگے چل کر اقبال لکھتے ہیں :-

چشم نابینا سے مخفی معنی انجام ہے
تھم گئی جس دم تڑپ سیماب سیم خام ہے

اقبال نے رام تیرتھ کی شخصیت میں ایسے عاشق صادق کی صفات محسوس کی تھیں جو ہمیشہ عشق حقیقی کی آگ میں تڑپتا اور جلتا رہا اسلئے انہوں نے کہا کہ جو لوگ اپنے انجام سے واقف نہیں انکی مثال نابینا کی سی ہے جو انکھیں رکھکر بھی روشنی سے محروم ہیں حالانکہ انسان کا انجام یہی ہے کہ وہ ہمیشہ عشق خداوندی کے لئے تڑپتا رہے کیونکہ سیماب سے اگر تڑپنے کی کیفیت چھین لی جائے تو وہ سیم خام بن جائے گا اسی طرح روح انسانی عشق کی صفات سے محروم ہوجائے تو یہ روحانی تقاضوں کی موت ہوگی عاشق کا انجام خود کو مٹادینا ہی نہیں بلکہ پیہم اضطراب ہے -

رام تیرتھ کے مسلک عشق سے متاثر ہوکر اقبال اسی نظم کے آخری شعر میں عشق کے حقائق و معارف بیان کرتے ہیں -

توڑ دیتا ہے بت ہستی کو ابراہیم عشق
ہوش کا دارو ہے گویا مستی تسنیم عشق

عشق طاقت و توانائی کا سرچشمہ ہے کہ جسکے ذریعہ ہستی کا بت پاش پاش ہوجاتا ہے اور انسان اپنی ہستی کو خدا کی مرضی سے جوڑ دیتا ہے یہ کام اگرچیکہ مشکل ہے لیکن جذبہ عشق سے سرشار ہونے کے بعد خواہشات انسانی کے پتلے رضائے الہی کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں اور پانے و کھونے کے احساس سے خودی غیر متاثر ہوجاتی ہے - عشق حقیقی انسان میں معرفت و شعور پیدا کرتا ہے درحقیقت عشق کی مستی و سدھوشی ہوش کی دارو ہے - مستی عشق کا یہ عالم ہے کہ انسان نہ صرف اپنی حقیقت سے با خبر ہوتا ہے بلکہ خدا بینی و جہاں بینی کا خوگر بن جاتا ہے اور منزل عشق پر پہنچ کر بڑے اطمینان سے یہ کہہ اٹھتا ہے -

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانہ دل کے مکینوں میں

* * * *

شاہ جہاں نسیم

ایمر جنسی کے بعد

جب سے نا فذ ہوئی " ایمرجنسی "
خوف لرزاں ہے جسطرف دیکھو

ہے پریشاں ایک اک لمحہ
عقل حیراں ہے جسطرف دیکھو

ہر طرف ہیں سکون کے سائے
کوئی گڑبڑ نہ کوئی سازش ہے

اک ایمرجنسی کے وجود کے ساتھ
وقت کی وقت پر نوازش ہے

تھم گئی ہے بہت غلط کاری
بند ہیں جرم قید خانوں میں

ان دنوں امن کا بسیرا ہے
آرزوؤں کے آشیانوں میں

یہ سکون ، امن اور یہ خوشحالی
یوں ہی قائم رہے تو بہتر ہے

ہے دعا صرف یہ کہ بھارت کا
دل سلامت رہے تو بہتر ہے

* * * *

بیس نکات بعد

بیس نقطوں کو اک جگہ جمع کر کے
ایک نیا دائرہ بنایا گیا

نام دستور کا اسے دیکر
ملک کے جسم کو سجایا گیا

راز جتنے تھے کھل گئے سارے
زندگی سج گئی دلہن کی طرح

مسکرانے لگا نیا بھارت
اک سہاگن کے بانکپن کی طرح

روشنی پھیلنے لگی پھر سے
پھر نئے ماہتاب جگنے لگے

پھر سے اک بار ملک کے دل میں
سوشلزم کے خواب جگنے لگے

خواب نہرو کے ہوگئے پورے
سنجے اندرا کی آج شہرت ہے

کچھ نہ کچھ خوش ہے آج قوم کا دل
بیس نقطوں کی یہ عنایت ہے

* * * *

رشید عبدالسمیع جلیل

غزل

ایک نقطہ سیاہ فراز وجود بھی
گم کردۂ نشیب ہے شئے کی نمود بھی

سورج بہ اک نگاہ رخ زرد زرد ہے
کرنوں سے آرہی ہے صدائے جمود بھی

معمورۂ نظر میں ہے رقصاں ہوائے زیست
جس شے کو ٹوٹتا ہے سنائے سرود بھی

شہرصدا کے جل گئے لفظوں کی آگ میں
بے معنی ہے نگاہ میں رنگ کبود بھی

اک قرب آتشیں کا تسلسل ہے زندگی
شعلہ نفس ہے مجھ میں کہیں سوج دود بھی

طوفاں کا انتشار الگ چیز ہے جلیل
دریا تہوں میں رکھتے ہیں اپنے حدود بھی

وقت اور روشنی

چہرۂ زیست کو
روشنی کے بدن سے کبھی
منسلک تو کرو
بے کراں ظلمتوں کو سمیٹے ہوئے
درد کے قافلوں کو دو اذن سفر
سات رنگوں کے ٠ مہکے ہوئے نقش کو
جسم و جاں کے تموج میں آراستہ کر چلو
جستجو کے بھنور میں کبھی ڈوب کر
منتشر آدمیت کے خوابوں کو یکجا کرو
دوستو !
حوصلوں کی سجاؤ نئی انجمن
روشنی کا بدن
ٹوٹ جائے اگر
سات رنگوں میں تحلیل ہو جائے گا
وقت بے درد ہے پھر نہ لوٹ آئے گا

نجم النساء

ایشور کی مہما

مہا کوی کالی داس کو ہندوستان کی ادبی تاریخ میں جو اہمیت اور شہرت حاصل ہے اس سے نہ صرف ہر ہندوستانی بلکہ پردیسی بھی واقف ہیں ۔ یہی مہا کوی مور کی خوبصورتی سے متاثر ہوکر اسے " ایشور کی مہما "، کہنے پر مجبور ہوجاتا ہے ۔ مور کو ہندوستان کے قومی پرندے کا جو اعزاز دیا گیا ہے وہ بہت ہی بجا اور انتہائی درست ہے ۔ اسلئے کہ تعداد کے لحاظ سے ہمارے ملک میں جتنے مور ہوتے ہیں کسی اور ملک میں اتنے نہیں ہوتے اور دنیا کا شاید ہی کوئی پرندہ خوبصورتی ، سجاوٹ اور سجیلے پن میں اسکی ہمسری کرسکے ۔ اردو کے شعراء نے بھی مور کو خراج تحسین پیش کرنے میں دوسری زبان کے شعراء سے پیچھے رہنا گوارہ نہیں کیا ۔ ہمارے ملک کے موسموں کی دلکشی کا جہاں بھی ذکر آتا ہے مور کو فراموش نہیں کیا جاتا ۔ اسکی مستی اور والہانہ رقص کے تذکروں سے ہمارا ادب بھرا پڑا ہے ۔ چنانچہ ظفر علی خاں کہتے ہیں ۔

جنگلوں میں ناچتے پھرتے تھے مور
کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور

اب حالی ، بے نظیر سحر ، اور محمد حسین آزاد کو بھی سنتے چلئے ۔

کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو
اور مور چنگھاڑتے ہیں ہر سو (حالی)
زمین و فلک پر ہے مستی کا شور
گرجتے ہیں بادل کے چلائے مور (بے نظیر)

ہورہا ہے شور کچھ — وہ جارہے ہیں مور کچھ
بنا کے حلقہ ایک دم — یہ کیسے ہوگئے بہم
ہے ایک بیچ میں کھڑا — عجب ادا سے ناچتا (سحر)

طاؤس کا وہ دم کو چنور کرکے ناچنا
اور مورنی کا اشک کے موتی کو نانچنا
(محمد حسین آزاد)

متذکرہ بالا شعر میں محمد حسین آزاد نے مور کے افزائش نسل کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے

کہ مور جب مست ہوکر ناچتا ہے تو اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں جنہیں مورنی بڑی احتیاط سے اپنے حلق کے نیچے اتارلیتی ہے اور اس طرح وہ انڈے دینے کے قابل ہوجاتی ہے ۔ یہ خیال شاید مور کے حسن کو پیش نظر رکھکر کیا گیا ہو۔ ورنہ حقیقت کو اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ کیونکہ ماہرین حیوانات اس بات کو غلط بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ مور بھی افزائش نسل کا وہی طریقہ اپناتے ہیں جو دوسرے پرندوں کے پاس رائج ہے ۔ میں بھی اس بات پر یقین رکھتے ہوئے پرانے نظریہ کو غلط سمجھتی ہوں کیونکہ ناگپور کے مہاراج باغ اور حیدرآباد کے نہرو زوالوجیکل پارک میں مور نے ناچنا شروع کیا تو اس وقت قریب نہ تو کوئی مورنی موجود تھی اور نہ ہی مور کی آنکھیں نم ہوئیں ۔ ہاں آسمان پر گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں اور مست و بے خود کردینے والی ہوائیں ضرور چل رہی تھیں ۔

حیدرآباد اور ناگپور کے علاوہ اورنگ آباد کے قیام کے دوران مجھے اس مسحور کن اور سحرزا رقص سے محظوظ ہونے کا موقع مل چکا ہے ۔ میں کہہ نہیں سکتی کہ اس کے رقص نے مجھے کس درجہ بے خود اور خود فراموش بنادیا تھا ۔ مجھے ایسا ہی محسوس ہوا کہ ادھر اس نے رقص چھیڑا اور ادھر زمین کی گردش رک گئی ۔ میں اسوقت تک اس کے رقص میں کھوئی رہی جب تک کہ اس نے خود سے رقص نہیں روکا تھا ۔ افزائش نسل کے اس پرانے خیال کے بارے میں ایک ماہر حیوانات لکھتا ہے کہ مجھے بھی یہ خواہش چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی کہ وہ نظارہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں جب مور مورنیوں کے سامنے اپنے خوبصورت بھڑکیلے پروں کی نمائش کرکے ناچتا ہے ۔ میں کئی بار جنگل میں گیا ۔ جب بھی میں انکے قریب پہنچتا محافظ مورنیاں اڑ جاتیں اور ان کے ساتھ ہی مور بھی اڑ جاتے

ایک مرتبہ میں ایک درخت کی شاخوں میں چھپ کر بیٹھ گیا ۔ اتنے میں ایک درجن کے قریب مور آ گئے اور اسے میری خوش قسمتی سمجھئے کہ عین اس درخت کے نیچے رقص شروع ہو گیا سب کے سب مور تھے مورنی ایک بھی نہیں تھی ۔
اس کے بعد وہ مور کے رقص کے متعلق لکھتے ہوئے کہتا ہے ۔

''...... یکایک گویا کسی نے اشارہ کیا ہو ۔ انہوں نے دمیں سمیٹ لیں اور قطار باندھ کر جنگل میں غائب ہو گئے یوں یہ نظریہ غلط ثابت ہوا کہ مور صرف مورنیوں کے سامنے ہی ناچتے ہیں ۔ ''

ہمارے ملک سے مور کا کتنا پرانا تعلق ہے اس کا پتہ یجر وید سے چلتا ہے کیونکہ اس میں مور کا ذکر ملتا ہے ۔ '' ویدک دور کے شاہی تفریحات '' کے تحت '' ہمارا قدیم سماج'' میں لکھا ہے کہ

''..... یہ عورتیں اس کام کے لئے اور دوسری شاہی خدمات انجام دینے کے لئے باہر سے خاص طور پر منگوائی جاتی تھیں ۔ یہ عورتیں '' چتر شاہی '' (مورچھل) اور پون کمبھ (طلائی گھڑا) لئے ہوتی تھیں ۔

یعنی یہ کہ اس زمانے میں نہ صرف مور پالے جاتے تھے بلکہ مور کے پروں کو استعمال بھی کیا جاتا تھا ۔ ہمارے ہندو بھائیوں کا عقیدہ ہے کہ مور کو دیوی سرسوتی (تعلیم کی دیوی) اور دیوتا رنک (جنگ کے دیوتا) کی سواری میں رہنے کا شرف حاصل ہے ۔ صرف یہی نہیں بلکہ کارتک دیوتا نے اس کی پیٹھ پر بیٹھ کر ساری دنیا کا چکر لگایا تھا ۔ ان عقائد کے قطع نظر تاریخ بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ مور ہندوستان کا قدیم ترین پرندہ ہے ۔ کیونکہ سکندر اعظم نے ہندوستان سے واپسی کے وقت دو سو مور اپنے ساتھ رکھے تھے ۔ اور یہ واقعہ ۳۳۰ قبل مسیح کا ہے ۔

یورپ ، افریقہ اور امریکہ کے مختلف ملکوں میں مور یونان والوں کی وجہ سے پھیلا ۔ ورنہ اس سے قبل وہ لوگ مور سے واقف بھی نہیں تھے ۔ تاریخ ہمیں اس بات سے آگاہ کرتی ہے کہ فلسطین کے باشندے مور کے شوقین ہوتے تھے ۔ چنانچہ سلیمان اور ملکہ سبا کی کہانی میں اس کا ذکر ملتا ہے ، اور آسکر وائلڈ نے اپنے لافانی ڈرامہ سلومی میں بڑے خاص انداز سے مور کا ذکر کیا ہے ۔ یہودیہ کا حاکم جب سلومی کو بیش قیمت جواہرات پیش کر کے بھی رقص پر آمادہ نہیں کر سکا تو اس نے اپنے بیشمار موروں میں سے کچھ مور سلومی کی نذر کئے تھے ۔ مصر کی مشہور زمانہ ملکہ قلوپطرہ کو بھی مور بہت پسند تھے ۔

مور کے پروں پر جو آنکھیں سی بنی رہتی ہیں ان سے متعلق رومی دیو مالا میں بڑی دلچسپ توجہ ملتی ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ دیوتا مرکیوری نے آرگس کو قتل کر کے اسکی ہزار آنکھیں نکال کر پھینک دیں لیکن ''جو نو '' (Juno) دیوی نے قسم کھا کر ان آنکھوں کو موروں کی سادہ دم پر ٹانک دیا ۔

مور کے بچے انڈوں سے نکلنے کے چند ہی گھنٹوں بعد اپنی دم کو اٹھانے لگتے ہیں ۔ اس دم کو اپنی معراج پر پہنچنے تک دو سال لگ جاتے ہیں اس دم کی لمبائی کم سے کم ۱۰۰ ، انچ اور زیادہ سے زیادہ ۱۷۲ ، انچ رکارڈ کی گئی ہے ۔ دم کے پر اواخر گرما میں جھڑنے لگتے ہیں اور اول سرما میں نئی دمیں اپنی تمام تر رعنائیوں اور دلکشیوں کے ساتھ نکل آتی ہیں ۔

یک مور کی حلقہ بگوش عموماً تین مورنیاں ہوتی ہیں ۔ یہ عجیب بات ہے کہ مورنیاں ہمیشہ مور سے آگے رہتی ہیں اور رات کو بھی جب وہ کسی اونچے درخت پر بسیرا کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں تب بھی مورنیاں ہی رہنمائی کے فرائض ادا کرتی ہیں ۔

مور کی آواز پر کشش اور سوز و گداز سے بھری ہوتی ہے ۔ یہ مستی کے عالم میں '' پی او ، پی او '' سے مشابہ آواز نکالتے ہیں ماہرین حیوانات کا کہنا ہے کہ ۔

'' مور سانپ کی طرح تیز ہے اور بلے کی مانند گھات لگاتا ہے اور دشمنوں سے چوکنا رہتا ہے ۔ ''

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مور اور سانپ میں ازلی دشمنی پائی جاتی ہے ۔ اس کی تصدیق بعض مذہبی کتابیں بھی کرتی ہیں ۔ مور کسی سانپ کو دیکھتے ہی عجیب چہل اور کھلنڈرے پن کا مظاہرہ کرتا ہے ۔ وہ پہلے تو سانپ کے قریب جا کر اسے ڈسنے کی ترغیب دلاتا ہے ۔ جب سانپ اسے ڈسنے کے لئے حملہ کرتا ہے تو وار خالی دیتا ہے ۔ اسطرح اس سے کھیل کھیل کر اور لطف اٹھا کر اسے ختم کردیتا ہے اور نگل جاتا ہے ۔

یہ ایک اچھے ، منجھے ہوئے اور چوکنے چوکیدار کے فرائض بھی بحسن و خوبی انجام دے سکتا ہے ۔ چنانچہ بعض حضرات اس سے گھر کی حفاظت کا بھی کام لیتے ہیں کیونکہ یہ جنگلی پرندہ ہونے کے باوجود قید و بند کو بڑی فراخدلی سے قبول کرلیتا ہے ۔ بعض اوقات پالتو مور بڑی تاریخی حرکتیں بھی کر گذرے ہیں ۔ دنیا کا شاید ہی کوئی زو Zoo ایسا ہو جہاں کی رونق میں اضافہ کے باعث مور نہ بنے ہوں ۔ مور ہی ایک ایسا پرندہ ہے جس کے پر فروخت کرکے کافی پیسے کمائے جاتے ہیں ۔ اس کے پروں سے مور چھل ، پنکھے وغیرہ

بنا کر لوگ کافی قیمت میں فروخت کرتے ھیں ۔ اسی جانور کے پروں کو یہ عزت حاصل ھے کہ قرآن شریف ، بھگوت گیتا اور اسی طرح کے مذھبی کتابوں میں ترک کے لئے رکھا جاتا ھے ۔

زمانہ قدیم کے راجا اس کے پروں سے تیار کی ھوئی اشیاء بطور تحفہ دوسرے راجاؤں کے پاس بھیجا کرتے تھے ، سلاطین مغل بھی اس پرندہ کی خوبصورتی سے متاثر ھوئے بغیر نہ رہ سکے ، اس کا زندہ ثبوت شاھجہاں کا تیار کروایا ھوا مشہور عالم " تخت طاؤس" ھے ۔ تخت کو ھیرے جواھرات سے مزین کرنے کے لئے کیا مور کی وضع سے زیادہ اور عمدہ اور مناسب کوئی پرندہ ھوسکتا تھا ۔ شاھجہاں سے قبل کشان خاندان کے راجہ کنشک نے اپنے نام کے سکوں پر مور کی شبیہ دے کر اس پرندے کی توقیر و عزت پر مہر ثبت کردی تھی ۔

* * * * *

ترغیبی اضافہ تدریجی پانیوالا شخص

شری شیخ حسین اٹینڈر اسٹیٹ انفارمیشن سنٹر وجئےواڑہ پہلے درجہ چپراسی کے ملازم ھیں جنھوں نے وجئےواڑہ میونسپلٹی کی جانب سے منعقدہ کیمپ میں اپنا نس بندی آپریشن کرواکر دو اضافہ تدریجی حاصل کئے ۔

شری پی ۔ شیشاوتارم وزیر دیہی ترقیات نے ۱۶ ۔ ڈسمبر کو نلازرلا میں آندھرا بینک کی شاخ کا افتتاح کیا ۔
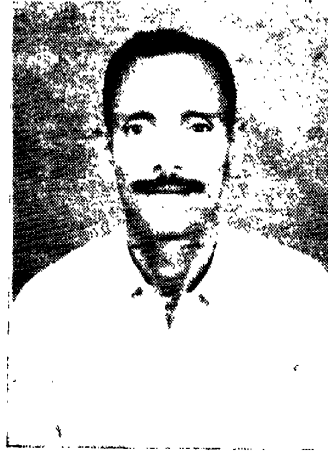
شری پی ۔ رنگاریڈی وزیر فینانس اور شری یم ۔ وی ۔ کرشنا اؤ وزیر تعلیم ۴ ۔ جنوری کو گاجولاپاڈو کے اندرونی موضع میں دھان کی متاثرہ فصل کا معائنہ کر رہے ہیں ۔

خبریں تصویروں میں

شرم دان کے دوران تقریباً ۱۰۰ ہریجنوں اور ساگراز نے سڑک کی تعمیر کی ، شری گجپتی راجو ایکزیکیٹیو افسر گرام پنچایت وناکوٹہ نے حال ہی میں اس کا اہتمام کیا تھا ۔
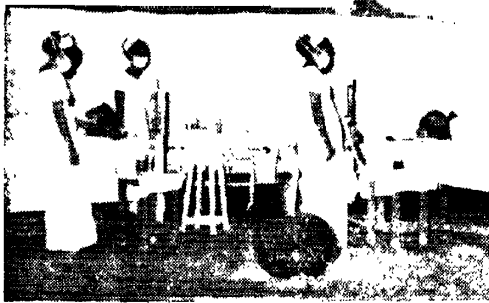
ین ۔ یس ۔ یس ۔ کیمپ میں شریک مقامی کالجوں کے طلبا نے ٹاؤن ہال نیلور میں اپنے خون کا عطیہ دیا ۔

محمود خاور

اردو صحافت کا ایک مختصر جائزہ

اردو صحافت کی باقاعدہ ابتداء انیسویں صدی سے ہوئی ہے ویسے ہندوستانی صحافت کا آغاز ایک انگریزی ہفت روزہ کی شکل میں سنہ ۱۷۸۰ع میں "کلکتہ گزٹ" سے ہوا تھا۔ اردو کا پہلا اخبار سنہ ۱۸۲۲ع میں لالہ سدا سکھ لال نے کلکتہ ہی سے جاری کیا اور اسکا نام "جام جہاں نما" تھا، اسطرح کلکتہ کو اردو صحافت کی ابتداء کا شرف بھی حاصل ہے۔ "جام جہاں نما" کے بعد کلکتہ سے اور بھی اردو اخبارات اور رسائل شائع ہوتے رہے پھر اسکے بعد رفتہ رفتہ ملک بھر سے کئی اخبارات و رسائل نکلنے لگے۔

سنہ ۱۸۲۳ع میں منی رام ٹھاکر نے "شمس الاخبار" شائع کیا جو بد قسمتی سے پانچ سال سے زیادہ نہ چل سکا۔ ٹھاکر جی مالی پریشانیوں کا شکار ہو گئے اور پھر صحافت سے بھی کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اخبارات کے اعداد وشمار کی ایک باضابطہ رپورٹ سنہ ۱۸۸۰ع میں "لندن ٹائمز" کے حوالے سے شائع ہوئی تھی جس کے مطابق اس زمانے میں ہندوستانی اخبارات کی تعداد نصف درجن تھی۔ پھر سنہ ۱۸۸۸ع میں بڑھکر ۹۷ تک پہنچ گئی اور انکی مجموعی تعداد اشاعت ڈیڑھ لاکھ تھی۔ سنہ ۱۸۵۴ع میں سب سے بھاری سرکیولیشن کا اردو اخبار "کوہ نور" رہا، جو لاہور سے شائع ہوتا تھا اور اسکے کل خریدار ۳۴۹ تھے۔ قریب قریب دوسرے اخبارات کا اس سے بھی برا حال تھا۔ ملک کی پہلی جنگ آزادی جسے غدر کا نام بھی دیا جاتا ہے کے زمانے میں یعنی سنہ ۱۸۵۷ع سے پہلے شائع ہونے والے "دلی اردو اخبار" کی اشاعت صرف ۶۹ تھی مگر اس پس منظر کے باوجود اردو کے اخبارات نے آزادی کی قومی تحریک کو آگے بڑھانے میں اہم و گرانقدر حصہ لیا۔

"دلی اردو اخبار" کے ایڈیٹر محمد باقر گولی کا نشانہ بنے اور "صادق الاخبار" کے ایڈیٹر جمال الدین کو تین برس کی سزا ہوئی۔ اس دور میں بہت سے اخبارات نے بغاوت کے رہنماؤں کا ساتھ دیا تھا اور قومی آزادی کی تحریک اور جذبے کو خاطرخواہ طور پر آگے بڑھایا تھا۔ لکھنو کے "اودھ پنچ"، "اودھ اخبار" اور "ہندوستانی" نے ہماری صحافت اور ادب کی بہت بڑی بڑی اور گوناگوں خدمات انجام دیں۔ "اودھ پنچ" تو برطانوی سامراج سے مسلسل نبرد آزما رہا تھا۔

اسطرح کے دیگر قومی اخبارات میں جو اس زمانے میں نہایت شہرت و وقعت رکھتے تھے "آصف الاخبار" (حیدرآباد) "اکمل الاخبار" (دہلی) "قاسم الاخبار" (بنگلور) اور "سائنٹفک گزٹ" کا ذکر بھی ضروری ہے۔ کیونکہ انکی مساعی جمیلہ سے نئے خیالات اور صحت مند اقدار کی بہر طور نشوو نما ہوئی ہے۔ جنوری سنہ ۱۸۷۷ع میں منشی سجاد حسین نے اپنے "اودھ پنچ" کے اجراء کے بعد اسکے طنز و مزاح کے نشتروں سے سماجی اور ملکی و قومی برائیوں کی اصلاح اور خاتمے کا کام انجام دیا۔ انیسویں صدی کی آٹھویں دھائی تک پہونچتے پہونچتے ہماری اردو صحافت ترقی کے اس زینے پر پہنچ گئی جسے صحافت کی تاریخ میں اہم مقام حاصل ہے۔

عام بول چال کی زبان کا رواج کم ہوتا گیا اور معیاری زبان صحافت کی زبان کہلانے لگی۔ بیسویں صدی کے آغاز میں صرف تین روزنامے ایسے تھے جو معتدل سیاسی خیالات کے حامی تھے اور یہ "زمیندار"، "الہلال" اور "ہمدرد" تھے۔ یہ تینوں اخبارات اپنے اپنے خطوط پر بھرپور تھے اور انہوں نے بے شمار و بیش بہا ادبی و صحافتی خدمات انجام دیں۔

انکے علاوہ "مدینہ" (بجنور) "اردوئے معلی" (کانپور) "ہمدم" (لکھنو) اور "سوراج" (الہ آباد) بھی صحافت کے میدان میں پیش پیش تھے اسی زمانے میں کانگریس کے علاوہ مسلم لیگ ہندو مہا سبھا، آریہ سماج، خلافت کمیٹی اور علیگڈھ تحریک کی طرف سے بھی اردو اخبارات نکلنا شروع ہوئے تقریبا اسی دور میں ماہ ناموں کو بھی صحافتی مقام ملا، مولانا ابوالکلام آزاد نے "الہلال" کے بارے میں لکھا تھا کہ اسکی اشاعت کے دو برس کے اندر اندر اسکا سرکیولیشن ۲۶ چھبیس ہزار تک پہنچ گیا تھا۔ اسوقت تک کسی بھی اردو اخبار کی اشاعت کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہوئی تھی۔

انگریزی حکومت نے "الہلال" سے کئی ضمانتیں بھی لیں اور مولانا آزاد جیسے جید، متبحرعالم اور سیاس کو قید ونظر بندی

کی صعوبتیں بھی جھیلنی پڑی تھیں - " الہلال ،، کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ٹائپ میں شائع ہوتا تھا جبکہ ٹائپ عوام میں مقبول نہ تھا اور اس میں قومی و بین الاقوامی مشاہیر اور انکی سرگرمیوں کی تصویریں بھی چھپتی تھیں - " الہلال ،، کو بہر طور اردو کے پہلے کثیرالاشاعت سیاسی جریدے کا شرف حاصل ہے اور اسکی صحافتی اہمیت آج کلاسک کا درجہ اختیار کر گئی ہے - مولانا حسرت موہانی جیسے عظیم مجاھد آزادی عظیم المرتبت دانشور ، کانگریسی قائد اور سیاس اعظم نے " اردوئے معلی ،، کے ذریعہ ادب و صحافت کی گرانقدر خدمات انجام دیں اور نتیجے میں دو سال کی قید با مشقت کی سزا اورجرمانے بھی سامراجی حکومت کی طرف سے برداشت کئے -

خلافت تحریک کے زمانے میں اردو اخبارات کی تعداد میں قابل قدر اضافہ ہوا تھا - سنہ ۱۹۲۱ع میں صرف ۱۵۱ اخبارات شائع ہوتے تھے - سر سید کا " اردوئے معلی ،، مولانا محمد علی جوہر کا " ہمدرد ،، مولانا شوکت علی کا " خلافت ،، اور ظفر علی خاں کا " زمیندار ،، اور مہاشے خوشحال چند کا "ملاپ،، سیاست و ادب اور سرکیولیشن کے اعتبار سے بیحد اہم تھے نیز اسی زمانے میں عالمی اور ملکی خبریں ، مضامین ، ترتیب، اشتہارات غرض ہر اعتبار سے ترقی کے آثار نمایاں تھے -

سنہ ۱۹۲۰ع سے سنہ ۱۹۴۷ع کا زمانہ سیاسی ہنگامہ آرائیوں کا زمانہ تھا اس طویل دور میں اخبارات نے برطانوی سامراج سے زبردست ٹکر لی اور نتیجے میں صعوبتیں جھیلیں - کانگریس کے علاوہ کمیونسٹ پارٹی ، مسلم لیگ ڈیموکریٹک پارٹی ،اکالی دل ، خاکسار ، آل انڈیا ہندو مہا سبھا ، جمیعت العلماء آریہ سماج ، اور شیعہ و مومن کانفرنس کے الگ الگ اخبارات تھے - سنہ ۱۹۴۲ع میں بہت سے اخبارات حکومت کے عتاب کا نشانہ بنے جن میں " قومی آواز ،، لکھنو " اجمل ،، بمبئی " الجمیعت ،، دھلی " سرفراز ،، لکھنو قاضی عبدالغفار کا " پیام،، حیدرآباد اور گاندھی جی کے " ہریجن،، کا اردو ایڈیشن قابل ذکر ہے -

آزادی کے بعد سے اردو اخبارات کی تعداد میں وقت کے ساتھ ساتھ مسلسل اضافہ ہوتا رہا - رجسٹرار آف نیوز پیپرس آف انڈیا کے دفتر کے قیام سے پہلے اعداد و شمار کی فراہمی کا کوئی معقول ذریعہ نہیں تھا لیکن پریس کمیشن نے سنہ ۱۹۵۰ع میں جو اعداد و شمار جمع کرائے تھے انکے بموجب روزناموں اور جرائد کی تعداد ۴۱۰ تھی - صرف روزناموں ، ھفتہ وار ، سہ روزہ اور دوروزہ اخباروں کا مجموعی سرکیولیشن — ۷.۰٦ لاکھ تھا - سنہ ۱۹۷۱ع میں اخبارات و جرائد کی تعداد بڑھکر ۱۰۰۵ ھوگئی اور مجموعی سرکیولیشن ۱۳.۷٦ لاکھ تک پہنچ گیا اسطرح آزادی کے بعد سے اردو اخبارات کی تعداد اور سرکیولیشن میں بتدریج اضافہ ہورھا ہے مثال کے طور پر چار بڑے شہروں دھلی ، کلکتہ ، بمبئی اور مدراس سے ۲۸۰ اخبارات نکلتے ھیں اور ۲۳٦ صوبائی راجدھانیوں سے اسکے بعد ان شہروں کا نمبر آتا ہے جنکی آبادی ایک لاکھ سے اوپر ہے انکی تعداد ۳۱۷ ہے - اردو بولنے والوں کی بہت بڑی آبادی دیہی علاقوں میں ہے اور جس قسم کے چھوٹے اخبارات بڑے شہروں سے نکلتے ھیں اگر وہ چھوٹے شہروں اور قصبات سے نکلنے لگیں تو انکا اثر و جواز زیادہ ہوگا - بڑے شہروں میں بڑے اخبارات ھی چل سکتے ھیں گذشتہ چند برسوں میں صحافت ایک صنعت کی صورت اختیار کر گئی ہے - جن اخبارات نے ادب ، صحافت و سیاست کے بڑھاوے کے سلسلے میں ترقی پسند اقدامات کئے ھیں ان میں " پرتاب ،، " ملاپ،، "انقلاب ،، "سیاست ،، " قومی آواز،، "تیج،، " اور " رہنمائے دکن،، قابل ذکر ھیں - جرائد میں "شمع ،، "شاعر،، "بیسویں صدی،، اور "بلٹز ،، کی مثالیں روشن ھیں -

ھفتہ واروں کی طرف اور خصوصی جرائد کی طرف عوام او حکومت کی توجہ کم ہے اگر ادھر توجہ کی جائے تو ایک نئی راہ کھل سکتی ہے - تاریخ اور اعداد بتلاتے ھیں کہ اگر ھفتہ وا بھی عصری طریقے پر چلائے جائیں تو کامیابی سے ھمکنا ھوسکتے ھیں ، مثال کے طور پر " سب ساتھ ،، اور "ھماری زبان،، کافی ھیں - سیاسی ، صحافتی ، ادبی اور کلچرل جرائد ایک ھی فارمولے پر ترتیب دئے جاتے ھیں اور تنوع کے فقدان اور معیا و وسائل کی کمی کے باعث بہت سے جرائد جلد ھی دم توڑ جا ھیں - بچوں کے رسائل کو کئی ھیں - سرکیولیشن "کھلونا کا اچھا ہے مگر بچوں کے لئے با تصویر اردو رسائل کمی شدت سے محسوس ھوتی ہے - خواتین اور بچوں کے اچھ رسائل کی تعداد میں ھنوز خصوصی اضافے کی ضرورت محسوس جاتی ہے -

اردو صحافت میں سب سے زیادہ اس بات کو شدت محسوس کیا جارھا ہے کہ اردو جرائد و رسائل میں عصری علو مثلا زراعت ، سائنس ، ٹکنالوجی ، پلاننگ ، ثقافت ، تاریخ سماجی علوم ، اٹامک انرجی ، سوشیل سائنس ، فلسفہ ، منطق ریاضی ، سیاسیات ، میڈیکل و الکٹریکل سائنس ، اور کامر جیسے بہترین علوم کو نظر انداز کیا جارھا ہے علاوہ ازیں صحافت میں "فلمی صحافت،، کے ورود نے خطرناک آثار پیدا کرد ھیں اور جسکے سبب ملت ، ملک اور ادب مائل بہ تنزل ہے

غرض آج اردو صحافت ایک ایسے موڑ پر پہنچ چکی جہاں تنظیم ، سرمایہ ، اور معیار کی سب سے زیادہ ضرورت ہے

آنے والا وقت انہیں جرائد و رسائل کا ساتھ دے سکتا ہے جو زمانے کے ساتھ بدلنے ، سخت محنت کرنے ، مشکلات کا مقابلہ کرنے اور مسابقت کی صلاحیت کا اظہار کرینگے -

اردو صحافت کے لئے حالات اب پہلے سے بہتر ہیں اور دور اندیشی ، جرأت اور دیدہ‌وری سے کام لینے والوں کے لئے راہیں منتظر ، روشن اور کھلی ہیں -

* * *

کنٹلا ، آبشار - ۶۴ میٹر کی بلندی سے گرتا ہوا پانی جو کڈم پروجکٹ میں شامل ہوتا ہے -

مس قمر جمالی بی - اے - (عثمانیہ)

لہو پکارے گا

" وحشی — جانور — ! بن سنور کر میں اسکے احساس کو پگھلانے کی کوشش کرتی ہوں - آخر وہ اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے - ہوں — ! "، اور اس نے کریم کی شیشی اٹھا کر قد آدم آئینے پر دے ماری - شیشہ چکنا چور ہو گیا - کھرچیاں نکل کر ادھر ادھر کھر گئیں - اسے اپنا بھی وجود اسی طرح بکھرتا ہوا محسوس ہوا - شکستہ شیشہ میں اس نے اپنے ہی چہرے کو مختلف بھیانک روپوں میں دیکھا - کہیں لمبوترا ، کہیں گول مٹول تو کہیں ایک کان والا — اور کبھی آنکھیں - صرف آنکھیں اتنی بڑی کہ اسے خوف سا ہونے لگا - وہ تقریباً چیخ پڑتی اگر اسکی نگاہ دروازے کی طرف نہ اٹھتی - سامنے سے احمر جا رہا تھا وہی پر سکون چال ، پر وقار شخصیت ، بالکل مطمئن جیسے کچھ ہوا ہی نہیں جیسے اس نے کسی کا کچھ نقصان ہی نہیں کیا - لان سے اترتے ہوئے اس نے کسی مغرب زدہ آوارہ کی طرح ہونٹوں کو سکوڑے سیٹی بجا رہا تھا - گہری نیلی پتلون اور چیکس کی شرٹ میں اسکی وجیہ شخصیت کچھ زیادہ ہی ابھر رہی تھی - شاذیہ کو اپنا رونا دھونا کچھ بھی یاد نہ رہا - اسکا غصہ فرو ہو گیا - کسی ضدی ننھے منے بچے کی طرح مچل جانے والے احمر پر اسے ترس آنے لگا - نفسیات کی طالبہ شاذیہ احمر کے مجروح احساس کو خوب سمجھتی تھی - معصوم- بالکل سدھائے ہوئے جانور کی طرح - ایک بار کوئی بات اس کے ذہن میں بیٹھ جاتی تو اسکا مٹا نا مشکل تو کیا نا ممکن تھا - یہی وجہ تھی عورت سے نفرت احمر کے دل میں گھر کر چکی تھی - شاذیہ نے کتنے ہی گر اپنائے ، کتنے ہی تجربے کر ڈالے مگر وہ احمر کے دل میں عورت کا پیار اور احترام پیدا نہ کر سکی -

لان سے نیچے اترتے ہوئے احمر کی نظر باغ کے اس کونے پر پڑی جہاں مالن کی بیٹی رتنا اپنے کسی شنا سا سے آنکھیں مٹکا مٹکا کر باتیں کر رہی تھی - دل کا غبار اور بڑھ گیا ، خون میں جوش آیا اور آنکھوں سے شرارے نکلنے لگے - سوچا کہ ایک پتھر اٹھا کر دے مارے اور اسکی نعش کو یوں ہی باغ میں لٹکا دے تا کہ پھر کوئی عورت کسی مرد کو بہکانے کی کوشش نہ کرے - پھر اسے ان دونوں پر ترس بھی آیا - شاذیہ کی معصوم اور فریاد بھری صورت اسکی آنکھوں میں پھر گئی - چشم نم سے گڑ گڑاتی ، فرط عقیدت سے اپنے دیوتا کے حضور میں جھک جانے والی پجارن کی طرح معصوم شاذی! جو صرف احمر کی ایک نظر مہر کے لئے نہ جانے کتنے جتن کرتی ہے - کتنی چاہ سے اسکے گرد پھرتی ہے - کیسے چپکے سے اسکی غیر موجودگی میں اسکے کمرے کی صفائی اور اسکے کپڑوں کو ٹھیک ٹھاک کرتی ہے - ہمدردی اور پیار کے ملے جلے جذبات سے دل میں ایک انجان کسک اور ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی - اور وہ عالم اضطراب میں شاذیہ کو اپنے دل میں سمو لینے کے لئے دوڑ پڑا - لان سے باغ کے اندر اترنے والی سیڑھیاں پھلانگ کر وہ گلاب کی کیا ریوں کے قریب سرو کے درخت کے اس پار دیکھنے لگا - " شاذیہ "، وہ زیر لب بڑ بڑایا - ہاں وہاں شاذیہ ہی تھی — مگر کسی اجنبی کے ساتھ بڑی لگاوٹ سے بات کرتی ہوئی - احمر کی بیقراریوں میں اضافہ اور دل میں ایک ہیجان بر پا ہو گیا - کانوں کی لوئیں جلنے لگیں - شاذیہ اسکی منسوبہ —! شاذیہ احمر—احمر شاذیہ— شاذیہ اور اجنبی تینوں اسکے دماغ میں کچھ اس طرح گڈ مڈ ہوئے کہ ضبط جذبات اسکے لئے ناممکن ہو گیا -

" شاذیہ - "، نہ چاہتے ہوئے بھی بےخودی میں اسکی آواز نکل گئی - وہ دونوں ہی اسکی طرف متوجہ ہوئے - مگر— وہ شاذیہ نہ تھی - رتنا تھی - مالن کی بیٹی رتنا اور اسکا محبوب - رتنا دوڑتے ہوئے اسکی طرف آئی اور وہ اجنبی دیوار پھلا نگ کر غائب ہو گیا -

" صاحب نے بلا یا تھا —؟ "،

" نہیں —آں—؟ ہاں - چائے یہاں لے آؤ - "، رتنا چائے لانے کیلئے اندر جا رہی تھی - وہ اسے جاتی ہوئی دیکھتا رہا - دونوں کو علحدہ کر کے اسے ذہنی سکون ہوا - " تجھے ایسا نہ کرنا چاہئے تھا احمر "، - شاید اسکا ضمیر بول رہا تھا - خود وہ بھی نہنتوں سوچتا کہ وہ عورت کی توہین کر کے اپنے کون سے جذبے کو تسکین دیتا ہے -

" بےچاری-! "، " ہیں "، اسکے اندر چھپا مرد ایک تلخ حقیقت بنکر اسکے آگے نمودار ہوا جو اسے ہمیشہ عورتوں کا احترام کرنے اور ان کے احساس کو سمجھنے سے باز رکھتا تھا - " ہوں— "، اس نے ایک طویل سانس لی - " عورت تیرا نام کمزوری - "، پھر وہ لان میں رکھی کرسی پر نیم دراز ہو گیا -

وہ ذہنی سکون کا متلاشی اور تنہائی کا خواہاں تھا ۔ ایسی خاموشی جہاں یادیں بھی مخل ہوتی ہوں ۔ مگر احساسات کب اسکا پیچھا چھوڑتے تھے ۔

ضمیر اور احساس کی یہ کشمکش یقیناً اسے لے ڈوبے گی ۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں اور پھر ہمیشہ کی طرح آج بھی ماضی کا ایک ایک لمحہ ٹی ۔ وی کے اسکرین پر متحرک فلم کی طرح چل پڑا ۔

احمر جج کی حیثیت سے جاہ و جلال جلوہ افروز تھا اور عدالت وکیلوں سے بھری پڑی تھی ۔ پھر ملزم کو پیش کرنے کا حکم صادر ہوا ۔ ملزم کے کٹہرے میں ایک عورت کو پیش کیا گیا ۔ یہ عورت اس کی ماں تھی ۔ '' ماں — ! ،، ایک سرد آہ اسکے لبوں سے نکلی اور فضا میں تحلیل ہو گئی ۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور اطراف گھوم کر دیکھا ۔ وہی کمرہ وہی باغ اور وہی احمر ۔ پھر وہ دوبارہ کرسی کی سمت سے سر جھکائے دراز ہو گیا ۔ وہ حتی الامکان کوشش کرتا کہ اپنے دل سے یہ خرافات دور کر دے ۔ یہ خیالات نکال دے ۔ واقعہ ماں ہی تو مجرم ہیں ۔ مجرم تو حالات ہیں ۔ زمانہ ہے ۔ ماحول اور وقت کے تقاضے ہیں ۔

'' ہینڈز اپ ،، چھوٹا سا گورا گول مول احمر اشفاق کے سینے پر پستول تانے کھڑا تھا ۔ لوگوں میں ایک قہقہہ بلند ہوا اور اشفاق احمر کو سینے سے لپٹا کر پیار کرنے لگا ۔ احمر تڑپ کر الگ ہو گیا اور دور کھڑا اپنی سیاہ متورم آنکھیں پھاڑے اشفاق کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا رہا ۔ اشفاق کو احمر کے اس بپھرے تیور پر بے طرح پیار آیا اور وہ احمر کو گود میں لینے کے لئے جھپٹا ۔ مگر اتنی ہی تیزی سے احمر پلٹا ، اپنا ننھا سا پستول سنبھالکر لبلبی پر انگلی رکھی اور بڑے تحکمانہ انداز میں اشفاق کو چیلنج کرنے لگا ۔ خبردار ! '' آگے بڑھنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا ،، ۔ محفل میں ایک اور پر شور قہقہہ بلند ہوا ۔ ننھے احمر کو خود سے ہزاروں احمر قہقہہ کی آواز پر فضا میں ابھرتے اور گرتے دکھائی دئے ۔ چھوٹے بچے میں ایسے جذبات پر قابو پانے کی طاقت کہاں ! اسکا سر چکرانے لگا ۔ اور وہ تقریباً دوڑتے ہوئے لکڑی کے زینے طے کر کے اپنے کمرے میں جا گھسا اور دروازہ بند کر کے اس نے میز پر دھری فوٹو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لی ۔

'' اچھے ابو اب آ بھی جاؤ ،، ۔ نرم و نازک بدن بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا ۔ آنکھوں سے ایک نہ رکنے والا سیلاب امنڈ پڑا اسکی ہلکی ہلکی سسکیاں ہچکیوں میں تبدیل ہو گئیں اور وہ بچے گر کر تڑپنے لگا ۔

ابو ! آپ کہتے تھے نا میں بڑا ہو کر انسپکٹر بنوں گا ۔ مگر میں ابھی بن جاتا ہوں انسپکٹر ۔ اچھا کیا جو آپ نے مجھے چوروں کو للکارنا سکھا دیا ۔ ابو یہ اشفاق چا چا ہے نا وہ مجھے خود کو ابو پکارنے پر مجبور کرتا ہے ۔ میں سچ کہتا ہوں اسکا بھیجا نکال دوں گا ۔ سچی بات بتادوں ؟ اپنی امی ہیں نا جانے انہیں بھی کیا ہو گیا ہے ۔ کہتی ہیں کہدو احمر اب یہ ہی تمہارے ابو ہیں ۔ آپ نے کہا تھا جو بچے اپنی ماں کو گالی بکتے ہیں ۔ یا رلاتے ہیں انکا رنگ کالا ہوجاتا ہے ۔ اسلئے میں نے امی کو کچھ نہیں کہا ۔ احمر آواز نیچی کرکے فوٹو سے کھسر پھسر کرنے لگا ۔ جیسے وہ سچ مچ اپنے ابو کو بڑی رازداری سے دل کا حال سنا رہا ہو ۔

یہ اس دن کی بات ہے جب اسکی ماں کا اشفاق سے عقد ثانی ہوا تھا ۔ بس اس دن سے آج تک وہ اشفاق کو کوشش کے باوجود ابو کہہ کر پکار نہ سکا ۔ ماں کی شخصیت سے اسے کوئی دلچسپی نہ رہی ۔ ماں کے خیال سے اسکے سینے میں نفرت کے لاوے ابلنے لگتے ۔ وہ ماں کی پرچھائیں تک برداشت نہ کرسکتا تھا ۔ ماں کی زیادتی کے ساتھ ہی ابو کا نڈھال ، زرد ستا ہوا چہرہ اسکی آنکھوں میں گھوم جاتا ۔

پھر کینسر جیسے جان لیوا مرض نے انکی شخصیت کو کچل کر رکھ دیا تھا ۔ زرد رنگت ، پپڑیاں جمے ہونٹ ، جانے انکی یہ حالت بیماری کی وجہ سے ہوئی تھی یا پھر اپنی بیوی کو بے سہارا کرنے کی فکر انہیں کھائے جارہی تھی ۔ احمر گھنٹوں ابو کی گود میں بیٹھا باتیں کرتا ۔ اسے اشفاق سے جو اسکے ابو کا اچھا دوست تھا ایک ازلی نفرت تھی ۔ اشفاق کے گھر میں قدم رکھتے ہی احمر کے انگ انگ میں چیونٹیاں رینگنے لگیں '' ابو ! آج اشفاق چا چا نے امی سے خوب ہنس ہنس کر باتیں کیں ،، ۔ وہ انجام و عواقب سے بے خبر بلا جھجھک ماں کی شکایت کرتا ۔ اور ابو بجائے غصہ ہونے کے اور سنجیدہ ہوجاتے ۔ الٹے احمر کو ڈانٹتے کہ ماں کی ایسی شکایتیں نہیں کرتے ۔

'' ابو — ابو ،، — احمر سوتے ہوئے باپ کو جھنجھوڑ کر اٹھا دیتا ۔ اسے کیا پتہ تھا کہ نیند سے کتنے جتن سے آتی ہے کتنی کروٹیں بدلنا پڑتی ہیں ۔ اپنی طرف تیزی سے بڑھتی ہوئی موت کو آسان کرنے کے لئے وہ کئی ترکیبیں آزماتا ۔ غم کی آغوش سے خوشیوں کے سوتے نکال لیتا ۔ بات بے بات پر ہنس دیتا ۔ مگر — اسکے دل کا چور زیادہ دن سب سے چھپا نہ رہ سکا ۔ دوست احباب سب اسکی دلجوئی کرتے ۔ اشفاق ، احسن کا بچپن کا دوست تھا ۔ کالج میں اشفاق و احسن کی جوڑی تو ایک تمثیل تھی ۔ وہ بھی اپنے دوست کی دلجوئی کے لئے ہر روز گھر آتا اور ضروریات زندگی کی تکمیل اتنے انجان طریقے سے کرتا کہ خود احسن بھی محسوس نہیں کر سکتا ۔ مگر خدا جانے احمر کو کیوں اشفاق سے اللہ واسطے کا بیر تھا ۔

"ابو— ! ابو میں انسپکٹر کب بنوں گا ؟" گورا گورا چہرہ شدت غصہ سے سرخ ہوا جارہا تھا ۔

"بڑا ہو کر میرا بیٹا انسپکٹر بنے گا ۔ واہ کیا خوبصورت دکھے گا وردی میں ! "، احسن لیٹے ہی لیٹے احمر کو اپنے بازوؤں میں بھر لینے کے لئے جھک پڑا " نہیں ، نہیں ابو ۔ میں ابھی بنوں گا انسپکٹر ۔ جب تک تو یہ اشفاق چا چا اپنے گھر کا سارا مال چرا کر لے جائیں گے ۔ ابھی ابھی وہ امی کا نکلیس چرا کر لے بھاگے ہیں ۔ ابو مجھے پستول دلا دیجئے ۔ بڑا والا پستول ۔ مجھے پستول چاہیئے ۔ "، اور وہ نیچے گر کر لوٹنے لگا ۔ پھر دوسرے ہی دن اسکا مطلوبہ پستول اسے مل گیا ۔

احمر نتائج سے بے خبر اشفاق کی ہر چھوٹی بڑی بات نقل کر کے اپنے ابو کو سناتا ۔ ابو کی گود میں بیٹھکر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتا ۔ اور احسن کو احمر کی اپنی ماں کے خلاف رپورٹ سنکر ذرا بھی غصہ نہ آتا دل میں ایک سکون کی لہر دوڑ جاتی اور ایک سرد آہ اسکے ہونٹوں سے شرارہ بن کر نکلتی اور فضا میں مدغم ہوجاتی ۔ اسے اپنی بیوی پر ٹوٹ کر پیار آتا ۔ جس نے زندگی میں کبھی خوشیاں نہیں دیکھیں ۔ شادی کے بعد احمر دیر سے دنیا میں آیا ۔ ایک فکر سے ابھی چھٹکارا ملا ہی تھا کہ احسن کی دن بدن بڑھتی کمزوری اسکے لئے پریشان کن ثابت ہوئی ۔ اور آخر ایک دن ڈاکٹر کی تشخیص نے اسکی آرزوؤں کے چمن کو پامال کردیا ۔ زندگی بے کیف روکھی پیکھی اور خشک محسوس ہونے لگی اس اگھم ندی کی طرح جو چشم زدن میں سوکھ کر دھرتی کا پیا سا ہونٹ بن گئی ہو ۔ جگمگاتی راتیں اچانک اندھیروں کی لپیٹ میں آکر سنسان اور ویران ہوگئیں ۔ صبحوں کے اجالوں کا نور چھن گیا ۔ تاریکیوں کا پر اسرار حسن زائل ہوگیا ، شب و روز کی گردش بے معنی ہو گئی — اور اب وہ ایک زندہ لاش کی طرح اپنے شوہر کی تیمار داری میں لگی رہتی ۔ کون جانے ان مسکراتے ہونٹوں کے پیچھے یاس و حسرت کی کتنی لاشیں بے گور و کفن سڑ رہی ہوں گی ۔ وہ اپنی دانست میں اپنے شوہر کو زندگی اور موت کے مسئلے کو چھیڑنے کی مہلت نہ دے رہی تھی ۔ مگر — احسن کوئی بچہ تو تھا نہیں ۔ جب بھی وہ اپنی بیوی کی اڑی اڑی رنگت دیکھتا ، اپنی منتظر موت کو اور قریب محسوس کرتا ۔ جب بھی اپنی بیوی اور بچے کے بے سہارا ہونے کا غم اسے بے حال کردیتا تو اشفاق کے التفات کو دیکھکر مطمئن ہو جاتا ۔ کبھی اسے اپنی بیوی پر بے طرح پیار آتا ۔ " ہوں — قبل از مرگ واویلا ۔ "، وہ خود ہی مسکرا دیتا اور نیند کو دوسری کروٹ پر آزمانے کی کوشش کرتا ۔

پھر وہ دن بھی آگیا ۔ حیات و موت کے رشتے ٹوٹ گئے ۔ غم و احساس سے چور چور ، خدشوں اور احتمالوں سے شکستہ دل اور شکستہ حال احسن کو خس و خاشاک کی طرح منوں مٹی تلے دبادیا گیا ۔ نویدہ لٹ پٹ کر مطمئن ہوگئی کسی طالب علم کی طرح جو نتیجہ سے قبل تو بے چین رہتا ہے مگر نتیجہ کے بعد مطمئن جا ہے وہ حسب خواہش ہو یا نہ ہو ۔ مگر بہت جلد وقت کی راہ میں پڑے تقاضے نکیلے خاروں کی طرح اسکے دامن سے الجھ گئے ۔ اسکا وجود لہو لہان ہوگیا ۔ اور پیراھن تار تار — وہ زخمی ہوگئی ۔ ایسے میں اشفاق نے اسے تھاما ۔ الجھتے خاروں سے علحدہ کیا ۔ دراصل اشفاق نے اس پر احسان کیا تھا۔ ہاں احسان ہی تو تھا ۔ احمر ان تمام حقیقتوں سے نا آشنا ایک خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھتا اور کڑھتا رہا ۔

پہلے پہل تو احمر کی حرکات کو بچکانا سمجھکر اشفاق ٹالتا رہا ۔ مگر جب وہ خود اپنے بچے کا باپ بن گیا تو احمر سے اسکا رویہ انتقامی ہوگیا ۔ وہ ہر بات میں اپنے ہی بیٹے کو ترجیح دیتا ۔ شاید ایسا کر کے وہ احمر کے احساس کو مجروح کرنے کی کوشش کرتا ۔ اور ماں — ؟ باپ بیٹے کے کشیدہ رویئے کے بیچ گیہوں اور جو کی طرح پستی رہی ۔ پھر حالات نے اسے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ احمر کے شکوک کے خلاف صفائی پیش کر کے اسکی بدگمانی دور کرتی ۔ یا پھر ماں کی خود داری آڑے آتی جو اسکو مجرموں کی طرح بیٹے کے حضور میں صفائی پیش کرنے سے روکتی رہی ۔ اور اب — ماں اسکی نظر میں احسان فراموش ، ٹوٹ کر چاہنے والے شوہر کو لمحہ بھر میں بھول جانے والی عورت تھی ۔ اسکے دماغ میں ماں اور اشفاق کی شکلیں مجرموں کی طرح ابھرتی اور ڈوبتی رہتیں ۔ اور شاذیہ —؟ وہ بھی تو عورت تھی ۔ عورت جو ماں ہے ۔ اور عورت شاذیہ بھی ۔ آج اسکے ارد گرد پھرنے والی شاذیہ کل کو کسی اور کے پیچھے بھی پھر سکتی ہے ۔ نفرت کا سیال لاوا اسکے دماغ سے بہتا ہوا آنکھوں کی راہ بہہ نکلا ۔ " ابو اچھا کیا آپ نے ان عورتوں سے رشتہ توڑ لیا "، ۔ غم کا چرکہ تو اس نے سہ لیا تھا مگر زخم کی کسک اسے ہر وقت انتقام پر اکساتی رہی ۔ نفرت کی جمی تہیں اور دبیز ہوگئیں — اور عورت پر سے اسکا اعتماد اٹھ گیا ۔ وقت گذرتا رہا اور احمر کی بیچینیوں میں اضافہ ہوتا رہا ۔ شکسپیر کے ہیملٹ کی طرح کبھی وہ ماں سے انتقام کے منصوبے بناتا مگر باپ کی نصیحتوں کے آگے سپر انداختہ ہو جاتا ۔ اور کبھی اشفاق سے انتقام کے منصوبے بناتا ۔ نفرت کی آنچ اتنی اونچی اٹھتی کہ بے چاری شاذیہ بھی اسکی لپیٹ میں آجاتی ۔ جب سے وہ انسپکٹر بن گیا تھا انتقام کی آگ کچھ اور تیز ہوگئی تھی اسکے منصوبے کئی مرتبہ بنتے اور بگڑتے ۔ یہ اسکے لئے ایسا معرکہ تھا جسے کئے بنا چین پڑتا تھا اور نہ کئے بنا ۔ انتقام — انتقام —

مجرموں کی شکلیں اڑتے بگولوں کی طرح اسکے اطراف ناچتی دکھائی دینے لگیں - اسکی رگوں میں تناؤ آگیا - اپنے جسم کو تاننے کے لئے اس نے دونوں پیروں کو لمبا کیا اور دونوں ہاتھوں کو سر سے اونچا اٹھایا - مگر چھنا کے کی آواز کے ساتھ ھی اسکے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا شاید رتنا چائے رکھکر چلی گئی تھی - پیر کی ٹکر سے اسٹول لڑھک گیا اور پیالی سامنے کے گملے سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی'' صاحب غضب ہوگیا ،، - رتنا اوپر وراندے میں ھی کھڑے اپنے دونوں ھاتھ ھلا ھلا کر زور سے چلا رھی تھی -

'' یہ کیا طوفان بد تمیزی ھے - کیا ھوا — ؟ ،، ابھی ماضی کے دھندلکوں سے نکلا بھی نہ تھا کہ احمر اس افتاد سے گھبرا گیا -

'' صاحب ! شاذیہ بی بی بجلی کے تاروں میں الجھ گئیں - غضب ھوگیا - ،، احمر کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا - بجلی کے تار — ! بجلی کے تاروں کو نیچے رکھنے والا تو وھی تھا- مگر کسی کو مارنے کے لئے نہیں - در اصل وہ مجرموں سے حقیقت اگلوانے کے لئے آئے دن نئے نئے راستے ڈھونڈتا رھتا تھا - اسکا کمرہ ایک اچھی خاصی تجربہ گاہ تھا جہاں مختلف قسم کی ادویات ترشے ، بجلی کے تار ھنٹر اور نہ جانے کیا کیا ، طرح طرح کے اوزار پڑے رھتے تھے - آج بھی صبح سے وہ بجلی کے تاروں سے مجرموں کو شاک دینے کے مختلف پہلوؤں پر تجربہ کررھا تھا کہ شاذیہ بنی سنوری چائے کی پیالی ھاتھ میں لئے اسکے کمرے میں داخل ھوئی - پھر تو احمر کا پارہ چڑھ گیا - اسے بری طرح ڈانٹا پھٹکارا - بے چاری شاذیہ تو ھمیشہ ھی ان جھڑکیوں کو آسانی سے سہ لیتی تھی - اسے بچپن ھی سے یہ سبق پڑھا دیا گیا تھا کہ احمر ھی اسکا ھونے والا دولھا ھے - اسے امید تھی کہ ایک دن ضرور احمر کو اس پر ترس آئے گا - اور اسکی خاموش عبادت رنگ لائے گی - شاذیہ ھمیشہ ھی جھڑکیاں سنکر مسکراتی اور احمر کے تن بدن میں آگ لگ جاتی - ھمیشہ کی طرح آج بھی احمر نے شاذیہ کو جی بھر کے سخت و سست کہا اور کمرے سے نکل کر باغ کا رخ کیا تھا -

شاذیہ بڑی دیر تک لان میں بیٹھی احمر کے پر شکوہ حسن کو دیکھتی رھی جو آنکھیں بند کئے انجانی سوچوں میں غرق تھا - اسے اپنے آپ پر رشک اور ایک انوکھا سرور محسوس ھونے لگا - اسے ایک انجانا یقین ھوچلا کہ احمر اسکا ھی ھے - وہ تصور میں خود کو احمر کی دلہن بنی دیکھنے لگی اور پھر خود سے شرما کر تقریباً دوڑتے ھوئے لکڑی کا جنگلا عبور کرکے احمر کے کمرے میں جا گھسی اور دروازہ اندر سے بند کرلیا - اندھیرے سے گھبرا کر اس نے ھاتھوں سے ٹٹول کر سوئچ آن کردیا - سوئچ بورڈ کے عین نیچے بجلی کے ننگے تاروں کا گچھا تھا - اسکا پیر ان سے الجھ گیا اور وہ ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ سامنے رکھے ادویات کے ریک سے ٹکرا گئی - ریک پر رکھی ترشے کی شیشی لڑھک گئی اور ترشہ دھار کی طرح بہتا ھوا بے ھوش شاذیہ کے چہرے پر سے پھسلتا ھوا گردن کے دونوں طرف جمع ھوتا گیا - چہرہ مسخ ھوگیا - آنکھیں ابل گئیں - '' قاتل - ،، کہیں دور شوالے کی گھنٹی کی طرح احمر کے دل سے آواز آئی - پھر اسکے عضو عضو سے قاتل قاتل کی پکار یلغار بنکر اٹھنے لگی - '' تم ھی شاذیہ کے خون ناحق کے ذمہ دار ھو احمر — قاتل ھو - ،، جتنا احمر اپنے دماغ کو جھٹکتا اتنا ھی اسکا ضمیر اسے کریدتا - اتنی کربناک موت آجتک اسنے نہ دیکھی تھی - درد سے تڑپتی شاذیہ کے لبوں پر آخری وقت تک احمر ھی کا نام تھا - اور آج احمر زندگی میں پہلی بار عورت کو سمجھنے کی کوشش کررھا تھا - کیا کوئی عورت صرف ایکبار کسی کو اپنا مان لے تو مرتے دم تک اسکی آرزو کرسکتی ھے ! حالانکہ اسکی چاھت کو کسی نے چاہ کی نظر سے بھی نہ دیکھا ھو - یقیناً خدا کی کائنات میں سب سے زیادہ نازک اور قابل قدر شئے عورت ھے !

زندگی میں پہلی بار احمر ماں کے سینے سے لگ کر اتنا رویا کہ اسکے سارے شکوک دھل گئے - زندگی میں پہلی بار اس نے ماں کے چہرے کو نظر بھر کے دیکھا - پیارا ، صاف ستھرا اور شفیق چہرہ - جس نے زندگی بھر احمر کے لئے دکھ سہے مگر شکوہ نوک زبان پر آنے نہ دیا - آج پہلی بار اسنے اشفاق کو ابو کہہ کر پکارا - بچپن میں سونے جاگنے والی گڑیا کے لئے رونے والا احمر آج انسپکٹر احمر بن کر بھی ڈھیروں مٹی تلے دبی شاذیہ کو دوبارہ پانے کے لئے تڑپنے لگا - زندگی میں پہلی بار احمر جی بھر کے رویا - وہ روتا رھا ، اسکا ضمیر رلاتا رھا - ھر بار وہ خود کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا اور ھر بار اسکا ضمیر آستین میں لگے لہو کی طرح ایک حقیقت بنکر اسکے سامنے نمودار ھوتا -

* * * *

چیف منسٹر نظام آباد میں
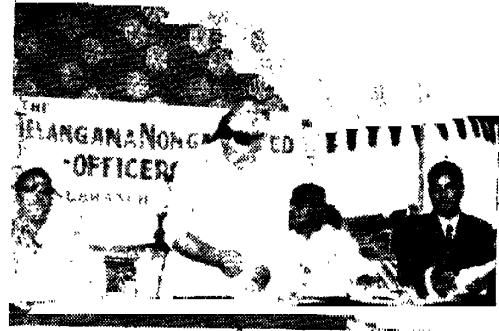
دائیں جانب اوپر :—سبھاش نگر میں ین - جی - اوز کالونی کا سنگ بنیاد رکھنے کے بعد چیف منسٹر حاضرین کو مخاطب کر رہے ہیں -

بائیں جانب اوپر :—شری جے - وینگل راؤ چیف منسٹر نے ضلع نظام آباد کے . . ، سال مکمل کرنے پر قائم کردہ یادگار کی نقاب کشائی کی -

بائیں جانب درمیان میں :—موضع کوسٹلی میں ایک خاتون نے چیف منسٹر کو ریلیف فنڈ کے لئے نقد عطیہ دیا -

دائیں جانب نیچے :—منچپا میں منعقدہ بنجارہ کانفرنس میں چیف منسٹر لمباڑہ تانڈے کے ساتھ دیکھے جاسکتے ہیں -

بائیں جانب نیچے :—چیف منسٹر بودھن کی مقامی خواتین میں سلائی مشینیں تقسیم کر رہے ہیں -

شطرنج اور بھارت

قیصر سرمست

دنیا میں اس وقت جتنے بھی انڈور گیمس رائج ہیں ان میں شطرنج کو ایک، خاص مقام اور مقبولیت حاصل ہے اسلئے کہ انسانی ذھن کے امتحان اور اسکی صلاحیت کو جانچنے میں شطرنج اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ شطرنج ساری دنیا میں مشہور اور ہر دلعزیز ہے اس کے باوجود بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اس کا موجد کون سا ملک ہے۔ اس کھیل کی ایجاد سے متعلق علامہ نیاز فتحپوری لکھتے ہیں۔

”اس کھیل کا موجد کون تھا یقین کے ساتھ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ بعض کا خیال ہے کہ قدیم یونان میں یہ کھیل رائج تھا اور وھیں کے ایک شخص پالا مدوس نے ایجاد کیا تھا۔ مسلم روایات سے معلوم ھوتا ہے کہ انھوں نے یہ کھیل ھندوؤں سے سیکھا ہے، لیکن یہ روایات قابل اعتبار نہیں غالباً عربوں میں اس کا رواج قدیم ایران سے آیا۔ عہد وسطی میں مشرق میں متعدد کھیل تختوں پر کھیلے جاتے تھے جن میں نرد اور شطرنج زیادہ مقبول تھے۔ مہروں کے نام اور ان کی چالیں مختلف زمانوں میں مختلف رھی ہیں،،۔

لفظ شطرنج کس طرح بنا، یا یہ لفظ کس کا ماخذ ہے اس کے بارے میں آگے چل کر لکھتے ہیں،

لفظ شطرنج کا ماخذ یا تو سنسکرت ہے یا فارسی کا ”شصت رنگ،، انگریزی لفظ چس Chess کے ماخذ کے بابت کہا جاتا ہے کہ ایران میں یہ دستور تھا کہ جب بادشاہ پر زد پڑتی تھی تو ”یا شاہ،، کہہ دیتے تھے۔ انگریزی لفظ چس اسی کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔،،

شطرنج کو یونانیوں نے ایجاد کیا، یہ کہنا غلط ہے ہاں اس ملک میں اس کھیل کو رائج کرنے کا سہرا شاید ”پالامدوس،، کے سر رہا ہو، حقیقتاً یہ ھندوستان کا ایجاد کردہ کھیل ہے۔ اس لئے کہ ھندوستان پر ازل سے راجاؤں، مہاراجاؤں کا راج رہا تھا اور شطرنج بھی شاھی کھیل ہے۔ مسعودی کہتا ہے کہ قدیم ھندوستان کے راجاؤں کے زمانے میں نرد اور شطرنج کے کھیل ایجاد ہوئے۔ نرد تو باھبود راجہ کے زمانے میں ایجاد ہوئی اور بلہیت کے زمانے میں شطرنج ایجاد ہوئی اور اسی زمانے میں اس پر متعدد کتابیں بھی لکھی گئیں جو اب نایاب ہیں اس بات کی تصدیق جاحظ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ کالی اور گوری قوموں کی افضلیت کے متعلق لکھتے ہوئے شطرنج کے بارے میں کہتا ہے”........لیکن ھندوستان کے باشندے، تو، ہم نے ان کو پایا کہ........شطرنج کے وہ موجد ہیں، جو ذہانت اور سوجھ کا بہترین کھیل ہے۔،،

علامہ نیاز مرحوم نے لفظ شطرنج کے ماخذ کے بارے میں جو تحریر کیا ہے۔ اسکی تردید صاحب بہار عجم کی تحریر سے ہوتی ہے۔ لکھا ہے کہ

”رشیدی کہتا ہے کہ لفظ شطرنج ھندی معرب ہے اور اس کی اصل” چترنگ،، ہے جو چتر اور انگ سے مرکب ہے، چتر کے معنی چار کے ہیں اور انگ کے معنی ہوتے ہیں عضو یا بدن کے جس کا مجازاً اطلاق رکن پر ہوتا ہے یعنی وہ چیز جو چار رکن رکھتی ہے اور اس کھیل کے چار ارکان فیل اسپ، رخ اور پیادہ ہیں۔،،

لیکن بعض کا خیال ہے کہ ”چترنگ،، سنسکرت لفظ ہے اور جو چتر اور انگ سے بنا ہے۔ چتر یعنی چار اور انگ کہتے ہیں حصہ کو اور چترنگ کے لغوی معنی اس فوج کے ہیں جس میں ہاتھیوں، گھوڑوں، رتھوں اور پیادوں پر مشتمل چار ڈویژنیں ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس کھیل میں ہاتھی گھوڑے، رتھ اور پیادے ہوں اسے بھی چترنگ کہنے لگے اور اسی کی بگڑی ہوئی شکل شطرنج ہے۔

ہمارا قومی سماج،، (۲)

”اسی کو عربوں نے (چ)، (ت)، اور (گ) کو (ش)، ط اور (ج) سے بدل کر شطرنج نام رکھ دیا۔

اور چونکہ رتھ جیسی کوئی چیز انکے یہاں نہیں ہوتی تھی اسلئے اس کے علاوہ تلفظ کی دشواری کی وجہ سے (رتھ) کو وہ (رخ) کہنے لگے،،۔

البیرونی کی تحریر سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ شطرنج ھندوستان میں زمانہ قدیم سے رائج ہے وہ کہتا ہے کہ

”شطرنج ھندوستان میں مختلف طریقوں سے کھیلی جاتی تھی اور وہ ان سب طریقوں سے واقف تھے۔،،

البیرونی کے بیان کی تصدیق اکثر مورخین سے ہوجاتی ہے۔

ھندوستان کی شطرنج (چترنگ) کی چالیں موجودہ شطرنج کی چالوں سے بہت مختلف تھیں۔ آج کل کی مروجہ شطرنج کو

---

(۱) نگار دسمبر سنه ۱۹۴۹ ع - (۲) مصنفه سید سخی حسن نقوی

دو آدمی کھیلتے ھیں لیکن قدیم شطرنج کو چار آدمی کھیلتے تھے ۔ اس قدیم شطرنج کی چالوں کی تفصیل بھی ھمیں البیرونی کے پاس سے مل جاتی ہے ۔ قدیم شطرنج کی بساط کچھ اس طرح جاتی تھی ۔

رخ	اسپ	فیل	شاه			پیاده	رخ
پیاده	پیاده	پیاده	پیاده			پیاده	اسپ
						پیاده	فیل
						پیاده	شاه
شاه	پیاده						
فیل	پیاده						
اسپ	پیاده			پیاده	پیاده	باده	پیاده
رخ	پیاده			شاه	فیل	اسپ	رخ

اور اس کو دو پانسوں سے کھیلا جاتا تھا ۔ پانسہ تو آپ جانتے ھیں ۔ مکعب کی شکل کا ھڈی (آجکل پلاسٹک وغیرہ کے بھی بنائے جارہے ھیں) کا بنا ھوا ایک ٹکڑا ھوتا ہے جس کے ھر پہلو پر ۱ سے ٦ تک ھندسے پڑے ھوتے ھیں ۔ انہیں کو عربی میں کعبتین کہتے ھیں ۔

فردوسی عہد اسلامی میں سلاطین ، وزراء ، امراء ، علما ، اور ادیب وغیرہ کے شطرنج سے شوق اور انہاک کے متعلق لکھتا ہے کہ —

'' یزید بن عبدالملک اور ھشام (اموئین) —ھارون الر اور اسکے دونوں لڑکے امین الرشید اور مامون الرشید (عباسئین محمود غزنوی (غزنوی خاندان) — المستفرباللہ (فاطمین) — یو صلاح الدین (ایوئبین) — تیمور لنگ اور جلال الدین محمد ا (مغل) — سلطان عبدالحمید (آل عثمان) شطرنج کے بڑے شوقین اچھے کھلاڑی سمجھے جاتے تھے اور وزیروں میں جعفر بر م ابو بکر ابن زھر اور ابو بکر بن عمار ، وزیر علی القمی اور امراء مراد بک محمد علما میں سعید بن جبھر ، امام شافعی ، شیخ الا شمس الدین ، قاضی ابو بکر ، احمد بن کمال پاشاہ مفتی

علامہ علاوالدین تبریزی اور ادیبوں میں ابوالعلاٰ المعری ، صفی الدین ، ابن رومی ، ابوالفرح اصفہانی اس کھیل کے مشہور ماہر تھے ۔ ،،

بعض سلاطین نے ندیموں کو اس کھیل میں مدد دینے کے لئے رکھ چھوڑا تھا ۔ ایسے ماہر ندیموں میں ابو بکر محمد صول (بہ مکتفی ، مقتدر اور راضی تین خلفا عباسیہ کے ندیم رہ چکے تھے ۔) اور حواجہ علی شطرنجی (یہ تیمور کے ندیم تھے) بہت مشہور کھلاڑی تھے ۔ اس زمانہ میں اس کھیل پر کتابیں بھی لکھی گئیں ۔ جن میں پہلی کتاب ابوالعباس احمدالغربی کی ہے جو سنہ ۲۴۷ ھ میں لکھی گئی ۔ اس کے بعد ابوبکر محمد صول ، ابوالفرح العلاج ابن ابی حجلہ اور یحیی بن ابراہیم نے بھی کتابیں لکھیں جو نا یاب ہیں ۔

*غائبانہ شطرنج اب عام ہو گیا ہے اور اسے موجودہ زمانے کی اختراع سمجھا جانے لگا ہے ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسکی ابتدا عربوں نے کی تھی ۔ غائب شطرنج کھیلنے والوں میں سعید بن جبیر ، امام شافعی ، محمد بن سیرین ، بدرالدین مصری ، ابوالقاسم التوزی اور نظام العجمی کا شہرہ تھا اور نابینا ماہرین شطرنج میں ابوالمعلاالمعری ، ابوحفص عبدالعزیز ، حادالبصری ، علاوالدین بن قیران اور احمد بن صدقہ کا جواب نہ تھا ۔

کتابوں کے مطالعہ کے دوران شطرنج سے متعلق بعض دلچسپ روایات اور حقائق سامنے آتے ہیں ۔ کہتے ہیں کہ ایک ہندو راجہ نے فارس کے بادشاہ نوشیروان عادل (۵۳۱ ، ۵۷۹ ء) کے پاس شطرنج کی بساط اور پنچ تنتر کا یک نسخہ تحفے کے طور پر بھیجے ۔ نوشیروان عادل نے سوچا کہ یہ تحفے بھیجنے سے اہل ہند کی اصل غرض اپنی ذہنی برتری جتا نا ہے ۔ چنانچہ نوشیروان عادل نے جواب میں ہندوستانی راجہ کے پاس نردوں کا ایک کھیل بھیجا جسے پانسوں کی مدد سے کھیلا جاتا تھا ۔ جس کا مقصد تھا کہ ہر کام کا دارومدار اتفاق پر ہے ۔

اردو کے صاحب طرز اور اپنے رنگ کے منفرد شاعر حکیم مومن خان مومن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ شطرنج کے بڑے ماہر تھے اور اس زمانے کے ماہر شطرنج لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے ۔ جب کھیلنے بیٹھتے تو دنیا و ما فیہا کی خبر نہیں رہتی تھی ۔

اس کھیل میں غرق ہوجانے کے واقعات بھی بڑے دلچسپ اور بڑی حد تک نا قابل یقین ہیں ۔

امین الرشید اپنے غلام کوثر کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مشغول تھا کہ مصاحبوں نے آ کر اطلاع دی کہ مامون الرشید کا سردار طاہر فوجیں لئے بغداد تک در آیا ہے اور آپ شطرنج میں میں مصروف ہیں تو امین الرشید نے کہا ۔ ” ٹھر جاو میں کوثر کو مات دینے والا ہوں ،،

سلطان المنصور حسام الدین (مصر) شطرنج ہی کھیل رہا تھا جب خاسکیہ جماعت نے آ کر اسکے ٹکڑے کردئے ۔

پہلی صلیبی جنگ میں جب انطا کیہ کا محاصرہ ہو گیا اور پطرس راہب ، غنانی قاند ربوغا کے پاس محاصرہ کی اطلاع دینے آیا اور اسکاٹ لینڈ کا بادشاہ جیمس اول (سنہ ۱۴۳۷ ع) جب قتل کیا گیا تو وہ شطرنج میں مصروف تھا ۔

ایسے بیسیوں واقعات تاریخ کے صفحات پر بکھرے پڑے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شوق شاہانہ شوق تھا ۔ اب شاہی تو رہی نہیں لیکن یہ کھیل اور اس کے شوقین اور شوق باقی رہ گیا ہے ۔ اس وقت دنیا کے مشہور اور عظیم کھلاڑیوں میں روس کے بورس اسپاسکی اور امریکہ کے بابی فشر صف اول کے کھلاڑی ہیں ۔ شطرنج کے عالمی چمپن شپ کے لئے مقابلے ہر تیسرے سال منعقد ہوتے ہیں ۔ گرینڈ ماسٹر (شطرنج کے اعلی ترین مقام حاصل کرنے کو کہتے ہیں) دنیا میں صرف پچھتر ۷۵ ہیں جن میں ۳۳ روسی ہیں اور دس امریکی ، (شاید اب اس تعداد میں کمی و بیشی ہو گئی ہو) اور باقی ۳۲ دوسرے ممالک کے ہیں ۔

ہمارے ملک میں ایک روایت یہ بھی مشہور ہے کہ شطرنج کے موجد نے جب شطرنج راجہ کے سامنے پیش کی اور کھیلنے کا طریقہ بتایا تو راجہ اس سے بہت خوش ہوا اور کہا کہ ” تم اس کے بدلے جو انعام مجھ سے مانگنا چاہتے ہو بخوشی مانگو ۔ یہ سن کر موجد نے راجہ سے عرض کیا کہ ” مہاراجہ آپ اس غلام کو شطرنج کی بساط کے پہلے خانے میں ” جو ،، کا ایک دانہ دوسرے خانے میں دو دانے تیسرے خانے میں چار دانے ، چوتھے خانے میں آٹھ دانے اسی طرح ہر بعد کے خانے میں اس سے پہلے کے خانے کے دو گنے کے حساب سے جو عطا فرمادیجئے ۔ ،، راجہ نے یہ سن کر اس سے کہا کہ ” یہ تو بہت کم اور معمولی ہے ہم سے ہمارے لائق انعام مانگو ۔ ،،

موجد نے عرض کیا کہ ” مہاراجہ مجھے یہی دلوادیں ،، راجہ نے حکم دیا کہ سوالی کو اتنے جو دیئے جائیں ۔ لیکن

---

* غائبانہ شطرنج کھیلنے کا طریقہ ایک عرب ابوردیقہ نے نکالا تھا ۔ اس نے پہلی بار سنہ ۱۲۶۵ ھ میں فلوان کے مقام پر غائب شطرنج کھیلی تھی اور شطرنج کھیلنے کا پہلا کلب یزید عبدالملک اموی نے سنہ ۱۰۰ ھ میں قائم کیا تھا ۔

جب انعام دینے حساب کیا جانے لگا تو اتنی رقم ہو گئی کہ راجہ صاحب دے نہ سکے۔ بساط کے خانوں کے حساب سے بیانوے (۹۲) سنکھ، تئیس (۲۳) پدم، اڑتیس (۳۸) نیل، بیس کرب (۲۰) چھتیس (۳۶) ارب، پچاس (۵۰) کروڑ، سینتالیس (۴۷) لاکھ پانچ (۵) ہزار آٹھ (۸) سو آٹھ (۸) عدد جو کے دانے ہوئے۔ جنہیں اگر تولا جائے تو ترسی (۸۳) کھرب، اٹھتر (۷۸) ارب، نواسی (۸۹) کروڑ، چالیس (۴۰) ہزار، تین (۳) سو ستر (۷۰) من اور پینتیس (۳۵) سیر اکتالیس (۴۱) تولے ہوتے ہیں (چالیس سیر کا من کے حساب سے)۔ اب بتائیے کہ کون دے سکے گا۔

* * * *

(ڈسپلن سے قوم طاقتور بنتی ہے)

PUBLISH BY THE DIRECTOR OF INFORMATION & PUBLIC RELATIONS ANDHRA PRADESH, HYDERABAD.
PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING, GOVT. OF ANDHRA PRADESH, AT GOVT. CENTRAL PRESS, HYDERABAD

کسی بھی ملک کے لئے جمہوریت بے حد اہم ہے لیکن جمہوریت بذات خود کوئی مقصد نہیں ہے بلکہ یہ کچھ مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے اور ہم اپنے ملک میں کن مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں ہیں؟ ہم اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ ۶۰ کروڑ کی آبادی والے ملک کو ایک دور سے نکال کر ایک نئے دور میں داخل کردیں ۔ ہم اپنے عوام کی مادی اور جسمانی زندگی کو محض بہتر بنانا ہی نہیں چاہتے بلکہ انہیں اس سے بھی کچھ زیادہ دینا چاہتے ہیں — ایک ایسی نئی زندگی جس میں ان کی شخصیت کو پوری طرح فروغ حاصل ہو سکے ۔

— اندرا گاندھی

آندھرا پردیش

مارچ سنہ ۱۹۷۷ع

۵۰ پیسے

آندھرا پردیش

ترتیب

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ
حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا۔
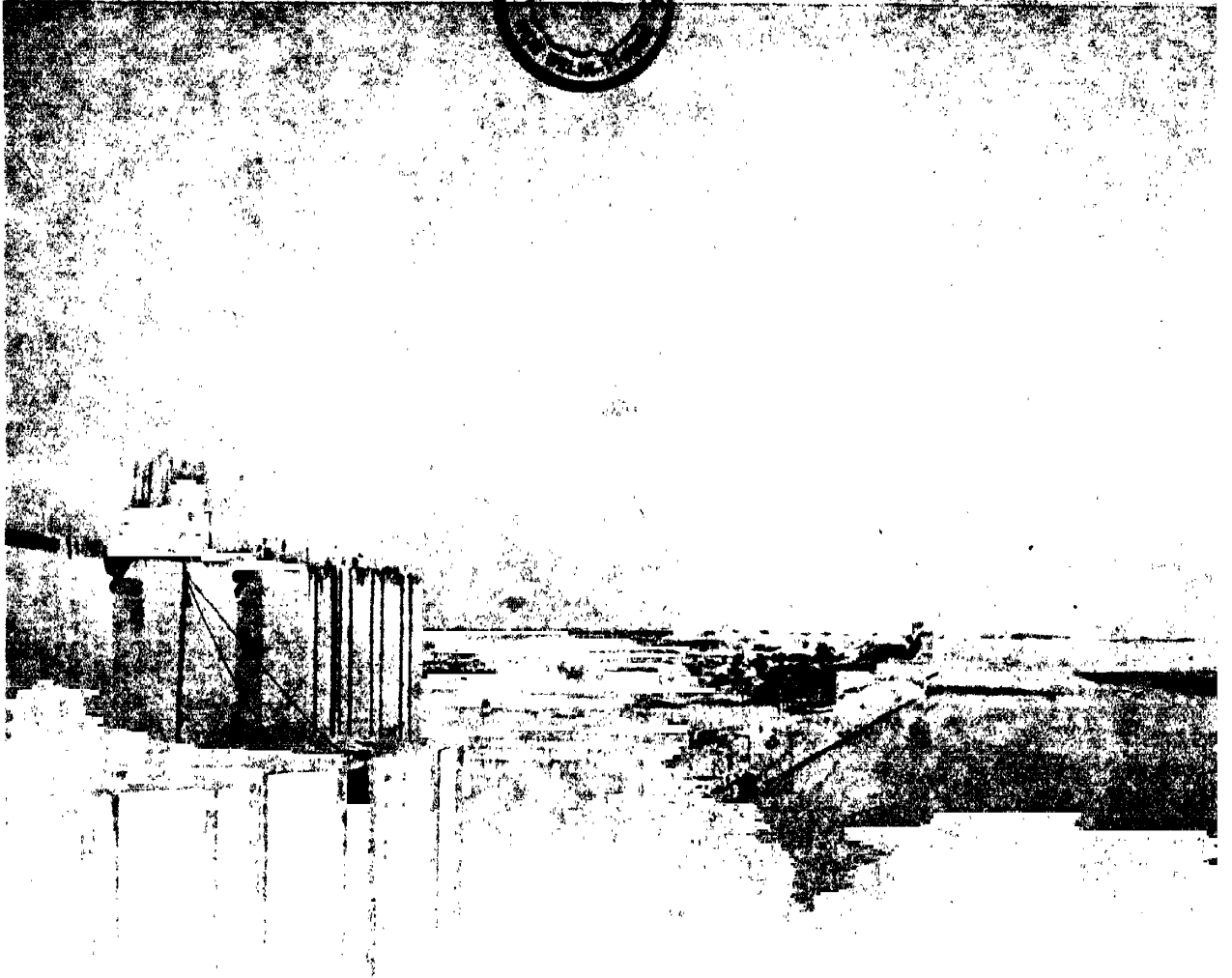
ایڈیٹر انچیف
شریمتی سری راجیم سنہا

★

مارچ ۱۹۷۷ ع
پال گن—چیترا
شاکھا ۹۹—۱۸۹۸
جلد ۲۱
شمارہ نمبر ۵

سرورق کا پہلا صفحہ

بوحم باڈ پراجکٹ

سرورق کا چوتھا صفحہ

یوم جمہوریہ سال ۱۹۷۷ ع کے موقع پر آندھرا پردیش کی جانب سے نئی دھلی میں پیش کردہ ٹیبلو کا ایک منظر۔

اس شمارے میں اہل قلم نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

آندھرا پردیش (اردو) ماھنامہ
زر سالانہ چھ روپئے۔ فی پرچہ ۵۰ پیسے
وی پی بھیجنے کا قاعدہ نہیں۔
چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے۔

هندوستان کا عظیم سپوت

بائیں جانب اوپر : ۔ نامزد صدر شری بی ۔ ڈی ۔ جتی
فخرالدین علی احمد مرحوم کی میت پر پھول چڑھا رہے ہیں ۔
بائیں جانب درمیان میں : ۔ بیگم عابدہ احمد اور ان کے فرزند (سب سے
جانب) اور دوسرے فیملی افراد مرحوم صدر کو خراج عقیدت پیش
کررہے ہیں ۔

بائیں جانب نیچے : — راشٹر پتی بھون کے باہر عوام مرحوم صدر
کی میت کے دیدار کے لئے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں ۔
دائیں جانب نیچے : — مرحوم صدر کے جنازے کو فوجی
گاڑی پر لے جایا جا رہا ہے ۔

دائیں جانب اوپر : — شریمتی اندرا گاندھی مرحوم صدر کی میت
پر پھول چڑھا رہی ہیں ۔
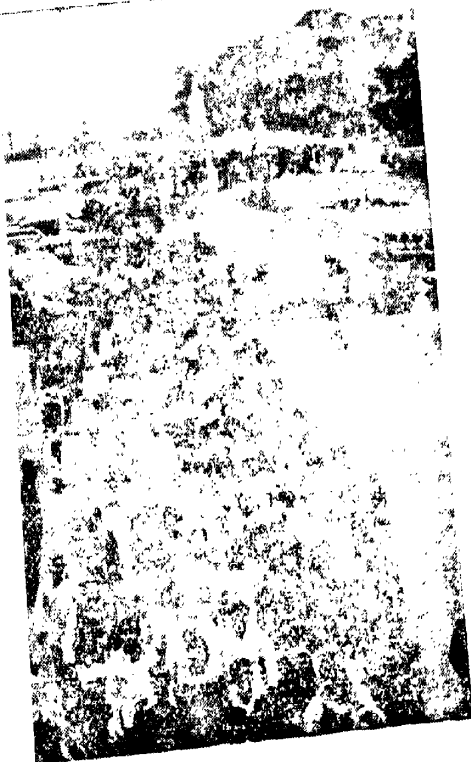
شری فخرالدین علی احمد مرحوم

ایک عظیم انسان جو ہماری بہترین روایات کے نمائندے اور انسانیت، تہذیب و شائستگی اور انکساری کے پتلے تھے۔

بائیں جانب اوپر :— گورنر شری آر۔ ڈی۔ بھنڈارے ۱۳-جنوری، کو راج بھون میں شری دیوا کرلاو وکنٹاودھانی کو مبارک باد دے رہے ہیں۔

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب درمیان میں :- مغربی بنگال کی ذیلی قانون ساز کمیٹی نے آندھرا پردیش کا دورہ کیا۔

بائیں جانب نیچے :— انڈسٹریل اسٹیٹ صنعت نگر میں تیار کردہ ڈیزل انجنوں کا پہلا کنسائنمنٹ بنگلہ دیش کو برآمد کیا جارہا ہے۔

دائیں جانب اوپر :— شری جے۔ وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۱۲-جنوری کو چندو لال بارہ دری حیدر آباد میں انڈسٹریل ھاؤزنگ کامپلکس کا افتتاح کیا۔ شری جلا سبارائیڈو وزیر میونسپل ایڈمنسٹریشن نے جلسے کی صدارت کی۔

دائیں جانب نیچے :— شری بی۔ رنگا ریڈی وزیر فینانس و اطلاعات نے ۲۵-جنوری کو حمایت نگر میں کھادی اور ویلیج انڈسٹری پر ہونے والے سمپوزیم کا افتتاح کیا۔

62--3

مورخہ ۱۸ - فروری ، سنہ ۱۹۷۷ ع
حیدرآباد ۵۰۰۰۴۱
راج بھون

گورنر کا پیام

" اگادی کے مقدس تہوار کے موقع پر آندھرا پردیش کے عوام کو میں گرمجوشانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔ اگادی کا تہوار ان سب کے لئے سال کے آغاز کی نوید لاتا ہے جو سمسی جنتری کو مانتے ہیں ۔ یہ تہوار کرناٹک، مہاراشٹرا اور کیرالا کے عوام بھی مناتے ہیں ۔ اس طرح یہ تہوار ہمارے ثقافتی اتحاد کا مظہر ہے ۔

اس طرح کے مواقع سے ہم کو اپنا محاسبہ کرنے میں مدد لینی چاہئے تا کہ ہم تمام انسانوں کی بھلائی اور خوشحالی میں بہتر طور پر حصہ ادا کر سکیں ۔ ہم سب جانتے ہیں کہ جمہوری طور پر منتخبہ ہماری حکومت نے یہ عزم کیا ہے کہ قوم کو زیادہ سے زیادہ خوشحال بنایا جائے اور ہماری ترقی کی راہ میں حائل تمام سماجی برائیوں کا خاتمہ کیا جائے ۔ اس عزم کے نتیجے میں ہمارے عوام کی زندگیوں میں دور رس تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ۔ حکومت کی ان کوششوں میں عوام نے جو تعاون دیا ہے اس سے ہماری قوم کے لئے ایک بہتر مستقبل کا یقین پیدا ہو گیا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ اس سر زمین کے سپوت آنے والے زمانے میں بھی وہ سب کچھ کرنے کے لئے تیار رہیں گے جس سے مادر وطن کی عظمت و شوکت میں اضافہ ہو ۔

میں ایک بار پھر آپ سب کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں ۔

بی ۔ جے ۔ دیوان
گورنر

ہماری منصوبہ بند ترقی

شری - پی - رنگاریڈی وزیر اطلاعات و تعلقات عامہ

هندوستان کی طویل اور رنگارنگ تاریخ میں منصوبہ بند ترقی کا دور ایک دن انتہائی روشن اور تابناک باب کی حیثیت کا حامل قرار پائے گا - ہماری منصوبہ بند ترقی کا بنیادی مقصد ظاہر ہے کہ ان رہنما اصولوں کے تابع ہے جو ہمارے دستور میں مملکتی حکمت عملی کی تدوین کے لئے شامل ہیں اور جو مملکت کو اس امر کا پابند کرتے ہیں کہ عوامی فلاح و بہبود میں اضافہ کی خاطر ایک ایسا سماجی نظام قائم کیا جائے جو ممکنہ حد تک موثر انداز میں قومی زندگی کے تمام شعبوں اور اداروں میں سماجی - معاشی اور سیاسی انصاف کا ضامن اور محافظ ہو - ہمارے دستور میں سماج کے کمزور طبقات کو بھی فراموش نہیں کیا گیا ہے - یہاں اس بات کی وضاحت کی جاسکتی ہے کہ دستور کے دفعہ ۴۶ میں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ مملکت سماج کے کمزور طبقات اور خاص طور پر درج فہرست اقوام و قبائل کے تعلیمی اور معاشی مفاد کی جانب خصوصی توجہ دے اور سماجی ناانصافی نیز ہر طرح کے استحصال سے انکا تحفظ کرے۔

اس وسیع پس منظر میں ہمارے پانچویں پانچ سالہ منصوبے نے مجاہدانہ جوش و خروش کے ساتھ قوم کے مستقبل کی از سر نو تشکیل کے ہمالیائی مسئلہ سے نمٹنے کے لئے بھر پور قدم اٹھایا ہے - اس اہم مسئلے کو پیش نظر رکھتے ہوئے پانچویں منصوبے میں ایک جگہ پر اس امر کی وضاحت کردی گئی ہے کہ غربت سے نجات اور معاشی خود کفالت دو اہم مقاصد ہیں جنکی پابجائی کے لئے ہمارا ملک کمر بستہ ہوا ہے - چنانچہ مذکورہ بالا مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے منصوبے کی تشکیل و ترتیب روبہ عمل لائی گئی ہے -

جب پانچواں منصوبہ مدون کیا گیا تو حسب ذیل اہم رہنما خطوط کو پیش نظر رکھا گیا - سال ۶۵-۱۹۶۴ع سے قبل زرعی شعبے میں بہت ہی معمولی پیداوار اور اسکے بعد کے برسوں میں ٹھہراؤ کے سبب زرعی ترقی کو بنیادی فوقیت دیا جانا طے کیا گیا - ریاست کے وسیع معدنی وسائل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ صنعتی ترقی کے لئے ایک جامع پروگرام بنایا جائے تا کہ ریاست کی ترقی متوازن رہے اور روزگار کے مواقع بھی وسیع ہوں - چوتھے منصوبے کے دوران برقی قوت کی خطرناک قلت کو محسوس کرتے ہوئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ برقی کی پیداوار کو تیزی کے ساتھ بڑھانے کے لئے ایک موزوں اور معقول پروگرام تیار کیا جائے اور اسکو روبہ عمل لایا جائے تا کہ زرعی اور صنعتی دونوں شعبوں میں ترقی کی رفتار میں اضافہ ہو -

حال ہی میں ۷۸-۱۹۷۷ع کے لئے ریاست کے سالانہ منصوبے کو جب قطعیت دی گئی تو ان امور کو ہر وقت پیش نظر رکھا گیا اور منصوبے کے اخراجات کے لئے ۳۶۵٫۷۵ کروڑ روپیے کی رقم مختص کی گئی جو ۷۷-۱۹۷۶ع کے لئے مختص کردہ رقم ۲۶۷٫۸۵ کروڑ روپیے سے ۳۶٫۵ فی صد اضافہ ہے - ابتداً آندھرا پردیش کے سالانہ منصوبہ برائے ۷۷-۱۹۷۶ع کے لئے ۲۶۷٫۸۵ کروڑ روپیے کے اخراجات مقرر کئے گئے تھے

لیکن اندازہ ہے کہ متذکرہ سال میں حقیقی اخراجات ۲۸۵ کروڑ روپیوں تک پہنچ جائینگے اسطرح ۱۹۷۶-۷۷ کے حقیقی اخراجات کے مقابلے میں ۱۹۷۷-۷۸ء کے اخراجات میں اضافے کا تناسب (۳۰) کے لگ بھگ ہو جائیگا۔ یہاں اس امر کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ ۱۹۷۷-۷۸ء کے سالانہ منصوبے کا سالانہ ہونے والا خرچ ۳۶۵،۰۷ کروڑ روپیے رکھا گیا ہے جو چوتھے منصوبے کے آخری سال یعنی ۱۹۷۳-۷۴ء کے خرچ ۹۱ کروڑ روپیوں کے مقابلے میں چار گنا ہے۔

اس طرح ہمارا ۱۹۷۷-۷۸ء کا سالانہ منصوبہ ملک میں اتر پردیش اور مہاراشٹرا کے بعد اخراجات کے لحاظ سے تیسرا سب سے بڑا سالانہ منصوبہ ہے اور یہ منصوبہ ریاست کی منصوبہ بند ترقی میں ایک سنگ میل کی حیثیت کا حامل قرار دیا جاسکتا ہے۔

شعبہ واری اخراجات :

اس سلسلے میں آبپاشی اور برقی قوت کے لئے مختص کردہ رقومات پر اگر ایک نظر ثانی ڈالی جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ ۱۹۷۷-۷۸ء کے منصوبے میں آبپاشی اور برقی قوت کے شعبوں کے لئے مختص کردہ رقومات میں معقول اضافہ روبہ عمل لایا گیا ہے۔ آئندہ سال برقی قوت میں اضافے کے لئے ۱۴۰ کروڑ روپیے خرچ کئے جائینگے جبکہ سال رواں کے دوران ۱۱۱ کروڑ روپیے خرچ ہوئے ہیں۔ سری سیلم ہائیڈرو الکٹرک اسکیم ریاست کی سب سے زیادہ مایہ ناز اسکیم ہے۔ یہ پراجکٹ کرشنا پر تیار کیا جارہا ہے اور اسکی ماہلانہ تکمیل آندھرا پردیش کی برقی ضروریات کی پابجائی میں اور صنعتی و زرعی شعبوں کی توسیع میں زبردست حد تک ممد و معاون ثابت ہوگی۔ سری سیلم پراجکٹ کے لئے اخراجات کی رقم کو بڑھا کر ۳۲ کروڑ روپیے کردیا گیا ہے اور وجے واڑہ تھرمل اسٹیشن پر ہونے والے اخراجات کو ۴۱ کروڑ روپیوں تک بڑھا دیا گیا ہے۔ یہاں پر یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ برقی کی ترسیل اور دیہاتوں کو برقیانے میں تقریباً ۱۵۰ فیصد کا اضافہ ہوجائے گا۔

ریاست کی تقریباً دو تہائی آبادی کی روزی کا کسی نہ کسی طرح دارو مدار چونکہ زمین پر ہے اور زراعت میں اضافے کے بغیر ریاست کی آمدنی میں ایک قلیل عرصے کے اندر معقول اضافہ عمل میں لایا نہیں جا سکتا اس لئے زرعی شعبہ پر جو منصوبہ کا اہم ترین شعبہ ہے کافی سے زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ ۱۹۷۶-۷۷ء کے دوران آبپاشی کے لئے مختص کردہ خرچ ۸۰ کروڑ روپیے کے مقابلے میں سال ۱۹۷۷-۷۸ء کے لئے اخراجات کو بڑھا کر ۱۰۷ کروڑ روپیے کردیا گیا ہے۔ سومشیلا اور گوداوری بیریج کے لئے خرچ کی رقومات علی الترتیب ۲۰ کروڑ روپیے اور ۱۱ کروڑ روپیے مقرر کی گئی ہیں۔ آبپاشی کی دوسری بڑی اور اوسط اسکیمات کے لئے ۲۵ کروڑ روپیے مختص کئے گئے ہیں۔ جن میں سے ۱۰ کروڑ روپیے نئی اسکیموں کے لئے ہیں۔

زیر کاشت رقبہ میں اضافہ :

آندھرا پردیش کا ناگر جونا ساگر جو کہ ہندوستان کے بڑے بڑے پراجکٹوں میں سے ایک ہے۔ منصوبہ بنانے والوں کی توجہ کا پہلے کی طرح اب بھی سب سے اہم مرکز ہے۔ اس بات کا فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس پراجکٹ کے فوائد وسیع تر رقبوں تک پہنچائے جائیں اور یہ فیصلہ ہندوستان کے اس وعدہ کے تابع ہے کہ ۲۰ - نکاتی پروگرام کے تحت پانچویں منصوبے کے دوران میں ذرائع آبپاشی سے سیراب کئے جانے والے رقبہ میں ۵،۸ ملین ہیکٹر کا اضافہ عمل میں لایا جائیگا توقع ہے کہ ناگر جونا ساگر کی مدد سے ۱۶۰۰۰۰ ہیکٹر رقبہ کی حد تک آندھرا پردیش میں اس وعدے کی تکمیل کردی جائیگی۔ اس وسیع پس منظر میں اس قابل فخر پراجکٹ کے لئے ۱۹۷۷-۷۸ء کے سالانہ منصوبے میں ۳۷،۵۰ کروڑ روپئے کی رقم مختص کی گئی ہے۔

کچھ عرصہ سے ملک بھر میں کمزور طبقات کی بھلائی کے کاموں کو صف اول کی اہمیت حاصل رہی ہے۔ آندھرا پردیش کے معاملے میں اس حقیقت کی صداقت کچھ زیادہ ہی ہے۔ آندھرا پردیش کے معاملے میں اس حقیقت کی صداقت کچھ زیادہ ہی ہے۔ کیونکہ یہاں درج فہرست اقوام اور پسماندہ طبقات کی آبادی ریاست کی جملہ آبادی کا ۵۲ فیصد ہے۔ اس لئے ۱۹۷۷-۷۸ء کے سالانہ منصوبے میں پسماندہ طبقات کی بہبود کے لئے اخراجات کی مقدار کو بڑھا کر ایک کروڑ روپیے کردیا گیا ہے اور بیس نکاتی پروگرام کے تحت متعلقہ اسکیمات کو تیزی کے ساتھ روبہ عمل لایا جائیگا۔ غریبوں اور پسماندہ طبقات کے لوگوں کے لئے رہائشی زمینات کے حصول کی خاطر بھی منصوبے میں ایک کروڑ روپے کی گنجائش فراہم کی گئی ہے۔

دوسرے شعبوں کے لئے مختص کردہ اخراجات حسب ذیل ہیں :

(الف) زراعت و متعلقہ خدمات - ۲۶،۵۰ کروڑ روپے -

(ب) امداد باہمی بشمول کارخانہ جات شکر ۶،۵۰ کروڑ روپے -

(ج) صنعتیں اور معدنیات ۱۱ کروڑ روپے -

(د) حمل و نقل اور رسل و رسائل ۲۸،۵۰ کروڑ روپے -

(ہ) تعلیم ۶ کروڑ روپے -

(و) آب رسانی ۱۰,۷۰ کروڑ روپے -

(ز) اسکنه و شہری ترقیات ۹,۱۳ کروڑ روپے -

(ح) طبابت و صحت عامه ۴۴,۴ کرو روپیے -

اس طرح یه بات ثابت ہوگئی که ہم نے اپنے پانچ ساله منصوبے میں موجود عظیم اور مقدس مقاصد کو مستقبل قریب میں ایک زندہ حقیقت میں تبدیل کرنے کے لئے اخراجات میں زبردست اضافے کئے ہیں اور حقیقت میں یه کوئی آسان بات نہیں ہے - ہمارا راسته طویل ہے اور سفر مشکلات سے بھر پور — آئیے ہم اپنے اس عظیم سفر پر غیر متزلزل اعتماد اور کامیابی کے مستحکم ایقان کے ساتھ پیش رفت شروع کردیں -
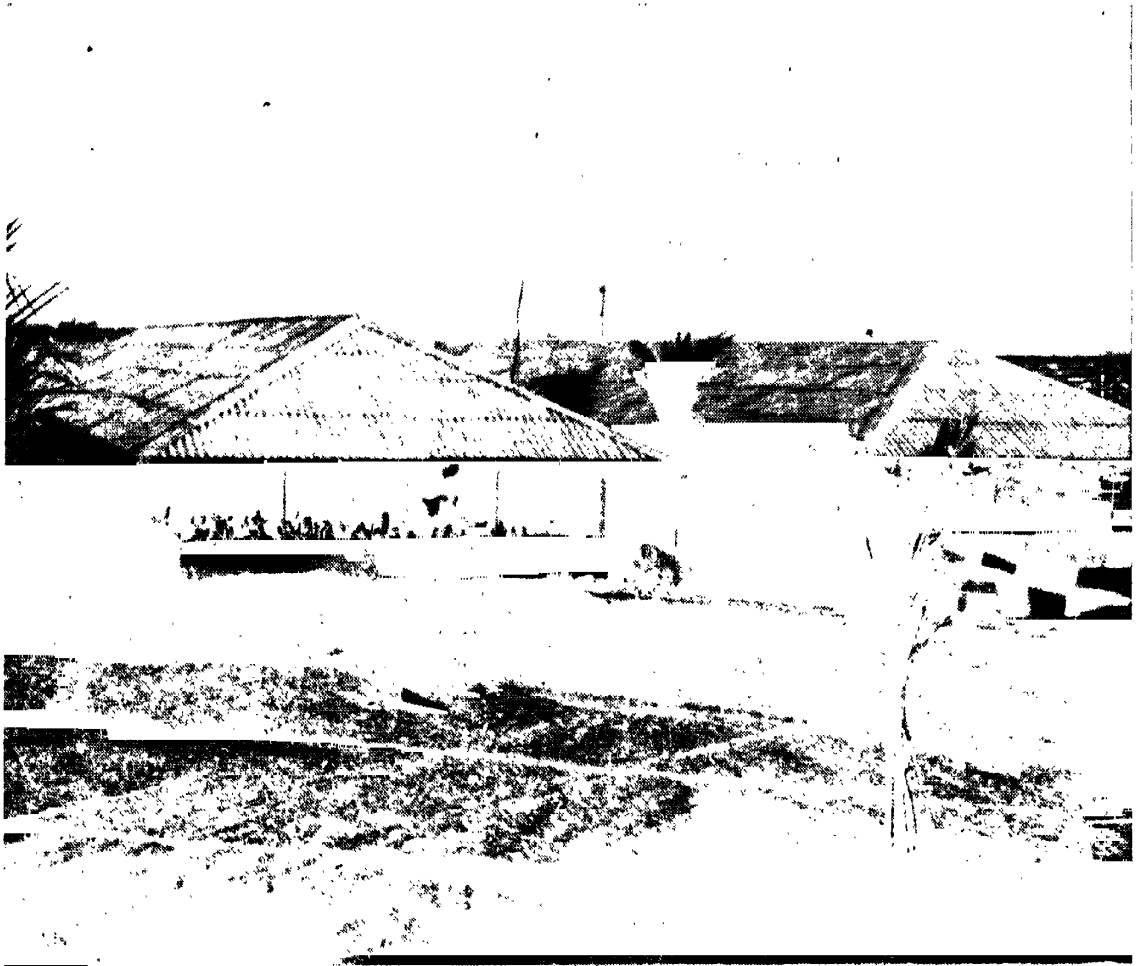
****

کھمم ڈسٹرکٹ کوآپریٹیو پولٹری فارم -

اسکول کے بچے اراکو وادی میں ۔

قبائلی ناچ کا ایک منظر ۔

سینک اسکول کورو کنڈہ

یہ اسکول ۱۹۶۲ میں شروع کیا گیا ۔ اس وقت سینک اسکول کورو کنڈہ میں طالب علموں کی تعداد ۴۸۳ ہے جن میں ۴۰ طلباء کا تعلق درج فہرست اقوام و درج فہرست قبائل سے ہے اسکول میں ۱۹۳ طلباء ایسے ہیں جنکے والدین کی ماہانہ آمدنی ۳۰۰ روپے فی ماہ ہے ۔ اکثر طلباء کا تعلق دیہی علاقوں سے ہے اسکا پورا خرچ ریاستی حکومت برداشت کرتی ہے ۔ یہ اسکول کسی مضبوط تعلیمی نظام کے دوہرے مقاصد کی تکمیل کرتا ہے یعنی اعلی خوبیوں اور سماجی انصاف کی تلاش ۔

چیف منسٹر نے اپنی تقریر میں کہا کہ سینک اسکول کو چاہئیے کہ رکروٹمنٹ اور ٹریننگ کے طریقہ کار کو دیہی علاقوں کی موزونیت کے مطابق بنائے اس لئے کہ دیہاتوں میں عوام کا بیشتر حصہ رہتا ہے ۔ انہوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ اس مقصد کے حصول کے لئے غور و خوض اور جذبہ خیر سگالی کے ساتھ اسکیم تیار کی جانی چاہئیے ۔

پرنسپل کمانڈر مسٹر یل ۔ یس چودھری نے اسکول کے گذشتہ کارناموں کی وضاحت کی اور آندھرا پردیش کے اس باوقار ادارے کے بنیادی مقاصد کا ذکر کیا ۔ جسکا کام سماج کے معاشی اور سماجی اعتبار سے کمزور بچوں کو نیشنل ڈیفنس اکیڈیمی میں داخلے کے قابل بنانا ہے ۔

تلگو ڈرامے کا ایک منظر ۔

" ہٹلر کے آخری دن ،، ایک انگریزی ڈرامے کا ایک منظر جسے

وزیر تعلیم '' کلکٹری ٹرافی ،، دے رہے ہیں ۔

اسکول کی نئی عمارت کے افتتاح کے موقع پر چیف منسٹر مخاطب کر رہے ہیں ۔
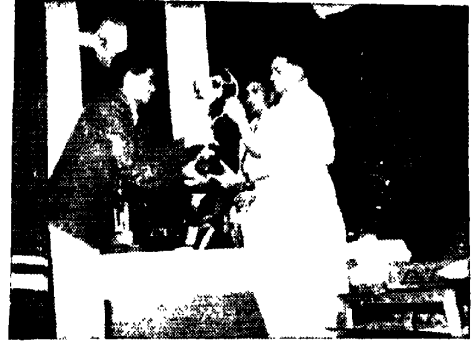
سالانہ '' اتھلیٹک میٹ ،، سے قبل رسم حلف برداری ۔

لیفٹننٹ کمانڈر پل ۔ بس چودھری پرنسپل اسکول کی سالانہ رپورٹ پڑھ رہے ہیں ۔

رسمی پریڈ کے لئے اسکول کے بچے قطار بنائے کھڑے ہیں ۔

چیف منسٹر سائنس نمائش دیکھ رہے ہیں ۔

62—6

ضلع کا خبر نامه

ضلع مشرقی گوداوری میں ۶ - نکاتی فارمولے کی عمل آوری

حکومت اور کوسٹل آندھرا پلاننگ اینڈ ڈیولپمنٹ کمیٹی کو اس بات سے گہری دلچسپی ہے کہ ۶ - نکاتی فارمولے کے تحت منظور کردہ پروگراموں کو فوقیت کی بنیاد پر روبہ عمل لایا جائے - چونکہ اس پروگرام کا مقصد پسماندہ طبقات کو ترقی دینا ہے چنانچہ ضلع مشرقی گوداوری میں تقریباً گذشتہ تین سال سے کئی اسکیمات کو جوش و خروش کے ساتھ روبہ عمل لایا جارہا ہے -

۷۵-۱۹۷۴ع سے شروع ہونے والے گذشتہ تین سال کے لئے ۶۲٫۶۹ لاکھ روپئے منظور کئے گئے تھے - اس رقم میں سے ۱۶٫۶۴ لاکھ روپئے اب تک دئے گئے - جن میں سے اکتوبر ۱۹۷۶ع کے ختم تک ضلع کے قبائلی اور پسماندہ علاقوں کے لئے شروع کردہ مختلف اسکیمات پر ۲۹٫۰۰ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے -

چھوٹی آبپاشی کے تحت یلیرو ڈیویژن میں ۳۰ ڈیم مکمل کرلئے گئے ہیں اور مزید ۱۰ ڈیم زیر تکمیل ہیں - اب تک تقریباً ۹ لاکھ روپئے خرچ کئے جا چکے ہیں - رمپاچوڈورم تعلقہ میں دیوریلی کے مقام پر آبی و زمینی ترقیاتی اسکیمات کے لئے ۱٫۵۰ لاکھ روپئے دئے گئے تھے - ضلع کے پسماندہ علاقوں میں اب تک ۱۷ بوروییل کی کھدوائی کی گئی جس پر ۳٫۶۳ لاکھ روپئے خرچ ہوئے -

۶ - نکاتی فارمولہ کے تحت ضلع کے لئے منظور کردہ فنڈز کا ۸۰ فیصد حصہ انیمل ہز بینڈری کے لئے مختص کیا گیا ہے- مویشیوں کے چارے کے لئے ۲۰ ہزار روپیے کی لاگت سے ایک اسکیم شروع کی گئی - موضع سنیکنڈلا پاڈو تعلقہ رمپاچوڈہ ورم میں اسی طرح کی ایک اور اسکیم پر عمل آوری کی جارہی ہے - بھیڑیں پالنے کی اسکیم کے تحت سال ۷۶-۱۹۷۵ع میں ایک لاکھ روپئے کی لاگت سے ۵۰۰ بھیڑیں خریدی گئیں جنہیں بھیڑیں پالنے والوں میں تقسیم کیا گیا - ۷۶-۱۹۷۵ع کے موازنے سے بھی اس طرح کی اسکیم کو روبہ عمل لایا جارہا ہے - حکومت نے ضلع کے ۶ مواضعات میں علاج حیوانات کے امدادی مراکز قائم کرنےکی منظوری دی ہے - بہت جلد یہ مراکز قائم کردئے جائیں گے -

اکتوبر ۱۹۷۶ع کے ختم تک ۳۳۰۶۳ روپیے کی لاگت سے ۱۱ باؤلیاں کھدوائی جا چکی ہیں - مزید ۱۷ باؤلیاں زیرتعمیر ہیں- دیہات کو برقی سربراہ کرنے کے لئے منظورکردہ ۶٫۹۵ لاکھ روپئے کی رقم سے اکتوبر ۱۹۷۶ع کے ختم تک ۳۱۵۱۹۳ روپئے خرچ کئے گئے مابقی رقم کو استعمال کرنے کے لئے مزید اسکیمات تیار کی جارہی ہیں -

موضع ماریڈ پلی (پہاڑی ایجنسی ایریا) میں کافی کے باغات لگانے کے لئے جملہ ۶٫۶۵ لاکھ روپیے مختص کئے گئے - اب تک ۳۲۸۹۷۵ روپئے خرچ کئے جا چکے ہیں - ۱۱۰ ایکر کے رقبے پر کافی کے باغات لگائے گئے ہیں -

اسیطرح موضع کونا میں کاجو کے درخت اگانے کی اسکیم پر عمل کیا جارہا ہے - نرسریوں اور مختلف افراد میں ۳۰۰۰ کاجو کے درخت تقسیم کئے گئے -

مواضعات روی کم پاڈو اور مراری میں حکومت نے دو پائپ سے پانی سربراہ کرنے کی اسکیم منظور کی تھی جسکو روبہ عمل لایا جارہا ہے موضع مراری میں صرف بجلی کی سربراہی کا کام مکمل ہونا باقی ہے - اڈاتیگلا - رمپا چوڈہ ورم اور نڑاولاپلی میں ۳٫۵۵ لاکھ روپئے کی لاگت سے محفوظ آبرسانی اسکیمات کو حکومت کی منظوری کا انتظار ہے -

سری کنڈلاپاڈو میں باغبانی کو فروغ دینے کے لئے حکومت نے ایک اسکیم منظور کی ہے جسکے لئے ۳۴ ہزار روپئے دئے گئے - ماریڈملی میں کوکو ڈیولپمنٹ فارم کو ترقی دینے کے لئے ایک اسکیم ۳۴ ہزار کی لاگت سے منظور کی گئی اسکے لئے رقم جاری کردی گئی یہ دونوں اسکیمیں زیر تعمیل ہیں -

اڈاتیگلا میں ناریل کی رسی تیار کرنے کی یونٹ قائم کی جارہی ہے اس ضمن میں ۰٫۹۳ ایکر زمین حاصل کی جاچکی ہے اور بلڈنگ کی تعمیر کے لئے آندھرا پردیش انڈسٹریل انفرا اسٹرکچر کارپوریشن کے حوالہ کردی گئی ہے- ۱۷۱۰۰ روپئے کی مشنری کی خریدی کے لئے آرڈر دیا جاچکا ہے -

بالور فائبر کوآپریٹیو سوسائیٹی توڈنگی کو ممبروں سے بالور فائبر خریدنے کے لئے ۱٫۰۵ لاکھ روپئے دئے گئے ہیں اور توٹا کنٹه میں خریدی کا مرکز کھولا گیا ہے -

تونی میں ملک چلنگ سنٹر کے قیام کی تجویز ہے ۔ تعمیری
م شروع کرنے کے لئے ٹینڈر حاصل کئے جارہے ہیں ۔

سری گنڈلاپاڈو میں خشک فصلوں کے ھائی برینڈ بیجوں
ے حصول کے لئے ایک اسکیم منظور کی گئی ہے جسکے لئے
۲ هزار روپیے دئے گئے ۔

آندھرا پردیش نشر میں کوآپریٹیو سوسائیٹی لیمٹیڈ کا کیناڈا
کو مستحکم بنانے کے لئے حکومت نے ۵۰ هزار روپئے کی منظوری
دی ہے ۔

متذکرہ تمام اسکیمیں پسماندہ طبقات کی بہبودی کے لئے
پسماندہ علاقوں میں شروع کی گئی ہیں اور یہ اسکیمیں
۶ ۔ نکاتی فارمولے کے تحت مختص کردہ موازنے کے ذریعے رو به
عمل لائی جارہی ہیں ۔

* * * *

سال ۱۹۷۵ء کا فلمی ایوارڈ

بہترین فلم	جیون جیوتی
دوسری بہترین فلم	موتیالاموگو
تیسری نمبر پر آنےوالی فلم	مسورگم یز نہم
بہترین کہانی	جیون جیوتی
دوسری بہترین کہانی	ماآوری گنگا

خبریں تصویروں میں
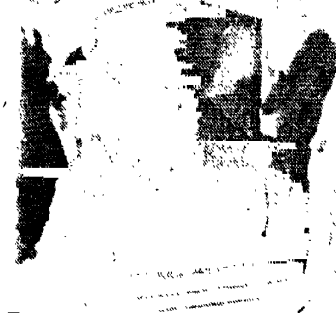
بائیں جانب اوپر: سری آر۔ ڈی۔ بھنڈارے نے ۔ جنوری کو تنالی میں راجندر پرشاد میموریل کلب کی جانب سے ۴ لاکھ روپے کی لاگت سے تعمیر کئے جانے والے ہسپتال کا سنگ بنیاد رکھا۔ معطلی سری کو ٹنی شوبا اور دوسرے افراد بھی تصویر میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

بائیں جانب درمیان میں: سری بی۔ رنگا ریڈی وزیر فینانس و اطلاعات گڈیواڈہ میں رائیس ملرز کانفرنس کے دوران ۴۔ جنوری کو تباہ شدہ دھان کی جانچ کر رہے ہیں۔

دائیں جانب اوپر: گورنر نے ۱۹۔ جنوری کو بھیمورم میں ڈی۔ این۔ آر کالج کے اکسٹنشن بلاک کا افتتاح کیا۔

دائیں جانب نیچے: سری سی۔ ایچ۔ وینکٹ راؤ وزیر عمارات و شوارع نے براپرگڈہ میں ۳۔ جنوری کو ویٹرنری ڈسپنسری کے ایک حصہ کا افتتاح کیا۔

بائیں جانب نیچے: وزیر فینانس و اطلاعات نے ۴۔ جنوری کو اوانی گڈہ میں کوآپریٹیو سوسائٹی کی عمارت کا افتتاح کیا۔

درج فہرست ذاتوں کی فلاح و بہبود

درج فہرست ذاتوں کی فلاح و بہبود ہمیشہ سے ہی حکومت کی خصوصی توجہ کا مرکز رہی ہے۔ پانچویں پنجسالہ منصوبے میں پسماندہ طبقات کے لئے ۳۲۶ کروڑ ۶ لاکھ روپیے کے جو مصارف رکھے گئے ہیں ان میں ۲۰۸ کروڑ ۱۲ لاکھ روپیے درج فہرست ذاتوں کی فلاح و بہبود سے متعلق اقدامات کے لئے مختص ہیں۔ ۷۵-۱۹۷۴ میں درج فہرست ذاتوں کی فلاح و بہبود سے متعلق پروگراموں کے لئے کل ۳۰ کروڑ ۷ لاکھ روپیے خرچ کئے گئے جن میں سے ۱۹ کروڑ ۱۷ لاکھ روپیے ریاستی شعبے میں اور ۱۰ کروڑ ۹۰ لاکھ روپیے مرکزی شعبے میں خرچ کئے گئے۔ ۷۶-۱۹۷۵ ع میں اس مقصد کے لئے کل ۳۶ کروڑ ۴۰ لاکھ روپیے خرچ کئے گئے جن میں سے ۱۴ کروڑ ۵۶ لاکھ روپیے مرکزی شعبے میں اور ۲۱ کروڑ ۸۴ لاکھ روپیے ریاستی شعبے میں خرچ کئے گئے۔ ۷۷-۱۹۷۶ ع میں اس مد کے لئے کل ۳۹ کروڑ ایک لاکھ روپیے کے مصارف منظور کئے گئے ہیں جن میں سے ۱۵ کروڑ ۳۴ لاکھ روپیے مرکزی شعبے میں اور ۲۳ کروڑ ۶۷ لاکھ روپیے ریاستی شعبے میں خرچ کئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ ریاستی بجٹ میں اس مقصد کے لئے تقریبا ۳۵ کروڑ روپیے کی رقم رکھی گئی ہے۔ اس طرح سال رواں میں درج فہرست ذاتوں کی فلاح و بہبود پر کل ۷۴ کروڑ روپیے کے مصارف ہوں گے۔

تعلیمی سہولیات

سب سے زیادہ زور ان طبقات کے لئے تعلیمی سہولیات کی بہم رسانی پر دیا گیا ہے۔ ان کے لئے جو متعدد تعلیمی پروگرام شروع کئے گئے ہیں ان میں میٹرک سے پہلے کی تعلیم کے لئے وظائف، ٹیوشن فیس اور امتحان کی فیس سے استثنا تعلیمی آلات کی فراہمی، دوپہر کے کھانے کا انتظام، اقامتی طرز کے اسکولوں کا قیام، ہوسٹلوں اور اسکولوں کی عمارتوں کی تعمیر کے لئے گرانٹوں کی منظوری جیسے اقدام شامل ہیں۔ تخمینہ ہے کہ پانچویں پنچسالہ منصوبے کے پہلے دو برسوں کے دوران درج فہرست ذاتوں اور قبیلوں کے تقریباً ۱۲ لاکھ طلبا کو مڈل اور ہائی اسکولوں میں تعلیم جاری رکھنے کے لئے وظائف اور دیگر تعلیمی ترغیبات دی گئیں۔ اس مدت میں لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لئے ۴۰۰ سے زیادہ ہوسٹل اور ۲۰۰ آشرم اسکول قائم کئے گئے ہیں۔ ان طبقات کے تقریباً ۲۰ ہزار نوجوانوں کو مختلف کاموں اور پیشوں کی تربیت بھی دی گئی ہے۔ ان تعلیمی ترغیبات کی بدولت پسماندہ طبقات میں تعلیم کے فروغ میں بڑی مدد ملی ہے اور تخمینہ ہے کہ درج فہرست ذاتوں کے تقریباً ایک کروڑ طلباء اس وقت اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔ درج فہرست ذاتوں میں خواندگی کی شرح جو ۱۹۶۱ ع میں ۱۰،۲۷ فیصد تھی بڑھکر ۱۹۷۱ ع میں ۱۴،۶۷ فیصد ہو گئی۔ اسطرح اس شرح میں کل ۴۳ فیصد کا اضافہ ہوا۔

ملک کی عام آبادی میں خواندگی کی شرح میں کل ۲۵ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۶۱ ع میں عام آبادی کیلئے خواندگی کی شرح ۲۱ فیصد تھی جو ۱۹۷۱ ع تک بڑھکر ۲۹ فیصد ہو گئی۔ اخراجات زندگی میں اضافے کے پیش نظر ۷۵-۱۹۷۴ ع میں درج فہرست ذاتوں کو دئے جانے والے وظائف کی شرحوں پرنظرثانی کی گئی اور وظائف کی رقوم میں مناسب اضافہ کیا گیا۔ اس اضافے کے باعث پانچویں پنجسالہ منصوبے میں مرکزی حکومت کے اس مد کے اخراجات میں مزید تقریبا ایک ارب روپیے کا اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ ریاستی بجٹ میں بھی اس اسکیم کے لئے ۷۷ کروڑ روپیے کی رقم مختص کی گئی ہے۔ اس طرح پانچویں پنجسالہ منصوبے میں درج فہرست ذاتوں کے طلباء کو دئے جانے والے وظائف کیلئے کل ۱۷۷ کروڑ روپیے خرچ کئے جائیں گے۔ میٹرک کے بعد کی تعلیم کے لئے وظائف کی اسکیم کے تحت درج فہرست ذاتوں کے طلباء کی تعداد ۷۰-۱۹۶۹ میں ایک لاکھ ۸۷ ہزار سے بڑھکر ۷۶-۱۹۷۵ ع میں تقریباً چار لاکھ تک پہنچ گئی۔

لڑکیوں کے ہوسٹلوں کی اسکیم کے تحت ملک بھر میں درج فہرست ذاتوں کی لڑکیوں کے لئے کل ۶۳۳ ہوسٹل قائم کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ۷۷-۱۹۷۶ ع میں بھی ان طبقات کی طالبات کے لئے مزید ایک سو ہوسٹل قائم کرنے کا منصوبہ ہے۔

امتحان سے پہلے تربیت

مرکزی حکومت نے درج فہرست ذاتوں اور قبیلوں کے طلباء کو آئی-اے-ایس، آئی-پی-ایس اور دوسرے کل ہند مقابلے

کے امتحانات میں کامیاب ہونے میں مدد دینے کیلئے چھ کل ہند مرکز قائم کئے ہیں جن میں ان طلباء کو امتحانات سے پہلے کی تربیت دی جاتی ہے۔ تخمینہ ہے کہ ان مرکزوں کے توسط سے ان طبقات کے ۵۰۰ سے زیادہ طلباء آئی۔اے۔اس، آئی۔پی۔ایس وغیرہ کے امتحانات میں منتخب ہوئے ہیں جن میں سے ایک سو طلبا کا تقرر گذشتہ دو برسوں کے درمیان عمل میں آیا ہے۔

اس طرح کے مرکز ریاستی سطح پر بھی قائم کئے گئے ہیں۔ ریاستی سطح پر اس قسم کے اب تک کل گیارہ مرکز قائم کئے گئے ہیں جو آندھرا پردیش، بہار، گجرات، ہریانہ، کیرالا، مدھیہ پردیش، کرناٹک، اڑیسہ، اتر پردیش، مغربی بنگال اور دلی میں واقع ہیں۔

رضاکارانہ تنظیموں کو امداد

مرکزی وزارت امور داخلہ کل ہند نوعیت کی رضاکارانہ تنظیموں کو امداد مہیا کرتی ہے تاکہ یہ تنظیمیں بھجن منڈلیوں فلموں کی نمائش وغیرہ کے ذریعے چھوا چھوت جیسی سماجی برائیوں کے خلاف رائے عامہ بیدار کرسکیں نیز پسماندہ طبقات کے بچوں کی تعلیم کے لئے اسکول، ہوسٹل اور تربیتی مراکز قائم کرسکیں۔ موجودہ مالی سال کے دوران اس مقصد کے لئے کل ۶۰ لاکھ روپیے مختص کئے گئے ہیں۔

وزارت امور داخلہ ان طبقات کے طلباء کو بیرونی ملکوں میں اعلی تعلیم لینے بھی وظائف مہیا کرتی ہے۔ یہ اسکیم ۱۹۵۴-۵۵ع میں شروع کی گئی تھی۔ اس وقت سے لیکر اب تک اس اسکیم کے تحت کل ۲۱۸ امیدواروں کو بیرونی ملکوں کی یونیورسٹیوں میں پڑھنے کے لئے بھیجا جا چکا ہے۔

زراعتی زمین کی تقسیم

ریاستی حکومتوں نے درج فہرست ذاتوں اور قبیلوں کو کھیتی باڑی کے لئے ترجیحی بنیاد پر زمین تقسیم کرنے کی غرض سے ضابطے وضع کئے ہیں۔ ان ضابطوں کے مطابق ریاستی حکومتوں کے پاس دستیاب فاضل زمین کا کچھ حصہ ان طبقات کے لئے مخصوص کردیا گیا ہے۔ زمین کی حد ملکیت سے متعلق قوانین پر عملدرآمد کے نتیجے میں ۳۰ نومبر ۱۹۷۶ع تک درج فہرست ذاتوں کے ۲,۲۵,۲۶۵ خاندانوں کو کل ۱,۷۱,۱۳۶ ایکڑ زمین تقسیم کی جا چکی ہے۔ ان خاندانوں کو کھیتی کے جدید طریقوں کے استعمال کی تربیت بھی دی جاتی ہے اور ان کو جدید زراعتی آلات، اچھے بیج، کیمیاوی کھادیں وغیرہ بھی فراہم کی جاتی ہیں۔ کچھ ریاستی سرکاروں نے تو ان خاندانوں کو رعایتی شرحوں پر دودھار مویشی اور مرغیاں وغیرہ بھی فراہم کی ہیں۔

چھوٹی صنعتیں

درج فہرست ذاتوں سے تعلق رکھنے والے دستکاروں اور کاریگروں کو مالی امداد بھی دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے پیشے اور کاروبار کو فروغ دے سکیں اور چھوٹے پیمانے کی صنعتیں قائم کرسکیں۔ ان کو خرید و فروخت کی سہولیات کے علاوہ تکنیکی رہنمائی بھی مہیا کی جاتی ہے۔ ان ذاتوں کے لوگوں کو رسیاں بنانے، ٹوکریاں بنانے، جوتے چپل وغیرہ بنانے، درزی کے کام وغیرہ کی تربیت بھی دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنا روزگار خود حاصل کرسکیں۔ تربیت مکمل کرنے کے بعد ان کو بغیر سود کے قرض بھی دئے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنا کاروبار شروع کرسکیں۔

ریزرو بینک نے قومیائے گئے تمام بنکوں کو ہدایت کی ہے کہ درج فہرست ذاتوں کے افراد کو رعایتی شرح سود پر قرضے مہیا کئے جائیں۔ تخمینہ ہے کہ ۱۹۷۵-۷۶ع میں گھریلو صنعتیں شروع کرنے کے لئے درج فہرست ذاتوں کے ۱۵ ہزار سے زیادہ خاندانوں کو مالی امداد مہیا کی گئی ہے۔ ملک کی مختلف ریاستوں کو اور مرکز کے زیر انتظام علاقوں میں کل ۳۶۶ صنعتی تربیتی مراکز ہیں جن میں درج فہرست ذاتوں کے امیدواروں کے لئے سیٹیں مخصوص کردی گئی ہیں۔ ۱۹۷۵-۷۶ع میں ان صنعتی تربیتی مراکز میں درج فہرست ذاتوں کے کل ۱۰۳۵۰ امیدوار تربیت حاصل کررہے تھے۔

تعمیر مکانات اور مکانات کے لئے جگہوں کی تقسیم

پانچویں پنجسالہ منصوبے میں درج فہرست ذاتوں کے لوگوں کے لئے تعمیر مکانات اور مکانات کے لئے جگہوں کی نسبت پر زیادہ توجہ دی جارہی ہے۔ دیہی علاقوں میں بے زمین مزدوروں کو تعمیر مکانات کے لئے جگہیں دینے کی ایک خصوصی اسکیم شروع کی گئی ہے۔ تخمینہ ہے کہ ۳۰ نومبر ۱۹۷۶ع تک اس اسکیم کے تحت کل ۷۰ لاکھ ۸۱ ہزار بے زمین مزدوروں کو تعمیر مکانات کے لئے مفت جگہیں مہیا کی گئی ہیں۔ ان میں سے زیادہ جگہیں درج فہرست ذاتوں اور قبیلوں کے افراد کو دی گئی ہیں۔ پانچویں پنجسالہ منصوبے میں پسماندہ طبقات کے لئے تعمیر مکانات کے متعدد سماجی پروگراموں کے تحت کل ۲,۵۰,۲۰۶ مکانات تعمیر کرنے کی تجویز ہے جن پر کل ۵۳ کروڑ ۸۲ لاکھ روپیے کی لاگت آنے کا تخمینہ ہے۔ درج فہرست ذاتوں کے افراد کو مکانات کی تعمیر کی لاگت کے ۷۵ فیصد کی حد تک امداد بھی دی جاتی ہے۔ ان ذاتوں کے

لئے آندھرا پردیش ، راجستھان ،کرناٹک ، تامل ناڈو ، اور کئی دیگر ریاستوں میں ہاؤزنگ کارپوریشنیں بھی قائم کی گئی ہیں جو بڑے پیمانے پر مکانات کی تعمیر میں مصروف ہیں -

پانچویں پنجسالہ منصوبے میں نئی حکمت عملی

پانچویں پنجسالہ منصوبے میں پسماندہ طبقات کی تیز رفتار ترقی کے لئے ایک نئی حکمت عملی وضع کی گئی ہے جس میں عام سیکٹر کے رول کو خاص اہمیت دی گئی ہے - اس حکمت عملی کے مطابق عام سیکٹر کو درج فہرست ذاتوں اور قبیلوں کے افراد کے لئے فوائد کی فراہمی کا خاص ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور پسماندہ طبقات کی فلاح و بہبود سے متعلق محکمہ کو ایک ضمنی حیثیت دی گئی ہے - مرکزی وزارت امور داخلہ اور ہریجنوں اور قبائل کی فلاح و بہبود سے متعلق ریاستی محکمے ایک دوسرے کے ساتھ سرگرم تعاون کررہے ہیں تاکہ عام سیکٹر کا محکمہ ان پسماندہ طبقات سے متعلق فلاحی اسکیموں کی نشاندھی کرسکے اور ان کے لئے مناسب رقوم کی تخصیص کرسکے - اب تک آندھرا پردیش ، مدھیہ پردیش اور تامل ناڈو نے درج فہرست ذاتوں کی فلاح کے لئے اپنے عام سیکٹر کے پروگراموں سے علحدہ رقوم مختص کی ہیں -

۲۰ - نکاتی اقتصادی پروگرام

وزیر اعظم شریمتی اندراگاندھی نے جولائی ۱۹۷۵ء میں بیس نکاتی اقتصادی پروگرام کا اعلان کیا جس کا مقصد ملک کی ترقی کی رفتار کو تیز کرنا اور معاشرے کے کمزور طبقات کے معیار زندگی کو بہتر بنانا ہے - اس پروگرام سے بالخصوص درج فہرست ذاتوں اور قبیلوں کو بہت فائدہ پہنچا ہے - اس پروگرام کے جن نکات کا پسماندہ طبقات کے افراد سے براہ راست تعلق ہے ان میں غریبوں میں فاضل زمین کی تقسیم ، بے زمین افراد کو تعمیر مکانات کے لئے جگہوں کی بہم رسانی ، بیگار کا خاتمہ ، دیہی قرضے کی لعنت کی بیخ کنی ، زرعی مزدوروں کے لئے اجرتوں کا تعین ، ہتھہ کرگھے کی صنعت کی ترقی ، ہوسٹلوں میں طلباء کے لئے کنٹرول شدہ قیمت پر اشیائے ضروریہ کی فراہمی، نئی اپرنٹیس شپ اسکیم ، طلباء کے لئے کنٹرول شدہ شرح پر کتابوں اور لکھنے پڑھنے کی دیگر چیزوں کی فراہمی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں -

* * * * *

ہندوستان کے چیف جسٹس مرزا حمیداللہ بیگ نے ۱۱-فروری سنہ۷۷ء کو راشٹر پتی بھون نئی دھلی میں شری - بی - ڈی - جتی کو کارگذار صدر جمہوریہ کی حیثیت سے حلف دیا -

ڈاکٹر اے ۔ راماچندرن

بے کار اشیاء کا دوبارہ استعمال ۔ وقت کی اہم ضرورت

بیکار اشیاءٔ کو دوبارہ استعمال میں لانے کا شعبہ ایک ایسا شعبہ ہے جس میں سائنس اور ٹکنالوجی کے محکمہ نے اپنے سائنس دانوں اور تکنیکی ماہروں کی خدمات کو بروئے کار لا کر ملک بھر میں اطلاعات ومعلومات کا ایک وسیع ذخیرہ تیار کیا ہے ۔

یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ان ٹکنالوجیوں اور پیداواری سرگرمیوں کے متبادل تلاش کرنے کی بجائے جو اتنی کثیر مقدار میں بیکار اشیاءٔ کا موجب بنتی ہیں ، زیادہ وقت روپیہ اور تحقیقی کوششیں بیکار اشیاءٔ کو دوبارہ کارآمد بنانے پر صرف کی جارہی ہیں ۔ جہاں تک صنعتوں کا تعلق ہے ترقی یافتہ ملکوں نے صنعتی شعبے میں بیکار اشیاءٔ کی افراط کو دوسری عالمی جنگ سے قبل کی صنعتی ترقی سے منسوب کیا ہے۔ اپنی معیشت کو فروغ دینے کے جذبے سے سرشار ترقی یافتہ ممالک نے یہ نہیں دیکھا کہ ترقی کی کوئی حد بھی ہے بالخصوص ارزاں اور کثیر مقدار میں دستیاب خام اشیاءٔ کی فراوانی کے پیش نظر جن میں ایندھن بھی شامل ہے ان کے اس خیال کو اور بھی تقویت ملی۔ لہذا اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ بڑی صنعتوں میں وضع کردہ ٹکنالوجیاں جن میں آج بھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے ، خام اشیاءٔ کے استعمال میں خاص تضیع کی باعث ہیں ۔

بھارت جیسے ترقی پذیر ملک نے اپنی کثیر اور تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ترقی یافتہ ملکوں سے ایسی ٹکنالوجیاں بڑے پیمانے پر درآمد کی ہیں۔ اگر ہم " اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت ،، کے محاورے کو اپنے اوپر صادق آنے دینا نہیں چاہتے تو ہمیں اپنی آئندہ پالیسیوں کی تشکیل و ترتیب میں ماضی سے سبق لینا چاہئے سب سے پہلی بات تو یہ کہ نام نہاد " بیکار اشیاءٔ ،، کو ایک ایسا گرانقدر وسیلہ تصور کیا جانا چاہئے جو عارضی طور بر استعمال کے لائق نہ ہو ۔

چین میں سگریٹوں کے ادھ جلے ٹکڑوں کو جمع کر کے ان سے جو نکوٹن حاصل کیا جاتا ہے اسے ۱۰ لاکھ ایکڑ زمین میں استعمال کیا جاتا ہے ۔ حتی کہ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں بھی اس طرح کی بیکار اشیاءٔ سے بھر پور فائدہ اٹھا یا جاتا ہے ۔ شمالی امریکہ کے تقریباً ۳۰ شہروں میں کوڑے کو انرجی کے ایک وسیلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ بہت سے ملکوں میں بیکار اشیاءٔ کے دوبارہ استعمال سے وٹامن بی ۔ ۱۲ ، انسولن وغیرہ جیسی طبی اور قوت بخش چیزیں بھی تیار کی جاتی ہیں ۔

ہم تضیع کی دنیا میں رہتے ہیں ۔ ہماری وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی گزشتہ کئی برسوں سے طرز زندگی کے اس منفی پہلو سے پرہیز کرنے پر زور دیتی رہی ہیں لیکن ان کی اس تلقین کے باوجود ہم ہنوز تضیع سے بھرے ہوئے معاشرے میں رہ رہے ہیں۔ہم امیر قوموں کی تضیع پسندی اور اشیاءٔ کو ضائع کرنے کی عادات پر انگلی اٹھانے کے لئے تو ہمیشہ تیار رہتے ہیں مگر خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتے ۔ ہوٹلوں اور دعوتوں وغیرہ میں خوراک کی جو تضیع ہوتی ہے اسے ملک میں پھیلی ہوئی غریبی کے پیش نظر ایک سنگین جرم قرار دیا جا سکتا ہے ۔ ایمرجنسی سے پہلے اس طرح ضائع ہونے والی خوراک کا ایک تخمینہ لگایا گیا تھا ۔ جس کے مطابق ہر سال ہم اتنی خوراک کوڑے میں پھینک دیتے ہیں جس سے پانچ کروڑ لوگوں کو کھانا کھلا یا جا سکتا ہے ۔

گھروں ، دفتروں، دکانوں، اسکولوں، کالجوں، کارخانوں ریلوے اسٹیشنوں ریل گاڑیوں وغیرہ میں جس اندھادھند طریقے سے ہم بجلی استعمال کرتے ہیں وہ ایک بہت بڑی تضیع ہے ۔ ہر جگہ ہم لائٹ اور پنکھوں کو یوں ہی کھلا چھوڑ دیتے ہیں یہی سلوک ہم پانی کے نلوں کے ساتھ بھی کرتے ہیں۔ یا تو ہم نل کو یوں ہی کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔ یا اگر ان میں کوئی خرابی ہے تو اس کی طرف توجہ نہیں دیتے ۔ اپنے غیر منظم شعبے کی اسی تضیع کے پس منظر میں بھی ہمیں صنعتی اور دوسرے شعبے کی تضیع کو بھی دیکھنا چاہئے ۔

بھارت جیسے ملک میں ہم صنعتی شعبے سے حاصل ہونے والی بیکار اشیاءٔ کو ایک گرانقدر وسیلہ تصور کرنے سے گریز نہیں کرسکتے۔ بیشتر خام صنعتی اشیاءٔ کی قلت اور آئندہ ضروریات میں اضافہ نیز موجودہ وسائل میں تیزی سے ہوتی ہوئی تخفیف کے پیش نظر موجودہ وسائل کے موثر استعمال ، انکی نقل و حمل اور تبدیلئی ہیئت کا عمل ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے

اعراج احمد جلیلی (ایم - اے)

حضرت امجد اور انکی نظم نگاری

کسی بھی فن‌کار کے فن کا جائزہ لینے سے پہلے اسکی سوانح حیات پر نظر ڈالنا ضروری ہوتا ہے -

محمد قلی قطب شاہ کے شہر حیدرآباد کی تاریخی عمارت چار مینار سے کچھ فاصلے پر موسی ندی کے کنارے واقع ایک محلہ چمپا دروازہ کی ایک گلی '' چار محل،، کی خاک میں حضرت امجد ایک غریب ماں کے بطن سے پیدا ہوئے - بچپن ھی میں والد کا انتقال ہوگیا - آپکی والدہ محترمہ انتہائی صابر اور علم کی دلدادہ ہستی تھیں - بار بار آپ سے فرماتیں - '' بیٹا اگر جینا ہو تو کچھ ہوکر جیو ورنہ مرجاؤ ،، -

امجد صاحب بیان کرتے ہیں کہ '' ایک روز ہمارے دروازے کے سامنے کہاروں کے کندھوں پر پالکی میں کوئی امیر سوار جارہے تھے - پالکی پکڑے ہوئے ایک آدمی بھی ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا - والدہ نے ہم کو بلا کر دکھلایا اور کہا دیکھو اور اچھی طرح سمجھو - ایک آدمی سوار ہے ایک پیدل پاؤں - بتاؤ ان دونوں میں سے تم کو کس کی زندگی پسند ہے - ہم نے کہا پالکی سوار کی - والدہ نے کہا ایسی زندگی تو بغیر علم کے کسی کو نصیب نہیں ہوسکتی - اگر نہ پڑھوگے تو اس دوسرے آدمی کی طرح پالکی کے ساتھ دوڑنا ہوگا -

اس بیش بہا مثال نے آنکے دل پر گہرا اثر کیا اور آئندہ کھیلنے سے توبہ کرکے آپ نے پڑھنے لکھنے کا عہد کرلیا- چنانچہ آپکے تحصیل علم کا شوق اس واقعہ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سناد الملک آغا شوستری کے گھر جو تقریباً آٹھ میل دور واقع تھا درس حاصل کرنے روزانہ پیدل جاتے تھے -

حضرت امجد کی نشو و نما جس ماحول میں ہوئی وہ نمائش و آرائش ، دولت و ثروت اور جاہ و جلال سے کوسوں دور تھا - آپ نہ تو کوئی نواب تھے اور نہ کوئی جنگ بہادر - بلکہ صحیح معنوں میں وہ ایک عام انسان تھے جو شہر کی گھٹی گھٹی سی فضا میں سانس لے رہے تھے -

کچھ دنوں کے لئے آپ بنگلور بھی گئے تھے لیکن جلدھی ماں کی محبت نے آپ کو دوبارہ کھینچ لیا - حضرت امجد حیدرآبادی کی زندگی کا سب سے عظیم اور ناقابل فراموش سانحہ موسی‌ندی کی طغیانی تھی - سنہ ۱۹۰۸ع میں رود موسی کی جو قیامت‌خیز طغیانی ہوئی‌تھی وہ شہرحیدرآباد‌کا ایک انتہائی المناک واقعہ ہے- کیونکہ امجد صاحب کا مکان بھی ندی کے قریب جہاں آجکل سٹی‌کالج کی عمارت ہے واقع تھا اس لئے پانی کی زد میں آکر اسکا نام و نشان تک باقی نہ رہا - امجد صاحب مع اپنی بیگم ، دختر اور والدہ کے پانی میں بہنے لگے - تینوں کو تو موجوں نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا صرف ذات امجد اس طوفان بلا سے بچ گئی -

موسی ندی‌کی طغیانی کے بعد آپ درگاہ شاہ خاموش صاحب کے سجادہ کے گھر مقیم رہے - سجادہ سید شاہ صابر حسینی کی تعلیم و تربیت سے آپ کو تصوف سے مناسبت پیدا ہوگئی - خاندان کی تباھی کے کئی سال بعد تک آپ نے دوسرا بیاہ نہیں کیا - اسکے بعد مولانا سید نادر الدین کی دختر جمال‌النساء بیگم سے عقد ہوا انکے ساتھ آپکی ازدواجی زندگی کافی پرلطف گذر رہی تھی- دونوں ملکر حج کے لئے بھی گئے - '' حج امجد ،، میں آپ نے دلچسپ اور دل‌کش انداز میں اپنے سفر کا حال لکھا ہے- واپسئی حج کے کچھ عرصہ بعد دکھوں کا سیلاب جو کچھ عرصہ کے لئے تھم گیا تھا پھر امڈ پڑا اور جمال‌النساء بیگم کا انتقال ہوگیا - موسی ندی کے واقعہ کی طرح یہ سانحہ بھی امجد صاحب کے لئے انتہائی دردناک ثابت ہوا -

امجد کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو ھمیں تین امور خاص طور پر نظر آتے ہیں - پہلی تنگدستی اور غربت دوسری چیز غم و الم اور آپ کی زندگی پر اثر انداز ہونے والی تیسری شے تصوف ہے - آپکی نظموں پر غور کیا جائے تو ھمیں یہی تینوں امور آپکی شاعری میں نمایاں نظر آتے ہیں - اسکے علاوہ سب سے بڑا عنصر انسانیت کی آواز ہے جو امجد کے کلام میں صحیح طور پر سنائی دیتی ہے -

یہ ایک حقیقت ہے کہ حکیم‌الشعراء حضرت امجد حیدرآبادی اردو کے سب سے بڑے رباعی گو شاعر ہیں - لیکن ھمیں یہاں انہیں بحیثیت نظم نگار شاعر کے دیکھنا ہے - امجد کی نظم نگاری

پر بحث کرنے سے پہلے یہ بیان کردینا ضروری ہوتا ہے کہ شاعری صرف جذبات کی ترجمانی نہیں بلکہ ایک فن صناعی بھی ہے ۔ شاعر الفاظ کی مدد سے اپنے حسیات و تخیلات ، ولولوں اور امنگوں اور اپنے تجربات زندگی کو ایک تعمیری عمل کی صورت میں پیش کرتا ہے ۔ چنانچہ یہ تعمیری عمل امجد کی نظموں کا سب سے نمایاں پہلو ہوتا ہے ۔

ہر ادیب یا شاعر کا اپنا علاحدہ ایک نظریہ ادب ہونا ہے وہ اسی نظریہ کے مطابق اپنی تخلیقات کرتا ہے جو نظریہ حقیقت سے جتنا قریب ہوگا اتنا ھی وہ زندہ اور پائیدار ہوگا ۔ شاعری کے بارے میں امجد صاحب کے جو تصورات تھے وہ خود انکی شاعری پر صادق آتے ھیں ۔ وہ اس نظریہ پر عقیدہ رکھتے تھے کہ اردو شاعری کو اچھی باتیں اپنانا اور بری باتوں کو چھوڑ دینا چاھیئے اسے صداقت ، خلوص اور سادگی سے قریب تر ہونا چاھیئے اور جھوٹ ، مبالغہ ،لفظی شعبدہ بازی اور تصنع و تکلف سے دور رھنا چاھیئے اور اسے ظاھری یا خیالی حسن پر فریفتہ اور عشق میں مبتلا ہونے کی بجائے حقیقی اور فطری حسن و جمال کا شیدائی ہونا چاھئے ۔ آپکی زیادہ تر نظمیں مذہبی نوعیت کی ھیں اور آپ نے مذھبی شاعری میں ریاکاری سے کام نہیں بلکہ سچائی کے ساتھ دل پر جوگذری اس کو بیان کیا ۔ یہی صداقت ، خلوص اور سادگی ان سب کا مخلصانہ اظہار و ابلاغ ان کے نظریہ شاعری کی روح ہے ۔

یہ سچ ہے کہ حالی نے نظم نگاری قوم کو بیدار کرنے کے لئے شروع کی تھی ۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نثر کے مقابلے میں نظم کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور انہیں اس بات کا کامل یقین تھا کہ قوم کی ترقی و تعمیر میں شاعری کا نہایت اہم حصہ رہا ہے ۔

حضرت امجد کی نظموں میں بھی یہ طریقہ کار فرما ہے ۔ آپ کی نظمیں فن کا مکمل نمونہ ھیں اور وہ ان گہرے شعور اور سماجی بصیرت کا آئینہ ھیں ۔ ان کے زمانے میں مغربی تعلیم اور تہذیب کے اثر سے نئے نئے مسائل پیدا ہورہے تھے ۔ کشمکش کا دور تھا ۔ انہوں نے تمام مسائل کی اہمیت کو محسوس کیا ۔ اور اپنی نظموں میں ان کا بیان کیا ۔ نظیر اکبر آبادی کی طرح امجد کی نظموں میں سچائی واقعہ نگاری اور حقیقت پسندی موجود ہے ۔ فنی اعتبار سے بھی امجد صاحب کی نظمیں منفرد ھیں ان میں تاثر ، شعریت اور موزونیت کی کمی نہیں ۔ زبان کا جادو اور بیان کی خوبی ان دونوں کے باھمی امتزاج سے جو اثرات دلوں پر مرتب ہوتے ھیں وہ ان سے بخوبی واقف ھیں ۔

حضرت امجد کی نظموں میں حالی کا فن اور ان کا شعری نظریہ اپنے عروج پر ہے ۔ ان نظموں میں صداقت ، وسعت ، جامعیت اور سادگی سب کچھ ہے ۔ یہ نظمیں ادبی اعتبار سے بھی اردو میں کم مرتبہ کی نہیں ھیں ۔ آپکی نظمیں محض وقتی نہیں ھیں ۔ اور جن اغراض و مقاصد کے لئے یہ نظمیں لکھی گئی ھیں وہ بذات خود نہایت اہم اور مستقل ھیں ۔ حضرت امجد کی نظموں میں سادگی ، روانی ، تسلسل ، ہمواری یکسانیت موجود ہے ۔ منظر نگاری ، واقعہ نگاری ، سیرت نگاری ، فلسفہ اخلاق ، وسعت نظر، صداقت پسندی اور جذبہ ہمدردی نے کلام میں خاصی دلکشی پیدا کردی ہے ۔ عام طور پر سادگی ، نازک خیالی اور تاثیر یہ تین امور ایک عمدہ نظم کے لئے ضروری خیال کئے جاتے ھیں ۔ حضرت امجد کی نظمیں ان تینوں امور سے معمور ھیں ۔

واقعہ نگاری ، نظم نگاری کی ایک اہم خصوصیت ہے ۔ یوں تو حضرت امجد کی بیشتر نظمیں واقعہ نگاری سے متعلق ھیں ۔ مگر '' قیامت صغری ،، '' فنیل جفا ،، اور ''ایک بیکس کا خواب،، واقعہ نگاری کی بہترین مثالیں ھیں ۔

رود موسی کی قیامت آفرین طغیانی دکن کی تاریخ میں تو ہمیشہ یاد گار رھیگی لیکن اس طغیانی نے امجد صاحب کے صفحہ دل پر جو رنج و الم کا داغ لگایا تھا وہ ناقابل فراموش تھا ۔ دوستوں کی فرمائش پر اس ہولناک واقعہ کے متعلق امجد صاحب نے ایک نظم '' قیامت صغری ،، کے عنوان سے قلمبند کی ہے ۔ اس نظم کے تعلق سے واقعہ مشہور ہے کہ امجد صاحب کے ایک دوست یہ نظم پڑھ رہے تھے رات کا وقت تھا ۔ پڑھتے پڑھتے اچانک ان پر یہ حالت طاری ہوئی گویا طوفان کا وھی سماں انکے سامنے قائم ہوگیا ۔ بھاگ دوڑ مچی ہوئی ہے ۔ اس ھلچل میں ان پر ایسی بدحواسی چھائی کہ پلنگ سے بے اختیار اٹھ کر اس چارپائی کی جانب دوڑے جہاں انکی بچی سوئی ہوئی تھی ۔ وہ بار بار بچی کے چہرے کو یہ سوچتے ہوئے دیکھنے لگے کہ خدا نے بڑا فضل کیا کہ طوفان کے ریلے میں بہہ جانے سے بچ گئی ۔ اس واقعہ سے حضرت امجد کی واقعہ نگاری کی صداقت پسندی کا بھر پور اظہار ہوتا ہے ۔ اس نظم کا ھر شعر سوز و گداز سے بھر پور درد و الم کا ایک دریا ہے ۔ اس قیامت خیز رات کا نقشہ امجد نے اسطرح کھینچا ہے ۔

وہ رات کا سناٹا وہ گھنگور گھٹائیں
بارش کی لگاتار جھڑی سرد ہوائیں

گرنا وہ مکانوں کا وہ چیخوں کی صدائیں
وہ مانگنا ھر ایک کا رو رو کے دعائیں

پانی کا وہ زور اور وہ دریا کی روانی
پتھر کا کلیجہ ہو جیسے دیکھ کے پانی

تاریکی میں دریا نے اک اندھیر مچایا
سیلاب فنا بن کے کیا سب کا صفایا

آج سے کئی برس پہلے کلکتہ میں ایک افسوس ناک حادثہ ہوا تھا ۔ عام طور پر بنگال میں رواج تھا کہ شادی کے وقت دلہن والوں کی جانب سے ایک بڑی رقم دولھا کو دی جاتی۔ دولھا والے بڑی بڑی رقموں کا مطالبہ کرتے تھے ۔ دولھن کے غریب ماں باپ کو اس سے بڑی پریشانی ہوتی تھی ایک غریب مگر تعلیم یافتہ خاتون اسنو ہیلتا تھی اسکو اپنے والدین کی فکر اور پریشانی نے اس بات پر مجبور کردیا کہ اپنی جان دیکر ان کو پریشانی سے آزاد کرادے ۔ چنانچہ ایک دن اس نے اپنے آپ کو جلاکر خاتمہ کرلیا ۔

یہ رسم آج بھی گھوڑے جوڑے کی رقم کے نام سے موجود ہے۔ اس لعنت کے سبب کتنی ہی لڑکیوں کی شادیاں رکی ہوئی ہیں ۔ کتنے ہی ماں باپ کی آنکھوں کو نیند اور دن کا چین حرام ہوگیا ہے ۔ آج کے کم سے کم تعلیم یافتہ نوجوانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس رسم کو ختم کرنے کی کوشش کریں ورنہ ، نہ جانے کتنی لڑکیاں اسنو ہیلتا کی طرح اپنی جانیں گنوادیں ۔

حضرت امجد نے بنگال کے اس دردناک واقعہ کو '' قتیل جفا اسنو ہیلتا ،، کے نام سے نظم بند کیا ہے ۔ نظم انتہائی سبق آموز اور دردناک انداز میں لکھی گئی ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو۔

سر پر روغن ڈال کر جلنے لگی
شمع تھی کافور کی گلنے لگی
زندگی کی دو پہر ڈھلنے لگی
ہاتھ غم سے موت بھی ملنے لگی
ہوئی جل بھن کے ٹھنڈی شعلہ نام
چاند سی صورت ہوئی آخر تمام

وصف نگاری حضرت امجد کی نظموں کی ایک اور خصوصیت ہے۔ اس موضوع پر آپکی نظمیں '' میری قمری ،، '' ماں اور بچی ،، اور '' یتیم کی دعا ،، وغیرہ اس قسم کی نظمیں ہیں جن سے حضرت امجد کی وصف نگاری ظاہر ہوتی ہے ۔ نظم '' میری قمری ،، میں آپ اپنی قمری کے وصف کا اظہار اسطرح کرتے ہیں ۔

ہم نے قمری عجب پالی ہے ۔ مظہر نغمہ بلالی ہے
کیا ہی نازوں سے اس کو پالا ہے ۔ قفس نقرئی میں ڈالا ہے
قمریاں یوں تو دیکھی بھالی ہیں ۔ اسکی باتیں مگر نرالی ہیں
گیت توحید کا سناتی ہے ۔ راہ حق کی طرف بلاتی ہے

تصوف حضرت امجد کی نظموں کا ایک خاص رنگ ہے۔ ہمارے قدیم شعراء میں حضرت مظہر ، خواجہ درد ، شاہ سراج اورنگ آبادی اور شاہ ندیم اللہ بیجاپوری وغیرہ کی شاعری عشق حقیقی اور تصوف کا مظہر ہے ۔

موجودہ دور کے شعراء میں بہت کم ایسے ہیں جن کے کلام میں عشق حقیقی کا صحیح طور پر جلوہ نظر آتا ہو۔

حضرت امجد نہ صرف ایک صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے بلکہ خود بھی ایک بلند مرتبہ صوفی تھے ۔ آپ کا کلام قال نہیں حال ہے ۔ آورد نہیں بلکہ آمد ہے ۔ قدیم شاعروں نے عموماً غزلوں میں اس عنوان پر طبع آزمائی فرمائی ہے مگر حضرت امجد کی مختلف نظمیں اس عنوان کے تحت آتی ہیں ۔ '' ریاض امجد ،، حصہ اول کی وہ نظمیں جو اس عنوان کے تحت آتی ہیں انکے عنوانات ہیں ۔ صدائے درویش ، دربار خواجہ ، جوش رحمت ، فریاد مجنوں ، مجلس سماع وغیرہ ۔

'' ریاض امجد ،، حصہ دوم کی زیادہ تر نظمیں صوفیانہ رنگ میں رنگی ہوئی ہیں ۔ نظم '' کوئلہ بھئی نہ راکھ ،، کا نمونہ پیش ہے ۔

نہ نکلنے پائے اک دن دیدۂ عبرت نما میرے
جوانی جا چکی اب روبہ پیری ہیں قویٰ میرے
نہ سمجھا آج تک میں کیوں بنا ہوں اے خدا میرے
جہاں کا ذرہ ذرہ کارآمد ہے سوا میرے
لکڑی جل کوئلہ بھئی اور کوئلہ بھئی راکھ
میں پاپن ایسی جلی نہ کوئلہ بھئی نہ راکھ

'' خرقہ امجد ،، کی تمام تر نظمیں صوفیانہ ہیں ۔ ہر ایک الگ جداگانہ عنوان پر لکھی گئی ہیں۔ اکثر عنوان ، قرآن شریف کی کسی آیت کو قرار دیا گیا ہے ۔

حضرت امجد حیدرآبادی کی نظم نگاری کی ایک اور خوبی اخلاقی نظمیں ہیں۔ مولانا حالی، شبلی نعمانی ، اور محمد حسین آزاد وغیرہ نے بھی اخلاقی نظمیں لکھی ہیں ۔ ان ہی کی طرح امجد نے بھی اخلاقی نظمیں لکھی ہیں اور اپنی ان نظموں کے ذریعہ قوم کو درس اخلاق دیا ہے ۔

آپکی اخلاقی نظموں کے چند شعر درج ذیل ہیں ۔

کبھی میراث پر نظر نہ کرو
علم تم کو کرے گا دولت مند

خشک ٹکڑا بس ہے کھانے کو اگر نعمت نہیں
تنگ دستو ، تنگ دل کیوں ہو اگر وسعت نہیں

دولت علم کو زوال نہیں
مال و دولت کو ہیں ہزار گریز

کملی والو ! مرر ہے ہو کیوں دوشالے کے لئے
ہے جو کچھ وہ بھی بہت ہے مرنےوالے کے لئے

امجد صاحب کی نظموں میں میر کا سا درد اور سوز و گداز، خواجہ درد کا سا تصوف اور حالی کا سا خلوص موجود ہے ۔ آپ کی نظموں کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آپ کا کلام جہاں سراپا سوز و گداز درد و الم سے بھرا ہوا ہے ۔ وہاں اخلاق اور فلسفہ کے گرانقدر نکتوں اور تصوف کے بیش بہا نگینوں سے بھی جڑا ہوا ہے ۔

آپکی نظموں کی صفائی، سادگی اور عام فہمی قابل داد ہے مشکل سے مشکل تصوف اور فلسفہ کے اہم مسائل کو جس طرح صاف اور واضح الفاظ میں آپ ادا کرتے ہیں وہ قابل تعریف ہے اور پھر یہ کہ آپ کی نظمیں حقیقی جذبات اور خیالات کا آئینہ ہیں ۔

غرض امجد صاحب نے نظمیں لکھیں اور خوب لکھیں ۔ نظم نگاری میں آپ نے زبان و بیان اور فن کا پاس رکھا اور مختلف موضوعات پر طبع آزمائی فرمائی ہے ۔

* * * *

(ڈسپلن سے قوم طاقتور بنتی ہے)

ترقی کی نئی حدیں

۲۰ - نکاتی پروگرام کی کامیابی کی بدولت ریاست
آندھرا پردیش میں عوام کو روزگار کی نئی سہولتیں مہیا ہوئیں
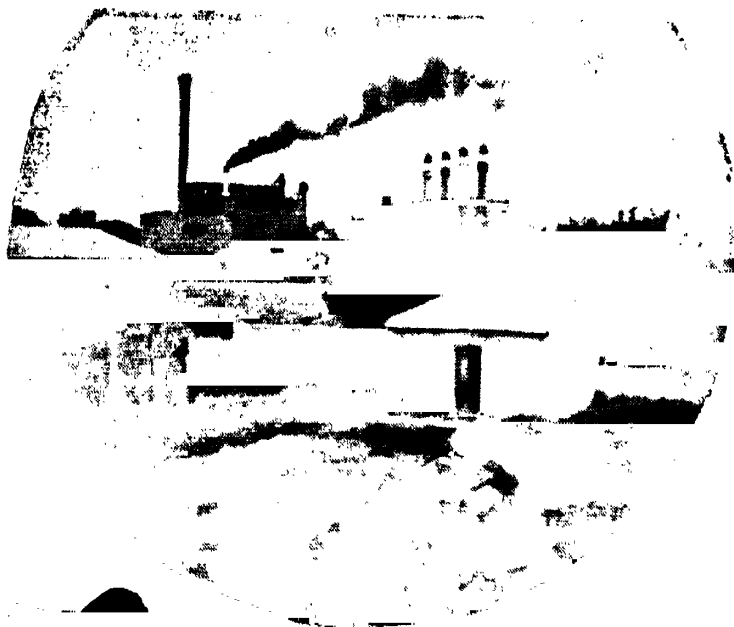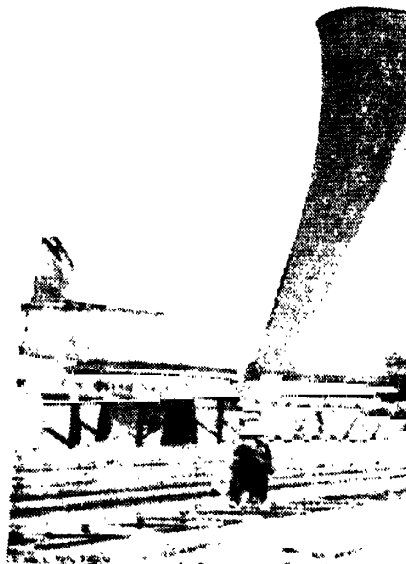
خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر :— شری آر۔ ڈی۔ بھنڈارے گورنر آندھرا پردیش ۲۲۔ جنوری کو بیگم پیٹھ میں سوامی رامانند تیرتھ کی سالگرہ تقریب کے موقع پر خطاب کر رہے ہیں۔

بائیں جانب درمیان :— شری پی۔ رنگا ریڈی وزیر فینانس و اطلاعات نے ۲۹۔ جنوری، کو ساہتیہ اکیڈیمی میں ایک کتاب کا رسم اجرا انجام دیا۔ اور کتاب ڈاکٹر بجواڑہ گوپال ریڈی کے حوالے کی۔

بائیں جانب نیچے :— ۲۵۔ جنوری، کو راج بھون میں وائس چانسلروں کی کانفرنس منعقد ہوئی۔

دائیں جانب اوپر :—شری جے۔ وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۲۶۔ جنوری، کو " ایوینٹس آف آندھرا پردیش "، ساونیر کا رسم اجرا انجام دیا۔ تصویر میں شری پی۔ رنگاریڈی وزیر فینانس و اطلاعات بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔

دائیں جانب نیچے :— شریمتی جے۔ سنگایا۔ وینگل راؤ نے ۱۶۔ جنوری، کو " حیدرآباد روز سوسائٹی "، کی جانب سے منعقدہ ایک تقریب میں " ونر روز شو پرائزز "، تقسیم کئے۔

محمد شمس‌الدین تاباں

غزل

بے وعدہ انتظار میں اپنی بسر ہوئی
اپنا ہی گھر ہوا کہ تری رہ گذر ہوئی

کام آئی عاجزی نہ وفا کارگر ہوئی
جو شے بھی پیش حسن گئی بے اثر ہوئی

کیا کوئی برق حسن کو دیکھے گا بے حجاب
کسکا جمال - کس کو مجال نظر ہوئی

کیا اہل دل پہ بیت گئی بزم ناز میں
کچھ اے نگاہ دوست تجھے بھی خبر ہوئی

جس آہ میں تھے لخت جگر بوئے خوں شریک
وہ آہ بھی تو دل پہ تیرے بے اثر ہوئی

وہ آفتاب حسن جہاں جلوہ گر ہوا
آنکھوں میں روح آکے سراپا نظر ہوئی

کٹنے کو یوں تو کٹ ہی گئی زندگی مگر
دن کیسے شام رات کی کیسے سحر ہوئی

گو آشیاں بچا - نہ بچی شاخ آشیاں
یہ تو ہوا کہ دعوت برق و شرر ہوئی

آب و ہوائے غم کا پیا کھایا چیز ہے
خوش ہوں کہ اشک و آہ پہ تاباں بسر ہوئی

* * * * *

اگر آپ
بُنکر ہیں
اور سوتی، سنتھیٹک
ریشمی یا اُونی کپڑے
بُنتے ہیں
تو ہماری
مدد سے آپ
زیادہ روپیہ کما سکتے ہیں
ہاتھ کرگھے کی دستکاری کے میدان میں بینک آف بڑودہ مقامی ضروریات
کے عین مطابق کئی طرح سے مددگار ہوسکتا ہے۔ ہاتھ کرگھوں
کی خرید، ان کی مرمت وغیرہ کے لئے، دھاگے، رنگ اور اوزار
خریدنے کے لئے ... اور بنا ہوا کپڑا منڈی میں بیچنے کے ہم مدد
کرسکتے ہیں۔ ہماری کسی بھی شاخ میں تشریف لایئے اور اپنی
ضروریات کے بارے میں ہمیں بتایئے۔ آپ جب بھی آئینگے خوش ہوکر ہی جائینگے۔
21 URD
خوشحالی کی راہ پر قدم بڑھایئے۔
بینک آف بڑودہ
حکومت ہند کا ایک ادارہ
جس کی ... سے زیادہ شاخیں ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں
اور سمندر پار بیلجیم، جزائر فجی، گیانا، کینیا، ماریشس،
عمان، متحدہ عرب امارات اور یوکے میں بھی شاخیں ہیں
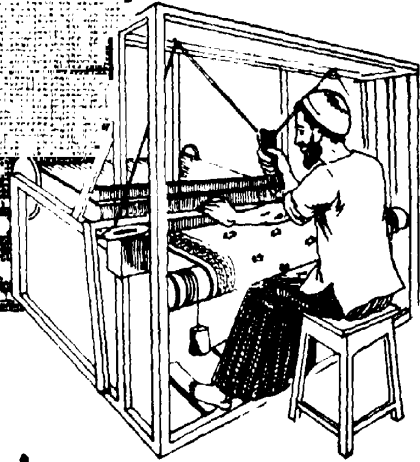
ساحل احمد

دوغزلیں

دیار فکر و نظر کا طلسم ٹوٹ گیا
تمام زیر و زبر کا طلسم ٹوٹ گیا

خود آگہی کے فرشتے ہوا سے الجھیں گے
اگر یہ قلب و نظر کا طلسم ٹوٹ گیا

ابھی تو اور چمکیں گے آنسوؤں کے دیئے
نجوم شمس و قمر کا طلسم ٹوٹ گیا

جو اس نے میرے گھروندے کی رونقیں دیکھیں
تمام گنبد و در کا طلسم ٹوٹ گیا

دھک اٹھے گا یہ شعلہ ہوا کی شدت میں
اگر یہ لعل و گہر کا طلسم ٹوٹ گیا

نگار وقت کے آنسو نکل پڑے ساحل
گلوں کے دیدۂ تر کا طلسم ٹوٹ گیا

* * * * * * *

پھر وھی دیدۂ عبرت ابھرے
بلبلہ صورت نخوت ابھرے

صورت گل جو وہ صورت ابھرے
کچھ تو گلشن کی علامت ابھرے

جس نے بخشی ہے ہوا کو خوشبو
پھر اسی درد کی لذت ابھرے

لفظ کے نقطہ ابہام میں اب
پگھلے لمحوں کی عبارت ابھرے

موج خوں ، رنگ شفق کی صورت
یا لہو برگ کی صورت ابھرے

اف یہ جلتے ہوئے لمحوں کا دھواں
اک عجب تسم کی ساعت ابھرے

حسم کے نقطہ ادراک سے پھر
رنگ و خوشبو کی ملاحت ابھرے

* * * * * * *

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر: - شری جے وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۶- جنوری کو کھمم میں جوبلی کلب کے اندور آڈیٹوریم کی عمارت کا افتتاح کیا -

بائیں جانب درمیان میں :- چیف منسٹر نے یکم جنوری کو اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی کی جانب سے قائم کردہ کوآپریٹیو **پولٹری اور بکری فارم** کا افتتاح کیا جس کے لئے ناگر جونا گرامینا بینک کھمم نے سرمایہ فراہم کیا - شری بی وی - آر - کے **پرساد** کلکٹر کھمم نے صدارت کی -

بائیں جانب نیچے :- یکم جنوری کو نسشاریڈی ہائی اسکول کی سلور جوبلی تقاریب کے موقع پر چیف منسٹر نے جلسہ عام کو **مخاطب** کیا -

دائیں جانب نیچے : شری کے - بی - نرسپا وزیر سوگر نے ۳ - جنوری کو پیٹم جرلا میں جلسہ عام کو مخاطب کیا -

دائیں جانب نیچے :- چیف منسٹر نے یکم جنوری کو ابلاپرو ضلع کرشنا میں بوڈا میرو ڈیم کا سنگ بنیاد رکھا -

علامہ حیرت بدایونی مرحوم

حیدرآباد کی علمی و ادبی فضاء میں سید حسن حیرت بدایونی مرحوم کی شخصیت کوئی نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ تک اپنی زبان و بیان کا جادو جگاتی رہی - وہ ۱۹۲۲ء میں حیدرآباد آئے اور ایسے آئے کہ یہیں کے ہورہے - ان کی مرنجان مرنج شخصیت اور باغ و بہار طبیعت نے ہرایک کا دل موہ لیا اور طبقہ خواص سے لیکر عوام تک وہ سب کی آنکھوں کا تارا بن گئے - ان کا انتقال ۱۰- فروری ۱۹۷۵ء کو ہوا - اپنے انتقال سے قبل وہ نہ صرف حیدرآباد بلکہ سارے ہندوستان اور پاکستان میں ایک بزرگ شخصیت کے طور پر مشہور ہوچکے تھے اور سارے بر صغیر میں مشاعرے پڑھ چکے تھے -

لیکن اس کے باوجود ان کی زندگی میں ان پر کچھ نہیں لکھا گیا - اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ وہ نام و نمود کے کبھی خواہش مند نہیں رہے - انہوں نے اپنا مجموعہ کلام " آئینہ،، بھی اپنے دوستوں کے اصرار پر آخری دنوں میں چھپوایا - لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کا کلام " آئینہ ،، سے بہت زیادہ ہے - علامہ مرحوم نے شعر و ادب پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے لیکن خود ان کی شخصیت کے نقوش ادب کے طالب علموں کے لئے بے حد دھندلے تھے - یہی وجہ ہے کہ گذشتہ سال جب حیدرآباد ایوننگ کالج (عثمانیہ یونیورسٹی) سے ایم - اے (اردو) کی تکمیل کے دوران مجھے مقالہ لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو میں نے علامہ حیرت ہی کا انتخاب کیا اور " علامہ حیرت بدایونی — حیات اور کام ،، کے عنوان سے اپنا مقالہ داخل کیا -

ویسے ان کے انتقال سے کوئی پندرہ سال قبل سے میں علامہ مرحوم سے پابندی سے ملتا رہا لیکن جب میں نے تحقیق کے نقطہ نظر سے ان کی زندگی کا جائزہ لیا تو مجھے بہت سی چیزیں ایسی نظر آئیں جو آج کے انسان میں مفقود ہیں - وہ باقیات الصالحات تھے اور زندگی اور اس کی اقدار کے بارے میں انکے سوچنے اور عمل کرنے کا ڈھنگ مخصوص تھا جس پر میں نے اپنے مذکورالصدر مقالے میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے - یہاں ان کی دوسری برسی کے موقع پر نذرانہ عقیدت کے طور پر " آندھرا پردیش ،، کے توسط سے میں ان کی زندگی کی چند جھلکیاں قارئین کو دکھاؤں گا -

علامہ حیرت بدایونی بے حد وضع دار آدمی تھے اور کسی قیمت پر اپنی وضع بدلنا نہیں چاہتے تھے - انہوں نے انگریزوں کا دور دیکھا - آصف جاہی زمانہ دیکھا - ایک سال آزاد حیدرآباد میں گذارا اور ربع صدی جمہوری ہندوستان میں بھی رہے لیکن رہے وہی جو وہ تھے زمانہ بدلتا رہا لیکن وہ نہیں بدلے - انہوں نے چھوٹوں کو بھی آپ سے مخاطب کیا اور کسی کا نام بغیر صاحب لگائے نہیں لیا - میں انکے بچوں کا ملنے والا تھا لیکن انہوں نے مجھے ہمیشہ " رشید صاحب ،، کہا - انہوں نے کبھی اپنی کبر سنی ، بڑائی اور بزرگی کی کسی پر دھونس نہیں جمائی اور نہ کسی کی دل آزاری کی جہاں تک ہوسکا ہر ایک کا دل رکھا اور سب کی کمزوریوں کو در گذر کرکے اچھائیوں پر نظر کی -

انہوں نے مشاعروں میں ہمیشہ شعراء کو دل کھول کر داد دی اور خاص طور پر نوجوان شعراء کی ہر طرح کی حوصلہ افزائی کی - انہوں نے کبھی کسی نوجوان سے یہ نہیں کہا کہ " میاں شاعری لوہے کے چنے ہیں کوئی اور کام کرو ،، - بقول ڈاکٹر انور معظم " نئی اور پرانی نسل کا تعصب ان کے پاس نہیں تھا ،، - اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھ سے کسی کی دل آزاری نہیں ہوگی ،، - میرے ایک نوجوان شاعر دوست رحمن جامی کے بارے میں ایک بار مجھسے کہنے لگے " بھئی یہ شاعر بہت اچھا ہے لیکن سنے نوشی اسے کہیں کا نہیں رکھ رہی ہے ،، ایک بار ایک شعری محفل میں ایک بزرگ نے ایک نوجوان شاعر کی خوب لے دے کی اور اسکی غزل میں بے شمار نقائص نکالے علامہ سے ضبط نہ ہوسکا اور وہ شاعر کی حمایت میں اکھاڑے میں کود گئے - دونوں بزرگوں کی خوب خوب بحث ہوئی اور ہم لوگ محظوظ ہوتے رہے - جب جلسہ برخواست ہوا تو علامہ کو ان بزرگ کا بازو پکڑے باہر نکلتے دیکھا گیا - میں قریب ہی تھا - وہ انتہائی دوستانہ لہجہ میں ان سے کہہ رہے تھے " بھئی یہ لوگ ابھی بچے ہیں - آج نہیں تو کل اچھا لکھنے لگیں گے - اگر ہم ہی ان کی حوصلہ افزائی نہ کریں تو پھر کون کرے گا -

علامہ شروع سے بے حد مذہبی آدمی تھے - نماز روزے کے وہ ہمیشہ پابند رہے - اسی طرح تلاوت قرآن بھی روز کرتے

تھے - وہ علی الصبح اٹھ جاتے تھے - وضو کرکے بادام کا حریرہ پیتے اور نماز پڑھ کے قرآن شریف پڑھنے بیٹھ جاتے اور نو ساڑھے نو بجے تک اس میں مصروف رہتے - کبھی نقاهت یا بیماری کی وجہ سے تلاوت نہ کرسکتے تو بار بار یہی کہتے تھے کہ " یہ تکلیف نہیں شیطان کی مار ھے ،، آج میں نے قرآن شریف نہیں پڑھا ھے ،، - اولیاء اللہ اور بزرگان دین سے بھی انہیں خاص عقیدت تھی - درگاہ یوسفین نامپلی پر اکثر حاضری دیتے تھے اور یہ وصیت بھی کی تھی کہ انہیں یوسف صاحب شریف صاحب کے قریب ھی دفن کرنا - چنانچہ وہ حسرت بھی پوری ہوئی اور درگاہ سے چند قدم کے فاصلہ پر آسودہ خواب ھیں - مولانا عبدالمقتدر بدایونی (مولانا عبدالقدیر بدایونی کے بھائی اور هادی القادری صاحب کے تایا) کے مرید تھے اور زندگی بھر اپنے پیر اور ان کے خاندان کا بے حد احترام کرتے رھے -

لیکن اس شدید مذھبیت کے باوجود ان میں کٹر پن کبھی پیدا نہیں ھونے پایا بلکہ وہ بے حد روادار تھے اور دوسروں کے مذاھب و عقائد کا همیشه احترام کرتے تھے - مرنے سے کچھ دن قبل میں انکے ساتھ ان کے دیوان خانہ میں بیٹھا باتیں کررھا تھا کہ ان کے ایک شاعر دوست آگئے جو عیسائی مبلغ بھی تھے - گفتگو کا موضوع گھوم پھر کر مذھب پر آگیا اور اسلام اور عیسائیت کے بنیادی عقائد پر بات چیت شروع ھوگئی - میں نے دیکھا دوران گفتگو وہ صاحب (باوجود مبلغ ھونے کے) بہت زیادہ جذباتی ھورھے تھے لیکن علامہ نہایت سکون کے ساتھ بات چیت کررھے تھے - جب مغرب کا وقت ھوا تو بولے " آپ بیٹھئے میں ذرا نماز پڑھ لوں ،، - لیکن ان صاحب نے خود کہا کہ "علامہ میں بھی اب چلتا ھوں آپ نماز کے بعد آرام فرمائیے ، یہ علامہ سے میری آخری ملاقات تھی -

علامہ کو تمام فنون لطیفہ سے بے حد لگاؤ تھا - شاعر تو وہ تھے ھی لیکن موسیقی کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے - کلاسیکی موسیقی سے انہیں خاص شغف تھا - شاھد احمد دھلوی ، فیروز نظامی ، عبدالکریم خاں ، فیاض حسین خاں ، روشن آراء، جدن بائی، بیگم اختر ، روشن علی اور ایم - اے رؤف سے ان کی اچھی دوستی تھی - جوانی میں انہوں نے ھارمونیم اور ستار بجانا بھی سیکھا تھا - گانے کے لئے انکی آواز موزوں نہیں تھی لیکن کلاسیکی موسیقی کو استاد کی طرح سمجھتے تھے - کوئی استاد چاھے کتنا ھی مشکل راگ شروع کرے فوراً اسکی تشریح کرکے بتا دیتے تھے - انہوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کو کبھی ان فنون میں دلچسپی لینے اور ایسے سیکھنے سے منع نہیں کیا - چنانچہ انکے بڑے فرزند موئد حسن ایک اچھے فوٹو گرافر ھیں اور موسیقی کا ستھرا ذوق رکھتے ھیں - چھوٹی لڑکی سہربانو بہت اچھی مصور ھیں -جیلانی بانو بھی افسانہ نگاری سے پہلے مصوری کی طرف ھی متوجہ ہوئی تھیں - ان کے چھوٹے فرزند محی الدین حسن اچھے پینٹر ھیں اور احمد جلیس بہت اچھے خاکے لکھ لیتے ھیں اور کارٹون بنا لیتے ھیں - ان دنوں آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے روزانہ رات میں ۰ ۲ - نکاتی معاشی پروگرام پر مبنی مزاحیہ خاکہ چھوٹی چھوٹی باتیں ،، کے عنوان سے نشر ھوتا ھے جو بے حد پسند کیا جاتا ھے - ڈاکٹر افضل محمد سماجی سرگرمیوں سے وابستہ ھیں اور ان دنوں نمائش سوسائٹی کے سکریٹری ھیں -

علامہ نے بے حد نفاست پسند طبیعت پائی تھی - بچپن ھی سے انہیں اپنے چاروں طرف محبت اور چاھت ملی تھی - چنانچہ انکے مزاج میں نفاست ، نزاکت ، خود داری اور ضد اسی وجہ سے پیدا ھوگئی تھی - خراب کھانا ، خراب کپڑا ، یا کسی بھی گھٹیا چیز کو انہوں نے کبھی پسند نہیں کیا - کھانے کا وہ بے حد اچھا ذوق رکھتے تھے اور اپنے دوستوں کی اکثر دعوتیں کرتے تھے - ھر کھانے کے بعد میٹھا ضرور کھاتے تھے - خوبصورت برتن ، خوش رنگ سالن ، اور صاف ستھرا دسترخوان ان کے لئے ضروری تھا - میز پر کھانا پسند نہیں تھا - سب گھر والے میز کرسیوں پر بیٹھ کر کھاتے تھے لیکن وہ تخت پر اپنا الگ دستر خوان بچھاتے تھے - کھانا بے حد آھستہ اور تھوڑا کھاتے تھے- اپنے کھانے میں سے نوکروں کو بھی کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے - ان کے ایک دوست حاجی بشیر احمد خاں نے (جو پکانے ، کھانے اور کھلانے کا خاص ذوق رکھتے ھیں) مجھے بتایا تھا کہ-"انہیں(علامہ کو) کھانے اور کھلانے دونوں کا شوق تھا -ان کے گھر کے دھی بڑے ، قورمہ اور سیخ کے کباب بہت خاص ھوتے تھے تور کی کھچڑی بھی بہت اچھی پکاتے تھے - ماش کی کھچڑی اور شلجم کا اچار بھی اچھا ھوتا تھا - نہاری بھی بہت عمدہ پکتی تھی - خود تھوڑا کھاتے لیکن دوسروں کو اصرار سے زیادہ کھلاتے -،،

علامہ بے حد گھریلو انسان تھے - انہیں گھر اور اسکی ھر چیز عزیز تھی - ھر چند کہ انہیں بچے زیادہ تھے لیکن انہوں نے ان سے کبھی بیزاری یا لاپرواھی نہیں برتی - انہوں نے کبھی اپنے کسی بچے کو نہیں مارا - بعض وقت ڈانٹ ضرور لیتے تھے لیکن پھر تھوڑی دیر بعد بات چیت شروع کردیتے- جیلانی بانو نے مجھے بتایا کہ : " ھم سات بھائی بہن ھیں-اتنے بہت سے بچوں کے باوجود باوا کو اپنے ھر بچے سے محبت تھی - خصوصاً لڑکیوں کو وہ بہت چاھتے تھے - ھم آج تک یہ فیصلہ نہیں کرسکے کہ باوا سب سے زیادہ کس کو چاھتے تھے - کبھی کسی بچے کی طبیعت خراب ھوجاتی تھی تو اماں اس بیماری کو باوا سے چھپاتی تھیں - ھم

لوگ خود بھی ان کے سامنے اپنی تکلیف ظاہر نہیں کرتے تھے - کیونکہ باوا کھانا چھوڑ دیتے تھے - ساری رات جاگتے - کئی بار ہم اچھے ہوگئے اور وہ بیمار پڑ گئے ،، -

علامہ بچوں کے علاوہ اپنی اہلیہ کا بھی بےحد خیال رکھتے تھے اور ان کی خاطر انہیں بے حد عزیز رہتی تھی - ایسے مثالی جوڑے میں نے بہت کم دیکھے ہیں - شاعروں کے عام طور پر جو اسکینڈل مشہور رہتے ہیں جن کی وجہ سے انکی گھریلو زندگی تباہ رہتی ہے علامہ اس سے مبری تھے - جوانی میں بھی اس تعلق سے انکی اہلیہ کو کبھی شکایت پیدا نہیں ہوئی اور ان کی اہلیہ نے بھی کبھی علامہ کو گھریلو امور میں الجھا کر پریشان نہیں کیا -

علامہ کی طبیعت میں خود داری کا مادہ بہت زیادہ تھا - ہرچند کہ انہوں نے حیدرآباد کے جاگیردارانہ ماحول میں زندگی کا زیادہ تر حصہ گذارا اور سرکار دربار سے بھی وابستہ رہے لیکن اپنی خودداری کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا -

بقول جیلانی بانو : '' اپنی خود داری اور ضد کی وجہ سے انہوں نے نہ کبھی اعلی ہستیوں کی شان میں قصیدے پڑھے اور نہ اونچے عہدے اور انعام و اکرام کی پرواہ کی - ،،

علامہ کی آمدنی کم تھی اور خرچ زیادہ - لیکن وہ کبھی کسی کے سامنے شکوہ سنج نہیں ہوئے اور نہ اپنے دوست احباب یا ملنے والوں یا رشتہ داروں کو اس کا احساس ہونے دیا کہ انکا ہاتھ تنگ رہتا ہے -

زندہ دلی علامہ کے کردار کا ایک نمایاں پہلو تھی - بقول حاجی بشیر احمد خاں '' ہنستے آدمی کو رلادیتے تھے اور روتے کو ہنسا دیتے تھے ،، - اپنے دلچسپ فقروں کی وجہ سے محفل کی جان بنے رہتے تھے - مذاق وہ صرف فضا کو دلچسپ بنانے کے لئے کرتے تھے - اس سے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں ہوتی تھی - مذاق بھی صرف ایسے لوگوں سے کرتے تھے جو انہیں عزیز ہوتے - پھر اس میں بھی ایک معیار اور ثقہ پن ہوتا - پھکڑ پن اور ضلع جگت پر وہ کبھی نہیں اترے -

وہ شروع سے زندہ دل تھے - جب ۱۹۱۴ء میں دلی امتحان دینے گئے تو بعد فراغت امتحان وہاں کی اس زمانے کی مستند شخصیتوں سے بھی ملے جن میں حکیم اجمل خاں بھی شامل تھے - ان کے بارے میں خود علامہ کے الفاظ میں پڑھئے - یہ خود نوشتہ حالات جو مجھے ان کے کاغذات میں ملے تھے غیر مطبوعہ ہیں :

'' ماجد میاں (مولانا عبدالماجد بدایونی) نے **حکیم اجمل خاں** سے ملایا - میں نے ان سے عربی میں گفتگو کی تو حکیم صاحب ہنس پڑے - حالانکہ بہت متین تھے - جب بھی میں دھلی جاتا اور حکیم صاحب سے ملتا تو فرماتے عربی یاد ھے یا بھول گئے ،، -

اس سفر میں پہلی بار وہ خواجہ حسن نظامی سے بھی ملے تھے - ان سے ملاقات کا حال بھی ان ھی کے الفاظ میں سنیے :

'' امتحان کے بعد ایک روز بدھ کے دن حضرت محبوب الٰہی بدایونی کے مزار پر گیا - معلوم ھوا کہ درگاہ شریف سے چند قدم کے فاصلہ پر خواجہ صاحب بھی رہتے ھیں - ان کے پاس گیا - دربار جماھوا تھا - میں بھی ایک طرف کو بیٹھ گیا - فوراً فرمایا آپ کون صاحب ھیں؟ میں نے کہا سید حسن حسرت بدایونی پوچھا کہ دھلی کیوں آئے - میں نے کہا امتحان دینے - فوراً فرمایا امتحان اور شاعری حیرت کی بات ھے -؟ میں نے برجستہ کہا کہ مگر اھل بدایوں مستثنی ھیں - خواجہ صاحب جھوم گئے ،، -

حیدرآباد میں ایک بار انصاری صاحب کے مکان واقع لال ٹیکری میں علامہ اپنے چند احباب کے ساتھ بیٹھے تھے - مولانا عبدالقدیر بدایونی (ھادی القادری صاحب کے والد) بھی موجود تھے - انکی تلاش میں ایک ملنگ صاحب وھاں آگئے - پیلا تہبند اور کرتہ - بڑے بڑے بال اور ھاتھ میں ایک پیچ دار ڈنڈا - سلام کرکے ایک طرف بیٹھ گئے - ان کا حلیہ دیکھکر علامہ کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی - ان کے ڈنڈے کی طرف اشارہ کرکے پوچھا '' یہ کیا ھے ،، ؟

'' تنبیہ الغافلین ،، ملنگ صاحب نے خاص انداز میں جواب دیا

یہ سن کر علامہ نے انتہائی سنجیدگی سے جواب دیا ''میں سمجھا نبض کشا ھے ،، -

یہ تو تھی جوانی کی بات - اب ذرا بڑھاپے کا ذکر سنئے - بڑھاپے میں بھی ان کی جوانی اور زندہ دلی اسی طرح برقرار تھی - وہ سکندر علی وجد کے اس شعر کی عملی تفسیر تھے -

غم دنیا کا اثر مجھ پہ کہاں ھے اے دوست
دل جواں ھے تو میری عمر جواں ھے اے دوست

ورنگل میں ایک مشاعرہ تھا - حیدرآباد سے بھی بہت سے شعراء بشمول علامہ مدعو تھے - واپسی میں سب قاضی پیٹھ اسٹیشن پر ٹرین کا انتظار کررھے تھے - ٹرین آئی مگر رش زیادہ تھا - دروازہ میں سے داخل ہونے کا بھی راستہ نہیں تھا - علامہ نے پولس حیدرآبادی سے کہا کہ '' بھئی مجھے کسی طرح ڈبہ

میں سوار کرا دو ،، ۔ انہوں نے سمجھایا کہ علامہ اس میں رش زیادہ ہے۔ تھوڑی دیر ٹھیر جائیں گے ۔ ابھی دوسری ٹرین آتی ہی ہوگی ۔ اس سے چلے جائیں گے ۔ ،، لیکن وہ اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے ۔ اور فوراً اچک کر کھڑکی میں سے ڈبہ میں جا موجود ہوئے ۔ سب لوگ حیران ہوکر انہیں دیکھ ہی رہے تھے کہ ٹرین نے سیٹی دی اور علامہ '' اللہ حافظ اللہ حافظ، کہتے ہوئے نظروں سے غائب ہوگئے ۔

ان کے ایک دوست حاجی بشیر احمد خاں نے مجھے بتایا کہ انہوں نے علامہ کے ساتھ اکثر طویل سفر کئے ۔ سفر میں وہ اور بھی زندہ دل ہوجاتے تھے ۔ جوانی میں وہ بڑی پابندی سے حقہ پیتے تھے ۔ حاجی صاحب کا کام ٹرین رکتے ہی انجن ڈرائیور کے پاس جا کر تھوڑی سی آگ مانگ لانا تھا ۔ علامہ حقہ پینا شروع کرتے اور دنیا جہاں کی باتیں سناتے جاتے ۔ جو بھی اسٹیشن آتا اسکے نام کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ۔ اس مقام کی خصوصیات بیان کرتے اور اسکا تاریخی اور سماجی پس منظر بیان کرتے ۔ ساتھ بیٹھے ہوئے مسافروں سے ہنسی مذاق کرتے اور اسطرح طویل ترین سفر کو مختصر ترین بنادیتے تھے ۔

اسی زندہ دلی کی وجہ سے علامہ کے اطراف زندگی بھر دوستوں کا ایک ہالہ رہا جس میں اپنے زمانے کی بے حد مقتدر شخصیتیں شامل رہیں ۔ خصوصاً جوانی میں انہوں نے بہت یار باشی کی ۔ انکے دوستوں اور ملنے والوں میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کا مسلک زندگی اور نظریات ان سے یکسر جدا تھے لیکن انہوں نے کبھی اس چیز کو اہمیت نہیں دی اور ہمیشہ یہی کہا کہ '' یار کو اپنی یاری سے غرض ،، اردو کے مشہور شاعر جوش ملیح آبادی علامہ کے بے حد قریبی دوست تھے جس زمانے میں وہ حیدرآباد میں دارالترجمہ میں ناظر تھے علامہ سے روز ملنا ملانا رہتا تھا ۔ علامہ کو ان کی وسیع معلومات ، عربی و فارسی پر عبور ، عروض و بحر پر دسترس اور بذلہ سنجی و فقرہ بازی کی وجہ سے '' علامہ ،، کا خطاب جوش صاحب نے ہی دیا تھا جو بعد میں اتنا مشہور ہوا کہ ان کا اصل نام پس پشت رہ گیا اور وہ علامہ ہی کے نام سے مشہور ہوگئے اور انکے غائبانہ تذکرہ پر کسی کو یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی کہ '' کون علامہ ،، جوش نے اپنی خود نوشت سوانح حیات '' یادوں کی برات ،، میں علامہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو نظم و نثر دونوں میں ہے ۔

جوش کے علاوہ اصغر گونڈوی ، جگر مراد آبادی ، فانی بدایونی ، جلیل مانکپوری (جنہیں بعد میں دربار آصفی سے فصاحت جنگ کا خطاب ملا) کنور مہندر سنگھ بیدی‌سحر ، رعنا صاحب مرحوم، یعقوب عثمانی ، یونس سلیم ، معز ملتانی ، محی‌الدین قادری زور ، حاجی بشیر احمد خاں ، ہادی‌القادری ، مولوی غلام ربانی اور ہمنشین ریحانی وغیرہ انکے قریبی ملنے والوں میں شامل رہے ہیں ۔ جگر صاحب انہیں ہمیشہ کہا کرتے تھے :

'' بھئی علامہ تم مجھے بیبک کی طرح میرے ترنم کی داد مت دیا کرو بلکہ اگر کہیں بھول یا فروگذاشت نظر آئے تو ایمانداری سے کہہ دیا کرو ۔ میں ہٹ دھرمی نہیں کرتا ۔ کیونکہ میں شاعر ہوں استاد یا ماہر نہیں ہوں ،، ۔

علامہ اپنے دوستوں کی پاسداری کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اور انیس کے اس شعر پر عملی پیرا رہتے تھے

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

جو بھی ان سے ملنے آتا اس سے بہت اخلاق سے پیش آتے تھے ۔ ایک بار میں گیا تو ان کے ساتھ نجم الہ آبادی اور یوکس حیدرآبادی بیٹھے ہوئے تھے ۔ کہنے لگے '' رشید صاحب آپ ان کے تخلص پر مت جائیے ۔ ان لوگوں نے اپنے تخلص اپنے سے یکسر مختلف رکھ لئے ہیں ۔ ان میں سے ایک حساس اور دوسرا چوکس ہے ۔

کسی کے بھی انتقال کی خبر سنتے تو علامہ پہلے با آواز بلند انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے اور پھر کہتے اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ۔ آج میں ان کے یہی الفاظ ان کے لئے استعمال کررہا ہوں ۔ اللہ ان کی روح کو سکون دے اور انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ۔

* * * * *

رشید قریشی ۔یم ۔ اے ۔

ایک خیال دو شاعر

اردو شاعری کو فارسی شاعری نے سنوارا نکھارا ہے ۔ سی طرح جیسے کوئی ماہر حسینہ کسی نئی نویلی دلہن کا سنگھار کرتی ہے ۔ یہی وجہ ہیکہ اردو شاعری میں کلاسیکی رجحان بھی ہے اور جدید دور کی حقیقت پسندی بھی ۔

میں نے فارسی اور اردو کے نامور شاعروں کے چند " ہمخیال ،، اشعار کا انتخاب کیا ہے ۔ میرا مقصد موازنہ نہیں محض یہ دکھانا ہے کہ ایک ہی مضمون کو دو شاعروں نے کس زاویہ نگاہ سے دیکھا ۔ کس دل سے محسوس کیا اور کس انداز سے بیان کیا ۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا اپنی عمر رسیدہ ہو گئی ہے اور انسان اپنی جستجوؤں میں اسقدر کامیاب ہے کہ کوئی راز راز نہیں رہا ۔ کوئی رمز لن معمہ نہیں رہی ۔ کوئی مضمون اچھوتا نہیں رہا ۔ دو شاعر ایک ہی موضوع پر خیال آرائی کرتے ہیں ۔ کبھی کبھی دونوں کی ذہنی پرواز ایک ہی بلندی کو نشانہ بناتی ہے ۔ اور ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ دونوں کا انداز بھی لڑ جاتا ہے ۔ لیکن اس توارد سے انکی عظمت پر حرف نہیں آتا ۔ کیونکہ ہزار ہمرنگ سہی دیدہور دیکھ ہی لیتے ہیں کہاں شاعر کا دل خون ہوا ہے اور کہاں اس کے عکس نے رنگ کو گہرا کردیا ہے ۔

****

حضرت سعدی عشق زدہ بیٹھے ہیں ۔دوست احباب اطراف میں جمع ہیں ۔ کوئی سمجھاتا ہے ۔ کوئی سنبھالتا ہے ۔ لیکن حضرت سعدی کسی طرح نہیں بہلتے ۔ دوست احباب انہی کو قصوروار ٹھیراتے ہیں کہ بیٹھے بٹھائے اپنا دل کسی کو کیوں دے آئے ۔ حضرت سعدی سے رہا نہیں جاتا ۔ کہتے ہیں ۔

دوستو ۔ دل کو جانا تھا وہ تو گیا ۔ مجھے مورد الزام ٹھیرانے سے کیا حاصل ۔ ایسا ہی ہے تو محاسبہ کرنا ہے تو اس معشوق سے جواب طلب کرو کہ وہ اتنا خوبصورت کیوں ہوا ۔

دوستاں عیب کنندم کہ چرا دل بتو دادم
باید اول بتو گفتن کہ چنین خوب چرائی

ادھر حضرت میرتقی میر بھی اس عشق کے شکار ہوتے ہیں ۔ وہ معشوق سے اپنے عشق کی داد چاہتے ہیں تو معشوق انکی خبر لیتا ہے کہ کس نے آپ سے عشق کی فرمائش کی تھی ۔ یہ آپ کی غلطی ہے جو آپ عشق پر دلبر ہوئے ۔ اب اسکی سزا بھگتیے اور ہم سے کسی مہربانی کی توقع نہ رکھئے ۔

میر صاحب اپنا مقدمہ انصاف پسندوں کے آگے رکھتے ہیں ۔ لوگو ہم نے پیار کیا اسے جرم قرار دیا جارہا ہے ۔ لیکن وہ خود جو پیارے اور پیار کے قابل ہیں تو اسکے لئے کون جوابدہ ہے ؟

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ
ان سے بھی تو پوچھئے تم اتنے پیارے کیوں ہوئے

سعدی اور میر دونوں اپنے فن کے استاد ہیں خیال ایک ہے اور پیش کش دونوں کے پاس معصومانہ اور دلکش ہے ۔

. . . .

عاشق کی آرزو ہوتی ہے معشوق اسکے گھر آئے ۔ معشوق وعدے کرتا ہے لیکن اسکے وعدے کبھی شرمندہ وفا نہیں ہوتے ۔ وعدہ شکنی کے لئے ہر وقت کوئی نہ کوئی عذر نکل آتا ہے ۔ اور عاشق پر انتظار کی ساعتیں گذرتی رہتی ہیں ۔ آخر ایک دن ایسا آجاتا ہے جب معشوق اپنے وعدے کی تکمیل پر آمادہ ہو ہی جاتا ہے اور عاشق کے گھر کی طرف چل پڑتا ہے ۔ ادھر عاشق کے گھر کو بربادی پوری طرح صاف کرچکی ہوتی ہے ۔

غالب نے عاشق کے گھر کی ویرانی کا نقشہ اسطرح کھینچا ہے ۔

ہے خبر گرم ان کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

اس مضمون کو جوش نے یہ انداز بیان بخشا ہے :۔

اب تک نہ خبر تھی مجھے اجڑے ہوئے گھر کی
وہ آئے تو گھر بے سرو ساماں نظر آیا

غالب کا عاشق بربادی کی جس منزل میں معشوق کے استقبال کا منتظر ہے، جوش کا عاشق اس منزل سے گذر چکا ہے۔ اپنے بے سرو سامان گھر میں وہ معشوق کا تصور باندھے دنیا و ما فیہا سے بے خبر بیٹھا ہے۔ اچانک معشوق آجاتا ہے اور اس وقت عاشق کو اندازہ ہوتا ہے کہ معشوق کی آؤ بھگت کے لئے شایان شان ساز و سامان نہیں۔ اس تمام عرصہ میں محویت کا ایک ایسا دور اسپر مسلط تھا جسمیں وہ اپنے ویران ماحول سے بے خبر رہا۔ بے سرو سامانی کا جو احساس جوش کے عاشق کو تڑپا رہا ہے غالب کا عاشق اسکی شدت سے نا آشنا نظر آتا ہے۔ غالب کے پاس ایک واقعہ ایک صورت حال ایک نقشہ ہے۔ لیکن جوش نے اس مضمون کو جذبات کی رنگ آمیزی سے زیادہ اثر انگیز اور زیادہ دلنشین بنا دیا ہے۔

....

اصغر گونڈوی کے پاس آلام روزگار کو آسان بنانے کا یہ نسخہ ہے۔

آلام روزگار کو آسان بنا لیا
جو غم ہوا اسے غم جاناں بنا لیا

اس شعر میں غم دوراں اور غم جاناں دونوں یورش کناں ہیں۔ عاشق جو غم جاناں میں مبتلا ہے۔ آلام روزگار کا نشانہ بھی ہے۔ اس دھری غمزدگی کے مقابلہ میں عاشق کا اسلوب تحمل یہ ہوتا ہے کہ وہ زمانہ کے ہر غم کو غم جاناں کی ہمہ گیر شدت کے حوالے کردیتا ہے۔ دنیاوی مصیبتوں کو برداشت کرنے کے لئے شاعر کا یہ نفسیاتی رد عمل ایک ایسی مدافعت کو اختیار کرتا ہے جس پر سے زمانہ کا ہر وار اچٹ جاتا ہے۔ اندوہ حیات سے دو چار ہوکر غم جاناں کو تازہ کرلینا زندگی کی تلخ حقیقتوں سے فرار نہیں ہے۔ انکو جھیلنے کے لئے تربیت استعداد ہے۔ اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ بڑا غم چھوٹے غم کو کھا لیتا ہے۔

اور عرفی کا دعوی ہے :

در دل ما غم دنیا غم معشوق شود
بادہ گر خام بود پختہ کند شیشہ ما

یہاں عاشق پر دنیا کا غم وارد ہوتا ہے تو اسکے دل میں غم معشوق بن جاتا ہے۔ عرفی کے نزدیک غم دنیا ایک ناقص شراب ہے جو عاشق کے دل میں اتر کر پختہ ہوتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ عرفی غم دنیا کے ساتھ شاعرانہ برتاؤ کررہا ہے۔ اور در حقیقت وہ غم کی سختی سے آشنا نہیں۔ اسکے برعکس اصغر آلام روزگار کے شکنجہ میں تڑپتا دکھائی دیتا ہے اور غم جاناں کی مشکل کشائی اسے اس گرفت سے چھٹکارا دلاتی ہے۔

اصغر گونڈوی کے پاس تجربہ کا کرب ہے درد کی کسک ہے۔ اور ایک ایسا درمان ہے جو درد ھی کی طرح اذیت ناک ہے۔

....

جان نثار اختر کا شعر ہے :

میں جب بھی اسکے خیالوں میں کھو سا جاتا ہوں
وہ خود بھی بات کرے تو برا لگے ہے مجھے

یہاں خیال کی رسائی اس مقام پر ہے جہاں عاشق اپنے محبوب کے پیکر حسن کو محبت کی رنگین فضاؤں میں جلوہ فرما دیکھتا ہے یہ دنیائے حسن و عشق۔ عاشق کی آرزوؤں سے آباد ہے اور خیال کی کار فرمائی نے ایک ایسا طلسم باندھا ہے کہ عاشق آب و گل کی حقیقتوں سے بے تعلق ہوکر رہ گیا ہے۔ بارگاہ حسن آراستہ ہے۔ عشق کی پرستش باریاب ہے۔ رنگ ہے نور ہے ساز ہے آواز ہے۔

ایسے وقت خود معشوق جب مخاطب ہوتا ہے عاشق کو یہ خلل اندازی ناگوار گذرتی ہے۔ کیونکہ اس آواز سے اس کا ایوان تصور لرز جاتا ہے۔ اور وہ اس اجنبی کی میزبانی پر آمادہ نہیں ہوتا۔ دیکھئے خیال کی یہی پرواز نظیری کو کہاں لے گئی ہے :

بہ دل طرح وصال جادوانی نقش می بندم
گرم خود دوست می اید بخلوت دشمن است امشب

نظیری تصور جاناں میں وصال جادوانی کا نقشہ جمائے بیٹھا ہے۔ خلوت میں وصل کا اہتمام ہے۔ اور نشاط وصل کی ایسی پر کیف رات سج رھی ہے کہ اس رنگ میں بھنگ ڈالنے کو نظیری کا محبوب بھی آجائے تو وہ اسے اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ جان نثار اختر اور نظیری دونوں عشق کے ایک ھی مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔

جان نثار اختر کے بیان میں سادگی ہے۔ لیکن عشق کا واضح تعین نہیں ہے۔ نظیری نے اپنے عشق کی صراحت کے ساتھ شاعرانہ خصوصیات کا بطور خاص خیال رکھا ہے۔ جان نثار اختر کا لہجہ ایک بیباک سچے عاشق کا ہے اور نظیری کا اسلوب ایک سلیقہ مند عاشق کا۔

....

اس طرح میرے جرم سے نظریں چرا نہ لے
لگتا ہے اک سزا ہے معاف نہیں ہے یہ

جان نثار اختر کے اس شعر میں مجرم حاضر ہے۔ لیکن معشوق انجان ہو جاتا ہے نہ مواخذہ نہ سزا۔ معشوق کی

اس بے تعلقی سے عاشق تڑپ اٹھتا ہے - معافی کو سزا سمجھتا ہے کیونکہ سزا سے جرم کا حساب بے باق ہو جاتا اور عاشق پھر سے ہنسی خوشی عشق میں مگن ہوجاتا لیکن معشوق کے تیور اس دفعہ ایسے ہیں کہ وہ عاشق کے جرم کا نوٹس ہی نہیں لیتا - ظاہر ہے کہ وہ عاشق کی اصلاح سے مایوس ہوچکا ہے - اور سزا کو بیکار سمجھتا ہے - اب عاشق جانے اس کا کام جانے -

ز روز حشر چہ غم کز جزا بود ترسم
کہ عذر مانہ پذیر ند و جرم ما بخشند

عرفی اس دنیا کے کسی منصف کے آگے داد خواہ نہیں ہے - حشر ہے اور وہ منصف حشر کے آگے کھڑا ہے - اسے بخشایش کا یقین ہے کیونکہ جو اسکا جرم ہے اسکے بارے میں معقول عذر اسکے پاس ہے - لیکن اسکو اندیشہ ہے کہ کہیں اسکا عذر رد نہ کردیا جائے اور صرف شان کریمی کے اظہار کے لئے اسکا جرم معاف کردیا جائے - اس کا رویہ کچھ اس طرح کا ہے کہ یہ میرا جرم ہے یہ میرا عذر ہے - قابل قبول ہو - قبول کرلیجئے ورنہ سزا دیجئے - اسکو گوارا نہیں جانچ پڑتال کے بغیر صرف شان کریمی کے صدقہ میں اسکو بخش دیا جائے -

دو بڑے شاعر ایک بلند مضمون کو ادا کرنے کے لئے دو جداگانہ اسلوب اختیار کرتے ہیں - جان نثار اختر کے شعر میں سزا کا ذکر ہے اسلئے اس کا شعر زیادہ روشن ہوگیا ہے - لیکن عرفی نے اپنے کردار کو خود اعتمادی کے تیور عطا کئے ہیں اور اس طرح اس کا شعر زندہ ہوگیا ہے -

. . . .

خورشید احمد جامی اپنے گھر کی پست دیواروں کو مخدوش سمجھتے ہیں - کہہ رہے ہیں :

اور اونچی کرو یہ دیواریں
حال گھر کا نہ جان لے دنیا

جامی کو دنیا کی تانک جھانک سے بڑی وحشت ہے - اور دنیا کی یہ پرانی عادت ہے کہ اچک اچک کر ہر گھر میں جھانکتی پھرے - جامی کو یہ جاسوسی اس وقت خاص طور پر نا پسند ہوئی جب بے سرو سامانی اسکے گھر میں گھس آئی - اب وہ جلد سے جلد ان دیواروں کو اونچا کردینا چاہتا ہے کیونکہ اسے اندیشہ ہے دوسروں کی تباہی کے تماشے سے خوش ہونے والی دنیا نے گھر کا حال دیکھ لیا تو چار دیواروں کے اندر کی زبوں حالیاں بازار کی رسوائیاں بن جائینگی -

نظیری نے اپنے گھر کا جو نقشہ دکھایا ہے وہ جامی کے گھر سے ملتا جلتا ہے - فرق صرف اسقدر ہے کہ دیواروں کی پستی سے جامی کو ڈر ہے دنیا والے گھر کا حال دیکھ لینگے اور نظیری کی مصیبت یہ ہے کہ اس کا گھر ہوا کی گذرگاہ پر ہے اور پست دیواروں کی وجہ سے ہوا کے تیز جھونکے اسکے گھر کے چراغ کو بجھا بجھا دیتے ہیں -

خانہ ما خاکساران بر سر راہ صباست
شب نمی سوزد چراغ از پستی دیوار ما

جامی کے شعر میں احتیاط کی آڑ ہے اور گھر کا حال ظاہر نہیں ہوتا - اس پردہ‌داری نے شعر کی اثری شدت کو بھڑکنے نہیں دیا ہے - اسکے برخلاف نظیری کا خاکسارانہ انداز اسکے گھر کے اندھیروں کو انتہائی اندوھناک بنا دیتا ہے -

دونوں شاعروں کی زندگی کا جائزہ لیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جامی کو نظیری کا شعر کہنا چاہیئے تھا - کیونکہ وہ جامی ہی تھا جو زمانہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنا اور نکبت و نا قدری کے بے چراغ اندھیروں میں سر گرداں رہا -

شہروں میں زندگی کے جلوس کی دھوم دھام ہے - گرد و غبار کے بادلوں میں اوزاروں کا شور بڑھتا جارہا ہے - جامی اس جلوس کا تماشائی ہے -

یہ شہر ہیں کہ صداؤں کے گونجتے جنگل
نہ کوئی جسم نہ کوئی چہرہ دکھائی دیتا ہے

جامی کے ساتھ جان نثار اختر بھی اس جلوس کو دیکھ رہا ہے :

ہمارے شہر میں بے چہرہ لوگ بستے ہیں
کبھی کبھی کوئی چہرہ دکھائی دیتا ہے

اس بے چہرہ ہجوم کے آگے آئینہ لے جانے کی کوشش میں آئینہ بھی پاش پاش ہوا اور آئینہ بردار بھی روندے گئے - جامی رہا نہ جان نثار اختر لیکن ہجوم ہے کہ بڑھتا ہی چلا ہے -

. . . .

یہ حافظ شیرازی ہیں -

مدد دے گر بہ چراغے نہ کند آتش طور
چارۂ تیرہ شب وادئی ایمن چہ کنم

پوچھ رہے ہیں :

اگر طور کی آگ سے ایک چراغ بھی نہ مل سکے تو پھر وادی ایمن کی اندھیری رات کو میں کس طرح روشن کروں؟

حافظ شیرازی چھ سو سال پہلے غزل سرا ہوئے - اس وقت گل و بلبل اور ساغر و ساقی کے نغموں میں مجاز اور حقیقت کے

رنگین اجالوں کی عکاسی ہوتی تھی ۔ آسمان کے تاروں کو سب ہی دیکھتے تھے ۔ ظلمات کے اندھیروں میں غمزدہ انسانوں کے آنسو کسی کو نظر نہ آتے تھے ۔ حضرت موسی کے تقاضوں کے جواب میں کوئی طور پر جلوہ فرما بھی ہوا ۔ لیکن اس تجلی نے بھی وادی ایمن کے اندھیروں کو اجالا نہ بخشا ۔ حافظ شیرازی کا درد مند دل اس محدود جلوہ ریزی پر فریاد کناں ہے ۔ کیونکہ موسی تو تجلی یاب ہوگئے ۔ لیکن وادی ایمن کا غریب جراغ سے بھی محروم رہا ۔

حافظ شیرازی نے وادی ایمن اور آتش طور کی علامتوں کے توسط سے مختاروں کی اجارہ‌داری اور مجبوروں کی محرومی کا نقشہ پیش کیا ہے ۔ ان کے دل سے جو آنچ اٹھی وہ مخدوم تک پہنچتے پہنچتے بھڑکتی آگ بن گئی ۔ مخدوم کے پاس دنیا جنبیلی کا منڈوہ ہے ۔ جس کے سایہ میں غریب پیار کی زندگی گذارنا چاہتا ہے ۔ لیکن زمانہ پیار کو پروان چڑھنے نہیں دیتا اور غریب پیا رکی چتا میں جل کر راکھ ہو جاتا ہے ۔

ایک جنبیلی کے منڈوے تلے
میکدے سے زرا دور اس موڑ پر
دو بدن پیار کی آگ میں جل گئے

مسجدوں کے پاسبان ، مندروں کے مکین ، میکدوں کے رند سب پیار کی اس چتا کو جلتا دیکھتے رہے لیکن مخدوم نے پیار کی راکھ اٹھالی اور ایک چارہ گر کے حضور میں پہنچ گئے ۔

یہ بتا چارہ گر
تیری زنبیل میں
نسخہ کیمیائے محبت بھی ہے
کچھ علاج و مداوائے الفت بھی ہے ۔؟

حافظ اور مخدوم کا دل ایک ہے ، درد ایک ہے ۔ حافظ طور پر چمکنے والے سے غریبوں کی اندھیری رات کے لئے ایک چراغ مانگ رہے ہیں اور مخدوم پیار کی آگ میں جلنے والوں کیلئے چارہ گر سے اس چارہ گری کے طلبگار ہیں جس نے آتش نمرود کو گلزار بنا دیا تھا ۔

زندگی درد سر ہوئی حاتم
کب ملے گا مجھے پیا میرا ۔؟

محبت کی منزل مراد وصل محبوب ہے ۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ محبت اگر سچی ہو تو وصل محبوب مشکل اور اکثر صورتوں میں نا ممکن ہو جاتا ہے ۔ ہجر کے صدمے سہتے سہتے محبوب کا تصور ایک خیالی پیکر کو تنہائیوں کا شریک کردیتا ہے اور حقیقی وصل کے تعلق سے ایسی آرزومندانہ منصوبہ بندی ہونے لگتی ہے کہ وصل تاخیر میں پڑ جائے تو فراق دردسر بن جاتا ہے ۔ اس دردسر کے زیر اثر زندگی تیرہ و تار ہو جاتی ہے ۔ اور صرف آرزو کا ایک چراغ ٹمٹماتا رہتا ہے ۔

حاتم انتظار کی اس منزل میں ہیں ۔ جہاں سے بڑی خاموشیوں کے غار کا سیاہ دہانہ ان کو صاف نظر آ رہا ہے ۔ دوسری طرف وہ محبوب کی آمد سے مایوس بھی نہیں ہیں ۔ امید و بیم کے اس دو راہے پر حاتم جب سوچتے ہیں کب ملے گا مجھے پیا میر ان کے ہونٹ سے آواز لرز کر رہ جاتی ہے اور دل اپنی ڈراھتی دھڑکنوں میں اس سوال کو دہرا کر چپ ہو جاتا ہے ۔ اس نوبت پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر وصل محبوب میسر بھی ہو جائے تو کیا تکمیل آرزو کی سکت بھی ہوگی ؟ ۔ یہ بات البتہ یقینی ہے کہ وصل سے لذت‌یاب ہوں نہ ہوں درد سے تو چھٹکارا مل جائیگا ۔

وصل محبوب کے انتظار میں ادھر حاتم سر تھامے بیٹھے ہیں ادھر میر صاحب مچل رہے ہیں ۔

وصل اس کا خدا نصیب کرے
میر جی‌چاہتا ہے کیا کیا کچھ ۔

وصل کے لئے تانبدایزدی کو آواز دی جارہی ہے ۔ ساتھ ہی وصل کی ساری تقریبات کا طرب انگیز جائزہ بھی لیا جارہا ہے ۔ میر صاحب کا جی جو چاہتا ہے اسکی خبر اگر محبوب کو ہو جائے تو وصل سے پہلے " وصال " کا انتظام ہو جائے ۔

حاتم کا شعر کسی ازدر رفتہ عاشق یا کسی محبت زدہ خاتون کی آہ ہے ۔ اس کے بر عکس میر کا شعر کسی منچلے عاشق کی جارحیت کا اعلان ہے ۔

. . . .

اب آیئے غالب اور داغ کی ہم خیالیوں پر خیال‌آرائی کریں

غالب بیمار ہیں . . . . . افاقہ کے آثار نہیں . . . . . لیکن کوئی اچانک عیادت کو آ جاتا ہے ۔ اور ان کے چہرہ پر رونق کھل اٹھتی ہے — بیماری کو بہانہ سمجھا جاتا ہے ۔ اور عیادت کو آنے والے کا پسیجا ہوا دل پھر خشک پتھر بن جاتا ہے — مزاج پرسی کے بدلے بےرخی برتی جاتی ہے اور آنے والا تیوری پر بل ڈالے واپس چلاجاتا ہے . . . . . غالب کے چہرہ کی رونق پر بیماری کی مردنی دوبارہ مسلط ہوجاتی ہے ۔

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے ۔

غالب کے شعر میں ایک نفسیاتی کیفیت کا مظاہرہ ہے ۔ اور بیمار کی مایوسی کا ایک ایسا دلدوز حزنیہ ہے جس میں کج ادائی مضمحل دھڑکنوں پر ظلم ڈھاتی ہے ۔

داغ بھی بیمار ہیں ان کی عیادت کے لئے بھی کوئی آیا ہے

وہ عیادت کو میری آتے ہیں لو اور سنو
آج ہی خوبئی تقدیر سے حال اچھا ہے ۔'

داغ کا حال غالب سے اچھا ہے۔ جسدن کوئی عیادت کو آیا ۔ ان کو افاقہ تھا وہ اپنی بدقسمتی پر کڑھتے ہیں کہ اسی دن طبیعت سنبھلی ہے جس دن کوئی مزاج پرسی کو آیا ہے۔ اب لازمی طور پر عیادت کو آنے والا یہی سمجھے گا کہ بیماری کا ڈھونگ رچا کر اسکی آمد کے لئے راستہ نکالا گیا ۔ مصیبت دونوں بیماروں کی ایک ہی ہے لیکن غالب جونکہ درحقیقت بیمار ہیں اور صرف کسی کی آمد سے بحال ہوئے ہیں ۔ انکی بپتا زیادہ درد انگیز ہے اور اس طرح زیادہ گہری ہمدردیوں کی حقدار ہوتی ہے۔ روانی دونوں کے انداز بیان میں ہے۔ لیکن غالب کی بے ساختگی میں اثر کا وزن زیادہ ہے ۔

. . . .

یہ بھی غالب ہیں حسن پرست اور خلد کی سیر میں مگن ان سے حوروں کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو ان کی کوئی خاص فرمائیش نہیں ہوتی ۔ اتنی تاکید ضرور کرتے ہیں کہ حوروں سے حصول تسکین ممکن نہو نہ سہی یہ ہو کہ انکی صورت دنیا کی محبوبہ سے ملتی جلتی ہو ۔

تا کہ اس طرح آسودگی کی صورت نکل آئے ۔

تسکیں کو ہم نہ روئیں جو ذوق نظر ملے
حوران خلد میں تیری صورت مگر ملے

داغ اظہار خیال میں کچھ زیادہ بیباک ہیں۔ لیکن ان کے اندا مین سنجیدگی کا وہ وقار نہیں ہے جو غالب کی حسن پرستی کا طرہ امتیاز ہے ۔

پکارا دیکھکر میں حور کی شکل
خداوندا یہ صورت وہ نہیں ہے

داغ محبوب کی ہم شکل حور جاہتے ہیں اور غالب ان حوروں کو بھی قبول کرنے پر آمادہ ہیں جو انکی محبوبہ سے ملتی جلتی شکلیں رکھتی ہوں ۔ مختصر یہ کہ داغ محبوبہ ہی کی شکل ڈھونڈرہے ہیں اور غالب کا کام مشابہت سے بھی چل رہا ہے۔ داغ کے پیش نظر غالب کا شعر رہا ہے اور توقع یہ تھی کہ وہ اس مضمون کو غالب سے بہتر انداز میں ادا کرتے لیکن داغ صرف اپنی شوخی کا رنگ جمانے پر ہی قناعت کر گئے ۔

. . . .

اس موقع پر غالب اور چغتائی کی خیال آرائی کا تقابلی جائزہ بھی پیش خدمت ہے۔ زندگی کے بارے میں غالب کا مشہور شعر ہے ۔

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

انسان کی مجبوری اور زندگی کی بےثباتی کا ایک موثرنقشہ نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔ عمر کا گھوڑا دوڑ رہا ہے۔ انسان اس پر سوار ہے اس بیچارگی کے عالم میں کہ نہ باگ پر ہاتھ ہے نہ رکاب میں پاؤں۔ اس گھوڑے کو وہ نہ تو کسی دوسری سمت میں موڑ سکتا ہے نہ اس پر قابو رکھ سکتا ہے۔ اب یہ گھوڑے کی مرضی پر منحصر ہے وہ جہاں چاہے رک جائے۔ اور جہاں وہ رکا . . . وہیں زندگی کا سفر ختم ۔ غالب کے اس شعر کو عبدالرحمان چغتائی نے مصور کیا ہے ۔

تصویر میں ایک دریا ہے۔ دریا کے پانی پر کنول کا ایک پھول جھکولے کھاتا ہوا بہہ رہا ہے۔ اور کنول کے پھول میں ایک شعلہ اپنی لرزشوں میں استوار ہے۔ دریا وقت کا دریا ہے اور شعلہ لرزاں انسان کی زندگی ہے ۔

ایک خیال کی تشریح کےلئے غالب نے انسان کو گھوڑے پر بٹھادیا ۔ نہ باگ ہاتھ میں نہ پاؤں رکاب میں . . . اور گھوڑا ہے کہ دوڑتا ہی جلا ہے ۔ اسمیں کوئی شک نہیں زندگی کا جو تجزیہ غالب نے کیا ہے وہ ذہن پر اپنا گہرا نقش چھوڑتا ہے ۔ لیکن مصور اپنی نازک خیالی میں شاعر سے بازی لے گیا ہے ۔ غالب کے گھوڑے کے راستہ میں کوئی مزاحمت یا رکاوٹ نہیں ہے ۔ خطرہ صرف اس بات کا ہے کہ گھوڑا کہیں رک نہ جائے ۔ کیونکہ گھوڑا رکا . . . اور سوار گرا ۔ اب ذرا مصور کی شاعری ملاحظہ ہو ۔ دریا کا بہاؤ وقت کی روانی کا مظہر ہے ۔ کنول میں شعلہ کا سفر زندگی کا سفر ہے ۔ شعلہ کے لئے یہ سفر کسقدر خطرناک ہے اس کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ ہوا کا ایک تیز جھونکا موج کی ایک اتفاقی کروٹ اس شعلہ کو ہمیشہ کے لئے بجھا سکتی ہے زندگی کی بے ثباتی اس تصویر میں اتنی لبھانے والی ہوگئی ہے کہ دوام کا راستہ چھوڑ کر ہر ایک اسی کے پیچھے پیچھے سرگرم سفر ہے ۔ جاہے وہ جہاں لے جائے ۔ جاہے وہ جہاں چھوڑدے ۔

. . . .

شاعر جب حزن و ملال کا ماتم کرنے بیٹھا تو خود بھی ان کی لپیٹ میں آگیا ۔

ایک خیال یہ ہے کہ یہ شاعروں کا نکما پن ہے جو نحوست بن کر ساری بلاؤں کو انکے گھروں میں آباد کرتا ہے ۔ دوسری طرف یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سب شاعرانہ نقشہ کشی ہے ۔ حقیقت میں شاعر مست مگن اور عیش کی پینگیں اڑانے

والے ہوتے ہیں ۔ لیکن یہ بات ماننی ہی پڑتی ہے کہ اگر صرف شاعری ہی ذریعہ معاش ہو تو پھر شاعر کے نکبت و افلاس کے تعلق سے دو رائیں نہیں ہوسکتیں ۔ انوری کے بیان کو تسلیم کرلیں تو شاعر کا گھر دنیا بھر کی بلاؤں کا مسکن ہوتا ہے ۔

ہر بلائے کز آسماں آید
گرچہ بر دیگراں قضا باشد
بر زمیں نارسیدہ می گوید
خانہ انوری کجا باشد

ہر وہ بلا جو آسمان سے اترتی ہے زمین تک پہنچنے بھی نہیں کہ پوچھنے لگتی ہے ۔ انوری کا گھر کہاں ہے حالانکہ اسکو کسی اور کے گھر جانا ہوتا ہے ۔ انوری کا گھر کیا ہوا بلاؤں کا گھر ہوا خود انوری کی قسمت کی بلائیں کیا کم ہیں کہ دوسروں کی بلائیں بھی اسکے لئے بڑے نکلیں ۔ ہوسکتا ہے انوری جس خندہ پیشانی سے بلاؤں کا خیر مقدم کرتا ہے اسکی کشش دوسری بلاؤں کو اس کی طرف متوجہ کرتی ہے ۔ یا یہ کہ انوری کی بلائیں اسکا قصہ ختم کرنے میں ناکام رہتی ہیں تو دوسری بلائیں ہاتھ بٹانے کو اسکے گھر کا رخ کرتی ہیں ۔ جو بھی ہو بلا نصیبی میں انوری کا کوئی شریک نہیں ۔ وہی سب کی بلاؤں کو بھگتنے والا ہے ۔ انداز بیاں اسقدر دل نشیں ہے کہ شاعرانہ مبالغہ کی گنجائش کے باوجود اس پر رحم آہی جاتا ہے ۔

خورشید احمد جامی کی زند گی کا بڑا حصہ ابتلا اور کشمکش میں گذرا ۔ اور اگر کسی وقت آزمائش کی سخت گرفت میں انہوں نے یہ محسوس کیا کہ دنیا میں وہی اکیلے غم کا نشانہ ہیں ۔ تو یہ کوئی شاعرانہ مبالغہ نہیں ۔ جب نشاط کی ہوا چلتی ہے کچھ اور تیز جھونکوں پر حق جتایا جاتا ہے ۔ جب بلاؤں کی آندھی اٹھتی ہے ایسی واویلا مچتی ہے جیسے آسمان ہی ٹوٹ پڑا ۔ جامی کے پاس انوری کا متاثر کن لب و لہجہ تو نہیں ہے لیکن حسن بیان اسقدر دلپذیر ہے کہ ایک دھڑکن تڑپتی ہے دوسری جھومتی ہے ۔ بلائیں انوری کا گھر ڈھونڈتی ہیں لیکن غم ایام جامی کے گھر کی تلاش میں ہے ۔ جامی کو معلوم ہے غم ایام اس کا گھر ڈھونڈ رہا ہے ۔ اور یہ بھی ممکن ہے خود جامی سے اس کے گھر کا پتہ پوچھا گیا ہو ۔ لیکن جامی اس افتاد کا واضح ذکر نہیں کرتا ۔ سمجھ گیا ہے کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غم ایام آخر کار اسکے گھر پر ہی دستک دیگا ۔ انوری کے گھر میں بلاؤں کا ہجوم ہے اور انوری کا ہر ہمدرد ان بلاؤں کو اسکے گھر سے باہر کرنا چاہیگا کیونکہ وہ غلط گھر میں گھس بیٹھی ہیں ۔ لیکن جامی کا یہ حال ہے کہ حادثہ غم سے خبردار ہے اور دستک پر کان لگائے بیٹھا ہے ۔

جامی کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے لیکن یہ خیال مانع ہوتا ہے کہ اب اس بلا کش کو بچانے کی کسی بھی کوشش سے کچھ فائدہ نہیں ۔

انجان مسافر کی طرح شہر وفا میں
گھر ڈھونڈ رہاتھا غم ایام کسی کا

* * * *

چیف منسٹر آندھرا پردیش شری جے ۔ وینگل راؤ نوروتی سوپر مارکٹ کی صدرنشین شریمتی روڈاستری کے ساتھ سوپر مارکٹ کا معائنہ کر رہے ہیں ۔
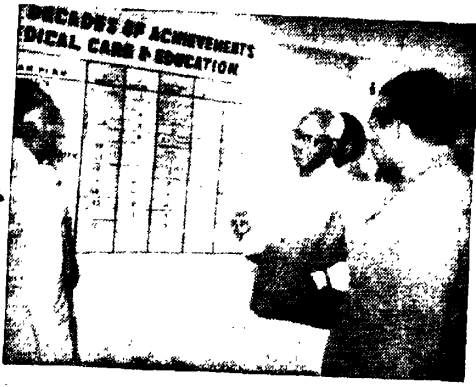
خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر : شری کے راجملو وزیر صحت نے ٦ - جنوری کو '' میڈیکل اینڈ ہیلتھ سروس کی ٢٠ سالہ ترقی ،، کا کل ہند نمائش میدان پر افتتاح کیا -

بائیں جانب درمیان میں :- شری ی - وی - بوبئرن ڈی - آئی - جی - اے - پی - ایس - پی نے ٢٨ - دسمبر کو ماسور اسکول کا افتتاح کیا - جو شرمدان کی مدد سے تعمیر کیا گیا تھا اور اس پر ٦٠ ہزار روپے کی لاگت آئی -

بائیں جانب نیچے :- موضع بولاورم تعلقہ بندر میں جاپانی وفد کے ممبر '' ہمدری آرٹ ،، کے کنزوں کا بغور جائزہ لے رہے ہیں -

دائیں جانب اوپر : شری - وائی نارائن سوامی وزیر اسمال اسکیل انڈسٹریز نے حال ہی میں رایادرگ کے مقام پر کمزور طبقات میں پٹے تقسیم کئے -

دائیں جانب نیچے : شریمتی شکنتلا بھنڈارے نے ٨ - جنوری کو لکشمی سوپر بازار گنٹور کا معائنہ کیا -

اروند کمار

پھر بھی دل ہے ہندوستانی

بھارتی سینما نے اپنے فنی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے شروع ہی سے اپنا منفرد راستہ اور اسلوب اپنایا اور ہر محاذ پر ہندوستانیت کو برقرار رکھا ۔ یہ امتیازی خصوصیت نہ صرف ہندی فلموں میں بلکہ دیگر تمام ہندوستانی زبانوں کی فلموں میں موجود ہے ۔ اس قومی جھلک اور اسلوب کے ساتھ ساتھ ، ہر زبان کی بھارتی فلموں میں ان کی اپنی انفرادیت اور تخلیقی معیار برقرار رہتا ہے ۔

بھارتی سینما کی سب سے بڑی خوبی اس کا مکمل طور پر ہندوستانی ہونا ہے ۔ اسکی بنیادی تحریک عمل ، اس کے وجود میں آنیکا سبب اس کی نشو و نما پانے کی صلاحیت ، اس کی سادگی — غرضیکہ اس کا سب کچھ ، اسکی ہندوستانیت میں مضمر ہے ۔

بھارتی سینما کے آغاز کی کہانی بڑی دلچسپ ہے ۔ ۱۹۱۱ع میں ایسٹرڈے کے موقع پر دادا دھنڈی راج گووند پھالکے نامی ایک چالیس سالہ ہندوستانی بمبئی کے ایک سینما ہال میں حضرت عیسی مسیح کی زندگی پر مبنی ایک غیر ملکی فلم دیکھ رہے تھے ۔ یہ فلم دیکھکر ان کے دل میں پردہ سیمیں پر شری کرشن کی لیلا دیکھنے کی آرزو پیدا ہوئی ۔ یہ تمنا صرف ان ہی کے دل کی نہیں تھی ، بلکہ ان جیسے تمام ہندوستانیوں کی بھی آرزو تھی ۔ یہ آرزواس وقت سینما گھروں میں دکھائی جانے والی غیر ملکی ثقافت کی جھلکیوں اور غیر ملکی تہذیب کے پس منظر میں بھٹکتی ہوئی بھارتی ثقافت کو اجاگر کرنے کے جذبے کی آئینہ دار تھی ۔

فلم ختم ہوگئی ۔ دادا پھالکے باہر آئے دوبارہ ٹکٹ خریدا اور پھر فلم دیکھنے لگے ۔ پردے پر حضرت عیسی کی زندگی کے مناظر دکھائے جارہے تھے ، لیکن دادا پھالکے اپنے تصورات کی دنیا میں کھوئے ہوئے ، اپنے دل کے پردے پر کرشن جی کی لیلا دیکھ رہے تھے ۔

دادا پھالکے مادر ہند کے ایک سچے سپوت تھے ۔ وہ چشم بصیرت کے مالک تھے ۔ وہ لگن ، ایثار و قربانی اور ریاضت کا پیکر تھے ۔ ان میں اپنے خوابوں کو عملی جامہ پہنانے کی زبردست صلاحیت موجود تھی ۔

دادا پھالکے نے فن مصوری کی تربیت حاصل کی تھی اور پیشے کے لحاظ سے وہ بلاک میکر تھے ۔ اس لئے انہیں فوٹو گرافی کی تکنیک سے فطری دلچسپی تھی مغربی سینما کی تکنیک کو بھارتی ثقافت اور روایات اور بھارتی تقاضوں اور معیار کے مطابق ڈھالنے کے لئے وہ انتہائی موزوں شخص تھے ۔

انہیں یہ فلم دیکھکر بھارتی سینما کی آئندہ کامیابی کا راز معلوم ہوگیا تھا ۔

انہیں اس حقیقت کا احساس ہوگیا تھا کہ لوک تہذیب کو بنیاد بنا کر ہی فلم جیسے موثر ترین وسیلے کی مدد سے لاکھوں عوام کے دلوں تک رسائی حاصل کی جا سکتی ہے ۔

پس بھارتی فلم کا حسین خواب دیکھ لینے کے بعد دادا پھالکے جیسے باعمل انسان کے لئے خاموش بیٹھ جانا ممکن نہ تھا ۔ چنانچہ انہوں نے غیر ممالک سے فلموں کی تیاری سے متعلق معلوماتی مواد منگا کر اس کا عمیق مطالعہ شروع کیا اور دوسری طرف فلم کی تیاری کے لئے مالی اور تنظیمی وسائل فراہم کرنے میں جٹ گئے ۔ اس کام میں انہوں نے اپنا سب کچھ قربان کردیا ۔ اپنی بیوی کے زیورات تک رہن رکھ دئے ۔ یہاں تک کہ کچھ ماہ بعد ان کی بینائی جاتی رہی ، لیکن اس کے باوجود وہ ہمت نہ ہارے ۔

آخرکار دادا پھالکے کی پہلی فلم منظر عام پر آئی ، لیکن وہ کرشن لیلا پر مبنی نہ تھی ۔ اپریل ۱۹۱۳ع میں دکھائی جانے والی ان کی پہلی فلم حق پرست ، فرض شناس اور خوش خلقی کے پیکر " راجہ ہریش چندر " کے حالات زندگی اور کارناموں پر مبنی تھی ۔

اسی زمانے میں تورنے اور پاٹنکر وغیرہ نے بھی اپنی پہلی فلموں کے لئے دیومالائی موضوعات منتخب کئے ۔

بھارتی فلم کے لئے مذکورہ موضوعات کو اسلئے منتخب کیا گیا کہ غیر ملکی فلموں کے ماحول میں انہیں عنوانات کے

ذریعہ بھارتی سینما میں ہندوستانی عنصر کو فروغ اور مقبولیت دی جاسکتی تھی - دوسری وجہ یہ تھی کہ خاموش فلموں کے لئے ایسے موضوعات کو ترجیح دینا زیادہ مناسب تھا جن کے بارے میں عوام پہلے سے دلچسپی اور واقفیت رکھتے ہوں -

'' راجہ ہریش چندر ،، کو ہر جگہ مقبولیت عام حاصل ہوئی - بھارتی فلم کے شعبے میں اب ثقافتی انقلاب آگیا تھا - اس وقت کے انگریزی اسکولوں میں بھارتی تاریخ کو خواہ کتنے ہی غلط انداز سے پیش کیا جارہا ہو ، اب ہندوستانیوں کے ہاتھ میں وہ ہتھیار آگیا تھا ، جسکی مدد سے وہ اپنے ''دھرم،، اور '' آدرشوں ،، کی فلم کے ذریعے ترجمانی کرکے ، انہیں عوام الناس تک پہنچا سکتے تھے - اب تمام ملک اس ثقافتی تجربے سے استفادہ کرسکتا تھا -

بھارتی فلم کی ابتداء دیومالائی کہانیوں سے ہوئی - لیکن جلد ہی ہم اپنے سماج کو اپنے نقطہ نظر سے دیکھنے لگے - دھیرین گنگولی خاموش فلموں میں سماجی موضوعات لیکر آئے - انہوں نے اپنی فلم '' انگلینڈ ریٹرن ،، (بلات بھیرات) میں انگریزوں کی اندھی تقلید کرنے والے بھارتیوں پر طعن کیا ہے - شانتارام نے فلم کے ذریعے حب الوطنی کے جذبے کو فروغ دینے اور آزادی کا نعرہ بلند کرنے کے مقصد سے بھارت کے عظیم سورماؤں کے کارہائے نمایاں پر مبنی فلم بنائی -

۱۹۳۱ء میں عالم آراء نامی بولتی فلم بردۂ سیمیں پر آئی گویا اب ولائتی فلموں کا دور ایک طرح سے بالکل ختم ہوگیا - اب بھارتی فلموں کی زبان ہندی یا کوئی دیگر علاقائی زبان ہوگئی انگریزی سمجھنے والے لوگوں کی تعداد اس ملک میں نہ کبھی بہت تھی اور نہ کبھی بہت ہوگی - کچھ گنے چنے لوگ ہی انگریزی فلمیں دیکھتے رہے ہیں - عام آدمی کے لئے اب صرف بھارتی سینما ہی واحد سینما رہ گیا -

بھارتی سینما کو فروغ دینے میں عام آدمی نے بڑا اہم رول ادا کیا ہے - دادا پھالکے نے بھی عوام کی امنگوں اور ذوق کی عکاسی کرنے کے لئے فلم کو اپنا وسیلہ اظہار بنایا تھا - بعد کے فلم ڈائریکٹروں اور پروڈیوسروں کو بھی عوام الناس نے ایک خاص سمت میں چلنے کی تحریک دی -

بھارتی فلم کے شائقین کی رہنمائی میں بھارتی سینما نے اپنے لئے ایک بالکل نیا اسلوب اختیار کیا - اس اسلوب کی تشکیل کسی ایک آدمی کی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بہت سے ذہن کار فرما رہے ہیں -

وی شانتا رام ، دھیرین گنگولی ، بی - سی - بروا ، نتن بوس ہمانسورائے ، محبوب خاں ، ایس - مکرجی ، کے - آصف ، بمل رائے، راج کپور ، گرو دت ، ستیہ جیت رے اور رشی کیش مکر جی جیسے متعدد فلم سازوں نے اپنی اپنی صلاحیت اور ذہنی جودت کے مطابق بھارتی سینما کے ڈھانچے کو مستحکم بنایا -

ہماری فلموں کی ہندوستانیت ہمارے عوام کی وہ مشترکہ ہندوستانیت ہے جو مختلف مذاہب ، دیوی دیوتاؤں ، مقدس مذہبی کتابوں ، مہا تماؤں اور مختلف خطوں سے اپنے کام کی چیزیں لے لیتی ہے ، انہیں پوری طرح اپنا لیتی ہے اور کسی کے اثرات کے دباؤ کو قبول نہ کرکے ، اپنی راہ پر کامیابی کے ساتھ گامزن رہتی ہے - اس ہندوستانیت کا تعلق مسلسل تبدیلی کی اس مستحکم روایت سے ہے جو اپنی انفرادیت برقرار رکھتے ہوئے ساری دنیا کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلتی ہے -

یہ وہ ہندوستانیت ہے ، جسکی تعریف سورگیہ شیلیندر نے اپنے ایک فلمی گیت میں اس طرح کی ہے -

'' میرا جوتا ہے جاپانی
یہ پتلون انگلستانی
سر پہ لال ٹوپی روسی
پھر بھی دل ہے ہندوستانی ،،

* * * * *

گوردیال سنگھ والیہ

بین الاقوامی ڈاک ٹکٹ

دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ "پینی بلیک" برطانیہ میں سنہ ۱۸۴۰ء میں جاری کیا گیا تھا۔ اس کے بعد دیگر کئی ممالک نے بھی یکے بعد دیگرے اپنے ہاں ڈاک ٹکٹ نکالے اور آج تین سو سے زیادہ ممالک ہرسال لگ بھگ چار ہزار سے لے کر سات ہزار تک نئے ٹکٹ چھاپتے ہیں۔ اولمپک کھیل، ایشیائی کھیل، ملیریا کی روک تھام، تپ دق کا انسداد، جنگلات اگاؤ مہم، صنعتی ترقی، مشہور و معروف ڈرامہ، شاعر اور مقبول عام ادیب، ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ممالک کے سربراہ اور دیگر کئی اہم مسائل کو لیکر بین الاقوامی طور پر خاص خاص موقعوں پر نئے ڈاک ٹکٹ جاری کئے جاتے ہیں۔ بھارت امریکہ اور برطانیہ نے جنگلی جانوروں کے تحفظ کے بارے میں اور روس نے خلائی پروازوں کے بارے میں جو ٹکٹ جاری کئے ہیں وہ قابل دید اور نفاست پسندی کا بہترین نمونہ ہیں۔

ڈاک ٹکٹوں کا عام استعمال یوں تو خطوط، تار یا پارسل بھیجنے کے لئے ہی ہوتا ہے۔ لیکن ان کے مقابلے میں ڈاک ٹکٹ اکٹھے کرنے والوں میں ان کی مانگ کہیں زیادہ ہے۔ دیاسلائی کی ڈبیا کے لیبل، نب، پنسلیں وغیرہ کی طرح ڈاک ٹکٹ اکٹھے کرنا آج کی مہذب دنیا کا ایک اہم اور دلچسپ شوق ہے۔

پہلا ڈاک ٹکٹ جاری کرنے والے ملک برطانیہ کے ڈاک ٹکٹوں پر اس ملک کا نام کبھی بھی چھاپا نہیں جاتا۔

فوٹوگرافی، تصویر کشی، مینا کاری، مچھلی پکڑنا، شہد کی مکھیاں پالنا، پہاڑوں پر چڑھنا، برف پر سکیٹنگ کرنا، ہوائی جہاز چلانا، غرضیکہ یہاں تک کہ بذات خود ڈاک خانے کے کام کاج اور روزانہ کے امور پر بھی ڈاک ٹکٹ نکالے گئے ہیں۔

ڈاک ٹکٹ پر مذہب و ملت اور سیاست سے لے کر کھیل کود، علم سائنس، علم حکمت، کاروبار، جیومٹری، جغرافیہ، تواریخ، پرند چرند اور درند، ریل، تار، ڈاک، موٹر سائیکل، جہاز، ہوائی جہاز، سپوتنک، پھل پھول، کھیتی باڑی، زراعتی اوزار اور ٹریکٹر، موٹر کار، بیل گاڑی، اور عظیم انسان عورتوں کے ساتھ کوئی بھی ایسی چیز باقی نہیں رہی جسے ٹکٹوں کی شکل میں تصویر بنا کر پیش نہ کیا گیا ہو۔

بھارت میں تو صرف چوکور ٹکٹیں ہی نکلتی ہیں لیکن کئی دیگر ممالک نے تو آٹھ پہلو، چھ پہلو، مربع نما، انڈا نما، اور گول ٹکٹ بھی جاری کئے ہیں۔ حال ہی میں کچھ ممالک نے تکون نما ٹکٹ بھی نکالے ہیں جو کافی پسند کئے گئے ہیں۔ آسٹریلیا نے پچھلے سال مچھلیوں اور سمندری جانوروں نیز پانی میں رہنے والے دیگر حشرات الارض کے بارے میں جو نئی قسم کے رنگین ٹکٹ چھاپے ہیں وہ نہایت خوشنما، دلفریب، دلکش اور آرٹ کا بہترین نمونہ ہیں۔

شروع شروع میں تو تمام ممالک نے جو چوکور ٹکٹ ہی نکالے تھے۔ سنہ ۱۸۴۳ء میں برازیل نے دو انچ بڑا چوکور ٹکٹ نکالا تھا۔ سب سے پہلا کئی رنگوں والا ٹکٹ سنہ ۱۸۴۵ء میں جاری کرنے کا سہرا سوئٹزرلینڈ کے سر ہے۔ پہلا آٹھ پہلو ٹکٹ برطانیہ نے سنہ ۱۸۴۹ء میں چھاپا تھا۔ یوگنڈا نے مربع نما ٹکٹ سنہ ۱۸۴۹ء میں نیو ساؤتھ ویلز (آسٹریلیا) نے سنہ ۱۸۵۶ء میں بیضہ نما اور بالکل گول ٹکٹ رومانیہ نے سنہ ۱۹۰۹ء میں نکالا تھا۔ تکونی ٹکٹ سنہ ۱۸۶۵ء میں کولمبیا اور الٹے تکونی (جس کا ۹۰ ڈگری کا زاویہ اوپر تھا) قسم کے ٹکٹ سنہ ۱۹۲۱ء میں پہلی بار جاری کرنے کا فخر صرف لیتھوانیا کو حاصل ہوا۔

شروع شروع میں تو تمام ممالک نے اپنے اپنے حکمرانوں کی تصویریں ٹکٹوں پر چھاپی تھیں۔ مگر اس میں تبدیلی پیدا کرنے اور جدت پیش کرنے میں فرانس نے سنہ ۱۸۴۹ء میں سب سے پہلے سروا دیوی کی تصویر چھاپی۔ آسٹریا اور سوئٹزرلینڈ نے سنہ ۱۸۵۰ء میں سب سے پہلے آٹومیٹک ہتھیاروں کی نمائش ان ٹکٹوں کے ذریعے کی۔ کینیڈا نے سنہ ۱۸۵۱ء میں ٹکٹوں میں مویشیوں کی تصویر کشی شروع کی۔ پھولوں کی تصویریں بنانے کا بھی اسی سال نیو برنسوک نے پہلی بار اجرا کیا۔ اسی طرح برٹش گائنا نے سنہ ۱۸۵۳ء میں جہاز، سنہ ۱۸۵۴ء میں اسٹریلیا نے پرندہ، سنہ ۱۹۶۲ء میں نائیجیریا نے قدرتی نظارہ پاناما نے سنہ ۱۸۸۷ء میں اپنے ملک کا نقشہ اور یونان نے سنہ ۱۸۹۶ء میں اولمپک کھیل کود اور امریکہ نے سنہ ۱۹۱۸ء میں پہلی بار ہوائی جہاز کی تصویریں ٹکٹوں پر بنائی تھیں۔

الگ الگ شکل و صورت اور رنگ و روپ کی ٹکٹوں کے علاوہ کچھ ممالک نے زیادہ قیمت والی ڈاک ٹکٹیں بھی جاری کی ھیں - جیسے عدن نے دس روپے ، آسٹریلیا نے دو پونڈ ، برطانیہ نے پانچ پونڈ ، روس نے سات روبل ، اور بھارت نے پچیس روپے کا ٹکٹ جاری کیا ھے - ھم سبھی سمجھتے ھیں کہ ایک بار استعمال میں آنے کے بعد ڈاک ٹکٹ بیکار ھوجاتا ھے - مگر ایسا نہیں ھے - کچھ لوگ نئے ٹکٹ اور خاص تقاریب یا موقعوں پر جاری کئے گئے خاص قسم کے ٹکٹ ھی اکٹھے کرتے ھیں - لیکن بہت سے لوگ تو صرف پرانے ٹکٹوں کو اکٹھا کرنے کا شوق ھی رکھتے ھیں ۔

جہاں تک منی ، پارسل وغیرہ بھیجنے کا سوال ھے ، پچیس روپے محصول والے پارسل کم ھی بھیجے جاتے ھیں - یہی وجہ ھے کہ زیادہ قیمت والے کم میں آنے والے ڈاک ٹکٹ کچھ عرصہ بعد نئے ٹکٹوں کے مقابلے میں زیادہ مہنگے اور نایاب ھوتے ھیں - مثال کے طور پر عدن کا دس روپے والا پرانا ٹکٹ آج لگ بھگ اڑھائی سو روپے میں بھی ملنا دشوار ھے - اسی طرح بھارت کا پچیس روپے والا ٹکٹ آج چار سو روپے سے زیادہ قیمت رکھتا ھے -

کچھ ٹکٹ کم قیمت ھونے ھونے بھی بہت کم دستیاب ھونے کی وجہ سے کافی قیمتی ھوتے ھیں - جیسے کینیڈا نے ۱۸۵۱ع میں جاری کیا گیا بارہ پنس کا ٹکٹ آج لگ بھگ ایک لاکھ روپے کا ھے - اور کینیڈا کے سنہ ۱۸۵۱ع کے ۹ پنس کے ٹکٹ کی قیمت آج اکیس ھزار روپیہ سے زیادہ ھے -

کسی چیز میں کوئی کمی ، خرابی یا گڑبڑ ھو تو اس کی اھمیت اور قیمت کم ھو جاتی ھے - مگر اسکے باوجود کچھ ڈاک ٹکٹوں کی حالت اس کے برعکس ھے - خرابی یا گڑبڑ تو انکے لئے ایک بہت بڑی خوبی یا خاصیت بن گئی ھے -

بڑا نقص جسے عام طور پر بڑی خرابی کہا جاتا ھے وہ چھپائی کی گڑبڑ سے پیدا ھوتا ھے - مگر ان نقائص کے ھوتے ھوئے بھی اسی چیز [illegible] ایک قسم کی خوبی بن جاتی ھے - برٹش گائنا کا ایک [illegible] ٹکٹ دنیا بھر کے تمام ٹکٹوں سے زیادہ مہنگا [illegible] لیا ھے - سنہ ۱۸۵۶ع میں نکلے عنابی رنگ کے [illegible] رنگ میں چھپے اس ٹکٹ کی قیمت ساڑھے آٹھ لاکھ روپے ھے - کیونکہ اسی ڈھنگ کا یہ ایک ھی ٹکٹ باقی رہ گیا ھے -

برطانیہ کے ایک طالب علم کو اپنے خاندان کی پرانی چٹھیوں میں یہ ٹکٹ اچانک ھی مل گیا تھا - تب وہ بچارہ کیا جانتا تھا کہ یہ ٹکٹ اتنا نایاب ھے کہ کسی دن ساڑھے آٹھ لاکھ روپے میں بکے گا - اس نے اسے ایک بیوپاری کو صرف پانچ شلنگ میں ھی بیچ دیا تھا -

در حقیقت یہ ھوا تھا کہ برٹش گائنا کے ڈاک گھر میں ایک بار برطانیہ سے ٹکٹوں کی مقررہ سپلائی نہیں پہنچی تو وھاں کے پوسٹ ماسٹر نے کچھ مقامی ٹکٹ چھپا لئے - مگر سرکاری ڈاک ٹکٹ بھی جلدی ھی آ پہنچے - تب تک جو تھوڑے بہت اس علاقے میں چھپے ٹکٹ بک چکے تھے انہیں میں سے ایک ٹکٹ اس طالب علم کو پرانے خطوط کی چھانٹ کرتے وقت ھاتھ لگ گیا تھا -

اس ٹکٹ کے چھپنے کے سترہ سال بعد تک کسی کو اس کا پتہ ھی نہیں چلا - سنہ ۱۹۲۲ع میں یہ ٹکٹ کاؤنٹ فیراری کے ذاتی ذخیرے میں رھا - جنھوں نے اسے دوھزار پانچ سو روپئے میں خریدا تھا - کاؤنٹ فیراری کے مرنے کے بعد ان کی وصیت کے مطابق اسے برلن کے ڈاک گھر کے میوزیم کو دے دیا گیا - دوسری جنگ عظیم میں فرانس نے اس میوزیم کے تمام ڈاک ٹکٹ اپنے قبضے میں کرلئے - جب اسے بیچا گیا تو آرتھر ھنڈ نام کے ایک نوجوان نے اسے ۲,۶۶,۰۰۰ روپے میں خرید لیا - ھنڈ کے مرنے کے بعد اسکی بیوی نے اسے بیچنے کی [illegible] کوشش کی مگر جنگ کے بعد ایسا وقت آیا کہ اسکا کوئی خریدار ھی نہیں ملا - سنہ ۱۹۴۰ع میں ھنڈ کی بیوی نے اسے فروخت کے لئے نیویارک کے ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور کے سپرد کر دیا - وھاں سے کسی گمنام خریدار نے اسے خرید لیا - لوگوں نے اسوقت اندازہ لگایا تھا کہ شاید وہ گمنام خریدار امریکہ کے صدر روزویلٹ تھے - مگر صدر امریکہ نے اس خبر کو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] - مگر ابھی [illegible] چار سال پہلے یہی ٹکٹ ایک بار پھر ساڑھے آٹھ لاکھ روپے میں فروخت ھوا ھے -

ایسی ھی دلچسپ داستان دیگر دو ڈاک ٹکٹوں کی بھی ھے - [illegible] کے گورنر کی بیوی [illegible] [illegible] کچھ دعوتی خطوط کے جواب میں [illegible] کے لئے خاص ٹکٹ چھپوانے [illegible] - [illegible] والے [illegible] "پوسٹ پیڈ" (Post Paid) [illegible] اور وہ چھپ بھی گیا - جتنے ٹکٹوں کی انہیں ضرورت تھی انھوں نے لے لئے اور باقی کے ٹکٹ ضائع کردئے گئے - ان ایک اور دو پنس کے ٹکٹوں کی قیمت آج اڑھائی لاکھ [illegible] ھے -

نایاب ٹکٹوں کی فہرست میں ھوائی جزیرے کے سنہ ۱۸۵۱ع میں جاری کئے گئے تین ٹکٹ بھی آتے ھیں - ان دنوں عیسائی مذھب کے مبلغ ھی ڈاک ٹکٹ استعمال کرتے تھے - اسی

وجہ سے یہ تینوں ٹکٹ " مسنٹریز " کے نام سے مشہور ہیں ۔ ان میں سے دو سینٹ کے ٹکٹ کا دام آج کل سوا لاکھ روپئے ، پانچ سینٹ کے ٹکٹ کا دام ساٹھ ہزار روپئے اور تیرہ سینٹ کے ٹکٹ کی قیمت تیس ہزار روپئے ہے ۔

خراب چھپائی کے لحاظ سے نایاب مانا جانے والا جرمنی کا سنہ ۱۹۵۶ع میں موسیقار رابرٹ شومان کے جنم دن پر جاری کیا گیا دس فینگ کا ٹکٹ تھا ۔ ٹکٹ میں شومان کی تصویر کے پس منظر میں اس کے کسی گیت کی کچھ سطور بھی چھاپی گئی تھیں بعد میں جب یہ پتہ چلا کہ وہ سطور تو کسی دوسرے نغمہ نوا اور گیت نویس سوبرٹ کے ایک گیت کی ہیں تو باقی بچے تمام ٹکٹ ضائع کردئے گئے ۔ خرابی کی وجہ سے یہ ٹکٹ ضرور مقبول عام ہوا مگر قیمت کے لحاظ سے اسے نایاب تسلیم نہیں کیا گیا ۔

کبھی کبھی رنگین ٹکٹوں میں کوئی رنگ خاص طور سے کچھ ہٹ کر چھپ جاتا ہے ۔ کبھی کبھی بیچ کا حصہ الٹا بھی چھپ جاتا ہے ۔ [illegible] جانے والے ٹکٹوں میں سنہ ۱۹۰۱ع میں جاری کیا گیا بھارت کا جارآنے کا ٹکٹ بھی آتا ہے ۔ کچھ ٹکٹوں کے مرکزی حصہ میں مہارانی وکٹوریہ کا عکس جو الٹا چھپ گیا تھا ۔ ایسے ٹکٹ کا مول آج لگ بھگ پانچ ہزار روپئے ہے ۔

اسی طرح امریکہ کا سنہ ۱۹۱۸ع میں جاری کیا گیا چوبیس سینٹ کا دو رنگا ہوائی ٹکٹ ہے ۔ جن دنوں یہ ٹکٹ جاری کیا گیا انہی دنوں [illegible] کے نام کے ایک شخص کے ہاتھ سو ٹکٹوں کی ایک ایسی شیٹ لگ گئی جس کے تمام ٹکٹوں پر بیچ میں ہوائی جہاز الٹا چھپ گیا تھا ۔ کل ۲۴ روپئے میں خریدی ان سو ٹکٹوں کی قیمت آج تقریباً تیس لاکھ روپئے ہے ۔

سنہ ۱۹۵۹ع میں امریکہ اور کناڈا کے بیچ سے نئے سینٹ لارنس کی آبی شاہراہ کی رسم افتتاح کے موقعہ پر (جبکہ مہارانی الزبتھ وہاں موجود تھیں) ان دونوں ملکوں نے ایک ہی جیسے ڈاک ٹکٹ جاری کئے تھے ۔ کناڈا کے کچھ ٹکٹوں پر بیچ کا حصہ الٹا چھپ گیا تھا ۔ ایسے ٹکٹوں کی اہمیت اور قیمت آج بہت زیادہ ہے ۔

اسی طرح سنہ ۱۹۶۳ع میں امریکہ نے یو ۔ این ۔ او (اقوام متحدہ) کے جنرل سیکریٹری ڈیگ ہیمر شولڈ (مرحوم) کی یاد میں جاری کئے گئے چار سینٹ کے کچھ ٹکٹوں پر پس منظر کا زرد رنگ کچھ ہٹ کر چھپ گیا تھا ۔ جب ایسی ایک شیٹ کا پتہ چلا تو امریکی پوسٹ ماسٹر جنرل نے وہ تمام نقص والی ٹکٹیں نا قابل استعمال اور غیر قانونی قرار دے دیں ۔ مگر جن حضرات کو یہ ٹکٹ ملے تھے انہوں نے سرکاری اعلان کے خلاف امریکہ کی سپریم کورٹ میں اپنی عرضی داخل دفتر کروادی اور سپریم کورٹ نے پوسٹ ماسٹر جنرل کے سرکاری اعلان کو نا جائز اور غیر قانونی قرار دیتے ہوئے اسے رد کردیا ۔ ان ٹکٹوں کی یہ پوری شیٹ آج دنیا بھر میں بڑی قیمتی ہے ۔

ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ایسی نقص والی ٹکٹوں کی ہو بہو نقل ٹکٹوں کے بیوپاری فوراً ہی تیار کر لیتے ہیں ۔ ایک بار تو رومانیہ کے سرکار نے بھی اپنے یہاں نکلے ایک ٹکٹ میں جان بوجھ کر نقص چھوڑ دیا تھا اور اسکی ہزاروں نقلیں نایاب بنا کر بیچ دی گئی تھیں ۔ بات ساتوں تک رومانیہ کی یہ چال لوگوں کو معلوم ہی نہیں ہوئی تھی ۔

آج کل کے سیاسی اور اقتصادی حالات اور زر و بازاری نظام میں ڈاک ٹکٹ غیر ملکی زر مبادلہ حاصل کرنے کا ایک بہت اچھا ذریعہ بن گئے ہیں ۔ دنیا کے کونے کونے میں ڈاک ٹکٹ اکٹھے کرنے کے شوقین کروڑوں کی تعداد میں ہیں ۔ ہر ملک کے ہر نئے نکلنے والے ٹکٹ کو بیوپاری ایسے شوقین مزاج لوگوں کے لئے ہزاروں کی تعداد میں خریدتے ہیں ۔ چھوٹے سے ملک " موناکو " کے لئے تو ڈاک ٹکٹ اس کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ سمجھے جاتے ہیں جہاں کروڑوں روپیوں کا بیوپار پرانے اور نئے ٹکٹوں کے لین دین اور خرید و فروخت سے ہوتا ہے ۔

ٹکٹ اکٹھے کرنے کے شوقین یوں تو سماج کے ہر فرقے میں موجود ہیں لیکن نایاب ٹکٹ خریدنا اور جمع کرنا صرف امیر طبقہ کے لوگوں کے لئے ہی ممکن بات ہے ۔ برطانیہ کے سہنشاہ جارج پنجم آنجہانی ، امریکہ کے صدر ہربرٹ ہوور اور فرینکلن روزویلٹ بھی مشہور و معروف ڈاک ٹکٹ اکٹھے کرنے والے شوقین لوگوں میں سے تھے ۔ برطانیہ کی ملکہ الزبتھ کو بھی ڈاک ٹکٹوں کا جو ذخیرہ اپنے دادا سے وراثت میں ملا ہے اسکی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال نیز اسے محفوظ رکھنے کے لئے ایک پورا ادارہ کام کرتا ہے جس کے کئی دفاتر ہیں ۔

* * * * *

حسنی سرور

غزل

یوں میرے نام سے اب وقت کے پیغام آئے
وهی انسان هے جو اوروں کے بهی کام آئے

ایسے لکھے هوئے آتے هیں صحیفہ تیرے
جیسے گلشن سے بہاروں کے هوں پیغام آئے

پنکھڑی پنکھڑی ارمانوں کی مسکائی هے
دل کی وادی میں کوئی یاد صبح شام آئے

ان کی محفل میں جهکائے هوئے سر بیٹھے هیں
جتنے آئے بهی میرے سر هی سب الزام آئے

دل کی حسرت نہ مٹی ، هائے تمناؤں کے نام !
بعد مدت کے خط آئے بهی تو گمنام آئے

بربط دل پہ وہ اک گیت لرز جاتا هے
دفعتا هونٹوں پہ جبکہ سے تیرا نام آئے

ایسے گردش میں هے تقدیر هماری حسنی
جیسے میخانہ دانش میں کوئی جام آئے

نیا در کھلا

اک نیا در کھلا
دور صدیوں کی جیسے گھٹن هوگئی
روشنی کی کرن با نوید جنوں
جو اندهیروں کے قیدی تھے اک عمر سے
ان کی آنکھوں نے دیکھا هے حسن سحر
روح و جاں روشنی میں نہا سے گئے
اک سکوں دل کی گہرائیوں میں اترنے لگا
زخم بھرنے لگے پھول کھلنے لگے
کون یہ آیا اجالوں کا پیغامبر ؟
کس نے انسانیت کو فروں کردیا
اسکی عظمت کو لاکھوں سلام
اسکی جرات کو لاکھوں سلام
آؤ اک عہد هم بھی کریں
اپنے پرچم کو هونے نہ دیں سرنگوں !!

* * * * *

STATEMENT ABOUT OWNERSHIP AND OTHER PARTICULARS ABOUT

" *ANDHRA PRADESH* "

FORM–IV

(*See Rule* 8)

Place of Publication	..	Hyderabad.
Periodicity of Publication	..	Monthly.
Printer's Name	...	Director, Government Printing.
Nationality	..	Indian.
Address	..	Chanchalguda, Hyderabad.
Publisher's Name	..	Srirajyam Sinha.
Nationality	..	Indian.
Address	..	Director, Department of Information And Public Relations, Hyderabad, A.P.
(Chief) Editors' Name	..	Srirajyam Sinha
Nationality	..	Indian.
Address	..	Director, Department of Information and Public Relations, Hyderabad, A.P.
Name and address of individuals who own the Newspaper and partners or share-holders holding more than one per cent of the total capital.	}	NIL.

I, Srirajyam Sinha, hereby declare that the particulars given above are true to the best of my knowledge and belief.

(Sd.) SRIRAJYAM SINHA,
Signature of the Publisher.

PUBLISHED BY THE DIRECTOR OF INFORMATION & PUBLIC RELATIONS ANDHRA PRADESH, HYDERABAD.
PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING, GOVT. OF ANDHRA PRADESH, AT GOVT. CENTRAL PRESS, HYDERABAD

of the South

دھرا پردیش

سنہ ۱۹۷۷ء

۵۰ پیسے

آندھرا پردیش موازنہ بہ یک نظر

شری پی۔ رنگاریڈی وزیر فینانس نے ۲۳ - مارچ ، کو قانون‌ساز اسمبلی میں آندھرا پردیش کیلئے سال ۷۸-۱۹۷۷ ع کا موازنہ پیش کیا - موازنہ بہ یک نظر ذیل میں پیش کیا گیا ہے -

	تخمینہ موازنہ سال ۱۹۷۷-۷۸	نظرثانی‌شدہ تخمینہ سال ۱۹۷۶-۷۷	تخمینہ موازنہ سال ۱۹۷۶-۷۷
لاکھ روپیوں میں :			
اوپننگ بیلنس	۱۰۰٫۰۰	(−) ۲۹۱۱٫۵۳	۵۰٫۰۰
آمدنی	۷۶۳۳۶٫۰۳	۶۸۸۰۷٫۰۰	۶۵۶۱۵٫۱۷
اخراجات	۶۹۷۵۵٫۱۱	۶۳۹۶۳٫۵۲	۶۱۶۴۱٫۰۵
خسارہ یا (+) فاضل	۶۵۸۰٫۹۲	۴۸۴۳٫۴۸	(−) ۳۹۷۴٫۱۲
وصولیات	۲۳۰۸۸٫۵۹	۲۶۸۲۴٫۷۹	۱۹۱۳۸٫۶۲
ادائیاں	۳۵۰۱۹٫۵۱	۲۸۶۵۷٫۷۴	۲۷۴۳۱٫۷۴
	۱۱۹۳۰٫۹۲	(−) ۱۸۳۲٫۹۵	(−) ۸۲۹۳٫۱۲
کلوزینگ بیلنس	(−) ۵۲۵۰٫۰۰	۱۰۰٫۰۰	(−) ۳۲۶۹٫۰۰

آندھرا پردیش

ترتیب

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ

حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا۔

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

ساہ اپریل ۱۹۷۷

چیترا — ویشاکھا

شاکھا ۹۹ - ۱۸۹۸

جلد نمبر ۲۱

شمارہ ٦

سر ورق کا پہلا صفحہ

ہمارے وزیر اعظم

سر ورق کا تیسرا صفحہ

ڈاکٹر امبیڈکر

سر ورق کا چوتھا صفحہ

نہرو زوالاجیکل پارک میں کولیرو پیلیکین

آندھرا پردیش (اردو) ماھنامہ

زر سالانہ چھ روپئے- فی پرچہ ۵۰ پیسے

وی پی بھیجنے کا قاعدہ نہیں -

چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے۔

بائیں جانب اوپر :- شری بی ۔ جے ۔ دیوان گورنر آندھرا پردیش ۲۱ ۔ مارچ کو قانون ساز اسمبلی و کونسل کے مشترکہ اجلاس کو مخاطب کیا ۔

بائیں جانب درمیان میں :- شری ایم ۔ وی ۔ کرشنا راؤ وزیر تعلیم نے محبوب کالج حیدرآباد میں اوپن ایئر کلچرل پروگرام کا افتتاح کیا ۔

بائیں جانب نیچے : شری بی ۔ رنگاریڈی وزیر فینانس و اطلاعات محبوب کالج حیدرآباد میں اوپن ایئر کلچرل تقریب کے موقع پر مخاطب کررہے ہیں ۔

دائیں جانب اوپر :- شری جے ۔ وینگل راؤ چیف منسٹر آندھرا پردیش نے سلیجگیری میں ۴ ۔ مارچ کو محفوظ آبرسانی اسکیم کا افتتاح کیا ۔

دائیں جانب نیچے :- روسی وفد کے ارکان نے حیدرآباد میں ۸ ۔ مارچ کو هندوستان ایروناٹک لمیٹیڈ دیکھا ۔

چھٹویں لوک سبھا میں ہمارے نمائندے

آندھرا پردیش کے ۴۲ پارلمینٹری حلقوں سے ۱۶ - مارچ ۱۹۷۷ ع کو منعقدہ انتخابات میں حسب ذیل نمائندے منتخب قرار دئے گئے۔

(۱) شری بودے پلی راجگوپال راؤ (سری کاکلم)
(۲) شری وی - کشورا چندرا سوربہ نارائن دیو (پاروتی پورم)
(۳) شری پوساپتی وجیاراما گجپتی راجو (بوبلی)
(۴) شری دورتم راجو سوریہ نارائن (وساکھاپٹنم)
(۵) شری رادھابائی آنند راؤ (بھدراچلم)
(۶) شری یس - آر - اے - یس - ایالاناتیڈو (انکا پلی)
(۷) شری یم - یس - سنجیوا راؤ (کاکی ناڈا)
(۸) شری یس - بی - پی - پٹابھی راما راؤ (راجمندری)
(۹) شری کوسوما کرشنا مورتی (املا پورم)
(۱۰) شری الوری سبھاش چندربوس (نرسا پور)
(۱۱) ,, کومی ریڈی سوریہ ناراین (ایلور)
(۱۲) ,, انکینیڈو ما گنٹی (مچھلی پٹنم)
(۱۳) ,, گوڈے مراھری (وجیے واڑہ)
(۱۴) ,, میڈوری ناگیشور راؤ (تنالی)
(۱۵) ,, کوٹہ رگھورامیا (گنٹور)
(۱۶) ,, پی - انکی نیڈو پرساد راؤ (باپٹلہ)
(۱۷) ,, کاسو برھمانند ریڈی (نرساراؤ پیٹھ)
(۱۸) ,, پلی - وینکٹ ریڈی (اونگول)
(۱۹) ,, ڈوڈاوراپو کاما کشیا (نیلور)
(۲۰) ,, ٹی - بالا کرشنیا (تروپتی)
(۲۱) ,, پی - راجگوپال نائیڈو (چتور)
(۲۲) ,, پی - پارتھاسارتھی (راجیم پیٹھ)
(۲۳) ,, کے - اوبل ریڈی (کڑپہ)
(۲۴) ,, باپیا ریڈی (ھندوپور)
(۲۵) ,, شری - ڈی - پلیا (اننت پور)
(۲۶) ,, کے - وجیے بھاسکر ریڈی (کرنول)
(۲۷) ,, نیلم - سنجیوا ریڈی (نندیال)
(۲۸) ,, میلارا بھیشما دیو (ناگر کرنول)
(۲۹) ,, جے - رامیشورا راؤ (محبوب نگر)
(۳۰) ,, کے - ایس - نارائن (حیدرآباد)
(۳۱) ,, یم - یم - ھاشم (سکندرآباد)
(۳۲) ,, جی - وینکٹ سوامی (سدی پیٹھ)
(۳۳) ,, ملک ارجن (میدک)
(۳۴) ,, یم - رام گوپال ریڈی (نظام اباد)
(۳۵) ,, جی - نرسمہا ریڈی (عادل آباد)
(۳۶) ,, وی - تلاسی رام (پیدا پلی)
(۳۷) ,, یم ستیہ نارائن راؤ (کریم نگر)
(۳۸) ,, پی - وی - نرسمہا راؤ (ھنمکنڈہ)
(۳۹) ,, شری - یس - بی - گیری (ورنگل)
(۴۰) ,, جے - کنڈل راؤ (کھمم)
(۴۱) ,, عبدالطیف (نلگنڈہ)
(۴۲) ,, جی - یس ریڈی (مریال گوڑہ)

از پروفیسر پریاگ مہتہ

صنعتی مزدوروں اور مالکان کے تعلقات
مزدوروں کے رویئے میں تبدیلی

صنعتی مزدوروں نے اقتصادی مفاد کے محدود مقاصد سے نظر ہٹا کر قومی کامیابی کے وسیع افق کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا ہے۔ مزدوروں کے رویئے کی اس تبدیلی نے صنعتی اور سماجی تعلقات کو پر امن رکھنے اور زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی راہ سے بہت سی رکاوٹیں دور کردی ہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فولاد، کوئلے، تیل صاف کرنے، کان کنی ، بجلی پیدا کرنے اور انجنیرنگ جیسی بنیادی صنعتوں میں مقرر کئے گئے نشانوں سے بھی زیادہ پیداوار ہوئی ہے ۔ صنعتی مزدوروں کے انسٹیٹیوٹ نے پچھلے دنوں اس سلسلے میں ایک تحقیق کی تھی ۔ مندرجہ ذیل مقالے میں نیشنل لیبر انسٹی ٹیوٹ کے پروفیسر پریاگ مہتہ نے اس تحقیقاتی کام کا جائزہ لیا ہے ۔

پچھلے دنوں اس سلسلے میں ایک تحقیق کی تھی ۔ مندرجہ ذیل مقابلے میں نیشنل لیبر انسٹیٹیوٹ کے پروفیسر پریاگ مہتہ نے اس تحقیقاتی کام کا جائزہ لیا ہے ۔

نئے اقتصادی پروگرام اور خاص طور پر پیداوار بڑھانے کے مقاصد کا مزدوروں نے پر جوش خیرمقدم کیا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ قومی ترقی کے کاموں میں وہ اپنا جائز مقام حاصل کریں ۔ اس خواہش کا اظہار اس طرح ہوا ہے کہ گذشتہ برس کے مقابلے میں موجودہ مالی سال کے دوران ہڑتالوں سے بہت کم دن ضائع ہوئے ہیں ۔ اب ملک میں ہر جگہ صنعتی امن دیکھنے کو ملتا ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ پچھلے کچھ عرصے سے مزدوروں کے رجحانات میں تبدیلی ہوئی ہے ۔ مزدوروں کی طرف سے صنعتی تعلقات کو خوشگوار بنانے کی یہ خواہش صنعتی پیداوار کو بڑھانے میں بہت مدد گار ثابت ہوئی ہے ۔

نیشنل لیبر انسٹیٹیوٹ نے پچھلے دنوں مزدوروں کے بدلتے ہوئے رجحانات کا ایک تجزیاتی مطالعہ کیا تا کہ مزدوروں کے نظریات معلوم کئے جائیں ۔ اس مقصد کے لئے مزدوروں کو کچھ تصویریں دکھائی گئیں ۔ مثال کے طور پر کچھ لوگوں کا گروپ ایک لیڈر کے ہمراہ ، ایک ادھیڑ عمر کا شخص اور ایک لڑکا لوگوں کی ایک قطار کو دیکھ رہے ہیں اور کچھ مزدور خراد پر کام کر رہے ہیں مزدوروں نے ان تصویروں کو دیکھ کر کہانیوں کے ذریعے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ۔ یہ تصویریں ہمارے آج کے سماجی، سیاسی اور اقتصادی حالات کی بہت اچھی طرح سے نمائندگی کرتی ہیں ۔ ان تصویروں سے مزدوروں کے جو تاثرات معلوم ہوئے ان کا سائنٹیفک ڈھنگ سے جائزہ لیا گیا

اس جائزے نے مزدوروں کے بدلتے ہوئے رجحانات کی بڑی دلچسپ تصویر پیش کی ۔

ملک کی عام بہبود

کام کی صورت حال سے متعلق مزدوروں نے جو کہانیاں لکھیں ان میں زیادہ تر اس خواہش کا اظہار ہوتا تھا کہ پیداوار بڑھے ، ترقی خوشحالی اور ان کنبوں کی بہبود کیلئے کام کیا جائے جو خاص طور پر ایمرجنسی کے بعد ملک کو مضبوط اور آزاد بنانے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں ۔ مزدوروں کے ذہن میں حادثات اور حادثات سے آنے والی چوٹوں اور تنازعات کا بھی خیال تھا مگر ملک کی عام بھلائی ان کی سوچ پر حاوی تھی ۔ وہ جانتے ہیں کہ پیداوار بڑھانے کیلئے انہیں محنت سے کام کرنا چاہئے ۔حادثات سے بچنے کیلئے ہر طرح کی احتیاط کرنی چاہئے اور ملک کو خود کفیل بنانے کیلئے پوری کوشش کرنی چاہئے تصویروں کو دیکھ کر جو کہانیاں مزدوروں نے لکھیں ان میں سے ۵۰ فی صد میں اجتماعی کامیابیوں کے ایسے ہی جذبات کا اظہار ملتا تھا ، ۲۰ فی صد میں ذاتی کامیابیوں کی خواہش کا اظہار کیا گیا تھا ۔ جیسے '' بہتر زندگی کے لئے محنت ،، اور '' آمدنی میں اضافہ ،،

قطار میں کھڑے لوگوں کی تصویر دیکھ کر مزدور نمائندوں نے صنعتی اداروں میں موجودہ اور پہلے کی صورت حال

کا موازنہ کیا اس سلسلے میں یہ نظریہ دوسری سب باتوں پر حاوی تھا کہ ماضی میں ڈسپلن کا فقدان تھا، ہنگامہ آرائی تھی غنڈہ گردی تھی، سودخوروں کا استحصال تھا، منافع خوری تھی اور تشدد تھا ۔ ان کہانیوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مزدور محسوس کرتے ہیں کہ جو تبدیلیاں ہوئی ہیں ان سے صورت حال بہتر ہوئی ہے۔ انہوں نے جن نظریات کا اظہار کیا ان سے معلوم ہوتا تھا کہ مختلف چیزوں کی سپلائی میں بہتر نظم و ضبط پیدا ہو جانے کا وہ خیر مقدم کرتے ہیں ۔ اس سلسلے میں ایک عام بات یہ کہی گئی کہ ماضی میں مزدوروں کو اپنے کام کی اجرت ٹھیک طرح سے نہیں ملتی تھی مگر اب لائن میں کھڑے ہو کر وہ اپنی تنخواہ اچھی طرح سے لے سکیں گے اور اپنے بیوی بچوں کا خیال رکھ سکیں گے ۔ ہمیں ملک کو اسی طرح سے ڈسپلن میں لانا چاہئیے اور ترقی دینی چاہئیے ۔ یہاں بھی ملک کو ترقی دینے کی فکر ہی باقی سب باتوں پر حاوی تھی ۔ مزدور سمجھتے تھے کہ ڈسپلن اور نظم و ضبط نے ان کیلئے اپنی زندگی کو پرامن اور بہتر بنانے کی غرض سے حالات کو خوشگوار بنا دیا ہے ۔

بہتر پیداوار

" قطار میں کھڑے لوگوں "، کی تصویر سے یہ موضوع بھی اختیار کیا گیا کہ ملک کی ترقی اور زیادہ پیداوار کے لئے اجتماعی کوشش ہونی چاہئیے ۔ مزدوروں کی چشم تصور نے قطار میں کھڑے لوگوں کو سماجی بھلائی اور اجتماعی کوشش کی علامت سمجھا اس موضوع کی ایک مثال یہ تھی "یہ سب لوگ یہ سوچنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں کہ انہیں مل کر ایک تالاب بنانا چاہئیے ۔ اب یہ ایک قطار میں گھروں سے باہر آرہے ہیں "۔ ایک دوسری مثال یہ تھی " سب دیہاتی ووٹ دینے کے لئے قطار میں کھڑے ہیں ان میں سے ہر شخص سوچ رہا ہے کہ ایسے آدمی کو ووٹ دیا جائے جس سے مستقبل اچھا ہو "۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ چیزوں کی قلت سے جو مشکلات پیش آئیں ان سے مزدوروں کے تخیل نے کوئی موضوع اختیار نہیں کیا ۔ چار کہانیوں میں سے صرف ایک میں خفگی یا عدم تحفظ کے جذبے کا اظہار ہوتا تھا اور ۷۰ فیصد کہانیوں میں سماجی بھلائی کے لئے ڈسپلن اور اجتماعی کوشش کی بات کی گئی تھی۔

ایک لیڈر کے ساتھ لوگوں کے گروپ کی تصویر دیکھ کر جو موضوع اختیار کئے گئے ان میں بھی ملک کی خدمت کے جذبے کا اظہار ہوتا تھا ۔ کہانیوں میں کہا گیا کہ یہ لوگ آپس میں یا لیڈر کے ساتھ غور کررہے ہیں یا ایک لیڈر ان کے ساتھ ملک اور صنعتوں کے مسائل پر تبادلہ خیال کررہا ہے۔ پیداوار بڑھانے اور ملک کی ترقی کے لئے منصوبوں پر غور کیا جارہا ہے ۔ اس سلسلے میں ایک عام کہانی یہ تھی " یہ ایک اچھی تصویر ہے لوگ مل کر بیٹھے ہیں اور پیداوار بڑھانے کے لئے کئی باتوں پر تبادلہ خیال کررہے ہیں ۔ اور اپنے دلوں میں یہ بھی سوچ رہے ہیں کہ ملک اور گھر والوں کے لئے کیا کیا جانا چاہئیے اور اگر کام نہ کیا جائے تو نقصان ہوگا ؟ "، دلچسپ بات یہ کہ مزدوروں کے دماغ میں مطالبات اور ایجیٹیشن کا خیال نہیں آیا ۔

اتحاد اور ڈسپلن

تصویروں کو دیکھکر جو کہانیاں لکھی گئیں ان سے ظاہر تھا کہ مزدور نمائندوں کی یہ خواہش سب باتوں پر غالب تھی کہ پیداوار بڑھائی جائے اور متحدہ اور منظم سماجی عمل سے ملک کی خدمت کی جائے ۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ انہوں نے جس طرح سے اپنے جذبات کا اظہار کیا اس سے ان کے ذہنوں میں ناراضگی دکھانے اور ایجیٹیشن کی راہ اختیار کرنے کی کسی خواہش کا سراغ نہیں ملتا ۔ اس لئے ان کے رجحان میں ایک واضح تبدیلی نظر آئی ۔

پیداوار بڑھانے اور خوشگوار صنعتی تعلقات قائم کرنے کے لئے ایسی فکر درحقیقت محنت کش لوگوں کے ذہن میں بڑھتے ہوئے جمہوری شعور کی نشاندھی کرتی ہے اس لئے یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ فولاد، کوئلے، تیل صاف کرنے، کان کنی، بجلی تیار کرنے اور انجینیرنگ کی بنیادی صنعتوں میں مقررہ نشانوں سے زیادہ پیداوار ہوئی ہے ۔ مزدوروں نے نہ صرف خوشگوار صنعتی تعلقات کے لئے حالات سازگار بنائے بلکہ انہوں نے اس بات کا بھی خیال رکھا کہ پیداوار مقررہ نشانوں سے بھی زیادہ ہو ۔

مزدوروں کے رجحانات کی اس تبدیلی نے صنعتی اور سماجی تعلقات کو پرامن رکھنے اور زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی راہ سے بہت رکاوٹیں دور کردی ہیں ۔ اس لئے اب یہ دیکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اس رجحان اور صنعتی امن کی نئی فضا کو مزدور تحریک کی طرف سے آئندہ چل کر کس کس طرح سے استعمال کیا جاتا ہے ۔ مزدوروں کو تعلیم دینے والے ادارے اس رجحان کو کس طرح سے مضبوط کرتے ہیں ۔ اور صنعتوں کے انتظامی ادارے صنعتی امن کو زیادہ پائیدار بنانے اور پیداوار اور پیداواری صلاحیت بڑھانے کے لئے اس رجحان کو کیسے استعمال کرتے ہیں ۔

* * * * *

ڈاکٹر ایم ۔ این ۔ دستور

بھارتی انجینیری کا کمال

مرکب فولاد کا کارخانہ

صنعتی مشین نیز باربرداری ، بجلی، کیمیائی اشیا اور دیگر صنعتوں مثلاً پٹرولیم، خوراک اور ڈیری وغیرہ سے متعلق آلات اور ساز و سامان تیار کرنے میں کام آنے والے اوزاروں کی تیاری کے لئے مرکب فولاد کا استعمال نا گزیر ہے ۔ مرکب فولاد اور خصوصی فولاد کی قسمیں عام طور پر وہ ہیں جو اوزار بنانے تعمیرات کے لئے کام میں لانے ڈائی بنانے گرمی کو روکنے بیرنگ تیار کرنے وغیرہ میں استعمال ہوتی ہیں ۔ اس کے علاوہ بےداغ فولاد اور مقناطیسی فولاد وغیرہ بھی ہیں لیکن چونکہ مشینوں اور آلات وغیرہ کے ڈیزائن تیار کرنے کے تصورات میں تیزی سے تبدیلی آ رہی ہے ۔ اس لئے خصوصی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ان روایاتی اقسام میں بھی مطلوبہ تبدیلی کرنے کی ضرورت آ پڑتی ہے ۔ انجینیری کے زیادہ جدید اور نازک تر میدان جیسے نیو کلیائی خلائی تحقیق آواز سے بھی تیز چلنے والے ہوائی جہازوں وغیرہ کی تیاری کے لئے خصوصی گریڈ کے فولاد کی مانگ بھی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے ۔

درگا پور میں واقع مرکب فولاد کا کارخانہ سرکاری دائرے کا پہلا اور اپنی قسم کا سب سے بڑا کارخانہ ہے ۔ یہ کارخانہ صرف مرکب فولاد اور خصوصی گریڈ کے فولاد کے فوائد تیار کرنے کے لئے ہی بنایا گیا ہے۔ اس کارخانہ کی زبردست اہمیت کا احساس بھارت کی منصوبہ بند صنعتی ترقی کے سلسلے میں بہت پہلے ہی کر لیا گیا تھا ۔ اس لئے جب کارخانہ کی تفصیلی پراجیکٹ رپورٹ تیار کی جا رہی تھی اس وقت اس کی ابتدائی صلاحیت ۰۰۰۰م ٹن فولادی ڈلے سالانہ تیار کرنے سے بڑھا کر ۰۰۰۰ ۸ ٹن ڈلے سالانہ کر دی گئی تھی ۔ انجینیری کے مرحلے پر اس کی صلاحیت پھر بڑھا کر ۰۰۰۰۰ ۱ ٹن مرکب فولاد بےداغ فولاد اور تعمیراتی فولاد کے ڈلے تیار کرنے کی کر دی گئی ۔ مل کی ابتدائی ساخت اس قسم کی ہے کہ اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے کارخانے کی صلاحیت تیزی سے ۰۰۰۰۰ ۳ ٹن سالانہ تک بڑھائی جاسکتی ہے ۔ فی الحقیقت اس کارخانے کا نقشہ اور ڈیزائن اس طرح مرتب کئے گئے ہیں کہ اسے توسیع دے کر ۰۰۰۰۰ ۵ ٹن فولادی ڈلے سالانہ تیار کرنے کی زیادہ سے زیادہ صلاحیت حاصل کی جاسکتی ہے ۔

اس درگا پور الائے اسٹیل پلانٹ میں (جسے مخفف طور پر اے۔ایس ۔ پی کہا جاتا ہے) مندرجہ ذیل بڑی پیداواری صلاحیتیں دستیاب ہیں ۔ (۱) فولاد پگھلانے کے لئے دو شاپ جن میں دو پچاس ٹن کی اور ایک ۱۰ ٹن کی برق بھٹیاں نصب ہیں اور ان سے ہر سال مختلف اقسام کے ۰۰۰۰۰ ۱ ٹن مرکب فولاد اور خصوصی فولاد تیار کیا جا سکتا ہے۔ (۲) ایک رولنگ مل کامپلکس ہے جس میں ایک ۹۰۰ ملی میٹر ۲۲۰۰ ملی میٹر کی مل دو اعلی درجے کی چمکدار دھاتیں بنانے کی مل ایک تین شیڈوں والی فولادی ٹکڑے تیار کرنے کی مل ۱۵۲۵۰۰۰ ملی میٹر کی سلاخیں تیار کرنے والی ۱۰ شیڈوں والی مل اور ایک چادریں تیار کرنے والی مل ۔ (۳) ایک لوہار ورکشاپ جس میں ۲۰۰۰ ٹن تیز رفتار ہائیڈرالک ایکسپریس اور مشینی ہتوڑے وغیرہ نصب ہیں ۔ (۴) برق طریقے سے خشک کرنے والی اپنی طرز کی سب سے بڑی کھائیاں ہیں ۔ (۵) سال کو گرم کرکے اسے قطعی شکل دینے کی مشین وغیرہ ہیں ۔

بھارتی ڈیزائن اور انجینئری

مرکب فولاد کا یہ کارخانہ بھارتی ڈیزائن سازی اور انجینیری کا ایک اہم کمال ہے ۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ بھارتی انجینیروں نے اس کارخانے کی تنصیب کے سلسلے میں تمام ذمہ داریاں از قسم ڈیزائن سازی انجینئری خدمات اور تعمیر کی نگرانی وغیرہ اپنے کندھوں پر لی ۔ اس سے پہلے اس قسم کے فولاد سازی کے بڑے کارخانوں کی تعمیر کے سلسلے میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ بھارتی انجینیر پنڈت جواہرلال نہرو کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ان کو خود اعتمادی حاصل کرنے کا یہ بے مثال موقعہ فراہم کیا ۔

یہ پنڈت جی کی دور اندیشی اور بھارتی انجینیروں میں ان کے اعتماد کا نتیجہ ھے کہ انہوں نے اس کام کو بخوبی سر انجام دیا اور ملک کو انجینیری کے میدان میں خود اعتمادی کے حصول کے لئے آگے بڑھنے کا موقع ملا ۔

بین الاقوامی تعاون

اس قسم کے عظیم اور پیچیدہ کارخانے کی تعمیر کے سلسلے میں اس پراجکٹ سے متعلق مختلف ایجنسیوں کے درمیان منصوبہ بندی تنظیم اور باھمی تال میل کی اشد ضرورت تھی ۔ اٹلس سٹیل آف کینیڈا نے طریق عمل کے متعلق جانکاری مہیا کی ۔ آلات اور مشنیں زیادہ تر جاپان سے آئیں جس نے اس مقصد کے لئے اپنے سکے " ین " میں قرضہ دیا ۔ اور اس طرح اس جدید طرز کے کارخانے کی تعمیر میں بین الاقوامی تعاون کی ایک اچھی مثال ہو گئی ۔

اس اسکیم کو عملی جامہ پہنانے کی ابتدائی مراحل پر کافی مشکلات بھی پیش آئیں مثلاً کئی بار تاخیر ہوئی اور کچھ انتظامیہ دقتیں پیش آئیں مگر پھر بھی اس میں قابل تعریف ترقی ہوتی رھی ستمبر ۱۹۶۳ء میں مشینوں اور آلات کا پہلا آرڈر دیا گیا اور جنوری ۱۹۶۵ء میں پہلے پیداواری یونٹ سے فولاد کو پگھلانے والے ورکشاپ میں کام شروع بھی ہو گیا گویا صرف ۱۶ مہینے کے عرصے میں یہ کامیابی حاصل کرلی گئی دوسرا یونٹ جسمیں برقی ہتوڑوں کا صیغہ اور لوہار شاپ اور دوبارہ گرم کرنے والی بھٹیاں شامل تھیں ۔ دسمبر ۱۹۶۵ء میں تیار ہو گیا ۔ دیگر مختلف پیداواری یونٹوں جیسے لوہار شاپ سانچوں کی سہولتیں اور سلاخیں بنانے والی مل کے کچھ حصوں میں ۱۹۶۶ء کے دوران کام شروع ہوا ۔ .... ۱ ٹن فولادی ڈبے سالانہ تیار کرنے کی صلاحیت کا کل کارخانہ ۱۹۶۷ء تک مکمل کرلیا گیا گویا مشینوں اور آلات کے پہلے آرڈر دینے کے بعد ۴ سال کی مختصر سی مدت میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا دیا گیا یہ اپنے آپ میں ایک لامثال کامیابی تھی کیونکہ اس قدر عظیم دیگر پراجکٹوں کو مکمل کرنے میں چھ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ لگ گیا تھا ۔

دس سال کی کارکردگی

گذشتہ دس سال کی کارکردگی کے دوران اس کارخانے میں بہت سی عملی مشکلات پر قابو پالیا گیا ۔ شروع شروع میں بجلی اور گیس کی کمی تھی ۔ خام مال اور فالتو پرزے نہیں ملتے تھے اس کے علاوہ تیار مال کی مانگ بہت کم تھی ۔ مگر یہ بات قابل اطمینان ھے کہ باکمال انتظامیہ کی تکنیکی عملہ اور کارکنوں کی مسلسل کوششوں سے پیداوار میں جو کسی وقت کل صلاحیت کے نصف پر رکھی ہوئی تھی بڑا بھاری اضافہ ہوگیا ھے ۔ ۱۹۷۴-۷۵ء میں کل پیداواری صلاحیت کا ۸۰ فیصد استعمال ہو رہا تھا ۱۹۷۵-۷۶ء میں یہ اور بڑھ کر ۹۰ فیصد ہوگیا اور معلوم ہوا کہ پچھلے سال ماہ اکتوبر میں تو کارخانے میں پیداواری صلاحیت کا ۱۱۵ فیصد فولادی ڈبے تیار کرکے ایک نیا ریکارڈ قایم کردیا گیا مالی اعتبار سے بھی اس کارخانے نے کافی ترقی کی ھے اور ۱۹۷۵-۷۶ء میں ۳٫۹۸ کروڑ روپے کا نیا منافع کمایا ھے جبکہ اس سے گذشتہ سال میں ۱۰۸ کروڑ روپے کا منافعہ کمایا گیا تھا ۔

آج اس کارخانے میں ۵۰۳ اقسام کا مرکب فولاد اور خصوصی گریڈ کا فولادتیار کیا جا رہا ھے ۔ یہ ملک بھر میں واحد فولادی کارخانہ ھے ۔ جہاں بے داغ فولاد کی چادریں اور پلیٹ تیار کئے جارھے ھیں اب اس کارخانے کی صلاحیت کو اور وسیع کرنے کے انتظامات کئے جارھے ھیں ۔

نئے ترقیاتی اقدامات

کارخانے کی انتظامیہ کو مختلف قسم کے مرکب فولاد اور خصوصی گریڈ کے فولاد کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مانگ کا پورا پورا احساس ھے اس لئے اس میں مختلف النوع فولاد کی تیاری کا کام ھاتھ میں لینے کے سوال پر بڑی سنجیدگی سے غور کیا جارھا ھے ۔ اس کے ساتھ ھی تکنیکی عملہ تیار مال کی خاصیت کو برقرار رکھنے کے متعلق بھی خوب جوکس ھے اور مرکب فولاد اور خصوصی گریڈ کے فولاد کی تیاری کے ہر مرحلے پر کوالٹی کنٹرول کے اقدامات کی دیانتداری اور سختی سے پابندی کرائی جارھی ھے ۔ کارخانے کا ریسرچ و ڈیویلپمنٹ ونگ بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے نئی نسلیں دریافت کرنے اور پیداوار بڑھانے کے نئے طریقے ھائے کار معلوم کرنے لگاتار کوشش کرتا رھتا ھے ۔ نکل کی آمیزش سے پاک بے داغ فولاد کی صنعتی آزمائش کے سلسلے میں تجربے کئے جارھے ھیں ۔ دیگر ترقیاتی کام انجام دئے جارھے ھیں ان میں سوپر پلاسٹک ، بے داغ فولاد ، ، بے داغ فولاد سے ڈھلا لچکدار فولاد جو ایٹمی بھٹیوں کے خول تیار کرنے کے کام آتا ھے نیز کیمیائی اشیا ڈیری اور کھادوں میں بھی استعمال ہوتا ھے ۔ اور نیوکلیائی تجربات میں کام آنے والے خصوصی فولاد کے پرزے نیز تعمیرات اور زیبائش کے لئے کام میں لایا جانے والا رنگ اور بے داغ فولاد تیار کرنا بھی شامل ھیں ۔

لا مثال تجربہ

اس طرح معلوم ہوگیا ہوگا کہ درگا پور الائے اسٹیل پلانٹ کئی لحاظ سے لا مثال ہے اور گذشتہ سال کی اس کی کارکردگی نہایت ہی قابل تعریف رہی ہے۔ مرکب اور خصوصاً خصوصی فولاد تیار کرنے کا سب سے پہلا کارخانہ ہونے کے باعث یہ آنے والے برسوں میں ملک کی صنعتی و اقتصادی ترقی، ملک کی دفاعی ضروریات پوری کرنے میں عظیم کردار ادا کرتا رہے گا۔ ہمارے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ مرکب اور خصوصی فولاد کی تیاری کو اولین اہمیت دی جائے۔ درگاپور اسٹیل پلانٹ نے ظاہر کردیا ہے کہ تکنیکی رہنمائی اور مل کر کام کرنے سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس کلیدی میدان میں ہندوستانی انجینیروں کا تجربہ اور کمال اب مصدقہ ہوچکا ہے۔ اس کے علاوہ ہنرمند کاریگر بھی کثرت سے مل سکتے ہیں۔ اس لئے ملک میں مرکب و خصوصی فولاد تیار کرنے کی صنعت کو تیزی سے توسیع دینا ممکن ہے۔

* * * * *

شری وی۔ نارائن راؤ ڈائرکٹر پرنٹنگ گورنمنٹ آف آندھرا پردیش نے سرواشری ٹی۔ بس۔ راجن انٹر ٹائیپ میکانک یم۔ کیشیا اور ٹی۔ سدیا انٹر ٹائیپ آپریٹروں کو انٹر ٹائیپ مشینیں پرانی عمارت سے نئی عمارت میں منتقل کرنے پر بالترتیب ۱۰۰۰ روپیے اور ۵۰۰ روپیے کے انعامات دئے۔

شری جے۔ وینگل راؤ چیف منسٹرآندھرا پردیش شریمتی لکشمی راجن پریسیڈنٹ ساؤتھ سنٹرل ریلوے ویمنس آرگنائزیشن سے چیف منسٹر ریلیف فنڈ کے لئے ۱۰۰۰ روپیے کا چیک حاصل کررہے ہیں۔

شری کے ۔ یس ۔ راجن جنرل مینیجر ساؤتھ سنٹرل ریلوے نے لالہ گوڑہ میکانیکل ورکشاپ کے عملے کی جانب سے ۵۰۰۰ روپے چیف منسٹر ریلیف فنڈ کے لئے بطور عطیہ دی گئی رقم کا چیک چیف منسٹر کو پیش کر رہے ہیں ۔

ڈاکٹر آر۔ ایس۔ نگم ڈائرکٹر دھلی اسکول آف اکنامکس

بھارت کی اقتصادی صورت حال کا ایک جائزہ

بھارت کساد بازاری کے مرحلے سے گزر کر اب معیشت کے مختلف شعبوں میں استحکام و ترقی کی شاھراہ پر گامزن ھے۔ اسکی عکاسی زرعی و اقتصادی پیداوار میں نیز برآمدات بچتوں اور پونجی کی تشکیل میں استوار اضافہ اور گھریلو و بیرونی وسائل کے ممکن حد تک بہتر استعمال میں ہوتی ھے۔ اندرون ملک قیمتوں میں استحکام حاصل کیا گیا ھے۔ افراط زر کو لگام دی گئی ھے اور دیہی علاقوں اور غیر منظم سیکٹروں میں روزگار کے مزید مواقع پیدا کئے گئے ھیں۔

علاقائی عدم توازن کو کم کیا گیا ھے اور دیہی علاقوں میں معقول قیمت پر اشیائے ضروریہ کی فراھمی کو یقینی بنانے کے لئے تقسیم کے نظام کی توسیع عمل میں آئی ھے۔

گزشتہ دو تین برسوں کے دوران ملک نے معاشی میدان میں جو کامیابیاں حاصل کی ھیں ان کے تجزیہ کے لئے ضروری ھے کہ طویل مدتی مسئلوں مثلاً بیروزگاری غربت اور تحتی ڈھانچے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو قلیل مدتی کامیابیوں سے الگ کر کے دیکھا جائے۔ ظاھر ھے بیروزگاری اور غربت کا مسئلہ پلک جھپکتے حل نہیں کیا جا سکتا۔

معاشی میدان میں گزشتہ دو تین برسوں کے دوران بھارت نے جو ٹھوس بے مثال اور لائق ستائش کامیابیاں حاصل کی ھیں انہیں درج ذیل زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ھے : (۱) اناج کی پیداوار اور بہوتاتی (۲) صنعتی پیداوار میں اضافہ (۳) بیرونی تجارت اور ادائیگیوں کے توازن کی صورت حال (۴) افراط زر کی روک تھام (۵) روزگار کے مواقع کی فراھمی (۶) بچت خاصکر مالیاتی اثاثوں کی شکل میں بچت میں اضافہ۔

اناج کی پیداوار

۱۹۷۵-۷۶ع میں گذشتہ سال کے ۱۰ کروڑ ۱۰ لاکھ ٹن کے مقابلے میں ۱۲ کروڑ ٹن اناج پیدا کیا گیا۔ یہ اضافہ ھمارے زرعی شعبے کی بڑھی ہوئی پیداواری صلاحیت کا مظہر ھے۔ ۱۹۷۶-۷۷ع میں خریف کی خراب فصل کے باوجود اناج کی مجموعی پیداوار کا تخمینہ ۱۱ کروڑ ۳۰ لاکھ ٹن تا ۱۱ کروڑ ۴۰ لاکھ ٹن لگایا گیا ھے۔

۱۹۶۰-۶۱ع کے مقابلے میں اب پیداوار میں اتار چڑھاؤ کا تناسب بے حد کم ھو گیا ھے۔ اسطرح اناج کی پیداوار میں اور ساتھ ھی ساتھ بحیثیت مجموعی ملک کی معاشی پیش رفت میں نمایاں استحکام حاصل ھوا ھے۔ یہ سب کچھ بڑی حد تک سینچائی کی سہولتوں کی توسیع گیہوں اور موسم گرما میں پیدا کئے جانے والے چاول کی پیداوار میں قابل لحاظ اضافہ کی بدولت حاصل کیا گیا ھے۔

۱۹۶۰-۶۱ع میں سیراب اراضی کا تناسب ۱۸٫۵ فی صد تھا جو اب بڑھکر ۲۵ فیصد تک پہنچ چکا ھے۔ نہروں سے سینچائی میں ۲۳ فیصد اور کنوؤں کے ذریعہ سینچائی میں ۴۶ فیصد اضافہ عمل میں آیا ھے۔ بھارت میں ربیع کی فصل کو نمایاں اھمیت حاصل ھے۔ گیہوں کے ساتھ ساتھ موسم گرما میں پیدا کئے جانے والے چاول کی پیداوار میں بھی قابل لحاظ اضافہ ھوا ھے۔ بحیثیت مجموعی زرعی پیداوار کی سطح بلند ھورھی ھے اور اسمیں استحکام پیدا ھورھا ھے۔

۱۹۷۴ اور ۱۹۷۵ع میں علی الترتیب ۴۹ لاکھ ٹن اور ۷۴ لاکھ ٹن اناج درآمد کیا گیا جبکہ ۱۹۷۶ع میں درآمداتی اناج کی کل مقدار ۶۵ لاکھ ٹن رھی۔ درآمدات کو اندرون ملک قیمتوں کے استحکام کے موثر وسیلہ کے روپ میں استعمال کیا گیا ھے۔ اندرون ملک پیداوار میں اضافہ اور بیرونی ملکوں سے اناج کی درآمد کے ذریعہ قیمتوں کو قابل لحاظ حد تک کم کیا گیا ھے۔ قیمتوں کو مستحکم رکھنے اور فاضل اناج کا ذخیرہ کرنے کی پالیسی کے تحت اناج کی وصولیابی کی مہم میں شدت پیدا کی گئی اور ایک کروڑ ۸۰ لاکھ ٹن کا فاضل ذخیرہ تشکیل دیا گیا جو قیمتوں میں امکانی اضافہ کے خلاف قابل بھروسہ ضمانت ھے۔

۱۹۷۶ع کی شاندار فصل کے بعد ملک میں اناج کی فی کس دستیابی کی مقدار بڑھکر ۴۵۹٫۴ گرام یومیہ تک پہنچ چکی ھے۔

اور سال رواں کے دوران اناج درآمد نہ کرنے کے فیصلے کے باوجود اسمیں کسی تبدیلی کا اندیشہ نہیں ہے ۔

تقسیم کے نظام کو مزید بہتر بنایا گیا ہے ۱۹۷۵ع کے اواخر میں اناج کی کم نرخ کی دوکانوں کی کل تعداد ۲،۳۳ لاکھ تھی جو جون ۱۹۷۶ع تک بڑھکر ۲،۷۴ لاکھ تک پہنچ گئی۔ علاوہ ازیں مٹی کے تیل کی فروختکی دوکانوں کی کل تعداد ایک لاکھ سے بڑھکر ۲،۱۶ لاکھ تک جا پہنچی ہے ۔ اسکے علاوہ (خاص کر شمالی خطے میں) نرم کوک کی پھٹکر فروخت کے ۶۰۰۰ مراکز بھی کام کررہے ہیں ۔ ٹھیک اسی طرح چھوٹے پیمانے کے امداد باھمی کے سیکٹر میں کنٹرول شدہ کپڑے کی پھٹکر فروخت کے لئے ۴۶۰۰۰ مراکز قائم کئے گئے ہیں ۔

صنعتی پیداوار

گذشتہ دس برسوں کے دوران صنعتی پیداوار میں غیرمعمولی اضافہ ہوا ہے ۔ ۱۹۶۵ع میں صنعتی پیداوار کی مجموعی مالیت ۱۸۳۳ کروڑ روپے تھی جو ۱۹۷۴-۷۵ع میں چار گنا بڑھکر ۶۰۸۰ کروڑ روپے تک پہنچ گئی ۔ ان دس برسوں کے دوران صنعتی یونٹوں کی تعداد ۴۸۰۵۶سے بڑھکر ۷۱۴۳۶تک جاپہنچی جبکہ قائم اثاثہ ۴۸۳۲ کروڑ روپے سے بڑھکر ۱۱۰۲۲ کروڑ روپے تک پہنچ گیا ۔ ۱۹۶۵ع میں ان صنعتی یونٹوں کی پیداواری پونجی کی مالیت ۴۴۴۶ کروڑ روپے تھی جو ۱۹۷۴-۷۵ع میں ۱۷۹۳۲ کروڑ روپے تک پہنچ گئی ۔

بیرونی تجارت

۱۹۷۶ع کے پہلے نو مہینوں (اپریل تا دسمبر) میں بھارت کی برآمداتی تجارت کی کل مالیت ۳۰۵۴ کروڑ روپے اور درآمداتی تجارت کی مالیت ۳۰۹۲ کروڑ روپے تھی ۔ اسطرح تجارتی توازن کا کل سرمایہ ۴۶ کروڑ روپے رہا ہے ۔ بینکس ۱۹۷۵-۷۶ کی اسی مدت کے دوران برآمداتی و درآمداتی تجارت کی مجموعی مالیت علی الترتیب ۲۷۰۸ کروڑ اور ۳۹۱۶ کروڑ روپیہ رہی اور خسارہ ۱۲۰۸ کروڑ روپے کا رہا ۔ (زر مبادلہ کا محفوظ ذخیرہ ۲۰۴۷ کروڑ روپے تک پہنچ چکا ہے) ۔

افراط زر کی روک تھام

بھارت میں افراط زر پر بڑی حد تک قابو پا لیا گیا ہے ۔ افراط زر کے حالات میں دنیا کا کوئی بھی ملک ڈھائی سال تک تھوک قیمتوں کے اشاریہ کو قابو میں نہیں رکھ سکا ہے۔ لیکن اعداد و شمار اس بات کے گواہ ہیں کہ بھارت میں گزشتہ ڈھائی برسوں کے دوران قیمتوں کی سطح کم و بیش مستحکم رہی ہے قیمتوں کا نیا اشاریہ اس بات کا مظہر ہے کہ گزشتہ دس مہینوں (اپریل ۱۹۷۶ع تا جولائی ۱۹۷۶ع) کے دوران گزشتہ سال کی اس مدت کے مقابلہ میں اوسط بنیاد پر عملا کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے ۔ اوسط اشاریہ علی الترتیب ۱۷۵،۳ اور ۱۷۳،۹ رہا ہے ۔ حال ھی میں صرف چند چیزوں مثلا تلھنوں خام کپاس اور سوت کی قیمتیں ھی بڑھی ہیں ۔

روزگار کے مواقع

ایک ایسے وقت میں جبکہ معیشت کے ڈھانچے میں قابل لحاظ تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں " منظم سمت میں روزگار کے وسیع مواقع کی فراھمی ممکن نہیں ہوتی ۔ لیکن اس سے الگ ہٹ کر دیہی تعمیرات کے پروگراموں اور روزگار کی فراھمی کی خصوصی اسکیموں کے تحت خاص کر غریبوں اور بے ہنر مزدوروں کے لئے روزگار کے وسیع مواقع فراھم کئے گئے ہیں ۔

تجارتی بینکوں اور کو آپریٹیو بینکوں نے ترجیحی سیکٹر میں مختلف زمروں کے لوگوں کے لئے بینک قرضہ جات کی سہولتیں مہیا کی ہیں جنکی بدولت دیہی اور شہری علاقوں میں روزگار کے مواقع میں کئی گنا اضافہ ہوا ہے ۔

پانچویں پنجسالہ منصوبے میں تعلیم یافتہ اور تکنیکی اہلیت والے اشخاص کو اپنا کام دھندہ شروع کرنے کے لئے امداد دینے کی غرض سے ۱۹۷۵-۷۶ع کے مرکزی بجٹ میں ریاستوں کے لئے ۱۰ کروڑ کی رقم مختص کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ۲۰ نکاتی معاشی پروگرام کے ایک جزو کی حیثیت سے اپرنٹس شپ ٹریننگ اسکیموں کا دائرہ قابل لحاظ حد تک وسیع کیا گیا ہے ۔

بچت

قومی بچت میں خاص کر مالیاتی اثاثوں کی شکل میں بڑے پیمانے پر اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۷۶-۷۷ع میں بچت اور جمع کھاتے میں اضافہ کا ۷۰ فیصد مالیاتی اثاثوں کی شکل میں حاصل کیا گیا جبکہ گزشتہ سال یہ تناسب ۶۷ فیصد رہا ہے ۔

گزشتہ چند برسوں کی ایک انتہائی اہم کامیابی مانگ کو قابو میں رکھنےکی پالیسی کی کامیاب عمل آوری رہی ہے۔ یہ مقصد زر سے متعلق اور مالیاتی پالیسیوں کے تال میل کے ذریعہ حاصل کیا گیا ۔

نتیجہ خیز ترغیبات

بچت اور سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کے سلسلے میں گزشتہ دو برسوں کے دوران جو ترغیبات فراھم کی گئیں ان کا بنیادی مقصد ما قبل کے برسوں کے دوران ٹیکس سے متعلق سخت گیر

پالیسی کی صورت میں ہونے والی حوصلہ شکنی کی تلافی کرنا تھا - بچت اور سرمایہ کاری کی نتیجہ خیز انداز میں حوصلہ افزائی کے لئے ترغیبات ضروری ہیں۔ چنانچہ ٹیکسوں کی انتہائی سخت شرحیں نرم کی جارہی ہیں - پس ماندہ علاقوں میں قائم کی جانے والی یونٹوں کو اصل سرمایہ کے معاملے میں چھوٹ دی جارہی ہے علاوہ ازیں برآمداتی سرمائے کے لئے بینکوں کی سود پر ڈیڑھ فیصد چھوٹ کی سہولت بھی حاصل ہے۔ اس طرح کی نتیجہ خیز رعائتوں کی بنیاد سماجی، معاشی مضمرات اور ترجیحات پر ہے۔

ایک اور ترقیاتی قدم آمدنی ٹیکس اور دولت ٹیکس کی شرحوں میں تخفیف کی شکل میں اٹھایا گیا ہے۔یہ قدم اس لئے اٹھایا گیا ہے کہ ما قبل کی شرحوں کے بارے میں یہ بات عرصے سے محسوس کی جاتی رہی ہے کہ ان سے بچت اور سخت محنت کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ اب اس کی تلافی کردی گئی ہے - اور اس اقدام کو کسی بھی نوع سے غیر ضروری نہیں قرار دیا جا سکتا -

بھارت کی اقتصادی صورت حال کے بارے میں یہ مختصر سا جائزہ اس بات کی واضح طور پر نشان دہی کرتا ہے کہ ہماری معیشت تیزی کے ساتھ جمود و کساد بازاری سے نجات حاصل کر رہی ہے اور اس کے تمام شعبوں میں آگے بڑھنے کا متعین رجحان واضح طور پر نمایاں ہے۔ قیمتوں کا استحکام برآمدات میں ٹھوس اضافہ، حالیہ برسوں کے دوران غیر ممالک میں مشترکہ صنعتوں کا قیام، بچتوں اور پونجی کی تشکیل میں اضافہ، پبلک سیکٹر کی بچت میں نمایاں اضافہ، گھریلو اور بیرونی وسائل کا کارکرد استعمال علاقائی عدم توازن میں کمی اور دیہی علاقوں اور غیر منظم سیکٹر میں روزگار کے وسیع تر مواقع کی فراہمی - یہ ساری چیزیں ملک کی معاشی بنیاد کے استحکام اور تمام میدانوں میں زندگی میں بہتری کے رجحان کی عکاس ہیں۔ فزوں تر پیداوار اور معاشی سرگرمی میں ابھار سے دیہی علاقوں اور عوامی سیکٹر کو فائدہ پہونچا ہے۔توقع ہے کہ استحکام اور سماجی انصاف کے رخ کی حامل اس پیش رفت کا سلسلہ بدستور جاری رہے گا - اس کے لئے صحیح قسم کی پالیسیوں اور سمتوں کا تعین اور اس کی عمل آوری ضروری ہے -

* * * *

ڈسپلن سے قوم طاقتور بنتی ہے

اچھے بھارتی بنئے : سودیشی مال خریدئے

بھارت کو ۱۹۵۰ میں پن اور پنسل جیسی معمولی چیزیں بھی غیر ملکوں سے منگوانی پڑتی تھیں - لیکن آج حالت یہ ہے کہ بھارت دنیا کے ۹۰ سے زیادہ ملکوں کو پیچیدہ قسم کا الیکٹرونک اور انجینیرنگ کا سامان تک برآمد کررہا ہے -

۱۹۵۰ع میں بھارت میں منصوبہ بند ترقی کا پروگرام شروع ہوا - اور اس کے نتیجہ میں نہ صرف اس وقت موجود کپڑے، چینی ، لوہے و فولاد، سیمنٹ اور کاغذ تیار کرنے کی کچھ صنعتوں میں ہی توسیع ہوئی بلکہ بنیادی اور اھم ترین صنعتوں کی ترقی کی بنیادیں بھی قائم کی گئی ھیں - بائسکل ، سلائی کی مشینیں ، ٹیلی فون ، بجلی کا سامان، کپڑا اور چینی کے کارخانوں کی مشینری تیار کرنے والی کئی دوسری صنعتوں کی پیداوار میں قابل قدر اضافہ ہوا - کئی چیزوں جیسا کہ پاور سے چلنے والے پمپوں، ڈیزل انجنوں، الیکٹرک موٹروں، کیبلز، بجلی کے پنکھوں ریڈیو ریسیوروں اور ہر طرح کی گھڑیوں کی پیداوار مقررہ نشانوں سے بھی بڑھ گئی ہے -

مختلف صنعتوں کی پیداوار بڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے کوالٹی کنٹرول کے انتظامات بھی کئے گئے - انڈین اسٹینڈرڈ انسٹی ٹیوشن نے کئی طرح کی چیزوں کے لئے معیار مقرر کئے ھیں جنکی پابندی صنعت کاروں کے لئے لازمی قرار دی گئی ہے - بالخصوص برآمد کئے جانے والے سامان کی تیاری کے سلسلے میں - اس کوالٹی کنٹرول کی بدولت بھارت میں اور بھارت سے باھر بھی ، ھمارے ملک کے مال کی قدر بڑھی ہے -

پچھلے سال صرف انجینیرنگ اور بجلی کے سامان کی برآمد سے ھی بھارت نے ۳۷۰ کروڑ روپے کا زرمبادلہ کمایا جبکہ ۱۹۵۰ع میں ان سے ایک پیسے کی آمدنی بھی نہیں ہوئی تھی - بھارت کی صنعتی پیداوار کا تقابلی خاکہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے :-

مکینیکل انجینیرنگ صنعتیں	پیداوار ۱۹۵۰-۵۱ع	۱۹۷۴-۷۵ع (اندازاً)
۱ مشینی اوزار (کروڑ روپوں میں)	۳۴٫	۶۹٫۲
۲ ریلوے ویگن (ھزار میں)	۲٫۰۹	۱۱٫۱
۳ موٹر گاڑیاں (ھزار میں)	۱۶٫۵	۹۹٫۸
۴ موٹر سائکلیں اور اسکوٹر (ھزار میں)		۱۴۹٫۰
۵ بجلی سے چلنے والے پمپ	۳۵	۳۳۶٫۰
۶ ڈیزل انجن ,,	۵٫۵	۱۳۷٫۲
۷ سائکلیں ,,	۹۹	۲۵۷۴
۸ سلائی مشنیں ,,	۳۳	۲۸۲
الیکٹرونکس		
۹ پاور ٹرانسفارمر (لاکھ کلوواٹ)	۱٫۸	۸۸٫۰
۱۰ بجلی کی موٹریں (ھزار ھارس پاور)	۹۹٫۰	۲۹۷۶٫۰
۱۱ بجلی کے پنکھے (لاکھ میں)	۲٫۰	۲۱٫۲
۱۲ بجلی کے لیمپ (لاکھ میں)	۱۴۰٫۰	۱۴۶۷
۱۳ ریڈیو (ھزار میں)	۵۴٫۰	۲۰۵۲
کپڑا		
۱۴ سوتی کپڑا (کروڑ میٹر)	۴۲۱٫۵	۷۹۴٫۶
۱۵ ریعین (مصنوعی) دھاگہ (ھزار ٹن میں)	۲٫۱	۱۱۶٫۴
۱۶ نقلی ریشم کا کپڑا (کروڑ میٹر)	۲۸٫۷	۸۴٫۶

بھارت اب اشیأ صارفین کی اور دوسرے سامان کی اپنی زیادہ‌تر ضروریات کو خود پورا کرسکتا ہے - نہ صرف یہ بلکہ اب ایسی کئی چیزیں وہ دوسرے ملکوں کو بھی بھیج رہا ہے -

صنعتی شعبے میں جس تیزی سے ترقی ہوئی ہے اس کا اندازہ انجینیرنگ اور الیکٹرونکس کے شعبوں کی ترقی سے لگایا جاسکتا ہے - حصول آزادی کے شروع میں ان شعبوں کا قریب قریب وجود ھی نہیں تھا- ان شعبوں میں تیار شدہ اشیأ کے برآمدی بیوپار میں اضافہ اور ان کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کوالٹی کے لحاظ سے یہ بھارتی اشیأ منڈیوں میں ، دوسرے

ملکوں میں تیار شدہ اشیاء کا اچھی طرح مقابلہ کر رہی ہیں ۔ ترقی یافتہ ملکوں کو جوانجینیری سامان بر آمد کیا جاتا ہے اس میں بھی حالیہ برسوں میں کافی اضافہ ہوا ہے ۔

۷۵-۱۹۷۴ء سے متعلق بر آمد کے درج ذیل اعداد سے ہمارے ملک کی پیداوار کی وسعت اور اس کی کوالٹی کا پتہ چلتا ہے ۔

	مالیت (کروڑ روپیوں میں)
کپڑا اور پٹ سن ملوں کی مشینیں	۱۶٫۳
ٹرانسمیشن لائن ٹاور	۵٫۱
بجلی کا بھاری سامان	۱۲٫۰
بھاری موٹر گاڑیاں	۱۶٫۵
مشینی اوزار	۷٫۲۲
فولاد کے پائپ اور ٹیوب	۳۱٫۳
انڈسٹریل فاسنر	۵٫۳
تاروں کے رسے اور دوسرے کاربن تار پروڈکس	۹٫۰
موٹر گاڑیوں کے پرزے	۲۲٫۱
ڈیزل انجن ، پمپ وغیرہ	۲۳٫۳
الیکٹرونکی سامان	۱۲٫۶

ہمارے بر آمدی بیوپار کی قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ ہماری ایک تہائی بر آمد دنیا کے چار بڑے صنعتی ملکوں کو ہوتی ہے۔

ملک	بر آمد (۷۴-۱۹۷۳ء) (کروڑ روپے)
امریکہ	۳۴۳
روس	۲۸۳
جاپان	۳۵۵
برطانیہ	۲۵۸

حالیہ برسوں میں ہمارے ملک سے بر آمد کی جانے والی اشیاء کی تعداد بڑھی ہے اور اب نئی نئی چیزیں بر آمد کی جارہی ہیں ۔ پٹ سن کی اشیاء ، چائے ، سوتی کپڑے ، چینی اور کافی جیسی روایاتی اشیاء کی بر آمد کے علاوہ پیچیدہ قسم کے انجینیری سامان مثلاً کمپیوٹر ، گھڑیوں ، بجلی کے پنکھوں ، ٹائپ رائٹروں اور چھپائی کی مشینوں وغیرہ کی بر آمد میں بھی خاصا اضافہ ہوا ہے ۔ بھارت میں تیار شدہ مسافر ڈبے ، مال ڈھونے کے ڈبے ، ٹرانسمیشن لائن ٹاور اور کیمیکل پلانٹ ، قیمت اور کوالٹی ، دونوں کے لحاظ سے بین الاقوامی منڈیوں میں مقابلہ کر رہے ہیں ۔ بھارت میں تیار شدہ مال دنیا کے کئی حصوں میں دوکانوں کے باہر نمایاں طور پر شیشے کی الماریوں میں سجا کر رکھا جاتا ہے۔

پیچیدہ قسم کے سامان کی برآمد کے علاوہ بھارت کی طرف سے اب غیر ملکوں میں مشترکہ صنعتیں بھی قائم کی جارہی ہیں ۔ غیر ملکوں میں اس قسم کی صنعتوں کے قیام کی کامیابی سے بھارت دوسرے ملکوں کی ترقی کے لئے پلانٹ و بھاری مشینری تکنیکی مہارت اور ماہرین کی خدمات مہیا کرنے والے ملک کی حیثیت میں سامنے آیا ہے۔ اب تک دوسرے ملکوں میں قائم شدہ پچاس سے زیادہ مشترکہ صنعتی ادارے پیداوار شروع کرچکے ہیں اور تقریباً مزید ساٹھ ایسے پروجیکٹ تکمیل کے مختلف مراحل طے کر رہے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر ادارے ترقی پذیر ملکوں میں قائم کئے جا رہے ہیں۔ البتہ کچھ ایسے پروجیکٹ امریکہ ، انگلینڈ اور مغربی جرمنی جیسے ترقی یافتہ ملکوں میں بھی شروع کئے گئے ہیں اور یہ آئل انجنوں، ہارڈ بورڈ اور اسبسٹس سیمنٹ کے پلانٹوں سے متعلق ہیں۔

غیر ملکی مال سے پیار :

دنیا بھر میں ، بالخصوص ترقی پذیر ملکوں میں ، غیر ملکوں میں بنی ہوئی چیزیں اور غیر ملکی برانڈ ، والی چیزوں کی مانگ زیادہ ہوتی ہے ۔ ملک کے کچھ تھوڑے سے دولت مند لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بھارت میں بنی ہوئی چیزیں کوالٹی کے لحاظ سے غیر ملکوں میں بنی چیزوں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ ایسا سمجھتے ہوئے یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ان کے اس ڈھنگ سے سوچنے سے ملک کی معیشت کو کتنا نقصان پہنچتا ہے۔

کبھی کبھی تو اس رجحان سے بڑی مضحکہ خیز حالت پیدا ہوجاتی ہے ۔ ابھی پچھلے چند دنوں پردھان منتری نے قوم کے نام ایک براڈ کسٹ میں ایسے ہی واقعہ کا ذکر کیا تھا ۔ انہوں نے کہا ' کچھ لوگ ملک سے باہر گئے اور وہاں دوسرے ملکوں میں انہوں نے کچھ چیزیں خریدیں ۔ وہ خوش تھے کہ انہوں نے انگلینڈ میں بنی ہوئی چیزیں خریدی ہیں ۔ لیکن بھارت لوٹنے پر انہیں یہ پتہ چلا کہ انہوں نے لدھیانہ میں بنا ہوا " پل اوور ،، خریدا تھا ۔ اسی طرح میں ایک سفیر کے کنبے کے ایک رکن کو جانتی ہوں جنہوں نے باہر جا کر چادریں خریدیں ۔ وہ بہت اچھی تھیں لیکن بعد میں پتہ چلا کہ وہ بھارت ہی میں تیار ہوئی تھیں ۔

ہم اپنے ملک میں بھی اس طرح کی کئی مضحکہ خیز حالتوں کو دیکھتے ہیں ۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں غیر ملکوں میں بنی ہوئی چیزوں سے اتنا پیار ہوتا ہے کہ وہ ان کی کوئی بھی

قیمت دینے کو تیار رہتے ہیں - لیکن اپنے اس بے سوچے سمجھے پیار کی وجہ سے یہ امیر لوگ غیر ملکی برانڈ یا مہر والی کئی ایسی چیزیں خریدلیتے ہیں جو دراصل بھارت ہی میں تیار شدہ ہوتی ہیں -

چونکہ اشیاء صرفہ کی درآمد پر پابندی لگائی گئی یا ان کی درآمد کو ایک کڑے ضابطے کے تحت لایا گیا اس لئے غیر ملکی مال کے شوقین لوگوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھانے کے لئے اسمگلر بڑے سرگرم ہوگئے اور اس طرح وہ دولت اکٹھی کرنے لگے - ایک اندازے کے مطابق ہر سال غیر ملکوں سے ۴۰۰ کروڑ روپے سے زیادہ کا سامان چوری چھپے بھارت میں لایا جاتا ہے - ان میں گھڑیاں ، کپڑا ، سونا ، ٹرانسسٹر اور الیکٹرونکی سامان شامل ہوتا ہے ، لیکن شاید یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ سوئٹزر لینڈ کی ایک فرم نے ایچ - ایم - ٹی کی بنائی ہوئی گھڑیوں کو اپنے ملک میں اپنے برانڈ نام سے بیچنے کے لئے ان کی ایجنسی لینے پر اظہار رضامندی کیا ہے -

یہی حال کپڑوں کا ہے - ہم نے پچھلے سال کپڑے کی برآمد سے لگ بھگ ۷۰ کروڑ روپے کے برابر غیر ملکی سکہ کمایا ان کپڑوں کے بڑے خریدار جاپان ، انگلینڈ ، اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک ہیں -

بھارت میں بنی چیزیں خریدئیے

ان سب باتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بھارت میں تیارشدہ چیزیں کافی بڑھیا ہوتی ہیں - لیکن اس کے علاوہ کچھ اور وجوہ بھی ہیں جن کے پیش نظر ہمیں بھارت میں بنی چیزیں خریدنی چاہئیں - ملک میں روزگار کے زیادہ مواقع پیدا کرنے کے لئے ہماری صنعتوں کی توسیع ضروری ہے اور صنعتوں میں پوری توسیع اسی حالت میں ممکن ہے جب ہم بھارت میں بنی چیزیں خریدیں - ملک میں ہر سال ۴۰۰ کروڑ روپے سے زیادہ کا مال چوری چھپے آتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری صنعتوں کو کس حد تک پونجی اور منڈیوں سے محروم ہونا پڑتا ہے -

پردھان منتری نے حال ہی میں ایک تقریر کے دوران اس بات پر زور دیا تھا کہ '' کسی نہ کسی موقع پر ہر ملک نے اپنے ہاں بنی ہوئی چیزوں کو محسوس کیا ہے - ،، انہوں نے کہا '' مجھے یاد ہے کہ انگلینڈ میں '' برٹن میں بنا مال خریدئیے ،، نامی مہم شروع کی گئی تھی اور اس میں یہ نعرہ لگایا گیا تھا کہ '' برٹن میں بنا مال سب سے اچھا ہے - ،، بھارت میں غیر ملکی چیزوں کا ایک خبط کی حد تک جو شوق دیکھنے میں آتا ہے وہ ہمارے ملک میں نو آبادیاتی دور کا ہی ایک اثر ہے . . . . . کمتری کا یہ احساس ہمارے آگے بڑھنے میں ایک رکاوٹ ہے - گاندھی جی نے جب سودیشی تحریک چلائی تو انہوں نے ہمیں صحیح راستہ دکھایا - ہم سب کے سامنے کچھ مشترکہ اور ضروری کام ہیں ان میں سب سے پہلا یہ ہے کہ ہم بھارت میں تیار شدہ چیزوں اور بھارتی مہارت پر فخر کرنا سیکھیں - اپنے ملک میں بنے ہوئے سامان کے استعمال، اپنے ملک کی مہارت اور کھوج کرنے کے جذبے کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہئے - ،،

سودیشی کے آدرش کو اپنانے سے ایک ایسے ملک کی حیثیت میں جو دوسروں سے خیرات مانگنے کی بجائے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہے، ہمارا وقار بڑھتا ہے - لیکن سودیشی کا نعرہ کوئی غیر ملکوں کے خلاف نہیں ہے - ہم ان چیزوں کی درآمد کرینگے جو ہمارے ملک میں تیار نہیں ہوتیں یا جو غیر ملکوں میں سستی ملتی ہیں -

اگر ہم سودیشی پر ٹھیک طریقے سے زور دینگے تو اس سے ہمیں تھوڑی سی مدت میں اپنی معاشی مشکلات پر قابو پانے اور عوام کے لئے خشحالی لانے میں مدد ملے گی -

ان سب باتوں کے علاوہ اپنے ملک میں بنی ہوئی چیزوں کو استعمال کرنا ایک فخر کی بات بھی ہے - چاہے یہ چیزیں ہمارے ماہر کاریگروں کی دستکاری کے خوبصورت نمونے ہوں یا جدید ترین مشینوں پر ہمارے نوجوان ماہر ٹیکنیشنوں کی پیداوار ہوں - جس طرح ہم اپنے کھلاڑیوں ، مصوروں ، مصنفین ، سنگیت کاروں، ماہرین رقص اور فلم سازوں کے تخلیقی آرٹ پر اور اپنے اسکالروں اور دانشوروں پر فخر کرتے ہیں اسی طرح ہمیں اپنے ملک کے کاریگروں کی تیار کردہ چیزوں پر بھی فخر ہونا چاہئے -

****

مرزا جعفر حسین

غالب کی جودت طبع

حقیقی شاعر کے کلام میں منجملہ دیگر خوبیوں کے تاثیر اور معنی اہم لوازمات ہوتے ہیں - تاثیر نہ ہوتو کلام قابل قبول نہیں ہوتا کیونکہ بات وہی ہے جو کہنے والے کے دل سے نکلے اور سننے والے کے دل میں اتر جائے - یہ خوبی اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ بات کرنے والے کو اپنے خیال کا اظہار کرنے کے لئے مناسب و موزوں الفاظ پر قابو ہو اور اس کو ان الفاظ کے استعمال کرنے کا سلیقہ بھی ہو- اسی لئے شاعر کو مرصع ساز سے نسبت دی گئی ہے اور بندش الفاظ کو نگینے جڑنے کا مرادف قرار دیا گیا ہے - جس طرح ایک مرصع ساز ہنرمندی کے ساتھ نگینے جڑ کے اپنے زیور کو حسین و جاذب نظر بنا تا ہے اسی طرح شاعر کو بھی اپنا خیال نظم کرنے کے لئے بندش الفاظ کی خوبی مد نظر رکھنا پڑتی ہے- اس حسین ادا کے لئے خیال کی بلندی بھی لازم ہے ورنہ بات کہنے اور سننے کے قابل نہیں ہوگی - خیال کی بلندی کی معینہ تعریف ممکن نہیں ہے کیونکہ خیال کی وسعتوں کا احاطہ کرنا محال ہے - البتہ اتنا کہنا پڑتا ہے کہ جتنا خیال بلند ہوگا اتنا ہی شاعر کا کلام وقیع ہوگا اور جتنی جودت طبع شاعر میں زیادہ ہوگی اتنا ہی اس کا خیال بلند و پاکیزہ ہوگا - مرزا غالب کا کلام ہر اعتبار سے بلند ہے اور اس میں ایک سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ہم کو ان کے یہاں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق ترجمانی ملتی ہے اور اس ندرت کے ساتھ کہ ان کا ایک مختصر اردو دیوان معنی و تاثیر کے لحاظ سے ہم کو شعر و ادب کا ایک بحر بیکراں نظر آتا ہے -

مرزا کے کلام میں ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگر کسی مقام پر بندش الفاظ سست یا نا مانوس ہوتی ہے تو تخیل کی بلندی اس عیب یا نقص کی پردہ پوشی کر دیتی ہے - ہماری نظر اس کمزوری پر نہیں پڑتی یا ہم اس کو قابل توجہ ہی نہیں سمجھتے لیکن جہاں ان کا کلام پر تاثیر ہے وہاں جاذبیت ہم کو اتنا مسحور کردیتی ہے کہ ہماری نظر میں خیال کی گہرائیوں تک پہونچنے کی سکت ہی باقی نہیں رہتی -

مرزا کبھی اپنے طرز ادا سے ، کبھی اپنی تخیل کی بلندی سے اور زیادہ تر ان دونوں خوبیوں سے سخن فہموں کو اپنا گرویدہ بنا لیتے ہیں - ان کے اردو کلام میں یہ خوبیاں اس لئے نمایاں ہیں کہ انہوں نے فارسی ترکیبوں اور اضافتوں سے بڑی ہوشمندی کے ساتھ کام لیا ہے جس کی بدولت وہ بڑے سے بڑا مفہوم کم سے کم عبارت میں ادا کرتے ہیں- فارسی زبان پر ان کو قدرت تھی، اس لئے ان اضافتوں اور ترکیبوں کے بر محل استعمال سے ان کے اردو کلام میں چار چاند لگ گئے- ان کے زمانہ میں ان کے کلام کے سمجھنے والے یقیناً بہت کم تھے لیکن پھر بھی یہ ان کی خوش‌نسمتی تھی کہ جو سمجھا اور جونہ سمجھا سب ہی نے ان کے کلام کی تعریف کی - دور حاضر میں غالب کے کلام کی شرحیں اور تفاسیر بکثرت ہمارے پاس موجود ہیں اس لئے ان کا کلام سمجھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونا کچھ بعید از قیاس نہیں ہو سکتا لیکن ان کا فارسی کلام ، جس پر خود ان کو ناز تھا اور جو حقیقتاً ایک عدیم المال ادبی اور فنی شاہکار ہے اب تک بلکہ اب اور زیادہ قدر شناسی کا محتاج ہے -

مرزا کو اپنی اعلی فارسی قابلیت اردو میں استعمال کر کے اور فارسی میں بلند پایہ مشق سخن کی بدولت اپنی جودت طبع کے لئے دو وسیع میدان حاصل تھے اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ ان دونوں میدانوں ورنہ کسی ایک میدان میں اپنے ذہن رسا کے لئے آسودگی ضرور حاصل کرلیتے تھے اگر کوئی خیال ان کے حسب مراد ایک زبان میں ادا نہ ہوتا تو وہ اس کمی کو دوسری زبان میں پورا کرلیتے تھے اساتذہ اور فنکار ایک ہی خیال کو ایک بار سے زیادہ نظم کرتے ہیں اور اس تکرار سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک پہلی مشق خود انہیں کے معیار کے مطابق نامکمل تھی جسکی تکمیل دوسری بار ہوجاتی ہے بعض شعراء اپنی پہلی مشق کو قلمزد کر کے دوسرا بہتر نمونہ ہی بازار سخن میں پیش کرتے ہیں لیکن بہت سے مجموعے ایسے بھی ملتے ہیں جن میں تمام رطب و یابس دیکھکر ہم کو اپنی نظر انتخاب کام میں لانا پڑتی ہے- بہرحال غالب کے یہاں اس قطع و برید کی گنجائش نہیں اس کے بر عکس ایک ہی خیال کو دو زبانوں میں پڑھکر ان کے ہر دو طرز ادا میں مقابلتاً شوخی و شیرینی میں کمی و بیشی کا مزا ملتا ہے اور ان کی جودت طبع کا بھی حیرت انگیز

مطالعہ حاصل ہوتا ہے ۔ ایسی مثالیں بے شمار ہیں لہذا چند اردو اور فارسی ہم خیال اشعار کو مثالاً پیش کر دینا کافی ہوگا ۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر انسان گناہ گار بندہ ہے اور جیتے جی گناہوں سے نجات اس لئے ممکن نہیں کہ اس کے خمیر میں معصیت شامل ہے اور ہر گناہ میں اس کو لذت ملتی ہے، اس لذت کا وہ حریص ہے طبعیتاً وہ ہر اس چیز کا حریص ہوتا ہے جو اس کے لئے ممنوع ہو ۔ ماحول و اسباب میں گرفتاری بھی خطا کاری کی محرک رہتی ہے یہاں تک کہ مستوریوں میں بھی گناہوں سے فراغ ممکن نہیں ہوتا ان حالات میں انسان کی بد بختی پر جتنا بھی تاسف کیا جائے وہ کم ہوگا کہ ایک طرف تو وہ اپنے خمیر میں گناہ اور ارتکاب گناہ کی اتنی خواہشات لے کر آیا ہے کہ مرتے مرتے ہزاروں خواہشیں دل میں رہ جاتی ہیں تو دوسری طرف اس کو اپنے گناہوں کا بارگاہ صمدیت میں حساب بھی دینا پڑتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ جب خدا کے حضور فرد قرارداد جرم انسان پر لگائی جائے تو اس کو اپنی صفائی میں کچھ نہ کچھ کہنا ضروری ہوتا ہے یہ صفائی مرزا بھی پیش کرتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو ۔

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گناہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

نا کردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یا رب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اندران روز کہ پرستش رود از ہر چہ گزشت
کاش با ما سخن از حسرت ما نیز کنند

پہلے شعر میں جذبہ عبودیت کے ساتھ شوخئی گفتار شامل ہے ورنہ '' حساب اے خدا نہ مانگ ،، کا محل نہیں تھا ۔ دوسرے شعر میں '' نا کردہ گناہوں ،، اور '' ان کردہ ،، گناہوں کے فقرات فصاحت سے گرے ہوئے ہیں لیکن ان کا یہ نقص تخیل کی بلندی میں چھپ جاتا ہے یا کم سے کم اس نقص میں زیادہ اہمیت محسوس نہیں ہوتی ۔ البتہ تیسرا شعر ''طرز ادا ،، تخیل کی بلندی اور گداز و روانی میں اپنا جواب نہیں رکھتا ۔ کہنا پڑتا ہے کہ یہی شعر مرزا کے جودت طبع کی اصلی تخلیق ہے ۔

مرزا کے ابتدائی اردو کلام میں بیدل کی تقلید واضح ہے جس کے سبب سے معلق الفاظ اور نا مانوس ترکیبات ان کے مفہوم و مطالب کو سمجھنے میں بھی دشواریاں پیدا کر دیتے ہیں لیکن فارسی میں خود اپنے رنگ کے وہ ہمیشہ مالک رہے ۔ ان دونوں زبانوں کے اشعار میں مفہوم کی یک رنگی کے با وصف طرز ادا کا تقابل ایک دلچسپ مطالعہ ہے ۔ حسب ذیل اشعار میں پہلا شعر بیدل کی ہو بہو عکسی ہے ۔

ہوائے سیر گل آئینہ بے مہرئ قاتل
کہ انداز بخوں غلطیدن بسمل پسند آیا

انہیں منظور اپنے زخموں کا دیکھ آنا تھا
اٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی بہانے کی

اگر ہوائے تماشائے گلستان داری
بیاو عالم در خون تپیدنم بنگر

تیسرا شعر چھوٹی بحر میں ہے اور اس میں سادگی، صفائی اور تاثیر پہلے دونوں شعروں سے کہیں زیادہ ہے

بعض ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جہاں ابتدائی دور میں بھی بیدل کی تقلید نہیں کی اور سیدھی سادی اردو میں مرزا نے طبع آزمائی فرمائی تھی لیکن پھر بھی وہ لطف نہیں پیدا ہو سکا جو بے ساختگی کی وجہ سے ان کے فارسی کلام میں ملتا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہئے ہئے
خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقت سخن
جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

جان غالب تاب گفتاری کجا داری ہنوز
سخت بے دردی کہ می پرسی ز ما احوال ما

'' جان غالب ،، نے تیسرے شعر میں جان ڈالدی ہے جو پہلے دونوں شعروں میں مفقود ہے ۔ ہئے ہئے میں گداز پیدا کرنے کی کوشش ضرور کی گئی لیکن مطلب حاصل نہیں ہو سکا ۔

پھر بھی یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ مرزا کی طرز ادا ہر مقام پر فارسی میں اردو سے بہتر تھی ۔ ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جہاں ایک ہی خیال دونوں زبانوں میں ادا کیا ہے لیکن اردو میں زیادہ لطف ہے مثال کے طور پر حسب ذیل اشعار پیش کر دینا کافی ہوگا ۔

سخن کوتہ مرا ہم دل بہ تقوی مائل ست اما
زننگ زاہد افتادم بہ کافر ماجرا کیہا

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

بیگنا ہم پیر دیرازمن مرنج
من بہ مستی بستہ ام احرام را

رات پی زمزم پہ مئے اور صبح دم دھوئے دھبے جامۂ احرام کے

سرت گردم بزن تیغ و درے بر روئے دل بکشا
دلم تنگ ست کار از خم پیکاں برنمی آید

نہیں ذریعہ راحت جراحت پیکاں
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دلکشا کہئے

اوپر کے تینوں فارسی اشعار میں اپنے دل پر گزرنے والی کیفیت کے اسباب و وجوہ بیان کرکے منطق و فلسفہ کا حق ضرور ادا کردیا ہے لیکن شعریت کا کمال اردو اشعار ہی میں ہے ۔

جنت کے بارے میں مرزا نے طرح طرح سے خیال آرائی کی ہے لیکن کبھی اور کسی مقام پر جنت کو زندگی اور تعلقات زندگی پر ترجیح نہیں دی ۔ کیونکہ مادی دنیا میں رہ کر با عمل زندگی بسر کرنا ان کا نصب العین تھا ۔ اسی لئے جنت کو دیکھکر ان کو معشوق کا گھر یاد آجاتا ہے یا یہ کہ دنیا میں جو بے کیف اور پر درد زندگی گزاری ہے اس کی تلافی جنت میں ان کو حاصل نہیں ہوتی ۔ ملاحظہ ہو ۔

جنت نہ کند چارۂ افسردگی دل
تعمیر بہ اندازۂ ویرانی ما نیست

دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے
نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے

می دہی امید خلد جاودان رحم تجاست اے خدا
آب و ہوائے این فضائے کوئے کہ یاد می دہد

لیا دی رضواں سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

شعراء نے بعض تاریخی شخصیتوں کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے ۔ ان میں آدم ، نوح ، خضر ، یعقوب ، یوسف ، موسی اور عیسی ہر شاعر کے ہیرو ہیں ۔ حضرت یعقوب کا اپنے حسین اور محبوب فرزند حضرت یوسف کی جدائی میں رو رو کے اپنی آنکھوں کی بصارت کھو دینا ایک ایسا المیہ ہے جس پر اردو اور فارسی شعراء نے بہت کچھ طبع آزمائی کی ہے ۔ مرزا نے بھی دونوں زبانوں میں اس واقعہ کو نظم کیا ہے ۔ حسب ذیل اشعار کا تقابل دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ۔

گشتہ در انتظار کور دیدۂ پیر رہ سپید
در رہ شوق ہم رہی دیدہ زمردمک نخواست

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سپیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

قید میں یعقوب نے لی گو نہ یوسف کی خبر
لیکن آنکھیں روزن دیوار زنداں ہو گئیں

فارسی شعر میں بلا کی ندرت خیال ہے لیکن اردو میں دونوں اشعار کا قریب قریب ایک ہی طرز ہے حالانکہ پہلا یعنی وسطی شعر بہرحال بہتر ہے ۔

معشوق کے سایہ دیوار مکان میں بیٹھنے کی اگر عاشق کو اجازت مل جائے تو اس کو اپنی خوش قسمتی پر جتنا بھی ناز ہو وہ کم ہے ۔ بجا طور پر وہ اپنے کو فرماں روائے ملک عظیم اور بادشاہ ہفت اقلیم تصور کر سکتا ہے ۔ اس جذبے کی ترجمانی مرزا کرتے ہیں ۔ اردو کے شعر میں " ہندوستان " کے لفظ سے فائدہ اٹھایا ہے لیکن فارسی شعر کا پہلا مصرع انداز محبت کی بے حد لطیف ترجمانی ہے ۔

بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یار میں
فرماں روائے کشور ہندوستان ہے

بدیں نیاز کہ باتست ناز می رسیدم
گدا بہ سایۂ دیوار بادشا خفت ست

یہ حقیقت ہے کہ انسان کے جذبہ لطف و انبساط میں کسی مخصوص درجہ حرارت کا تعین کردینا ممکن نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے ایک مے خوار اپنے شغل مے گساری میں اعتدال پسندی سے کام نہیں لیتا ۔ اس کی ہوسناکی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ شیشہ و پیمانہ تو در کنار خم کے خم منہ سے لگادئے جائیں تب بھی اس کی سیری نہیں ہوتی ۔ یہ کیفیت بہرحال عام ہے اور اس کا نظم کردینا بھی سہل ہے لیکن مرزا کی جودت طبع ان کے اردو شعر میں وجہ شامل کرکے اور فارسی شعر میں برجستگی کا اظہار کرکے بےپناہ لطف اور لذت پیدا کر دیتی ہے ۔

ہے دور قدح وجہ پریشانی صہبا
یک بار لگادو خم مے مرے لبوں سے

مے بہ اندازہ حرام آمدہ ساقی بر خیز
شیشہ خود شکن بر سر پیمانہ ما

شعر پڑھتے جائیے اور " بشکن بر سر پیمانہ ما " پر سر دھنتے رہئے ۔

" نقش و نگار طاق نسیاں " ایک ایسا پر معنی اور حسین فقرہ ہے جس کو مرزا ہی کے مذاق و مزاج کی تخلیق کہنا غلط نہ ہوگا ۔ انہوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں اس فقرہ کو نظم کیا ہے اور ہر جگہ انتہائی موثر طرز میں بیان کیا ہے ۔ کہتے ہیں ۔

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

رنگ ہا چوں شد فراہم معتبر دیگر نداشت
خلد رانقش و نگار طاق نسیاں کردہ ایم

اردو میں " رنگارنگ " اور فارسی میں " رنگ ہا " کہنا ہی عین فصاحت ہے لیکن اردو میں " بزم آرائیاں " اور فارسی میں " خلد " کو نقش و نگار طاق نسیاں کے لئے مخصوص کرنا مرزا ہی کا حصہ ہے ۔

غالب کی ندرت خیال اس وقت معراج کمال پر ہوتی ہے جب وہ نظارۂ معشوق کا تذکرہ یا اپنے جذبہ رشک کی ترجمانی کرتے ہیں۔ معشوق کو دیکھ لینا ان کے لئے آسان نہیں۔ کبھی ان کو خود اپنے اوپر رشک آجاتا ہے، کبھی نظارہ " نقاب عارض یار ،، بن جاتا ہے ، کبھی خود انہیں کی نگاہ معشوق کے چہرہ پر بکھر جاتی ہے اور نظارہ محال ہو جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام کیفیات بےحد نازک و لطیف ہیں جن کی الفاظ میں عکاسی صرف مرزا ہی کی جودت طبع کا کام ہے ۔ جذبات بھی لطیف ہیں اور ترجمانی بھی اپنا جواب نہیں رکھتی۔

هم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے
مرتے ہیں ولے ان کی تمنا نہیں کرتے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھسے دیکھا جائے ہے

نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگاہ تیرے رخ پر بکھر گئی

بہ خیزد گر نقابے از میاں بر خاست کو نسگیں
کہ می بینم نقاب عارض یار ست دیدن هم

جب عاشق کیلئے نظارہ ہی " نقاب عارض یار ،، بن جائے تو اس میں اتنی جرأت کہاں ہو سکتی ہے کہ وہ معشوق کے حضور اپنے شوق دیدار کی گذارش بھی کر سکے۔ وہ خوب سمجھتا ہے کہ عارض یار بے نقاب ہوگئے تو انجام کیا ہوگا ۔ اپنے فنا ہو جانے کا ڈر نہیں البتہ اشتیاق دید عاشق کیلئے سے لگنے پر اس کا مٹ جانا گوارا نہیں ہو سکتا ۔

پر تو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
هم بھی ہیں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

اختلاط شبنم و خورشید تاباں دیدہ ام
جرأتے باید کہ عرض شوق دیدارش کنم

پہلے شعر میں اس کا احساس ہے کہ ایک عنایت کی نظر ہوئی اور ہم فنا ہوگئے لیکن دوسرے شعر میں اس پر تاسف ہے کہ شوق دیدار گذارش کرنے کی جرأت نہیں ہے ہر حال میں شوق دیدار کے برقرار رہنے ہی میں عین لذت ہے ۔

رشک سے متعلق مضمون آفرینی میں مرزا کا کوئی ہمسر نہیں ہوا ۔ ظہوری نے رشک کو طرح طرح سے اور بہت خوب نظم کیا ہے لیکن حق بات یہ ہے کہ غالب کا پلہ ظہوری پر بھی بھاری ہے ۔ مرزا کے رشک کا یہ عالم ہے کہ معشوق کو خدا کے سپرد کرنا بھی ان کو گوارا نہیں ہوتا اور ہر اس چیز سے جو معشوق سے ملحق یا متعلق ہو جیسے زنار، تلوار وغیرہ مرزا رشک کرتے ہیں یہانتک کہ وصال میں بھی خیال رقیب آتا ہے اور وہ اذیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔ رشک سے متعلق اشعار کی انکے اردو اور فارسی دونوں زبانوں کے کلام میں بہتات ہے ۔ لیکن تقابل کے پیش نظر ان کی جودت طبع کی مثالوں میں صرف چند اشعار پیش کردینا کافی ہوگا ۔

یاسن بخواب ناز و من از رشک بد گمان
تا عرصہ ، خیال عدو جلوہ گاہ کیست

میں مضطرب ہوں وصل میں خوف رقیب سے
ڈالا ہے تم کو وہم نے کس پیچ و تاب میں

****

جان می دهم از رشک بہ شمشیر چہ حاجت
سر پنجہ بد امن زن و دامن بہ کمر بر

آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے
مرتا ہوں اسکے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

****

ز ذوق میان تو شدن سر بہ سر آغوش
بے مہر فن ساست بہ زنار میا موز

مرجاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تن نازک
آغوش خم حلقہ زنار میں آوے

****

تلوار اور زنار سے متعلق تقابل کے اشعار اپنا جواب نہیں رکھتے اور ایک مبصر کے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے کہ کس زبان کا شعر دوسری زبان کے شعر سے زیادہ لطیف ، چست اور کامیاب ہے ۔

مرزا کے کردار میں بلند حوصلگی اور رجائیت کے جوہر تابندہ اور درخشندہ تھے ۔ وہ ہجوم اندوہ میں اپنے کو "محتشم ،، قرار دیتے تھے اور امتحان گاہ محبت میں جان دینے کے بعد بھی معشوق سے یہ کہنے کے قائل تھے کہ " امتحان اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی ،، ۔ ظاہر ہے کہ منزل عرفان میں ان کی حوصلہ مندی کی پرواز کہاں تک ہوسکتی تھی ۔ انہیں کے لئے یہ کہنا زیب دیتا تھا کہ ۔

گرتی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

فارسی میں اسی خیال کو بھر پور وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے ملاحظہ ہو ۔

چرابہ سنگ و گیاہچی اے زبانہ طور
زراہ دیدہ بہ دل در روو زجان بر خیز

جودت طبع کی اس سے بہتر مثال نا ممکن ہے —

غالب کے مزاج کی رجائیت کا ذکر بھی بالاجمال ضروری ہے۔ وہ مصائب و آلام کا خندہ پیشانی کے ساتھ مقابلہ کرتے تھے انہوں نے طرح طرح کی دوستوں اور عزیزوں کے ہاتھوں تکلیفیں جھیلیں ، حوادث روزگار نے ان کو بہت ستایا لیکن وہ ہر تباہی و بربادی میں اپنی جان ناشاد کے لئے تسلی و تشفی کی راہیں تلاش کرلینے کے خوگر رہے چنانچہ لکھتے ہیں ۔

از بہار رفتہ درس رنگ و بودارم ہنوز
در غمت خاطر فریب جان نا شادم ہنوز

ہے ناز مفلساں زر از دست رفتہ پر
ہوں گل فروش شوخی داغ کہن ہنوز

خاطر فریبی ہو یا شوخی داغ کہن کی گل فروشی ان کی غرض تسلی و تشفی حاصل کرنا تھی لیکن غم و آلام میں مبتلا ہو کر قنوطیت کو کبھی پاس آنے نہیں دیا ۔

مرزا کے اردو اور فارسی کلام سے ایک ہی رنگ اور ایک ہی خیال کے اشعار کی مثال صرف مذکورہ بالا اشعار پر ختم نہیں ہوتا ۔ ان کا اردو دیوان جو ہمارے پاس موجود ہے بیحد مختصر ہے اور فارسی دیوان مقابلتاً ضخیم ہے ۔ جسکی وجہ سے اردو کے ایک ایک شعر کا فارسی کے دو دو یا اس سے بھی زیادہ اشعار میں جواب مل جاتا ہے ۔ ان تمام اشعار کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ مرزا کو ایک ہی خیال میں طرح طرح کے پہلو اور متعدد گوشے نکال لینے کا زبردست ملکہ تھا اور یہی سلیقہ ایک بلند پایہ شاعر کے لئے معراج کمال ہے ۔ جو صرف اسی طرح ممکن ہے کہ شاعر کو نہ صرف زبان و خیال بلکہ پنہائی خیال اور وسعت بیان پر بھی پورا پورا قابو ہو اور وہ اپنے اس قابو کو بر محل اور مناسب طریقہ سے استعمال بھی کرسکتا ہو۔ مرزا کی جودت طبع اور فکر رسا ان تمام خوبیوں کی حامل تھی ۔

****

چیف منسٹر شری جے۔ وینگل راؤ ہنومان کواپریٹیو شوگرس لمیٹڈ کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے ہنومان جنکشن ضلع کرشنا میں ایک میٹنگ سے خطاب کررہے ہیں۔

صلاح الدین نیر

غزل

متاع ہوش یہاں سب نے بیچ ڈالی ہے
تمہارے شہر کی تہذیب ہی نرالی ہے

ہم اہل درد ہیں تقسیم ہو نہیں سکتے
ہماری داستاں گلشن میں ڈالی ڈالی ہے

نہ جانے بزم سے کسکو اٹھا دیا تم نے
تمام شہر وفا آج خالی خالی ہے

میں اپنے آپ میں تحلیل ہوگیا کب کے
وہ اک نگاہ مگر آج بھی سوالی ہے

خلوص بانٹنے میں سب کے گھر گیا لیکن
تم آج آئے ہو جب میرا ہاتھ خالی ہے

کسی کی شمعیں سر شام بجھ گئیں نیر
کسی کے شہر میں لیکن ابھی دیوالی ہے

* * * *

غزل

ہیں دیر و حرم کم یہاں مئے خانے بہت ہیں
لگتا ہے کہ اس شہر میں دیوانے بہت ہیں

مئے نوشی کا اعزاز مقدر سے ملا ہے
ہم کو تری آنکھوں ہی کے پیمانے بہت ہیں

اس دور ہوس میں کوئی آذر نہیں ملتا
شیشے کے گھروں میں بھی صنم خانے بہت ہیں

کس شہر کی مٹی ہے ہمیں کچھ نہیں معلوم
اس فرش پہ ٹوٹے ہوئے پیمانے بہت ہیں

چلنے کا سلیقہ ہے تو دو چار قدم اور
صحرا کا بھرم رکھنے کو ویرانے بہت ہیں

یہ رسم جنوں کم نہیں ہوگی کبھی نیر
ہم جیسے اس شہر میں دیوانے بہت ہیں

* * * *

عبدالمتین نیاز

کولمبس وقت

[illegible]
تجربوں کی منازل کا پہلا قدم

دکھ بھرے مرحلوں سے گذرتا ہوا
ہر قدم فاصلوں کی حدیں ناپتا ہوا

میں چلا جا رہا ہوں کسی سمت کو
کچے رستوں کی اڑتی ہوئی دھول نے

تپتے صحراء کی جلتی ہوئی دھوپ نے
جنگلوں کے گھنے اور خشک سائے نے
اور ساری دشاؤں نے پوچھا یہی

ڈھونڈتے ہو کسے
کوئی منزل بھی ہے

یا کہ گم کردہ راہ منزل ہو تم
میرے چہرے کی افسردگی

سن کے یہ ہنس پڑی
اور گویا ہوئی

میری منزل فقط جہد و ایثار ہے
میری آنکھوں میں نقشہ ہے اس دیس کا

جسکی شفاف و دلکش، نشیلی فضا
جسکی تازہ، معطر، مہکتی ہوا

روحِ انساں کو بالیدگی دے سکے
کل ورق پر زمانے کی تاریخ کے

عصرِ نو کا مورخ لکھے
آنے والی ہر اک نسل یہ کہہ سکے

ایک دیوانہ آوارۂ زندگی
جس نے ڈھونڈی ہے یہ ایک دنیا نئی

ہم زباں ہو کے سب اہل دانش اسے
کیوں نہ "کولمبس وقت" کا نام دیں * *

* * * * *

علی احمد جلیلی

غزل

موسم گل ابھی اے جان چمن باقی ہے
تو نہیں ہے تری خوشبوئے بدن باقی ہے

ہوگئی دور لباسوں کی شکن تو لیکن
روح و تن پر جو پڑی ہے وہ شکن باقی ہے

اڑگئے عیش کے لمحے غم دوراں دیکر
پھول مرجھا گئے کانٹوں کی چبھن باقی ہے

اف یہ انداز تری ٹوٹتی انگڑائی کا
اسمیں جیسے مری راتوں کی تھکن باقی ہے

خشک ہونٹوں پہ تبسم کی کرن ہے لیکن
دل کے بازار میں زخموں کا چلن باقی ہے

لوگ کیوں لاش اٹھائے لئے جاتے ہیں مری
کیا ابھی اسمیں کوئی تار کفن باقی ہے

دور آئے گئے کتنے مگر اے ارض دکن
تیرے چہرے کا وہی سانولا پن باقی ہے

ہوگئی جب سے روایت شکنی عام علی
شعر باقی ہے نہ وہ شعر کا فن باقی ہے

* * * * * *
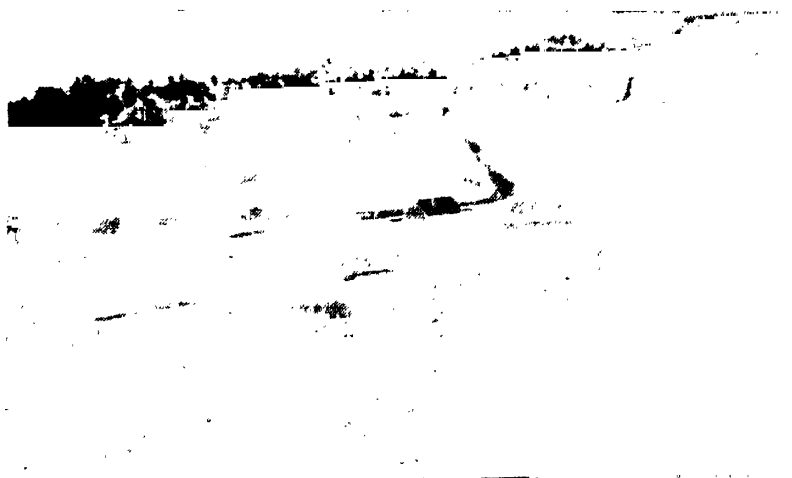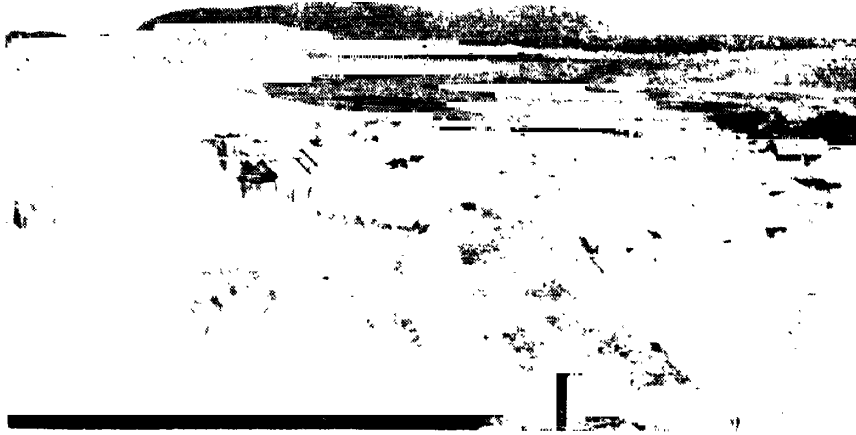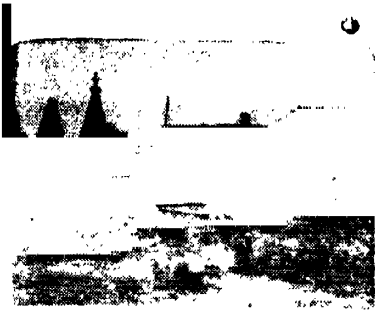
بھیمیلی ساحل سمندر پر واقع **ٹاؤن** اپنے خوبصورت ماحول کی وجہ سے دور و نزدیک سے آنیوالے سیاحوں کو بے حد متاثر کرتا ہے ۔
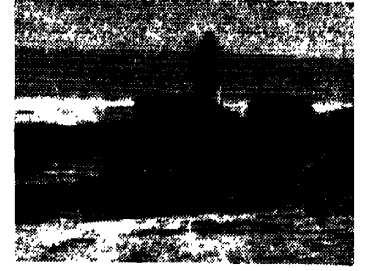
بھیمونی پٹنم کے
مناظر
(وساکھاپٹنم ڈسٹرکٹ)

«یہ کس کی تصویر ھے»

یہ جو سامنے کی دیوار پر مستطیل نما بڑی سی تصویر ہال
چوتھائی حصے پر پھیلی ہوئی ھے ، وہ میری سمجھ میں نہیں
ی ھے ۔ ماڈرن آرٹ انسان کی شکل و صورت سے بہت آگے
کر اسکی اندرونی کیفیات اور جذبات کی آئینہ داری کرتا ھے ۔
دعوے سارے کے سارے مجھے بکواس نظر آتے ھیں ۔

میں تنہا بیٹھا وھسکی پی رہا ھوں ، ویسے ' من جو ' کا
ے کا سارا ہال تقریباً بھرا ہوا ھے ۔ کتنے چہرے ، کتنے
م ، کتنے قہقہے ، کتنے سکون ، سب خلط ملط ھیں ۔ ایک
وسرے سے جدا کرنا اتنا آسان نہیں ھے ۔ میری تنہائی صرف
معنی میں ھے کہ کوئی شریک بادہ و جام نہیں ھے ، ورنہ
، انسانوں کی اس مسحورکن بزم میں شامل ھوں بھی اور نہیں
ی ھوں ۔ تنہائی کا دور دور تک احساس البتہ نہیں ھے ۔ صرف
تصویر کا نہ سمجھ میں آنا ھی مجھے بار بار بادہ خواروں کی
بزم سے الگ تھلگ کرلیتا ھے اور میں شاداب چہروں ،
زار چہروں ، اداس چہروں ، گمبھیر چہروں اور ویران چہروں
اس محفل سے پل دو پل کے لئے کٹ جاتا ھوں اور میرا وجود
، تصویر سے چمٹ جاتا ھے ۔

اس بڑی تصویر کو بہ یک نظر میں سمجھ نہیں پاتا
تو اس کے مجموعی تاثر سے بالکل بے نیاز ھوکر جو مجھ پر
ے سے کوئی تاثر ھی نہیں چھوڑتی ھے ، ایک ایک حصے کو
دہ علحدہ سمجھنے کی کوشش کرتا ھوں ۔

سیدھی جانب یہ جو عجیب سا ایک ھیولی ھے شاید
سی غمزدہ انسان کا مسخ شدہ چہرہ ھے ۔ موت کسی بھی
ی کے ساتھ میخانے میں داخل نہیں ھوتی ۔ وہ تو باھر کھڑی
، کی منتظر ھوتی ھے ۔ پھر یہ چہرہ اس قدر مسخ کیوں ھے
سے ھم بجلی کے خزانے پر " خطرہ " کے جلی حروف میں لکھے
ئے لفظ کے نیچے ھڈیوں کی مقراض کے درمیان انسان کے نچے
ئے چہرے کی صرف ھڈیاں دیکھتے ھیں اور کراھیت کے سوا
چھ بھی حاصل نہیں ھوتا ۔ مجھے تصویر کے اس مسخ شدہ
رے سے اسی قسم کی کراھیت محسوس ھورھی ھے ۔ میری
نظریں آہستہ آہستہ تصویر کے دوسرے حصوں کا طواف کررھی
ھیں لیکن سوائے دھندلے دھندلے چھوٹے بڑے دھبوں کے میرے
پلے کچھ بھی نہیں پڑ رہا ھے ۔ کوئی تصویر اگر اس تصور سے ذھن
میں ابھرتا ھے تو وہ صرف بے سرو سامانی اور لٹی لٹی دنیا کا تصور
ھے اور یہ تصور مجھے کچھ اداس کرنے لگتا ھے ۔

میں " من جو " میں جب داخل ھوا تھا تو وہ ساری
اداسیاں جو میرے جلو میں دبے پاؤں چلی آرھی تھیں " من جو "
کے دروازے پر اس طرح ٹھٹک کر رک گئیں جیسے ان کی جیب
خالی تھی اور میں اپنی جیب کے سہارے انہیں باھر چھوڑ کر
" من جو " میں داخل ھوگیا تھا ، لیکن جب میں نے وھسکی
کا دوسرا گلاس بھر لیا تو مجھے محسوس ھوا کہ یہ اداسیاں اس
سامنے پھیلی ھوئی تصویر کے راستے ہال میں داخل ھونے کی
کوشش کر رھی ھیں ۔

میں نے جھنجھلا کر اس تصویر سے آنکھیں پھیر لی
ھیں — اور " من جو " کے ہال میں سجی ھوئی انسانی چہروں کی
رنگا رنگ بزم میں شامل ھوگیا ھوں ۔

میری بائیں جانب قریب ھی کی میز پر تین نوجوان ریکارڈ
پر بجتے ھوئے آرکسٹرا کی دھن پر اپنے پیروں کو حرکت دے
رھے ھیں اور ان کے جسم ایک خاص یکسانیت سے اپنے صوفوں
پر تھرک رھے ھیں ۔ جھوم رھے ھیں ۔ ان نوجوانوں میں جو
سب سے زیادہ ٹڈی بوائے ھے ، وھی سب سے زیادہ نحیف و ناتوان
بھی ھے ۔ اس کے چہرے پر جوانی کم ھے اور ٹڈیاں زیادہ ھیں ۔
ان کے بیر کے شیشے خالی ھوگئے ھیں اور گلاس بھرے ھوئے
ھیں ۔

ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے اپنی عمر کا حساب کتاب لگا کر
اسی مقدار سے غازہ ، سرخی اور لپسٹک اپنے چہرے پر تھوپ
رکھی ھے ۔ وہ جب ہال میں داخل ھوئی تھی تو زیادہ جوان
تھی لیکن شراب کی گرمی سے جیسے اس کا غازہ اور سرخی پگھل
رھی ھے اور اصلی خط و خال نمایاں ھو رھے ھیں ، اس کے ساتھ
جو نوجوان ھے وہ اس ادھیڑ عورت میں زندگی ڈھونڈ رہا ھے

جیسے میں سامنے لگی تصویر میں ایک جہان معانی ڈھونڈ رہا تھا - میرا جی چاہتا ہے، ایک بڑی سی ٹوکری کی ٹوپی لے آؤں اور اس عورت کے سر پر رکھ کر تالیاں بجاؤں -

یہ شرارت مجھے یوں سوجھتی ہے کہ میں نے کہیں پڑھا تھا—پیرس کے ایک سینما ہال میں اکثر عورتیں رنگا رنگ ٹوکری نما ٹوپیاں پہنے جب اپنی اپنی نشستیں سنبھال لیتیں تو پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں کی نظروں اور اسکرین کے درمیان ان کی یہ ٹوپیاں حائل ہو جاتیں اور پکچر انہیں دکھائی نہ دیتی- جب ان لوگوں نے منتظمین سے شکایت کی تو سینما ہال میں اس مضمون کا بورڈ لٹکا دیا گیا -

'' صرف بوڑھی خواتین ہیٹ پہن کر سینما دیکھ سکتی ہیں '' -

اور اب -- وہاں کوئی عورت ہیٹ پہن کر سینما نہیں دیکھتی ہے - .

میں سوچتا ہوں مرد آخری سانسوں تک عورت سے چمٹا رہتا ہے اور اسی لئے عورت آخری سانسوں تک صرف جوانی سے چمٹی رہتی ہے -

میری نشست کے بالکل مقابل جو میز دھری ہے ، اس پر کوئی سابقہ فوجی افسر اپنے '' ایکس کیپٹن ''، ہونے پر اس طرح فخر کر رہا ہے جیسے اب بھی مادر وطن کی آزادی کا سارا بوجھ اسی کے کندھوں پر رکھا ہے اور بیر سے بھری ہوئی اس کی بوتل کوئی ایسا نیوکلیر ہتیار ہے جس سے یہیں بیٹھے بیٹھے وہ مادر وطن کی مدافعت کر سکتا ہے - اس '' ایکس کیپٹن '' نے اپنی کپتانی سے کچھ زیادہ ہی چڑھالی ہے -

میں اب صرف اس کپتان میں دلچسپی لے رہا ہوں- تصویر کی جانب میری نظریں اب اس طرح اٹھتی ہیں جیسے دیوار کی جانب مریض کی نظریں اٹھ رہی ہوں -

ادھیڑ عمر کی عورت اور نوجوان مرد ابھی تک سرگوشیاں کر رہے ہیں -

ٹڈی لڑکے کسی انگریزی لَے کی دھیمے سروں میں نقل کر رہے ہیں - لیکن میری نگاہوں کا مرکز وہی سابقہ کپتان ہے جو اپنے سامنے بیٹھے ہوئے کسی نواب زادے سے سینہ تان کر باتیں کر رہا ہے -

یہ نواب‌زادہ اپنی پوشاک اور اپنے چہرے بشرے سے دن بھر مشین پر کام کر کے تھکا ہوا درزی دکھائی دیتا ہے لیکن سابقہ فوجی افسر اور نواب‌زادہ ایک دوسرے کی ذات میں دلچسپی لے رہے ہیں—میں ان دونوں میں کوئی قدر مشترک ڈھونڈ رہا ہوں -

یہ فوجی افسر بڑی معصوم باتیں کر رہا ہے - وہ بار بار درزی نما نواب زادے کو اپنے قریب گھسیٹ کر کہتا ہے— '' وی آر سولجرز ،، — ہم فوجی ہیں اور پھر وہ اپنے گلاس میں اس ادا سے بیر انڈیلتا ہے جیسے ریوالور سے گولی چلا رہا ہو —

نواب زادے کے سوال پر کہ آیا اس نے دوسری جنگ عظیم میں حصہ لیا تھا ؟

سابق کپتان بڑی سنجیدگی سے کہتا ہے—میں نے کبھی کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا— اور اس طرح سینہ تان کر بیر کا گلاس اٹھاتا ہے جیسے دنیا بھر کے ہر فوجی سے صرف اس ایک خصوصیت کی بناء پر خود کو ممیز کر رہا ہو -

نواب زادہ لیکن تلا ہوا ہے کہ فوجی کپتان کی نئی دوستی پر فخر کر سکے -

کوئی ایسا واقعہ اپنی فوجی زندگی کا سنائیے جس میں آپ کی جان پر بن گئی تھی ؟

میں جھک کر ایش ٹرے لینے کے بہانے ذرا اور کھسک کر ان دونوں سے ممکنہ قرب حاصل کرلیتا ہوں— فوجی افسر اتنا معصوم نہ ہوتا تو اس سوال کے جواب میں یقیناً اس کی جان پر بن گئی ہوتی - لیکن وہ کہنا شروع کرتا ہے -

جب میں رائیڈنگ (Riding) کی ٹریننگ پا رہا تھا ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا- ایک معجزہ—سوچتا ہوں تو آج تک حیرت ہوتی ہے— وہ کہہ رہا تھا—وہ کہتا گیا — '' مجھے ایک بار بہت ہی شریر گھوڑا دیا گیا جو بے قابو ہو رہا تھا— میں کوشش کر کے تھک گیا - لیکن وہ قابو میں نہ آیا - آخرش میں نے خود کو اس کے حوالے کردیا- اب جہاں اس کا جی چاہتا وہ مجھے لے کر بھاگتا - میں بس اس کی پیٹھ کا ایک حصہ بن کر رہ گیا تھا— وہ بھاگتا بھاگتا ایک پہاڑی پر چڑھ گیا - جب بہت بلندی پر ہم پہنچ گئے تو میری نظر پاس ہی کی گہری کھائی پر پڑی جس کے بیچوں بیچ ٹرین کی پٹڑیاں چمک رہی تھیں— میں سمجھ گیا کہ اب موت ہی مجھے اس گھوڑے کی سواری سے بچائے گی - میں نے آخری بار اس کا رخ موڑنے کے لئے باگ کو کئی جھٹکے دئے - لیکن گھوڑا اس کشمکش میں اور بھی بپھر گیا اور کھائی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی—پھر میں نے دیکھا—نیچے - بہت نیچے ٹرین رینگ رہی ہے اور اس کا دھواں ۔۔۔ سگریٹ کا دھواں معلوم ہو رہا ہے- اور

اس کے بعد ، میں اور گھوڑا بلندی سے شاید نیچے آ رہے تھے - مجھ پر غشی طاری تھی - ،،

" آنکھ کھلی تو لوگ مجھے ہوش میں لانے کے جتن کر رہے تھے - ٹرین ٹھری ہوئی تھی - مسافروں نے مجھے گھیر رکھا تھا۔ جب مجھے پوری طرح ہوش آیا اور گارڈنے سہارا دیکر مجھے اٹھایا تو میں نے دیکھا، گھوڑے کی ھڈیاں پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں اور وہ آخری سانسیں لے رہا تھا - ،،

درزی نما نوابزادے نے فوجی افسر کے دونوں ھاتھ اپنے ھاتھ میں لے لئے اور بڑے پیار سے انہیں دبا کر مبارکباد دی۔ اور کہا - واقعی کارنامہ ہے۔

میں سوچتا ھی رہ گیا کہ اگر یہ کارنامہ ہے تو خدا نے بزرگ و برتر کا ہے یا گھوڑے کا یا فوجی افسر کا -

درزی نما نوابزادے نے پھر کسی بات پر اس بات کا اعادہ کیا کہ اسلم جنگ کا مشہور و معروف پل اسی کے دادا کے نام سے موسوم ہے جس کا وہ پوتا ہے -

میرے ذھن میں جانے کیوں خیال آیا کہ درزی نما نوابزادہ اپنے دادا کا پوتا ہے یا اسلم جنگ کے پل کا پوتا— لیکن ادھر نوابزادے نے اپنا سینہ تان رکھا تھا ادھر سابقہ فوجی افسر نے— اور میں دیکھ رہا تھا کہ ان تنے ہوئے سینوں کے درمیانی فصل میں جو سیز حائل تھی وہ دراصل نواب زادے کے اسلاف کو فوجی افسر کے مرحوم گھوڑے سے ملا رھی تھی -

ایک قہقہہ اٹھتا ہے اور ھال کے آخری کونے میں بیٹھے ہوئے آدمیوں کو ایک نئے آدمی کا سواگت کرتے ہوئے دیکھتا ہوں - میری میز سے یہ لوگ اتنی دور تھے کہ میں انکی باتیں نہیں سن سکتا تھا - کانوں کے فرائض بھی آنکھوں کے سپرد کر کے میں اس نتیجے پر پہنچ سکا تھا کہ یہ لوگ اسی بات پر ھنس رہے تھے جس بات پر میرا جذبہ ترحم انہیں میں سے ایک آدمی کے متعلق ابھرا تھا اور وہ بات یہ تھی کہ اس ڈیڑھ دو گھنٹے کے دوران یہ آدمی جسکے گال پچکے ہوئے تھے کوئی بارھویں بار لاوٹری میں ہو آیا تھا — میرے ذھن میں ایک رکیک سا خیال آیا ہے ، ایک گندہ سا تصور ابھرا ہے — اور وہ یہ ہے — لیکن ٹھہرئے ، آپ اس کو پڑھے بغیر گذر جائیے -

اگر یہ پچکے ہوئے گال والا آدمی مرجائے تو اس کی تعفنائی ہوئی لاش کو اٹھانے سے اس کے گھر والے اور بھبکے ہوئے تعفن کے باعث لوگ اس لیئے احتراز کریں گے کہ ذونے میں سے اس کا پیشاب ٹپکتا رہے گا -

اور اگراس کو جلایا جائے تو لکڑیاں بجھ بجھ جائیں گی -

لیجئے وہ پھر اٹھ کھڑا ھوا — اس کے ساتھی پھر ھنسنے لگے اور وہ جھومتا ہوا لاوٹری کی جانب روانہ ہو گیا -

میری میز کی شفاف سطح پر دھرے ہوئے گلاس اور شیشوں کا دھندلا سا عکس میرے ذھن میں کسی ایسی چیز کی یاد تازہ کررھا ہے جس سے میں کبھی واقف تھا — لیکن وہ کیا بات تھی ، وہ کیا شئے تھی ، مجھے کچھ یاد نہیں ، اور اس بار کے یہ نقوش اتنے ھی دھندلے ھیں جیسے میز کی سطح پر شیشوں کا عکس — لیکن مجھے جانے کیوں بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ میز پر چھائی ہوئی دھند سی میں نے ابھی ابھی کہیں اور بھی دیکھی ہے -

ادھیڑ عمر کی عورت پرس سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنی لپ اسٹک درست کررھی ہے - اس کا جوان ساتھی اس لپ اسٹک کو شاید اس کے اپنے ھونٹوں پر پھیلا ہوا دیکھنے کا منتظر ہے اور میں اب بھی کوئی ٹوکری نما ٹوپی اس عورت کو پہنانے پر مائل نہیں ہوں -

ٹیڈی لڑکے لٹوں کی طرح زیادہ اچھل کود رہے ھیں -

بیرا میرے آگے سے مرغ کی ایک ڈش لے کر ابھی ابھی گذرا ہے اور میرے نتھنے پھڑک رہے ھیں -

مجھے اپنی بیوی یاد آ رھی ہے۔ جو مجھ سے کہا کرتی ہے ، کہ تم اپنے لکھنے پڑھنے کی میز پر رھو بھی تو جلتی ہوئی دال اور داغ لگتے ہوئے چاولوں کی بو پر اس طرح چونک کر شور مچانے ھو جیسے میز پر بیٹھے ھانڈیاں بھون رہے تھے - میری بیوی کی ناک مثالی حد تک خوبصورت ہے—ستواں، سجیلی جس میں ایک جگمگاتی، جھل مل کرتی، کیل، پہنانے کی مجھے بڑی حسرت ہے—لیکن میری بیوی کو میری قوت شامہ پر بڑا اعتماد ہے - رات کی رکھی ہوئی کوئی اترن ھو تو وہ بلا تکلف میری طرف بڑھا دیتی ہے اور میں بس ذرا سا سونگھ کر تصدیق کردیتا ھوں کہ ھاں یہ چیز اتر گئی ہے -

اس وقت جبکہ بیرا مرغ کی ڈش لے کر میرے آگے سے ابھی ابھی گذرا ہے اور میرے نتھنے اس مرغ کی خوشبو سے پھڑک رہے ھیں تو میرا جی چاھتا ہے کہ میں اتنا شور مچاؤں کہ جہاں جہاں مرغ پلیٹوں میں رکھے ھیں سب کے سب ایستادہ ھو کر بانگ دینے لگیں — لیکن مجبوری ہے - میں کیا کر سکتا ھوں - " منجو ،، میں سور مچانا میرے بس سے باھر ہے - اور میں احتجاجاً اپنا خالی گلاس بھر لیتا ھوں -

پیتے وقت مرغ سے بڑھکر کوئی چیز لذیذ نہیں ھوتی اور پینے کے بعد عورت سے بڑھکر کچھ بھی نہیں ھوتا—پہلی بات میں

کرتا ہوں اور دوسری بات لوگ کرتے ہیں — اور اگر دونوں ہی باتیں میں کرتا ہوں تو بھی ایسا کیا فرق پڑتا ہے ۔

میں نے اپنے بھرے ہوئے گلاس سے ابھی دو تین ہی گھونٹ پیئے ہیں ۔ میری نظر ایک نو وارد پر پڑتی ہے۔ ادھیڑ عمر کا یہ شخص بہت ہی جاذب نظر ہے ۔ چہرے کے تیکھے نقوش کہہ رہے ہیں کہ مجھے کبھی چاہا گیا ہے۔ مجھے اس آدمی کو دیکھ کر اس شاندار عمارت کے کھنڈر یاد آرہے ہیں جس میں میں نے کبھی اپنی محبوبہ سے ٹوٹ کر محبت کی تھی اور آج وہی محبوبہ میری بیوی ہے ۔ مجھے شاید کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ آج میں خود اسی شاندار عمارت کا جیسے کھنڈر ہوں اور میری بیوی آج بھی اسی کھنڈر میں میری منتظر ہے ۔ معاشی خوش حالی نصیب نہ ہو تو عاشق شاید اپنی محبوبہ کا شوہر بننے کے بعد کچھ اسی طرح سوچتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ کچھ سوچتا ہی نہیں۔ لیکن میں ابھی اپنے گھر کی دھرتی سے اس قدر بلند نہیں ہو سکا ہوں ۔

اس شخص کی جاذب نظر شخصیت سے زیادہ میں جو اس میں دلچسپی لینے لگا ہوں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی بوشرٹ پشت پر نمایاں طور پر پھٹی ہوئی ہے اور وہ اس کی بوسیدگی سے بالکل بے نیاز ہے۔ وہ اطمینان سے ہال کے درمیان سے گزرتا ہوا کاؤنٹر تک پہنچ جاتا ہے۔ کتنی ہی نظریں اس کے چہرے سے زیادہ اس کی پھٹی ہوئی بوشرٹ میں پناہ لیتی ہیں جیسے اپنے احساس برتری کو چھپانے کے بہانے دراصل ظاہر کررہی ہوں ۔ وہ کاؤنٹر پر پہنچ کر سارے ہال کی جانب پشت کئے بیٹھ گیا ہے اور بڑی سنجیدگی سے گلاس میں رم حاصل کر چکا ہے ۔ مجھے اس کی آواز سنائی نہیں دیتی ہے لیکن میں بوتل پر جلی حروف میں لکھے ہوئے رم کو پڑھ لیتا ہوں جب کاؤنٹر پر وہ اس کو دی جارہی تھی — تب ہی تو میں جان سکا ہوں کہ وہ رم پی رہا ہے۔

درزی نما نوابزادہ فوجی افسر کو اشارے سے اس نووارد کی بوشرٹ بتلا رہا ہے ۔ لیکن فوجی افسر کی آنکھوں میں تضحیک کا وہ پہلو نہیں ہے جو نوابزادہ چاہتا ہے ۔

میری نظریں ادھر ادھر بھٹکتی ہوئی ادھیڑ عمر کی عورت اور اس کے جوان ساتھی پر پڑتی ہیں جو بیرا کو آواز دے کر بل ادا کر رہا ہے ۔

سو روپے کا نوٹ دیکھ کر عورت کی آنکھوں میں چمک آگئی ہے اور وہ زیادہ دلکش نظر آنے لگی ہے۔ یا پھر یہ عورت جوان تو نہیں ہے ۔؟

میری نظریں سارے ہال کا طواف کر کے تصویر تک پہنچتی ہیں — میں حیران رہ جاتا ہوں۔ بالکل ششدر — تصویر میری سمجھ میں آ گئی ہے۔ بڑے سے کینوس پر پھیلے ہوئے اتنے سارے کے سارے ہیولے سبھی تو میری نظروں میں بالکل واضح ہو کر اپنے ایک ایک خط کو میری اپنی ذہنی کیفیت تک جیسے خود بخود لے آئے ہیں — میں سوچ رہا ہوں کچھ ہی دیر پہلے اپنی میز کے شیشے کی شفاف سطح پر، اپنے گلاس، اپنی بوتل، پلیٹ، ایش ٹرے اور چمچوں کا دھندلا سا عکس جب میں نے غیرارادی طور پر ایک خاص زاویئے سے دیکھا تھا تو مجھے خیال آیا تھا کہ بالکل یہی منظر میں نے ابھی ابھی اسی ہال میں کہیں دیکھا ہے۔ شاید میرے تحت الشعور میں بسی ہوئی یہ تصویر لمحہ بھر کو میرے شعور سے ٹکرائی تھی لیکن جانے پھر کہاں گم ہو گئی ۔ اور اب جبکہ میں جو تنہا پیگ ختم کر رہا ہوں ۔ اب جبکہ ڈارلنگ وھسکی اپنی ساری مستیاں مجھ میں منتقل کر رہی ہے۔ اب جبکہ میں جاگنے کی سرحدوں سے بس کچھ ہی آگے نکل کر بوجھل ذہن کو سبک محسوس کر رہا ہوں ۔ اب جب کہ مجھے منجو کا ماحول زیادہ دلکش لگ رہا ہے — اب جبکہ میں نے ادھیڑ عمر کی عورت کی آنکھوں میں جوانی کا نشہ محسوس کیا ہے تو میں نے دیکھا ہے کہ وہ تصویر تو میرے اپنے میز کی تصویر ہے ۔

—چار پیگ ، پانچ پیگ ، چھ پیگ — پی لینے کے بعد یہ تصویر، منجو ، کے ہر میز کی شفاف سطح کی تصویر بن جاتی ہے۔ لیکن اس کو سمجھنے کے لئے آپ کو وہاں تک آنا پڑے کا جہاں اب میں ہوں ۔ ۔

میں اٹھ کر لاوٹری کو جانے کے بہانے تصویر کو مختلف زاویوں سے دیکھتا ہوں ۔ پھر میری نظر ' من جو ' میں بکھرے ہوئے میزوں پر پڑتی ہے۔ یہ تصویر تو ' من جو ' کے خوبصورت ہال میں چو طرف بکھری ہوئی ہے — میں سوچتا ہوں ماڈرن آرٹ کے بلند دعوؤں پر استہزا کرنے کا حق آخر مجھے کس نے دے دیا تھا اور اب یہ حق کس نے چھین لیا ہے ۔

نووارد 'من جو ' کی اس بزم بادہ گساراں سے بےنیاز سب کی جانب پشت کئے کاؤنٹر پر بیٹھا تیزی سے رم پی رہا ہے ۔ اس کو نہ دیوار پر لگی تصویر سے کوئی واسطہ ہے نہ '' من جو '' میں بکھری ہوئی میزوں کی اصلی تصویروں سے جن کو کسی آرٹسٹ نے دیوار کے کینوس پر ابھار کر مقید کر لیا ہے۔ نہ ان انسانی جیتی جاگتی تصویروں سے جن کے پوٹریٹ صوفوں پر ہال میں چاروں طرف بکھرے ہوئے ہوں ۔

لاوٹری میں مجھے پچکے ہوئے گالوں والا وہی شخص نظر آتا ہے جسکی نسبت میں نے سوچا تھا کہ اگر اس کو دفنایا جائے تو اس کا کفن تر رہے گا اور جلایا جائے تو چتا کی آگ بجھ بجھ

جائے گی — اب یہ شخص قریب قریب لڑکھڑا رہا ہے ۔ میں جب لاوٹری سے باہر نکل آتا ہوں تو اس کے ساتھی اس کو لینے کے لئے لاوٹری میں داخل ہورہے تھے اور پھر یہ جو گنتی میں چار ہیں ۔ چار درویشوں کی طرح 'سن جو ، سے باہر نکل جاتے ہیں ۔

میں لاوٹری سے نکل کر اپنی میز پر پہنچنے تک پھر اس تصویر کے زندہ اور بولتے ہوئے آرٹ سے لطف اٹھا تا ہوں۔ یہ محسوسات کی تصویر ہے، جو ذھن کی گرفت میں آ کر نکل جاتی ہے۔ اس پر تھم تھم کر اچٹتی ہوئی نگاہیں ڈالنا چاھئے۔ غور سے تکتے رھنے سے اس تصویر کا حسن منتاثر ہوتا ہے جیسے احساسات مجروح ھو رہے ھوں — اس تصویر کے حسن کے تاثر کی عمر احساس کی عمر کی طرح مختصر ہے ۔

منجیلا بھان — منجیلا بھان — یہ بالکل نئی آواز ہے۔ جو میرے کانوں سے ٹکراتی ہے ۔ میرے بائیں کوچ میں میرے لاوٹری سے لوٹنے تک ایک بہت ھی عجیب الخلقت شخص بڑی تمکنت سے آ براجنا ہے ۔ آپ اس تمکنت کی روئداد تفصیل سے سنیں تو یقیناً کراھیت محسوس کریں اور مجھ سے ھمدردی کا جذبہ آپ کے ذھن میں بیدار ھو جائے کہ مجھ نا چیز پر اس آنکھوں دیکھے منظر سے کیا گزری ہے ۔

یہ شخصیت جو ابھی ابھی آپ کی اور میری توجہ کا مرکز بنی ہے، گنٹور کی ایک بڑی رائس مل کی مالک ہے — رنگ کالی بھجنگ، فربہی کا بوجھ اٹھائے ڈھلی ہوئی عمر ۔ پیٹ کچھ ایسا لٹکتا ہوا، جیسے بڑے سے بیلون کی آدھی سے زیادہ ہوا خارج کردی گئی ہو ۔ پیر پھیلا کر وہ کچھ اس طرح صوفے پر بیٹھ گیا ہے کہ اس کی دھوتی کا ایک سرا اس کے پیروں میں الجھ کر نیم وا ہوگیا ہے ۔ اس کی ایک ٹانگ رانوں سے اوپر دور تک ننگی ہوگئی ہے ۔ اس دوری کے تصور میں مجھ سے آپکا جذبہ ھمدردی ابھر جانا چاھئے کہ میری آنکھوں پر کیا گذری ہوگی ۔

مجھے چونکہ تلگو نہیں آتی ہے اس لئے میں انگریزی میں اس سے مخاطب ہوتا ہوں ۔ اس سے گذارش کرتا ہوں کہ اپنے بدن کی رعنائیوں پر تھوڑا سا اختیار رکھے۔ لیکن وہ مجھ سے کچھ اس طرح اردو میں مخاطب ہو تا ہے ۔

” نکو نکو انگریجی میں نکو ۔ نئیں آتا ، جرا جرا اردو میں آتا ۔ “

میں اردو کی اس مقبولیت سے دل ھی دل میں خوش ہوتا ہوں اس سے التجا کرتا ہوں کہ وہ ٹھیک سے بیٹھے — میرے ہاتھ کے اشارے پر اس کی آنکھیں اپنا نیم برھنہ منظر دیکھتی ھیں اور وہ بڑی بےنیازی سے دھوتی برابر کر کے بیٹھ رہتا ہے جیسے یہ تو معمول کی بات تھی، لیکن مجھ پر جو بیت گئی ہے سو بیت گئی ہے ۔

گنٹور کے اس مل مالک کے مقابل اس کا ایک ساتھی جو وھیں کا زمین دار ہے بیٹھا ہوا ہے ۔ دونوں ھی بدمستی کی حد تک پئے ہوئے ھیں ۔ جب میں اپنی سیٹ سنبھال لیتاھوں تو مل مالک مجھ سے قریب ھو کر پوچھتا ہے ۔

” یاں مہندی باجار کی منجیلا بھان کو آپ جان کو ھیں ۔ “ ؟

وہ جو منجیلا بھان کی رٹ لگائے ہوئے ہے وہ یقیناً کوئی طوائف ہے ۔ یہ بات ابھی ابھی میری سمجھ میں آئی ہے کیونکہ اس نے مہندی باجار کا حوالہ بھی دیا ہے —

محبوب مہندی جسے آج کل لوگ مہندی بازار بھی کہنے لگے ھیں ۔ اجازت یافتہ طوائفوں کی کالونی ہے ۔ رائس مل کا مالک وھیں کی کسی منجیلا بھان کی بات مجھ سے پوچھ رہا ہے ۔

— وہ کہہ رہا ہے ۔

” بنگلہ پو رھاتی ہے — آھا — آھا “

گویا اس آھا میں ۔ اس کا حسن، اس کی آواز، اس کی چنچلتا، ھر شئے کی تعریف ہے ۔ جذبات کے لئے ھاتھ کے مخصوص اشارے کے ساتھ مل مالک کے ادا کئے ہوئے اس لفظ ” آھا “ کی معنوی بلاغت کو میں نے محسوس کر لیا ہے اور اس کی ایک ادا پر اس میں دلچسپی لینے کو مجبور ہوگیا ہوں ۔

نو جوان مرد اور ادھیڑ عورت، جو مجھے اب جوان نظر آنے لگی تھی ۔ ابھی گئے نہیں ھیں ۔ ان لوگوں نے شاید اپنا بل ادا کردیا ہے ۔ میں نے ان کو ھال کے بیچ سے گزرتے ہوئے بھی دیکھا تھا، لیکن جانے کب وہ لوٹ آئے ھیں یا پھر ھال سے باہر گئے ھی نہیں ھیں ۔ اب یہ دونوں دوسرے کونے میں مجھ سے ذرا فاصلے پر ایک اور جوڑے کے ساتھ بیٹھے کچھ باتیں کر رہے ھیں ۔ اس نئے جوڑے کی پشت میری جانب ہے ۔ میں چہرے نہیں دیکھ پاتا ہوں ۔ چہرے جو کبھی کبھی کتاب کی طرح نظروں کے آگے کھل جاتے ھیں ۔

میں رائس مل کے مالک کو بتا دینے ھی میں اپنی عافیت سمجھتا ہوں کہ میں مہندی بازار کی کسی منجیلہ بھان کو نہیں جانتا ۔ لیکن اس کے دل و دماغ پر منجیلا بھان کا قبضہ ہو چکا ہے۔ وہ مجھے بتا تا ہے کہ اس کے ایک دوست کے ساتھ وہ منجیلا بھان کے بنگلے پر بہت دن پہلے گیا تھا ۔ آج اس کے اسی دوست

نے ، کوالٹی بار میں اس سے ملنے کا وعدہ کیا تھا ۔ لیکن جب وہ وہاں نہ آیا ۔ تو یہ دونوں اس کی تلاش میں یہاں آئے ہیں کیوں کہ بار کے آخری اوقات میں وہ اکثر '' من جو ،، آتا ہے ۔

پھٹی ہوئی بوشرٹ والا جاذب نظر میخوار کاؤنٹر سے اٹھ کر لاوٹری کی طرف جا رہا ہے۔ اس کا چہرہ فروغ مئے سے گلستاں بنا ہوا ہے ۔ جب وہ ہال کے درمیان سے ہو کر گذرتا ہے تو میں غور سے دیکھتا ہوں ۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پشت پر اس طرح باندھ رکھے ہیں کہ بش شرٹ کا پھٹا ہوا حصہ اس کے ہاتوں کے نیچے چھپ گیا ہے ۔

بھرے ہوئے ہال میں بے شمار اور بھی لوگ ہیں اور ہر ایک میں دلچسپی لینا میرے اختیار میں نہیں ہے ۔ لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ پھٹی ہوئی بوشرٹ والا میخوار اپنی دانست میں شاید یہ سمجھ رہا ہے کہ سب کی نگاہیں اس کی زبوں حالی کا تماشہ دیکھ رہی ہیں ۔ میری نظروں سے اوجھل ہونے تک اس احتیاط سے اپنی پھٹی ہوئی بوشرٹ اس نے چھپا رکھی ہے جیسے دنیا بھر کی نگاہیں صرف اسی کا تعاقب کر رہی ہوں ۔

ایک بہت ہی بسستہ قد آدمی ہال سے گزر کر رانس مل کے مالک کے پاس اس طرح آرہا ہے کہ کوئی اسے دیکھتا ہے ۔ کوئی نہیں دیکھتا ۔ یہ اس آنے والے کے قد کی کرامت ہے ۔ جو وہ نظروں کے سامنے رہ کر بھی صوفوں، میزوں اور کرسیوں کے پیچھے سے یکدم نمودار ہوتا ہوا نظر آتا ہے ۔

—رانس مل کا مالک اور اس کا ساتھی اس کو دیکھ کر چیخ پڑتے ہیں—پھر وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں ۔ وہ اس چھوٹے قد کے زندگی کا بوجھ اوڑھے ہوئے شخص سے مجھے ملاتے ہوئے کہتے ہیں ۔

'' آبا جی—ارے اوچ ہے ،،۔

میں اس آدمی سے مخاطب ہو کر پوچھتا ہوں—'' آپ انہیں ان کی سنجیلا بہان کے پاس لے جائیں گے نا ۔؟ ،،

وہ کھل کر ہنستا ہے ۔ مجھ پر انکشاف کرتا ہے کہ سنجیلا بہان دراصل جمیلہ بانو کی بد بختی ہے ۔

ارے اوچ—حاله ۔ آہا ۔

رانس مل کا مالک ، اس کا ساتھی، نیا آدمی اور میں ، سب ہنستے ہیں— اور یہ لوگ چلے جاتے ہیں ۔

لمحے بھر کے لئے جمیلہ کی رعنائیاں، شوخیاں، لن ترانیاں ایک پیکر سیمی بن کر میرے قریب آ جاتی ہیں—وہ ہمیشہ کی طرح مجھ سے پوچھتی ہے

'' تم اپنی دوسری کتاب میرے نام سے منسوب کروگے نا جب میں اس دنیا میں نہیں رہوں گی ،، ۔؟

میں جمیلہ کی بزم تصور میں زیادہ دیر تک رہنا نہیں چاہتا ہوں اور گویا وہاں سے بھاگ آیا ہوں ۔

جاذب نظر مئے خوار ہال کے درمیان سے پھر کاؤنٹر کی جانب لوٹ رہا ہے ۔ اس نے دونوں ہاتھ اسی احتیاط سے اپنی پشت پر باندھ رکھے ہیں اور بوشرٹ کا پھٹا ہوا حصہ مجھے نظر نہیں آرہا ہے۔ کاونٹر کے قریب جا کر بھی اس نے اپنے ہاتھ اس طرح پشت پر لٹکا رکھے ہیں ۔ ادھر اودھر دیکھ کر وہ ایک کونے کی کرسی پر جوک باکس کی آڑ میں بیٹھ گیا ہے اور اس وقت تک اپنے ہاتھ پشت سے الگ نہیں کئے ہیں جب تک کہ اس نے اپنی پشت دیواری کی جانب نہیں کردی ۔ بیرا کو آواز دیکر وہ اپنا گلاس کاونٹر سے اپنی میز پر منگوا لیتا ہے ۔

بھری بزم میں اپنی زبوں حالی کی تشہیر کرنے کے بعد اب یہ شخص آخر کن نگاہوں سے یہ سب کچھ چھپا رہا ہے— وہ کون ہے جو اس کی شخصیت میں اب تک سو رہا تھا اور اب بیدار ہورہا ہے — جوک باکس کے پاس رکھا ہوا یہ زندہ پورٹریٹ اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ وہ تصویر تو محسوسات کی تصویر ہے جو '' من جو ،، بار کے ایک چوتھائی ہال پر دیوار سے لگی ہوئی ہے ۔ اور جو میری سمجھ میں آ گئی ہے۔ لیکن میں اب اس زندہ تصویر کی دھجیاں دھجیاں شخصیت کو کن خط و خال سے ابھاروں ۔ کن نقوش سے اجاگر کروں ، کونسا رنگ بھروں کہ پھٹی ہوئی بوشرٹ سب کی نگاہوں سے چھپ جائے اور دل کے زخم مہک اٹھیں ۔ کاش میں بھی کوئی آرٹسٹ ہوتا اور اس آدمی کے پورٹریٹ کے برابر اپنا پورٹریٹ رکھکر اس سے کہتا—پہچانو—تم کون ہو، میں کون ہوں ۔

* * * * *

عقیل ہاشمی

غزل

غم حیات میں الجھے خوشی سے دور رہے
جو تیرے ہجر کی لذت کشی سے دور رہے

رواج بدلا ہے ، رسم کہن نہیں بدلی — نیاز مند کہاں بندگی سے دور رہے

وہ ایک شئے جو محبت تھی اب کہاں یا رب — ملا نہ درد کوئی لب ہنسی سے دور رہے

تری نگاہ حقیقت نگر نہیں گلچیں ، — چمن میں خار کہاں دلکشی سے دور رہے

تضاد سے تعارف ہوا اشیا کا — جو بے خبر تھے الم سے خوشی سے دور رہے

لیے چراغ محبت جہاں ظلمت میں — سیاہ بخت مگر روشنی سے دور رہے

اسی کو واقعی قحط الرجال کہتے ہیں — جو آدمی ہے یہاں ، آدمی سے دور رہے

سبق ملے ہیں ہمیں نا امیدیوں سے عقیل
خیال خام کی ہم سرخوشی سے دور رہے

* * * * *

شری منشی بھارسی داس سکسینہ قمر پیلی بھیتی

سانپ

بہت ممکن ہے کہ سانپوں کے بارے میں آپ بہت کچھ جانتے ہوں - مگر پھر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند باتیں بتا دی جائیں -

علم قواعد میں بعض بڑی خوبیاں ہیں کہ اس میں بہت سے مذکر الفاظ کے تو مونث ہوتے ہیں مگر بہت سوں کے نہیں - جیسے ''رانا،، سے '' رانی ،، مگر راناھی کے معنی میں لفظ ''را بھ،، ہے اس کا مونث '' راجی،، نہیں ہے - ''رانڈ،، کے مقابل ''رنڈوا،، ہے مگر '' بیوہ ،، کے مقابل کچھ نہیں -

اسی طرح لفظ '' سانپ ،، مذکر ہے اس کا مونث عام طور پر '' سانپن ،، یا سانپنی نہیں کہتے - مگر کہیں کہیں یہ آخرالذکر دونوں الفاظ استعمال ہوتے ہیں -

سانپ کو ''سرپ،، '' سپولہ ،، '' کال ،، '' اسثالہ ،، '' کسثول ،، ''کڑیینا ،، '' سارنگ ،، '' لچکی ،، '' اسنیک ، '' سار ،، سرپنٹ اور ناگ کہتے ہیں - اسی ناگ سے لفظ ''ناگن،، بنا ہے -

سانپ کی قسمیں :

سانپ کی جملہ قسمیں پچیس ہزار ہیں ان میں سے چھ ہزار قسم کے سانپ نہایت ہی زہریلے ہوتے ہیں - ان زہریلے سانپوں میں ایک ہزار پانچ سو قسم کے ایسے ہوتے ہیں جن کے ڈسنے (کاٹنے) سے آدمی فوراً مرجاتا ہے (یہ اصل میں مرتا نہیں بلکہ اسکی سانس اس طرح رک جاتی ہے کہ ہم اسے مرا ہوا سمجھ لیتے ہیں اس لئے ہندوؤں میں سانپ کے کاٹنے سے مرے ہوئے کو پانچ دن گھر میں رہنے دیتے ہیں اس امید پر کہ شاید وہ زندہ ہوجائے - اس کی لاش میں کسی قسم کا کیڑا نہیں لگتا اور نہ اس میں بدبو آتی ہے - پانچ دن کے بعد اسے بجائے جلانے کے کسی ندی میں بہا دیتے ہیں - کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ یہ بہا یا ہوا مردہ کچھ عرصے کے بعد زندہ ہوکر اپنے گھر آگیا ہے -

سانپ کی دوبارہ زندگی :

مرے ہوئے سانپ کو اگر اکتالیس دن سخت دھوپ میں رکھا جائے تو وہ زندہ ہوجاتا ہے یا مرے ہوئے سانپ کو اکیاون دن تازہ گوبر کے ڈھیر میں رکھدیا جائے تو وہ زندہ ہوجاتا ہے -

بھارت میں سانپ :

ہمارے بھارت کے مختلف حصوں میں سات ہزار بیاسی نسلوں کے سانپ پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک ہزار چوھتّر نسلوں کے سانپوں میں بالکل ہی زہر نہیں ہوتا - تین سو اکہتّر نسلوں کے سانپوں میں زہر تو ہوتا ہے مگر مہلک نہیں بقیہ نسل کے سانپوں میں ایسا زہر ہوتا ہے کہ بعض کے کاٹنے سے آدمی فوراً مرجاتا ہے اور بعض کے کاٹنے سے اکیس گھنٹوں کے اندر ہی اندر مرجاتا ہے -

سانپ کے کاٹنے سے اموات :

تمام دنیا میں سانپوں کے ڈسنے سے سالانہ لاکھوں آدمی مرتے ہیں - صرف ہمارے بھارت ہی میں ہر سال سانپوں کے ڈسنے سے بیس ہزار آدمی نذر اجل ہو جاتے ہیں -

انڈے بچے :

بعض مادہ سانپ بچے جنتی ہیں اور بعض انڈے دیتی ہیں وقت واحد میں (ایک جھول میں) دو سو انڈے دیتی ہیں اور انڈوں سے اکیس دن میں بچے نکل آتے ہیں - اسکاٹ لینڈ کے ایک پروفیسر نے لکھا ہے کہ بعض مادہ سانپ ایسی بھی ہیں کہ ایک دفعہ بچے جنتی ہیں اور پھر دوبارہ انڈے دیتی ہیں (ایک جھول میں بچے جنتی ہیں دوسرے جھول میں انڈے دیتی ہیں) انڈے دینے والی مادہ سانپ انڈے دینے سے پہلے اپنے چاروں طرف ایک دائرہ (کنڈل) بنالیتی ہیں پھر انڈے دیتی ہیں جتنے انڈے اس دائرے سے باہر لڑھک جاتے ہیں ان کو تو

چھوڑ دیتی ہیں اور دائرے کے اندر والے تمام انڈوں کو کھا لیتی ہیں ۔ اسی لئے یہ کہاوت ہے کہ ناگن اپنے بچوں کو کھا جاتی ہے اور یہ کہاوت اس وقت کہتے ہیں جب کہ کسی ماں کو بچے پیدا ہوتے جائیں اور مرتے جائیں ۔

سانپ کے کان و آنکھ :

سانپ سے ہمارا مطلب نر و مادہ دونوں سے ہے ۔ سانپ کے کان نہیں ہوتے وہ اپنی زبان سے سنتے ہیں وہ ذرا سی بھی آہٹ کو فوراً سن لیتے ہیں ۔ ان کی آنکھوں پر پلک نہیں ہوتے اسلئے وہ ہمیشہ کھلی رہتی ہیں وہ گہرے پیلے رنگ کی ہوتی ہیں ان سے ایک طرح کی شعاعیں نکلتی رہتی ہیں جنہیں الٹرا وائیلٹ شعاعیں (Ultra Violet Rays) کہتے ہیں ۔

چلنے کی رفتار :

ان کے پیر نہیں ہوتے مگر وہ بہت ہی تیزی سے دوڑتے ہیں یعنی بیس کیلو میٹر فی گھنٹے کی رفتار سے دوڑ سکتے ہیں ۔ زمین جتنی زیادہ کھردری ہوگی سانپ کو اس پر بھاگنے میں اتنی ہی آسانی ہوگی صاف چکنے شیشے اور آئینے پر دوڑنا تو رہا در کنار سانپ چل بھی نہیں سکتے ۔ البتہ جن آئینوں اور شیشوں پر ابھرے ہوئے نقش و نگار ہوں ان پر سانپ خوب تیزی سے دوڑتے ہیں ۔

سانپ سے کھیل :

ندیوں میں جو سانپ رہتے ہیں انہیں '' مچھینا ،، کہتے ہیں وہ بالکل بے ضرر ہوتے ہیں یعنی زہریلے نہیں ہوتے ۔ مچھیرے (مچھلیاں پکڑنے والے) اور دھوبیوں کے بچے ان سے کھیلتے رہتے ہیں انہیں موڑ ماڑ کر مختلف قسم کی شکلیں بناتے ہیں اپنے ہاتھوں ، گردنوں اور کمروں میں لپیٹتے ہیں اور شام میں گھر جاتے وقت انہیں ندی میں چھوڑ دیتے ہیں ۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر بچے انہیں نہ پکڑیں تو وہ خود بخود بچوں کے پاس آ کر کھیلنے لگتے ہیں ۔

درختوں پر بھی رہنے والے سانپ زہریلے نہیں ہوتے ۔ درختوں کے تنوں ، گہرے کنوؤں میں رہنے والے ، پہاڑوں کی کھوہ میں ، پرانی عمارتوں و زمین میں رہنے والے سانپ زہریلے ہوتے ہیں مگر اتھلے کنوؤں میں رہنے والے سانپ بے ضرر ہوتے ہیں ۔

سانپ کے رنگ :

دنیا میں جتنے رنگ ہیں ان تمام رنگوں کے سانپ ہوتے ہیں یعنی یہ کہ بالکل سیاہ ، بالکل سفید ، بالکل لال ، بالکل پیلے بالکل ہرے ، ، بالکل گلابی وغیرہ بعض سانپوں میں کئی کئی رنگ ہوتے ہیں بعض پر دھاریاں ہوتی ہیں بعض پر دھبے ، بعض پر چھینٹے ، بعض پر بڑے خوبصورت پھول ، بعض پر گول دائرے بعض پر آدھے دائرے ، بعض پر کٹوری کے نشان وغیرہ ۔

سانپ کا قد و قامت :

دس گز تک لمبے سانپ دیکھے گئے ہیں ۔ ان کی لمبائی ان کی موٹائی اور ان کے سائز وغیرہ مختلف ہوتے ہیں ۔ باریک دھاگے کی موٹائی سے لیکر ڈیڑھ گز موٹائی تک کے سانپ ہوتے ہیں ۔ مگر اجگر (اژدھا ، چیونٹی سانپ) کی لمبائی اونچائی (موٹائی) بہت ہوتی ہے ۔ ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں تو بارہ بارہ گز لمبے اور بڑے اور تندرست بھینسے کی اونچائی کے برابر اجگر عموماً پڑے رہتے ہیں جو سات کنٹل تک وزنی ہوتے ہیں ۔ یہ چل پھر نہیں سکتے جب انہیں بھوک لگتی ہے تو ان کے سامنے جو جانور آجائے اسے اپنی سانس کے ذریعہ اپنے منہ کے اندر اتار لیتے ہیں یعنی اتنی زور سے سانس لیتے ہیں کہ سامنے والا جانور بے سدھ ہو کر یعنی حواس باختہ ہو کر دوڑا دوڑا ان کے منہ کے اندر آجاتا ہے یہ انہیں ثابت نگل کر ذرا کروٹ سا لیتے ہیں کہ انکے پیٹ کے جانور کی سب ہڈیاں پسلیاں چور چور ہوجاتی ہیں ۔ اسی لئے تو ہندی کے ایک زبردست شاعر نے لکھا ہے ۔

اجگر کریں نہ چاکری پنچھی کریں نہ کام
داس ملوکا کہہ گئے سب کے داتا رام

(اژدھے نوکری نہیں کرتے پرندے ملازمت نہیں کرتے ، شری ملوک داس جی کہتے ہیں کہ سب کو پالنے والا بھگوان ہے ۔ اجگر چل پھر نہیں سکتے ان کو اپنی جگہ پر ہی پڑے پڑے غذا مل جاتی ہے ۔ پرندے اڑ کر اپنی غذا حاصل کرلیتے ہیں)

سانپ کا زہر : ہر طرح کے سانپ ڈستے (کاٹتے) ہیں لیکن سب میں زہر نہیں ہوتا ۔ گھسیلے سانپ (گھاس میں رہنے والے سانپ) کے کاٹنے سے آدمی کو خمار اور غنودگی سی آنے لگتی ہے مگر مرتا نہیں ۔ سانپ کاٹتے تو ہیں ہی مگر بعض اپنی دم کسی کی ٹانگ پر اس زور سے مارتے ہیں کہ ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے ۔ بعض سانپ آدمی کی ٹانگوں پر لپٹ جاتے ہیں آدمی دہشت سے ویسے ہی مرجاتا ہے ۔ بعض سانپ آدمی کی صرف چوٹی پر ہی کاٹتے ہیں ۔ بعض سانپ آدمی کی گردن سے لپٹ جاتے ہیں ۔ بعض سانپ اس زور سے پھنکار مارتے ہیں کہ آدمی نہ صرف بے ہوش ہی ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات مر بھی جاتا ہے بعض سانپ اپنی معمولی سی پھونک سے گورے آدمی کو کالا بنا دیتے ہیں ۔ بعض سانپ صرف گھور کر دیکھتے

ھیں آدمی چکر کھا کر گر جاتا ھے اور کمزور دل مر بھی جاتا ھے -

ایک سانپ ایک دفعہ میں گیارہ آدمیوں کو کاٹ سکتا ھے پھر اس میں زھر نہیں رھتا - اور ایک سال میں باوقات مختلف صرف تین دفعہ ھی کاٹ سکتا ھے -

سانپ کی خوراک : سانپ عموماً مٹی کھاتے ھیں - کیڑے مکوڑے، چوھے، میڈک، مچھلی، چھپکلی، پتنگے، پرندے، دیمک انڈے اور کبوتر ان کا من بسند کھا نا ھے - دودھ بڑے شوق سے پیتے ھیں - چرواھے جنگلوں، کھیتوں اور کھلے ھوئے گھاس والے میدانوں میں گائیں، بھینسیں بکریاں وغیرہ چرانے لاتے ھیں - گائیں بھینسیں جب چرکر پیٹ بھر کر زمین پر لیٹ جاتی ھیں تو بعض سانپ ان کے تھنوں سے دودھ پی جاتے ھیں مگر انہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتے -

رنگ بدلنے والے بھی سانپ ھوتے ھیں - بچھو کے کاٹنے سے جھنکار پڑتی (ھوتی) ھے - مگر سانپ کے کاٹنے سے نیند آجاتی ھے - سانپ سے ڈسے ھوئے آدمی کو کسی حالت میں سونے نہیں دینا چاھئے - اسے کتنا ھی نیم کا پتہ کھلاؤ میٹھا ھی لگے گا - کسی موسم میں اور خاص کر برسات کے موسم میں کسی حالت میں پھول (کانسے) کی تھالی نہ بجائی جائے اگر ادھر اودھر سانپ ھوگا تو اس کی آواز پر ضرور نکل آئے گا -

ناگ اور ناگ پنچمی : اگر آم کی گٹھلی کی سیٹی بجائی جائے تو کہیں سانپ ھوگا بھی تو وہ فوراً بھاگ جائے گا - ساون (شراون) میں جھولا جھولنے کی بہت سی وجہہ ھیں ان میں ایک وجہہ یہ بھی ھے کہ جھولے کے جھونکے (جھونٹے) سے جو ھوا نکلتی ھے اس سے بھی سانپ بھاگ جاتے ھیں چونکہ ساون کے مہینے میں سانپ زیادہ نکلتے ھیں اسلئے ساون کے مہینے میں جھولا جھولنے کا رواج ھے اور ساون ھی کے مہینے میں اجالے پا کھ (شکل پکش) کی پنچمی کو ناگ پنچمی کا تیوھار مناتے ھیں اور ناگوں کو دودھ پلاتے ھیں - ھم ھندوستانیوں کی عادت رھی ھے اور ان کو پڑھایا بھی یہی گیا ھے کہ دشمنوں اور موذیوں کے بھی ساتھ اچھا سلوک کیا جائے (اس دودھ پلانے کے عمل کا تعلق مذھب سے بھی ھے) بعض سانپ بوڑھے ھونے پر اپنی کینچلی نکال دیتے ھیں بعض تین سال میں ایک دفعہ- بعض سالانہ- سانپ کی کینچلی زمین پر پڑی ھو تو وہ بالکل سانپ معلوم ھوتی ھے - بعض سانپ سیٹیاں بجاتے ھیں -

۱۵ - ڈسمبر ، سنہ ۱۹۳۰ ع کو پنجاب کے علاقے میں دو سانپ (نر و مادہ) پکڑے گئےجو پنجابی بھاشا میں بات چیت کرتے تھے -

سانپ ڈسنے کا علاج : اگر کسی کو سانپ ڈسے تو اس ڈسے ھوئے جسم کے حصے کو ادھر ادھر خوب کس کر باندھ دیا جائے اس سے اس کا زھر جسم میں نہیں پھیلتا - اگر کسی کو حقیقت ھی میں زھریلے سانپ نے کاٹا ھے تو اسے فوراً ھی سنکھیا (زھر) کھلا دینا چاھئے ، زھر کو زھر مارتا ھے اور آدمی نہیں مرتا اگر ایسے سانپ نے کاٹا ھے جس میں زھر نہیں ھے تو اسے زھر کھلانے کے معنی یہ ھیں کہ آپ اسے زھر کھلا کر مار رھے ھیں - جس آدمی کو سانپ کاٹتا ھے اس آدمی کے منہ سے کف جاری ھو جاتا ھے -

رذیل اور شریف سانپ : ناگ اور دوسرے بہت سے سانپ اتنے شریف ھوتے ھیں کہ وہ بلا وجہہ کسی کونہیں ڈستے اگر ان پر کسی کا ھاتھ پاؤں وغیرہ پڑجائے تو وہ برابر ڈستے ھیں - بعض سانپ رذیل (مگر ناگ نہیں) ھوتے ھیں جو بلا وجہہ بھی کاٹتے ھیں -

درندوں میں شیر کو لے لیجئے کہ جب اس کا پیٹ بھرا ھوا ھو تو ھرنوں کی ڈاریں کی ڈاریں (جھنڈ کے جھنڈ) نہ صرف اس کے سامنے ھی سے چلی جائیں بلکہ اپنے کھروں سے اسے مارتے ھوئے بھی چلی جائیں مگر وہ کچھ نہیں بولتا - مگر چیتے کے سامنے سے خواہ اس کا پیٹ بھرا ھوا ھی کیوں نہ ھو کوئی بھی جانور جائے وہ اسے چیر پھاڑ ڈالتا ھے -

سانپ اور چار پائی : سانپ چار پائی پر نہیں چڑھتا البتہ کوئی کپڑا لٹک رھا ھو یا پلنگ پر لیٹے ھوئے عورت و آدمی کے بال لٹک رھے ھوں تو وہ ان کے سہارے پلنگ پر چڑھ جاتا ھے -

سانپ اور نمک : جو آدمی ایک سال تک کسی طرح کا نمک نہ کھائے اس میں زھر پیدا ھو جاتا ھے اور اگر ایسا آدمی کسی سانپ یا زھریلے سانپ کو کاٹ لے تو فوراً ھی وہ سانپ مر جاتا ھے -

سانپ کا ڈسنا : ۱۲ - مئی سنہ ۱۹۲۳ ع کا واقعہ ھے کہ سکندر آباد دکن میں ایک آدمی کو ایک سانپ نے کاٹا وہ آدمی مر گیا - دوسرے دن اسی گھر کے ایک دوسرے آدمی کو جو اسی جگہ سو رھا تھا ، سانپ نے کاٹا وہ بھی آدمی مر گیا تیسرے دن اسی گھر کے ایک تیسرے آدمی کو جو اسی جگہ سو رھا تھا سانپ نے ڈسا وہ بھی مر گیا - سپیروں نے کہا کہ یہ کام ایک ھی سانپ کا نہیں ھو سکتا کیونکہ کوئی سانپ وقت واحد میں گیارہ آدمیوں تک کاٹ سکتا ھے مگر کاٹنے کے بعد وہ خود بھی سوا اکتالیس گھنٹے تک بے ھوش رھتا ھے مگر آج ایک کو ڈس کر کل دوسرے کو نہیں ڈس سکتا -

۳۰ - ستمبر سنه ۱۹۷۵ ع کا واقعه هے که گوالیار میں ایک دس ساله چالیس کلو وزنی اژدھے نے گجری محل آثارقدیمه کے قریب ایک پندرہ کلو وزنی بکرے کو جو قریب هی چر رها تها نگل لیا۔ بکرے کا آدھا دھڑ اژدھے کے منه میں چلا گیا دو پیر باهر رہ گئے اژدھے کے ایک ماهر نے جو ادھر سے جا رها تها بکرے کے پچھلے پیر کو پکڑ کر بکرے کو باهر نکالا جب بکرا باهر آیا تو سانس چل رهی تهی مگر وہ فوراً مر گیا اور اس اژدھے کو مشینوں کے ذریعه زو (ZOO) پهنچا دیا گیا۔

۳۱ - اگست سنه ۱۹۷۶ ع کو دهلی کے ایک اسکول کے پلے گراونڈ میں ایک لڑکے کو ایک ناگ نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور تین مرتبه ڈسا ۔ ایک ماسٹرنی نے ایک اخبار سے اس ناگ کا پهن بهت هی زور سے پکڑ لیا اور سانپ کی لپیٹ سے بچے کو چھڑا دیا ۔

سانپ لمبے بهی پڑے رهتے هیں اور کنڈلی مار کر بیٹھے بهی رهتے هیں ۔ سانپ کو تین سال تک بھوک نهیں لگتی ۔ اگر کوئی آدمی سانپ کے سامنے لهریا مار کر (یعنی کبهی ادھر کبهی ادھر) دوڑے تو سانپ بے هوش هو جاتا هے ۔ اگر کوئی سانپ اتفاق سے آپ کے سامنے آجائے تو آپ فوراً هی اپنے جسم کا کوئی کپڑا اتار کر اس پر ڈال دیجئے سانپ غصے سے اس کپڑے میں لپٹ جائے گا آپ بهاگ جایئے ۔

دهامن سانپ : دهامن (دومونهی) وہ سانپ هوتے هیں جو سال میں چھ مهینے ایک منه سے کام (کهانا، پینا، ڈسنا ، پهنکار مارنا) وغیرہ) لیتے هیں اور چھ مهینے دوسرے سرے کے منه سے ۔ اسی لئے ان سانپوں کو دو مونهی کهتے هیں اور ایسے آدمی کو بهی دو مونهی کهتے هیں جو ابهی کچھ کہے اور ذرا سی هی دیر میں اس کے خلاف کچھ کهنے لگے ۔

سانپ اور اس کے دشمن : '' نیولہ '' سانپ کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا هے اور پهر جیسے کا ویسا هی کر دیتا هے۔ ایک شخص نے ایک نیولے کو اور ایک سانپ کو ایک هی پنجرے میں بند کردیا ۔ سانپ تهوڑی هی دیر میں دهشت کها کر مر گیا ۔

'' مور '' سانپ کو کهاتا تو نهیں مگر ٹهونگیں مار مار کر مار ڈالتا هے ۔ مور کے کوکنے کی آواز سے سانپ بهت هی ڈرتا هے اور بهاگ جاتا هے مگر '' میوزیم '' و '' زو '' وغیرہ میں جهاں سانپ بهاگ تو نهیں سکتا مگر بے هوش هو جاتا هے۔

'' بندر '' سانپ کا پکا دشمن هے یه سانپ کی منڈی (سر) بهت مضبوطی سے اپنے هاتھ میں پکڑ لیتا هے اور اس کو زمین پر گهستا جاتا هے اور اپنی ناک کے پاس لاکر '' او '' '' او '' کرتا جاتا هے اور اس طرح سانپ کو مار ڈالتا هے کبهی کبهی ایسا بهی دیکھنے میں آیا هے که سانپ بندر کے جسم کو لپٹ گیا اور اپنی طاقت سے بندر کی هڈیوں کو چکنا چور کر دیا هے۔ نتیجے میں دونوں مر گئے هیں ۔

سانپ کا جسم انتهائی لچک دار هوتا هے وہ بهت هی تیزی سے ادھر ادھر اوپر نیچے لپکتا هے اگر اس کے سر یا اس کی دم کو پکڑ کر زور سے جھٹکا دے دیا جائے تو اس کی کڑیاں ٹوٹ جاتی هیں اور وہ پهر سیدھا نیچے لٹکا رهتا هے ۔

سانپ بل نهیں بناتا بلکه دوسروں کے بنے هوئے بلوں پر قبضه کر لیتا هے ۔ سانپ جوں جوں بل میں داخل هوتا جاتا هے وہ بل سانپ کی موٹائی کی مناسبت سے چوڑا اور گهرا هوتا جاتا هے ۔

چھچھوندر کو سانپ کبهی نهیں پکڑتا اگر اتفاق سے چوهے کے دهوکے میں پکڑ لے تو وہ بڑی مشکل میں پڑ جاتا هے یعنی یه که اگر اسے کها لے تو کوڑهی (جذامی) هو جاتا هے اور اگر چهوڑ دے تو اندھا هو جاتا هے ۔ پوجیه گوسوامی شری تلسی داس جی نے لکها هے که اگر سانپ اسے کسی ندی، تالاب، سمندر یا پانی والے کنوئیں میں چهوڑ دے تو وہ مندرجه بالا دونوں مصیبتوں سے بچ جاتا هے ۔

عجیب و غریب سانپ : دو منه (یعنی ایک منه ایک سرے پر دوسر منه دوسرے سرے پر) والے سانپوں کا ذکر تو ابهی آپ سن هی چکے هیں ۔ ٦ - جنوری سنه ۱۹۰۱ ع کو کلکته زو میں ایک ایسا سانپ لایا گیا جس کے ایک هی سرے پر دو پهن هیں ۔

سانپ اور فوٹو : ۲۲ - جون سنه ۱۹۷۱ ع کو بالکل سفید رنگ کے دو سانپ اسی زو میں لائے گئے۔ کسی کو اور خصوصاً سانپ کو کسی حالت میں نهیں مارنا چاهیئے۔ اگر کوئی آدمی کسی سانپ کو مارتا هے تو مارنے والے آدمی کا فوٹو اس سانپ کی آنکھ میں آجاتا هے ۔ اگر یه سانپ نر هے تو اس کی مادہ اور اگر مادہ هے تو اس کا نر اس مارنے والے آدمی سے اس کا بدله ضرور لیتا هے۔ اسی لئے سانپ کو مار کر اسکی آنکھیں بهت هی اچهی طرح کچل دیتے هیں ۔

سانپ کی منی : مرگ لگنے کے بعد جب بادل گرجتے هیں تو بادل کے گرجتے هی بانس اپنی نلکی کهول دیتا هے اگر اس بارش کے پانی کی بوند اس نلکی میں گر جائے تو بنس لوچن چاول پیدا هوتا هے ۔ بادل گرجتے هی هاتهی اپنی سونڈ آسمان کی طرف کر دیتا هے اس پانی کی بوند اگر اس سونڈ میں گر جائے تو

”گج منی“ پیدا ہو جاتی ہے ۔ بادل گرجتے ہی سمندر کی سیپی اپنا منہ کھول دیتی ہے اگر اس میں بوند گر جائے تو سچا موتی بن جاتی ہے اگر ہرن کے منہ میں وہ بوند چلی جائے تو اس کی ناف میں مشک پیدا ہو جاتا ہے۔ اس بادل کے گرجتے ہی جنگلوں میں ناگ اپنی دم پر بالکل سیدھا کھڑا ہو کر اپنا منہ اوپر کی طرف کھول دیتا ہے اس بارش (سہاتی) کے پانی کی بوند اگر اس کے منہ میں گر جائے تو اس ناگ کے سر میں ”من“ (منی) پیدا ہو جاتی ہے جسے کہیں کہیں ”ناگ منی“ بھی کہتے ہیں یہ چیز بہت ہی قیمتی ہوتی ہے اور بڑے بڑے کاموں میں آتی ہے اس کا ملنا بہت ہی مشکل ہے بہت سے لوگوں نے ناگ کو مار کر اس کے حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناگ کے مرتے ہی وہ منی پانی ہوگئی اور ویسے وہ سخت کالے چمکدار پتھر کی ایک بڑی گولی سی ہوتی ہے ۔ البتہ اسے اگل کر ناگ آگے جا کر مر جائے تو شاید ایسی صورت میں مل جائے منی والا ناگ جب گھپ اندھیری راتوں میں جنگل میں گھومنے نکلتا ہے تو وہ منی زمین پر اگل دیتا ہے جہاں تک کوئی چیز حائل نہ ہو وہاں تک اس کی روشنی پھیل جاتی ہے۔ گھوم گھام کر جب ناگ اپنے بل میں جانا چاہتا ہے تو اس منی کو نگل لیتا ہے جنگل میں گھپ اندھیرا ہو جاتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ منی کسی کو مل جائے تو اس کے گھر میں دولت کی کمی نہ رہے گی اور بہت سی بیماریاں نہیں آئیں گی اس کے گھر میں بہت ہی تیز روشنی رہے گی گھر میں اندھیرا کرنے کے لئے اس منی پر گائے کا تازہ گوبر رکھدیا جائے تو اندھیرا ہو جائے گا اور جب گوبر ہٹا دیں تو اجالا ہو جائے گا ۔ اگر کسی کو کسی طرح کے زہریلے سانپ نے کاٹا ہو تو اس آدمی کے جسم کے اس حصہ پر جہاں سانپ نے کاٹا ہے یہ منی چھوا دی جائے تو وہ آدمی فوراً اچھا ہو جائے گا ۔

زہریلے سانپ کی پہچان: گھر میں سانپ نکلے تو یہ پتہ چلانے کے لئے کہ یہ زہریلا ہے یا نہیں یہ کیجئے کہ خالص گھی کا دیا جلا کر اس کے سامنے اس طرح گھمایئے جس طرح آرتی کرتے ہیں اگر اس سانپ میں زہر ہے تو وہ اس وقت تک اپنا پھن ہلاتا رہے گا جب تک کہ دیا جلتا رہے اگر اس سانپ میں زہر نہیں ہے تو وہ بھاگ جائے گا ۔

ایک شخص بےہوش پڑا ہے اور یہ شک ہے کہ اسے زہریلے سانپ نے ڈسا ہے تو یہ کرنا چاہئے کہ مرغی کو لیکر اس کے جسم خاص (فرج) کے آزو بازو کے پروں کو نکال کر اس آدمی کے جسم کے ڈسے ہوئے حصے پر رکھ دینا چاہئے اگر یہ مرغی چپک جائے تو سمجھ لیجئے کہ اسے سانپ ہی نے ڈسا ہے ورنہ نہیں ۔ اور ویسے تو ہر سانپ کے ڈسنے سے منہ سے کف جاری ہو جاتا ہے ۔

سانپ کی عمر: عام سانپوں (بشمول ناگ) کی عمر ایک ہزار سال کی ہوتی ہے۔ ایک ہزار سال کے بعد سانپ خود بخود چھوٹا ہو جاتا ہے اور اڑنے لگتا ہے ۔

سانپ سے علاج: جو نوجوان عورتیں بانجھ ہوں انہیں ایک ذرا سی اونچی کھڈی بنا کر اس پر ننگا کر کے بٹھا دیا جائے اور ان کی شرمگاہ (فرج) کے سامنے ایک کٹورے میں کنکنا (نیم گرم) دودھ بھر کر رکھدیا جائے بین باجہ اور کانسے کی تھالی بجائی جائے ۔ باجے کی آواز سن کر سانپ نکلے گا وہ مست ہو کر دودھ پئے گا پھر جھوم کر اس شرمگاہ پر پھن مارے گا (ڈسے گا نہیں) پھن مارتے ہی بانجھ پن جاتا رہے گا اور زچگیاں ہونے لگیں گی ۔

بسولی ضلع بدایوں (یو۔ پی) میں ایک بڈھی اندھی عورت تھی وہ ہمیشہ اپنی نوجوان بہو کو ستاتی رہتی تھی ۔ لڑتی رہتی تھی ۔ گالیاں دیتی رہتی تھی، کوستی رہتی تھی ۔ ایک دن پڑوسن سہیلی نے نوجوان بہو کو اپنے گھر بلا کر کہا کہ یہ بڈھی بہت ہی بدمعاش ہے اسے مار ڈالو میں ترکیب بتاتی ہوں تم اسے کھانے میں زہر ملا کر دے دو۔ اس بہو نے پوچھا کہ زہر کہاں ملے گا ۔ آج میں اپنے بھائی سے ایک زہریلا سانپ (گیلولہ ، گرے ۔ لولہ) منگوا کر اسے مروا کر تمہیں دے دوں گی ۔ تم کھانے میں ملا کر اسے کھلا دینا ۔

دوسرے دن اس نوجوان بہو نے صبح ہی سے اپنی ساس کی بہت ہی خدمت کی دودھ پلایا جب اسکا شوہر کھانا کھا کر دفتر چلا گیا تو اس نے کھچڑی بنائی (پکائی) اور اس میں وہ مرا ہوا سانپ ڈال کر ڈھکن ڈھک دیا اور اپنی ساس سے بولی اماں جی ! میں ذرا پڑوسن کے گھر جا کر آتی ہوں بہ کھچڑی تیار ہے تم اسے کھا لینا ۔ ساس نے جواب دیا ”جا بیٹا جا“، بہو تو پڑوس میں چلی گئی ۔ ساس لکڑی ٹیکتی ہوئی چوکے (رسوئی گھر) میں گئی ۔ جیسے ہی کہ پتیلی کے اوپر کا ڈھکن اٹھایا کھچڑی کی بھاپ بڈھی کی آنکھوں میں لگی ۔ بھاپ لگتے ہی اس بڈھی کی آنکھیں بالکل ٹھیک ہوگئیں یعنی ان میں روشنی آ گئی اور اسے اچھی طرح نظر آنے لگا ۔ وہ بہو کو بہت بہت دعائیں دینے لگی کہ بہو تو نے اس علاج سے میرے اندھے پن کا علاج کردیا ۔

سانپ اور کیڑے :

افریقہ کے ایک بہت ہی متمول آدمی نے پوجیہ مہاتما گاندھی کو بالکل ہی سفید دو سانپ دئے تھے یہ کسی کو کاٹتے

نہیں تھے بلکہ لائبریری میں چھوڑ دینے سے اس لائبریری میں کسی قسم کے کیڑے مکوڑے، دیمک، چوہے، ریشمی کیڑے اور جھینگر وغیرہ پیدا نہیں ہوتے تھے اور کتابیں وغیرہ بالکل ہی محفوظ رہتی تھیں ۔

سانپ کی ناک :

پہلے سانپ کی ناک میں سوراخ نہیں ہوتا تھا ۔ بھگوان شری کرشن اپنے بچپن میں بچوں کے ساتھ جمنا جی کے کنارے گیند کھیل رہے تھے ۔ بھگوان شری کرشن نے جو گیند پھینکی تو وہ جمنا جی میں جا گری ۔ جمنا جی میں کود کر گیند لانے کو کوئی بچہ راضی نہ ہوا سب بچوں نے بھگوان شری کرشن سے کہا کہ چونکہ تمہارے ہی ہاتھ سے جمنا جی میں گیند گری ہے اس لئے تم ہی نکال کر لاؤ ۔ بھگوان شری کرشن فوراً جمنا جی میں کود گئے ۔ جمنا جی کی تہہ میں ''کالیا،، (ایک زبردست ناگ اور اسکی ناگن بیٹھی تھی ۔ ناگن کو بھگوان شری کرشن پر محبت آئی اس نے کہا کہ اے گورے گمٹے بچے تم یہاں سے چلے جاؤ میرا ناگ تمہیں ڈس لے گا ۔ ناگن یہ کہہ ہی رہی تھی کہ '' کالیا ،، نے بڑی زور سے پھنکار ماری اور بھگوان شری کرشن کالے پڑگئے ۔ بھگوان شری کرشن نے اسکے پھن پر اپنا پاؤں رکھکر اس کی ناک میں سوراخ کرکے اس میں ڈوری پرا کر اسے اوپر اٹھا لیا ۔ ناگن نے یہ دیکھکر فوراً ہی بھگوان شری کرشن کی آرتی اتاری ۔ بھگوان کے پاںو کے نشان سانپ کے پھن پر پڑگئے ۔ اس سے پہلے پھن پر نشان نہیں ہوتے تھے ۔

نیوزی لینڈ کے ایک محقق نے لکھا ہے ۔ میں نے دیکھا کہ ایک لمبا سانپ اپنی دم پر بالکل سیدھا کھڑا ہوا ہے ۔ میں اسے دور سے دیکھتا رہا اور وہ بہت دیر تک اسی طرح کھڑا رہا میں ایک فوٹو گرافر کو لانے گیا جب فوٹو گرافر کو لے کر آیا تو یا تو وہ سانپ غائب ہوگیا یا مجھے وہ جگہ نہیں ملی ۔ تین سال تک میری آنکھوں اور میرے سر میں انتہائی درد ہوتا رہا ۔ آخر ایک بزرگ کے بتانے سے میں نے سانپ کے پتھے (جہاں سانپ رہتے ہیں) کی مٹی اکتالیس دن تک اپنی آنکھوں اور سر پر ملی تو اس درد سے چھٹکارا پایا ۔

بعض سانپوں کے نام :

سانپوں کے ایک بڑے محقق نے ۲۲ ۔ نومبر سنہ ۱۹۲۳ ع کو بنکاک (تھائی لینڈ) میں حکومت کی مدد سے ایک بڑے فارم کی استھاپنا کی ۔ اس میں مختلف قسم کے ہزاروں زہریلے سانپ مثلاً کنگ کوبرا ، کوبرا ، کیٹی کاگ ، سنٹی بال ، پٹ وائی پر ، وائی پر ، کریٹ ، کروس ، رسلیس ، نیگر ، شل ، زوک ، ڈیتھ ، ایڈیکو وغیرہ پالے ہیں ۔ ان سانپوں کے کاٹنے سے سالانہ تیس ہزار آدمی مرتے ہیں ۔

سانپ کے زہر کی قسمیں :

سانپوں کے زہروں کو دو اقسام میں بانٹا گیا ہے ایک قسم کا نام ہے نیوروٹوکسن (Neurotoxin) یہ زہر اعصاب پر اثر کرتا ہے ۔ دوسرے قسم کے زہر کا نام ہے ہیموٹوکسن (Haemotoxin) یہ زہر خون پر اثر کرتا ہے ۔

جن سانپوں میں پہلی قسم کا زہر ہوتا ہے ان میں دوسری قسم کا زہر نہیں ہوتا اور جن میں دوسری قسم کا زہر ہوتا ہے ان میں پہلی قسم کا زہر نہیں ہوتا البتہ ریٹل (Rattle) سانپ میں دونوں قسم کے زہر ہوتے ہیں اس سانپ کا دو منٹ کا بھی بچہ اگر کسی کو کاٹ لے تو وہ آدمی فوراً ہی مر جاتا ہے ۔

یہ محقق صاحب ان سانپوں کا زہر نکال کر ان زہروں سے مختلف قسم کی دوائیاں بناتے ہیں اور انجکشن بھی تیار کرتے ہیں ۔ سانپ کے ڈسے ہوؤں کو یہ انجکشن لگائے جاتے ہیں جن سے وہ ترنت ہی اچھے ہو جاتے ہیں ۔ محقق صاحب کا کہنا ہے کہ جس قسم کے زہریلے سانپ نے کسی کو ڈسا ہو اگر اسی قسم کے زہریلے سانپ کے زہر کا انجکشن اس آدمی کو لگادیا جائے تو وہ آدمی نہ صرف فوراً اچھا ہی ہوجائے گا بلکہ پھر عمر بھر اس کو کسی قسم کا سانپ نہیں ڈسے گا ۔

سانپ کی کینچلی :

سانپ کے تازہ کینچلی کے ٹکڑے کتابوں وغیرہ میں رکھنے سے ان میں کیڑا نہیں لگتا مگر کینچلی کا یہ اثر تین سال کے بعد زائل ہو جاتا ہے ۔

سانپ اور صفرا :

کسی کے جسم پر صفرا (جسے رت پتی) کہتے ہیں جسم پر چٹے چٹے آجاتے ہیں کھجلی ہوتی ہے) اچھلا ہو تو اس پر سانپ کو پھیر دیا جائے یعنی جسم سے چھواتے ہوئے گھمادیا جائے ۔ وہ چٹے فوراً اچھے ہوجاتے ہیں ۔

اگر سانپ نہ مل سکے تو اس شخص کے جسم پر سون گیرو (سوہن گیرو) مل کر کمبل اڑھا دینا چاہیئے یا کالی مرچ کو باریک پیس کر گھی میں ملا کر مل دینا چاہیئے ۔

سانپ اور رسی :

جس ایریا (رقبے) میں جو زبان بولی جاتی ہے اس ایریا کے سانپ اس زبان کو اچھی طرح سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جن

گھروں میں ہندی بولی جاتی ہے اگر وهاں سانپ نکل آئے تو گھر والے " سانپ "، سانپ "، نہ کہکر رسی رسی کہتے ہیں ۔

سانپ اور شری مہادیوجی : ایک بڑے اور گھنے جنگل میں لکڑھارے لکڑیاں کاٹنے جایا کرتے تھے اور لکڑیوں کے بنڈل (گھٹے) بنا بنا کر انہیں بیچ کر اپنی گذر اوقات کرتے تھے ۔ اس جنگل میں انواع و اقسام کے لا تعداد سانپ تھے وہ اکثر ان لکڑھاروں کو ڈس لیا کرتے تھے جس سے بیچارے لکڑھارے مرجاتے ایک دن سب لکڑھاروں نے مل کرمشورہ کیا کہ شری مہادیو جی (شری شنکر جی، شری شیو جی) کے پاس جاکر ان سے پرارتھنا کی جائے چنانچہ سب گئے اور شری مہادیو جی کو اپنی بپتا سنائی انہوں نے سانپوں کے راجہ کو بلا کر حکم دیا کہ کسی لکڑھارے کو نہ ڈسا جائے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ اب لکڑھارے بڑے امن و چین سے لکڑیاں کاٹتے گٹھے بناتے اور گٹھوں کو رسی سے باندھنے کی بجائے سانپوں سے باندھتے ۔ سانپوں کو تکلیف ہونے لگی لکڑیوں کی کھپیں سانپوں کو چبھنے لگیں ۔ ان سب نے مل کر شری مہادیو جی کو اپنا کشٹ سنا یا ۔ شری مہا دیو جی نے جواب دیا کہ میں نے یہ حکم دیا تھا کہ " کسی کو نہ ڈسا جائے "، یہ کب کہا تھا کہ پھنکار بھی نہ ماری جائے ۔

سانپ کا عمل افزائش نسل : سانپ جب جفتی (جا کونیہ، جماع، مجامعت ہم بستری، مباشرت، نر و مادہ کا بغرض افزائے نسل آپس میں ملنا) کرنا چاہتے ہیں تو نر سانپ کسی ایک سمت کو منہ کر کے بالکل سیدھے لیٹ جاتے ہیں اور مادہ سانپ مخالف سمت کی طرف منہ کرکے اس طرح بالکل سیدھی لیٹ جاتی ہیں کہ نر کی دم اس مادہ کی دم سے چھوتی رہے۔ نر و مادہ دونوں اپنی اپنی دمیں آپس میں ایک دوسرے سے ٹکراتے رہتے ہیں یہ عمل اصل میں بوس و کنار کا ہے اس سے فارغ ہونے کے بعد دونوں سانپ (نر و مادہ) اپنی اپنی دموں پر ایک دوسرے سے لپٹ کر بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ عمل مباشرت ا ڑتالیس منٹ تک جاری رہتا ہے اگر اس حالت میں کوئی آدمی انہیں دیکھ لے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اور فارغ ہونے کے بعد دونوں سانپ اسے ڈس لیتے ہیں ۔ اس عمل سے مادہ کو بچے پیدا ہوتے ہیں ۔

مگر جو سانپ (نر و مادہ) زمین پر برابر برابر سیدھے لیٹ کر آپس میں کروٹیں لیتے ہوئے الٹ پلٹ ہوتے ہیں (یہ عمل اصل میں بوسہ بازی ہے) اس کے بعد مادہ چت لیٹ جاتی ہے اور نر اس کے اوپر پوری لمبائی میں سوار ہو جاتا ہے اور عمل سواری تینتیس منٹ تک جاری رہتا ہے (یہ اصل میں جماع ہے) اس عمل سے انڈے پیدا ہوتے ہیں ۔

کھنڈری سانپ : ۲۲ - فروری سنہ ۱۹۶۳ ع کا واقعہ ہے کہ قلعہ گولکنڈہ (حیدر آباد دکن) میں کھنڈروں میں سے ایک سانپ نکلا جو ایک سو فیٹ لمبا تھا اس کا وزن سات سو پونڈ تھا اور اس سانپ کا پھن ڈھائی گز چوڑا تھا ۔

پنج پھنی سانپ : ۱۶ - جنوری سنہ ۱۹۴۰ ع کو مدراس میں سمندر کے کنارے دس گز لمبا ایک بہت ہی خوبصورت سانپ دیکھا گیا اس کے پانچ پھن تھے ۔ فوٹو گرافروں نے اس کا فوٹو تو کھینچ لیا مگر جب تک اس کے پکڑنے کی ترکیبیں سونچیں تب تک وہ غائب ہو گیا ۔

******

—— (باتیں کم کام زیادہ) ——

بائیں جانب اوپر :- شری بی جے دیوان گورنر آندھرا پردیش نے ۲۸-فروری کو آندھرا یونیورسٹی وزاگ کے جلسہ تقسیم اسناد کو مخاطب کیا ۔

بائیں جانب درمیان میں :- " کلاپرا پورنا ،، ایوارڈ حاصل کرنے والے

بائیں جانب نیچے :- ڈاکٹر آر - ڈبلیو - کمینگز ڈائرکٹرا کرسباٹ اور مسز کمینگز نے ۲۰ - فروری کو گرام پنچایت راجندراپورم کے " چلڈرنس پارک اور پلے گراؤنڈ ،، کا افتتاح کیا ۔

دائیں جانب اوپر :- شری ڈی - منو سوامی وزیر سمکیات نے ۳۰ جنوری کو کڑپہ میں ریفریجریٹر فش کنٹینر کا افتتاح کیا ۔

دائیں جانب نیچے :- شری آر - شنکرن سکریٹری محکمہ سوشیل ویلفیر نے ۲ - مارچ کو " نلا زارلا ،، پنچایت سمیتی ضلع مغربی گوداوری میں نلامڈو اسمال فارمرس کوآپریٹیو لفٹ اریگیشن اسکیم کا افتتاح کیا ۔

محمد برہان حسین

کریم نگر پراجکٹ

ٹکنالوجسٹ اور سائنسدانوں کی تعداد کے اعتبار سے ہندوستان دنیا بھر میں تیسرے نمبر پر ہے ۔ اسکے با وجود ہندوستان ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ملکوں میں شمار نہیں کیا جاتا اسکی وجہ یہ ہے کہ گو ہندوستان کے ایک طبقہ نے ٹکنالوجی اور سائنس میں نہ صرف ترقی کی ہے بلکہ ان علوم کو اور ان سے حاصل ہونے والے فوائد کو اپنی روز مرہ کی زندگی میں رائج کرلیا ہے لیکن ملک کا ایک کثیر آبادی والا حصہ جو دیہاتوں میں رہتا ہے نہ تو ان علوم کی تحصیل میں حصہ دار ہے اور نہ ہی ان سے حاصل ہونے والے فوائد میں ۔ حکومت نے اس بات کو محسوس کیا اور اس بات کا بیڑہ اٹھایا گیا کہ نہ صرف سائنس اور ٹکنالوجی کو ان دیہاتوں کی زندگی میں داخل کرنا چاہیئے بلکہ اسکے فوائد میں ان کو بھی برابر کا حصہ دار بنانا چاہیئے ۔ ہندوستان کی ۷۰ فی صد آبادی کسان ہے اور ہندوستانی کسان ابھی تک صدیوں پہلے کی کھیتی باڑی میں مصروف ہے اور اسکی زندگی حال حال تک سیٹھ ساھوکاروں کی محتاج رھی ہے اسکی زندگی میں بنکنگ کا کوئی دخل نہیں ہے ۔ وہ ابھی تک وباؤں کو دیوتاؤں کی ناراضگی اور بیماریوں کو بھوتوں کا سوار ہونا خیال کرتا ہے ۔ انسانوں کی اتنی بڑی مقدار جو اگر تعلیم یافتہ اور بیدار دماغ ہو تو دنیا کی بڑی طاقت بننے کے پورے ذرائع اور صلاحتیں رکھتی ہے جاھل ہونے کی وجہ سے نہ صرف خود بے بس و محتاج ہے بلکہ ملک اور انسانیت کے لئے ایک بوجھ ثابت ہو سکتی ہے ۔

ہندوستانی کونسل برائے سائنسی و صنعتی تحقیقات یعنی سی ایس آئی آر (C.S.I.R.) نے اس کام میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا ۔ اس سلسلہ میں تلنگانہ کے پست ماندہ ضلع کریم نگر کا انتخاب کیا گیا ۔ ضلع کریم نگر کا رقبہ ۱۲ ہزار مربع کلو میٹر ہے جس میں ۴۲ فیصد زیر کاشت (جس میں تری صرف ۷ فیصد ہے) ۲۱ فیصد جنگلاتی اور باقی بنجر ہے ۔ گوداوری اور اسکی معاون ندی منیار اس میں سے بہتی ہیں ۔ آبادی ۲۰ لاکھ ہے جو ۹۰ فیصد دیہاتوں میں بستی ہے ۔ ۶۸ فیصد راست زراعت سے وابستہ ہے اور خواندگی صرف ۱۵ فیصد ہے ۔ ذرائع حمل و نقل قومی سطح سے بھی نیچے ہیں ۔ ریلوے لائن صرف سرحدی علاقہ سے گذرتی ہے ۔ ضلع کا مستقر خود ریلوے لائن پر واقع نہیں ہے ۔

ضلع کی زراعتی پیداوار ، چاول ، باجرہ ، جوار ، مرچ دالیں ، ھلدی ، مونگ پھلی ، کپاس ہے ۔ معدنی دولت کوئلہ ہے چونے کا پتھر اور گھٹیا درجہ کی لوہے کی کچدھات بھی پائی جاتی ہے ۔

تین بڑی صنعتیں ھیں ۔ کوئلہ کی کان کنی ۔ سمنٹ کی فیکٹری اور کپڑا بننا ۔ ایک کیمیائی کھاد کا پلانٹ زیر تعمیر ہے اگر چہ ضلع میں ۶۸۳ چھوٹی صنعتیں موجود ھیں لیکن ان کی جملہ پیداوار صرف ۸۰ لاکھ روپیے اور ان میں صرف ۱۲۰۰ آدمی کام کرتے ھیں ۔

سی ۔ایس ۔آئی ۔آر نے حکومت آندھرا پردیش اور دوسرے اداروں کی مدد سے اپنے پنجسالہ منصوبہ کی رپورٹ مرتب کی ہے۔ اس رپورٹ میں ، ضلع کے قدرتی وسائل، مقامی لوگوں کی صلاحیتوں کا اندازہ، ان وسائل و صلاحیتوں کی بنیاد پر صنعتوں اور زراعت کی ترقی کے امکانات کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ سی ۔ ایس آئی ۔آر، انتہائی ترقی یافتہ ٹکنالوجی کےلئے ضلع کو تیار کرنا بھی چاھتا ہے ۔ چنانچہ جہاں فوری روزگار دلانے والے کم مدتی منصوبوں کی سفارش بھی کی گئی ہے وھیں۔ طویل مدتی منصوبوں کے لئے بھی گنجائش فراھم کی گئی ہے اور ان منصوبوں کے لئے ضلع کو ھر طرح کی سہولتیں حاصل رھیں گی ۔ ضلع میں ترقیاتی منصوبوں کے علاوہ توسیعی کاموں کا بھی پروگرام شروع کیا گیا ہے ۔

ترقیاتی منصوبوں میں ، قدرتی ذرائع اور وسائل کا سروے سڑکوں کی تعمیر صحت عامہ، مکانوں اور عمارتوں کی تعمیر صنعتی ترقی شامل ہے ۔

توسیعی کاموں، میں زراعت، اغذیہ، صنعت اور تکنکی تعلیم اور سائنسی شعور کی بیداری، کو ترجیح حاصل رہے گی ۔

قدرتی ذرائع کے سروے میں جہاں حکومت آندھرا پردیش کے مہیا کردہ معلومات اور افسروں کے ربط سے کام لیا گیا وھیں سروے آف انڈیا، نیشنل جیوفیزیکل ریسرچ انسٹیٹیوٹ (حیدرآباد

این-جی-آر-آئی ، اور عثمانیہ یونیورسٹی کے شعبہ جغرافیہ سے بھی مدد لی گئی۔ اس کام میں خصوصیت سے انڈین فوٹو انٹر پرٹیشن انسٹیٹیوٹ (دھرہ دون) کی فضائی فوٹو گرافی سے مدد لی گئی۔ اب ایک ایسا نقشہ تیار کیا گیا ہے جس میں ، ضلع کی زمین کی صلاحیت ، زمین کا موجودہ استعمال، جنگلاتی وسائل ، معدنی ذرائع اور زیر زمین پانی کی موجودگی کی نشاندھی کی گئی ہے ۔

ضلع میں ہر سو مربع کلو میٹر کے رقبہ میں صرف ۱۲ کلو میٹر لمبی سڑکیں ہیں ۱۹۶۱—۸۱ سنہ کے مجوزہ قومی سطح تک لانے کے لئے اس کو ۳۲ کلو میٹر فی سو مربع کلو میٹر کی سطح تک پہنچانا ضروری ہے۔ اس کے لئے ایک تین مدارجی منصوبہ تیار کیا ہے۔ اس کے پہلے درجہ پر ایک پانچ سالہ منصوبہ کے تحت ہر اس مقام تک سڑک تعمیر کی جائیگی جسکی آبادی ۲ ہزار سے زائد ہو اس لحاظ سے ۸۸۲ کلو میٹر طویل سڑکیں نئی بنانی پڑیں گی جبکہ موجودہ ۱۷ کلو میٹر لمبی سڑکوں کو بہتر بنا نا پڑے گا ۔

دوسرے مرحلہ پر ہر ہزار تا ۲ ہزار کی آبادی والے مقام تک سڑک بنائی جائے گی ۔ اس طرح ۱۴۰ کلو میٹر لمبی موجودہ سڑکوں کی از سرنو تعمیر اور مزید ۶۸۶ کلو میٹر لمبی سڑکوں کی تعمیر ہوگی ۔ تیسرے مرحلہ پر اس میں مزید ۲۵۰ کلو میٹر نئی سڑکیں اور ۶۸ کلو میٹر کی موجودہ سڑکوں کو تعمیر کیا جائے گا ۔ اس کام کے دوران پہلے مرحلہ پر ۶ ہزار سے زائد افراد کو پانچ سال کے لئے روزگار ملے گا جبکہ اس میں ۴۰ انجینیرز بھی درکار ہوں گے ۔ اس پر خرچ ۱۰ کروڑ روپیہ ہوگا۔ اس کام میں سنٹرل روڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ (دھلی) مشورہ و نگرانی کی ذمہ داری لے گا ۔

ضلع کی ۲۰ لاکھ آبادی میں پینے کا صاف کیا ہوا پانی صرف ڈھائی لاکھ کی آبادی ہی کو نصیب ہے ۔ آئندہ پانچ سالوں میں اگر صرف ایسے مقامات کو پینے کا پانی مہیا کیا جائے جہاں پانچسو یا پانچھزار زرعی رہتے ہیں تو اس منصوبہ پر ۴۸ لاکھ روپیے خرچ آئے گا ۔ اس کام کا اھتمام این ۔ جی ۔ آر ۔ آئی (حیدر آباد) اور سنٹرل پبلک ھلتھ انجینیرنگ ریسرچ انسٹیٹیوٹ (ناگپور) کر رہے ہیں ۔ پانی کے زیر زمینی ذخائر کی دریافت اور نمونوں کی جانچ پڑتال کا کام جاری ہے ۔ اس میں حکومت آندھرا پردیش کا محکمہ پبلک ھلتھ انجینیرنگ بھی شامل ہے ۔ اس کام پر جملہ ۴۸ لاکھ روپیہ خرچ آئے گا ۔ پانچسو سے کم آبادی والے مواضعات میں باولیوں کو بہتر بنانے، نئی باولیوں کی کھدائی ۔ ان پر ھینڈ پمپ لگانے پر مزید دس لاکھ کا خرچ آئے گا ۔ دس ہزار سے زائد آبادی والے ٹاؤن کو ڈرینج کی سہولت پہنچانے پر جملہ پانچ سالوں میں ۷۰ لاکھ روپیے خرچ ہونگے پھر مینٹیننس کے کام پر سالانہ ۲ لاکھ روپیہ خرچ ہوا کرے گا ۔ تجویز ہے کہ ۶ سو اسکولوں کو ڈرینج کی سہولت مہیا کرنے پر چار ہزار فی اسکول یا جملہ ۲۴ لاکھ روپیے خرچ ہوگا ۔ کچرہ کی صفائی و منتقلی کے انتظام پر تین لاکھ روپیہ اور سالانہ چالیس ہزار کا خرچ آئے گا۔ اس منصوبہ میں فوری طور پر حضور آباد تعلقہ مستقر کو پینے کے پانی کی سپلائی، اور کچرہ کی صفائی شامل ہے ۔

سنٹرل بلڈنگ ریسرچ انسٹیٹیوٹ کے اندازے کے مطابق ضلع میں تین لاکھ مکانات کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ موجودہ مکانات بھی ضروری سہولتوں سے محروم ہیں۔ اسٹرکچرل انجینیرنگ ریسرچ (رورکی) نے مقامی سہولتوں اور دستیاب تعمیری خام مال کو نظر میں رکھتے ہوئے عمارتوں اور خانگی مکانات کی تعمیر کے لئے ایک مناسب منصوبہ کا خاکہ تیار کر لیا ہے ۔اس میں ایک موڈل ہاؤزنگ کالونی کا منصوبہ بھی شامل ہے جس میں چودہ سو مکانات اور جملہ سہولتیں جیسے سڑکیں ، ڈرینج ، مارکٹ اسکول اور کمیونٹی ہال ہوں گے ۔ اس پر ۳۲ لاکھ سے زائد روپیہ خرچ ہوگا ۔ اس ریسرچ سنٹر کو فیکٹریوں کی عمارتوں کی تعمیر پر بھی کام کرنا ہے ۔

ضلع میں صنعتوں کے قیام پر ۴۰ کروڑ روپیہ خرچ آئے گا۔ اس میں ۲۸ صنعتوں کے جملہ ۷۵۰ یونٹس قائم کئے جائینگے ۔ جسکا چالو سرمایہ ڈیڑھ کروڑ روپیہ ہوگا۔ اس سے سالانہ دس کروڑ روپیہ کی پیداوار ہوگی ۔ اس میں ساڑھے تین ہزار افراد کو راست اور مزید دس ہزار افراد کو بالواسطہ روزگار ملے گا ۔

ضلع میں زراعت کا بھی ایک جامع منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔ ضلع کریم نگر کا مغربی حصہ کی سطح ۱۵۰۰ فٹ اور مشرقی حصہ کی سطح صرف ۵۰۰ فٹ بلند ہے ۔ اس خصوصیت کے علاوہ ضلع کی عام اور خاص پیداوار ، زمین کی زرخیزی، فصلوں کو بونے کا دور، آبپاشی کی سہولتیں ان تمام باتوں کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ انڈین کونسل فار اگریکلچرل ریسرچ (I.C.A.R.) کے خشک زراعت کے کوارڈی نیٹر نے اس منصوبہ میں خاص اھمیت تالابوں کے ذریعہ چاول کی کاشت اور خشک فصلوں جیسے جوار، باجرہ، مونگ پھلی، تمباکو اور کپاس کو دی ہے۔ ضلع میں بچوں کی صنعت بھی قائم کرنے کا منصوبہ بنا یا گیا ہے ۔

سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ آر نے توسیعی کاموں (Extension work) پر بھی خاص توجہ دی ہے چنانچہ (C.S.I.R.) کی تمام لیبارٹریاں جسد واحد کی طرح اپنے معلومات اور ماہرین کے ساتھ اس کام میں جٹ جانے کا عزم کئے ہوئے ہیں ۔

سنٹرل لیدر ریسرچ انسٹیٹیوٹ (مدراس) چمڑوں کی قماش دباغت اور تحفظ اور جوتا سازی کی جدید ترین مہارت کو سیکھانے کا اہتمام کر رہا ہے ۔ وہ ساتھ ھی ضلع میں بڑے پیمانہ پر چمڑے کی دباغت اور قماش کے کارخانے قائم کرنے میں بھی مقامی صنعت کاروں کی مدد کرے گا ۔

چمپو، Cimpo ضلع میں خوشبویات کے پودوں کی کاشت اور ان سے خوشبویات کی کشید اور تخمیر کے کام کی شروعات کر چکا ہے ۔

سنٹرل روڈ ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اکٹسوسر کھن کی صنعت سکھائے گا ۔

سنٹرل پبلک ھلت انجینیرنگ انسٹیٹیوٹ (ناگپور) ڈرینیج کے ڈزائن کے علاوہ پینے کے پانی کی سپلائی کا اہتمام بھی کریگا۔

سنٹرل فوڈ ٹریننگ ریسرچ انسٹیٹیوٹ (میسور) ایک یونٹ قائم کرے گا جس میں دھان کو جدید طریقوں سے پالش کرنے کا مظاہرہ کرے گا ۔ اسی طرح دال اور مکئی کو صاف کرنے کا کام بھی سکھائے گا ۔ نیز چاول کے بھوسے سے تیل نکالنے کا کام بھی سکھا یا جائے گا ۔

(C.M.R.S.)، سنگارینی کالریز میں کوئلہ کی کانوں میں کام کرنے کے حالات کو بہتر بنانے میں مدد دے گا اور سمنٹ کی فکٹریوں میں ضائع ہونے والی گیسوں کے حصول کا طریقہ بتائے گا ۔

ریجنل ریسرچ لیبارٹری حیدر آباد (R.R.L.H.)، ضلع میں سمنٹ اور وارنش کے یونٹس قائم کرنے میں مدد دے گی ۔

اس طرح پانچ سال کے قلیل عرصہ میں اگر کام متوقع رفتار سے ھوتا رہا تو ضلع میں حسب ذیل صنعتیں قائم ہوجائینگی ۔

۱ ۔ دھان صاف کرنے اور چاول پالش کرنے کی صنعت
۲ ۔ گنی بیگس کی کیڑوں سے محفوظ کوٹنگ
۳ ۔ انڈے کے پوڈر کا پلانٹ
۴ ۔ اسپیشیالٹی مشین میڈ کاغذ
۵ ۔ سالونٹ اکسٹراکشن پلانٹ
۶ ۔ کھانے کے قابل سونگ پھلی کا پوڈر
۷ ۔ چمڑے کے کارخانے
۸ ۔ ھڈی کا پوڈر بنانے کی گرنی
۹ ۔ عام انجینیرنگ کی ورکشاپ
۱۰ ۔ باتھ روم میں استعمال ھونے والے مرکبات کا کارخانہ

سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ ار ۔ کے ان تمام منصوبوں کی عملی صورت گری میں حصہ لینے کا مقصد ان کاموں میں دنیا کی جدید ترین سائنسی معلومات اور ٹکنالوجی کو کام میں لانا ہے ۔ اور صنعت اور زندگی کے ہر شعبہ میں ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنا ہے ۔

* * * *

بائیں جانب اوپر :- سری بی ۔ جے دیوان گورنر آندھرا پردیش ۲ ۔ فروری کو وائیزاگ کے شپ یارڈ میں ایک نقشہ دیکھ رہے ہیں ۔

بائیں جانب درمیان میں :- گورنر نے شپ یارڈ میں ایک جہاز کا معائنہ کیا ۔

بائیں جانب نیچے :- گورنر نے ۲۵ ۔ مارچ کو راجستھانی شکشا سمیتی نظام آباد کی سالانہ تقریب کے موقع پر خطاب کیا ۔

دائیں جانب اوپر :- سری جے وینگل راؤ چیف منسٹر نے تاڈے پلی گوڈم میں ۸ ۔ مارچ کو محفوظ آبرسانی اسکیم کا افتتاح کیا ۔

دائیں جانب نیچے :- چیف منسٹر نے '' بوڈل کور رود '' نمور ضلع میں ۹ ۔ فروری کو وینگل راؤ نگر کالونی کا افتتاح کیا ۔
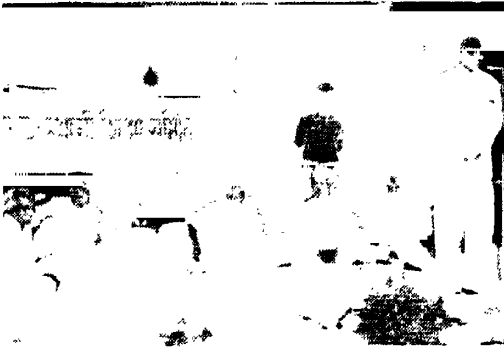
صابر کمال ایم - اے - (عثمانیہ)

تبصرہ

کتاب	آئینہ ابولکلام آزاد (مجموعہ مقالات)
مرتب	عتیق صدیقی
اشاعت	پہلی بار نومبر سنہ ۱۹۷۶ ع
صفحات	۲۰۸
ناشر	انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ دہلی
ملنے کا پتہ	مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، جامعہ نگر نئی دہلی (۱۱۰۰۲۵)
قیمت	بیس روپیہ ۲۰-۰۰

لوگ کہتے ہیں بدلتا ہے زمانا سب کو
کچھ جواں مرد زمانے کو بدل دیتے ہیں
(صابر کمال)

مولانا ابوالکلام آزاد اردو کے وہ واحد نثرنگار ہیں جو کم عمری ہی میں اردو کے صف اول کے انشا پردازوں میں شمار کئے جانے لگے - آپ نے زمانے کی کبھی تقلید نہیں کی بلکہ زمانے کو اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کردیا -

مولانا آزاد ایک اچھے مقرر، مفکر، مدبر، مفسر، محدث، محقق، مصنف، عالم، دانشور، صحافی، انشا پرداز، سیاست داں، اور محب وطن، ہی نہیں بلکہ ایک بلند کردار انسان بھی تھے - آپ پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور بہت کچھ لکھا جانا باقی ہے -

چند مقالات کا مجموعہ " آئینہ ابوالکلام آزاد "، جسے عتیق صدیقی نے مرتب کیا ہے اور انجمن ترقی اردو ہند شاخ دہلی نے بہت ہی اہتمام اور سلیقہ کے ساتھ شائع کیا ہے جو مولانا ابوالکلام آزاد پر لکھی ہوئی کتابوں پر ایک بیش قیمت اضافہ ہے - عتیق صدیقی نے کتاب کو تین عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے - پہلا عنوان " تاثرات "، ہے جس میں جواہر لال نہرو، ڈاکٹر ذاکر حسین، ہمایوں کبیر، سجاد انصاری، نیاز فتح پوری، سید حامد علی، کے تاثرات شامل ہیں - دوسرے حصہ میں ڈاکٹر سید عبداللہ، مولانا عبدالماجد دریاآبادی رشید احمد صدیقی، خواجہ غلام السید ین، عتیق صدیقی، ریاض الرحمن شروانی، عبداللطیف اعظمی، حمیدہ سلطان، کے مقالات پیش کئے گئے ہیں -

تیسرا حصہ انتخاب آزاد کے عنوان سے ہے جس میں ابوالکلام آزاد کے چند مطبوعہ و غیر مطبوعہ مضامین اور خطوط شامل ہیں -

کتاب کا پیش لفظ اردو کے سچے پرستار سابق صدر جمہوریہ ہند جناب فخرالدین علی احمد صاحب مرحوم کے زور قلم کا نتیجہ ہے - وہ فرماتے ہیں کہ

" یوں تو مولانا کی زندگی بہت سی خوبیوں کی حامل تھی لیکن اس کے دو پہلو سب سے نمایاں رہے وہ تھے صحافت اور سیاست، جنھوں نے صرف مسلمانوں ہی کی نہیں بلکہ ملک اور ملک کے عوام کی ہمیشہ رہنمائی کی "-

اس کا حرف آغاز انجمن ترقی اردو کی جنرل سکریٹری حمیدہ سلطان نے تحریر کیا ہے - انھوں نے اپنے مقالہ "زلیخا—بیگم آزاد"، میں آزاد کی ازدواجی زندگی کے بعض حسین واقعات کو بہت ہی لطیف انداز میں بیان کیا ہے - اور ساتھ ہی ساتھ جدید اردو سوانح نگاروں کو ایک مشورہ بھی دیا ہے جو حقیقت میں قابل غور ہے -

" بڑے آدمیوں کے سوانح جب لکھے جاتے ہیں تو اکثر ان کی خانگی زندگی کو نظرانداز کردیا جاتا ہے حالاں کہ یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے مشاہیر کے متعلق یہ جانیں کہ ان لوگوں کے گھریلو حالات کیا تھے اور اپنی بیویوں سے ان کا برتاؤ کیسا تھا - "

مولانا آزاد کے تعلق سے سجاد انصاری نے اپنے تاثرات کی ابتدا اس طرح کی ہے -

" میرا عقیدہ ہے کہ اگر قران نازل نہ ہوچکا ہوتا تو مولانا ابوالکلام آزاد کی نثر اس کے لئے منتخب کی جاتی یا اقبال کی نظم "

مجھے مولانا محمد علی مرحوم کا وہ فقرہ یاد آ رہا ہے جو انھوں نے اپنے بارے میں کہا تھا کہ ' میں نے لیڈری ابوالکلام آزاد کی نثر اور اقبال کی نظم سے سیکھی "، اردو ادب کے بڑے سے بڑے نقاد نے بھی ابوالکلام آزاد کی نثر کو سراہا ہے - مولانا کے قریبی دوست احباب کا خیال ہے کہ علمیت، ذہانت، اور حاضر جوابی، بذلہ سنجی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے - مولانا کو اردو اور فارسی کے دیوان کے دیوان اس کثرت سے یاد تھے اور ان اشعار کو نثر اور دوران گفتگو میں اتنا بر محل استعمال کرتے تھے کہ قاری اور سامع دنگ رہ جاتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مولانا نے یہ اشعار فی البدیہ کہے ہیں - میں سمجھتا ہوں کہ اشعار کو اتنا بر محل استعمال کرنے کی قدرت بہت کم نثر نگاروں کو نصیب ہوئی ہے -

ایک اور مقالہ میں ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ " ابو الکلام نے آں حضرت کی ذات کو اس درجہ اہمیت دی کہ ان کے نزدیک قرآن مجید خود سیرۃ نبوی کی ایک

دوسری شکل ہے چناں چہ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ مولانا شبلی کو بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ سیرۃ نبوی کا مواد قرآن مجید سے جمع کریں اور شاید خود بھی جمع کیا تھا،،

یہاں اگر میں اس امر پر روشنی ڈالوں تو بیجا نہ ہوگا کہ مولانا ابوالکلام آزاد ابتداً میں مولانا شبلی نعمانی سے بہت زیادہ متاثر رہے ہیں ۔ یہ اور بات ہے کہ بعد میں انہوں نے اردو کو ایک نیا اسلوب بیان عطا کیا ۔ مولانا شبلی نعمانی بھی آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے ۔ اور آخری عمر میں سیرت نبوی کی تکمیل کے لئے مولانا آزاد سے بہت کچھ امیدیں وابستہ بھی رکھی تھیں ۔ لیکن الہلال کی اشاعت کے بعد سے '' ابوالکلام آزاد ،، سے '' مولانا ابوالکلام آزاد ،، ہوگئے تھے ۔ اور سیاسی اور صحافتی مصروفیت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ آپ دوسرے کاموں کی طرف بہت کم توجہ دینے لگے تھے ۔

مولانا کے تعلق سے نیاز فتح پوری نے اپنے تاثرات اس طرح بیان کئے ہیں کہ

'' جہاں تک میرے ذاتی ربط و مطالعے کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر ان کی زندگی ایک خاص سانچے میں ڈھل کر وہ نہ ہو جاتی جو ہمارے سامنے آئی تو وہ خدا جانے کیا کیا ہوسکتے تھے ،،

عتیق صدیقی نے اپنے مقالہ '' آزاد اور نہرو قلعہ احمد نگر میں ،، جہاں کئی اہم معلومات فراہم کی ہیں وہیں ایک خاص بات قارئین کی خدمت میں پیش کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ

'' اردو جواہرلال کی زبان تھی جسے وہ مادری زبان سمجھتے اور کہتے تھے ۔ انگریزی ان کی اکتسابی زبان تھی جسے انہوں نے اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنا لیا تھا ۔ وہ لکھتے انگریزی میں تھے مگر ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ کتاب کے چھپتے ہی اس کا اردو ترجمہ بھی بازار میں آ جائے چناں چہ ان کی ابتدائی کتابوں کے ترجمے بھی اردو میں اور بعد میں دوسری زبانوں میں شائع ہوئے ۔ ،،

آگے لکھتے ہیں کہ

'' یہ اردو کی بد نصیبی اور جواہرلال کی اردو دوستی کے ساتھ شدید نا انصافی ہے کہ ان کی اکثر کتابوں کی طرح '' جگ بیتی ،، کے بقیہ تین حصے بھی اردو خواں طبقے کی دسترس سے باہر ہیں ،،

اس کتاب میں جہاں کہیں ایسے اشارے ملتے ہیں وہیں پر عتیق صدیقی نے بعض مقامات پر فٹ نوٹ بھی لکھے ہیں جو اردو ادب کے محققین اور کام کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہو سکتے ہیں ۔ مثلاً اس کتاب کے آخری حصہ میں '' مقالات آزاد ،، میں '' مرزا غالب مرحوم کا غیر مطبوعہ کلام ،، میں ابوالکلام آزاد مرزا غالب کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ

'' پس ان کو اپنی تصانیف و تالیف کے لئے ابتداً ہی سے پریس موجود ملا ۔ اور اپنے حاصل عمر کو اشاعت و طباعت کے لئے غیروں پر چھوڑ کر دنیا سے چلے جانے کی مصیبت سے دو چار ہونا نہ پڑا ۔ جو فی الحقیقت کسی بھی صاحب کمال کے لئے زمانہ گذشتہ کی سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑا جاں کاہ صدمہ رہا ہے ۔ ،، (۱)

اس کے حاشیے پر عتیق صدیقی لکھتے ہیں کہ

(۱) '' یہ قصہ تو زمانہ گذشتہ کا ہے ۔ زمانہ حال میں اس کی عبرتناک مثال خود مولانا آزاد کی ذات ہے جن کے انتقال کے بعد ان کے مسودات اس طرح غائب ہوئے گویا '' غبار خاطر کے بعد انہوں نے کچھ لکھا ہی نہیں تھا ۔ اگرچہ ڈاکٹر سید محمود مرحوم نے راقم الحروف کے ایک استفسار کے جواب میں بتا یا تھا کہ قلعہ احمد نگر کی چار سالہ نظر بندی کے دوران میں '' ریموں کاغذ ان کے لئے آتا تھا ،،

مولانا کے سکریٹری پروفیسر اجمل خاں صاحب ایم ۔ پی جنہوں نے '' غبار خاطر ،، کا پیش لفظ لکھا ہے ۔ راقم الحروف سے فرمایا تھا کہ '' مولانا کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر روز عبادت کی طرح کچھ نہ کچھ ضرور لکھتے ،، کاش کہ وہ ساری تحریریں اگر منظر عام پر آجائیں تو ان کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ۔

مولانا کے قریبی دوست احباب مثلاً پروفیسر اجمل خاں صاحب ، جوش ملیح آبادی ، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی (جوش صاحب کے تایا خان بہادر محمد اسحاق خان کے نواسے جو مولانا کے ۳۰ سال تک رفیق اور سکریٹری رہے) اور ان کے رشتہ داروں کے بیان کردہ واقعات خاص طور پر مولانا کی بذلہ سنجی، حاضرجوابی، ہی کے ضبط تحریر میں لایا جاتا تو ایک نئے باب کا اضافہ ہوتا ۔

پھر بھی عتیق صدیقی کی یہ کوشیں لائق تحسین اور قابل مبارکباد ہیں جنہوں نے بہت ہی احتیاط کے ساتھ آئینہ ابوالکلام آزاد ،، کو ترتیب دیا ہے ۔ جس میں مولانا کی شخصیت اور سیرت کے کئی پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ۔ خاص طور پر عبدالماجد دریا بادی، ڈاکٹرسید عبداللہ، رشید احمد صدیقی، ریاض الرحمن شروانی حمیدہ سلطان ، کے مقالات میں بھی مولانا کی فطرت کی بعض جگہ اچھی عکاسی کی گئی ہے ۔

ان سب باتوں کو پیش نظر رکھکر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ '' آئینہ ابوالکلام آزاد ،، ایک اچھی کتاب ہے اس کی قیمت بیس (۲۰) روپیہ ہے جو آزاد کے شیدائیوں کے لئے کوئی زیادہ نہیں ہے ۔

نور محمد یاس

غزل

وادی شوق میں گھر اپنا بنائیں کیسے
برف کے ڈھیر پہ دیوار اٹھائیں کیسے

تیرگی ہے کہ ہواؤں میں گھلی جاتی ہے
ایسے عالم میں بھلا دیپ جلائیں کیسے

گرتی جاتی ہیں روایات کی سب دیواریں
بوجھ صدیوں کا بتاؤ تو اٹھائیں کیسے

تم نے جو خواب وفا مجھکو دکھائے تھے کبھی
نیند بنکر مری آنکھوں میں سمائیں کیسے

زنگ آلود طبیعت ہو جہاں میں جنکی
فکر کو اپنی وہ آئینہ بنائیں کیسے

یاس اشعار کی تشریح مرے، کون کرے
دل کے جذبات ہیں لفظوں میں سمائیں کیسے

* * *

واحد پریمی

آہ ماہ قوم

(قطعات ۔ صدر جمہوریۂ ہند عالیجناب فخرالدین علی احمد کے سانحہ ارتحال پر) ۔

(۱)

پیکر انسانیت ۔ اے امن کے پیغامبر
اے نگہبان وطن ، اے رہنمائے معتبر

لاکھ تو اب کاروان زندگی سے دور ہے
پھر بھی ہے تیرا ہر اک نقش قدم تابندہ تر

* * * * *

(۲)

تونے دنیا کو دیا پیغام امن و آشتی
خدمت قوم و وطن میں صرف کردی زندگی

اے چراغ امن ، ماہ قوم ، خورشید وطن
تو نہیں تو چارسو ہے تیرگی ہی تیرگی

* * * * *

PUBLISHED BY THE DIRECTOR. OF PRINTING. GOVT. OF ANDHRA PRADESH. AT THE GOT. CENTRAL. PRESS HYDERABAD.
PUBLISHED BY THE DIRECTOR. DEPARTMENT OF INFORMATION AND PUBLIC RELATIONS GOVT. OF ANDHRA PRADESH. HYD.

ڈاکٹر امبیڈکر

آندھرا پردیش
۵۰ پیسے

ایجوکیشن

۱۹۷۱ ع کے اعداد و شمار کے مطابق آندھرا پردیش میں خواندہ افراد کا فیصد [illegible] ہے جبکہ پورے ملک کا فیصد ۲۹٫۴ ہے۔

ریاست میں اوسطاً ہر [illegible] افراد کے لئے ایک پرائمری اسکول موجود ہے جبکہ ہر ۶۳۸۶ افراد [illegible] مری اسکول کام کررہا ہے اور ہر ۲۳۳۸ افراد [illegible] فوقانیہ اسکول کام کررہا ہے۔

ریاست کے ۱۸۰۹۵ دیہات میں اس وقت پرائمری اسکول موجود ہیں۔

ثانوی تعلیم، کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ گذشتہ دو دھوں میں سکنڈری درجہ میں لڑکیوں کے داخلے کا فیصد ۳۶۰٫۷ ہے سال ۱۹۵۶-۵۷ میں تعلیم پانے والی لڑکیوں کی تعداد [illegible] تھی جو بڑھ کر سال ۱۹۷۵-۷۶ میں ۱۵۱۵۳۴ ہو گئی۔ اسطرح لڑکیوں کی تعداد میں بھی ۱۱۳٫۳ فیصد کا اضافہ ہوا۔ سال ۱۹۷۵-۷۶ میں ہائی اسکولوں کی تعداد ۳۵۴۱ تک پہنچ گئی جبکہ یہ تعداد سال ۱۹۵۶-۵۷ میں صرف ۷۳۳ تھی۔ اس طرح ۳۸۳٫۱ فیصد کا اضافہ ہوا۔

ریاست میں اس وقت ۳۰۴ جونیئر کالج کام کررہے ہیں۔ ڈگری کالجوں کی جملہ تعداد اب ۲۸۹ تک پہنچ گئی ہے جبکہ سال ۱۹۵۶-۵۷ میں یہ تعداد صرف [illegible] تھی۔

عام تعلیم پر سال ۱۹۵۶-۵۷ میں ۷۰۸٫۵۴ لاکھ روپئے خرچ کئے گئے۔ عام تعلیم پر سال ۱۹۷۵-۷۶ میں ۹۵۵۴٫۸ لاکھ روپئے خرچ ہوئے۔ اس طرح سے خرچ میں ۱۲۴۴٫۸ فیصد کا اضافہ ہوا۔

* * * *

آندھرا پردیش

ترتیب

* * *

آندھرا پردیش (اردو) ماھنامہ

زر سالانہ چھ روپئے۔ فی پرچہ ۵۰ پیسے

وی پی بھیجنے کا قاعدہ نہیں۔

چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے۔

* * *

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

ماہ مئی ۱۹۷۷ع

ویشا کھا — جیشٹا

شاکھا ۱۸۹۹

جلد نمبر ۲۱

شمارہ ٦

سر ورق کا پہلا صفحہ

اندو لوری ویرسا لنگم

سر ورق کا چوتھا صفحہ

حیدر آباد کے عناب شاھی انگور

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ

حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا۔

روسی ماہر امراض چشم پروفیسر فیوڈوسا اور ساتھی ۱۸- اپریل کو حیدر آباد میں۔

شری بی-جے - دیوان کارگذار گورنر نے ۱۴-اپریل کو بابا صاحب ڈاکٹر بی-آر-امبیڈکر کے ۸۶ ویں جنم دن کی تقاریب کا افتتاح کیا -

خبریں تصویروں میں

سری وائی نارائنا سوامی وزیر چھوٹی صنعت نے ۱۳- اپریل کو ابوالکلام آزاد اورنٹیل ریسرچ انسٹیٹیوٹ حیدر آباد میں " جنوبی ہندوستان میں چھوٹی صنعتوں کی ناپائیداری ،، کے عنوان پر ایک سمینار کا افتتاح کیا -
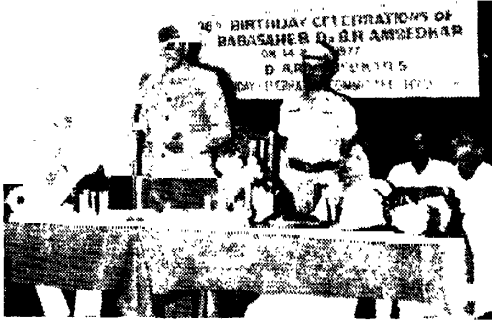
شری بی-جے - دیوان کارگذار گورنر نے ۱۸-اپریل کو ابوالکلام آزاد اورنٹل ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں " سماجی اصلاح سے قبل کے حالات ،، کے عنوان پر موتی لال نہرو یادگاری لکچر دیا -

شریمتی شاردا مکرجی

آندھرا پردیش کی نئی گورنر

شریمتی شاردا مکرجی ۲۴ - فروری ۱۹۱۹ ع کو بمبئی میں پیدا ہوئیں - انہوں نے ابتدائی تعلیم بمبئی کے کیتھڈرل گرلز اسکول میں حاصل کی اور بمبئی یونیورسٹی کے الفنسٹن اور لا کالج میں اعلی تعلیم پائی - انہوں نے معاشیات میں بی - اے (آنرز) کی ڈگری کے ساتھ قانون کی بھی تعلیم حاصل کی - ان کے پتا کا نام مسٹر سیتارام پنڈت ہے اور وہ شریمتی وجئے لکشمی پنڈت کی بھتیجی ہوتی ہیں - دوسری عالمی جنگ کے زمانے میں شریمتی شاردا مکرجی نے مسٹر سبرٹو مکرجی سے شادی کی جو ان دنوں اسکواڈرن لیڈر کے عہدہ پر فائز تھے - بعد میں ان کو پہلے ہندوستانی ایر چیف مارشل اور چیف آف دی انڈین فورس مقرر کئے جانیکا اعزاز حاصل ہوا - ۱۹۶۰ ع میں ٹوکیو میں انکا انتقال ہو گیا جہاں وہ اپنے فرائض کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے - شریمتی شاردا مکرجی کئی برس تک سوشیل ورکر رہی ہیں وہ چیشائر ہوس انڈیا کے مرکزی ٹرسٹ کی ممبر ، انڈین ایر فورس بینی وولنٹ اسوسی ایشن کی عاملہ کی رکن اور آرمڈ فورسس ویلفیر اسوسی ایشن کی صدر نشین بھی رہ چکی ہیں - اصلاح نظم و نسق کمیشن نے منصوبہ بندی اور دفاعی امور کے متعلق جو اسٹڈی ٹیم بنائی تھی وہ اسکی بھی ممبر رہیں - ۱۹۶۲ ع اور ۱۹۶۷ ع میں وہ کانگریس کے ٹکٹ پر رتنا گری (مہاراشٹرا) کے پارلیمانی حلقہ سے لوک سبھا کی ممبر چنی گئیں - وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور غیر منقسم کانگریس کی پارلیمانی پارٹی کی رکن بھی تھیں - ۱۹۶۹ ع میں کانگریس میں پھوٹ پڑ جانیکے بعد شریمتی شاردا مکرجی آرگنائزیشن کانگریس سے وابستہ ہو گئیں جو جنتا پارٹی میں ضم‌شدہ جماعتوں میں سے ایک ہے - رکن پارلیمنٹ کی حیثیت سے وہ متعدد اہم پارلیمانی کمیٹیوں مثلاً وزارت دفاع کی مشاورتی کمیٹی وغیرہ میں لی گئیں - وہ نیشنل شپنگ بورڈ کی رکن اور نیشنل اسمال سیونگس ایڈوائزری بورڈ کی صدر نشین بھی رہیں - معاشی و اقتصادی امور و معاملات سے انہیں بہت دلچسپی ہے - اس کے علاوہ فلسفہ، سنسکرت کے ادبیات عالیہ اور دفاعی مسائل سے متعلقہ امور و مسائل کا مطالعہ ان کا خصوصی مشغلہ ہے - دفاعی اور سیاسی موضوعات پر ان کے مضامین اکثر اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں - مطالعہ کے علاوہ اسپورٹس اور موسیقی کے لئے بھی وہ کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکال لیتی ہیں انہوں نے بیروت، امریکہ، مغربی ایشیا اور مشرق بعید کے متعدد ممالک کا دورہ کیا ہے - مغربی جرمنی، برطانیہ اور سینگال کو ہمارے ملک کا جو پارلیمانی وفد بھیجا گیا تھا شریمتی شاردامکرجی اس کی قائد تھیں - سوویت یونین اور منگولیا وغیرہ جو وفود بھجوائے گئے ان میں بھی بحیثیت ممبر شامل تھیں -

* * * * *

ناز—انصاری

نئی مرکزی حکومت کی خارجہ پالیسی

حال ھی میں وزیر خارجہ مسٹر اٹل بہاری باجپئی نے اخبارنویسوں کےساتھ غیر رسمی گفتگو کے دوران ہندوستان کی نئی حکومت کی خارجہ پالیسی کے جو خطوط پیش کئے ان کا ہمارے تمام دوست اور نا وابستگی کی پالیسی پرچلنے والے ملکوں بالخصوص ہمارے پڑوسی ملکوں میں خیر مقدم کیا جائے گا۔

وزیر خارجہ نے غیر مبہم الفاظ میں یہ بات واضح کردی ھے کہ ہندوستان کی خارجہ پالیسی بد ستور وھی رھے گی۔الیکشن کے دوران وہ کوئی متنازعہ مسئلہ نہیں تھی اور یہ حیثیت مجموعی ناوابستگی ہندوستان کی قومی پالیسی ھے۔ ہندوستان کی خارجہ پالیسی پر گفتگو کرتے وقت ھمیں اسے تین حصوں میں تقسیم کر کے غور کرنا ہوگا۔ اول بر صغیر ہند کے ملکوں اور پڑوسی ملکوں کےساتھ تعلقات، دوسرے ناوابستہ ملکوں کےساتھ تعلقات تیسرے دو (۲) بلاکوں میں منقسم ملک۔

وزیراعظم مسٹر ڈیسائی اور وزیر خارجہ مسٹر اٹل بہاری باجپئی کے بیانات کی روشنی میں ایک بنیادی اور واضح بات تو یہ ھے کہ ہمارے تعلقات دنیا کے تمام ملکوں کے ساتھ دوستانہ اور باھمی مفاھمت کی بنیاد پر ھوں گے ۔ دوسری بات یہ ھے کہ ہندوستان ناوابستگی کی پالیسی پر عمل پیرا رھے گا مگر حقیقی ناوابستگی ان کی بنیاد ھوگی۔ یعنی کسی ایک ملک سے دوستی کسی دوسرے ملک کے ساتھ دوستی پر اثرانداز نہ ہوگی اور ناوابستگی میں کسی کی طرف جھکاؤ نہ ھو گا۔

وزیر خارجہ نے برصغیر کےدو ملکوں پاکستان اور بنگلہ دیش سے متعلق سوالات کا جواب بھی دیا ھے پاکستان کے ساتھ تعلقات کے بارے میں جو اب تقریباً نارمل ھو چکے ھیں، انہوں نے کہا ھے کہ ھم اس کے ساتھ تعلقات کو بڑھانے کےلئے نئی راھیں تلاش کرینگے۔ بنگلہ دیش کے ساتھ ہمارا ایک تنازعہ فراکا بند کےسلسلہ میں چل رھا ھے اور دونوں ملکوں کی جانب سے بات چیت کے ذریعہ حل کرنے کی جو کوشش ھو رھی ھے وزیر خارجہ نے امید ظاھر کی کہ اسکا خاطرخواہ اور دونوں ملکوں کے لئےاطمینان بخش حل نکل آئے گا۔ چین کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں جہاں ایک طرف وزیراعظم مسٹر ڈیسائی اور وزیرخارجہ مسٹر باجپئی نے تعلقات بہتر ھونے کی امید ظاھر کی ھے، وھاں وزیراعظم چین مسٹر ھوا نے بھی وزیر اعظم مسٹر ڈیسائی کے نام اپنے پیغام مبارکباد میں اسی قسم کی توقع کا اظہار کیا ھے۔

ہندوستان کی خارجہ پالیسی کے دائرے میں ایک اھم مسئلہ عرب اسرائیل تنازعہ کا بھی آتا ھے جسکے ساتھ ہندوستان کا تعلق اس مسئلہ کے پیدا ھونے کے وقت سے اور جب ہندوستان آزاد بھی نہ ھوا تھا قائم ھے۔ وزیر خارجہ نے اس سلسلہ میں بہت صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کیا ھےکہ ہندوستان مجلس اقوام متحدہ کے منظور کردہ تمام ریزولیشنوں کا پابند ھے۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل کو عربوں کے علاقے خالی کرنے چاھئیں اور فلسطینیوں کے جائز حقوق بحال ھونے چاھئیں اور ان کو ان کے گھروں میں واپس جانے کی اجازت ھونی چاھئے۔

ایک اور مسئلہ بحر ھند میں بڑی طاقتوں کی مداخلتوں اور ڈیگو گارشیا میں امریکہ کے بحری اڈے کا ھے۔ وزیر اعظم اور وزیر خارجہ نے اس سلسلہ میں بھی بہت واضح الفاظ میں اعلان کیا ھے کہ بحر ھند کو بڑی طاقتوں کی رقابت سے آزاد اور امن کا خطہ ھونا چاھئیے۔

میں ناوابستگی کے بارے میں مکرر یہ کہنا چاھوں گا کہ ہندوستان جو اس کا جنم داتا ھے، بدستور اس پر کاربند ھے۔ ۲ ۔ اپریل سے نئی دلی میں نا وابستہ ملکوں کے رابطہ بیورو کا وزارتی سطح کا جو اجلاس ھوا ھے، وہ کئی اعتبار سے بڑی اھمیت رکھتا ھے۔ کولمبو کی ناوابستہ سر براھوں کی کانفرنس کے بعد اس بیورو کا یہ پہلا اجلاس ھے۔ یہ اجلاس ترقی پذیر اورترقی یافتہ ملکوں میں اقتصادی ڈائلاگ کی ناکامی کے بعد منعقد کیا گیا سب سے بڑی بات یہ کہ ناوابستہ ملکوں کا یہ اجلاس ہندوستان میں ایک سیاسی انقلاب اور نئی حکومت کے قیام کے بعد پہلا اجلاس تھا۔

****

وحید خان

ملک میں جنگلات کی اہمیت

آج جنگلات کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا ۔ ان سے نہ صرف ہمیں عمارتی لکڑی حاصل ہوتی ہے بلکہ موسموں کا توازن برقرار رکھنے ، سیلاب سے بچنے ، ریگستانوں کے پھیلاؤ کو روکنے کے علاوہ اور کئی فائدے بھی جنگلوں سے حاصل ہوتے ہیں ۔ گذشتہ سو برس میں اگر ملک کے جنگلات کو چھوٹے چھوٹے فائدوں کے لئے بغیر سوچے سمجھے نہ کاٹا جاتا تو آج ملک کو کئی مسائل سے دوچار نہ ہونا پڑتا ۔ یہ ھی وجہ ہے کہ آئین میں حالیہ ترمیمات کی رو سے جنگلات کی حفاظت ہر شہری کا فرض قرار دیا گیا ہے اور مسٹر سنجے گاندھی کے پانچ نکاتی پروگرام میں بھی درخت لگانے کے کام کو بڑی اہمیت دی گئی ہے ۔

پچھلے دنوں بھوپال میں مرکزی وزیر زراعت مسٹر جگجیون رام کی صدارت میں سنٹرل بورڈ آف فاریسٹری کی ایک میٹنگ ہوئی ۔ یہ بورڈ ملک میں جنگلات سے متعلق سب سے اعلی اختیارات کا ادارہ ہے ۔ اس میٹنگ کا بڑا مقصد یہ تھا کہ سرکاری پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کے اقدامات کا جائزہ لیا جائے ۔ ھندوستان میں سب سے پہلے ۱۸۹۴ میں حکومت نے جنگلات سے متعلق اپنی پالیسی کا اعلان کیا تھا ۔ اسکے بعد ۱۹۵۲ء میں اس اعلان کی بنیاد پر جنگلات کے بارے میں ایک قومی پالیسی وضع کی گئی ۔ اب پھر مرکزی بورڈ کی میٹنگ میں جنگلات سے متعلق نئے حالات اور نئی ضرورتوں کی روشنی میں ترمیم شدہ پالیسی کے ایک مسودے پر غور کیا گیا اور جنگلات کو توسیع دینے کی حکومت کی حکمت‌عملی کو آخری شکل دی گئی ۔ میٹنگ کے دوران اس بات پر بہت زور دیا گیا کہ ملک کے جن خطوں میں درخت نہیں ہیں وھاں زیادہ تیزی کے ساتھ درخت لگانے کی مہم چلائی جائے ۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ ایسے خطے ھندوستان کے کل رقبے کا ستر فیصد سے بھی زیادہ ہوتے ہیں ۔ میٹنگ کے دوران اس بات پر بھی زور دیا گیا کہ اب ہمیں زیادہ تعداد میں ایسے درخت لگانے چاہئیں جو جلدی بڑھتے ہیں ۔ جنہیں ایندھن یا چھوٹی عمارتی لکڑی کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا ایسے درخت جو پھل دیتے ہیں ۔ بورڈ کی میٹنگ میں جو اعداد و شمار بتائے گئے ان کے مطابق اس موسم میں دس کروڑ درخت لگائے جا چکے ہیں اور آئندہ برس کے لئے تیس کروڑ پودے لگانے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے ۔ آنے والے برسوں میں درخت لگانے کی یہ مہم اور زیادہ تیز ہوجائے گی تا کہ دس برس کے اندر ملک کے ہر خطے کو سرسبز اور شاداب بنایا جائے ۔ نئی پالیسی کے تحت لگائے گئے درخت جب پوری طرح سے بڑے ہوجائیں گے تو ان کا انتظام کرنے کے لئے انہیں دیہات کی پنچایتوں کے حوالے کردیا جائیگا ۔

بورڈ کی میٹنگ کے دوران ہماچل پردیش کے وزیر اعلی ڈاکٹر وائی ۔ ایس ۔ پرمار نے کہا کہ ہمیں درخت لگانے کے لئے نیا نظریہ اپنانا چاہیئے اور جنگلات کے لئے ان علاقوں کو زیادہ اہمیت دینی چاہیئے جہاں ان کا لگانا اقتصادی طور پر سب سے زیادہ سود مند ہے اور آب و ہوا کو ٹھیک رکھنے کے لئے درختوں کی زیادہ ضرورت ہے ۔ ان کے نظریے کے مطابق بغیر سوچے سمجھے درخت لگانے کی بجائے ایسے پودوں کا انتخاب کرنا چاہیئے جن سے ہم خوراک اور ایندھن حاصل کرسکیں اور جہاں ہم ان کے ساتھ جڑی بوٹیاں بھی اگا سکیں ۔ بورڈ کی میٹنگ میں ڈاکٹر پرمار کا یہ نظریہ اتفاق رائے سے منظور کیا گیا ۔ اسکے علاوہ میٹنگ میں ایسے مقامات کی نشاندھی بھی کی گئی جہاں جنگلات کو ترقی دینے کے لئے تحقیق و تربیت کے مراکز شروع کئے جاسکتے ہیں مدھیہ پردیش کے وزیر اعلی مسٹر شیام چرن شکلا نے کہا کہ جن لوگوں کے لئے جنگلات کی سب سے زیادہ اہمیت ہے انہیں اس منصوبہ بندی میں بھی شریک کرنا چاہیئے کیونکہ لوگوں کے تعاون سے جنگلات کو محفوظ رکھنے اور انہیں توسیع دینے میں بڑی مدد ملتی ہے ۔

* * * *

بی - آر - سوری

جدید طریقوں سے کھیتی باڑی

پروجیکٹ مینیجر نیوکلیئر ریسرچ لیباریٹری
انڈین ایگریکلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

غیر ملکی ادارے ہمارے ملک کو زرعی انقلاب کی بہترین
ل قرار دیتے ہیں - ہم بجا طور پر اپنے کسانوں پر فخر کرسکتے
ں - اور ان سائنسدانوں پر ناز کرسکتے ہیں جنہوں نے زراعت
ترقی کے لئے سائنس کا استعمال کیا - ہندوستان دنیا کے ان تین
کوں میں سے ایک ہے جہاں سب سے زیادہ سائنسداں موجود
ں - لیکن دوسرے دو ملکوں یعنی امریکہ اور روس کے برخلاف
را ملک زراعت پر زیادہ انحصار کرتا ہے - ہماری بڑھتی ہوئی
دی کی ضروریات کے پیش نظر غلہ کی زیادہ سے زیادہ پیداوار
مانگ بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے - یہی سبب ہے کہ زراعت
جدید طریقوں کا استعمال ہمارے لئے ناگزیر ہے - پیدو نے راڈرز
نے جب اس ملک کی آئندہ بدحالی کا نقشہ کھینچا تھا وہ یہ
ول گئے تھے کہ ہندوستان میں سائنسدانوں کے دارالعمل
ں جو زرعی آلات تیار ہورہے ہیں وہ جلد ہی کھیتوں میں
منتقل کردیئے جائیں گے اور اس سے غلہ کی پیداوار میں فوری
ور پر زبردست اضافہ ہوجائے گا - ہمارے کسانوں اور سائنسدانوں
نے اپنی شاندار کامیابی سے ان تمام لوگوں کو غلط ثابت کردیا
ے جو اس ملک کے مستقبل سے نا امیدی کا اظہار کررہے تھے -

گذشتہ دس برسوں میں ہماری گیہوں کی پیداوار دوگنی
وگئی ہے - سال رواں کے دوران غلہ کی پیداوار میں ۴ کروڑ ٹن
اضافہ ہوا ہے - اس وقت سرکار کے پاس تقریباً ۲ کروڑ . ۲ لاکھ
ن غلہ کا اسٹاک جمع ہے - اس کامیابی نے یہ بھی ثابت کردیا
ے کہ ہمارے کسان بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنے آپ کو
ڈھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں - اسوقت یہ صورت حال ہے کہ
لہ کی درآمدات عملاً بالکل ہی بند کردی گئی ہے -

ممکن ہے کہ آپ میں سے کچھ یہ سمجھتے ہوں کہ زرعی
نقلاب کے فوائد صرف چاول اور گیہوں تک محدود ہیں - لیکن
سی بات نہیں ہے - باجرہ اور مکئی جیسی فصلوں کی پیداوار
ی اب پہلے سے کئی گنا زیادہ ہوگئی ہے - اسکے علاوہ اب

اچھے بیج کی پیداوار کی بھی کوشش کی جاتی ہے اور اسکے لئے
جدید ترین ٹکنالوجی کا استعمال کیا جاتا ہے - کسی بھی دوسرے
ملک میں اپنے مختصر عرصے میں اتنے بڑے پیمانے پر بیج کی پیداوار
کے پروگرام کو کامیاب نہیں بنایا جا سکا ہے -

کامیابی کا راز :

ہماری اس کامیابی کا راز کیا ہے - سچ پوچھئے تو ہماری
کامیابی وسائل کے صحیح استعمال تنظیمی ڈھانچے کی خوش اسلوبی
اور ہمارے کسانوں میں جدید ترین طریقے اپنانے کی صلاحیت کی
رہین منت ہے - چاول کی بہت سی قسمیں ایجاد کی جا چکی ہیں
جن کی فصل ایک سو یا ۱۱۰ دنوں میں تیار ہوجاتی ہے اسطرح
ڈیلٹا والے علاقے میں سالانہ تین فصل پیداوار ہونے کا امکان
ہوگیا ہے - اسی طرح گیہوں کی نئی قسمیں ایجاد کی جاچکی ہیں
جنکے بیج صرف اکتوبر - نومبر کے بجائے جنوری کے مہینے تک
بوئے جا سکتے ہیں - اس کے علاوہ گیہوں کی فصل اب کافی وسیع
خطے میں پیدا کی جاسکتی ہے - جنوبی خطے میں کوئمبٹور تک
گیہوں کی فصل پیدا کی جانے لگی ہے - باجرہ اور مکئی کے
فصلوں کی بھی نئی قسمیں ایجاد کی جا چکی ہیں جن سے انکی
پیداوار میں کافی اضافہ ہوچکا ہے -

گیہوں چاول اور دوسرے اناج کی جو مختلف قسمیں ایجاد
کی جا چکی ہیں انکی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان میں
مختلف بیماریوں سے محفوظ رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے - ایسی بیماریوں
سے ہم شروع میں بہت نقصان اٹھا چکے ہیں - امریکہ میں
مکئی کی فصل اور ہندوستان میں باجرہ کی فصل پورے طور پر ان
بیماریوں کا شکار ہوکر برباد ہوچکی ہے - فصلوں کو برباد کردینے
والی ان بیماریوں سے روک تھام کا جدید طریقہ یہی ہے کہ ایسے
بیج پیدا کئے جائیں جو ان بیماریوں سے خود کو محفوظ رکھنے کی
صلاحیت رکھتے ہوں - گیہوں پیدا کئے جانے والے علاقے کے
تقریباً تین چوتھائی حصے میں اور چاول والے علاقے کے نصف

حصے میں اب گیہوں اور چاول کے نئے اور ترقی یافتہ بیج ہی استعمال کئے جاتے ہیں -

فصل کی بہتری میں وسائل کا بہتر استعمال بھی ایک اہم رول ادا کرتا ہے - چاول کی فصل کے سلسلے میں پانی کا انتظام بہت ہی ضروری ہے - اسی طرح دوسری فصلوں میں بھی جو وسائل میسر ہیں ان کا بہتر سے بہتر استعمال کرنا لازمی ہوتا ہے -

کیمیاوی کھاد کا استعمال

گیہوں اور چاول کی بہتر فصل کے لئے کیمیاوی کھاد کا استعمال بہت ضروری ہوتا ہے - سائنسدانوں کا خیال ہے کہ فی ہیکٹر ۸۰ سے لیکر ۱۲۰ کلونائٹرو جن اور فاسفورس کی ضرورت ہوتی ہے - ہمارے سائنسدانوں نے چاول اور گیہوں کی ایسی قسمیں ایجاد کی ہیں جن کی اچھی فصل بہت تھوڑے سے کھاد کے استعمال سے ہی پیدا کی جا سکتی ہے-

موسم کی پیشینگوئی

زرعی انقلاب کے فوائد کو اور بھی مستحکم بنانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کھاد اور دوسری زرعی ضروریات کے معاملے میں خود کفیل بن جائیں - ساتھ ہی موسم کی پیشینگوئی کے طریقے کو بھی بہتر بنانے کی ضرورت ہے تاکہ آئندہ فصلوں کے بارے میں منصوبے بنائے جا سکیں - اس سلسلے میں اسکی بھی ضرورت ہوگی کہ کسانوں کو ملک کے تنظیمی ڈھانچے کا پورا تعاون ملے بیج کی بچت کرکے ان کا اسٹاک جمع رکھا جائے اور انکی مناسب تقسیم کی جائے - کسانوں کو وقت پر قرض دیا جانا بھی ضروری ہے -

ایک اندازے کے مطابق ملک کو ساتویں منصوبے کے اواخر تک ۱۶ کروڑ ٹن غلہ کی ضرورت ہوگی -یہ ضرورت اسی وقت پوری ہوسکتی ہے جب ہم اپنے محدود وسائل کا پورا پورا استعمال کریں - یہی سبب ہے کہ سال رواں سے جو دیہی ترقی پروگرام ۲۰ ضلعوں میں نافذ کیا جارہا ہے اسمیں دیہات کے غریبوں کو روزگار مہیا کرنے پر سب سے زیادہ زور دیا جارہا ہے - چھوٹے اور درمیانے درجے کے کسانوں کو جدید زرعی ٹکنالوجی سے مستفید ہونے کے مواقع فراہم کئے جارہے ہیں اور اس طرح زرعی انقلاب کے فوائد کو دیر پا بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے -

****

ــــــ(باتیں کم کام زیادہ)ــــــ

درج فہرست اقوام کے لئے فلاحی اسکیمات

محمد عبدالوحید خاں

چیف منسٹر شری جے ۔ وینگل راؤ صاحب نے انہیں دودھیارے جانور تقسیم کئے ۔

کسی قوم اور ملک کی ترقی اسوقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ درج فہرست قبائل اور اقوام کے لئے فلاحی و بہبودی اسکیمات کو روبعمل نہ لایا جا کر انہیں ترقی نہ دی جائے ۔ حکومت آندھرا پردیش کا محکمہ سماجی بہبود درج فہرست اقوام کے لئے فلاحی اسکیمات کو روبعمل لانے کا ذمہ دار ہے ۔ پچھڑی جاتیوں ، جسمانی طور پر معذور افراد اور درج فہرست اقوام کے لئے بہبودی اسکیمات کی ترتیب اور انکو روبعمل لانا اس محکمہ کا کام ہے ۔ حکومت آندھرا پردیش نے سال ۱۹۷۵-۷۶ کے لئے ۱۳٫۳۶ کروڑ روپیہ کی مالی امداد مہیا کی ہے تا کہ ان مد کورہ اسکیمات کو روبعمل لایا جائے ۔ ۱۹۷۶-۷۷ کے سرکاری بجٹ میں ۱۴٫۲۶ کروڑ روپیہ کی رقم مختص کی گئی ہے سال ۱۹۷۵-۷۶ کے ختم تک ۹۲٫۱۱ کروڑ روپیہ فلاحی اسکیمات پر خرچ کئے گئے ہیں ۔ ان فلاحی اسکیمات کو پانچ مدات کے تحت روبعمل لایا جارہا ہے ، رہائشی اسکیمات ، معاشی سدھار کی اسکیمات ، تعلیمی ترقی کی اسکیمات، سماجی تحفظ کی اسکیمات، اور دیگر اسکیمات ۔

حکومت نے درج فہرست اقوام و قبائل کے رہائشی مقاصد کے لئے ۲۵ فیصد رہائشی قطع اراضی کو مختص کیا ہے تا کہ سماجی ہم آہنگی اور چھوت چھات کا خاتمہ ہو ، بیس نکاتی فارمولہ پر تعمیل کے سلسلے میں رہائشی اغراض کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے اور اسکی وسعت کا ہمہ گیر پروگرام شروع کیا گیا ہے ۔ سال ۱۹۷۴-۷۵ کے دوران ۱۷۶۷۶ خاندانوں کے لئے ۱٫۳۱ کروڑ روپیہ کے صرفہ سے ۳۱۷۴ ایکڑ اراضی کا حصول کیا گیا ہے ۔ تحصیل اراضی کے مقدمات کی یکسوئی کردی گئی ہے ۔ ریاستی حکومت کی امداد کے علاوہ مرکزی حکومت نے بے زمین مزدوروں کے لئے بلا لحاظ ذات پات عادل آباد و حیدرآباد میں رہائشی مکانات کے مختص کرنے کے اسکیمات کی سرپرستی کی ہے ۔

حکومت آندھرا پردیش نے درج فہرست اقوام و قبائل کے لئے ۵۵٫۵۴۶ تعمیر اسکنہ کی اسکیمات کو سال ۱۹۷۱-۷۲ میں منظور کیا تھا لائف انشورنس کارپوریشن سے ۱۰ کروڑ روپیے بطور قرضہ حاصل کئے گئے ہیں ۔ اضلاع کی انجمنوں کو ۹٫۹۰ کروڑ روپیے ایصال کئے گئے ہیں تا کہ ۵۰٫۲۳۲ مکانات تعمیر کئے جائیں جو کہ مکمل ہوچکے ہیں ۔

معاشی بہبودی و سدھار اسکیمات دراصل پست طبقات کی ترقی کے لئے جزو لاینفک ہیں ان ہی امور کو پیش نظر رکھکر حکومت نے ۶ ۔ فروری ۱۹۷۴ کو مالیاتی کارپوریشن برائے درج فہرست اقوام قائم کیا ہے جسکا سرمایہ حصص ۵٫۰۰ کروڑ روپیہ ہے ۔ اس کارپوریشن کا ضمنی مقصد کل ریاست میں درج فہرست اقوام کو قرضہ جات مہیا کرنا ہے تا کہ انکا معاشی سدھار ہوسکے ۔ اضلاع کی انجمنوں کے ذریعہ تمام اضلاع میں بنکروں کے ذریعہ اور غیر سرکاری حملہ کی امداد سے کام کیا جا رہا ہے ۔ مالیاتی کارپوریشن اس بات کے پیش نظر کہ درخواست گذاروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور غیر منقولہ جائدادں کی ضمانت کی فراہمی بہت کم ہوگئی ہے خود مستحقہ درخواست گذاروں کے لئے ضمانت فراہم کررہا ہے ۔ ۶۸٫۰۰۰ خاندانوں کے لئے مالیاتی کارپوریشن نے امداد مہیا کی ہے ۔ زراعت ، افزائش مویشیان چھوٹی صنعتیں ، تجارت و کاروبار کے شعبہ جات میں

دی حیدر آباد ڈسٹرکٹ بیکورڈ کلاسس سروس کوآپریٹیو سوسائٹی حیدر آباد میں سیکل رکشائیں تقسیم کئے گئے۔

ترقی ہورہی ہے سمپل سروے جاری ہے تا کہ پست طبقات کو امداد مہیا کی جاسکے۔

تین علاقائی و اجتماعی ترقی کمیٹیاں سال ۷۶-۱۹۷۵ کے دوران ترقیاتی اسکیمات کے لئے ذمہ دار رہی ہیں اور انہوں نے ۶۲،۱۸ کروڑ روپیہ ایصال کئے ہیں ریاستی موازنہ میں ۷۶،۰۷ لاکھ روپیہ سال ۷۷-۱۹۷۶ کے لئے مہیا کئے گئے ہیں ۶۸،۶۵ لاکھ روپیہ ریاستی منصوبہ بندی بورڈ نے حسب ذیل اسکیمات کے لئے منظور کئے ہیں۔ اجتماعی آبپاشی کنوئیں ، موچیوں کو قرضہ جات، تیل کے انجن ، برقی موٹروں و پمپس کی فراہمی ، دودھ دینے والے جانوروں کی فراہمی، بھیڑوں کی پرورش، اراضیات کی کاشت کے لئے ٹریکٹروں کی خریدی، مرغ بانی، کھلے کنوؤں کی تعمیر، ترقی اراضی اسکیمات ۔

تعلیمی فلاحی اسکیمات کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عوام کو باشعور بنانے اور معاشی سدھار کے لئے حکومت تعلیمی فیس میں کمی، وظائف، تعلیمی اداروں میں نشستوں کے مختص کئے جانے، اقامتی سہولتوں اور قوبیائی ہوئی نصابی کتب کی فراہمی کے ذریعہ اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہ نبھا رہی ہے۔ پست اقوام کے مستحقہ طلباء کو پانچویں درجات سے لیکر پوسٹ گریجویٹ سطح تک وظائف دے رہی ہے۔ اقامتی و غیر اقامتی طلباء ہر دو اس میں شامل ہیں ۔ صنعتی اداروں میں تعلیم پانے والے پست اقوام کے طلباء کو وظائف دئے جا رہے ہیں نصاب کے دوران ۴۰ روپیہ وظیفہ دیا جا رہا ہے میٹرک سے قبل وظائف کی جملہ رقم کی مقدار ۳،۸۱،۹۰،۰۰۷ روپیہ ہے صنعتی اداروں کے وظائف کی جملہ رقم ۵ لاکھ روپیہ ہے ۔ سال ۷۵-۱۹۷۴ میں ۵۹،۰۳۴ طلباء کو ۳۹۸۲۹۰۰ روپیے مالیت وظائف منظور کئے گئے ہیں ۔

مرکزی حکومت نے میٹرک کے بعد حصول علم کرنے والے طلباء کے لئے وظیفے کی مقدار کو ۳۰ کے بجائے ۱۴۰ روپیہ ماہانہ کردیا ہے۔ سال ۷۵-۱۹۷۴ میں ۲،۱۳ کروڑ کے صرفے سے پست اقوام کے طلباء کو وظائف دئے گئے۔ سال ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران پست اقوام کے زائد طلباء نے کالجوں میں اپنے نام درج کروائے ہیں۔ ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران ۲،۰۱،۳۰،۰۰۰ روپیہ وظائف کے لئے مختص کئے گئے ہیں جاریہ سال کے دوران ۳۷،۹ لاکھ روپیہ تمام پوسٹ گریجویٹ طلباء کے جیب خرچ کے لئے ۲۵ روپیہ ماہانہ مقرر کئے گئے ہیں۔ اقامتی سہولتوں کے ذکر کے سلسلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سال ۷۷-۱۹۷۶ کے لئے ۱،۰۸۸ اقامت خانوں اور ۵۱،۳۳۶ طلباء کی تعداد کے پیش نظر ۳۵۰،۲۹۵ لاکھ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ سال ۷۶-۱۹۷۵ کے دوران حکومت نے کالجوں کے طلباء کے لئے اقامتی سہولتیں ختم کردی تھیں حکومت نے کالجوں کے لئے دسمبولتیں میس سسٹم اور طلباء کے خود انتظامیہ اقامت خانے، دیگر طلباء کے لئے شروع کردئے ہیں ۔ اس امداد کا در غیر مکمل رہے کہ جب تک کہ اسکی وضاحت نہ کردی جائے کہ حکومت پست اقوام کے طلباء کے لئے جو نادار ہوتے ہیں لباس کی خریدی کے لئے رقمی امداد دے رہی ہے، سرکاری اقامت خانوں کی تعمیر کے لئے سال ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران ۳۵ لاکھ روپیہ منظور کئے گئے ہیں ان میں نصابی کتب کی فراہمی شامل ہے ۔ ۱،۵۰ لاکھ روپیہ سے بک بنکس قائم کئے گئے ہیں

قبل امتحان تربیتی مراکز حکومت نے فلاحی اسکیمات کے تحت قائم کئے ہیں سال ۱۹۷۶ میں آئی ۔ اے ۔ ایس کے مسابقتی امتحان کے لئے ۲۵ درج فہرست اقوام اور ۵ درج فہرست قبائل کے طلباء

چیف منسٹر شری جے۔ وینگل راؤ صاحب نے موضع موپالا ضلع کرشنا میں دودھیارے جانور تقسیم کئے۔

کو ان مراکز میں تربیت دی گئی ہے۔ ۱۹۷۷ کے آئندہ امتحان کے لئے طلباء کا انتخاب کیا جا رہا ہے۔ پست اقوام کے نوجوانوں کو تربیت دینے کے لئے ہلکی سواریوں موٹررانی، دیہی عہدہ داروں کی تربیت، ٹائپ رائیٹنگ، اسٹنوگرافی اور دیگر انداز کی تربیت سے مزین کیا جا رہا ہے۔ تربیت کا یہ نصاب قلیل المدتی ہے۔

سماجی تحفظ کی اسکیمات کے لئے حکومت وظائف پیرانہ سالی کی اجرائی اور بیت المعذورین کی تعمیر کے لئے فراخ دلی سے کام لے رہی ہے۔ سال ۱۹۷۶-۷۷ کے لئے ۳,۰۶,۱۰۰ روپیہ کی رقم معمر افراد کے گھروں کی تعمیر کے لئے مختص کی گئی ہے۔ جسمانی طور پر معذور افراد کے گھروں کی تعمیر کے لئے سال ۱۹۷۶-۷۷ میں ۱,۱۳ لاکھ روپیہ مہیا کئے گئے ہیں۔ یتیموں و اپاہجوں کے لئے سال ۱۹۷۶-۷۷ میں ۲,۱۲,۰۰۰ روپیہ مہیا کئے گئے ہیں فقیروں کے لئے سال ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران ۴۵,۲۰۰ روپیہ کی رقم مختص کی گئی ہے۔ یتیموں کو وظائف کے لئے سال ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران ۴۵,۹۹ لاکھ روپیہ منظور کئے گئے ہیں۔

بین فرقہ جاتی شادیوں کے ذریعہ سماجی ہم آہنگی کا ذکر دیگر اسکیمات کے تحت کیا جا سکتا ہے۔ سال ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران ۸ لاکھ روپیہ ایسی شادیوں کے لئے مختص کئے گئے۔ ایسی شادیوں سے ہونے والے بچوں کے لئے ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں انہیں سرکاری خدمات میں ترجیح دی جائیگی سال ۱۹۷۴-۷۵ میں ۵ لاکھ روپیہ کی رقم امداد کے طور پر دی گئی تھی۔

آخری امر جو پست اقوام کے فلاحی اسکیمات کے تحت حکومت نے انجام دیا ہے وہ یہ ہے کہ ریاستی حکومت نے سرکاری ملازمتوں میں پست اقوام، درج فہرست قبائل کے لئے تحفظات کر دئے ہیں۔ اس بات کے لئے عہدہ داروں کو پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ ان تحفظات کو روبعمل لائیں ان تحفظات کے لئے صرف درج فہرست اقوام و قبائل ہی کے درخواست گذاروں کو خدمات پر مامور کیا جائے۔ ہر مستقر پر ریاستی حکومت نے مرکزی دفتر فراہمی روزگار قائم کر دیا ہے۔ حکومت نے مددگار تنقیح کنندہ کمشنر مقرر کردئے ہیں جو جنرل سکریٹری کے تحت کام کرتے ہیں جنکا فرض یہ ہے کہ وہ دفاتر میں ان تحفظات کو زیر عمل لائیں۔ عام امیدواروں کے مقابلہ میں درج فہرست قبائل و اقوام کے امیدواروں کو ہر قسم کی رعایتوں اور سہولتوں کو فراہم کیا جا رہا ہے۔ حکومت نے زائد مہتمم پولس اور ڈکٹران کو اسکا پابند کر دیا ہے کہ وہ پست اقوام کی فلاح و بہبود کے لئے ان سے روا رکھی جانے والی زیادتیوں کا سدباب کریں۔ درج فہرست اقوام کی فلاح کے لئے ذیلی اسکیمات کے سلسلہ میں کہا جا سکتا ہے کہ حکومت نے اپنا پورا حق ادا کر دیا ہے ۲,۹۹۰ لاکھ روپیہ کی ذیلی اسکیمات کے ذریعہ ان کے فلاحی پروگراموں کو رو بعمل لایا جا رہا ہے۔ ان مذکرہ بالا حکومتی اقدامات کی روشنی میں اس صداقت اور حقیقت کو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ درج فہرست اقوام و قبائل ممکنہ حد تک ترقی کر رہے ہیں۔

* * * * *

مرزا جعفرحسین

یادوں کی برات کا خصوصی مطالعہ

کتاب	یادوں کی برات کا خصوصی مطالعہ تبصرہ
مصنف	صابر کمال ایم ۔ اے (عثمانیہ)
اشاعت	پہلی بار دسمبر سنہ ۱۹۷۶ ع
صفحات	۲۴۸
ناشر	ارشاد احمد
ملنے کا پتہ	۲۳-۱-۶۴۲ ''بیت الاعظم'' مغل پورہ ۵۰۰۰۰۲
قیمت	۱۲ روپیہ

جوش ملیح آبادی کے بارے میں بلا خوف تردید کہا جاسکتا ھے کہ اردو زبان کے وہ بہترین شاعر اور ادیب ھیں ۔ زبان و بیان کی جو گراں قدر خوبیاں ان کے کلام میں ملتی ھیں ان کا جواب کہیں دوسری جگہ نہیں ملتا ۔ معنویت اور مقصد ان کی شاعری کے اھم خصوصیات ھیں ۔ ان کے فرمودات میں ھم کو ایک مستقل پیغام ملتا ھے جو انسانیت اور بلندی کردار کی طرف ھماری رھنمائی کرتا ھے ۔ ان کے نظریات اتنے ٹھوس اور اٹل ھیں کہ ان میں ماحول اور حالات کی تبدیلی کے بعد بھی کوئی تزلزل واقع نہیں ھوا ۔ اس پامردی اور ثبات قدم کی اصل وجہ یہ ھے کہ وہ ھمیشہ صداقت پرستی کے قائل رھے ھیں جسکی بدولت وہ ایک عظیم شخصیت کے بھی مالک ھو گئے ۔ ان کی ذات میں عظمت کا جوھر ان کے عہد طفلی ھی سے تابندہ اور درخشندہ تھا اور ان کو اسی زمانہ سے یہ بھی احساس تھا کہ وہ اپنی شرافت نفس کی ھر امکانی حفاظت اور پاسداری کرتے رھیں ۔ انہوں نے تمول و تعیش کی روشنی میں آنکھ کھولی تھی، اپنے باپ کے لاڈلے بیٹے تھے ۔ تقدس و ورع اور زھد و تقوی کی ریاکاری سے ان کے خاندان کو کوئی علاقہ نہیں تھا ۔ اوائل عمر ھی سے آزادانہ زندگی بسر کرنے کے مواقع حاصل تھے لیکن پھر بھی بےراہ روی کی طرف کوئی قدم کبھی نہیں اٹھا یا ۔ یادش بخیر وہ دور یاد آتا ھے جب وہ اسکول کے ایک طالب علم کی حیثیت سے شہر لکھنو کے باغ کھجوہ میں رھا کرتے تھے اور ان کے ھم سن دوستوں کا ان کے ھمراہ اٹھنا بیٹھنا، گھومنا پھرنا اور بے تکلفانہ ربط و ضبط تھا ۔

اسی زمانہ میں انہوں نے سب کچھ وھی عادات و خصائل اختیار کرلئے تھے جو جلاپا کر ان کی آئندہ زندگی میں ان کے معمولات میں داخل ھوگئے ۔ وہ علی الصباح اٹھنے کے عادی تھے اور مناظر قدرت سے لطف اندوز ھونا ان کی سرشت میں داخل تھا ۔ صبحیں سہانی ھوتی تھیں اور شامیں رنگینیوں میں بسر کرتے تھے ۔ اس زمانے میں شام کو چوک کی سیر شرفا کے چلن میں داخل تھا ۔ لیکن جو بات کہنے میں آئی ھے وہ یہ ھے کہ جوش کے تمام طور طریقوں میں اسوقت بھی ایک امتیازی شان تھی جو انکے کسی دوسرے ساتھی کو نصیب نہیں ھوئی ۔ وہ فطرتاً بیحد ذکی ، فہیم اور سریع الحس تھے ، بات کرنے کا ایسا اچھا سلیقہ تھا کہ ان سے گفتگو کرنے کو خود بخود دل مشتاق رھا کرتا تھا او، خلوص و محبت ان کی طبیعت میں شامل تھے ۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بلاخوف تردید کہا جاسکتا ھے کہ انہوں نے اپنی خدا داد صلاحیتوں کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ اپنے شعور و فکر سے اور زیادہ سنوارا ۔ اپنے عیبوں کو بھی اچھی طرح پرکھ کر رفتہ رفتہ اپنے کردار سے دور کیا ۔ اس سلسلہ میں یاد آتا ھے کہ اپنے نسل و نوع کے فطری رجحانات کے تحت ابتدائے عمر میں وہ بہت مغلوب الغضب تھے یہانتک کہ نغمہ و طرب کی انجمن میں بھی خلاف مزاج صورت حال نمودار ھونے پر برھم ھوجایا کرتے تھے لیکن وھی گرم مزاج جوش ایسے ھوگئے کہ صبر و تحمل کی بہترین مثالیں پیش کردیتے ھیں ۔ یہ تبدیلی کسی تعلیم کے اثرات کا نتیجہ نہیں ھے بلکہ یہ فضیلت ان کو شعوری طور پر خود باز پرسی اور خود گرفتگی کی بدولت حاصل ھے ۔

عہد طفلی میں اس اٹھان کے بعد جوش کو ایک عظیم المرتبت شخصیت کا مالک ھونا ھی تھا ۔ چنانچہ وہ نہ صرف ایک جلیل القدر شاعر ھیں بلکہ ایک گراں قدر انسان بھی ھیں ۔ کہا جاتا ھے کہ شاعر کا کلام اس کے کردار کا آئینہ دار ھوتا ھے ۔ یہ مقولہ یقیناً صحیح ھے لیکن اگر شاعر کی کماحقہ معرفت بھی حاصل ھو تو اس کے کلام کا لطف دوبالا ھوجاتا ھے ۔ یہ نظریہ جوش کے بارے میں اور زیادہ قابل لحاظ ھے کیونکہ ان کی قریب قریب ھر نظم یا غزل ان کی زندگی کے کسی نہ کسی مخصوص مقام سے یا خود انہیں کے کسی نہ کسی منضبط اصول زندگی سے متعلق ھے ۔ کارگاہ ھستی کی صنعت کاریاں ھوں یا بارگاہ حسن و جمال کی سحر آفرینیاں ، کیف و بیخودی کی سر مستیاں ھوں یا تفکر و تعقل کی سنگلاخ وادیاں، انہوں نے ھر منزل کو ھوشمندانہ سرمستی میں طئے کیا ھے اور زندگی کے ھر موڑ پر ٹھہر کر ماضی کا محاسبہ کیا ھے اور مستقبل کا جائزہ لیا ھے۔ ان کا کلام انہیں تجربات و احساسات کی ترجمانی کرتا ھے اسی حقیقت نگاری کی وجہ سے ان کی شاعری ھمارے دل اوردماغ دونوں

کو آسودگی مرحمت فرماتی ہے ۔ اور اس آسودگی کی لذت میں مزید اضافہ ہوجائے گا اگر ان کی نجی اور خانگی زندگی پر بھی پوری طرح نظر ہو ۔ یہ امر دشوار بھی نہیں ہے کیونکہ ان کے کردار کا ہر پہلو اور ان کی زندگی کا ہر شعبہ روز روشن کی طرح نمایاں رہا ہے ۔ انہوں نے تصنع اور ریاکاری سے اپنے دامن خیال کو بھی کبھی آلودہ نہیں ہونے دیا اور شاہراہ حیات میں " من آنچہ می نمایم هستم " کے اصول پر کاربند رہتے ہوئے گامزن رہے ہیں ۔ ایسی صورت میں ان کے سوانح حیات بہت پہلے ہی معرض تحریر میں لائے جا سکتے تھے اور اگر ایسا ہوگیا ہوتا تو ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کو بھی سہولت حاصل ہو جاتی لیکن ایسا نہیں ہو سکا ۔ غالباً ان کے دوستوں کی توجہ اس ضرورت کی طرف مبذول نہیں ہو سکی یا یہ کہ ایسے لوگ جو اس فریضہ کو انجام دے سکتے تھے مجبور و معذور رہے بہر حال انہوں نے اب خود اس اہم ضرورت کو فراہم کردیا ہے اور اپنی خود نوشت سوانح حیات " یادوں کی برات " کے نام سے تحریر فرما کے شائع کرادی ہے اس کتاب کو پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں میں بڑی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا ہے اس شرف قبول کا یہ عالم ہے کہ جوش کے ہواخواہوں سے زیادہ ان کے مخالفین نے اس کتاب کا دلچسپی سے مطالعہ کیا ہے اور بمقتضائے طینت معاندانہ نکتہ چینی بھی فرمائی ہے ۔

دنیائے علم و ادب میں ہر عظیم شاعر کی مخالفت ہوئی ہے اور یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ اسی مخالفت میں شاعر کی عظمت کا احساس اور شدید ہو جاتا ہے ۔ ایسی مخالفت مختلف وجوہ کی بناء پر کی جاتی ہے ۔ بعض لوگ ایسے ہی " نقد و تبصرہ " کو خود اپنے نام و نمود کا وسیلہ بنانا چاہتے ہیں حالانکہ اس سعی لاحاصل میں خود انہیں کو خسارہ اٹھانا پڑتا ہے ۔ کچھ لوگ اپنے ہی احساس کمتری میں دوسرے کی برتری کو پست کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس کوشش میں ناکام رہتے ہیں ۔ ان کے علاوہ جلیل القدر شاعر اور ادیب کی نکتہ چینی فرماتے ہیں غرض کہ ہر گراں قدر تالیف و تصنیف اور اس کے مولف یا مصنف کی کاوش فکر و نظر نیز اس کی شخصیت معرض گرفت میں لانے کی سعی نافرجام کی گئی ہے ۔ جوش بھی ہمیشہ ایسے ہی تمام طعن و تشنیع کا نشانہ بنائے گئے لیکن وہ ہر میدان میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جمے رہے ۔ اور ان پر کوئی حربہ کبھی کارگر ثابت نہیں ہوا ۔ چنانچہ ان کی اس خودنوشت سوانح حیات پر بھی دل کھول کر نکتہ چینیاں کی گئی ہیں اور مندرجہ واقعات و حالات کو بہ زعم خود عقلی اور قیاسی دلائل سے غلط ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگادیا گیا ہے حالانکہ جوش کی طرز تحریر سے کتاب کی اشاعت میں ان کا یہ منشاء کہیں بھی ظاہر نہیں ہوتا

کہ قاری ان کے افعال و کردار سے متاثر ہو یا یہ کہ ان کی تاسی کرے ۔ انہوں نے اپنی شخصیت کو الفاظ کے آئینہ میں عریاں کر کے پسندیدگی یا نا پسندیدگی کا فیصلہ دیکھنے والوں پر چھوڑ دیا ہے ۔ ایسی صورت میں مناسب یہی تھا کہ واقعات پر تبصرہ کئے بغیر کتاب کو افسانوی حیثیت ہی دے کر مطالعہ کیا جاتا تاکہ یہ حقیقت سامنے آجاتی کہ اس تالیف میں بلند پایہ ادبیت ہے اور اس حکایت میں بھرپور افادیت ہے ۔ اگر بعض واقعات کو ہم شاعرانہ مبالغہ پر محمول بھی کر لیں تب بھی یہ مقامات سحر آفرین ضرور ہیں ۔ ادبی اعتبار سے یہ تالیف ایک گراں مایہ شاہکار ہے ، ذوق سلیم جوش کی جسارت مندی اور بالغ نظری کے آگے سر اعتراف جھکانے پر مجبور ہے اور خود نمائی کی یہ تصویر جس میں ایک باکمال شاعر کے حسن و قبح کی جلوہ افزائیاں ہیں قدر دانی کی مستحق ہے ۔

یہ بھی واضح رہے کہ کسی کتاب کی قدردانی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اس کا مطالعہ کرکے واہ وا کریں، اس کی تعریف کرتے رہیں یا اس پر ریویو کرکے تسکین خاطر کرلیں بلکہ حقیقی قدر دانی یہ ہے کہ کتاب کو پڑھ کر اس کا مفہوم و منشا ذہن نشین کریں اور مماثل حالات میں افادیت حاصل کریں ' یادوں کی برات ، اردو ادب میں اپنے طرز کی غالباً پہلی خود نوشت سوانح حیات ہے جس میں مصنف نے اپنا سارا کردار برهنہ کر کے پیش کر دیا ہے ۔ اپنے محاسن بھی بتائے ہیں اور اپنے معائب کا پردہ بھی چاک کردیا ہے ۔ اسی مقام پر یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ معائب، کا لفظ معترضین کی تشفی کے لئے استعمال کیا گیا ہے ورنہ ' محاسن ، اور ' معائب ، حقیقتاً یہ دونوں الفاظ راجع بطرف مرجوع (Relative) اصطلاحیں ہیں جنکی نوعیت حالات و واقعات کے تحت بنتی و بگڑتی رہتی ہے ۔ بہر حال ایک انسان کی زندگی میں جو دور آئے ہیں اور جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان میں قریب قریب ہر کیفیت کا نقشہ اس کتاب میں موجود ہے اور وقت پڑنے پر ہم اپنی زندگی کے ویسے ہی گزرتے ہوئے لمحات میں پیش کردہ طرز عمل سے عبرت یا درس حاصل کر سکتے ہیں ۔ سوانح حیات لکھنے اور پڑھنے کا یہی منشاء ہوتا ہے ورنہ دوسروں کے طرز زندگی کا مطالعہ ہمارے لئے بیکار ہو جائے گا ۔ ایسے تصنیفات میں واقعات کی صحت و عدم صحت کی تحقیق کرنا اس لئے ضروری نہیں ہوتی کیونکہ ایسی کتابیں تاریخ کی حیثیت نہیں رکھتی ہیں نیز یہ کہ ہم کو دوسروں کی نجی اور خانگی زندگی کا محاسبہ کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہوتا ۔ ہم کو ایسی کتابوں پر تبصرہ کرتے وقت ان کی ادبیت اور مقاصد زندگی کی تکمیل میں ان کی افادیت ملحوظ رکھنا چاہئے ۔ افادیت کا جائزہ لینے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ تحریر کردہ واقعات کے تحت مصنف کا

پیش کردہ طرز عمل خود ہمارےحق میں بھی کارآمد اور سود مند ہو سکتا ھے یا نہیں ! اس نظریہ کے تحت ' یادوں کی برات ، یقیناً بے حد کارآمد تصنیف ھے۔ اس کا مطالعہ ہونا چاھئے اور زیادہ بہتر ہوگا اگر یہ مطالعہ اسی ترتیب سے کیا جائے جو جناب صابر کمال صاحب نے اپنی تدوین " یادوں کی برات کا خصوصی مطالعہ ،، میں پیش فرمائی ھے ۔

یادوں کی برات پانچ ابواب پر مشتمل ھے جن میں آخری یعنی پانچویں باب میں فاضل مصنف کے ذاتی اٹھارہ معاشقوں میں آلھ کے تفصیلات بیان کئے گئے ہیں۔ طعن و تشنیع اور نکتہ چینی کا سارا زور اسی باب پر خرچ کیا گیا ھے جس کا مقصد جوش کو مطعون کرنے کے علاوہ اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ کسی معترض نے ان کی صاف گوئی اور حقیقت پسندی کی قدردانی نہیں کی اور نہ اس بے تکلفانہ احوال نگاری کا برائے نام بھی اعتراف کیا ۔ بہرحال وہ مقامات جن میں انہوں نے اپنے اور اپنے اسلاف کے بارے میں حالات پیش کئے ہیں اور اپنے چند قابل ذکر احباب اور بعض مخصوص ہستیوں کے تذکرے کئے ہیں۔ صابر کمال صاحب حیدر آبادی کی توجہ کا مرکز ہیں۔ انہوں نے اپنی تالیف 'یادوں کی برات ،کا خصوصی مطالعہ میں ابتدائی چار عنوانات بدستور برقرار رکھے ہیں لیکن اصل کتاب سے اقتباسات اخذ کرکے واقعات کی تفصیلات شامل کرکے اپنی کاوش فکر کو اور زیادہ دلچسپ بنا دیا ھے ۔ ان کو جوش سے قربت اور پرخلوص تعلقات کا شرف حاصل رہا ھے اس لئے ان کو ایسے تفصیلات پیش کرنے میں زحمت بھی نہیں ہوئی اور ہم ان کو باور کرنے پر مجبور بھی نہیں ہیں۔ یہ امر قابل لحاظ ھے کہ انہوں نے اپنی تالیف و تدوین کے ابتدائی نصف حصہ میں اقتباسات پیش کرنے میں زیادہ انہماک سے کام لیا ھے مگر آخری نصف حصہ کتاب میں واقعات و حالات کا وہ گراں قدر ذخیرہ فراہم کردیا ھے جو خود انہیں کے تجربات، معلومات اور تاثرات کا ما حصل ہیں۔ اسی ضمن میں مخالفین کے اعتراضات کے جوابات بھی انتہائی تہذیب اور شائستگی سے پیش کئے ہیں ۔ یہ مقامات بے حد دلچسپ اور کارآمد ہیں اسی آخری حصہ میں جوش کے کچھ خطوط ، کچھ سابقہ اور کچھ حالیہ اور غیرمطبوعہ کلام بھی شامل کردیا گیا ھے۔ فاضل مولف نے تبصرہ کرتے ہوئے جوش کے کلام کی خصوصیات بھی بیان کئے ہیں جن سے ہمارے شاعر اعظم کی فنی عظمت بھی نمایاں ہوتی ھے۔ اس تالیف کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ھے کہ جوش ملیح آبادی نہ صرف ایک عظیم المرتبت شاعر ہیں بلکہ ایک جلیل القدر شخصیت کے بھی مالک ہیں ۔ صابر کمال صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف یادوں کی برات کی وہ قدردانی کی ھے جسکی وہ تصنیف مستحق ھے بلکہ اس طرح اردو زبان و ادب کی بھی ایک قابل لحاظ خدمت انجام دی ھے ۔

* * * *

سعید عارفی

غزل

نہ کوئی ہم سخن و ہم سفر اکیلا ہے
جہاں بھی دیکھئے ہر دیدہ ور اکیلا ہے

کہیں ہے سایہ گیسو نہ سایہ دیوار
غموں کی دھوپ میں ہر اک بشر اکیلا ہے

جو گھر سے نکلا تھا دنیائے آرزو لیکر
وہ تیری چاہ میں اب دربدر اکیلا ہے

ہجوم شوق سے ویرانیوں کے عالم تک
نگاہ اٹھی تو ہر اک نگر اکیلا ہے

تمہارے شہر میں جرم طلب تھا عام مگر
فراز دار پہ میرا ہی سر اکیلا ہے

نہ جانے کسی کے نہ ہونے سے اب یہ عالم ہے
بہت سے لوگ ہیں پھر بھی یہ گھر اکیلا ہے

چھپائے پھرتا ہے خود کو حسیں اداؤں میں
ہجوم ناز میں وہ فتنہ گر اکیلا ہے

* * * * *

عرش ملیسانی

مضطر خیر آبادی

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا پچاس ساٹھ برس پہلے خیرآباد (ضلع سیتاپور) یو-پی ان ہندوستان گیر شخصیات سے بھرا ہوا تھا جس کا ذکر زبان و ادب کی تاریخ میں عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے- خیام الہند ریاض خیر آبادی ، اعتبارالملک سید افتخار حسین مضطر خیر آبادی- وسیم خیر آبادی اور عابد علی کوثر اور جانے کتنی بلند ہستیاں اس اورنگ شعر و ادب کی زینت رہیں اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں ان کے شاگرد اور عقیدت مند پھیلے ہوئے تھے ہندوستان کیا بلکہ ایشیا' میں منطق و فلسفہ کی سب سے بڑی درسگاہ خیر آباد ہی تھا- مولانا فضل امام خیر آبادی علامہ فضل حق اور شمس العلما' علامہ عبدالحق کا نام بھی سر سید احمد اور مولانا محمد علی جوہر کے ذکر کے ساتھ ہی آجاتا ہے - خیر آباد کبھی شریعت اور تصوف کا مخزن تھا - اسے ہندوستان کا مدینۃالاولیا' کہا جاتا تھا - مخدوم سعد سے لیکر حاجی مفت اللہ محدث خیر آبادی اور مقبول میاں تک کیسے کیسے ارباب طریقت و شریعت اسی خیر آباد نے پیدا کئے جن کے ذکر کے اوراق سے آج بھی تاریخ کے اوراق خالی نہیں ہیں -

خیرآباد ہمیشہ سے مایہ ناز شعرا' کا مسکن رہا ہے-ملک الشعرا' الٰہی بخش نازش خیر آبادی علامہ تراب علی نامی خیرآبادی، منشی قدرت حسین، منشی بہاری لال خاوری ، منشی سوہن لال گرامی، حافظ محمد حسین بسمل، بساط شعر و ادب کے وہ کردار تھے جن کی یاد آج بھی چٹکیاں لیتی رہتی ہے اور آخری دور میں ریاض خیر آبادی ، مضطر وسیم اور کوثر مٹے اجڑے خیر آباد کی بہار کا درجہ رکھتے تھے - ریاض اپنی خمریات اور رندانہ شاعری کی بنا' پر خیام اور حافظ سے کسی طرح کم نہیں- کوثر نے بہار اور راجپوتانہ میں کتنے ہی شاگرد اپنی یادگار چھوڑے- وسیم کو فراق گورکھپوری جیسا شاگرد ملا - جس کی شاعری سے ہندوستان کی بساط ادب معطر ہے - اس وقت ہمارا موضوع فخر خیر آباد اعتبارالملک سید افتخار حسین مضطر کی حیات اور ادبی کارنامے اور خدمات ہیں -

مضطر خیر آبادی کے حالات زندگی چند قدیم تذکروں میں کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں - لیکن وہ اتنے سطحی ہیں کہ ان کی شخصیت اور فن پر کوئی روشنی نہیں ڈالتے- اس سلسلے میں دو تین مضامین میری نظر سے گذرے ہیں- ایک تو ماہ نامہ عالمگیر لاہور کے کسی خاص نمبر میں چھپا تھا- پروفیسر حامد حسن قادری مرحوم کا ایک مضمون بہ عنوان اعتبارالملک مع تصویر ماہنامہ ' کیف ، اجمیر ایڈیٹر علی نیازی اکتوبر، سنہ ۱۹۲۷ ع کے شمارہ میں شائع ہوا تھا - علی گڑھ میگزین نے بھی مضطر کی وفات کے کچھ سال بعد مضطر نمبر نکالا تھا -

افتخارالشعرا' اعتبارالملک اقتدار جنگ خان بہادر سید محمد افتخار حسین رضوی خیر آبادی سنہ ۱۲۸۲ ہجری مطابق ۱۸۶۵ عیسوی میں خیر آباد میں پیدا ہوئے تھے - مضطر سید رضوی تھے ان کے آبا' و اجداد عارف و صوفی گزرے ہیں- پردادا سید معشوق علی عارف زمل تھے - ان کے زہد و عرفان کی روایات مشہور ہیں مضطر کے دادا کا نام مولانا سید تفضل حسین تھا اور والد ماجد کا نام حافظ سید احمد حسین تھا جو رسوا' تخلص فرماتے تھے - مضطر کی والدہ بی بی سعیدالنسا' مولانا فضل حق خیر آبادی کی صاحبزادی تھیں- وہ ایک ذی علم خاتون تھیں - حرمان تخلص کرتی تھیں -

مضطر کے بڑے بھائی حافظ محمد حسین بسمل ہزہائی نس نواب ابراہیم علی خان بہادر والئی ٹونک کے استاد تھے - حضرت مضطر کا قیام ٹونک میں بسمل کے زمانے ہی سے تھا - افتخارالشعرا' اعتبارالملک خان بہادر اقتدار جنگ استاد خاص کا خطاب بھی حضرت مضطر مرحوم کو دربار ٹونک ہی سے ملا تھا - ریاست ٹونک سے حضرت مضطر کے تعلقات بہت قدیم تھے- آپ کے دادا مرحوم سفیر ریاست تھے-نواب صاحب ٹونک نے سنہ ۱۸۹۳ ع میں حضرت مضطر کو اودے پور اور میواڑ کا وکیل دربار مقرر کیا تھا - کچھ عرصے تک آپ بنام کوہ آبو راجپوتانہ ایجنسی میں منجانب دربار ٹونک وکیل رہے- بعد وفات بسمل منصب استادی نواب صاحب بہادر ٹونک پر فائز ہوئے - سول جج صدر ٹونک کے عہدہ پر بھی مامور رہے- پھر آپ کے تعلقات ملازمت ریاست گوالیار سے ہوگئے - یہ تعلقات سنہ ۱۹۰۳ ع میں قائم ہوئے تھے - گوالیار میں بھی آپ مختلف عہدوں پر فائز رہے - ابتدا' میں وکیل

دربار گوالیار پھرسپر نٹنڈنٹ کورٹ آف وارڈس کی خدمات انجام دی - بعد میں ڈسٹرکٹ بورڈ مجسٹریٹ اور ڈسٹرکٹ جج شیرپوری کے عہدے پر مامور ہوئے - اس کے بعد صدر لشکر گوالیار میں ڈسٹرکٹ جج و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رہے۔ بعد ازاں سٹی مجسٹریٹ لشکر و سیشن جج گوالیار ہوئے۔ اسی گوالیار کے زمانہ قیام میں جوکم و بیش انیس بیس سال رہا۔ هزهائی‌نس‌نواب صاحب بہادر رامپور نے پرانے تعلقات خاندانی جو مولانا فضل حق اور مولانا عبدالحق کے روابط سے تھے - آپ کی خدمات مہاراجہ صاحب گوالیار نے اپنے یہاں منتقل فرمائی تھیں - کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ رامپور سے گوالیار واپس آگئے - عہدۂ سٹی مجسٹریٹ اور ایڈیشنل ججی گوالیار سے آپ سنہ ۱۹۲۳ ع میں ریٹائر ہوئے - بعد ازاں ریاست بھوپال میں نواب نصراللہ‌خان بہادر کے جوڈیشنل سیکریٹری ہوئے۔ نواب بھوپال کی وفات کے بعد حضرت مضطر کو هزهائی‌نس مہاراجہ هلکر اندور نے اپنے پرسنل اسٹاف میں از راہ قدر شناسی‌ممتاز فرمایا - ریاست اندور میں سلسلہ ملازمت تا وفات قائم رہا - حضرت مضطر کچھ عرصہ سے علیل رہتے تھے۔ خاص شکایت بائیں جانب پیٹ کے اندر ایک سختی کی تھی - دو ماہ کی شدید علالت کے بعد سے ناتوانی بڑھ گئی اور اسی حالت میں اندور سے بغرض علاج گوالیار تشریف لائے -

وهیں ۱۲ - رمضان سنہ ۱۳۴۵ هجری مطابق ۳۱ - مارچ سنہ ۱۹۲۷ ع کا دن گزر کر شب کے ساڑھے نو بجے اس دارفانی سے کوچ کیا اور مزار حضرت با با چھنگا شاہ کے جوار میں زیر قلعہ گوالیار مدفون ہوئے -

مضطر نے ابنی ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے پائی ان کی والدہ بی بی سعیدالنسا ٔ حرمان ایک پڑھی لکھی خاتون تھیں - ان کے کلام میں استادانہ مہارت اور شعری فن کا وہ کمال موجود تھا جو ایک کہنہ مشق اور قادرالکلام استاد میں ہونا چاهئے۔عروض میں حرمان کو دستگاہ حاصل تھی - چنانچہ مضطر نے اپنی ابتدائی مشق سخن میں انہیں سے تلمذ حاصل کیا - حضرت مضطر گیارہ برس کی عمر میں جو پہلی غزل کہی تھی اس کا مطلع حسب ذیل ہے -

ڈھونڈتے هم کیوں دوائے درد دل
تم اگر ہوتے بجائے درد دل

بعد ازاں مضطر اپنے بھائی حافظ محمد حسین بسمل سے اصلاح لینے لگے - جو مرزا غالب کے شاگرد تھے - مگر دونوں کی طبیعتوں میں آگ اور پانی کا سا فرق تھا۔ اس سلسلہ میں سلیم جعفر مرحوم فرماتے ہیں -

” آپ (بسمل خیرآبادی) کے برادر خورد افتخارالشعرا ٔ سید افتخار حسین صاحب مضطر اپنی شاعری کے نوشقی کے زمانہ میں بھی آپ ہی سے مشورہ سخن کیا کرتے تھے - بسمل صاحب کے کلام کا طرہ امتیاز صوفیانہ رنگ کا سوز و گداز اور مضطر صاحب غزل کی معاملہ بندی کے دلدل میں پھنسے ہوئے تھے - اصلاح دیتے ہوئے کئی بار بسمل فرما چکے تھے کہ غزل میں معاملہ بندی پر اگر رنگ ابتذال چھا گیا تو وہ غزل نہیں رہتی۔ بھٹیاروں کی لڑائی ہو جاتی ہے۔ لطیف ابہامات اور اشارات اس کی جان ہیں مگر مضطر اپنی افتاد طبیعت سے مجبور تھے۔ جب غزل لے کر گئے اصلاح کے ساتھ جھڑکیوں سے محروم نہ رہے۔ ایک دن غزل دکھائی جس کے مقطع کا مصرع دوم ہے -

بڑے جلاد ہیں ماں باپ بھائی دیکھنے والے

ابتدا ٔ میں خدا جانے کیا کچھ کہا - مگر جب اس مصرع پر پہنچے تو بسمل کی طبع نازک تاب غضب نہ لا سکی کاغذ کے پرزے پرزے کر ڈالے۔ اور فرمایا میرے سامنے آج سے غزل لے کر نہ آنا - مضطر پر جو کچھ گزری ہوگی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے (ص ۱۰۵--ماهنامہ ' زمانہ ، کانپور - اکتوبر سنہ ۴۵-جلد ۸۵ شمارہ ۴) بعد ازاں مضطر خیر آبادی امیر مینائی کے شاگرد ہوگئے اور اپنی غزلیں اصلاح کے لئے بھیجنے لگے - اس سلسلے میں پروفیسر حامد حسن قادری مرحوم اپنے ایک مضمون ' اعتبار الملک ، میں لکھتے ہیں -

” آپ نے اپنی ایک غزل امیر مینائی کے پاس بغرض اصلاح بھیجی اس غزل کا مطلع یہ ہے-،،

داغ ہیں سینکڑوں پنہاں دل میں
طرفہ پھولا ہے گلستاں دل میں

حضرت امیر نے مصرع اول کو یوں بنا یا -

سینکڑوں داغ ہیں پنہاں دل میں -

صرف ایک ہی مصرع میں مذکورہ بالا اصلاح ہوئی - حضرت مضطر نے پھر ایک اور غزل اصلاح کے لئے بھیجی - حضرت امیر نے غزل واپس فرما کر فرمایا کہ آپ کے کلام میں اصلاح کی حاجت نہیں - تم فقیر امیر کا نام روشن کروگے -

(رسالہ کیف اجمیر اکتوبر سنہ ۱۹۱۶)

مضطر ریاض خیرآبادی کے هم وطن اور هم عصر ہیں - سب سے بڑی بات یہ ہے دونوں کے استاد امیر مینائی ہیں - ریاض کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ کسی دوسرے کے نصیب میں نہیں آیا - ریاض کی مقبولیت میں ان کی شعری زندگی کے علاوہ ان کے صحافتی کارناموں کو بڑا دخل ہے - فتنہ و عطرفتنہ ریاض‌الاخبار تار برق صلح گل اور گلکدہ ریاض صحافت کے وہ

تاریخی نمونے ہیں جس کو کسی تحقیق و تنقید کے دور میں فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔ مضطر اپنی زندگی میں جاہ و ثروت کے لحاظ سے ریاض سے بہت آگے تھے لیکن مرنے کے بعد انکا نام سننے میں بھی نہیں آیا ۔

مضطر کی شاعری زیادہ تر زندگی کے افسردہ نغموں سے بھری ہوئی ہے ۔ مضطر کی غزل حسب حال واردات قلبی ہے اور اس میں مبالغہ کے عناصر بہت کم پائے جاتے ہیں ۔ معشوق سے شاعر وہی کچھ کہتا ہے جو اسکے قلب پر گذرتی ہے اس سے التجا ضرور کی جاتی ہے لیکن افسردانہ اور باآثر ڈھنگ سے ۔

حالات کا نقشہ ہو بہو اثر پذیرائی کا باعث ہوتا ہے ۔ مضطر نے اپنی غزلوں میں ایسا لہجہ اختیار کیا ہے جس سے معشوق کا دل پسیج جاتا ہے ۔ مضطر کے کلام کی ایک جھلک جسکی اضطراب انگیزی اور احساس غم کی حدیں آخری تاجدار ہند بہادر شاہ ظفر کے مصائب جلا وطنی سے مل جاتی ہیں اور وہ بھی اسطرح کہ اس مشہور و مقبول غزل کے متعلق عوام کا تو ذکر ہی کیا خواص کے علم الیقین نے بھی دھوکا کھایا اور اسے بہادر شاہ ظفر کے ایام جلا وطنی کی آپ بیتی سمجھکر اپنے دل کی گہرائیوں میں اتارلیا مضطر کی یہ غزل جسکا شعر ہے —

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام آ نہ سکے وہ ایک مشت غبار ہوں

بہادر شاہ کے نام سے مشہور ہوئی ۔ اس غزل کے سلسلے میں نادم سیتاپوری تحریر فرماتے ہیں ۔

" بہادر شاہ ظفر کے مصنف امیر احمد علوی نے بھی یہ اشعار اپنی کتاب میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شعر بھی قید رنگوں کی یادگار ہیں ۔ اور جذبات کی صحیح ترجمانی ہے ۔ میں بھی اس غزل کو ظفر کی تخلیق سمجھتا تھا لیکن ایک دن شاعری کے اسلوب اور طرز ادا کے موضوع پر گفتگو کے دوران جناب کوثر چاندپوری نے بتایا کہ یہ غزل ظفر کی نہیں ہے مضطر خیرآبادی کی ہے ۔ چنانچہ میں نے مزید اطمینان کے لئے جان نثار اختر صاحب سے اس سلسلے میں معلومات کی ۔ موصوف نے کوثر چاندپوری کی تائید کرتے ہوئے لکھا کہ غزل مضطر کی ہے ظفر کی نہیں ان کے نام سے غلط طور پر منسوب ہے علاوہ ازیں وہ اشعار بھی لکھ بھیج دئے جو انہیں زبانی یاد تھے ۔ چونکہ مختلف کتابوں میں اس غزل کے اشعار میں جا بجا لفظی اختلافات ہیں ۔ اس لئے اس کو صحیح اور اصلی صورت میں یہاں نقل کردینا چاہتا ہوں ۔ صحیح غزل ملاحظہ ہو ۔

نہ کسی کے آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں
میں نہیں ہوں نغمہ جانفزا مجھے سن کے کوئی کرے گا کیا
میں بڑے بروگ کی ہوں صدا میں بڑے دکھئے کی پکار ہوں
مرا رنگ و روپ بگڑ گیا مرا بخت مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصل بہار ہوں
پڑھنے فاتحہ کوئی آئے کیوں کوئی مجھ پہ پھول چڑھائے کیوں
کوئی شمع لاکے جلائے کیوں کہ میں بے کسی کا مزار ہوں
میں زمین کی پیٹھ کا بوجھ ہوں میں فلک کے دل کا غبار ہوں
نہ میں مضطر ان کا حبیب ہوں نہ میں مضطر ان کا رقیب ہوں
جو بگڑ گیا وہ نصیب ہوں جو اجڑ گیا وہ دیار ہوں

(ماہنامہ مجلس لاہور ستمبر اکتوبر ۱۹۶۴)

ایک مرتبہ مضطر کسی بات پر ناراض ہو گئے انہوں نے ٹونک سے ترک اقامت کا ارادہ کیا اور نواب صاحب کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کردیا۔ یہ استعفا بھی منظوم تھا۔ اس کی حیثیت آج ایک دستاویز کی ہے۔ رسالہ سہیل علیگڑھ سے جان نثار اختر کے نوٹ کے ساتھ اس استعفا کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔ جاں نثار اختر لکھتے ہیں ۔

ایک دفعہ لوگوں نے مضطر کی طرف سے نواب صاحب کے خیالات خراب کرنا شروع کئے اور نواب صاحب مرحوم نے بھی کشیدگی کا اظہار کیا تو مضطر نے نہایت استغنا کے ساتھ ملازمت سے استعفا دیدیا۔ نواب صاحب نے استعفا نا منظور فرمایا اور آپ کو جانے نہ دیا۔ یہ استعفا منظوم سے کہیں کہیں سے اس کے اشعار نقل کرتا ہوں ۔

عالی جناب دیدۂ حق بیں ذرا ادھر
پہچان لینگے آپ تماشا نہیں ہوں میں
خاص ایک ہی طریق سے پشتیں گزار دیں
اب تک کسی نگاہ سے اترا نہیں ہوں میں
میرے ہنر بھی عیب بنے میرے واسطے
اچھا ہوں شاید اس لئے اچھا نہیں ہوں میں
مشکوک بنکے رہنے کی عادت نہیں پڑی
میں اس طرح سے ہوں بھی تو گویا نہیں ہوں میں
وہ دن تو اب کہاں کہ جو آ کر گزر گئے
کیا دیکھتا نہیں کہ سمجھتا نہیں ہوں میں
خشنودی مزاج مبارک کی چاہ ہے
واللہ روزگار کا بھوکا نہیں ہوں میں
جب آپ بد گماں ہیں تو رہنا فضول ہے
سمجھیں برا جب آپ تو اچھا نہیں ہوں میں

آزاد کیجئے کہ اڑوں مثل بوئے گل
کھٹکوں کسی نظر میں وہ کانٹا نہیں ہوں میں

ہر حال میں رہے گا تعلق حضور سے
جھٹکے سے ٹوٹ جائے وہ رشتہ نہیں ہوں میں

رخصت کی نذر دینے کو صرف ہے دعائے دل
اس کے سوا کچھ اور تو رکھتا نہیں ہوں میں

سب کچھ ہوں میرے واسطے سب کچھ ہے ہر جگہ
پہلے میں کیا نہیں تھا اور اب کیا نہیں ہوں میں

(سہیل صفحہ ۱۴۳ و ۱۴۴)

جب نواب ابراہیم علی خاں بہادر کا سکہ رائج ہونے لگا تو نواب صاحب کی فرمائش پر مضطر نے ذیل کا شعر کہا تھا جو روپیہ پر کندہ کیا جاتا تھا۔

مبارک سکہ زد از فضل یزداں
رئیس ٹونک ابراہیم علی خاں

یہ شعر سکے کے پہلے رخ پر تھا اور ذیل کی عبارت دوسرے رخ پر نقش تھی۔

" عہد سلطنت ملکہ معظمہ انگلستان و قیصر ہند "

مضطر کو دربار ٹونک سے جب افتخارالشعراء اعتبارالملک کا خطاب عطا ہوا تھا تو آپ نے بطور اظہار تشکر ذیل کا شعر کہا تھا۔

بنایا اعتبار الملک مضطر
عنایت ہے خلیل قدرداں کی

مضطر کے قیام ٹونک کے زمانے میں ریاض الاخبار اور اودھ پنچ وغیرہ میں مرزا داغ دھلوی کے کلام پر کچھ اعتراضات ہوئے کسی نے حضرت داغ سے کہہ دیا کہ فلاں فلاں اعتراض مضطر نے کیا ہے۔ مرزا صاحب کی طبع نازک پر یہ بات بہت ناگوار گزری۔ انہوں نے مولانا احسن مارہروی کو لکھا۔

" مضطر صاحب ٹونک کے ملک الشعراء ہوئے ہیں مگر ملک ماں لے یہ بڑی شرط ہے۔ وہ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ ان کی طرح میں مجھ سے غزل کہلواتے ہیں۔ یہ تو لڑکا ہے ان کا بڑا بھائی بھی لڑکا تھا۔ رام پور کو میں نے اسکی شادی میں سعی کی تھی اور اس نے اپنے کلام کی اصلاح بھی لی تھی۔ اس کو تو میں جانتا ہوں نہیں۔ بچوں کی بات کا کیا جواب دوں۔

مدتے باید کہ یار آید کنار

ایک اور خط میں لکھتے ہیں۔

میں پہلے لکھ چکا ہوں ٹونک کی طرح میں ہرگز غزل نہیں لکھوں گا۔ وہ لڑکا رئیس کا استاد بن کر میرے اشعار پر اعتراض کرتا ہے حالانکہ ان کے بھائی نے رامپور میں مجھ سے اصلاح لی ہے۔

" آپ اپنے گلدستہ کی رونق انہیں کے گلدستے سے بڑھائیے یہاں کوئی غزل نہیں۔ "

مضطر کو جب حضرت داغ کی ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً نیک دلی کے ساتھ مولانا احسن مارہروی کو لکھا کہ میری طرف سے حضرت کو لکھ دیں کہ۔

"بوجہ بالخصوص بواسطہ اتحاد ادیر منزل مولانا شمس العلماء عبدالحسن صاحب اپنا واجب التعظیم اور بزرگ جانتا ہوں اور پھر ذیل کا شعر بھی داغ کی خدمت میں بھجوایا۔

عدو کے کہنے سے مجھ کو عدو شمار کیا
حضور آپ نے اچھے کا اعتبار کیا

(انشائے داغ)

* * * * *

کے - صلاح الدین :

آج کی تہذیب کی علامت ۔ چائے

آپ تو جانتے ھیں ۔ سگریٹ کا استعمال اتنا عام نہیں جتنا کہ چائے کا ۔ کبھی کوئی اپنے چھوٹوں کو سگریٹ نہیں پیش کریگا لیکن چائے .... چائے تو آپ اپنے ایک سالہ بچے کو بھی بلا جھجک پلاتے ھیں ۔ کیا اسی طرح سگریٹ پلانے کی آپ جرأت کرسکیں گے ؟ نہیں نا ۔ اور نہیں بھی کرنا چاھیئے ۔

چائے......... کتنوں کی بے قراری کا قرار ۔ کتنوں کی کاھلی کا علاج ، کتنوں کی کند ذھنی کی محرک .... صرف ایک چائے ھے ——— تصور کیجئے آپ کام کرتے کرتے تھک گئے ھیں ۔ جسم تھکان کے باعث چور چور ھورھا ھے ۔ اسی حالت میں کوئی آپ کے سامنے چائے کی ایک گرم گرم پیالی رکھدے جو اپنی خوشگوار بو ، سے ساحول کو معطر کررھی ھے تو آپ پر اس کا کیا رد عمل ھوگا ۔ یہی نا کہ آپ کا ھاتھ لا شعوری طور پر پیالی کی جانب بڑھے گا اور پیالی آپ کے ھونٹوں سے ٹکرائیگی ۔ پہلا ھی گھونٹ آپ کے حلق سے نیچے اترا اور آپکی آنکھیں کھل سی گئیں ۔ ذھن جو دھند اور گرد کے پردے میں لپٹا ھوا تھا چمک اٹھیگا ، دھند اور گرد چھٹ جائیگی ۔ اور آپ اپنے اندر ایک نئی پھرتی ، چستی اور کام کا ولولہ محسوس کرنے لگینگے ، اور جس کام سے آپ پہلو تہی کررھے تھے اسے انہاک سے انجام دینگے ۔ یہ صرف ایک پیالی چائے کا کرشمہ ھے ۔

جب بھی چائے کا ذکر آتا ھے میرے ذھن میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تصویر گھومنے لگتی ھے ۔ مولانا آزاد نے اردو ادب میں چائے کو وھی مقام بخشا ھے جو ریاض خیرآبادی نے شراب کو دیا تھا ۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ مولانا آزاد چائے کی برائی سے نا آشنا تھے اور اسے سراھتے تھے ۔ لیکن کس عمدگی سے اپنی اس '' خود ساختہ عادت اور غلطی '' کو نباھتے ھیں ۔ انہی کی زبانی سنئے ۔

'' یہ تمام خود ساختہ عادتیں بلا شبہ زندگی کی غلطیوں میں داخل ھیں لیکن کیا کہوں ، جب کبھی معاملہ کے اس پہلو پر غور کیا طبیعت اس پر مطمئن نہ ھو سکی کہ زندگی کو غلطیوں سے یکسر معصوم بنا دیا جائے ۔ ایسا معلوم ھوتا ھے کہ اس روزگار خراب میں زندگی بنائے رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ غلطیاں بھی کرنی چاھیئے ۔ ''

سچ بتائیے اس وقت مولانا کی اس جادو بیانی نے وھی مزہ دیا جو شدید ضرورت کے وقت ایک پیالی گرم گرم چائے دے جاتی ھے ۔

صرف چائے ھی دنیا کا وہ واحد اور انتہائی سستا مشروب ھے جس سے ھر چھوٹا بڑا نہ صرف واقف ھے بلکہ استعمال بھی کرتا ھے ۔ لیکن یہ ھمیشہ سے اتنا ھی سستی نہیں رھی ھے جتنی کہ اب ھے ۔ ابتدا میں بیچارے غریب اس کے استعمال کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے ۔ صرف تین سو سال قبل اسکی قیمت ڈیڑھ سو روپے فی پونڈ تھی ۔ اور اتنی قیمتی شئے کا استعمال اور غریب کریں ؟ کیا یہ ممکن ھے ؟ ۔

چین اور جاپان میں چائے کی کاشت زمانہ قدیم سے ھورھی ھے اور کوئی ڈیڑھ سو سال قبل ان ھی ممالک میں سب ممالک سے زیادہ چائے استعمال کی جاتی تھی ۔ صرف ایک سو سال پہلے تک چائے کی حد تک یورپ ، چین کا محتاج تھا — دنیا کے بیشتر ممالک اس بات کے دعوی دار ھیں کہ چائے ھمارے ملک کا پودا ھے ۔ لیکن ان سب میں سر فہرست چین ھے ۔ اور وہ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں بڑی دلچسپ کہانی گھڑ کے پیش کرتا ھے ۔ کہانی چونکہ دلچسپ ھے اس لئے میں بھی بیان کررھا ھوں ۔

وہ کہتے ھیں '' تقریباً ۲۷۳۷ قبل مسیح میں اس کا آغاز چین میں ھوا جبکہ وھاں ''شن ننگ'' بادشاہ کی حکومت تھی ۔ وہ ایک توضعیفی کی وجہ سے دوسرے شکی مزاج ھونے کے باعث اپنے پینے کے لئے پانی خود ابال لیا کرتا تھا ۔ اس خیال سے کہ کوئی گرم کرتے وقت زھر نہ ملادے ۔ ایک دفعہ وہ روزکی طرح پانی گرم کررھا تھا اور اس کا ایک غلام پاس ھی کھڑاتھا ، شن ننگ نے چولھے میں لگانے کے لئے اس سے ایک لکڑی مانگی غلام نے لکڑی دے دی ۔ لیکن ایسا کرنے وقت اس خشک لکڑی کے کچھ پتے پانی میں گرگئے جس کی وجہ سے اس پانی کا

رنگ سرخی مائل ہونے لگا ۔ اور یہ دیکھ کے پانی کے ساتھ ''شن ننگ،، بھی غصہ سے لال ہونے لگا ۔ اس سے پہلے کہ وہ اس غلام کو موت کی سزا دے پانی میں سے بڑی خوش گوار اور بھینی بھینی خوشبو اٹھنے لگی ۔ اور شن ننگ کو مسحور کرنے لگی اس نے اسی عالم کیف و سرور میں غلام کو یہ پانی پینے کا حکم دیا ۔ غلام پینا تو نہیں چاہتا تھا مگر اسے پینا پڑا ۔ اس نے محسوس کیا کہ مزہ بھی اچھا ہے اور وہ بے ضرر بھی ہے ۔ اور شن ننگ کو بھی جب یقین ہو گیا کہ یہ پتیاں نہ صرف بےضرر ہیں بلکہ خوش ذائقہ بھی ہیں تو اس نے اس کا استعمال جاری کر دیا اور اس طرح چین میں چائے کے استعمال کا آغاز ہوا ،، خواہ چینیوں کا یہ دعوی صحیح ہو یا غلط مگر یہ حقیقت ہے کہ انگلستان والے چائے کے نام سے چار سو سال قبل ایک سیاح کرسٹیفر بارز کی بدولت واقف ہوئے لیکن اسے ایک مشروب کی حیثیت سے نہیں بلکہ بطور دوا کے استعمال کرتے تھے ۔ اور پتہ نہیں ان کے دماغوں میں یہ بات کسطرح گھر کر گئی تھی کہ چائے ہر مرض کی دوا ہے ۔ اسی لئے انہوں نے زکام سردی ، نزلہ اور انفلوئنزا اور نمونیہ وغیرہ میں اس کو بہت زیادہ استعمال کیا ۔

لنکا میں چائے کی کاشت بڑے دلچسپ انداز میں شروع ہوئی ۔ لنکا والے پہلے پہل کافی کی کاشت کرنا چاہتے تھے مگر کافی نے جب لنکا کی زمین میں بار پانے سے انکار کردیا تو انہوں نے '' تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی ،، پر عمل پیرا ہو کر چائے کی کاشت کرنے لگے ۔ اسکے بعد ہی جاوا ، سماٹرا ، اور بر اعظم ایشیا کے دوسرے ممالک چائے کے عالمگیر اثر سے محفوظ نہ رہ سکے ۔ سنہ ۱۹۰۳ ع افریقہ کی تاریخ میں اسلئے یادگار رہیگا کہ وہاں اسی سال سے چائے کی کاشت ہونے لگی ۔

الموڑہ ، دارجلنگ ، آسام ، ڈنکزہ ، پالم پور اور نیل گیری کی پہاڑیوں پر چائے کی کاشت اسلئے بکثرت ہوتی ہے کہ وہاں کی آب و ہوا چائے کے لئے سازگار ہے ۔ ہمارے ملک میں نیل گیری اور آسام کی جس چائے کو عمدہ سمجھا جاتا ہے اسکے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کیا تاثرات رکھتے تھے یہ انہی کی زبانی سنئے ۔

''عام طور پر یہ لوگ خاص طرح کی پتی کو جو ہندوستان اور سیلون میں پیدا ہوتی ہے سمجھتے ہیں چائے ہے اور پھر اسکی مختلف قسمیں کرکے ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں اور اس ترجیح کے بارے میں باہم رد و کد کرتے ہیں ۔ ایک گروہ کہتا ہے سیلون کی چائے بہتر ہے دوسرا گروہ کہتا ہے دارجلنگ کی بہتر ہے ۔ گویا یہ بھی وہ معاملہ ہوا کہ

در رہ عشق نہ شد کس بر یقین محرم راز
ہرکسے بر حسب فہم گمانے دارد

حالانکہ ان فریب خوردگان رنگ و بو کو کون سمجھائے کہ جس چیز پر جھگڑ رہے ہیں وہ سرے سے چائے ہے ہی نہیں ۔ ،،

آج کل ہمارے ملک میں بہتری قسم کی چائے کی کاشت ہورہی ہے اور چائے کی جھاڑی کیلئے گرم مرطوب آب و ہوا ضروری ہے ۔ اس جھاڑی کو اگر وقفہ وقفہ سے تراشا نہ گیا تو چالیس فٹ تک جا کر درخت کی صورت اختیار کر لیتی ہے ۔ اس لئے اسے تین چار فٹ سے زیادہ اونچا ہونے نہیں دیا جاتا ۔ اسے تراشتے رہنے سے اسکی ڈالیوں پر ملائم اور نئی نئی کونپلیں پھوٹتی رہتی ہیں جسے قسم اور خاصیت کے لحاظ سے عمدہ اور قسم اول کی چائے سمجھا جاتا ہے اس سے نچلے کی قسم دوم اور آخر کی قسم سوم میں آتی ہے ۔ ہندوستانی چائے کے باغات میں بہ نسبت چین کے ایک سال میں کئی مرتبہ پتیاں توڑی جاتی ہیں جو مناسب نہیں ہے ۔

ہم جو چائے استعمال کرتے ہیں اسے براہ راست ڈبوں میں بند نہیں کرایا جاتا بلکہ درخت سے ٹوٹنے کے بعد کئی مدارج سے گزر کر چائے ہم تک پہنچتی ہے ۔ سب سے پہلے جو طریقہ بروئے کار لایا جاتا ہے اسے مرجھانا (Wilthering) کہتے ہیں ۔ اس میں چائے کی تازہ اور سبز پتیوں کو مرجھانے کے لئے فرش پر ڈیڑھ دن کے لئے پھیلا دیا جاتا ہے اس کے بعد انہیں ہاتھوں سے ملتے ہیں جسے (Ralling) کہتے ہیں (ہاتھوں کی جگہ اب مشینوں نے لے لی ہے) اس عمل سے پتیاں ٹوٹ ٹوٹ کر ایک دوسرے سے مل جاتی ہیں ۔ ایسا کرنے کے بعد ان لپٹی ہوئی پتیوں کو سمینٹ کے فرش پر بچھا دیا جاتا ہے اور کافی ہوا اور ۸۰ درجہ فارن ہیٹ حرارت پہنچائی جاتی ہے ۔ اس عمل کو تخمیر (Fermentation) کا نام دیا گیا ہے ۔ چند گھنٹوں کے تخمیری عمل سے پتیوں کا رنگ بدل کر تانبے جیسا ہو جاتا ہے اور خوشبو لطیف اور خوشگوار ہو جاتی ہے ۔

تخمیر شدہ پتیوں میں سے مشینوں کے ذریعہ ۲۲۰ درجہ فارن ہیٹ گرم ہوا گذاری جاتی ہے جس سے صرف آدھے گھنٹہ میں پتیاں سوکھ کر بھربھری ہوجاتی ہیں ، ان مدارج سے گذرنے کے بعد کالی چائے تیار ہوتی ہے ۔ لیکن سبز چائے جیسے وائٹ جاسمین کہتے ہیں کیلئے دوسرا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اور اس قیمتی چائے کی ابتنوں کی زیادہ کھپت ہمارے دوست ملک روس میں ہوتی ہے ۔

چائے کی خوشبو اور ذائقہ کا تمام تر انحصار ایک خاص قسم کے تیل اور مرکب پر ہے جسے کیفین (Coffine) کہتے ہیں ۔ ہم روزانہ دودھ کی اور بغیر دودھ کی (Dbeocsion چائے پیتے ہیں اسکے بارے میں ابوالکلام آزاد فرماتے تھے کہ

'' وہ چینی چائے جس کا عادی تھا کئی دن ہوئے ختم ہو گئی اور احمد نگر اور پونا کے بازاروں میں کوئی اس جنس گرانما یہ سے آشنا نہیں — مجبوراً ہندوستان کی اسی سیاہ پتی کا جوشاندہ پی رہا ہوں جسے تعبیر و تسمیہ کے اس قاعدے کے بموجب کہ برعکس نہندنام زنگی کافور لوگ چائے کے نام سے پکارتے ہیں ،، اب دودھ کی چائے کے بارے میں کیا فرماتے ہیں یہ بھی سنئے -

'' چائے چین کی پیداوار ہے . . . . . . لیکن وہاں کبھی کسی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں گذری کہ اس جوہر لطیف کو دودھ کی کثافت سے آلودہ کیا جاسکتا ہے جن جن ملکوں میں چین سے براہ راست گئی مثلاً روس، ترکستان ایران وہاں بھی کسی کو یہ خیال نہیں گزرا مگر سترھویں صدی میں جب انگریز اس سے آشنا ہوئے تو نہیں معلوم ان لوگوں کو کیا سوجھی انہوں نے دودھ ملانے کی بدعت ایجاد کی اور چونکہ ہندوستان میں چائے کا رواج انہی کے ذریعہ ہوا اس لئے یہ بدعت سیہ یہاں بھی پھیل گئی - رفتہ رفتہ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ لوگ چائے میں دودھ ڈالنے کی جگہ دودھ میں چائے ڈالنے لگے -

بنیاد ظلم درجہاں اندک بود ہر کہ آمدبرآں مزید کرد،

اب انگریز تو یہ کہکر الگ ہوگئے کہ زیادہ دودھ نہیں ڈالنا چاہئے لیکن ان کی تخم فساد نے جو برگ و بار پھیلائے ہیں انہیں کون چھانٹ سکتا ہے ؟ لوگ چائے کی جگہ ایک طرح کا سیال حلوا بناتے ہیں کھانے کی جگہ پیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے چائے پی لی - ان نادانوں سے کون کہے کہ

ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں — ،،

مولانا اگر تبت والوں کی چائے دیکھتے تو شائد چائے پینا ہی چھوڑ دیتے یا اسے '' مقوی کیچڑ ،، وغیرہ جیسا نام دے کر دل کا غبار نکالنے پر مجبور ہوتے - کیونکہ تبت والے چائے میں بالائی، مکھن، نمک اور دوسری چیزیں ملاتے ہیں جس کی وجہ سے چائے کافی گاڑھی ہوجاتی ہے -

* * * * *

(ڈسپلن سے قوم طاقتور بنتی ہے)

واحد پریمی

ہمارے ہی دم سے ہے

ہر پھول پر نکھار ہمارے ہی دم سے ہے
رنگینئ بہار ہمارے ہی دم سے ہے

ہم نے ہی اپنے خون سے سینچی ہے یہ زمین
ہر ذرہ لالہ زار ہمارے ہی دم سے ہے

زلف غم حیات کو سلجھا رہے ہیں ہم
کونین کا سنگھار ہمارے ہی دم سے ہے

وہ ہم ہیں جن سے عظمت دیوانگی ہے آج
رنگین بزم دار ہمارے ہی دم سے ہے

ہم رازدار عشق ، پرستار حسن ہیں
روشن دیار یار ہمارے ہی دم سے ہے

ہم ہی سے موت وزیست کے واحد ہیں سلسلے
تنظیم روزگار ہمارے ہی دم سے ہے

* * * * *

رياض الانصاری

خاندانی شاعر ۔ (جان نثار اختر)

سید جان نثار حسین (جان نثار اختر) کو شعری ذوق و ادبی شعور اپنے گھر سے ورثہ میں ملا تھا۔ ان کا گھرانا شمالی یو۔پی کا وہ مردم خیز مشہور معروف قصبہ ''خیرآباد ،، کا خاندان ہے۔ جس سے ہندوستان کی علمی تاریخ اور سنہ ۱۸۵۷ء کی انقلابی داستان وابستہ ہے۔ اس خاندان نے فضل حق جیسے جانباز مجاھد کو پیدا کیا جو علوم معقولات کا پیشوا اور ادبیات کا رھنما تسلیم کیا گیا حکمت و فلسفہ ان کے گھر کی لونڈی اور علم و ادب ان کے خدام تھے۔ علامہ فضل حق خیرآبادی مرزا غالب کے گہرے دوستوں میں تھے آپ نے غالب کے فن کی نشو و نما اور ارتقا میں بڑا ھاتھ بٹایا۔ اگر مولانا محمد حسین آزاد ، مولانا حالی ، ڈاکٹر محی الدین قادری زور ، مالک رام اور نادم سیتا پوری وغیرھم کے خیالات کو جو انہوں نے علامہ کے متعلق ظاھر فرمائے ھیں ۔ سامنے رکھکر یہ کہا جائے کہ مرزا غالب کے اپنے تمام ھمعصروں پر غالب ھونے کا سہرا علامہ کے سر ھے تو بیجا نہ ھوگا۔

علامہ سخن فہمی اور پاکیزہ ذوق میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے آپ کے حقیقی بڑے بھائی عظیم خیرآبادی فارسی گو شاعر تھے ۔

بیزم دوش رخش داد دلبری میداد
فرشتہ یا خستہ دل بود جاں پری میداد
دراں زماں کہ ز آفت نبودنام باختہ نشاں
نگاہ او خبر از فتنہ گستری میداد

ستم نمود بجان من اینکہ شب نگہش
بیزم غیر رواج ستمگری میداد
فدائی شوخی اویم کہ شب مرا ھر بار
قسم بجان خود از بندہ پروری میداد (۱)

اسی طرح آپ کے علاتی بھائی مظفر حسین شوخی خیرآبادی بھی خیرآباد کے ذھین و طباع شاعر تھے ۔ یہ بھی فارسی میں کلام کہتے تھے ۔

دی نالہ ام کہ دم کش آھنگ صوربود
شام فراق خندۂ صبح نشور بود (۲)

جان نثار بھی اسی علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے آپ کے دادا احمد حسین رسوا خیرآباد کے اچھے شاعروں میں تھے گو کہ آپ فن شاعری میں زیادہ مشہور نہ ھوئے تاھم اعلی درجہ کا مذاق رکھتے تھے ۔

جان نثار کی دادی (جو علامہ فضل حق خیرآبادی کی دختر نیک اختر تھیں) جن کا نام بی بی سعیدالنسا' تھا، تخلص حرماں فرماتی تھیں ۔ آپ عالمہ و فاضلہ اور فارغ التحصیلہ ھونے کے علاوہ ایک با کمال شاعرہ تھیں۔ اس فن لطیف سے انکو فطری لگاؤ تھا۔ ادبی ذوق والد بزرگوار حضرت علامہ سے ملا تھا ۔ جو عربی و فارسی اور اردو (۳) کے بہترین شاعر تھے ۔

حرماں کو ذھانت و فطانت خدا نے غضب کی عنایت کی تھی ان کے برادر حقیقی علامہ عبدالحق خیرآبادی (پرنسپل مدرسہ

---

(۱) تذکرہ شمع انجمن صفحہ ۳۲۸ مولفہ نواب صدیق حسن بھوپالی ۔

(۲) خیرآباد کی ایک جھلک صفحہ ۸۷ مرتبہ مفتی نجم الحسن رضوی خیرآبادی ۔

(۳) علامہ فضل حق بالخصوص عربی و فارسی کے شاعر تھے" تذکرہ نویسوں نے چار ہزار اشعار سے زائد کی طرف رھنمائی کی ھے۔ ''نظمش زائد بر چہار ہزار اشعار خواھد بود ،، (تذکرہ علما' ھند صفحہ ۱۶۳ سولفہ مولوی رحمن علی) اس موقع پر علامہ کے دو شعر اردو کے پیش کردینا بے محل نہ ھوگا یہ اشعار انکی اس ذھنیت ، اور فکر و احساس پر غمازی کررھے ھیں جسکی وجہ سے انہوں نے گھر بار آل و اولاد کو چھوڑ کر جزیرۂ انڈمان (کالے پانی) جانا گوارا کیا اور حصول آزادی کے لئے جان کی بازی لگادی ۔

وطن کی غلامی کرے جو گوارا * وہ انسان دشمن مسلماں نہیں
ھے کمزور ایماں چھرے سے جسکی * عناد فرنگی نمایاں نہیں ھے
کتاب '' جانے پہچانے اور وہ * جنھیں کوئی جانتا نہیں ھے ،، صفحہ ۱۶۳
مولفہ علامہ انور صابری

عالیه رامپور) فرمایا کرتے تھے کہ '' خدا کا لاکھ لاکھ شکر و احسان کہ بی بی سعیدالنساء مرد نہ ہوئیں ورنہ ان کے سامنے میری کوئی وقعت نہ رہتی ،، ۔

سخن فہمی و سخن سنجی میں اعلی درجہ کا مذاق رکھتی تھیں ۔ آپ کے کلام میں کہنہ مشقی ، قادرالکلامی اور استادانہ شان جھلکتی ہے ۔ جاں نثار کے والد و تایا (مضطر و بسمل) دونوں نے اپنی والدہ (حرمان) ہی کے زیر سایہ رہکر ابتدائی مشق سخن جاری کی ۔ حرمان کے اشعار زینت خانہ ہی رہے ۔ زینت محفل نہ بن سکے وہ اکثر فرمایا کرتی تھیں '' میں پردے میں میرے اشعار پردے میں ،، اسی وجہ سے ان کے اشعار زیادہ منظرعام پر نہ آسکے تاہم انکے ادبی ذوق و فنی شعور کا اندازہ ان اشعار سے لگایا جاسکتا ہے جو مفتی نجم الحسن رضوی خیرآبادی نے اپنی کتاب '' خیرآباد کی ایک جھلک ،، میں تحریر فرمایا ہے ۔

درد دل درد جگرکاوش دل کا ہش جاں
اتنے آزار ہیں اور ایک کلیجہ میرا

مری برگشتی بخت کو لکھتے لکھتے
آخرش کاتب اعمال کو چکر آیا

خانہ یار کا کیا تمکو پتہ بتلاؤں
جیسا مشتاق ہو نزدیک بھی ہے دور بھی ہے

اب لذت زخم جگری پوچھتے ہو کیا
جب تم ہو نمک پاش تو پھر کیوں نہ مزا ہو

جاں نثار کے تایا (مضطر کے بڑے بھائی) مولانا حافظ محمد حسین بسمل مرزا اسداللہ خاں غالب کے شاگرد تھے ۔ انکی سخن شناسی کا ہر شخص مداح و معترف تھا ۔ آپ تصوف و معرفت کی طرف زیادہ مائل تھے ۔ آپ کا بیشتر کلام تصوفانہ رنگ میں ہے ۔ نواب بہادر ٹونک کے عرصہ دراز تک استاد رہے ۔ جب تک بسمل با حیات رہے ، نواب صاحب انہیں سے اصلاح لیتے تھے ۔ اس خاندان کا تعلق ریاست ٹونک سے بہت پرانا اور گہرا تھا ۔ محمد حسین بسمل کے دادا ریاست کے سفیر تھے ۔ آپکو آستانہ خواجہ اجمیری سے خاص عقیدت و تعلق تھا ۔ عمر کا بڑا حصہ وہیں گذارا ، آپ کے کلام میں سوز و گداز کی فراوانی ہے ۔ بسمل کا انتقال سنہ ۱۹۰۰ع میں ہوا اور جامع التمش کے عقب میں دفن کئے گئے — نمونہ کلام یہ ہے ۔

کٹے گی رو رو کے رات ہماری تڑپ کے سب دن تمام ہوگا
لگا کے دل یہ خبر کسے تھی کہ ہائے جینا حرام ہوگا

یہ الم یہ صدمہ رنج و غم ولے لب پہ آہ و فغاں نہیں
وہ دہن ہوں جسمیں زباں نہیں وہ زباں ہوں جسمیں بیاں نہیں

وہ نگہ ناز بڑی جد ھر سبھی بزم ہوگئی بے خبر
کوئی خاک برھے تڑپ رہا کسی خستہ جاں میں جاں نہیں

جاں نثار کے والد سید افتخار حسین مضطر نے سنہ ۱۲۸۲ھ مطابق سنہ ۱۸۶۵ع میں اسی علمی گھرانے میں آنکھ کھولی تعلیم گھر پر والدہ کے زیر سایہ رہکر حاصل کی ۔ مضطر فطری شاعرتھے ۔ دس گیارہ ہی برس کی عمر تھی کہ فکر سخن جاری کردی ۔ گیارہ برس کی عمر میں جب انہوں نے اپنی پہلی غزل والدہ حرمان کو بغرض اصلاح دکھائی تو حرمان نے شعر کے معنی و مفہوم کو اپنی جگہ برقرار رکھتے ہوئے مصرعہ اولی کی نشست درست کرکے مصرعہ ثانی میں ترمیم کی اور شعر کو آسمان تک پہنچادیا ۔

مطلع ڈھونڈھتے کیوں ہم دوائے درد دل مضطر
تم اگر ہوتے بجائے درد دل

اصلاح ڈھونڈھتے ہم کیوں دوائے درد دل حرماں
کاش تم ہوتے بجائے درد دل

ثانیاً اصلاح کا سلسلہ بڑے بھائی محمد حسین بسمل سے قائم کیا ، لیکن دونوں کی طبیعتوں میں تضاد تھا ، بسمل معرفت و تصوف کو موضوع بنانے والے تھے اکثر حمد خدا ، نعت رسول اور خواجہ اجمیری کی منقبت میں کلام کہتے تھے ۔ ادھر مضطر ان کے برخلاف بڑی شوخ و چنچل اور پر کیف غزلیں کہنے والے تھے ۔ اسی بنا پر یہ سلسلہ اصلاح سخن زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا ۔

بالاخر مضطر نے امیر مینائی کی طرف رجوع کیا ۔ ان کے آستانہ شعر و سخن کو مضبوطی سے پکڑ لیا ۔ انہیں اپنا استاد تسلیم کرکے شرف تلمذ حاصل کیا ، استاد نے اس جوہر قابل کو پہلی ہی مرتبہ کسوٹی پر رکھکر پرکھ لیا ، ابتداً مضطر نے یکے بعد دیگرے متعدد غزلیں بغرض اصلاح بھیجیں ، لیکن حضرت امیر مینائی نے آخری بار غزل واپس کرتے ہوئے یہ تحریر کیا کہ '' آپ کے کلام کو اصلاح کی حاجت نہیں ہے ،، اور جو دخل دیا گیا ہے وہ امتحاناً ہے تم امیر فقیر کا نام روشن کروگے (۱) ان الفاظ میں جتنی صداقت تھی آج نمایاں ہے ۔ مضطر نے جو نام پیدا کیا ، دنیائے علم و ادب بخوبی واقف ہے ۔ امیر مینائی کے '' چار یار ،، (ریاض ، مضطر ، کوثر ، جلیل) میں سے تین کا تعلق اسی قصبہ خیرآباد سے ہے ۔ انہیں میں سے ایک مضطر بھی ہیں ۔

---

(۱) ضمیمہ قومی آواز ۳۱ ۔ مارچ سنہ ۱۹۷۴ع مضمون '' حضرت مضطر خیر آبادی ،، از جناب فرید بلگرامی ۔

مضطر نے سلاست و روانی ، پختگی و شگفتگی اورکلاسیکل
قسم کے حسن کو جس طرح اپنے البیلے انداز میں پیش کیا ہے،
اسمیں عشق کی وارفتگی درد و غم، سوز و گداز نمایاں ہے۔ مضطر
نے عشق کیا ہے جس کے نتیجے میں دل پر چوٹیں بھی کھانی
پڑیں۔ جن کی آہیں ، صدائیں شعر و نغمہ کے ساز میں ڈھل کر
آگئی ہیں ۔

اک شعبدہ پرداز نے مارا ہے وطن میں
اس رنج میں گھل گھل کے کلیجہ ہوا پانی

اول تو وفا کی مجھے امید دلائی
انجام یہ ٹھہرا کہ دغا دینے کی ٹھانی

انسان کے حق میں ہی دو داغ برے ہیں
اک داغ محبت کا ہے اک داغ جوانی

جیسا کہ بتایا جاچکا ہے، ان کا تعلق ریاست ٹونک سے
آبائی تھا۔ مضطر پہلے ٹونو آبو پر سفیر رہے پھر نیم کھیڑہ پر ناظم ،
اسی دوران محمد حسن بسمل کا انتقال ہوگیا۔ جسکی وجہ سے
نواب بہادر ٹونک نے اصلاح سخن کا کام مضطر کے سپرد کردیا۔
اسی زمانے میں مضطر کو ''افتخارالشعرا'' ،، اعتبار الملک ،
اقتدار جنگ ، خان بہادر ، اور استاد خاص جیسے خطابات سے
نوازا گیا۔ مضطرٹونک سے گوالیار چلے گئے جہاں جج و مجسٹریٹ
کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے ۔ گوالیار سے بھوپال پہنچے جہاں
جنگلات کے سکریٹری مقرر ہوئے بعد ازاں اندور میں محکمہ
جاگیرات کے سپرنٹنڈنٹ رہے ۔ اسی درمیان ادے پور سواڑ کے
و کیل ہوئے نیز سپرنٹنڈنٹ آف وارڈ کے بعد ڈسٹرکٹ جج پھر
سٹی جج وغیرہ اس کے سشن جج وغیرہ مراحل سے گذرے ۔
مضطر کا تعلق محکمہ سیاسیات سے بھی کچھ دنوں رہا ہے ۔

مضطر کی شاعری حسن و عشق کی شاعری بھی وہ اتنے پر گو
شاعر تھے، انہیں فکر و سخن کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ جب چاہا
قلم برداشتہ لکھدیا جب محکمہ عدالت سے متعلق تھے اس وقت
بہت سے مقدمات نظم میں تحریر فرمائے ایک مقدمہ جسکی طرف
''فرید لگرامی ،، نے اشارہ کیا ہے ۔ کئی سو اشعار پر مشتمل ہے۔
اس مقدمہ کی پوری روئداد ان کے پاس موجود بھی ہے، مقدمہ کا
عنوان ''نخلستان آرزو ،، مدعی '' حضرت مضطر ،، مدعی علیہ
''انقلاب جہاں ،، گواہوں میں ، بلبل ، قمری ، انجم ، طوطی ،
فلک وغیرہ شامل ہیں بحث '' ذرہ خاک ،، ہے ۔ یہ سارا مقدمہ
'' تقدیر ،، کی عدالت میں پیش ہوا ہے ۔

مضطر کے کلام سے چند اشعار بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

لگائے سیکڑوں تیر نظر اس نے کلیجہ پر
بس اب چلنے کو تیغ ابروئے خمدار باقی ہے

اڑا کر دھجیاں جیب وگریباں کی نہ تھک جانا
ابھی اے دست وحشت دامن دلدار باقی ہے

نقد جاں جلوۂ جاناں پہ تصدق کردو
تب میں جانوں گا کہ مضطر ہو بڑے دل والے

توڑ کر تختہ مرقد کو نکل آؤں گا
بیکسی نام نہ لینا سر مدفن انکا

اسیر پنجہ عہد شباب کر کے مجھے
کہاں گیا مرا بچپن خراب کر کے مجھے

کسی کے درد محبت نے عمر بھر کے لئے
خدا سے مانگ لیا انتخاب کر کے مجھے

وقت بگڑا تو کوئی حال کا پرساں نہ ہوا
میرا سایہ بھی شریک شب ہجراں نہ ہوا

کہیں جی لگا نہ امنگ میں، کٹی عمر ایک ہی رنگ میں
وہ سحر ہوں جسکی نہ شام ہے وہ ہوں شام جسکی سحر نہیں

جب کسی کو کسی معشوق پر مرتے دیکھا
ہم کو اپنا دل مرحوم بہت یاد آیا

دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بٹھلائے ہمیں جانئے کیا یاد آیا

اے صبا بہر خدا یار سے کہتی جانا
پھر تیرے در پر ترا مضطر برباد آیا

حسن و عشق کی داستان دھرانے والا عالم نزع میں یہ شعر۔

وہ اس دم سامنے ہیں کچھ بیاں دردروں کرلوں
اجل اتنی تو مہلت دے کہ گردن یوں سے یوں کرلوں

کہتا ہوا ۲۱ - مارچ سنہ ۱۹۲۷ع مطابق ۱۶- رمضان
سنہ ۱۳۴۵ھ صبح ساڑھے نو بجے شب کو سوئے عدم چلا گیا ۔

جاں نثار کے والد (مضطر) نے تین شادیاں کی تھیں۔ ہر
ایک بیوی سے ایک شاعر نے جنم لیا ۔ چنانچہ پہلی بیوی سے
سید اعتبارحسین برتر خیرآبادی ہیں۔ جو قصبہ مذکور کے ایک
ہونہار شاعر تھے ان کا یہ شعر ۔

برتر ابھی نہ بولو تو تم سمجھ چکے ہو
جس ناک میں عدو ہے وہ جس کمان پر ہے

بہت مشہور ہے۔ دوسری بیوی سے سید بادشاہ حسین نشتر خیرآبادی
ہیں ۔ یہ بھی خیرآباد کے خوشگو اور خوش فکر شاعر تھے۔ تیسری
بیوی سے سید جاں نثار حسین اختر مرحوم تھے ۔

جاں نثار نے ایسے گھرانے میں جنم لیا ، جہاں ہمیشہ
حسن و عشق کی داستانیں سنی سنائی جاتی رہیں۔ اہل خانہ شعر

و نغمہ کے دلدادہ اور اعلی ادبی ذوق رکھنے والے مسلم الثبوت استاد سخن تھے۔ علامہ فضل حق جنہوں نے غالب کو صحیح فکر و شعور عطا کیا۔ حرمان خیرآبادی جن سے ابتداً بسمل و مضطر نے اصلاح لی۔ بسمل ایک عرصہ تک نواب ٹونک کے استاد رہے اور مضطر جو نواب ٹونک کے استاد ہونے کے علاوہ انہوں نے اپنے تلامذہ کی ایک طویل فہرست یادگار چھوڑی ہے۔ جسکا استقصا بہت دشوار ہے۔

جان نثار کا اس ماحول کے پیش نظر شاعر ہونا فطری تھا۔ ہاں اتنی بات یقیناً تعجب خیز ہے کہ اختر نے حسن و عشق کے گیت ضرور گائے ہیں۔ لیکن انہوں نے اس کا ایک نئے زاویے سے جائزہ لیا ہے۔ اپنے اشعار کو ایک انوکھی دھن۔ اچھوتا ساز، نیا ذہن اور ایک البیلا احساس عطا کیا تاہم خاندانی میراث، آبائی طرز سخن کا پاس و لحاظ بھی از بس ضروری ہی نہیں، بلکہ ان کا فرض تھا۔

ہر چند نیا ذہن دیا ہم نے غزل کو
پر آج بھی دل پاس روایات کرے ہے

جان نثار کا تعلق ترقی پسند تحریک سے تھا وہ اس گروہ کے میر کارواں اور سرخیل تھے انہوں نے شاعری کو نیا شعور اور ادب کو اعلی اقدار کا حامل بنا کر عصری ادب کو شعور و دانش اور لطیف احساسات کا ترجمان بنایا، انکی بالغ نظری، شاعرانہ بصیرت کی گہرائی اور فن کی نئی جمالیاتی جدوجہد نے بہت اونچا اٹھا دیا۔ انہوں نے تجسس، تفکر، بصیرت اور نظر کو بروئے کار لانے کی دعوت دی اور کہا کہ انسانی زندگی کی اساس یہی ہے اس سے تمام تہذیبی پیچیدگیاں دور ہو کر انصاف پسند نظام قائم ہو سکتا ہے۔

یہ تجسس، یہ تفکر، یہ بصیرت، یہ نظر
ذہن میں کرتی ہے وا تاریخ کے عقدے تمام

جان نثار اس شاعری کیطرف اس وقت بڑھے جب ہر طرف سے ترقی پسند تحریک پر یلغار ہو رہی تھی۔ لوگ مذمت اور مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ بعض معاصرین (۱) نے اس تحریک سے تنگ آ کر یہاں تک کہدیا کہ "شاعری افراد و اقوام کیلئے ایک لطیف اور لذیذ غذا تو بن سکتی ہے، جو ان کے ذائقہ کی تشفی کرے اور اسکی عمدگی کو برقرار رکھے۔ لیکن اس سے بیمار اور بوڑھی قوموں کے حق میں " معجون شباب آور "، کا کام لینا میرے نزدیک بہت بڑی زیادتی ہے (۲)

لیکن جان نثار اپنی نئی دھنوں اور سروں سے باز نہیں آئے بلکہ یہ جذبہ روز بروز بڑھتا گیا۔ جب یہ شعلہ پھیلا یلغار اور مخالفت حد سے بڑھی تو بڑے پیارے انداز میں سمجھانے لگے اور اپنی بھولی بسری، گئی گذری زندگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں اپنے غم کا شریک بنا یا۔

زندگی تجھ کو بھلایا ہے بہت دن ہم نے
وقت خوابوں میں گنوایا ہے بہت دن ہم نے

تم بھی اس دل کو دکھالو تو کوئی بات نہیں
اپنا دل آپ دکھایا ہے بہت دن ہم نے

آخر لوگ کبتک ستاتے؟ کہاں تک ناسمجھی کا ثبوت دیتے؟ اب مخالفین بھی ان کی آواز کو ایک دور کی آواز، انکی پکار کو ایک مظلوم عہد کی پکار سمجھنے لگے تھے۔ اب مخالفت کی جگہ الفت و محبت، عناد کی جگہ ہمدردی و غمخواری نے لےلی تھی۔ سبھی مروت و محبت کا برتاؤ کرنے لگے۔

کل کہاں تھی انکی آنکھوں میں مروت اس قدر
آج کیوں کرنے لگے ہم سے محبت اس قدر

جان نثار نے سب کے غم کو اپنا غم سمجھا، دوسروں کے دکھ درد میں برابر کے شریک رہے، ہر ایک سے ہمدردی و غمخواری کے انداز میں عجیب درد انگیز لہجے میں سوال کرتے ہیں۔

تم پہ کیا بیت گئی کچھ تو بتاؤ یارو
میں کوئی غیر نہیں ہوں کہ چھپاؤ یارو

یہی بات ہے کہ جان نثار کی شاعری فکر و احساس کی شاعری ہے ادھادھند کسی ایک سمت چل پڑنے کے عادی نہیں ہیں۔ ہر مرحلہ و منزل اور موڑ پر ذرا دیر رک کر تبادلہ خیال کرنا چاہتے ہیں یہی غور و فکر کرنے کا نظریہ ان کے شعری شعور کا امین ہے۔

یہ کیا ہے بڑھتے چلو بڑھتے چلو آگے
جب بیٹھ کے سوچیں گے تو کچھ بات بنے گی

جان نثار کی یہ غزل جس میں نئے رجحانات، لطیف احساسات، انوکھے میلانات اور حال کی عکاسی نظر آتی ہے۔ نمائندگی کیلئے کافی ہے۔

تم پہ کیا بیت گئی کچھ تو بتاؤ یارو
میں کوئی غیر نہیں ہوں کہ چھپاؤ یارو

ان اندھیروں سے نکلنے کی کوئی راہ کرو
خون دل سے کوئی مشعل ہی جلاؤ یارو

ایک بھی خواب نہ ہو جن میں وہ آنکھیں کیا ہیں
اک نہ اک خواب تو آنکھوں میں بساؤ یارو

---

(۱) اختر شیرانی (۲) میرا نظریہ شعر۔ اخترشیرانی کی ایک ریڈیائی تقریر سے۔

بوجھ دنیا کا اٹھاؤں گا اکیلا کب تک
ہوسکے تم سے تو کچھ ہاتھ بٹاؤ یارو

زندگی یوں تو نہ بانہوں میں چلی آئے گی
غم دوراں کے ذرا ناز اٹھاؤ یارو

عمر بھر قتل ہوا ہوں میں تمہاری خاطر
آخری وقت تو سولی نہ چڑھاؤ یارو

اور کچھ دیر تمہیں دیکھ کے جی لوں ٹہرو
میری بالیں سے ابھی اٹھ کے نہ جاؤ یارو

جاں نثار نے نظم، رباعی، قطعات، ہر ایک پر طبع آزمائی کی اور کامیاب رہے۔ مگر ان کی مخصوص صنف سخن غزل تھی۔ غزل کے فن کو وہ جانتے تھے ۔

ہم سے پوچھو کہ غزل کیا ہے، غزل کا فن کیا
چند لفظوں میں کوئی آگ چھپادی جائے

انہوں نے تہذیب غم عشق کو نبھانے کی بڑی حد تک کوشش ہی نہیں کی بلکہ آخر عمر تک اس کو نبھاتے رہے ۔

اور تہذیب غم عشق نبھادیں کچھ دن
آخری وقت میں کیا اپنے چلن کو بھولیں

شاعر نے پاکیزہ عشق کیا ہے اور اسے بڑی سنجیدگی کے ساتھ چھپانے کی کوشش بھی کی ہے ۔ دوسرے عشاق کی طرح دشت پیمائی، صحرانوردی کو اپنا شیوہ نہیں بنایا بلکہ اس سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے چند کتابوں اور رسالوں کا سہارا لیکر غم غلط کرنے کی طرف رہنمائی کی ہے۔

یہ علم کا سودا، یہ رسالے، یہ کتابیں
اک شخص کی یادوں کو بھلانے کیلئے ہیں

جاں نثار کا یہ قول محض سخن گسترانہ ہی نہیں بلکہ مبنی بر حقیقت ہے واقعی وہ غزل کے مزاج داں تھے ان جیسے مزاج داں اردو ادب کو ملنا بہت مشکل ہے ۔

ہماری قدر کرو اے سخن کے متوالو
غزل کو کل نہ ملیں گے مزاج داں ہم سے

* * * * *

صابر کوسگوی

غزل

آوارہ مسافر کا وطن پوچھ رہے ہیں
لوگوں سے مرا چال و چلن پوچھ رہے ہیں

آجاؤ کہ یادوں کے چمن پوچھ رہے ہیں
پھولوں کو مرے زخم کہن پوچھ رہے ہیں

ارباب چمن خیر گلستاں کی منائیں
ارباب جنوں راہ چمن پوچھ رہے ہیں

فن کار کے ہونٹوں پر ہنسی کھیل رہی ہے
فن کار سے جینے کا یہ فن پوچھ رہے ہیں

لہراؤ کہ زلفوں کو مہک جائے گلستاں
دیوانے ترے مشک ختن پوچھ رہے ہیں

طوفان چلے آتے ہیں غم ناک خبر ہے
کیا دل کو مرے گنگ و جمن پوچھ رہے ہیں

رسوائے زمانہ کہیں صابر تو نہیں ہے
پیشانی پر لا لا کے شکن پوچھ رہے ہیں

* * * * *

غزل

شام سے چراغوں میں روشنی یہ کم کیوں ہے
دفعتاً یہ ویران سی مری چشم نم کیوں ہے

باغبان گلستان میں رقص ابر غم کیوں ہے
مرے آشیانے میں برق کا قدم کیوں ہے

یہ کرم کرم کیا ہے یہ ستم ستم کیوں ہے
مختصر خوشی کیا ہے دائمی الم کیوں ہے

آپ ہی نے بخشی ہے زندگی محبت کی
یہ جنوں سے بیزاری آپ کی قسم کیوں ہے

جل رہے ہیں پروانے آتش محبت میں
سوگوار محفل میں شمع حرم کیوں ہے

خون دل بھی شامل ہے مرے فکر تازہ میں
آئیے دکھا دوں میں خونچکاں قلم کیوں ہے

زندگی حوادث کے موڑ پہ نکھرتی ہے
سوچتا ہوں صابر پہ آپ کا کرم کیوں ہے

* * * * *

شیریں نیازی

ممی

ممی کا چہرہ آج پھر اداس ہے۔

میں دیکھ رہی ہوں ان کی آنکھیں سوجی سوجی ہیں۔ ان کے رخسار زرد زرد ہو رہے ہیں۔ اس وقت میں اپنی ممی کے ساتھ ناشتہ کی میز پر بیٹھی ہوئی ہوں۔ لیکن ممی کچھ بھی نہیں کھا رہی ہیں۔ میرے بہت اصرار پر انہوں نے برفی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر منہ میں رکھ لیا ہے۔

"میں اب نہ کھاؤنگی بے بی۔ تم کھالو،،

"لیکن مجھ سے کچھ نہ کھایا جائے گا،، ممی کا اداس چہرہ دیکھکر میرا جی بھی دکھ گیا۔ ممی کی آواز بھی بھاری بھاری بوجھل بوجھل سی ہے۔ وہ ساری رات روتی رہی ہیں شاید؟ ہاں مجھے ایسا ہی لگ رہا ہے۔ لیکن کچھ پوچھنے ان سے مجھ میں ہمت نہیں۔ میں ان سے ڈرتی جو ہوں۔

ایسا نہیں کہ میری ممی چڑ چڑے مزاج کی ہیں یا اپنی ممی سے پیار نہیں۔ نہیں، ایسی کوئی بات نہیں، البتہ وہ بہت خاموش رہا کرتی ہیں۔ بہت ہی اداس اور گمبھیر۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے انہیں کبھی بھی خوش نہیں دیکھا۔ میری یہ آرزو ابتک میرے دل میں مچل رہی ہے۔ کاش کسی بہانے اپنی ممی کو خوش دیکھ سکتی۔ میری ممی بہت حسین ہیں۔ ان کی عمر پینتالیس سے کم نہیں ہے۔ لیکن کوئی بھی انہیں ۳۰ سے زیادہ کا نہیں بتا سکتا۔ یہ میرا دعوی ہے کہ وہ ہمیشہ اداس رہتی ہیں پھر بھی اتنی حسین لگتی ہیں۔ اگر ہنستی مسکراتی رہتیں تو نہ جانے اور کتنی خوبصورت لگتیں، اس لئے میری یہ تمنا ہے کہ میں انہیں ان کے اصل اور نکھرے ہوئے روپ میں دیکھوں۔

ممی صرف چائے کے دو گھونٹ پی کر اٹھ گئیں اور میں اب تک بیٹھی ہوئی ممی کے متعلق سوچ رہی ہوں۔ اور سوچتی چلی جا رہی ہوں۔ کل شام ہی سے آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں۔ رات بھر بارش ہوتی رہی ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو پہاڑی جھرنے کا شور اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ وہ چیخ چیخ کر روتا ہے اشک بہہ بہہ کر نالے اور نہریں بنا دیتے ہیں۔ لیکن کوئی اس کی آواز نہیں سمجھتا۔ اس کا درد نہیں جانتا۔ زمین سیراب ہوتی ہے۔ فصلیں اگتی ہیں، لیکن — بالکل اسی طرح میری ممی کے دل کا درد آج پھر بڑھ گیا ہے۔ وہ بھی اسی طرح روتی رہی ہیں جیسے بادل۔ ملازمہ کہتی ہے۔

"جب سے تمہارے ابو مرے ہیں انکی ایسی حالت ہوگئی ہے۔ اس سے پہلے وہ ہمیشہ ہنستی، مسکراتی رہتی تھیں،،

یہ ملازمہ میری ممی کے میکہ کی ہے۔ جب انکی شادی ہوئی تھی، یہ ڈولی میں ان کے ساتھ آئی تھی۔ یہ مجھے بہت پیار کرتی ہے میری اپنی نانی کی طرح۔ جب میرے ابو میری ممی کو اکیلا چھوڑ گئے تھے میں بہت چھوٹی تھی۔ صرف تین سال کی۔ اور اب میں بیس سال کی ہوں، لیکن ممی مجھے اب بھی بے بی کہکر پکارتی ہیں۔

یوں تو میری ممی کبھی کسی سے بھی زیادہ باتیں نہیں کرتیں لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ قطعی خاموشی اختیار کرلیتی ہیں۔ بالکل نہیں بولتیں مجھ سے بھی نہیں۔ اور اس وقت مجھے بہت دکھ ہوتا ہے اور میں البتہ کمرے میں جا کر رونے لگتی ہوں۔ لیکن ممی سے چھپ کر۔ انکی آہٹ پاتے ہی آنسو پونچھکر مسکرانے لگتی ہوں۔

مجھے یہ خیال آتا ہے ممی کی ایسی حالت کس نے بنادی اور کیوں؟

کبھی کبھی ابو پر بےحد غصہ آتا ہے۔ میری ممی نے ان کا کیا بگاڑا تھا۔ آپ میری ممی کو کیوں اکیلے چھوڑ گئے ابو۔ میں ان سے پوچھنا چاہتی ہوں لیکن کیسے پوچھوں۔ اور کس سے پوچھوں۔ ابو کو تو اللہمیاں نے اپنے پاس بلا لیا ہے۔

اب میرا جی چاہ رہا ہے کہ میں اٹھوں۔ ممی کے پاس جاؤں ان سے کچھ پوچھوں انہیں ذرا بہلاؤں۔ لیکن ہمت ہی نہیں پڑتی۔ اب میرے کالج کا بھی وقت ہو چلا ہے۔ لیکن آج کالج پہنچ کر بھی میں سارا دن الجھی الجھی اور کھوئی کھوئی ہی رہونگی۔ پڑھائی میں میرا جی نہ لگے گا۔ ممی کی سوجی سوجی

آنکھیں میرے ذہن کے دریچوں سے جھانکتی رہینگی - مجھے اپنی ممی سے بے حد پیار ہے- ان کو اداس دیکھکر میرے دل کو بڑی تکلیف ہوتی ہے - لیکن کالج تو جانا ہی پڑے گا جیسے بھی ہو -

کل شبانہ نے بھی مجھکو بلایا ہے - شبانہ کے چھوٹے بھائی کی پہلی سالگرہ ہے - دیکھوں ممی جاتی ہیں کہ نہیں - ممی نہ گئیں تو میں بھی نہ جا سکوں گی - ممی مجھے جانے سے منع تو نہ کرینگی - انکی تو یہ تمنا ہے کہ ان کی بیٹی کے لئے ہر طرح کا آرام اور آسائش، سیر و تفریح کا سامان مہیا رہے - لیکن ممی کی اداسی دیکھ کر میرا جی ہر چیز سے اچاٹ ہو جاتا ہے - کہیں بھی جی نہیں بہلتا- کچھ بھی اچھا نہیں لگتا -

ابھی کچھ دیر پہلے میرے ہاتھوں سے گر کر ایک پیالی ٹوٹ گئی - لیکن ممی نے تو کچھ بھی نہ کہا اور مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ مجھ سے غلطی ہو جائے اور ممی نہ ڈانٹیں- برابر ایسا ہوتا ہے- مجھ سے بہت سارے برتن ٹوٹتے رہتے ہیں لیکن ممی اس وقت اتنی زیادہ خاموش نہیں رہتیں جبتک کہ وہ بہت اداس نہوں - کبھی کبھی پیالیوں کے ٹوٹنے پر وہ مجھے ڈانٹ بھی دیتی ہیں- لیکن ان کی ڈانٹ مجھے بہت پیاری لگتی ہے -

" سوری ممی "

میں کہتی ہوں اور تب وہ اپنا شفقت بھرا ہاتھ میرے سر پر پھیرنے لگتی ہیں- اس لمحے مجھے ایسا لگتا ہے جیسے ساری دنیا کی نعمتیں مجھے مل گئیں ہوں- لیکن پیالی کے ٹوٹنے پر بھی ممی آج یوں چپ رہ گئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں -

شام ہو چلی ہے، ابھی ابھی میں کالج سے لوٹی ہوں سورج کا بلوریں پیالہ چھلک گیا ہے - اور سامنے کی پہاڑی کے دامن کو چومتی ہوئی جھیل کی لہریں اس لالی کو گھونٹ گھونٹ کر کے اپنے سینے میں اتار رہی ہیں - پی رہی ہیں - کچھ ہی دیر میں یہ ساری کی ساری لالی جھیل کے سینے میں جذب ہو جائیگی اور رات کی دیوی اپنا ستاروں جڑا سیاہ دوپٹہ اوڑھ کر پوری کائنات کو اس میں چھپا لے گی -

ممی اب بھی اپنے کمرے ہی میں ہیں -

ملازمہ کہہ رہی ہے- انکل فاروق ممی سے ملنے آئے ہیں- پہلے تو ممی نے انکار کردیا تھا - لیکن انکل کے بےحد اصرار پر ملنے کو تیار ہوئی ہیں - انکل فاروقی بہت اچھے ہیں- مجھے بہت پیار کرتے ہیں - بالکل اپنی بیٹی کی طرح - میں بھی انکی کسی بات کو ماننے سے انکار نہیں کر سکتی- انکل بہت وجیہ اور شکیل ہیں وہ میرے ابو کے ایک دوست کے چھوٹے بھائی ہیں - یہ شبانہ کے بھی انکل ہیں - شبانہ کے ابو بھی میرے ابو کے دوست ہیں - میں انہیں اپنے سگے انکل جیسا سمجھتی ہوں - یہ میری ممی سے بھی چھوٹے ہیں تقریباً پانچ سال - ممی کو بھابی کہتے ہیں -

کل شام میں شبانہ سے ملنے اس کے گھر گئی تھی - شبانہ میری رازدار بھی ہے - وہ مجھے برابر شادی کا نام لے لیکر چھیڑتی رہتی ہے - اور میں کہتی ہوں - اگر ممی کی شادی نہ ہوئی ہوتی تو آج یہ حالت بھی نہ ہوتی - میری ایک سہیلی شیلا کو اس کے محبوب نے دھوکہ دے دیا تھا اور اب وہ دق کی مریضہ بنی سینیٹوریم میں پڑی سسک رہی ہے- اور ایک میری ممی ہیں جن سے ابو چھن گئے اور انہیں چپ لگ گئی ہے - میری ممی جبراً زندہ ہیں - صرف میرے لئے- لیکن مسکرا نہیں سکتیں ہنس نہیں سکتیں- انکی دنیا سے خوشی بہت دور چلی گئی ہے- بہت دور اف کتنی دکھی ہیں میری ممی- مجھے شادی اور محبت دونوں سے ڈر لگتا ہے، بہت ڈر -

اور اب میرے قدم ممی کے کمرے کی طرف اٹھ گئے ہیں- لیکن ٹھٹھک کر کھڑی رہ جاتی ہوں -نہ چاہ کر بھی غیر ارادی طور پر دروازے کی دراز سے اندر کمرے میں جھانکنے لگتی ہوں ممی صوفے پر بیٹھی ہوئی ہیں - انکل کرسی پر ہی - ممی کے چہرے پر اب بھی اداسی کی گہری تہیں چڑھی ہوئی ہیں صبح کے شفاف رخساروں پر کہرے کی طرح - انکل ممی کو کچھ سمجھا رہے ہیں- " لیکن بھابی ذرا یہ تو سوچئے کہ یہ زندگی کسی کی امانت ہوتی ہے بھابی آخر کبتک یوں ہی سسک سسک کرزندگی بسر کرتی رہوگی -کیا بھیا زندہ ہوتے تو تمہیں اس حال میں دیکھکر خوش ہوتے ؟ اور اب بھی کیا ان کی روح کو تکلیف نہ ہوگی ؟ وہ جو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتے تھے تمہاری معمولی سی تکلیف پرتڑپ اٹھتے تھےاور یوں تو میں جانتا ہوں بھابی تمہارے قدم کبھی نہ ڈگمگائینگے - اب سترہ سال پورے ہونے کو آتے ہیں تمہارے قدم اپنی جگہ سے نہیں لڑکھڑائے لیکن غم کی آگ کو اتنا بھی نہیں بھڑکانا چاہئے کہ اس میں دوسروں کی روح بھی جھلس جھلس جائے ، تنہائی میں تمہارے متعلق سوچ سوچ کر تڑپ اٹھتا ہوں- بھابی سترہ سال........ اف یہ سترہ سال " ؟

اور میں چونک اٹھتی ہوں- اس زاویے سے تو میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا - میری نازک سی ممی اور سترہ سال سے غم کی آگ میں جھلستی ہوئی انکی زندگی ؟ سترہ دن نہیں--- سترہ ہفتے نہیں--- سترہ مہینے نہیں - سترہ سال -

اف کیسے گذارے ممی نے - آخر کیسے ؟ سترہ سال تو جیسے سترہ صدیوں سے کم نہ ہونگے -

'' لیکن فاروق یہ تو سوچو کہ کون اتنا عظیم شخص ہے جو میرے ساتھ میرا غم بھی اپنالے۔ جاوید کی یاد اسے ناگوار محسوس نہو ۔ اور مجھ سے اسکی یادوں کو چھیننے کی کوشش نہ کرے، اسے بھول جانے پر مجبور نہ کرے کون ہے ایسا،، ؟

ممی کی آواز میرے کانوں میں آتی ہے اور پھر میں دیکھ رہی ہوں کہ ممی کی باتوں کے جواب میں انکل کا چہرہ کھل اٹھا ہے۔ ان کے لبوں پر بڑی مدھر سی مسکراہٹ رینگنے لگی ہے۔ انکل کرسی سے اٹھ گئے ہیں ۔ ممی کی کرسی کے قریب کھڑے ہوگئے ہیں ۔ ممی کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار ابھر آئے ہیں کیونکہ انکل نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے ہیں ۔ میں اب بھی دروازے سے لگی کھڑی ہوں ۔

'' صالحہ ،،

آج پہلی بار انکل نے ممی کا نام لیکر پکارا ہے ۔ اور میں چونک سی گئی ہوں '' صالحہ ،، انکل دوبارہ کہہ رہے تھے۔ انکی آواز کانپ سی گئی ہے ۔ صالحہ میں اپنی عظمت اور بلندی کا دعوی تو نہیں کرتا لیکن مجھے خود پر کم از کم اتنا یقین تو ضرور ہے کہ میں جاوید کی یادوں کے بیچ دیوار نہ بنوں گا ۔ بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ اپنے پہلے پیار کو بھول جانے والی عورت عورت ہی نہیں ہوتی ۔ بھول جانا مردوں کا کام ہے۔ عورت کا نہیں کیونکہ عورت کی عظمت کا راز وفا صرف وفا ہے ۔ یہ وفا کی پتلی ہوتی ہے۔ پہلے پیار کو ضرور یاد رکھنا چاہئے ۔ نہیں تو وہ اس کو بھی بھول جانیگی جو اس کا سہارا بنا ہے ۔ لیکن صلو زندگی کے اس تپتے ہوئے ریگزار کو عبور کرنے کے لئے کسی مضبوط بازو کے سہارے کی بہت ضرورت ہوتی ہے نا ؟ اور یہی سہارا میں تمہیں بھی دینا چاہتا ہوں۔ بولو صلو مجھے ٹھکراؤ گی تو نہیں ؟۔

لیکن فاروق میری روبی کا کیا ہوگا ۔ کیا وہ اس بات کو سہ سکے گی کہ اسکی ممی اس عمر میں شادی کرلے ۔ وہ مجھ سے نفرت نہ کریگی ؟ اور میرا جی چاہ رہا ہے کہ ممی اس سوال کا جواب میں خود ہی دوں ۔ اور ممی سے پوچھوں آپ ایسا کیوں سونچ رہی ہیں ممی ۔ آپ اپنی روبی کو غلط کیوں سمجھ رہی ہیں ۔ آپ کی روبی تو برسوں سے اس تمنا کو اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپائے ہوئے ہے۔ آپکی خوشیوں میں تو میری زندگی ہے ۔ ممی آپ نے سترہ سال کیونکر گزار دئے ۔ ممی کیونکر ؟ لیکن میں کچھ بھی نہ کہہ سکی ، کچھ نہیں ۔

تم بڑی پگلی ہو صلو ۔ روبی تو محض تمہاری وجہ سے شادی کے نام سے ڈرنے لگی ہے ۔ روبی کی اداسی کی وجہ تمہاری اداسی ہے۔ وہ تمہیں مسکراتے دیکھنا چاہتی ہے ۔ کل شام میں نے شبانہ اور روبی کی تمام گفتگو چھپ کر سن لی ہے ۔ ادھر میں چونک گئی ہوں ۔ انکل نے ہماری باتیں سن لی ۔ چلو اچھا ہی ہوا ۔ شاید وہ میری بات نہ سنتے تو ممی سے اس قدر کھلکر بات نہ کرتے ۔ اور ممی یوں ہی سسکتی رہ جاتیں زندگی بھر ۔ انکل پھر بولتے ہیں ۔

'' روبی کی نسبت کے لئے بھی تمہیں پریشان ہونیکی ضرورت نہیں اس کے لئے میں پہلے ہی شکیل کو چن چکا ہوں۔ تم شکیل کو جانتی ہو ۔ شکیل بڑا نیک اور پیارا لڑکا ہے۔ اور یہ کوٹھی بھی جس کے سہارے تم نے زندگی کے سترہ سال گزارے ہیں جہیز میں روبی کے نام لکھ دی جائیگی ۔ میں شکیل کی رائے لے چکا ہوں۔ اور صرف روبی سے پوچھنا باقی ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات نہیں ٹالے گی ۔

شکیل کا ذکر سن کر میرے سامنے کل شام کا منظر گھوم گیا ہے ۔ اف کتنی بری طرح میں نے اسے جھڑک دیا تھا ۔ جب اس نے مجھ سے باتیں کرنا چاہی تھیں ۔ ممی کی صبح والی اداسی میرے ذہن پر بری طرح مسلط تھی ۔ میرا دل پریشان تھا ۔ اور اسی لمحہ شکیل آ گیا تھا ۔ بس

شکیل بھی میرے ہی کالج میں پڑھتا ہے۔ میں اس سے محبت تو نہیں کرتی لیکن مجھے اس سے نفرت بھی نہیں ۔

کیا سچ کہہ رہے ہو فاروق ؟ ممی بولتی ہیں

ہاں صلو ، بالکل سچ ۔ تمہیں یقین نہیں کیا ؟

اور اب میں دیکھ رہی ہوں کہ ممی کے چہرے پر مسرت کی گلابی گلابی شعاعیں پھوٹ چلی ہیں ۔ انکا گلاب کا پھول سا مکھڑا کچھ اور گلابی ہوگیا ہے ۔ ان کے پنکھڑیوں سے نازک لبوں پر مسکراہٹوں کے چراغ جگمگانے لگے ہیں ۔ وہ اس وقت کسی نوخیز دوشیزہ جیسی لگ رہی ہیں ۔ اور میں تصور ہی تصور میں ممی کے سفید سفید کپڑے دور پھینک رہی ہوں۔ مجھے ان کپڑوں سے چڑ سی ہوگئی ہے۔ ممی کے جسم پر گلابی گلابی کپڑے ہونگے۔ ممی کی مانگ میں افشاں کی دھاریاں ہوں گی ۔ ممی کی آنکھوں میں کاجل کی لکیریں ہوں گی ۔ ممی کے ہاتھوں میں سرخ مہندی رچے گی ۔ ممی کی گوری گوری کلائیوں میں سنہری اور سرخ چوڑیاں کیسی پیاری لگیں گی ۔

ممی کی مسکراہٹ کو دیکھکر میرا دل خوشی کے مارے سینہ سے باہر ہوا جاتا ہے۔ آج میری برسوں کی آرزو پوری ہوگئی ہے ۔ میں ممی کے گلے میں جھول جاؤں ۔ ان کے گلابی گلابی رخساروں کو چوم چوم لوں۔ آج ممی مجھے ننھی سی معصوم بچی لگ رہی ہیں ۔ ممی نے مجھے غلط سمجھا ہے ۔ اس کا ذرا بھی غم نہیں ۔ ذرا بھی نہیں ۔

دروازے پر دستک ہو رہی ہے - کون آیا ہے - شاید ملازمہ نے دروازہ کھول دیا ہے اور میں ذرا گھوم کر دروازے کی طرف دیکھنے لگی ہوں -

" اوہ یہ تو شکیل ہے - اداس - اداس غمزدہ سا شکیل - وہ اسی طرف آرہا ہے - شاید ممی سے ملنے آیا ہے - میری آنکھیں اسکی آنکھوں سے ٹکرا جاتی ہیں اور اسکی افسردہ آنکھوں کی گہرائی میں میرا دل جیسے ڈوبنے لگا ہے - میری آنکھیں بھرآئی ہیں لیکن میری خواہش یہ ہے کہ اسوقت ممی کے سکون میں خلل نہ پہنچے - یہ اداس سا شکیل انکے سامنے جائیگا اور وہ پھر اداس ہوجائینگی - میری ممی بھی شکیل کو بہت چاہتی ہیں نا

اور پھر اس خیال کے ساتھ ہی میں دوڑ کر اسکے سامنے پہنچ گئی ہوں - اسکا راستہ روک دیا ہے - وہ حیران سی نظروں سے مجھے گھورنے لگا تھا - ان آنکھوں میں کوئی سوال انگڑائی لے رہا ہے -

شکیل مجھے یوں نہ دیکھو - جو کچھ کل ہوا - میں اس سے سخت شرمندہ ہوں - ممی ابھی آرام کررہی ہیں چلو ہم چلکر کچھ دیر باغ میں بیٹھیں -

شکیل کے چہرے پر محبت و مسرت کی شمعیں جل اٹھیں اور ان روشنی کی تاب نہ لا کر میری آنکھیں جھک گئیں -

محمد علی اثر

غزل

آغاز انوکھا ہو تو انجام نیا ہو
وہ درد عطا کر جو کسی کو نہ ملا ہو

بے وجہ پریشانئی خاطر نہیں یارو
شاید مجھے صحرا میں کوئی ڈھونڈھ رہا ہو

ممکن ہے کہ فرقت ہی میں آجائے میسر
کچھ ایسا سکوں جو تری قربت سے سوا ہو

پیغام نمو لائے بہاراں تو مجھے کیا
وہ برگ خزاں دیدہ ہوں جو ٹوٹ گیا ہو

ہم ٹوٹ چکے ہیں تو بکھر جائینگے اک دن
جیسے کہ جہاں میں کوئی آیا نہ گیا ہو

یہ سوچ کے روتا ہوں کہیں بھول نہ جائے
وہ شخص جسے میں نے بہت یاد کیا ہو

یہ فکر سخن ہے اثر جذبۂ بے نام
شاید مرے اندر سے کوئی بول رہا ہو

* * * * *

PUBLISHED BY THE DIRECTOR, DEPARTMENT OF INFORMATION AND PUBLIC RELATIONS GOVT. OF ANDHRA PRADESH, HYD.

خواتین کی کوآپریٹیو سوسایٹی

سال گذشته ضلع نظام آباد میں امداد باھمی کی اساس پر ایک ویمنس فینانس کارپوریشن کا قیام عمل میں لایا گیا ۔ یه کارپوریشن دودھیارے جانوروں کی خریدی، بنگلس اسٹور، ترکاریوں اور تیار ملبوسات کی دوکانیں کھولنے کے لئے اب تک ۲۱۳ اشخاص کو امداد دے چکا ھے ۔ کارپوریشن نے ۴۱۸۵۰ روپئے بطور مارجن رقم کے فراھم کئے اور مقامی کمرشیل بینکوں نے ۱۶۷۴۰ روپئے بطور قرض مہیا کئے ۔

آندھرا پردیش

ترتیب

***

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

جون — ۱۹۷۷ع

آشاڈھ — جیشٹا

شاکھا — ۱۸۹۹

جلد — ۲۱

شمارہ نمبر — ۸

سرورق کا پہلا صفحہ

قلم کاری آرٹ

سرورق کا چوتھا صفحہ

آزاد دنیا میں

اس شمارے میں اہل قلم نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں ۔

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ

حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا۔

آندھرا پردیش (اردو) ماھنامہ

زر سالانہ چھ روپئے۔ فی پرچہ ۵۰ پیسے

وی پی بھیجنے کا قاعدہ نہیں ۔

چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے۔

***

بائیں جانب اوپر : سری متی شاردا مکرجی آندھرا پردیش کی نئی گورنر ۴۔مئی کو حیدر آباد تشریف لے آئیں۔

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب درمیان میں : شری بی۔ جے۔ دیوان گورنر آندھرا پردیش نے انتظامیہ میں مزدوروں کی شرکت کے عنوان سے ۲۲۔ **اپریل** سے ۲۴۔ تک جوبلی ہال میں منعقدہ سیمینار کو مخاطب کر رہے ہیں۔

بائیں جانب نیچے : شری جے۔ چوکا راؤ وزیر زراعت نے ۳۰۔ اپریل کو جوبلی ہال میں خریف کانفرنس بابت ۱۹۷۷ کا افتتاح کیا۔

دائیں جانب اوپر : شری سی۔ ایچ۔ وینکٹ راؤ وزیر تعمیرات نے ۲۹۔ اپریل کو نوبت۔ یل۔ اے ہاسٹل میں کمیٹی برائے سہولیات کے اجلاس کی صدارت کی۔

نیچے : شری ٹی۔ انجیا وزیر لیبر نے ۲۔ مئی کو گاندھی گیان مندر میں **ملبوسات** تیار کرنے والی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے فیڈریشن کے **بورڈ آف** ڈائرکٹروں کی کانفرنس کا افتتاح کیا۔

گورنر آندھرا پردیش کا پیام

شریمتی شاردا مکرجی نے ۵ مئی ۱۹۷۷ء کو گورنر آندھرا پردیش کی حیثیت سے حلف لینے کے فوری بعد ریاستی عوام کے لئے جو پیام جاری کیا اس کا متن ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔
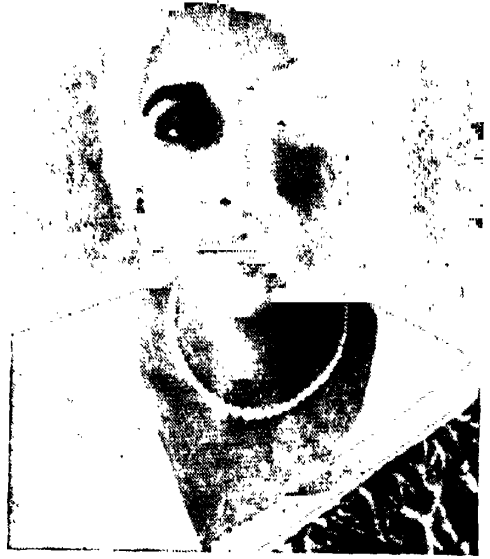
"آج آندھرا پردیش کی گورنر کی حیثیت سے اپنے عہدہ کا جائزہ لینے کے بعد میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس وسیع و عریض ریاست کے عوام کی ترقی و خوشحالی، امن و امان اور فلاح و بہبود کے لئے کام کرنے کو میں اپنی ذمہ داری اور فرض متصور کرتی ہوں۔ ہمارے ملک کے اور حصوں کی طرح یہاں بھی بعض علاقوں میں قدرت نے دریا دلی دکھائی ہے جبکہ دوسرے کچھ علاقوں سے بے اعتنائی برتی ہے۔ کچھ لوگوں پر قسمت مہربان ہے جبکہ ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے غربت و فلاکت کی زندگی بھگت رہے ہیں۔ ہم کو اس امر کی کوشش کرنی چاہئے کہ سماجی اور اقتصادی تبدیلیوں میں سرعت پیدا کریں تا کہ دور دراز کے دیہاتوں تک انکے اثرات پہنچ سکیں۔

آندھرا پردیش اپنے زرعی کارناموں۔ اپنے چاول، تمباکو کی برآمدات۔ اپنے لمبر بیلوں، اپنے کوئلے اور معدنی پیداوار اور اپنی صنعتی ترقی، جو مجھے یقین ہے موجودہ برقی قوت کے مسائل کے خاتمہ کے بعد تیز تر ہو جائیگی، پر بجا طور پر فخر کرسکتا ہے۔ خلیج بنگال کے ساتھ ساتھ اپنی طویل ساحلی پٹی کے قدرتی عطیئے اور ہندوستان شپ یارڈ اور ناگرجنا ساگر کی زبردست آبپاشی اسکیم جیسے عوامی شعبہ کے پراجکٹوں میں سرمایہ کاری کی بدولت آندھرا پردیش جدید ٹکنالوجی اور معاشی ترقی کے میدان میں سبقت حاصل کر لینے کے موقف میں ہے لیکن اس سرمایہ کاری اور ترقی کے ثمرات گاؤوں میں چھوٹے کسانوں اور زرعی مزدوروں کو اور شہروں میں کارخانوں کے مزدوروں اور متوسط طبقات کو بہم پہنچنا چاہئیں۔ عورتوں کی قابل لحاظ اکثریت پارلیمنٹ میں قوانین کی تدوین اور مختلف ذاتوں، عقیدوں، زبانوں اور پیشوں کے حامل اشخاص کی مساعی کے باوجود سماجی حالات کے باعث پیدا شدہ قدیم زمانہ کے تحدیدات کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی ہے۔ اس جانب بھی فوری توجہ ضروری ہے۔ انصاف کے بغیر ترقی سے ناگزیر طور پر صرف بے اطمینانی کے جنم لینے کا اندیشہ رہتا ہے اور امن و امان کا امکان کم ہی ہوتا ہے۔ اس لئے آئیے ہم قوم کو حاصل ہونیوالے ثمرات میں سب کو شریک کرنے کا نئے سرے سے عہد کریں۔ اپنے فرائض ایمانداری اور سنجیدگی کے ساتھ ادا کریں تا کہ ہماری اس قدیم مادر ارضی پر بسنے والے متعدد اور مختلف مذہبوں اور زبانوں کے حامل انسانوں کو برابر کا فائدہ ہو۔ آندھرا پردیش ہمارے ثقافتی ورثہ کی گوناگونیت کا نمائندہ ہے۔ قرنوں سے ہندوستان نے جو مساعدات اور تجربات کئے ہیں آندھرا پردیش ان کا شاہد ہے۔ آندھرا پردیش کے مندر جیسے سری سیلم اور لارڈ وینکٹیشورا، پرتاپ ردرا اور بدھی بادشاہات سے تعلق رکھنے والے سنگتراشی کے شاندار نمونے، چار مینار اور مکہ مسجد اور مشہور زمانہ سالار جنگ میوزیم اور اس طرح کی دوسری خوبصورت اور جاذب نظر یادگاریں یہاں کے گوناگوں خصوصیات کے حامل تمدن و روایات کی مظہر ہیں۔

ہمارا تعلق چاہے کسی بھی شعبہ زندگی سے ہو اور ہماری حیثیت چاہے کچھ ہو ہم سب کا اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ اختلافات اور ناچاقیوں کی کہنہ روایات کو ختم کیا جائے۔ ہمارا انداز فکر اور ہمارا عزم اس حقیقت کے تابع رہے کہ آندھرا پردیش کے مستقبل کا انحصار اس کی سالمیت اور اسکے عوام کے اتحاد میں ہے۔ کچھ سال قبل پیش آنیوالی علاقہ واری کشمکش سے صرف یہ ہوسکتا ہے کہ عوام کے اعتماد کو ٹھیس لگے اور ترقی اور خوشحالی کی رفتار سست ہو جائے۔

میرے کئی قدیم دوست اور ساتھی آندھرا پردیش کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔ ہمارے درمیان برسوں سے قائم ربط و ضبط کی بدولت ہم میں انسانیت کے مضبوط اور دیرپا رشتے قائم ہو چکے ہیں اور اب مجھے یہ نادر موقع ہاتھ آیا ہے کہ آندھرا پردیش کے عوام کی خدمت کے لئے میں بھی کچھ کروں۔

میں اپنے گورنری کے دور کو پر جوش اور امید نظروں سے دیکھ رہی ہوں۔

جئے ہند

اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی کی جانب سے مشرقی گوداوری کے کسانوں کی خوشحالی کے لئے اقدامات

ضلع مشرقی گوداوری کے اوپری علاقوں میں زیادہ تر زمین چھوٹے اور مارجینل کسانوں کی ملک تھی یہاں خشک و سوکھی زمین اکثر بے کاشت کے چھوڑدی جاتی تھی۔ یا پھر اس میں خشک فصلیں اگائی جاتی تھیں اس لئے کہ یہاں بالکلیہ طور پر بارش کے پانی پر انحصار کیا جاتا تھا۔ ان کاشتکاروں کے مسائل کی جانب جن کا ایک بڑا طبقہ غیر سائنٹیفک طریقوں کو اپنائے ہوئے تھا اور قلیل پیداوار دینے والے بیجوں کو استعمال کرتا تھا تیسرے منصوبے کے ختم تک توجہ نہیں دی گئی۔

ایک سروے کے مطابق ان کا سب سے اہم اور بڑا مسئلہ ادارہ جاتی مالیہ کی یکسر عدم دستیابی تھا۔ امداد باہمی ادارے جن پر مفادات حاصلہ اور مالدار زمینداروں کا قبضہ تھا مشکل ہی سے چھوٹے کاشتکاروں اور مارجینل کسانوں کی ضروریات کی پابجائی کرتے تھے۔ قومیائے جانے سے پہلے تجارتی بینکس بھی چھوٹے آدمیوں کا خیال نہیں کرتی تھیں۔ نتیجتاً ان بےچاروں کو خانگی ساہوکاروں کے رحم و کرم پر رہنا پڑتا تھا جو آسمان سے باتیں کرنے والی شرحوں سے سود وصول کیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ غریب کاشتکار ہمیشہ قرض کے بوجھ تلے دبے رہتے تھے۔

ان چھوٹے اور مارجینل کسانوں کے مسائل کو مستقل طور پر حل کرنے کے پیش نظر مرکزی حکومت نے آل انڈیا رورل کریڈیٹ ریویو کمیٹی کی سفارش پر اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی (ایس۔ایف۔ڈی۔اے) کے تصور کو جنم دیا۔ چنانچہ اپریل ۱۹۷۰ء میں ۱۵۰ لاکھ روپیے کی مالی گنجائش سے مشرقی گوداوری کے لئے ایک یس۔یف۔ڈی۔اے کی منظوری روبہ عمل لائی گئی اس لئے کہ یہاں چھوٹے اور مارجینل کسانوں کی ایک معتدبہ تعداد موجود تھی۔ اس پراجکٹ کا مقصد لاکھوں چھوٹے اور مارجینل کسانوں کو اپنی سرگرمیوں کے احاطے میں لے لینا اور ان کو زندہ رہنے کے قابل بنانا ہے۔ اس پراجکٹ کی وسعت چھ شمالی بلاکوں، راجہ نگرم، رنگم پیٹھ، بداپورم، پتھاپورم، سنکھاورم اور ٹونی تک ہے جن کو ساحلی آندھرا ترقیاتی کمیٹی نے ضلع کے پسماندہ علاقے قرار دیا ہے۔

حالانکہ ضلع کے لئے (ایس۔ایف۔ڈی۔اے) اپریل، ۱۹۷۰ء میں منظور کردی گئی تھی لیکن اس نے اپنی اسکیمات ڈسمبر، ۱۹۷۰ء سے روبہ عمل لانا شروع کیں۔ کسانوں کی جانب سے غیر تشفی بخش تعاون کے باوجود ایس۔ایف۔ڈی۔اے نے انکی بھلائی اور بہتری کے لئے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور آخرکار کسانوں کو اپنی جانب راغب کرنے میں ایجنسی کامیاب رہی اور اب یہ حال ہے کہ دور دراز گاؤں میں جب ایجنسی کے کارکن پہنچتے ہیں تو کسان غول درغول امداد کے حصول کے لئے انکے اطراف جمع ہوجاتے ہیں۔

ایجنسی کی جانب سے ایگرو انڈسٹریز کارپوریشن کی اعانت سے زمینات کو ازسرنو قابل کاشت بنانے کے لئے امداد فراہم کی جاتی ہے اور بور ویلز اور کھلی باولیاں مہیا کر کے آبپاشی کی سہولتیں پہنچائی جاتی ہیں۔ زرعی کاموں کے لئے ادارہ جاتی مالیہ فراہم کرنے کے ذرائع اور راستے مہیا کئے گئے ہیں۔ ایس۔ایف۔ڈی۔اے بے زمین غریبوں کو حکومت کی جانب سے فراہم کردہ جنگلاتی اراضیات کو قابل کاشت بنانے اور ذیلی پیشے جیسے ڈیریئنگ اور پرورش مویشیان وغیرہ اختیار کرنے میں انکی مالی اعانت کرتی ہے۔ اس سلسلے کا لائق غور امر یہ ہے کہ ایس۔ایف۔ڈی۔اے بجائے اس کے کہ قرض کی رقم سے بغیر کسی نگرانی اور روک ٹوک کے استفادہ کرنے دیا جائے کسانوں کو دی

جانے والی رقم کے ٹھیک ٹھیک استعمال پر نظر رکھتی ہے۔ قرض جس مقصد کے لئے دیا جاتا ہے اس کو تکمیل تک پہنچانا ضروری ہے اور اس سلسلے میں کام کی رفتار ترقی کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرض کی مزید رقم فراہم کی جاتی ہے۔

فوٹو شری کوڈیسادا رسم ایک ہریجن کسان آئیل انجن کے ساتھ۔

ایس۔ایف۔ڈی۔اے اس امر کی کوشش بھی کر رہی ہے کہ چھوٹے کسان کاشتکاری کے ترقی یافتہ اور سائنٹیفک طریقے اختیار کریں اچھے اور وافر پیداوار دینے والے تخم بوئیں اور اپنے کھیتوں کی دیکھ بھال کے مناسب اور موزوں انتظامات کریں۔ چھوٹے اور مارجینل کسانوں کے کھیتوں میں باؤلیاں کھدوا کر اور لفٹ اریگیشن کی سہولتیں فراہم کر کے ان کو اب پانی کی سہولتیں بہم پہنچانا ایس۔ایف۔ڈی۔اے کا سب سے اہم اور حوصلہ افزا پروگرام ہے۔ اس پروگرام میں زیر زمین پانی کی کھوج اور استعمال بھی شامل ہے۔ یہ کام ضلع میں بڑی حد تک عدم توجہی کا شکار رہا ہے۔

اب تک ضلع میں صرف بارش کے پانی کے بل بوتے پر فصلیں اگائی جاتی تھیں اور کھیت میں باؤلی کھدوانا کسی فرد واحد کے بس کی بات نہیں تھی لیکن اب ایس۔ایف۔ڈی۔اے کے طفیل میں نوتی پنچایت سمیتی کے موضع ایل کوتھورو میں جہاں کی زرعی آبادی ۹۰ فیصد چھوٹے اور مارجینل کسانوں پر مشتمل ہے۔ ایس۔ایف۔ڈی۔اے کی امداد سے کھودی ہوئی باؤلیوں کی بدولت سال میں ایک سے زائد فصلیں اگائی جاتی ہیں۔ ان کسانوں کے لئے ایس۔ایف۔ڈی۔اے نے ۲۰ باؤلیوں کی کھدائی کی خاطر فی باؤلی ۵۰۰۰ روپے کے حساب سے قرضے منظور کئے ہیں۔ ۲۵ تا ۵۰ فیصد کی حد تک مالی امداد ایس۔ایف۔ڈی۔اے نے فراہم کی ہے جبکہ باقی رقم ابتدائی زرعی ترقیاتی بینک نوتی نے دی ہے۔ ان باؤلیوں نے کاشتکاروں کو اپنا قدیم طریقہ چھوڑ کر آبپاشی کے ذریعہ فصلیں اگانے کے قابل بنا دیا ہے اور اس طرح انکی اقتصادی حالت میں بہتری رونما ہوئی ہے۔

فوٹو :۔ فخرالدین پالم میں ایک [illegible]

راجہ نگرم سمیتی کے موضع جیگروپاڈو کے ایک ہریجن مارجینل کسان مسٹر سوریا نرکاشم کو جو ۱٫۶۰ ایکڑ زمین کے مالک ہیں پرائمری زرعی ترقیاتی بینک الاموورو نے ۵۲۰۰ روپے کا قرض دیا اور ایس۔ایف۔ڈی۔اے نے ۲۲۸۵ روپئے کی امداد پہنچائی جس سے انہوں نے اپنی اراضی میں ایک فلٹر پوائینٹ کھدوا کر اس میں ایک آئیل انجن بھی نصب کرایا۔ اب وہ اپنی اراضی پر اس فلٹر پوائنٹ کی مدد سے اعلی پیداواری قسم کا چاول "جیا" اور تمباکو اگانے کے قابل ہو گئے ہیں جبکہ اس سے قبل وہ صرف خریف کے موسم میں خالی ترکاریاں اگا سکتے تھے اور ربیع کے موسم میں ان کی اراضی بیکار پڑی رہتی تھی۔

موضع وینکٹانگرم میں پورٹے کے پورٹے ۲۶ کاشتکار چھوٹے یا مارجینل کسان ہیں۔ کسانوں کے ساتھ روبہ عمل لائی جانیوالی ایک اسکیم کے تحت جس پر ۲۱۹۰۷ روپئے لاگت آئی ہے یہاں کمیونٹی اور سنٹر نہ بوروبلز تعمیر کی گئی ہیں جس میں آئیل انجن بھی نصب ہیں۔ یہاں کے کسانوں کے متعلق یہ لوگ چاول کی "نارون" آخر جولائی میں اگاتے تھے اور پھر آخر اگست میں ان کو کھیتوں میں لگایا جاتا تھا اس لئے کہ یہ کام بارش ہونے کے بعد کیا پڑتا تھا لیکن اب ان بوروبلز کی بدولت یہاں "نار" کھیتوں میں منتقل کرنے کا کام جولائی ہی میں مکمل کر لیا گیا ہے اور اس سال نہ صرف بڑھی چڑھی پیداوار حاصل ہو گئی بلکہ دوسری فصل بھی اگائی جائیگی۔

پتھاپورہ سمیتی کے ایک موضع فخرالدین پالم میں ۲۸۶۸۲ روپیوں کی لاگت سے جن میں ابتدائی زرعی ترقیاتی بینک پتھاپورم کی جانب سے ۲۰۲۹۶ روپئے قرض اور ایس۔ایف۔ڈی۔اے کی ۱۰۵۷۲ روپئے مالیتی امداد شامل ہے ایک کمیونٹی بورویل کھودی گئی ہے۔ اس بورویل سے ۲۹ ایکڑ اراضی کو سیراب

جاتا ہے اور اس سے ۶ چھوٹے اور مارجینل کسان بشمول ایک ہریجن کے مستفید ہوتے ہیں۔ ان سب کسانوں نے فخرالدین پالم ٹیوب ویل اریگیشن کوآپریٹیو سوسائٹی نے اپنے نام سے اپنی ایک امداد باہمی انجمن تشکیل دے لی ہے جو بورویل کی دیکھ بھال اور اس کو چلانے کی ذمہ دار ہے۔ اس ٹیوب ویل نے کسانوں کو اس قابل بنادیا ہے کہ وہ کم سے کم ایک ماہ جلد "ناریں" کھیتوں میں لگانے کے موقف میں آ گئے ہیں۔
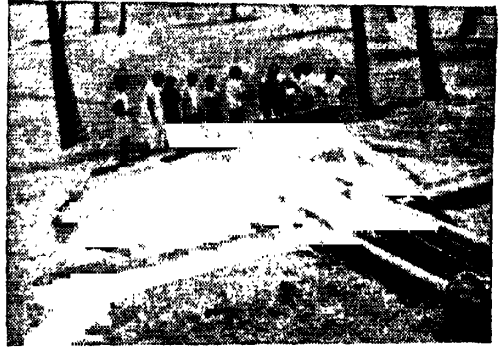
فوٹو -- موضع کوتور میں کھودی ہوئی ایک باؤلی ۔

ایس-ایف-ڈی-اے کا ایک اور کارنامہ جنگلات سے نکالی ہوئی ۹۷۵ ایکڑ زمین کو قابل کاشت بنانے سے متعلق ہے۔ یہ اراضی مواضعات وی نہاریڈی پورم، انوروسیورام پالم اور کونڈھ پلی کے ۴۲۹ بے زمین زرعی مزدوروں کو انٹگریٹڈ لینڈ ڈیولپمنٹ پراجکٹ (آئی-ایل-ڈی-پی) کے تحت تفویض کی گئی ہے۔ ان تمام ۴۲۹ افراد کو ایک ممبر کہ کاشتکاری کی امداد باہمی انجمن سے منسلک کردیا گیا ہے اور ایک حصہ میں ۱٫۳۵ ایکڑ اراضی آئی ہے۔ سوسائٹی کے مملوکہ ٹریکٹر کے ذریعہ اراضیات کی ہمواری کے بعد ہر رکن اپنی اراضی میں خود ہی خشک فصل بوتا ہے۔ اس پراجکٹ پر ۴۲٫۶۶ لاکھ روپئے لاگت کا اندازہ ہے جس میں سے سنڈیکیٹ بینک کا کیناڈا نے ۶۶ ۲/۳ فیصد کی حد تک پوری اسکیم کے لئے مالیہ فراہم کرنا منظور کیا ہے۔ ایس-ایف-ڈی-اے نے ۳۳ ۱/۳ فیصد کی حد تک مالی امداد دینے کی رضامندی ظاہر کی ہے اور اسٹیٹ شیڈولڈ کاسٹس فینانس کارپوریشن نے ۲ فیصد کی حد تک رقم فراہم کرنا طئے کیا ہے۔ ایگرو انڈسٹریز کارپوریشن کے بل-ڈوزروں کی مدد سے تیز رفتاری کے ساتھ کام جاری ہے اور تقریباً ۷۰ ایکڑ اراضی کو کھیتی باڑی کے قابل بنایا جاچکا ہے۔ آئیل انجن لگی ہوئی دس ٹیوب ویلوں کی تعمیر اور سوسائٹی کے لئے تین ٹریکٹروں کی خریدی کے لئے بھی گنجائش فراہم کی گئی ہے۔

آندھرا پردیش

فوٹو :- امیسا پیٹھ میں اراضی کو قابل کاشت بنانے کا کام ہو رہا ہے۔

گذشتہ نو مہینوں کے دوران میں ایس-ایف-ڈی-اے ۱۱۲۴۹ چھوٹے اور مارجنل کسانوں کو اپنی سرگرمیوں کے احاطے میں لے آنیکے قابل ہوگئی ہے ان میں اب تک شناخت شدہ ۵۴۵۵۰ درج فہرست اقوام میں سے ۴۹۶ افراد بھی شامل ہیں جو ان تمام پروگراموں سے مستفید ہونگے جن کو ایجنسی ۶۸٫۰۴ لاکھ روپیوں کے خرچ سے روبہ عمل لائیگی۔ اس رقم میں سے ۲۴٫۹۳ لاکھ روپئے امداد باہمی اور تجارتی بینکوں سے بطور قرض حاصل ہونگے۔ اور ۱۰٫۷۵ لاکھ روپئے خود ایس-ایف-ڈی-اے-کی جانب سے مالی امداد کے طورپر بہم پہنچائے جائینگے۔ اسکے علاوہ چھوٹے اور مارجنل کسانوں کے لئے ۴۸٫۲۰ لاکھ روپئے کی مالیت کے قلیل مدتی قرضوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ ایجنسی کی جانب سے ضلع کے اوپری علاقوں میں ۴۶ کھلی باولیاں کھودی گئی ہیں اور ۱۳۹ بور ویلز تعمیر کی گئی ہیں جن میں ۵۹ کمیونٹی بور ویلز بھی شامل ہیں اور اس طرح ۸۶۶ ایکڑ اراضی کی آبپاشی کو یقینی بنادیا گیا ہے۔ ایجنسی نے ۱۳۷ آئیل انجن اور برقی موٹرس بھی فراہم کئے ہیں۔

محض باولیوں کی کھدائی منتہائے مقصد نہیں ہے یہ بھی ضروری ہیکہ کھدی ہوئی باولیوں سے بھر پور اور معقول استفادہ کیا جائے۔ اس امر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایجنسی کی جانب سے باولیوں کے پانی کے ٹھیک طور پر استفادے کی تعلیم کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔ ایجنسی نے چھوٹے اور مارجینل کسانوں کے کھیتوں میں عام فصلوں کے پلاٹس ایسے قائم کئے ہیں جن میں ترقی یافتہ فصل اور بہتر انتظامی امور سے متعلق ان کسانوں کو تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

ایس - ایف - ڈی - اے - نے سرکاری زمینات پانے والے ہر پٹہ دار کے معاملات اور مسائل کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیتے رہنے کا بھی فیصلہ کیا ہے تا کہ زمینات کو قابل کاشت بنانے کے لئے

درکار ضروریات کا اندازہ لگایا جا سکے اور زمینات پر کاشت کو یقینی بنا یا جا سکے۔ ایس۔ایف۔ڈی۔اے کا یہ مقصد بھی ہے کہ اس امر کا پتہ چلایا جائے کہ آیا پٹہ دار اراضی پر کاشت کا عزم رکھتا ہے اور ایسی صورت میں اسٹیٹ شیڈولڈ کاسٹس اور بیک ورڈ کلاسس فینانس کارپوریشن کی جانب سے فراہم کردہ رقم سے استفادہ کرتے ہوئے اس کو پوری ممکنہ مدد پہنچائی جائے تاکہ وہ اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہوسکے۔

ایس۔ ایف۔ڈی۔اے نے ایک زبردست اور حوصلہ افزا پروگرام تیار کیا ہے جسکے تحت آئندہ تین برسوں میں پچاس کمیونٹی باولیاں کھودی جائیں گی اور ۱۸۰۰ جدید بوروپلز تیار کی جائیں گی۔ علاوہ ازیں ۸۰۰ موجودہ باولیوں کو مزید اچھا بنایا جائیگا۔ ایجنسی ۱۸۰۰ پمپسٹوں کی فراہمی کی بھی تجویز رکھتی ہے۔

* * * * *

خاندانی منصوبہ بندی وقت کی اہم ضرورت

کاکتیا ایکسپریس کا افتتاح

سکندر آباد اور ورنگل کے درمیان سفر کی آسانی کے لئے چلائی جانے والی کاکتیا ایکسپریس کا ۲ - اپریل ۱۹۷۷ ع کو ایک سادہ تقریب میں افتتاح کیا گیا -

شری گلشن رائے ڈیویژنل سوپرنٹینڈنٹ سکندر آباد نے انجن پر ایک ناریل پھوڑ کر اور ایک تختی کی نقاب کشائی کرنے کے بعد جھنڈی ہلا کر اس ایکسپریس کے پہلے سفر کا افتتاح کیا -

ورنگل سے واپسی کے سفر کا ۳ - اپریل ۱۹۷۷ کو شری ایم راجہ راؤ ڈپٹی ڈیویژنل سوپرنٹینڈنٹ نے افتتاح کیا -

ورنگل سے نمبر ۲۵ - کاکتیا ایکسپریس صبح ۶ - بجکر ۱۰ - منٹ کو نکلتی ہے اور ۹ - بجکر ۳۰ - منٹ ٹھیک کاروباری اوقات کے آغاز پر سکندر آباد پہنچتی ہے - شام میں نمبر ۲۶ - کاکتیا ایکسپریس ۵ - بجکر ۳۵ - منٹ کو سکندر آباد سے تمام دن کے کاروبار کے اختتام پر نکلتی ہے اور ۸ - بجکر ۴۵ - منٹ کو ٹھیک رات کے کھانے اور آرام کے اوقات میں ورنگل پہنچتی ہے -

یہ ایکسپریس شمال اور جنوب کی سمت میں چلنے والی گرانڈ ٹرنک ایکسپریس کو قاضی پیٹ پر ملاتی ہے - اس طرح سے شہر حیدرآباد اور سکندر آباد سے مدراس سفر کرنے میں مزید سہولت بہم پہنچاتی ہے -

وی ۔ ملیشور راؤ

سریکاکلم کے ماہی گیر ترقی کی راہ پر

ہمارے سماج کے پسماندہ طبقات میں مچھلیاں پکڑنے والوں کا طبقہ بہت زیادہ زبوں حالی کا شکار ہے ۔ ضلع سریکاکلم میں ماہی گیروں کی آبادی تقریباً ۲ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ یہ لوگ تعلقہ جات چیپروپلی، سریکاکلم، نرسناپیٹھ، ٹکالی ، سوم پیٹھ اور ایچاپورم کی ۹ پنچایت سمیتیوں کے ۱۰۳ مواضعات میں آباد ہیں۔ یہ مواضعات راسنتھالم سمیتی کے موضع دونی پیٹھ سے ایچاپورم سمیتی کے موضع ڈونگورو تک پھیلے ہوئے ہیں۔ انکی چار اہم ذاتیں ہیں یعنی وڑابالیجی ، پلی ، ووڈی اور جالری ۔ ان ذاتوں میں جالری سب سے نچلی ذات سمجھی جاتی ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑی یہی ہے۔ شادی بیاہ کے سوا ان ذاتوں کے مذہبی سماجی اور تمدنی طور طریقوں میں کسی قسم کا فرق اور امتیاز نہیں ہے۔ چونکہ ان کا پیشہ مچھلیاں پکڑنا ہے اس لئے ان کا جانفشانیوں سے معمور دن صبح صادق سے کچھ پہلے شروع ہوتا ہے اور رات میں دیر گئے اختتام کو پہنچتا ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ زرعی مزدوروں کی حیثیت سے محنت کرکے اپنی روزی کماتے ہیں۔ لیکن اس طرح کمائی ہوئی انکی قلیل آمدنی انکے بڑے بڑے خاندانوں کی کسی طرح کفیل نہیں ہوتی ہے ۔ یہ لوگ خاندانی منصوبہ بندی سے قطعی نابلد ہیں۔

تعلیم سے محرومی، ذرائع رسل و رسائل کی غیر معقول دستیابی اور سماج کے دوسرے طبقات سے تقریباً بے تعلقی کے باعث ہمارے ماہی گیر ایک مدت سے چلے آنیوالے قدیم رسوم اور روایات کو اپنائے ہوئے ہیں اور توہمات کا شکار ہیں۔ اپنے پیشے کے سلسلے میں وہ اب بھی پرانے اور ابتدائی دور کے طریقوں سے چمٹے ہوئے ہیں چونکہ وہ غربت و افلاس کے مارے ہوئے ہیں اس لئے پسماندگی انکا پیچھا نہیں چھوڑ رہی ہے ۔ دور جدید کی سہولتوں جیسے اسکول ، دواخانے، سڑکیں اور پینے کے پانی کی غیر معقول سربراہی انکی پسماندگی کی علامتیں ہیں۔

ماضی میں ساہوکاروں اور تاجروں نے بڑی بے رحمی کے ساتھ انکا استحصال کیا۔ ان لوگوں نے ان کی قلیل آمدنی کو بھی ان کے پاس رہنے نہیں دیا۔ ان بے رحم تاجروں نے ان کو ادھار دے کر اور ان سے بھاری شرح سود وصول کرکے ان کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔ وہ ان سے سمندر سے نکالی ہوئی انکی قیمتی پیداوار سستے داموں خرید لیتے تھے اور مال تولنے کے لئے جعلی اوزان استعمال کرکے ان کے منوں وزنی مال کی قیمت سیروں کے حساب سے ادا کرتے تھے ۔ اس وقت مچھیروں کے علاقے میں بازاری سہولتیں مہیا نہیں تھیں ۔ بھولے بھالے مچھیرے ان بنیوں بقالوں پر آنکھ بند کرکے بھروسہ کر لیتے تھے اور اپنا مال انکی مقرر کردہ قیمتوں پر انہیں کو فروخت کر دیتے تھے ۔

انگریزوں کے دور حکومت میں ان مجبوروں اور لاچاروں کے ساتھ انتہائی لاپرواہی برتی گئی۔ ان کے غموں کے مداوے اور دکھوں کے ازالے کے لئے اس وقت کی حکومت نے ایک اقدام بھی نہیں کیا۔ خدا خدا کرکے ملک کو آزادی ملی اور اسکے ساتھ ہی عوام کے ان بھولے بسرے طبقات کی غم بھری زندگی میں خوشیوں کی کرن نمودار ہوئی۔ قوم کے دوسرے طبقات آبادی کے ساتھ ساتھ سنہ ۱۹۵۰ء کے دستور میں اس کچلے ہوئے طبقے کی جانب بھی توجہ دی گئی۔ دستور نے یہ تسلیم کیا کہ جب تک مختلف پسماندہ طبقات کے کروڑہا نفوس کو بھوک اور افلاس سے نجات نہیں دلائی جائیگی ہندوستان کی سیاسی آزادی زیادہ عرصے تک برقرار نہیں رہ سکتی۔ نتیجتاً دستور میں ان لوگوں کے تحفظ اور بہبود کے لئے متعدد دفعات کی گنجائش فراہم کی گئی۔ دستور کے رہنما اصولوں میں مملکت کی حکمت عملی کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے۔ "مملکت اس بات کی کوشش کریگی کہ عوام کی خوشحالی میں اضافہ ہو اور اس مقصد کے لئے ایک ایسے سماجی نظام کا قیام اور اس کا تحفظ کریگی جسکے تحت قومی زندگی کے تمام اداروں کے لئے سماجی معاشی اور سیاسی انصاف ہمدست ہو۔"

پھر دستور کے دفعہ ۴۶ میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ "مملکت کو چاہئے کہ وہ مخصوص توجہ کے ساتھ عوام کے کمزور طبقات خصوصاً اقوام و قبائل درج فہرست کے تعلیمی اور معاشی مفاد کو بڑھاوا دے اور ان کو سماجی ناانصافی اور ہر قسم کے استحصال سے محفوظ رکھے۔"

ان دستوری وعدوں کی روشنی میں آزاد ہندوستان کی حکومت نے پسماندہ طبقات کی فلاح و بہبود میں دلچسپی لینی شروع کردی۔ ان لوگوں کی زندگی میں سماجی و معاشی تبدیلیاں لانے کے لئے دستور میں جو مخلصانہ اور نیک وعدے کئے گئے ہیں ان کے پیش نظر حکومت نے اس سمت میں مختلف و متعدد اقدامات کئے۔ پانچ سالہ منصوبوں کے تحت ان لوگوں کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے بلند و بالا اسکیمیں اور پراجکٹس روبہ عمل لائے گئے۔

منصوبہ بند تمام کوششوں کے باوجود پسماندہ طبقات کے حالات زندگی میں کوئی قابل لحاظ بہتری نمایاں نہ ہوسکی۔ ماہی گیروں کا طبقہ بھی اس صورتحال سے مستثنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ یہ طبقہ تو اس تھوڑی بہت ترقی سے محروم رہا جو دوسرے پسماندہ طبقات کو میسر آئی۔ حکومت نے پسماندہ طبقات کی جانب بھی بھر پور توجہ دی اور درج فہرست اقوام و قبائل کی بہتری کے لئے بہت کچھ کیا گیا لیکن نہایت ناسازگار حالات کے باعث اس طبقہ کو ترقیاتی اسکیموں میں قابل لحاظ حصہ ہمدست نہ ہوسکا اور اس وجہ سے دوسرے پسماندہ طبقوں کے مقابلے میں ماہی گیروں کا طبقہ پیچھے رہ گیا۔

آندھرا پردیش

بہرحال ۱۹۷۱ء کے بعد سے ماہی گیروں کی محنت و مشقت ثمرآور ہونے لگی اور انکی جانب سے حکومت کے تعلق خاطر میں اضافہ ہونے لگا۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سنہ ۱۹۷۱ء کا سال اس طبقہ کی زندگی میں بہتری کی سمت ایک نئے موڑ کی حیثیت کا حامل ہے۔ ماہی گیروں کی ترقی کے لئے روبہ عمل لائے جانے والے اقدامات میں ضلع سریکاکلم کے ماہی گیروں کو بھی انکا مستحقہ حصہ ہمدست ہو۔

ان لوگوں کی بہبود کے لئے حکومت نے مرحلہ وار پروگرام روبہ عمل لانا شروع کیا ہے۔ اس ضلع کے متعدد ماہی گیر کشتیوں میں میکانکی کشتیاں استعمال کرنے کی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ اس بات کے پورے پورے امکانات پائے جاتے ہیں کہ [illegible]، کلنگاپٹنم اور بھاوناپاڈو میں ماہی گیری کے لئے بندرگاہیں تعمیر کی جائیں گی۔ حکومت نے پانچ مواضعات بارووا، [illegible] میں کشتیوں سے سامان اتارنے اور رکھنے کی جگہیں تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ مچھلیاں پکڑنے کی کشتیوں میں رہنما روشنیوں کی تنصیب کی بھی کچھ تجاویز زیر غور ہیں تا کہ ان کے ذریعہ رات کے اوقات میں بھی مچھلیاں پکڑی جاسکیں۔

ماہی گیروں کی کوآپریٹیو کارپوریشن اور اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی ان مواضعات کے ماہی گیروں کو پیشہ ورانہ ضروریات کی پابجائی کے لئے قرضے فراہم کررہی ہے۔ جیروبالم موضع کے ماہی گیروں کو ۹۳۰۰۰ روپیے لاگت کے نیلان جال اور میکانکی اوزار فراہم کئے گئے ہیں۔ مچھلیوں کی شرح پیدائش بڑھانے کے لئے موولا کودرو اور کونکورو میں افزائش گاہیں بنانے کی تجویز ہے۔ بار بار آبوائی طوفانوں سے ماہی گیروں کو محفوظ رکھنے کے لئے حفاظتی کمروں کی تعمیر کی تجویز زیر غور ہے۔ اسکے علاوہ مکانات بنانے کی اسکیم کے تحت ۳۸۹۱ مکانات کی تعمیر کا منصوبہ بھی تیار کیا گیا ہے۔

مسٹر ایس۔آر۔ سنکرن معتمد محکمہ سماجی بھلائی حکومت آندھرا پردیش نے بارووا میں ماہی گیروں کے ایک جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے محکمہ کی جانب سے مواضعات میں ماہی گیروں کی معیشت و اقتصادیات میں انقلاب لانے پر محکمہ کی مساعی کی۔ انہوں نے اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی کی بھی تحسین و تعریف کی جس نے ماہی گیروں کے معاشی حالت کو بہتر بنانے کی خاطر مختلف مقاصد کی پابجائی کے لئے مالی امداد فراہم کی ہے۔ مسٹر این۔ بالا کرشنا موربی مددگار ناظم محکمہ ماہی گیریات نے معتمد صاحب کو مطلع کیا کہ ضلع سریکاکلم میں تقریباً ۱۰۳ مواضعات کے پورے ماہی گیروں کو ۵۳ امداد باہمی انجمنوں کے قیام کے ذریعہ امداد باہمی سرگرمیوں سے

مربوط کردیا گیا ھے۔ اب تک ۵۰ لاکھ روپیے مالیت کی ماھی گیری کی اشیائے ضروریہ مچھیروں کو فراھم کی گئی ھیں اور ان امداد باھمی انجمنوں کو ۵ میکانیکی کشتیاں دی گئی ھیں۔ مسٹر سنکرن نے نوولیویوو امداد باھمی کی ۹۲ خواتین اراکین میں ماھی گیری سے متعلق ۹۳۰۰۰ روپیے مالیت کی اشیاء تقسیم کیں انہوں نے آندھرا پردیش فشریز کارپوریشن کی جانب سے قائم کردہ ''دوپران پروکیورمنٹ سنٹر،، کا افتتاح بھی کیا۔انہوں نے ماھی گیروں کے مواضعات کے گروپوں کے لئے آئندہ مالی سال میں دواخانوں کے قیام کی منظوری کے امکان کا بھی اعلان کیا ھے۔ حالیہ طوفان کے باعث ماھی گیروں اور صنعت ماھی گیری کو جو نقصانات پہنچے ھیں انکا سروے بھی کیا جا رھا ھے۔

ھمارے سمندری وسائل لا متناھی ھیں ان سے بھر پور استفادہ کرنے کے لئے حکومت کو زبردست مساعی کرنی ھیں۔ اگست سنہ ۱۹۷۱ع میں ''امریکن شپنگ کمپنی یونین ،، کی ایک کشتی نے کلنگاپٹنم کے قریب دو روز میں تین ٹن مچھلیاں پکڑیں۔ اس ضلع کے سمندروں میں پائے جانے والے پران (بڑے جھینگے) کافی بڑی قیمتیں حاصل کرسکتے ھیں۔ ان سمندروں میں بہت بڑی تعداد میں مچھلیاں موجود ھیں لیکن ان سے خاطر خواہ طور پر اب تک استفادہ نہیں کیا جاسکا ھے۔ یہاں اس امر کا تذکرہ بھی بے محل نہ ھوگا کہ اگر ھمارے ماھی گیروں کو موزوں تربیت دی جائے تو وہ دشمن کا پتہ چلانے میں ایک موثر ذریعہ بن سکتے ھیں۔ اس لئے کہ ھند پاک جنگ کے دوران دو ماھی گیروں ھی نے پاکستان کی تباہ شدہ آبدوز '' غازی ،، کے اجزا کی نشاندھی کی تھی حکومت نے ان دونوں محبان وطن کو ۵ ایکڑ زمین انعام کے طور پر عطا کی۔

حکومت نے ساھوکاروں کی سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے کچھ تدابیر اختیار کیں لیکن انکی گرفت ماھی گیروں پر اب بھی برقرار ھے۔ماھی گیروں میں سرکاری اداروں کی سرگرمیوں کی جانکاری چونکہ عام نہیں ھو پائی ھے اس لئے وہ اب بھی ضرورت کے وقت ساھوکاروں کے دروازوں پر جانے کے لئے مجبور ھیں۔ اپنی لاعلمی اور ناخواندگی کے سبب مچھیرے حکومت کی جانب سے اٹھائے جانےوالے فلاحی اقدامات کے ثمرات سے بہرہ یاب ھونے سے قاصر رھے ھیں۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ھے کہ اب تک جو کیا جا چکا ھے اس سے ماھی گیروں کی تیز رفتار ترقی میں مدد تو ملی ھے لیکن یہ خاطر خواہ نہیں ھے۔

میرا اپنا خیال یہ ھے کہ اگر ماھی گیروں میں تعلیم کو عام کیا جائے اور ان میں موزوں و مناسب پیشہ ورانہ تربیت بہم پہنچائی جائے تو وہ یقیناً سمندر میں چھپی ھوئی دولت سے پورا پورا استفادہ کر سکتے ھیں۔ ماھی گیروں کی حاصل کردہ سمندری دولت سے نہ صرف قومی معیشت کی بہتری میں مدد ملے گی بلکہ اس سے عوام کو غذائیت سے بھر پور خوراک بھی میسر آئیگی۔ ان علاقوں میں بہتر بازاری سہولتوں کی فراھمی کے لئے ڈونی پیٹھ اور ڈونکوروں تک ایک سڑک تعمیر کی جانی چاھئے تاکہ اطراف و اکناف کے بازاروں میں مچھلیوں کی منتقلی سہولت بخش اور آسان ھو۔ اس سڑک سے سریکاکلم کے مچھیروں کے تمام گاؤں کو ملا دینا چاھئے۔

یہ سچ ھے کہ ماھی گیروں کی پرانی نسل کے بڑھے بوڑھوں کے عادات و اطوار میں تبدیلی لانا تقریباً ناممکن ھے لیکن نئی نسل میں تعلیم عام کرکے ان کے طور طریق کو بدلا جا سکتا ھے اس لئے اسکولوں کو جانیوالی عمروں کے ۵۰۰۰ بچوں کے لئے اسکول ھونا چاھیئے اور ماھی گیروں کے بچوں میں تعلیم کے حصول کی رغبت پیدا کی جانی چاھئے اس کے علاوہ انکی معیشت کی بنیادوں کو مضبوط بنانے کے لئے اقدامات کئے جانے چاھئیں۔ ان اقدامات میں انکی اقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لئے معقول مقدار میں قرضوں کی فراھمی اور انکے مال کی فائدہ مند قیمتوں پر نکاسی کے لئے مزید ابتدائی امداد باھمی انجمنوں کے قیام سے متعلق اقدامات شامل ھونے چاھئیں۔ مزید برآں ان لوگوں کے اقتصادی حالات میں بہتری کی خاطر انکو ضروری اشیائے زندگی سستے داموں پر سربراہ کی جانی چاھئیں۔اگر سنجیدگی اور خلوص نیت کے ساتھ مذکورہ بالا تدابیر کو اختیار کیا جائے تو ان بھولے بھالے اور غریب عوام کی زندگی میں خوشیوں اور شادمانیوں کا دور دورہ ایک یقینی امر ھوجائے گا۔

* * * * *

وی - یس - سبرامنیم

کھمم میں سوروں کی پرورش اور مرغبانی کی امداد باھمی انجمن

بڑے پیمانے پر استعمال کی خاطر اشیائے ضروریہ کی فراھمی اور عوام کی غذائی ضروریات کی برتر پیمانے پر پابجائی کے سلسلے میں پولٹری سے متعلق اشیاء کی پیداوار میں تیز رفتار اضافے کی ضرورت محتاج بیان نہیں ھے۔ پرجوش زرعی پروگراموں کے جو اثرات مرتب ہوئے ھیں اور ان سے جو فوائد ظہور پذیر ہوئے ھیں ان سے زیادہ تر بڑے بڑے قطعات اراضی اور آبپاشی کی سہولتیں رکھنے والے بڑے اور ترقی یافتہ کاشتکاروں کو مستفید ہونے کے مواقع ھمدست ہوئے ھیں اور چھوٹے قطعات اراضی رکھنے والے کسان ان فوائد سے کماحقہ مستفید نہیں ہوسکے۔ اس صورت حال کے باعث دیہی علاقوں میں معاشرتی فوائد و مراعات کے ضمن میں عدم توازن کی کیفیت پیدا ہو گئی ھے ۔ اس لئے یہ ضروری ہو گیا ھے کہ سماج کے کمزور طبقات کو پیداواری صلاحیت کے حامل روزگار کے مواقع زیادہ تعداد میں فراھم کئے جائیں تا کہ ان کو بھی قومی زندگی کے عظیم دھارے میں شامل کیا جاسکے۔

چھوٹے کسانوں اور زرعی مزدوروں کے لئے، جنکی آمدنی میں کسی اور روزگار سے اضافہ کرنا ضروری ھے، پرورش و افزائش جانوران کا مشغلہ ایک انتہائی منفعت بخش پیشہ ھے جسکی بدولت ان کو اپنے فاضل اوقات میں آمدنی بڑھانے کا ایک مفید ذریعہ ھاتھ آتا ھے۔ ضلع کھمم کو اپنے خصوصی محل وقوع۔ بازاری سہولتیں۔ قدرتی وسائل اور وسیع انفرا اسٹرکچر کی موجود گی کی بدولت افزائش جانوروں کے پروگراموں کی عمل آوری کے لئے ترجیحی موقف حاصل ھے۔ اس کا خصوصی محل وقوع پیداوار کو سہولت کے ساتھ اور وقت کو ضائع کئے بغیر بازاروں تک پہنچانے میں بڑا معاون ھے۔ اس کے علاوہ ضلع کھمم کے قرب و جوار میں سنگارینی کالریز کمپنی کتہ گوڈم تھرمل پاور اسٹیشن، لوئرسلیرو ہائیڈل پراجکٹ ، فروسیلی کون اور آندھرا اسٹیل وغیرہ جیسے صنعتی اداروں پر مشتمل ایک وسیع صنعتی پٹی واقع ھے جہاں ڈیری اور مرغبانی کی اشیاء کی کھپت کے لئے بنا بنایا بازار موجود ھے۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی کھمم نے چھوٹے اور مارجینل کسانوں اور زرعی مزدوروں کی آمدنی بڑھانے کے لئے اس ضلع میں امداد باھمی بنیادوں پر مرغبانی ، افزائش خنازیر اور ڈیری سے متعلق پروگراموں کا آغاز کیا ھے اور ان پروگراموں سے فائدہ اٹھانے والوں کو درج فہرست اقوام، پسماندہ طبقات اور درج فہرست قبائل سے چنا گیا ھے امداد باھمی بنیاد پر انجمنوں کے قیام کا اھم مقصد یہ ظاھر کرنا ھے کہ ایک فرد واحد کے مقابلے میں افراد کی ایک جماعت متحدہ طور پر اپنی توانائیوں کو کام میں لاکر کثیر ترین فائدے حاصل کرسکتی ھے۔ امداد باھمی انجمنیں ترتیب دینے سے اراکین میں یہ احساس پیدا کرنے میں بھی مدد ملتی ھے کہ وہ سب ایک دوسرے کے لئے کام کر رھے ھیں۔ امداد باھمی انجمنیں چونکہ کارپوریٹ باڈیز ہوتی ھیں اس لئے ان کو بینکوں سے بہ آسانی قرضے ھمدست ہوجاتے ھیں۔

کھمم کوآپریٹیوپولٹری کا موازنہ ۳لاکھ روپیئے ھے اس کے تحت مستفیض ہونے والوں کی تعداد ۱۰۰ اور پرندوں کی تعداد ۱۰۰۰۰ ھے یعنی ھر رکن کے لئے ۱۰۰ پرندے چونکہ پورے کے پورے اراکین کمزور طبقات سے تعلق رکھتے ھیں اور اقتصادی لحاظ سے غریب ھیں اس لئے اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی نے ان سب کے لئے سرمایہ حصص فراھم کیا ھے اس طرح اراکین پر پڑنے والے مالی بوجھ میں کمی کی گئی ھے اور امداد باھمی انجمنوں کے رکن بننے میں ان کی اعانت کی گئی ھے۔

انجمنوں کو اپنی سرگرمیاں آغاز کرنے کے قابل بنانے کے لئے اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی نے کھمم کوآپریٹیو سوسائٹی کو ایک تہائی رقمی امداد کے طور پر ۵۰۰۰۰ روپئے دیئے ھیں۔ علاوہ ازیں اس سلسلے میں شیڈولڈکاسٹس اینڈ بیک ورڈ کلاسس فینانس کارپوریشن نے بھی ناگرجونا گرامینا بینک کھمم کے لئے ۲۰ فیصد کی مارجن منی(Margin Money) اجراء کی ھے۔

کھمم میں ناگرجونا گرامینا بینک مرغبانی کے لئے مالیہ فراھم کر رھا ھے۔ اس بینک کی جانب سے کوآپریٹیو پولٹری فارمنگ سوسائٹی کھمم کے لئے ۳ لاکھ روپیئے اجراء بھی کئے جا چکے ھیں۔

کھمم میں مرغبانی اور سوروں کی پرورش کے لئے چھ سائبانوں کی تعمیر مکمل کرلی گئی ہے۔

سوسائٹی کے لئے چوزوں کی مقررہ تعداد ۱۰۰۰۰ میں سے ۵۰۰۰ چوزے حاصل کر کے انہیں چھ سائبانوں میں رکھا گیا ہے۔ پولٹری فارم کے اطراف ناریل کے ایک سو درخت لگا دئے گئے جو سایہ دینے کے علاوہ ذیلی آمدنی کا ایک ذریعہ بھی بن سکتے ہیں۔

کھمم میں سوروں کی پرورش کی انجمن امداد باہمی کے لئے بھی ناگرجونا گرامینا بینک، کھمم ایک لاکھ روپیے کا سالانہ فراہم کر رہی ہے۔ اس انجمن کے لئے سائبان کی تعمیر مکمل کرلی گئی ہے اور یارک شائر کی نسل کے ۵۰ سور خرید لئے گئے ہیں۔

ان سوسائٹیوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کا انتظام اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی کی جانب سے موثر طور پر انجام دیا جا رہا ہے۔ اور اس امر کا لحاظ رکھا جا رہا ہے کہ جو بھی منافع ان سوسائٹیوں کو ہمدست ہو، اس کی اراکین میں تقسیم مساویانہ طور پر عمل میں لائی جائے۔ یہ کہنا کوئی مبالغہ آمیز بات نہیں ہوگی کہ چھ ماہ کے اندر اندر ان سوسائٹیوں کی بدولت اراکین کے اقتصادی معیار کو بلند کرنے میں زبردست مدد ملے گی۔

مرغبانی کی سوسائٹی کے پیش نظر یہ امر ہے کہ جب چوزے انڈے دینے کے قابل ہو جائیں تو انکی ۵۰ تا ۱۰۰ عدد پرندوں پر مشتمل یونٹس ہر رکن کو دیدی جائیں۔ ان پرندوں سے حاصل کردہ انڈوں کو اراکین پولٹری مارکٹنگ سنٹر کھمم کو فروخت کریں گے۔ پولٹری مارکٹنگ سنٹر انڈوں کی قیمت کا ۵۰ فی صد حصہ بینک کو ادا کرے گا۔ اس طرح مرغیاں ایک سال کی عمر کو پہنچنے تک تمام قرض بے باق ہو جائیگا۔ جب مرغیاں ذبح کرنے کے لائق ہوجائیں گی تو اراکین کو ان کے عوض انڈے دینے والی دوسری مرغیاں فراہم کر دی جائیں گی۔

یہ پوری کی پوری اسکیم محکمہ افزائش جانوران کھمم اور پولٹری مارکٹنگ آفیسر ورنگل کی تیار کردہ ہے اور کمزور طبقات کے لئے ایک نعمت کی حیثیت رکھتی ہے۔

مذکورہ سخت اقدامات کی مدد سے سرکار کو اسمگلنگ کی سرگرمیوں کو روکنے میں کافی حد تک کامیابی ملی ہے۔ اسمگلنگ کے خلاف کارروائی تیز تر کردی گئی ہے ۔ لیکن جو ناجائز مال پکڑا گیا ہے اس کی مالیت کم ہوئی ہے ۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ۱۹۷۴-۷۵ع میں اسمگلروں کی سرگرمیوں میں بہت کمی ہوئی ہے ۔

۱۹۷۴ع کے پہلے نو مہینوں میں کل ۳۶,۷۸۸ کیسوں میں ناجائز مال پکڑا گیا جسکی مالیت لگ بھگ ۴,۳۶۷ لاکھ روپے تھی ۔ اس کے مقابلے میں ۱۹۷۴ع کے آخری تین مہینوں میں اور جنوری ۱۹۷۵ سے جولائی ۱۹۷۵ع تک کے عرصے میں کل ۴۸,۴۰۷ کیسوں میں ناجائز مال پکڑا گیا جس کی مالیت تقریباً ۳,۴۳۵ لاکھ روپے تھی اور اس میں ۱۰۰ لاکھ روپے کی مالیت کا پہلے سے پکڑا ہوا سامان بھی شامل تھا ۔ اکتوبر ۱۹۷۵ع تک اسمگلنگ کی روک تھام اور زرمبادلہ کے تحفظ سے متعلق قانون (کنزرویشن آف فارن ایکسچینج اینڈ پریونشن آف اسمگلنگ ایکٹیویٹیز ایکٹ ۔ ''کوفی پوسا'') کے تحت

آپ کیا کرسکتے ہیں :

آپ درآمد شدہ ایسی چیزیں نہ خریدیں جو ناجائز طریقوں سے بیچی جارہی ہوں ۔ کسی باقاعدہ دوکان سے چیزیں خریدئے اور ان کی رسید حاصل کیجئے ۔

اپنے کنبے کے ممبروں میں غیر ملکوں میں تیار شدہ چیزیں خریدنے کے خبط کی حوصلہ شکنی کیجئے ۔ آپ کی ضرورت کی سبھی چیزیں آج کل بھارت میں تیار کی جارہی ہیں ۔ اگر آپ اسمگل شدہ مال نہ خریدیں تو اسمگلنگ کا کاروبار ہرگز چمک نہیں سکتا ۔

* * * * *

رائل سیما میں معدنی دولت اور صنعتی فروغ کے مواقع ۔

بدیع الزماں اعظمی

افلاطونی اکاڈمی

دنیاکی قدیم عمارتیں جو مدتوں تک مدفون رهنے کے بعد منظر عام پر آگئی هیں هارے پهاؤڑوں هی کی رهین منت هیں - اگر هم انکے سهارے اپنی صبر آزما محنت سے کام لیکر کهدائی نه کرتے تو ان قدیم عمارتوں کی نشاندهی نه هوپاتی جو آج هارے لئے مایه ناز تاریخی عجوبه بنی هوئی هیں - خواه وه نیل کهاٹی میں فراعنه مصر کے دور کی عمارتیں هوں یا دجله فرات گهاٹی میں مدفون شهر بابل کی عمارتیں اور معلق باغ هوں ، خواه وه سنده گهاٹی کے مدفون شهر موهنجاداڑو اور هڑاپا کی قدیم تهذیبوں کے نقوش هوں یا جزیره ابسٹر کے سنگی انسانی مجسمے هوں ، خواه وه وسطی امریکه میں مایا قوم کے هاتهوں تعمیر کئے گئے مدفون شهر چیچین انزا اور ازسل کی شاندار عمارتیں هوں یا جنوبی امریکه کے ملک پیرو میں انقا دور حکومت میں تعمیر کرده شهر ماچوهچو کی محیرالعقول عمارتیں هوں - دنیا بهر میں بکهری هوئی یه ساری عمارتیں گذشته تهذیب و تمدن کی گواهی زبان حال سے دے رهی هیں -

افلاطونی اکاڈمی کے بهی نشانات همیں نه ملتے اگر یونانی حکومت نے وهاں کے ممتاز دانشوروں ، مفکروں اور ادبائ کی بے تابانه گذارش پر سنه ۱۹۳۳ء میں کهدائی کے کام کا آغاز نه کیا هوتا - کهدائی کا کام پورے عزم اور اراده کے ساته شروع کیا گیا - خوش قسمتی سے کهدائی کا نتیجه کامیاب رها - افلاطونی اکاڈمی کا نه صرف محل وقوع دریافت کرلیا گیا بلکه مزید کهدائی کے بعد اسکی عمارتیں بهی دعوت نظاره دینے لگیں جنهیں دیکهکر بڑی بڑی مقتدر هستیاں اور ریسرچ اسکالرس بچوں کی طرح نعرۂ تحسین بلند کرتے هوئے مارے خوشی کے ناچنے لگے - اکاڈمی کی عمارتوں کے علاوه وه کشاده پخته راسته بهی منظرعام پر آگیا جس کے ایک سرے پر افلاطون کی رهائش گاه تهی اور افلاطونی اکاڈمی بهی اور دوسرے سرے پر ایتهنز کی قدیم اکاڈمی کی عمارتیں تهیں جن کے متصل زیتون کے باغات بهی تهے - اس پخته راسته پر افلاطون دن میں کئی بار چهل قدمی کرتا هوا اپنی رهائش گاه سے قدیم اکاڈمی کو جایا کرتا تها -

ماقبل عهد افلاطون یونان میں علمی ادارے قایم هوچکے تهے جو اکاڈمی کے نام سے موسوم تهے - اکاڈمی کا لفظ اکاڈیمس (Academus) سے مشتق هے جو یونانی دیومالا میں ایک مقدس دیوتا تها - شهر ایتهنز کے شمال مغرب میں ایک میل کے فاصله پر سیفیسوس ندی کے کنارے ایک خوش نما قطعه زمین پر اس دیوتا کا ایک معبد بنا هوا تها جهاں کئی ایک فوارے اسکی دلکشی اور خوبصورتی کو چار چاند لگارهے تهے - یه معبد بهی زیتون کے باغیچوں سے گهرا هوا تها - اسکے قریب هی ایک شاندار اور پر کشش جمخانه (Gymnasium) بهی جسانی ورزش کے لئے بنا هوا تها - ایتهنز کے قریب هی اولمپیا میں جهاں یونانی دیوتاؤں کےجد امجد زیوس دیوتا کا معبد تها وهیں پر ایک کشاده اسٹیڈیم (Stadium) بهی بنا هوا تها - زیوس دیوتا سے اپنی عقیدت کا اظهار کرنے کے لئے اسٹیڈیم میں اولمپک گیمس منعقد هوا کرتے تهے - اسٹیڈیم اتنا وسیع اور کشاده تها که اسکے اندر دوسوگز کی دوڑ کا بیضوی شکل کا گهرا هوا میدان ، نیزه اور ڈسکس پهینکنے کے لئے کهلا هوا میدان ، گهوڑوں کی دوڑ اور رتهوں کی دوڑ کا انتظام ، اندرون خانه کهیلے جانےوالے کهیلوں کے لئے کمرے ، مقابله کنندگان کے لئے حمام اور کپڑے تبدیل کرنے کے لئے کمرے بنے هوئے تهے -

ان اولمپک کهیلوں کی شروعات سنه ۷۷۶ ق - م میں هوئی تهی - یه مقابلے هر چار سال بعد منعقد هوا کرتے تهے - ان میں شریک هونے والے وهی کهلاڑی یونان کی سوله شهری ریاستوں سے منتخب هوکر آیا کرتے تهے جنهوں نے کبهی بهی کوئی ارتکاب جرم نه کیا هو - هر کهلاڑی کو اس بات کی قسم بهی کهانی پڑتی تهی که دوران مقابله بے ایمانی کو راه نه دے گا - عورتوں کو ان مقابلوں میں شرکت کرنے یا بطور تماشه بیں اسٹیڈیم میں بیٹهنے کی بهی اجازت نه تهی - شهری ریاستیں جو آپس میں برسر پیکار رها کرتی تهیں اولمپک کهیلوں کے دوران صلح کن پالیسی اختیار کرلیا کرتی تهیں اس طور پر سارے ملک یونان میں امن و آشتی کا دور دوره هوجاتا تها - مندرجه ذیل مقابلے بڑے جوش و خروش کے ساته منعقد هوا کرتے تهے -

۱-دوڑ - (سو گز کی دوڑ سے لے کر ایک میل کی دوڑ)-

۲-لمبی اور اونچی کود-

۳-نیزه اور ڈسکس پهینکنا-

۴۔کشتی اور مکے بازی -

۵۔گھوڑوں کی دوڑ -

۶۔رتھوں کی دوڑ -

جسمانی ورزش کے پیش نظر یونانی حکومت کا یہ گونا گوں دلفریب انتظام اس لئے تھا کہ وہاں کے ہر طبقہ کے نوجوانوں میں اسپورٹس کا صحیح ذوق پیدا ہو سکے۔ عمر رسیدہ لوگوں کا اگرچہ مقصد اولین یہ تھا کہ ابھرتے ہوئے نوجوانوں کی جسمانی نشو و نما بطریق احسن ہو مگر صرف جسمانی نشو و نما ہی ان کا منتہائے مقصد نہ تھا بلکہ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ جسمانی بالیدگی کے ساتھ ساتھ ان کا ذہنی ارتقاء بھی ہو اور ان میں اخلاقی قدریں بھی اجاگر ہوتی رہیں۔ چونکہ ذہنی ارتقاء کے لئے جسمانی بالیدگی ضروری ہے اس لئے جمناسٹک اور اسپورٹس کو بڑھاوا دیا جاتا تھا۔ مقابلوں میں جیتنے والوں کو زیتون کے پتوں کا بنا ہوا تاج اور ہار پہنایا جاتا تھا انہیں ایک جلوس کی شکل میں ان کے شہروں تک پہنچایا جاتا تھا۔ انکی شان میں قصیدے پڑھے جاتے تھے۔ متعدد نقیب جیتنے والوں کے ناموں اور انکی شہری ریاستوں کا اعلان پورے ملک میں کرتے تھے۔ ان قدیم اولمپک کھیلوں کا سلسلہ سنہ ۳۹۴ ع تک رہا۔ پندرہ سو برس تک بند رہنے کے بعد سنہ ۱۸۹۶ع میں انکی شروعات ماڈرن اولمپک گیمس کے نام سے ہوئی - جب سے یہ ہر چوتھے سال دنیا کے کسی نہ کسی ملک میں منعقد ہو رہے ہیں۔ اب عورتوں کے بھی مقابلے ہونے لگے ہیں۔ سنہ ۱۹۷۶ع کے اولمپک گیمس ملک کنیڈا کے شہر اوٹاوہ میں منعقد ہوئے تھے اور اب سنہ ۱۹۸۰ع میں ملک روس میں منعقد ہوں گے -

قدیم اکاڈمی کے متعدد کمرے درس و تدریس کے لئے وقف تھے جہاں فلسفہ اور سیاسیات کے اہم نکات پر بحث و مباحث ہوتے تھے۔ اس اکاڈمی میں بھی افلاطون نے کئی سال تک درس و تدریس کا سلسلہ قائم رکھا تھا - اگرچہ اس اکاڈمی کے مقاصد بلند تھے مگر اس کا نظم معیاری نہ تھا اس لئے افلاطون نے اپنی ایک علحدہ اکاڈمی قائم کرلی جو افلاطونی اکاڈمی کہلاتی تھی -

چونکہ افلاطون بن ارسطون نے سنہ ۴۲۷ ق-م- میں ایک متمول گھر میں اپنی آنکھیں کھولی تھیں اس لئے افلاطون کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی گئی - اسکی جسمانی نشو و نما پر بھی پورا دھیان دیا گیا جس کے نتیجہ میں خوبرو نہ ہوتے ہوئے بھی وہ اچھی صحت اور اچھے ہاتھ پاؤں والا ایک تندرست اور پرکشش نوجوان بن گیا۔ اس کا اصلی نام ارسطوقل تھا مگر وہ پلوٹو (افلاطون) کے لقب سے ہی پکارا جاتا تھا - پلوٹو کے لفظی معنی ہیں کشادہ کندھے رکھنے والا۔ جوانی میں قدم رکھنے کے قبل ہی لوگ اس کا اصلی نام بھول چکے تھے۔ وہ پلوٹو ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

عنفوان شباب میں ہی جب کہ وہ ایک الھڑ جوان تھا اس نے ڈرامے اور نظمیں لکھنا شروع کردیا تھا۔ بیسویں سالگرہ پر اسے یونان کے سب سے بڑے مفکر سقراط کی خدمت میں پیش کیا گیا - آٹھ برس تک وہ یکتائے زمانہ فلسفی سقراط سے مختلف مضامین پر درس لیتا رہا۔ فلسفہ قانون، نفسیات اور اخلاقیات اس کے خصوصی موضوعات تھے۔ افلاطون اپنی خداداد ذہانت، محنت اور لگن کی بدولت بہت جلد سقراط کے صف اول کے شاگردوں میں سر فہرست ہو گیا۔ سقراط کی جبری موت کا اس کے دل و دماغ پر ایک گہرا اثر پڑا - سقراط دل و جان سے اہل یونان اور ایتھنز کے ارباب حکومت کی اصلاح کرکے انہیں انسانی قدروں سے مالامال کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ اسکی روشن اور صالح تعلیمات اور ارباب حکومت کے انسانیت کش رویہ میں ایک زبردست ٹکراؤ تھا اس لئے سقراط کو ان کے تعصبات، توہمات اور مشتعل جذبات کی بھینٹ چڑھ جانا پڑا۔ سقراط نے زہر کا پیالہ پیتے ہوئے کہا تھا کہ میں تو نہ ہوں گا مگر اس چراغ کی لو کبھی مدھم نہ ہوگی جسے میں نے روشن کیا ہے - چنانچہ افلاطون نے بھی اپنے استاد محترم کے نقش قدم پر چل کر ان کی تعلیمات سے وجدان لیے ہوئے ان کے مشن کو پورا کرنے کا عزم بالجزم کرلیا۔ مملکت یونان کے اندر ایک صالح حکومت قائم کرنا اور ارباب حکومت میں عدل و انصاف، ترحم و اخلاقی اقدار کا جذبہ بیدار کرنا اس کا نصب العین بن گیا۔

سقراط کی موت سے متاثر ہو کر افلاطون شہر ایتھنز کو خیرباد کہکر عازم سفر ہو گیا۔ اس نے تقریباً یونان کے سبھی اہم مقامات کی سیر کی - ملک یونان سے نکلکر وہ مغرب میں جزیرہ سسلی تک اور جنوب مشرق میں ملک مصر تک گیا۔ اسکا یہ سفر محض سیر و تفریح کے لئے نہ تھا بلکہ ایک مقصد کے تحت تھا۔ جب افلاطون جزیرہ سسلی میں مقیم تھا تو وہ وہاں کے حکمران مسمی ڈائینوسیس کے دل و دماغ کو اخلاقی قدروں کی روشنی سے منور کرنا چاہتا تھا مگر اس نے اس کا الٹا ہی اثر لیا۔ اس جابر حکمراں نے مشتعل ہو کر افلاطون کو بطور غلام ایک شخص کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ بالآخر قیروان کے ایک نیک نفس انسان نے افلاطون کی ہمہ گیر شخصیت سے متاثر ہو کر اسے خرید کر آزاد کردیا۔

افلاطون ایک دہائی تک اپنی خداداد ذہانت کو مختلف انداز پر سنوارتا رہا۔ جزیرہ مسلی میں اسنے آتش فشاں پہاڑوں، انکی چٹانوں اور مدفون شہروں کا جائزہ لیا۔ یونان سے متصل سیکڑوں جزائر میں اس نے نباتات اور معدنیات کا غائر مطالعہ کیا۔ افلاطون جہاں جہاں بھی گیا وہ وہاں کے دانشوروں سے

تبادلہ خیالات بھی کرتا رہا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ ایتھنز واپس آیا تو انواع اقسام کی معلومات اور دبس دبس کی خوبیوں سے مالا مال ہو چکا تھا۔ اس نے ایتھنز کی قدیم اکاڈمی میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔

سقراط کی طرح افلاطون بھی فیثاغورثی فلسفیوں سے متاثر تھا۔ خاص طور پر فیلولوس، ارشطوس اور یوریطوس سے اسے ایک خاص عقیدت تھی جن سے وہ ذاتی طور پر متعارف بھی تھا۔ افلاطون اپنے انداز فکر اور اپنے فلسفہ کی بنا٫ پر نہ صرف زندۂ جاوید بن گیا بلکہ آج بھی اسکے فلسفہ سے روشنی لی جارہی ہے۔ افلاطون نے اپنے فلسفہ کی اساس ہرقیلوطوس کی طبیعات ، فیثاغورث کی مافوق الطبیعیات اور سقراط کی اخلاقیات پر رکھی تھی۔

ایتھنز کی قدیم اکاڈمی کے اندر جس نہج پر تعلیم دی جارہی تھی اس سے افلاطون بالکل مطمئن نہ تھا۔ اسلئے اس نے قدیم اکاڈمی کے سد مقابل زیتون کے باغیچہ کے قریب ایک قطعہ زمین معہ ایک رہائشی مکان خریدلیا۔ وہیں بیٹھ کر اس نے درس تدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ دیکھتے دیکھتے ممتاز اور ہونہار نو جوانوں کی ایک ٹولی اس کے گرد جمع ہوگئی اور پروانہ وار اسکے اشاروں پر ناچنے لگی۔ جب افلاطون نے اپنے پرستاروں کے سامنے اپنے منصوبہ کے مطابق اپنی اکاڈمی کے لئے عمارت تعمیر کرنے کا اظہار خیال کیا تو ہرایک نے لبیک کہا اور ہر طرح کا تعاون دیکر اکاڈمی کی عمارت تعمیر کرادی۔ کچھ ہی عرصہ کے اندر افلاطون کی شہرت سارے یونان میں بحیثیت ایک مفکر فلسفی اور بے مثل استاد کے پھیل گئی۔ پھر تو طلبہ کی ایک بڑی تعداد اکاڈمی میں داخلہ لینے کی خواہش مند ہوگئی۔ افلاطون نے اکاڈمی کے صدر کی حیثیت سے اپنے شاگردوں کی ذہنی تربیت چالیس سال تک کی۔

اکاڈمی میں داخلہ کے لئے یہ عبارت اکاڈمی کی غلام گردش پر جلی حروف میں کندہ تھی ''علم ھندسہ (Geometry) سے نا بلد طلبہ کا داخلہ ممنوع ہے ،،۔ چند محققین کی رائے ہے کہ افلاطون نے اپنے حلقہ بگوشوں کے لئے کم سے کم قابلیت کا معیار یہی رکھا تھا مگر بعض کا خیال ہے کہ نہ صرف ایک خاص مضمون بلکہ جملہ مضامین کے لئے یہ شرط رکھی گئی تھی۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ کندہ کی ہوئی عبارت میں علم ھندسہ (Geometry) کا لفظ افلاطون کے ذوق کی غمازی کرتا ہے۔

افلاطونی اکاڈمی میں یوں تو جملہ مضامین پر درس دیا جاتاتھا مگر علم ھندسہ ، علم الحساب اور علم ھیئت کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی۔ فن خطابت پر کافی زور دیا جاتا تھا اور یہ فن پوری دلچسپی کے ساتھ سکھایا جاتا تھا۔ جغرافیہ کی تعلیم اس نہج پر دی جاتی تھی کہ جس سے طلبہ میں دوسرے ممالک کی طبعی ساخت ، آب و ہوا ، نباتات اور پیداوار وغیرہ کا علم ہونے کے علاوہ وہاں کے بسنے والوں کی زندگی سے پوری واقفیت ہوجائے یعنی ان کے رسم و رواج ، سیاسی اور سماجی حالات اخلاقی اقدار اور مذہبی عقائد کا پورا پورا گیان ہوجائے۔ افلاطون کوخود اس مضمون میں کافی بصیرت تھی چنانچہ اس نے اپنے علم کی بدولت گمشدہ براعظم اٹلانٹس کی نشاندھی آج سے ساڑھے تئیس سو (۲۳۵۰)برس قبل اس زمانہ میں کردی تھی جبکہ آجکل کے سائنسی آلات نہ تھے اور نہ بحر پیما ادارے ہی قائم ہوئے تھے۔ افلاطون کے اس خیال کی تائید آج علم طبقات الارض کے ماہر ایک روسی سائنسداں میریاخولوف کی تحقیق سے ہو رہی ۔ اس نے اپنی یہ تحقیق روس کی اکاڈمی آف سائنس میں پیش کی کہ بحر اٹلانٹک میں واقع جزائر ازورس (Azores) کے شمال میں ۶۰ میل کے فاصلہ پر بحر اٹلانٹک کی چھ ہزار چھ سو فٹ کی گہرائی سے حاصل کردہ چٹانوں کے ٹکڑوں کا کیمیاوی تجزیہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ ان چٹانوں پر پندرہ ہزار سال قبل کے فضائی اثرات پائے جاتے ہیں۔ اس تحقیق سے افلاطون کے تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

افلاطونی اکاڈمی میں جسمانی نشو و نما کے لئے ورزش ، کشتی ، دوڑ وغیرہ میں حصہ لینا ہر طالب علم کے لئے لازمی تھا۔ اکاڈمی میں بہت ہی کامیابی کے ساتھ فلسفہ قانون اور سیاسیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ گرچہ افلاطون کی روز افزوں شہرت کی بنا پر اسے ملک کے اندر بڑے سے بڑا اقتدار سونپنے کی متعدد بار پیش کش کی گئی مگر اس نے اسے ہمیشہ ٹھکرادیا پھر بھی وہ حکومت کی پالیسیوں پر اپنے کامیاب طلبہ کی بدولت جو کلیدی عہدوں پر فائز ہوچکے تھے بھر پور اثر اندازہوتا رہا اور اپنی مرضی کے مطابق حکومت کی مشنری چلاتا رہا۔ اسطور پر افلاطون کا وہ خواب پورا ہوگیا جو اس نے سقراط کی موت کے وقت عالم بیداری میں دیکھا تھا۔

افلاطون کی موت کے بعد بھی صدیوں تک افلاطونی اکاڈمی کی شہرت اور اسکی اثر اندازی بڑھتی ہی رہی۔ شہرۂ آفاق حکیم ارسطو بھی اسی اکاڈمی کا خوشہ چین رہ چکا تھا جو بعد میں اکاڈمی کے لئے ایک اعلی پایہ کا مایہ ناز استاد ثابت ہوا۔ سکندر اعظم کو ارسطو جیسے با کمال استاد کی شاگردی کا فخر حاصل ہے حکیم ارسطو اسکا اتالیق بھی تھا اور مشیر خصوصی بھی۔ ارسطو جیسے بہت سارے اکاڈمی کے طلبہ ہر دور میں بے نظیر شخصیت کے مالک بن کر یونانی اور رومن حکمرانوں کے لئے مشعل راہ بنے رہے۔

افلاطونی اکاڈمی میں طریقہ تعلیم کے کئی مدارج تھے ۔ (الف) تکرار ۔ (ب) بحث و مباحثہ ۔ (ج) سوال و جواب ۔ آخری مرحلہ یعنی سوال و جواب ، بہت ہی اہمیت کا حامل تھا ۔ افلاطون بذات خود اس میں یدطولیٰ رکھتا تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے فرمودات کے قلمی نسخے جو بروقت محفوظ بھی ہیں مکالمہ کی صورت ہی میں ہیں ۔ افلاطون اپنے ہونہار طلبہ میں کسی خاص موضوع پر اپنے اپنے مشاہدات اور اپنی اپنی تحقیق پر مبنی خیالات کا آپس میں آزادانہ تکرار کی تلقین کیا کرتا تھا خواہ اس کے نتیجے میں ایک دوسرے کے خیالات کی تردید کے علاوہ کوئی مثبت پہلو نکلے یا نہ نکلے ۔

افلاطون نے بیاسی سال کی عمر میں سنہ ۳۴۷ ق ۔ م ۔ میں وفات پائی ۔ اس کی اکاڈمی ہر قسم کے تعصبات سے ہمیشہ پاک رہی ۔ ہر مکتبہ فکر اور ہر اعتقاد کے طلبہ اس اکاڈمی سے مستفیض ہوتے رہے ۔ اس اکاڈمی نے افلاطون کی موت کے بعد بھی نو سو برس تک اپنا کارمنصبی بدرجہ اتم انجام دیا ۔ سنہ ۵۰۳ ع میں مشرقی رومن سلطنت کے فرماں روا اگسٹینی اول نے مسیحی تعصب سے مغلوب ہو کر نہ صرف افلاطونی اکاڈمی کو بلکہ ان دیگر اداروں کو بھی ختم کردیا جہاں جہاں فلسفہ قانون اور سیاسیات کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ اگر چہ افلاطونی اکاڈمی کا خاتمہ قانون کے بل پر کردیا گیا مگر اس اکاڈمی نے اپنے نو سو سالہ دور میں اپنے مشن کو ضرورت سے زیادہ پورا کرلیا ۔

افلاطون نے اپنی دور رس نگاہوں سے ان سارے اہم خیالات کا احاطہ کرلیا تھا جو انسانی دماغ میں جنم پاتے رہتے ہیں ۔ چنانچہ اس نے اکاڈمی کا نصاب اور طریقہ تعلیم اس نہج کا بنایا تھا کہ وہ اپنے سے بعد میں آنیوالی نسلوں کے خیالات پر اثر انداز ہوتا رہے ۔ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ افلاطون ایک غیرمعمولی اہمیت کا انسان تھا ۔ اس کے خیالات نہ صرف ایک نئی تہذیب یعنی مغربی تہذیب کے جنم داتا ثابت ہوئے بلکہ یورپ کے اندر نشاۃ ثانیہ کے دور کو جنم دیکر علمی ، سائنسی ، تحقیقی ، طبی ، صنعتی ترقی اور جمہوری قدروں کو ممکن بنایا ۔ لہذا ہم بلا خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ دور کی حیرتناک ترقی دراصل افلاطونی اکاڈمی کی ہی رہین منت ہے ۔

* * * * *

——(باتیں کم کام زیادہ)——

۲۰ - ابریل کو حیدرآباد میں ڈسٹرکٹ پلاننگ کانفرنس منعقد کی گئی - شری بی - پی - آر - وٹھل سکریٹری فینانس نے [illegible] کانفرنس کی صدارت کی -
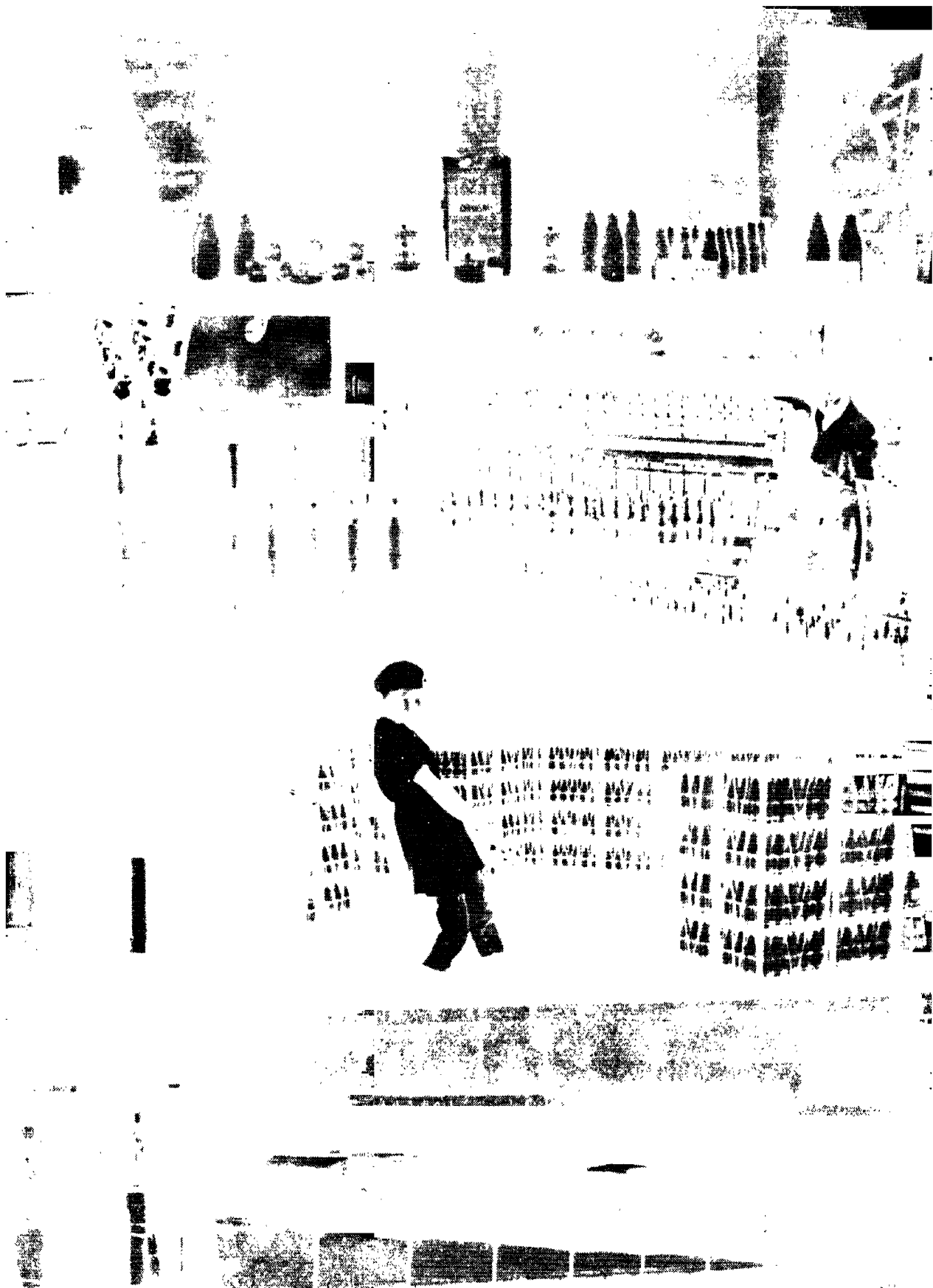
[illegible]ری کے - ایس - راجن جنرل مینیجر ساؤتھ سنٹرل ریلوے نے ۴ - ابریل کو سکندرآباد ریلوے اسٹیشن پر " ڈیری بار[illegible] " کا افتتاح کیا -

خبریں تصویروں میں

شری بی - گوپال ریڈی نے شری گنڈے راؤ ہر لر ایک مشہور و بلندپایہ شاعر و سابق سشن جج کو ۲۵- مئی کے دن اے - پی ساہتیہ اکیڈیمی کی جانب سے ۱۱۱۶ روپیے پیش کئے -

ڈاکٹر بنکٹ چندرا نے یکم مئی کو نامپلی ہسپتال میں حضرت یوسف شریف بابا میموریل وارڈ کا افتتاح کیا۔

محسن جل گانوی

غزل

ہتیلیوں کا تری لمس سنسنائے ہے
مرے وجود میں سورج سا ٹوٹ جائے ہے

چھڑاؤں ہاتھ میں تجھ سے ، تو مسکرائے ہے
تری شمیم بدن ساتھ ساتھ آئے ہے

میں اسکی قرب نشینی تلاشتا ہی رہوں
وہ کم سواد مگر دور دور جائے ہے

نہیں ہے مجھ سے تعلق تو مرے نام پہ کیوں
تری نگاہ میں شبنم سی جھلملائے ہے

میں اس کے برف بدن سے ہوں بہت خوفزدہ
وہ میری آتش جاں سے نظر چرائے ہے

شگفتہ جسم کی اک کج ادا سی انگڑائی
تمام شب مرے بستر پہ کسمسائے ہے

اک آرزو جو اندھیروں نے بانٹ لی مل کر
سبک خرام کرن بنکے پاس آئے ہے

ہجوم شہر نگاراں میں چھوڑ کر محسن
وہ خوش جمال مرا ظرف آزمائے ہے

* * * * *

غزل

آنکھ سے جاتا مگر سر سے کہاں تک جاتا
دسترس میں تھا مرے گھر سے کہاں تک جاتا

ٹوٹ کو اجلی فصیلوں سے بکھرنے والا
کالی دیواروں کے اندر سے کہاں تک جاتا

ایک ہی گھاؤ میں سب اسکی انا ٹوٹ گئی
روز ٹکرانے میں پتھر سے کہاں تک جاتا

چھت سے لے آیا زمیں پر مجھے پھر آخری کش
اڑ کے سگریٹ کے پیکر سے کہاں تک جاتا

اپنے ہی آپ کو پینا پڑا جبراً مجھکو!
سر بہ دریا لئے میں تر سے کہاں تک جاتا

زخم مہکے، تو روایت کی صدا بن ہی گیا
داخلی کرب تھا باہر سے کہاں تک جاتا

تیر بھی پہلو میں تھا زاد سفر سا اس کے
بال و پر لے کے مقدر سے کہاں تک جاتا

گو کہ بیسا کھیاں مضبوط بہت تھیں محسن
زرد مفلوج مگر گھر سے کہاں تک جاتا

* * * * *

ڈاکٹر راھی

«عید جمہور»

ظلمتوں کا ذکر کیا ہے
روشنی کی بات ہے

آج کا دن پر مسرت زندگی کے ساتھ ہے

قوم کا تہوار ہے
جمہوریت کی عید ہے

کیا مسرت خیز دن ہے
کیا منور رات ہے

سب کے ہونٹوں پر تبسم ہے
خوشی کی بات ہے

ہر طرف جمہوریت ہے ہر طرف آزادیاں

اپنی دھرتی پر اکڑ کر چل رہے ہیں آج ہم
کتنے طوفانوں میں ہنس کر پل رہے ہیں آج ہم

ہے فضا میں شادمانی
اک سرور و کیف ہے

ظلمتوں کے آج سائے بھی نظر آتے نہیں

روشنی ہی روشنی ہے
نور کی یلغار ہے

اور ہیں شاداب چہرے
پیار کی برسات ہے

دل میں لاکھوں ولولے ہیں
جوش ہے ایثار ہے

آؤ اے اہل وطن لے کر ترنگا ہاتھ میں

آج کھائیں گے قسم اپنے وطن کے واسطے
آب یاری سب کو کرنی ہے چمن کے واسطے
جان بھی دے دیں گے ہم گنگ و جمن کے واسطے

بھول کر دل کی کدورت سب گلے مل لیجئے
ہے یہی تجدید الفت سب گلے مل لیجئے

* * * * *

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر :— چیف منسٹر شری جے - وینگل راؤ نے ۲۳ - اپریل کو بھدرا چلم ڈیویزن ضلع کھمم میں گوکولکا لفٹ ایریگیشن اسکیم کا سنگ بنیاد رکھا -

بائیں جانب درمیان میں :— ۱۶ - اپریل کو املاپورم میں شری یم - آر - اپاراؤ وائس چانسلر آندھرا یونیورسٹی ، مشہور شاعر شری ایس - لکشمی پتی راؤ کی لکھی ہوئی کتاب '' پارجیاتمو ،، حاصل کر رہے ہیں -

بائیں جانب اوپر :— شری گرو این ورلڈ اور شری بروس عالمی بینک کے ریویو مشین کے ارکان نے ۲۶ - اپریل کو مرتھل ضلع اننت پور میں ملک کوآپریٹیوسوسائٹی کی عمارت کا افتتاح کیا -

دائیں جانب نیچے : بھنیدم کوآپریٹو ہینڈلوم سوسائٹی ستناپلی کا نمائشی اسٹال -

ڈرامہ

اظہر افسر

امراؤ جان ادا

افراد

ادا (امیرن) * * * * مرزا ہادی رسوا
دلاور * * * * خانم جان
بوا حسینی * * * * خان اور ماں

منظر - ۱

ایک وسیع دالان میں اجلا چاندنی کا فرش بچھا ہے - گاؤتکئے لگے ہیں - کئی قدیم طرز کے چھوٹے چھوٹے اگالدان ہیں روپہلی تھالیوں میں تین چار حقے بھی ہیں - فرش کی سلوٹوں، تکیوں کی بے ترتیبی، کاغذ کے پرزوں سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ابھی کوئی محفل شعر اختتام کو پہنچی ہے -

پردہ اٹھتا ہے تو امراؤ جو سفید ڈرگھیے کا لمبی آستینوں کا کرتا اور دھانی رنگ کا کھڑا دوپٹہ اوڑھے ہے - انگڑائی لیکر پاندان کو اپنی جانب کھینچتی ہے -

(ہلکی موسیقی، مختلف آوازوں کا دبا دبا شور . . . قدموں کی چاپ)

رسوا (داخل ہوتے ہوئے) واہ بھئی واہ - خوب، اے اداؤ ہم کبھی نہ مانیں گے - دل کی دل کو خبر نہیں ہوتی - واہ امراؤ صاحبہ، ماننا پڑے گا - آج تو آپ کی غزل حاصل مشاعرہ رہی -

ادا عنایت ہے - بندہ نوازی ہے - گئے وہ لوگ؟

رسوا ہاں گئے -

ادا سب کے سب؟

رسوا شکر ہے - سب کے سب رخصت ہو گئے -

ادا تو بس بندی بھی رخصت کی اجازت چاہتی ہے -

رسوا (ایک تکیہ کھینچکر بیٹھ جاتے ہیں) - آج اجازت نہیں ملے گی -

ادا اے ہے - خدا سے ڈرئیے مرزا صاحب کیسی باتیں کر رہے ہیں - آپ -

رسوا سچ کہہ رہا ہوں -

ادا وجہ؟

رسوا آج تو آپ کو میں اسوقت تک نہ جانے دوں گا جب تک آپ اپنی سرگذشت نہ سنادیں -

ادا (لمبا سانس لیتی ہے) پھر کبھی سن لیجئیے گا -

رسوا جی نہیں یہ نہیں ہوسکتا -

ادا کیا رکھا ہے مجھ بدنصیب کی سرگذشت میں جو آپ ایسے مشتاق ہیں - ایک ناشاد نامراد، خانماں برباد، ننگ خاندان، عار دو جہاں کے حالات سن کر مجھے امید نہیں کہ آپ خوش ہوں -

رسوا جو کچھ ہو، میں نے عہد کیا ہے کہ آج جو آپ نے میری بات پوری نہ کی تو پھر میں آپ سے عمر بھر نہ بولوں گا -

ادا آپ بھی رسوا صاحب بعض دفعہ بالکل بچوں کی سی ضدیں کرنے لگتے ہیں - لیجئیے سنئیے - باپ دادا کا نام لیکر سرخروئی جتانے سے فائدہ کیا - اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے تفصیل سے کچھ یاد بھی نہیں - ہاں اتنا جانتی ہوں کہ فیض آباد میں شہر کے کنارے کسی محلے میں میرا گھر تھا - پختہ مکان تھا - اور آس پاس کچھ کچے مکان، کچھ کچے جھونپڑے کچھ کھپریلیں - رہنے والے بھی ایسے ہی لوگ ہوں گے میرے مکان کے سوا اونچا گھر اس محلہ میں ایک اور تھا - اس مکان کے مالک کا نام دلاور خاں -

رسوا — دلاور خاں؟

ادا — ہاں، سوا ڈکیتوں سے ملا ہوا تھا۔ لکھنؤ میں برسوں قید رہا۔ ان دنوں نہ معلوم کن کن سفارشوں سے چھوٹ کر آیا تھا۔ ابا سے سخت عداوت رکھتا تھا۔

رسوا — عداوت، وہ کیوں؟

ادا — فیض آباد میں جب یہ گرفتار ہوا تھا تو محلے سے اسکے چال چلن کی شہادت کے لئے لوگ طلب ہوئے۔ ان میں ابا بھی تھے۔ بیچارے یوں بھی سادہ دل اور زبان کے سچے تھے۔ جب ان سے ہاتھ میں قرآن پاک دیکر پوچھا گیا۔ تو انہوں نے دلاورخاں کا صاف صاف حال بتادیا۔ اباجی کی گواہی پر دلاورخاں کو قید ہوگئی۔ جب وہ قید سے چھوٹ کر آیا تو میں کوئی نو برس کی تھی۔

رسوا — ابا کیا کرتے تھے؟

ادا — جانے کچھے میں اسم تھا۔ اور کیا تنخواہ تھی۔ اتنا یاد ہے لوگ انہیں جمعدار کہتے تھے۔ جب ابا گھر سے وردی پہن کر نکلتے تو لوگ انہیں جھک جھک کر سلام کیا کرتے تھے۔ میری اماں بھی ڈولی میں سوار ہو کر سہیلی جاتی تھیں۔ اور غسالنیاں باؤں ... ساری ساری پھرتی تھیں۔

رسوا — کوئی بہن بھائی نہیں تھا۔

ادا — صرف ایک چھوٹا بھائی تھا۔ ہائے کیا دن تھے۔ دن بھر میں اپنے بھائی کو کھلایا کرتی تھی۔ ابا جب شام کو نوکری سے آتے تھے۔ اسوقت کی خوشی ہم بھائی بہنوں کی کچھ نہ پوچھئے میں کمر سے لپٹ گئی بھائی ابا کا کہنا دوڑا۔ دامن سے چمٹ گیا۔ ابا بس کہ انکی باچھیں مارے خوشی کے کھلی جاتی ہیں۔ (لمبا سانس لیتی ہے) اور پھر جب وہ دن یاد آتا ہے۔ تو آنکھوں کے آگے گویا اندھیر ہوجاتی ہے۔ جھٹ پٹے کا وقت تھا۔ خدا جانے میں کہاں نکلی تھی۔ دیکھتی کیا ہوں دروازے کے پاس والے املی کے نیچے دلاور کھڑا ہے۔

دلاور — امیرن۔

امیرن — ہوں۔

دلاور — چلو بیٹے کبوتر لے لو۔

امیرن — کبوتر؟

دلاور — ہاں تمہارے ابا صبح پیسے دے گئے تھے۔ آؤ گھر میں رکھے ہیں۔ چلو۔

ادا — میں اس کے دام میں آگئی۔ ساتھ چلی گئی۔ اب جو اس کے گھر جاکے دیکھتی ہوں تو گھر میں کالی چڑیا نہیں۔ اکیلا مکان بھائیں بھائیں کررہا ہے۔ ادھر میں مکان میں داخل ہوئی ادھر اس نے اندر سے کنڈی بند کرلی۔ چاہتی ہوں کہ چیخوں۔ اس نے منہ میں گودڑ ٹھونس دیا۔

امیرن — (ایسی آوازیں جیسے منہ میں کپڑا ٹھونسا ہوا ہو)۔

دلاور — (پکارتا ہے) پیر بخش۔

آواز (۱) — ہاں جی۔

دلاور — گاڑی تیار ہے؟

آواز (۱) — کب کی۔ لے آؤں لونڈیا کو؟

ادا — دونوں نے ملکر مجھے بہل گاڑی میں سوار کیا اور گاڑی چل نکلی۔

(بہل گاڑی کے دوڑنے کی آواز ابھرتی ہے پھر پس منظر جاری رہتی ہے)۔

ادا — میں دم بخود، اوپر کا سانس اوپر، نیچے کا سانس نیچے کروں تو کیا کروں۔ دلاور خاں ہاتھ میں چھری لئے مجھے گھٹنوں میں دبائے بیٹھا ہے۔ آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ گودڑ اب میرے منہ میں نہ تھا۔ مگر مارے ڈر کے منہ سے آواز نہ نکلتی تھی۔

دلاور — دیکھا پیر بخش، سپاہی کا پوت بارہ برس کے بعد بھی اپنا بدلہ لیتا ہے۔ اب کیسا تلملایا پھرتا ہوگا۔

آواز (۱) — بھئی بیشک تم نے اس مثل کو اصل کر دکھایا۔ بارہ برس تو ہونے ہوں گے تمہیں قید ہوئے۔

دلاور — (لمبا سانس لیتا ہے) ہوں، پیر بخش پورے بارہ برس ہو گئے۔ لکھنؤ قید میں کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں ہیں۔ وہ بھی کیا یاد کرے گا۔ یہ تو میرا پہلا وار تھا۔ میں تو اس کو جان سے ماروں گا۔

امیرن — (سسکیاں لیتی ہے)۔

آواز (۱) — جان سے مارو گے اسے؟

دلاور — اور تم سمجھتے کیا ہو۔ جان سے نہ مارا تو نسل پٹھان نہیں۔

آواز (۱) — وہ تو سچ ہے بھئی جو تم کہو گے وہ کر دکھاؤ گے۔ لیکن۔

دلاور — لیکن کیا۔ مار کے یہیں کہیں نالے والے میں پھینک دیں گے۔

آواز (۱) — اسے تو مار ڈالو گے اور ہمارا روپیہ۔

دلاور — اس کے سو طریقے ہیں۔ وہ دے دیں گے۔

آواز (۱) مگر کیسے ؟

دلاور ارے اور کچھ نہیں تو لوٹ کر سارے کبوتر بیچ دوں گا - بس !

(۱) ایک راہ سجھاتا ہوں ، کیا یاد کروگے -

دلاور کیسی راہ ؟

(۱) سیدھے لکھنو چلو - وہاں چل کے اس چھوکری کے کوڑے کرلو -

دلاور بک بھی جائے گی ؟

(۱) گلے گلے پانی —

دلاور ایسا نہ ہو کہیں بعد کو -

(۱) اس لکھنو میں تو ایسے معاملات دن رات ہوا کرتے ہیں - میرے سالے کو جانتے ہو -

دلاور وہ کریم ؟

(۱) ہاں اس کی روٹی تو اسی پر چلتی ہے - بیسیوں لڑکے لڑکیاں پکڑلے گیا - لکھنو میں جاکے دام کھرے کرلئے - لکھنو گومتی پار - اس کی سسرال ہے - اس سے ملیں گے ، اور ....

دلاور بھلا لڑکا لڑکی کتنے کو بکتے ہیں ؟

آواز (۱) جیسی جس کی صورت ہوئی -

دلاور یہ کتنے کو بک جائیگی؟

(۱) سو ڈیڑھ سو، جیسی تمہاری تقدیر ہوئی۔

دلاور بھائی کی باتیں سنو، سو ڈیڑھ سو، اس کی صورت ہی کیا ہے - سو (۱۰۰) بھی بہت ہیں۔

(۱) اچھا اس سے کیا۔ لے چلو مارڈالنے سے فائدہ؟۔

دلاور تو چلو—

(سارنگی اور طبلہ بجتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی طوائف کا کوٹھا ہے)۔

(۱) خانم صاحب تسلیمات۔

خانم ٹہرو (سارنگی طبلہ رک جاتا ہے) بسم اللہ استاد جی - تم لوگ اندر جاؤ۔

(۱) آؤ دلاور خان -

خانم یہی وہ چھوکری ہے؟

(۱) جی ہاں۔

خانم تو پھر ہماری بات منظور ہے؟

(۱) کچھ زیادہ مل جائےتو اچھا تھا -

خانم نہیں اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں دے سکتے۔ ہاں، اس دوسری چھوکری کا کیا ہوا؟

(۱) اس کا سودا ہو گیا۔ خانم صاحب۔ ایک بیگم صاحب نے گھر کے لئے مول لے لیا۔

خانم تو پھر منظور ہے۔ کیوں دلاور خان؟

دلاور ٹھیک ہے۔

خانم (پکارتی ہے) بوا حسینی -

بوا (دور سے آواز آتی ہے) آئی خانم جان -

خانم صندوقچے سے سوا سو روپئے نکال کر دیدو۔

بوا بہت بہتر۔ یہاں آؤ۔ لو اپنے روپئے۔

دلاور سلام خانم -

خانم سلام - جاؤ -

امیرن (سسکیاں لیتی ہے)۔

خانم آؤ۔یہاں آؤ۔ حسینی بوا۔

بوا خانم جان۔

خانم چھوکری اتنے داموں میں تو کچھ مہنگی معلوم نہیں ہوتی۔

بوا مہنگی۔؟ میں تو کہوں سستی ہے۔

خانم خیر ہوگی۔ خدا جانے کس کی لڑکی ہے۔ ماں باپ کا کیا حال ہوگا۔ جانے کہاں سے موئے پکڑ لاتے ہیں ذرا بھی خوف خدا نہیں۔ بوا حسینی عذاب ثواب انہی موؤں کی گردنوں پر ہوگا۔ ہمیں کیا، یہاں نہ بکتی کہیں اور بکتی۔

بوا اور کیا - لیکن خانم جان یہ چھوکری مجھے دیدو میں پال لوں گی۔ مال آپ کا خدمت میں کروں گی۔

خانم تو تم ہی پالو۔ اے لڑکی۔ یہاں آؤ۔

بوا کیا نام ہے تمہارا؟

امیرن (سسکیاں لیتی ہے)

خانم کہاں سے آئی ہو؟

امیرن بنگلے سے۔

بوا بنگلے سے۔ بنگلہ کہاں ہے؟

خانم اے ہے ننھی ہو۔ فیض آباد کو بنگلہ بھی کہتے ہیں -

بوا تمہارے ابا کا نام کیا ہے۔؟

امیرن جمعدار۔

خانم تم بھی غضب کرتی ہو۔ بھلا وہ نام کیا جانے۔

بوا تمہارا نام کیا ہے۔ کیا پکارتے ہیں تمہیں؟

امیرن امیرن۔

خانم بھئی یہ نام تو ہمیں پسند نہیں، ہم تو امراؤ کہکر پکاریں گے۔

بوا سنا لڑکی ۔ امراؤ کے نام پرتم بولنا جب بیوی کہیں گی امراؤ، تم کہنا۔ جی ۔
(سازی موسیقی)———

ادا اس دن سے امراؤ میرا نام ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد جب میں طوائفین کے شہار میں آئی تو لوگ امراؤجان کہنے لگے ۔ خانم جان ہی کے گھر تعلیم ہوئی طبیعت کو فن موسیقی سے لگاؤ تھا۔ آواز بھی پکے گانے کے لائق تھی۔ سرگم صاف ہونے کے بعد استاد جی نے آستائی شروع کروادی (دور کوئی عورت گاتی ہے) سب سے پہلا مجرا میرا نواب شجاعت علی خان کے لڑکے کی شادی میں ہوا تھا۔ وہ محفل بھی یادگار رہے گی۔ عطر اور پھولوں کی خوشبو سے ساری بارہ دری مہک رہی تھی۔ صاف ستھرا فرش، ایرانی قالین، زربفت کے مسند تکیئے بیش قیمت شیشہ و آلات کی روشنی سے رات، دن بن چکی تھی۔ دھواں دھار حقوں کی خوشبو اور گلوریوں کی مہک سے دماغ معطر تھے۔

(گانے کی آواز ابھرتی ہے)

آج اس بزم میں وہ جلوہ نما ہونا ہے
دیکھئے دیکھئے ایک آن میں کیا ہوتا ہے
حال دل ان سے نہ کہنا تھا۔ ہمیں چوک گئے
اب کوئی بات بنائیں بھی تو کیا ہوتا ہے
کس قدر معتقد حسن مکافات ہوں میں
دل میں خوش ہوتا ہوں جب رنج سوا ہوتا ہے
پھر نظر جھینپتی ہے۔آنکھ جھکی جاتی ہے
دیکھئے دیکھئے پھر تیر خطا ہوتا ہے
آہ میں کچھ بھی اثر ہو تو شرربار کہوں
ورنہ شعلہ بھی حقیقت میں ہوا ہوتا ہے

(واہ واہ کا شور بلند ہوتا ہے)

ادا مجرے کے دوسرے دن بوا حسینی میرے کمرے میں آئیں۔ ایک آدمی ان کے ساتھ تھا۔

بوا دیکھو امراؤ یہ کیا کہتا ہے۔

ادا کیا ہے ۔

آواز(۲) مجھے نواب سلطان صاحب نے بھیجا ہے۔ وہی جو کل شب کی محفل میں دولہا کی داھنی جانب بیٹھے تھے۔ فرمایا ہے کہ کسی وقت آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ بشرطیکہ جب وہ آئیں وہاں کوئی اور نہ ہو۔ اور اس غزل کی نقل مانگی ہے، جو کل شب آپ نے گائی تھی۔

ادا نواب صاحب سے میری تسلیمات کہنا اور کہنا کہ شام میں جب چاہیں آپ تشریف لائیں، غزل میں کل لکھ رکھوں گی، منگوالیں۔

آواز(۲) نواب صاحب نے یہ پانچ اشرفیاں بھیجی ہیں ۔ کہا ہے آپ کے لائق تو نہیں خیر پان کے لئے قبول فرمائیں۔

ادا دوسرے دن شب میں پہر رات گئے نواب سلطان تشریف لائے۔ بڑی اچھی صحبت رہی ۔

نواب سلطان ۔ آپ نے تو مجھے فریفتہ کر لیا۔اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بغیر آپ کے قرار ممکن ہی نہ ہوگا۔

ادا یہ سب آپ کی قدردانی ہے ۔ ورنہ میں کیا اور میری حقیقت کیا۔

ایاز قدر خودبشناس من آنم کہ من دانم ۔

نواب سلطان آپ کچھ خواندہ معلوم ہوتی ہیں ۔

ادا یونہی کچھ شد بد پڑھ لیا ہے۔

نواب سلطان اور لکھنا بھی جانتی ہو؟

ادا جی ہاں لکھ لیتی ہوں۔

نواب سلطان تو غزل کا یہ پرچہ آپ ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ خوب۔ خط بھی کس قدر پیارا ہے۔
خدمت گاروں سے دل کا حال کہتے نہیں بنتا ۔ اب زبان قلم سے گفتگو ہوا کرے گی۔ ہم تو صاحب یہی چاہتے تھے۔ جہاں تک ہو سکے ایسے معاملے غیر کی وساطت سے نہ ہوں۔

نہ غیروں کی وساطت ہو نہ یاروں کی شماتت ہو
جو ہیں آپس کی باتیں رازدار ان کے ہمیں تم ہوں ۔

ادا واہ خوب ، کس کا شعر ہے؟

نواب سلطان جی والد مرحوم کا ، کہتے ہیں ۔

اچھی صورت جو خدا دے تو یہ اوصاف بھی دے
حسن تقریر بھی ہو ، خوبیٔ تحریر بھی ہو ۔

ادا خوب بہت خوب، آپ کو بھی شعر و شاعری، میرا مطلب ہے۔------

نواب سلطان جی نہیں میں صرف سخن فہم ہوں ، اچھے کلام کا عاشق اور۔---

(بھاری قدموں کی آواز سنائی دیتی ہے)

ہوا — خان صاحب ذرا ٹھہریئے، سنئیے تو ——

نواب سلطان — کون ہو تم۔ کس نے تمہیں یہاں آنے کی اجازت دی ۔

خان — (قہقہہ لگاتا ہے) یہاں آنے کے لئے کس کی اجازت کی ضرورت ہے؟

ہوا — امراؤ— تم ادھر باہر آ جاؤ—

خان — ارے سنو تو—(امراؤ کا ہاتھ پکڑتا ہے)

امراؤ — ہاتھ چھوڑ دو میرا—

نواب سلطان : خان امراؤ کا ہاتھ چھوڑ دو۔

خان — ہمت ہو تو چھڑالو ۔

نواب سلطان : معلوم ہوتا ہے تم نے شریفوں کی صحبت نہیں اٹھائی ہے ۔

خان — تم نے اٹھائی ہے نا ، جو کچھ ہوسکے کرلو ۔

نواب سلطان — جناب امیر کی قسم ، بہت طرح دیتا ہوں اس لئے کہ مجھے اپنی اور اپنے والدین کی عزت کا پاس ہے ورنہ ابھی ان گستاخیوں کا مزہ جکھا دیتا ۔

خان — تو میاں پھر اماں جان سے پوچھ کر ہی یہاں آتے

نواب سلطان : بد تمیز ، تیری یہ مجال ۔ لے ۔
(طپنچہ سے فائر کرتا ہے)

خان — آہ ۔ (چیخ مارتا ہے)

ہوا — ہے ہے کیا مر گیا؟

رسوا — کیا وہ سچ مچ مر گیا تھا ؟

ادا — نہیں خدا کا شکر ہے کہ صرف دھنے بازو میں زخم آیا تھا ۔ معاملہ کسی طرح رفع دفع کردیا گیا ۔ نواب سلطان بہت ہی بھلے آدمی تھے ۔ ہائے کیا دن تھے انکے بعد ، ایک اور صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ فیض علی خاں سے ، جب آتے تھے ۔ سونے کی انگوٹھیاں اور جڑاؤ کنگن لیکر آتے تھے ۔ اورچپکے سے مجھے دیدیتے تھے ۔ اور انہوں نے اتنا دل برچایا کہ ایک دن خانم جان کے ہاں سے بھاگ نکلی ۔ لیکن قسمتوں کا مارا ڈاکو نکلا ۔

رسوا — ڈاکو ۔

ادا — ہاں وہ تو پکڑا گیا ۔ اور میں بھاگ کر کانپور پہنچی ۔ اور الگ گھر لیکر رہنے لگی ۔ خدمتگار اور سازندے فراہم کئے ۔ اور کچھ دنوں ہی میں میرے گانے بجانے کا شہرہ ہوگیا ۔ خبر اڑتی ، اڑتی خانم جان کو ملی ۔ وہ آئیں اور بارے منا کر لے گئیں لکھنو۔

رسوا — گویا ۔

دشت جنوں کی سیر میں بہلا ہوا تھا دل
زنداں میں لائے پھر مجھے احباب گھیر کر

ادا — جی ہاں بالکل ، بس وہی حال ہوا ۔ انہی دنوں نواب جعفر علی خاں سے ملاقات ہوئی ۔ سن شریف کوئی ستر برس کے قریب نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت کمر خم ہوگئی تھی ۔ سر میں ایک بال سیاہ نہ تھا ۔ وہ سوز خوانی میں یکتا تھے ۔ جی ہاں کیا پڑھتے تھے ۔ وہ ، انہی کی بدولت مجھے بے شمار سوز یاد ہوگئے ۔ اور سوز خوانی میں بھی میری شہرت دور دور تک پہنچ گئی یہاں تک کہ نواب ملکہ کنیز کے محل تک رسائی ہو گئی ۔ سکندر حشمت شہزادہ مرزا کے مجرائیوں میں بھی میرا اسم تھا ۔ جس زمانے میں باغی فوج نے مرزا برجیس قدر کو مسند ریاست پر بٹھایا ، مبارکباد دینے کو میں طلب ہوئی ۔ ہائے کیا بتاؤں شہر میں ایک اندھیر بپا تھا ۔ آج اسکا گھر لٹا ، کل وہ گرفتار ہوا ۔ پرسوں اسکے گولی لگی ۔ قیامت کا سماں نظر آتا تھا ۔ چار ہی دن بعد بیگم صاحبہ اور برجیس قدر انگریزی فوجوں کے ساتھ نیپال روانہ ہوگئے ۔ میں بہ ہزار دقت فیض آباد آئی ۔

رسوا — فیض آباد چلی آئیں ؟

ادا — خود آدمی کو پتہ نہیں ہوتا کہ تقدیر اسے کہاں لے جارہی ہے ۔ قسمت کی ماری دیکھئے مجرا کرنے وہاں گئی ۔ جہاں میرا گھر تھا ۔ مجرا ختم ہوا تو ایک عورت نے پردہ اٹھا کر مجھے بلایا ۔

ماں — لکھنو سے تم ہی آئی ہو ؟

ادا — جی ہاں میں ہی آئی ہوں ۔

ماں — کیا نام ہے تمہارا ۔

ادا — آپ نہیں جانتیں ؟ امراؤ جان ۔

ماں — تمہارا خاص وطن لکھنو ہے ۔

ادا — کیا بتاؤں اصلی وطن تو یہی ہے ۔ جہاں میں کھڑی ہوں ۔

ماں — تو کیا فیض آباد کی رہنے والی ہو ؟

ادا — جی ہاں ۔

ماں — تم ذات کی پتریا ہو ؟

ادا — (سسکیاں لیتی ہے) جی نہیں ، تقدیر کالکھا پورا کرتی ہوں ۔

ماں — ارے روتی کیوں ہو ۔ کون ہو آخر ؟

ادا — کیا بتاؤں کون ہوں ، کچھ کہتے بن نہیں پڑتا ۔

ماں — ذرا اپنا کان دکھانا ۔ لو کے نیچے ۔

ادا — کیا بات ہے ؟

ماں — ہائے امیرن ، امیرن ، میں تیری ماں ہوں ۔ ماں —

ادا — اماں ۔ اماں —(دونوں رونے لگتی ہیں)

ادا — رسوا صاحب ، میرے دل کا عجب حال تھا ۔ روتی جاتی تھی ماں سے گلے ملتی جاتی تھی ۔ رات بھر وہیں رہی بھائی پہلے تو بہت بگڑا ۔ لیکن جب میں نے رو رو کر اپنی داستان سنائی تو چپکا ہو رہا ۔ صبح ہوتے ہوتے میں وہاں سے رخصت ہو گئی ۔ جلتے وقت جس حسرت بھری نگاہ سے اماں نے مجھے دیکھا ہے ۔ وہ میں مرتے دم تک نہ بھولوں گی ۔ دوسرے دن فیض آباد سے چل کر پھر لکھنو آ گئی ۔ کچھ دنوں بعد شاید برسات کے دن تھے ۔

(پس منظر بادلوں کی گرج سنائی دیتی ہے)

ادا — جی ! شاید تو بسم اللہ خورشید ، چھٹن صاحب ، گوہر مرزا ، سب کے سب جنگل کی طرف جا نکلے ۔ گوہر مرزا کو تو آپ جانتے ہیں ۔

رسوا — (لہجہ میں مسکراہٹ ہے) جی ہاں گلچین اول ۔

ادا — مرزا صاحب بعض وقت آپ . . . . .

رسوا — خیر خیر معاف فرمائیے ۔ آگے چلئے ۔

ادا — سب کی طبیعت موسم سے لہرائی ہوئی تھی ، امرائیوں میں ڈیرہ ڈال دیا گیا ، میں ایسے ہی بے مطلب سب کو چھوڑ کر اکیلی ٹہلتی ہوئی تالاب کی طرف نکل کھڑی ہوئی ۔ کچھ ہی دور گئی تھی کہ کیا دیکھتی ہوں ، درختوں سے ہٹ کر ایک شخص مرزئی پہنے میلی سی چادر کمر سے لپیٹے کھرپی ہاتھ میں لئے کچھ کھود رہا ہے ۔ میری اسکی آنکھیں چار ہوئیں اور مجھے سکتہ سا ہو گیا ۔

رسوا — کون تھا وہ آدمی ؟

ادا — دلاور خاں ۔ اب میں کڑکتی بڑی آوازیں دیتی بھاگی ۔ میری آوازیں سن کر وہ نالے کی طرف بھاگا ۔ فوراً پاس کے تھانے کو رقعہ لکھا گیا ۔ اور تھانیدار نے تھوڑی سی تلاش و جستجو کے بعد دلاور کو گرفتار کرلیا ۔ کئی خون اور اغوا کے اس پر الزام تھے ۔ دو مہینے مقدمہ چلا اور پھانسی دیدی گئی ۔

لیجئیے اب بہت رات ہو گئی ۔ اس شعر پر اپنی سرگذشت ختم کرتی ہوں ۔

رسوا — میں جانتا ہوں کیوں آپ نے سرگذشت مختصر کردی ۔

ادا — نہیں نہیں کوئی مختصر نہیں ۔

مرنے کے دن قریب ہیں شاید کہ اے حیات
تجھ سے طبیعت اپنی بہت سیر ہو گئی

* * * * *

نعیم اعظمی

غزل

تمہارے پیار کا سورج جہاں نکلتا ہے
نئی حیات لئے انقلاب پلتا ہے

وہاں وہاں مری دیوانگی نکھرتی ہے
جہاں جہاں پہ خرد کا الاؤ جلتا ہے

یہ تشنگی بھی عجب ہے کہ بجھ نہیں پاتی
نظر نظر میں کئی بار دہ، چلتا ہے

کہیں خیال کا پیکر، کہیں نظر کی ضیا
مزاج وقت بتا کون کس میں ڈھلتا ہے

حیات نو کی علامت ہیں ہم مگر یہ کیا؟
ہمارا ذکر بھی ذہنوں میں آج کھلتا ہے

نگاہ ناز سے ملتا ہے جب پیام حیات
مرا وجود ہر اک گام پر سنبھلتا ہے

بڑی خوشی سے اسے ہنس کے جھیل لیتا ہوں
ادائے وقت کا جب کوئی وار چلتا ہے

سکوں کا نام اجل ہے یہ بات یاد رہے
جو آپ بدلیں تو پھر وقت بھی بدلتا ہے

ہماری فکر میں راحت ہیں پیار کے چشمے
ہمارے عزم سے لاوا کہیں ابلتا ہے

* * * *

* * * * *

مجید بیدار۔ایم۔اے۔ایم فل (عثمانیہ)

اردو مراسلہ نگاری کا امیر ۔ مہدی افادی

زبان و ادب کے ارتقاء کے لئے جمہوری بنیادوں پر مشورے خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ زندہ زبانوں کی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ ان کے مشاہیر مختلف ادبی و تنقیدی مسائل میں عوامی مراسلت پر ادب کے ارتقاء کا ایقان رکھتے ہیں اور ترقی پذیر زبانوں کے لئے ادباء اور عوام کی باھمی مراسلت از حد ضروری ہوتی ہے تاکہ اس زبان کے ارتقاء میں ٹھوس اقدامات کے لئے رائے عامہ سے بھی استفادہ ہوسکے۔

ہندوستان میں آزادی سے قبل، اردو کو جمہوری اصولوں سے ارتقاء دینے کی پہلی کوشش مہدی افادی نے ''مراسلہ نگاری،، کے ذریعہ کی۔ وہ اردو کے پہلے واحد مراسلہ نگار ہیں جن کی تحریروں سے اردو ادب کے لئے ہمدردانہ و مخلصانہ جذبات کی داغ بیل پڑی۔ اردو زبان و ادب کی وسعت اور اسے عوام میں شہرت عام دلانے کے لئے مہدی افادی نے مراسلہ نگاری کو صحت مند اصولوں پر فروغ دینا شروع کیا اور اپنے مراسلوں کے ذریعہ اودو زبان و ادب کو ہر فرقہ و مذھب کے فرد تک پہنچانے کے لئے قیمتی مشورے دئے تاکہ اردو کا مستقبل تابناک رہے اور دنیا کے جدید ترین علوم اس زبان میں احاطہ ہو سکیں۔ اہل اردو کی توجہ جدید اردو انسائیکلو پیڈیا کی تیاری کے لئے مبذول کرانا، مہدی افادی کی اردو سے رغبت کا واضح ثبوت ہے جس سے اردو میں عام معلومات کو مروج کرنے کے تصور کی دلیل ملتی ہے۔ مہدی افادی اپنی ''مراسلہ نگاری،، کے ذریعہ اردوداں طبقہ میں وہ شعور بیدار دیکھنا چاہتے تھے جس سے قومیں عظیم بنتی ہیں۔ اور جنکی عقل و دانش کا لوہا ساری دنیا مانتی ہے۔ مہدی افادی کی '' مراسلہ نگاری ،، کا عین مقصد یہی نظر آتا ہے کہ وہ مراسلت کے ذریعہ قوم کے فکری، عقلی اور اخلاقی شعور کو ان وسعتوں تک پہنچانا چاہتے ہیں جہاں عقل و فراست گھٹنے ٹیک دیتے ہیں ۔ وہ ہندوستانی قوموں کا شہرہ ساری دنیا میں پھیلانے کی غرض سے مراسلہ نگاری کے ذریعہ، زبانوں کی ارتقاء کے لئے مشوروں کی بنیاد رکھتے ہیں۔ جو ہندوستانی قوموں کی افضلیت کے دعویدار ہیں ۔

مہدی افادی اردو کے پہلے مراسلہ نگار ہیں جنہوں نے مغربی اقوام کی فکری برتری کو اہل ہند میں رواج دینے کے لئے ''مراسلہ نگاری،، کو فروغ دیا اور مراسلوں کے ذریعہ ہندوستان کے اردو داں طبقہ کی توجہ تحقیقی، علمی اور معلوماتی ادب کی عام اشاعت کی جانب مبذول کرائی۔ مہدی سے قبل مراسلہ نگاری کا رواج، اپنی تکالیف اور دشواریوں کو بیان کر کے ہمدردی و تائید حاصل کرنے کے جذبہ کے تحت عام تھا اور مراسلے اس غرض سے لکھے جاتے تھے کہ ذاتی و عوامی تکالیف کو اکثریتی تائید حاصل ہو جائے اور دشواریوں کا ازالہ ہوسکے۔ مہدی افادی اردو کے پہلے مراسلہ نگار ہیں جنہوں نے اردو پر بیتنے والی تکالیف کا ذکر کرکے اہل اردو کی اردو کے حق میں تائید حاصل کرنے کی کوشش کی، اور اردو میں کمیاب لٹریچر کی جانب نشاندھی کرکے مراسلہ نگاری کو مقصدی طور پر استعمال کیا۔ وہ اردو میں سائنسی، معلوماتی اور ہمہ جہتی لٹریچر کی اشاعت کے حامی تھے اسی لئے مراسلہ نگاری کے ذریعہ اردو داں طبقہ کو زمانہ کے ہم قدم ہو کر چلنے کے لئے انسائیکلو پیڈیا اور سائنسی لٹریچر شائع کرنے پر زور دیتے ہیں۔

ہندوستانی معاشرہ اور ہندوستان میں بسنے والی قوموں کی پست تعلیمی حالت اور فکری گراوٹ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مہدی نے ان میں قوت فیصلہ کی کمی کا اظہار کیا ہے اور قوم میں فکری و عقلی شعور کو بیدار کرنے کے لئے انہوں نے مراسلہ نگاری کو مقصدی طور پر استعمال کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

'' زمانہ بہت آگے نکل گیا ہے۔ یہ مسائل یک طرفہ اب حجروں میں بیٹھکر طئے نہیں ہوسکتے۔ فضائے عالم میں نکلئے ۔ نظام کائنات اور طبائع موجودات کا مطالعہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسان کی عام تاریخ کا رخ بدلا ہوا ہے،،۔

افادات مہدی صفحہ ۹۳ مضمون ترکوں کی معاشرت۔

دنیا کی بڑھتی ہوئی ترقی اور علوم کے بے پایاں سمندر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مہدی افادی نے قوم کو راغب عمل

ہونے کی دعوت دی ہے وہ اپنے مراسلوں میں مشوروں کو خاص طور پر شامل کرتے ہیں تاکہ سماج اور قوم میں رائج شدہ بے ضابطگیوں کا ازالہ ہو اور وہ صحت مند اصولوں پر کاربند رہے اس مقصد کے حصول کے لئے وہ تنقیدی انداز کو بھی اپناتے ہیں۔

'' آج ہم میں بڑے سے بڑا تعلیم یافتہ صرف خوش وضعی (فیشن) پر جان دیتا ہے اس کا لباس تہمد نہیں۔ کوٹ پتلون اس کی امتیازی زندگی کا ایسا مظہر ہے جس سے وہ باوصف . . کم استطاعتی قطع نظر نہیں کرسکتا ۔ ۔ ۔ ۔ آپ یہ سمجھیں . میں اس خوش لباس حیوان ناطق کو اول درجہ کے معیار سے گرا کر آدم کی پوشش پر لانا چاہتا ہوں۔ میری غرض صرف یہ ہے کہ یہ طبقہ جس طرح ظاہری ٹھاٹھ کا گرویدہ ہے دماغی آرائش بھی اس کا مطمح نظر ہوتی اور یہ اردو لٹریچر سے اتنا مانوس ہوسکتا کہ ادبی رنگ رچ کر نکھر جاتا جس سے قوم دنیا میں آبرودار ہوکر رہتی ''

افادات مہدی صفحہ ۹ . ۳ مضمون شبلی سوسائٹی۔

قوم کے لئے اخلاص ، مروت اور ہمدردی کا اظہار مہدی کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور وہ قوم میں اخلاق حسنہ اور صالح افکار کو جنم دینا اپنا فرض عین تصور کرتے تھے اسی لئے قوم کے ظاہری رکھ رکھاؤ پر فقرہ کستے ہوئے توقع کرتے ہیں کہ قوم دماغی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی ظاہری ٹھاٹ باٹ پر ترجیح دے گی۔ وہ ہندوستانی اقوام کو دنیا کے روبرو اہل فکر اور صاحب عقل و فہم دیکھنا چاہتے ہیں اسی لئے بار بار قوم کو کچوکے دیتے جاتے ہیں کہ وہ فکری و عقلی ارتقا کی جانب راغب ہو اور ذہنی اپج کو اپنا وتیرہ بنالے۔ قوم کے مستقبل کی فکر انہیں اس حد تک لاحق تھی کہ یہی فکر انکی تحریر کے نمونوں اور تحقیق کے ماخذوں میں اظہار کا درد بن کر رہ گئی۔ وہ ہندوستانی قوموں کی فکری ارتقا کے لئے متفکر نظر آتے ہیں اور یہی قوم کی بے بساطی ان کے سینہ کا ناسور بن کر انہیں مراسلہ نگاری پر مجبور کرتی ہے اور مراسلہ نگاری کے ذریعہ وہ قوم میں ایسے آثار ہویدا کرنا چاہتے ہیں جو عظمت و یاوری کا پرچم نہایے ہوئے رہتے ہیں۔ چناچہ تحریر کرتے ہیں۔

'' دنیا میں جب کسی قوم نے ترقی کی تو اس کے ادب و انشا یعنی لٹریچر کو ضرور ترقی ہوئی اور اس کی ذلت اس قوم کی نحوست کا سبب رہی ہے۔ عرب کے اس وقت کے لٹریچر کو دیکھئے جب یہ تمام دنیا کے فتح کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ اندلس جو تمدن کے لحاظ سے تمام دنیا کا مرکز سائنس تھا۔ ادبی حیثیت سے مجمع الفصحا اکیڈیمی ہو رہا تھا۔ یورپ کو آج جو عظمت و کمال حاصل ہے کم کسی زمانہ میں نصیب ہوا ہوگا۔ اس لئے ان کے لٹریچر کو بھی دیکھئے کس مرتبہ تو پہنچا ہوا ہے۔''

افادات مہدی صفحہ ۱۶۰

قوم کو قہر و ذلت اور گمنامی کے اندھیروں سے نکالنے کے لئے مہدی ترقی یافتہ اقوام کی مثال دے کر احساس دلانا چاہتے ہیں کہ ادب یا لٹریچر کا ارتقا ہی کسی قوم کے مقام و مرتبہ میں بلند بانگی کے اظہار کا مظہر ہوتا ہے چنانچہ دیگر اقوام کے لٹریچر میں جو عظمت و کمال نمایاں ہے اسکی جانب نشاندہی کرتے ہوئے وہ اسے صرف قوم کے فکری شعور کا سبب قرار دیتے ہیں اور ہندوستانی اقوام کو صلائے عام دیتے ہیں کہ وہ تاریخ کے صفحات پر ابھری ہوئی قوموں سے درس حاصل کریں تاکہ ایسے معاشرہ کی ترتیب ممکن ہوسکے جو فکری و شعوری اعتبار سے اعلی خیالات اور صالح اقدار کا حامل ہو۔ مہدی افادی کی مراسلہ نگاری کی غرض و غایت یہی تھی کہ وہ قوم بالخصوص اہل اردو کو جدید علوم میں ترقی کرنے کا مشورہ دینا چاہتے تھے اسی لئے ان کی تحریروں میں خلوص اور مشاہدہ کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہ مسلمانوں کے ذہنی اور فکری ارتقا کو احاطہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی ہمت بندھاتے ہیں اور ماضی کے جھروکوں سے مسلمانوں کو درس عبرت دیتے ہیں۔

'' تاریخ کا یہ ایک اہم سوال ہے کہ مسلمانوں نے اپنے دور میں فلسفہ سائنس پر کچھ اضافہ و ترمیم کی یا نہیں۔ یا جیسا کہ بارہا کہا گیا۔ وہ ارسطو کی گاڑی کے صرف قلی تھے '' یورپ کے جن مستشرقین کا فیصلہ ہمارے حق میں ہے وہ بھی اس لحاظ سے چنداں دقیع نہیں کہ یہ فیصلہ اجتہادی نہیں بلکہ عربی فلسفہ کی سرسری واقفیت پر مبنی ہے۔ ''

افادات مہدی صفحہ ۳ . ۳ مضمون شبلی سوسائٹی

طنز کا یہ حقیقت پسند نشتر مسلم قوم کے لئے لمحہ فکر ہے اور اسے بار بار جھنجھوڑ تا ہے کہ وہ مہذب اور اہل فکر اقوام کی فراست سے درس عبرت حاصل کرے۔ مہدی کی مراسلہ نگاری کی یہی خصوصیت ہے جس نے اردو میں انہیں نمایاں مقام دلایا ہے مراسلات کے دوران وہ ایسی ٹیسیں پہنچاتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھتا ہے اور انسان غیرت مندی کے ساتھ عملی اقدام کے لئے منظم ہوجاتا ہے۔ مہدی افادی کی تحریروں کی اسی خصوصیت نے انہیں اردو مراسلہ نگاری کے امام کا مرتبہ دیا ہے۔

مراسلہ نگاری کی اچھوتی خوبیاں اردو میں مہدی کی تحریروں کے علاوہ کسی دوسرے ادیب کو حاصل نہیں۔ ان کی تحریروں میں قوم اور زبان اردو کے مستقبل کے بارے میں فکر مندی خاص طور پر نمایاں ہے۔ اردو زبان کی ترقی کے لئے وہ جن مشوروں کو

روبہ‌عمل لانے کی فکر رکھتے ہیں درحقیقت وہ اردو کی بقا کے لئے ضروری ہیں ۔ ہندوستانی اقوام اور زبان اردو کو ترقی دینے کے لئے مہدی نے یورپ کے مستشرق سے خط و کتابت کرکے ایسے قیمتی مشورے مراسلت کے ذریعہ نمایاں کئے جسے اردو دنیا کبھی نظر انداز نہیں کرسکتی ۔ اصطلاحات کی وضع اردو انسائیکلو پیڈیا ، فلسفہ اور سائنس پر کتب اور جامع لغت کی ضرورت کا اظہار اپنے مراسلوں میں کرکے انہوں نے اردو ادب کو ترقی دینے کی کوشش کی ۔ وہ اردو کے پہلے ادیب ہیں جو اپنی انشاء پردازی میں مشوروں کو جگہ دیتے ہیں ۔ "افادات مہدی" میں تحقیقی ، معلوماتی اور ادبی مضامین بھی اکھٹا ہیں جنمیں تنقید کا عنصر بھی شامل ہے لیکن ان تمام مضامین کی غرض و غایت یہی ہے کہ قوم ، اہل زبان اور اہل ملک کو مضامین کے ذریعہ جگایا جائے ۔ اور انہیں ذمہ داری کا احساس دلایا جائے ۔ مہدی اپنے مضامین کے ذریعہ قوم کے فکر و شعور کو بلند کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ ادب کو مقصدی اور اس سے ملک قوم اور سماج کو فائدہ ہونے کا نظریہ رکھتے تھے ۔ مہدی کے اسلوب کی اسی خصوصیت کی بناء پر انہیں اردو کا پہلا "ادب برائے مقصد" کا علمبردار ادیب اور افادیت پسند مراسلہ نگار مانا جاتا ہے ۔ اردو میں مراسلہ نگاری کو مقام دینے اور اسمیں مشوروں کو شامل کرنے اور ادب کو مقصدی طور پر استعمال کرنے کی وجہ سے مہدی افادی کو اردو مراسلہ نگاری کا امام تصور کرنا ، حقیقت کو قبول کرنے کے مترادف ہے اور قوم کے مطالبات کو منوانے والوں کی صف میں مہدی افادی اول اول نظر آتے ہیں اور وہ عوامی مطالبات پر عمل آوری کے لئے جدو جہد کرنے والے افراد کے درمیان اردو مراسلہ نگاری کے امیر کی حیثیت سے ہر وقت نمائندگی کرتے رہیں گے ۔

* * * * *

(محنت سے قوم طاقتور بنتی ہے)

عقیل الرحمن عقیل

بچے اور سماج ۔ ایک مطالعہ

پانچ سال کی عمر تک بچے عموماً گھر پر رہا کرتے ہیں۔ اس وقت تک وہ گھریلو ''آب و ہوا،، میں پرورش پاتے ہیں اور ان کی ذہنی نشو و نما کی ذمہ داری والدین اور گھر کے دوسرے افراد پر ہوتی ہے۔ پانچ سال کی عمر کے بعد اسکول جانا شروع کرتے ہیں یہاں انہیں ایک بالکل ہی دوسرا ماحول ملتا ہے لیکن والدین کی ذمہ داری بھی ختم نہیں ہوتی۔ یہ بات بھی صحیح ہے کہ بیرونی اثرات اس قدر اہم نہیں ہوتے جس قدر ابتدائی گھریلو اثرات!

بچے کی زندگی کے ابتدائی پانچ سال اسلئے اہم ہیں کہ اس دور میں بچہ اپنے تاثرات الفاظ کے ذریعہ بیان نہیں کرسکتا اسے کچھ بھی کہنے یا بتانے کے لئے محض اشارات و مبہم باتوں کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ایسے اشارات اکثر کوئی بھی سمجھ نہیں پاتا بچوں کے جذبات بہت نازک ہوتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ ان کی باتیں مانی جائیں لیکن الفاظ کی کمی کی وجہ سے ان کے خیالات عام طور پر پوشیدہ ہی رہ جاتے ہیں۔ یہاں یہ بات زیادہ اہم ہے کہ یہ خیالات نہ صرف والدین سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ بلکہ اس شخصیت سے بھی پوشیدہ رہتے ہیں جس میں بچہ تبدیل ہوجاتا ہے۔

بچہ کی زندگی کے ابتدائی پانچ سالوں کی اس اہمیت کے باوجود یہ کہنا بھی غلط ہوگا کہ بچے کی ذہنی و کرداری نشوو نما ایک خاص ابتدائی عمر تک مکمل ہوجاتی ہیں۔ جس طرح کسی بھی شاہکار کی تعمیر کے لئے آخری لمحوں کا بناؤ سنگھار ضروری ہوا کرتا ہے اسی طرح ہم کسی بھی بچے کے تاثرات کو بڑھتی ہوئی عمر میں ''معیاری کردار،، سے ہم آہنگ کرسکتے ہیں۔

پانچ سال کی عمر تک بچے پر سارا ''سماجی دباؤ،، والدین اور گھر کے دوسرے افراد کے ذریعہ پڑتا ہے۔ جیسے جیسے بچہ بڑھتا ہے وہ اپنی مخصوص حرکتوں میں خود مختار ہوتا جاتا ہے۔ اب تمام چیزوں کا اثر اس پر براہ راست پڑتا ہے۔ اسے کھیلنے کے لئے کھلونے دئے جائیں یا اسے کھیلنے سے منع کیا جائے۔ اس کی ناراضگی و خوشی کا احساس باسانی ہو جاتا ہے۔ وہ ایک نیا کھلونا اس لئے نہیں مانگتا کہ اس کا دل چاہتا ہے بلکہ صرف اس لئے کہ اس کے ایک ساتھی کے پاس ایسا ہی کھلونا ہے۔

یہی بیرونی اثرات اور بھی واضح ہو جاتے ہیں جب انہیں اسکول بھیجا جاتا ہے۔ والدین جانتے ہیں کہ زیادہ تر اسکول بچوں کے لئے کس قدر غیر موزوں ہیں۔ یہ بھی کہ پڑھانے والے بچوں کی نفسیات سے کس قدر ناواقف اور ایک چھوٹی سی حد تک ''بےرحم،، ہوا کرتے ہیں۔ ایسے بہت کم اسکول ہیں جہاں بچوں کی زندگیوں سے مناسب برتاؤ کیا جاتا ہے۔ آج ہمیں ایسے اسکولوں کی ضرورت ہے جہاں بچوں کو مناسب کھیل کود بھی میسر ہو۔ جہاں انہیں پیار سے بہت ہی'' آہستہ آہستہ،، پڑھایا جائے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ چھوٹے بچوں کو پڑھانے والے سارے معلم اس بات کو محسوس کریں کہ انہیں اپنی ساری کوششوں سے بچوں کو مستقبل کی سماجی عظمتوں کا نمونہ بنانا ہے۔ اسکولوں کے اوقات بھی مختلف ہونے چاہئیں۔ عام طور پر اسکول ہی میں دوپہر کے وقت دودھ اور ہلکی غذائیں دینا مناسب ہوتا ہے۔

ایسے ماحول میں والدین کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے۔ یہ قطعاً فطری بات ہے کہ والدین اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق متفکر رہا کرتے ہیں۔ لیکن بیچارے والدین تو اسکول اور معلم کے متعلق ایک حد تک مجبور ہیں وہ اس مجبوری کا ازالہ ایک اچھے گھریلو ماحول کو پیدا کرکے ہی کر سکتے ہیں۔

پانچ چھ سال کے ایک بچے کے لئے ہمارے ملک کا گھریلو ماحول کیا ہوتا ہے۔

ایک ماں کو دیکھئے اسے خود کتنی ہی بار کہا جاتا رہا ہوگا کہ ایک وقت میں ایک ہی کام کیا جانا چاہئے اور جب تک کہ وہ ختم نہ ہو جائے کوئی دوسرا کام شروع ہی نہ کرنا چاہئے۔ لیکن ہمارے یہاں کے اوسط طبقہ میں مائیں کس طرح رہا کرتی ہیں؟ بچے کے کپڑے بدلتے بدلتے کسی کا بٹن ٹانکا جانے لگا، بستر بچھاتے جارہے ہیں کہ اچانک یاد آگیا کہ دودھ

کھول رہا ہوگا۔ ایک بچہ صرف اس لئے رو رہا ہے کہ وہ دودھ زیادہ پینا چاہتا ہے دوسرا بچہ اس لئے پٹ رہا ہے کہ کمبخت دودھ ہی نہیں پیتا۔ بچے اگر اوٹ پٹانگ قسم کے سوالات کرتے ہیں تو انہیں ڈانٹ کر خاموش کردیا جاتا ہے کاش انہیں یہ معلوم ہو کہ بچوں کے جوابات کے لئے ایجاد ماں کی پہلی ضرورت ہوتی ہے۔ چیزیں بکھری پڑی ہیں ۔ یہ ہو رہا ہے۔ وہ ہورہا ہے۔اور کچھ نہیں ہورہا ہے۔

باپ کو لیجئے۔اسے خود اپنے والدین سے کس قدر شفقت و محبت کی امید رہی ہوگی ۔ لیکن جب وہ دفتر سے آئے گا اور بچے اس کی ٹانگوں میں الجھیں گے تو انہیں جھڑک دیگا ۔ ان سے باتیں کرتے ہوئے اسے کوفت ہوگی (مانا کہ بڑھتی ہوئی تاریخوں کے ساتھ ساتھ فکریں بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ لیکن آپ اپنے بچوں کو کیوں متاثر کرتے ہیں ؟)

یہ مانتے ہوئے کہ بچوں کی ذہنی نشو و نما گھریلو آب وہوا سے متاثر ہوتی ہے، کیا یہ حالات بچوں کے لئے برے نہیں ہیں اس کے متعلق کیا کیا جا سکتا ہے؟

اگر والدین سوچے سمجھے اصولوں پر عمل کریں ۔ اپنے خاص حالات کو سوچ سمجھکر مخصوص پروگرام بنالیں، بچوں کی طرف زیادہ توجہ دیں۔ خواہ کچھ کریں یہ بہر حال کچھ زیادہ دشوار بات نہیں ہے ۔ وہ بآسانی اپنے بچوں کے لئے ایک اچھا گھریلو ماحول پیدا کرسکتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ یہ سب کچھ ایک باپ اور ایک ماں کی باہمی امداد کے بغیر ممکن نہیں پھر بھی زیادہ ذمہ داری ماں پر آتی ہے۔

ہر ماں جو اپنے بچوں کی پرورش میں گہری دلچسپی لیتی ہے، جانتی ہے کہ وہ کس قدر دلچسپ ہوتے ہیں۔وہ کتنی پیاری پیاری باتیں کرتے ہیں اور موقع ملے تو کتنی جلدی کچھ بھی سیکھ لیتے ہیں۔ کتنی آسانی سے انہیں سنایا جا سکتا ہے ۔ انہیں کسی کام سے روکا جاسکتا ہے ۔ ان سے کوئی کام کرایا جا سکتا ہے ۔

جب بچے زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو ان پر بیرونی اثرات اور نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اب انہیں " بچوں " کی مدد سے باہر سمجھا جاتا ہے۔ وہ زیادہ لوگوں سے ملتے ہیں۔ گھر کے باہر کی دنیا کا مشاہدہ کرتے ہیں ۔ ان کے دوست اور ساتھی ہوتے ہیں جن کے خیالات کا اثر ان کے اپنے خیالات پر پڑتا ہے۔ ان عمروں میں بچے عام طور پر غلط اور جلد فیصلے کرلیا کرتے ہیں ۔ ان کی خواہشات بڑی جلدی ترقی کرتی ہیں۔ یہ اثرات سماجی ہوتے ہیں۔

اس عمر میں بچے کچھ اس قسم کی شکایات کرنے لگتے ہیں کہ ہمارے پاس کار کیوں نہیں ہے؟ فلاں لڑکا سرخ کوٹ پہنے تھا بھلا مجھ میں ایسی کونسی خامی ہے جو ایسا کوٹ میرے پاس نہیں ہے؟ ہمارے مکان میں بجلی کے پنکھے کیوں نہیں ہیں۔ ہم اسکول جب ہی جائینگے جب اسکول کی بس لینے آئے گی یا یہ کہ مدرسہ بہت خراب جگہ ہوتی ہے وہاں مار پڑتی ہے۔ ہم نہیں پڑھیں گے ! اور ایسی ہی دوسری باتیں۔

یہ غلط تصورات کچھ اس طرح جڑیں پکڑلیا کرتے ہیں کہ اکثر بچوں کو سمجھانے کی کوششیں رائیگاں جایا کرتی ہے لیکن اکثر اس میں سے والدین کی کوئی خطا نہیں ہوا کرتی۔ یہ سماج کی خطا ہے ۔ یہ سماج کا " پھل " ہے ۔ اس زہر کے اثرات اس صورت میں کم ہوتے ہیں جبکہ والدین نے ابتدائی مراحل میں بہت زیادہ محنت کی ہو۔

اسکا حل یوں بھی ہوسکتا ہے کہ والدین اور اساتذہ ملکر بچوں کے سماجی "شعور" کو معیاری بنانے کے لئے جد و جہد کریں یہ بھی تو ایک حل ہوسکتا ہے کہ سماجی اونچ نیچ اور اسکی قدیم روایات کا خاتمہ کردیا جائے ۔ تمام بچوں کو ایک جیسے ماحول میں تعلیم دینے کے لئے اچھے اسکولوں کا بندوبست کیا جائے ۔ انہیں مثالی بنانے کے لئے ایک مثالی فضا قائم کی جائے قوموں کے عروج و زوال میں قوم کے بچوں کی تربیت کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے ۔ اور ایسی تمام قومیں جو اپنے بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت کی طرف سے بے خبر رہتی ہے بالآخر انہیں زوال و انحطاط آ لیتے ہیں ۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قوموں کے مزاج جداگانہ ہوتے ہیں اور ان کی تہذیبی قدریں ، عمرانی تصورات ، معاشراتی آداب ، و مسائل اپنی کچھ روایات رکھتی ہیں ۔ چنانچہ ہم اپنی عملی اور فعالی زندگی میں اس بات کے بین ثبوت دیکھ رہے ہیں کہ ہم اور دنیا کی وہ تمام قومیں جنھوں نے یورپین ثقافت کو اپنایا ہے وہ بہت بڑی حد تک اپنی روایاتی قومی انفرادیت سے عاری ہوگئی ہیں اور نفسیاتی طور پر آہستہ آہستہ ان کے اجتماعی شعور میں سے احساس امتیاز و انفرادیت خارج ہوگیا ہے ۔

تقسیم ملک کے بعد ہماری مجلسی زندگی میں مغربی طرز فکر و عمل کو آنکھیں بند کرکے اپنا لیا گیا ہے ۔ جسکا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ ہم نے جس طرز حیات اور انداز فکر کو اپنی سماجی زندگی کی رونق سمجھا وہ غیر محسوس طور پر اور لاشعوری انداز میں اجنبی تہذیب و ثقافت کو اتنا دخل دیا جا چکا ہے کہ ہمارے نونہال اپنے آباو اجداد کی طرز حیات ، انداز فکر اور طریق زندگی سے قطعاً لاعلم ہوجائیں گے ۔

لیکن یہ باتیں کچھ اتنی تشویش انگیز اور مایوس کن نہیں ہیں جس قدر خوفناک غفلت ہم اپنے بچوں کی نگہداشت

اور پرورش میں برت رہے ہیں اور جس کے سبب سے ہمارے بچے ایک تنومند معاشرت میں پلنے بڑھنے والے سپوت نظر آنے کی بجائے انتہائی گھناؤنے بدکار، چور، بد تہذیب، غنڈے نظر آتے ہیں - چنانچہ وہ نو عمر نوخیز بچے، جو آج اس کم عمری میں صبح سے شام تک ہزارہا واہیات حرکت اور کالم گلوچ میں اپنی عمر کی سیڑھیاں طے کررہے ہیں وہ لوگ جو نفسیات کے طالب علم ہیں ان کے لئے یہ سراغ لگالینا قطعی آسان ہے کہ اس بڑھتی ہوئی خوفناک نفسیاتی بیماری کا علاج جب تک بچوں کے سرپرست اور ہمارے معاشرے میں سانس لینے والے تمام بالغ افراد کرنا نہ چاہیں - قوم کے بچے اس بھیانک انجام اور انسانیت کی ہلاکت سے محفوظ نہ رہ سکیں گے -

دراصل ہمارے بچوں کی بے راہ روی کا سبب یہی نہیں ہے کہ ہم مالی اعتبار سے کمزور یا غریب ہیں اور بچوں کی نہ معقول تربیت کرسکتے ہیں - ان کو معقول مدارس میں پڑھواسکتے ہیں بلکہ بچوں کی بیشتر خرابیوں کا باعث بچوں کے وہ ماں باپ یا سرپرست ہیں جو بچوں کو اندھا، بہرا، گونگا اور غیرمتاثر ہونےوالا ایک چلتا پھرتا مجسمہ سمجھتے ہیں -

بچہ دراصل اپنی جبلت اور فطرت میں ایک کیمرا فلم کی مانند ہے کہ اس پر جیسا کہ عکس پڑتا ہے وہ اسے قبول کرلیتا ہے - اور اسی عکس کی مانند اس کے خصائل و عادات پرورش پاتے ہیں - چنانچہ ایک ایسی ماں جو گھروالوں سے چھپا چھپا کر کھاتی پیتی ہو یا دوسرے افراد سے پوشیدہ رکھکر خرید و فروخت کرتی ہو اسطرح وہ اپنے گھر کے بچوں میں چوری چھپے مختلف کام کرنے کی عادت ڈالتی ہے - اکثر بچے جھوٹ کے عادی محض اسلئے ہوجاتے ہیں کہ ان کے گھروالے صبح سے شام تک ان سے جھوٹ بولتے ہیں اور خود بچوں سے بھی جھوٹی باتیں کہنے کو کہتے ہیں - مثلاً آپ گھر میں ہے اور دروازے پر کوئی شخص آواز دے رہا ہے آپ گھر کے کسی بچہ سے کہتے کہ جاؤ کہہ دو، وہ تو گھر میں ہیں نہیں — چلئے آپ کا کام تو ہو گیا - لیکن شاید آپ کو یہ خبر نہیں کہ آپ نے بچے کو جھوٹ بولنے کی عادت ڈال دی -

جھوٹ بولنے کی عادت بچے کو زد و کوب کرنے سے بھی بڑتی ہے - مثلاً آپ کے بچے نے کوئی کتاب پھاڑ دی، گلاس توڑ دیا، اب آپ اس سے سراغ لگاتے ہیں اور جب وہ انتہائی سچائی سے یہ بتادیتا ہے کہ اصل مجرم وہ خود ہے تو آپ اسے تنبیہ کے لئے دو طمانچے رسید کردیتے ہیں — لیکن آپ نہیں جانتے کہ آپ کے دو طمانچوں نے اس بچے میں اخفائے راز اور کذب بیانی کا زہر بھر دیا -

اس سلسلے میں سب سے زیادہ ذمہ داری قوم کے ان تمام بالغ افراد پر عائد ہوتی ہے جو بچوں کے سامنے فحش کلامی سے اجتناب نہیں کرتے، اور جو گلیوں، محلوں اور راستوں پر کھیلنے والے بچوں یا کسی نشست میں شریک نونہالی کی عکاس طبیعت اور انتہائی حساس ذہن و حافظہ کا احترام نہیں کرتے -

وطن دوست اور ملت پرست محبان قوم کے لئے یہ ایک لمحہ فکر ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت میں مشرقی آداب تہذیب و ثقافت اور قومی روایات تمدن کی احیا کے لئے اٹھ کھڑے ہوں -

* * * * *

اعجاز سیابی

نواب عباس یارجنگ رشید کے
کلام میں احساس درد کی اہمیت

زندہ احساس کی قریب ترین منزل ''درد'' ہے ۔

مشاہدہ بتلاتا ہے کہ یہ منزل چوراستہ بھی ہے ، جہاں سے دیگر احساسات کی منزلوں کے قافلے جذبات و محسوسات کی گرد میں اٹے ہوئے گذرتے ہیں ۔ ظلم و تعدی ایک مقام ہے غم دوراں اس سے اگلے اسٹیشن کا نام ہے۔ اس سے آگے حرماں نصیبی کی آماجگاہ ہے اس کے بعد آخری ٹھکانہ غم جاناں کا ہے ۔ جو الٹ پھیر کے بعد مختلف روپ دھار لیتا ہے ۔ دراصل اسمیں تغیر کی کیفیات صرف محسوسات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ جنکا براہ راست اثر احساسات پر نہیں پڑتا ۔ یہ اور بات ہے کہ احساسات کی تیز رو جولانی محسوسات اندوہ و انبساط کو متاثر کردے ۔

شعر میں درد کے اظہار بیان کی صفات جب احساس شدید سے ہمکنار ہوجاتی ہیں ۔ احساس طربیہ ہو یا حزنیہ — شاعر کے محسوسات کو احساس جھنجھوڑتا ہے تبھی وہ تخلیق شعر کی طرف مائل ہوتا ہے اور پھر وہ خیال نظم ہوجاتا ہے ''میں نے یہ سمجھا گویا یہ بھی میرے دلمیں ہے '' اور جب شعر کا یہ تاثر قاری و سامع قبول کرلے تو اسکی منزل بقول علامہ سیاب مرحوم اکبر آبادی '' جو سنتا ہے اسی کی داستاں معلوم ہوتی ہے ''۔ اسطرح کے شعر ھی لازوال شعر پا رے کا لباس پہن لیتے ہیں جو ہمیشہ بھلا نظر آتا ہے جب دیکھئے شفاف عمدہ ، جاذب نظر — میر کے کلام میں بہتر (۷۲) نشتر ایسے ھی اشعار ہیں ۔ جنکے بارے میں مختلف آرا' صرف داخلی محسوسات کی بنا پر ملتی ہیں ۔ اور جہاں محسوسات و احساسات میں یک رنگی و یک جہتی پیدا ہوجاتی ہے وہ بالاتفاق رائے منظور ہوجاتے ہیں اور رائے کا اختلاف ختم ہوجاتا ہے ۔ اسی باعث حسن و عشق کی کیفیات کے مرقعے غالب سے کہیں زیادہ مومن کے یہاں ملتے ہیں ۔ نیاز فتحپوری نے اسپر سیر حاصل بحث کی ہے ۔

نواب عباس یارجنگ رشید کے کلام پر غائر نظر اس بات کی غماز ہے کہ ان کے احساسات ھی محسوسات قلب کی آئینہ داری ' بالغ نظری ، تیز نگاہ اور دردمند دل کی کیفیتیں اجاگر کردیتی ہے۔ جبھی تو وہ میر کی زمین میں یہ مطلع فکر کرتے ہیں :

شعر '' سب عشق میں اسکے کھو بیٹھا اب طالب راحت ہوتا ہے
اک درد کی دولت باقی ہے نادان اسے بھی کھوتا ہے''

یہاں نادان طبیعت عاشق سے خطاب کیا جارہا ہے جو نمونہ عمر کے اس حصہ کے رائگاں جانے پر '' طالب راحت ہے اگر چہ طلب راحت کی فطرت سب کچھ اسکے عشق میں کھو بیٹھنے کے بعد مطمئین ہونی چاہئے لیکن درد کی دولت کا باقی رہ جانا بھی کچھ کم نہیں ہے طلب راحت کا جذبہ یا ارادۂ خیال لذت درد کی دولت کو ضائع کردینے کے مرادف ہے یہاں یہ بھی مقصود ہے کہ عشق میں سب کچھ کھو جانے کے بعد احساس کی موت واقع نہیں ہوپاتی بلکہ اسکے خزانے میں درد کی دولت کثرت میں باقی رہ جاتی ہے جو طلب راحت کی ہوسناکی میں ختم ہوسکتی ہے غور کیجئے تو حیدرآباد میں پولس ایکشن (Police Action) کے بعد پھر طلب راحت کی تگ ودو اور بیجا روایات کہن کی تلاش دراصل اس جذبہ شد و مد کے خاتمہ کی کیفیت ہے جس کے سہارے زندگی کے بسر ہونے کا امکان باقی ہے۔ امرا' و روسا' ، جاگیرداران و نوابین کے اس گروہ کی ذہنی عیش کوشی کا وہ افسانہ اس مطلع میں رقم ہوا ہے، جو اسے کہیں کا نہ رکھے گا اگر اسکے مرحلے '' درد '' کے تقاضے کے تحت پورے نہیں ہوتے اس لئے کہ بس یہی '' درد '' اب سامان زندگی ہے جو حادثات زمانہ کی زد سے بچ گیا ہے اسے بھی کھودنیا انتہائی نادانی ہے چونکہ دل اس سے زندہ ہے۔ یہ ''درد'' دل کی زندگی کی پھانس نہیں بلکہ سانس ہے ۔
اور دیکھئے شعر

'' ہے عشق و محبت کی دنیا بارونق آہوں کے دم سے
جو درد ھی سے ناواقف ہو وہ دل بھی کوئی دل ہوتا ہے۔''

یہاں احساس شدید نے ایک انگڑائی شکن کروٹ لی ہے۔ یعنی درد کے ایک پیرائیہ بیان '' آہ '' کو کلیہ کی شکل دیکر یہ

کہا ہے کہ عشق و محبت کی دنیا اور وہ بھی بارونق دنیا صرف آہوں کے دم سے قائم ہے اس لئے کہ یہ کلیہ تسلیم شدہ ہے کہ درد سے ناواقف دل دراصل دل کہلانے کا مستحق نہیں ہے - اس لئے کہ شاعر کے نزدیک آہوں کادم درد کی اس کیفیت خاص کا نام ہے جو عشق و محبت کی دنیا کو بارونق بناتا ہے۔ یہ احساس دل کا کام ہے کہ وہ آہوں کے دم کے سہارے عشق و محبت کی دنیا کو بارونق بنادے۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر احساس درد جو دل کا مخصوص تقاضہ ہے نوت ہو جاتا ہے اور دل حقیقتاً دل نہیں صرف پہلو میں دھڑکتی کوئی شئے ہے جسے دل نہ کہیئے کوئی اور نام دیجئے تو مناسب ہے۔ میرے تین مصرعوں کی ایک نظم اسے واضح کرتی ہے -

" مجھکو اکثر خیال آیا ہے
سنگ بدنام ہے زمانے میں
پھر بھی یہ دل سے نرم ہوتا ہے۔ "

مسلسل حادثات پیہم جانسوزیاں لگاتار کدوکاوش مستقل نشیب و فراز بدستور الٹ پھیر یہ دراصل اس ایک داستان کے چیدہ چیدہ ٹکڑے ہیں جو پولس ایکشن سے قبل کی زندگی کے احساسات کی تاریخ کو اپنے پہلو میں سمیٹ کر ان خواہشات کو تحریک بنانے لگتے ہیں جہاں چند ساعت کی عیش پرستی اور تلذذ آفرینی اندوہ گینی کا ناسور پیدا کردیتی ہے جبھی تو ذرا سا احساس عمر بھر کی شدت تکلیف کا اضافہ بنجاتا ہے --فرماتے ہیں۔

" احسان کیا کہ آئے اور آکر چلے گئے
کچھ اور دل کا درد بڑھا کر چلے گئے

واقعات و حوادث کی آندھی کے چھٹ جانے کے بعد کی روشنی کے طلوع میں غور کیجئے تو صاف نظر پڑتا ہے کہ عیش و عشرت کا دور جو ایک عرصہ بعد میسر آتا ہے اپنے مختصر قیام کے دوران کچھ اس طرح کی ستم آلود کرم فرمائیاں کرتا ہے کہ طبیعت کو پھر درد دل فزوہ محسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ عیش و انبساط کا یہ احسان کچھ کم نہیں ہوتا کہ وہ درد دل کے فطری انجام کی خاطر اسکی کسک، بےچینی، کرب، اضطرار اور سیمابیت کی کیفیات کو کم کرنے چلا آتا ہے مگر پھر چلے جانے کے بعد گذشتہ سے پیوستہ درد دل میں ترقی محسوس ہوتی ہے۔ اس لئے کہ دل کا حزنیہ احساس (Tragic Feeling) میں شدت ہونے لگتی ہے چونکہ ہرے زخم پر مرہم کا لگنا جس خنکی کا احساس کراتا ہے وہ ٹھنڈک مرہم نہ لگنے کی صورت میں پہلے سے کہیں زیادہ زخم پر چڑچڑاہٹ کے ساتھ سوزش پیدا کردیتی ہے۔ یہ دراصل انسانی فطرت کے احساس کا درد ہوتا ہے جسے صرف دل محسوس کرتا ہے۔ یہ وہی وقت ہوتا ہے جب زبان پر یہ آتا ہے -

شعر : " اللہ دے انہیں بھی دل درد آشنا
جو میرے دل کا درد بڑھا کر چلے گئے - "

دراصل نواب عباس یارجنگ رشید کے یہاں اس قسم کے اشعار میں کیفیت قلب کا وہ سوز پنہاں ہے جسکا آہنگ انتہائی جلیل (Extrme Sublime) ہے اس احساس میں درد انگیزی کی صورتیں مستقل ایک عنوان بنجاتی ہیں جنکا مادۂ فکر و حس کی ہمنوائی کرتا ہے - اور جب ہم اس طرح کے اشعار پڑھتے ہیں تو معاً یہ خیال جانگزیں ہو جاتا ہے کہ احساس کی شعوریت کا اگر فقدان ہو تو شعر دل کی آواز نہیں بنتا، صرف قلم کی حرکت بنجاتا ہے۔ اس قسم کے اشعار کی تخلیق اسی ذھن میں ہو سکی ہے جسکے حسی تجربات قیمتی ہوں اور جب ایسا ہوگا تبھی ہم اس فکر و بصیرت کے اشعار کو " محسوسات احساس محض " کی خوشگوار اصطلاح سے یاد کرسکیں گے۔

* * * * *

PUBLISHED BY THE DIRECTOR OF INFORMATION & PUBLIC RELATIONS. ANDHRA PRADESH HYDERABAD.
PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING. GOVT. OF ANDHRA PRADESH. AT GOVT. CENTRAL PRESS. HYDERABAD

Regd. No. H./HD-76.

آندھرا پردیش

جولائی سنہ ۱۹۷۷ء

۵۰ پیسے

آندھرا پردیش بہ یک نظر

* آبادی .. .. .. ۳۳۵,۰۳ لاکھ
* اقوام درج فہرست کی آبادی .. .. .. ۵۷,۸۵ لاکھ
* رقبہ .. .. ۲,۸۶,۸۵۴ مربع کیلو میٹر
* اضلاع ۲۱
* تعلقہ جات ۱۹۵
* قصبات اور شہر ۲۲۴
* آباد گاؤں ۲۸,۲۲۱
* پنچائتیں ۱۵,۹۲۰
* پنچائت سمیتیاں ۳۲۴
* ارکان پارلیمنٹ ۵۹
* لیجسلیٹیو اسمبلی کے ارکان بشمول ایک نامزد کردہ رکن ۲۸۸
* لیجسلیٹیو کونسل کے ارکان ۹۰
* یونیورسٹیاں ۵
* پڑھے لکھے لوگ .. .. .. ۱,۰۶,۹۰ لاکھ

آندھرا پردیش

ترتیب

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

ماہ جولائی — ۱۹۷۷ء

آشاڈھا — شراون

شاکھا ۱۸۹۹

جلد نمبر ۲۱

شمارہ — ۹

سرورق کا پہلا صفحہ

ترقی کا چکر

سرورق کا چوتھا صفحہ

جوار کی زبردست پیداوار

اس شمارے میں اہل قلم نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں ۔

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ

حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا۔

* * *

آندھرا پردیش (اردو) ماہنامہ

زر سالانہ چھ روپئے ۔ فی پرچہ ۵۰ پیسے

وی پی بھیجنے کا قاعدہ نہیں ۔

چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے ۔

* * *

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر :— شری مرارجی دیسائی وزیر اعظم هندوستان ۱۹ - مئی کو دهلی جاتے هوئے حیدر آباد ایرپورٹ پر ٹهورے - شریمتی شاردا مکرجی گورنر ، شری جے - وینگل راؤ چیف منسٹر آندهرا پردیش نے استقبال کیا -

بائیں جانب درمیان : گورنر شریمتی شاردا مکرجی نے ۲۳ - مئی کو کوشائی گوڑہ تارناکه میں ورکنگ هاسٹل کا سنگ بنیاد رکها -

بائیں جانب نیچے :— شری بهیم سری راممورتی وزیر ٹرانسپورٹ نے شیڈولڈ کاسٹ امپلائزاسوسی ایشن گورنمنٹ سنٹرل پریس کی جانب سے منعقد کردہ بابا صاحب ڈاکٹر امبیڈکر کی ۸۶ ویں یوم پیدائش کی تقریب میں تقریر کی -

دائیں جانب اوپر :— شریمتی شاردا مکرجی گورنر آندهرا پردیش نے ۲۹ - مئی ، کو ممتاز ویدک اسکالروں کو اعزاز عطا کیا -

دائیں جانب نیچے :— آندهرا پردیش کوآپریٹو کورٹ کی ۲۹ - مئی کو ساتویں سالانه کانفرنس منعقد کی گئی -

مسٹر کے۔جی۔ ریڈی (آئی۔پی۔ایس)
کمانڈنٹ جنرل ہوم گارڈز۔آندھرا پردیش

وہ فوج جو کبھی لڑتی نہیں

برطانیہ کے سکریٹری برائے جنگ مسٹر انتھونی ایڈن نے ۱۴۔مئی ۱۹۴۰ع کو قوم کے نام ایک نشریہ میں اپیل کی کہ ۱۷ تا ۶۵ سال کی عمر والے تندرست افراد آگے آئیں اور حملے سے اپنے ملک کا بچاؤ کریں۔ اس اپیل کے جواب میں لوگوں نے جس جوش و خروش کا اظہار کیا وہ غیر متوقع اور بے مثال تھا۔ مقامی صیانتی رضاکاروں میں بھرتی کیلئے لوگ گھنٹوں قطاروں میں کھڑے رہتے۔ خوشامدیں کرتے۔ اپنی عمروں کو برسوں کم بتاتے اور تقریباً لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہوجاتے۔ حکومت صرف اتنا چاہتی تھی کہ دیہی علاقوں میں چھتریوں سے اترنے والے دشمن کے فوجیوں کی تلاش کے لئے رضاکاروں کی ایک چھوٹی سی جمعیت تیار کی جائے۔ لیکن اپیل کے جواب میں حکومت کو ۲۴ گھنٹوں کے اندر ربع ملین کی تعداد میں پرجوش رضاکار دستیاب ہو گئے اور یہ تعداد ۶ ہفتوں کے اندر ڈیڑھ ملین تک پہنچ گئی۔اس طرح دوسری عالمی جنگ کے زمانے میں ہوم گارڈز کی تنظیم عالم وجود میں آئی۔ یہ یکتا اور انوکھی جمہوری فوجی تنظیم جو بالکلیہ طور پر غیر پیشہ ورانہ تھی اپنی نوعیت کی ایک بڑی اور زبردست جمعیت تھی۔ جس نے آتشیں اسلحہ رکھنے کے باوجود کسی میدان جنگ میں عملی حصہ نہیں لیا۔

اس طرح کی ہوم گارڈز اور شہری تحفظ کی تنظیمیں ہندوستان کے بعض علاقوں میں اس وقت کے انگریزی حکمرانوں کی جانب سے شروع کی گئیں۔ حالانکہ دوسری عالمی جنگ کے اختتام کے بعد انکے قیام کا حقیقی مقصد ختم ہوچکا تھا لیکن مختلف ریاستوں میں ان تنظیموں کا وجود کسی نہ کسی صورت میں برقرار رکھا گیا۔ بہرحال مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ تنظیمیں بڑی حد تک ساکت و جامد ہو کر رہ گئیں۔ لیکن ۱۹۶۲ع میں چینی جارحیت کے وقت نظم و نسق کو انکی افادیت کا احساس ہوا اور وقتی ضرورت نے اس تحریک کو ازسرنو زندگی بخشی۔ خارجی ہنگامی حالات کے تحت حکومت ہند نے تمام ریاستوں اورمرکزی زیرانتظام علاقوں کو ہدایت کی کہ ان کے علاقے میں قائم رضاکارانہ تنظیموں کو ہوم گارڈز میں ضم کردیا جائے اور یہ اس احساس کے تحت کیا گیا کہ ہوم گارڈز تنظیم عوام کو ملک کے کٹھن وقت میں خطرات و مشکلات کا سامنا کرنے کی ہمت و سکت عطا کرے گی چنانچہ مختلف ریاستوں میں موجودہ ہوم گارڈز اور شہری تحفظ کی تنظیمیں اس طرح عالم وجود میں آئیں۔

عام حالات میں ہوم گارڈز کے اراکین کی سرگرمیاں حسب ذیل امور پر مرکوز ہوتی ہیں۔

(الف) ناگہانی و موسمی حادثات کے وقت شہری نظم و نسق کی مدد کرنا۔

(ب) سیول ڈیفنس سرویسز جیسے آتشزدگی۔ بچاؤ۔ رسل و رسائل اور امبولینس وغیرہ کی خدمات میں ہاتھ بٹانا۔

(ج) حمل و نقل۔ رسل و رسائل۔ برقی۔ آبرسانی اور دوسری ضروری خدمات میں رکاوٹ پیدا ہونے پر انکی بحالی اور برقراری میں مدد کرنا۔

(د) صنعتی صیانت کی برقراری میں پولیس کی اعانتی اکائی کی حیثیت سے فرائض انجام دینا۔

(ھ) حکومت وغیرہ کی جانب سے روبہ عمل لائی جانے والی سماجی بھلائی اسکیمات میں اعانت کرنا۔

(و) ریاستی حکومت اور کمانڈنٹ جنرل کی جانب سے وقتاً فوقتاً تفویض کئے جانے والے فرائض کی بابجائی کرنا۔

رضاکارانہ جمعیت :

ہوم گارڈز ایک رضاکارانہ جمعیت ہے اور ایسے افراد پر مشتمل ہے جو اس تنظیم کے لئے اور معاشرے کی فلاح کے لئے اپنے فاضل اوقات دے دیتے ہیں۔ یہ وسیع بنیادوں پر قائم ایک غیر سیاسی تنظیم ہے جس کے اراکین عوام کے تمام طبقات اور تمام شعبہ جات زندگی سے چنے جاتے ہیں۔ اس سے وابستہ تمام افراد کی حیثیت رضاکارانہ ہوتی ہے سوائے اس قلیل تنخواہ یاب عملے کے جو مختلف سطحوں پر کمانڈ اور نگرانی کے لئے متعین ہوتا ہے۔

یہ رضاکار امن کے وقت اپنے آپ کو تربیت کے لئے پیش کرتے اور جنگ و امن دونوں زمانوں میں جب ملک کو ضرورت لاحق ہوتی ہے اپنی خدمات قوم کو تفویض کر دیتے ہیں ۔ عام حالات میں ان کی خدمات سے خود ان کے علاقوں میں استفادہ کیا جاتا ہے ۔

ہڑتالوں کے دبانے سرکاری زمینات سے غیر مجاز قبضوں کو ہٹانے غیر اجازت یافتہ چلتے پھرتے بیوپاریوں کو پکڑنے اور اس طرح کے دوسرے کاموں میں ہوم گارڈز کے استعمال سے سختی کے ساتھ احتراض کیا جاتا ہے۔ وہ لازمی طور پر ایک ایسی تنظیم کے اراکین ہیں جس کا مسلک خدمت عامہ ہے۔ جب کبھی جمعیت پولیس کی ایک اعانتی اکائی کی حیثیت سے انہیں استعمال کیا جاتا ہے تو ان سے گارڈ ڈیوٹی۔ ٹرافک کنٹرول، پٹرولنگ اور اسی قبیل کے دوسرے کام لئے جاتے ہیں جن سے انکی عزت و حرمت میں اضافہ ہوتا ہے اور ان کو عوام الناس کی خیرسگالی اور ہمدردی حاصل ہوتی ہے ۔

ہوم گارڈز تنظیم میں سرکاری ملازمین کی شرکت کے لئے ترغیبات رکھی گئی ہیں ۔ تربیت اور ڈیوٹی پر ملازمین کا جو وقت صرف ہوتا ہے اسکو خصوصی رخصت اتفاقی میں شمار کیا جاتا ہے۔ ہوم گارڈز قواعد کے تحت مقررہ گزارے اور معاوضے ان کو اپنی تنخواہ کے علاوہ حاصل کرنے کی اجازت دی گئی ہے ۔ سرکاری ملازمتوں میں بھرتی کے لئے بھی ہوم گارڈز کو ترجیح دی جاتی ہے۔ایسے ہوم گارڈز جنہوں نے تربیتی نصاب مستحسن طور پر مکمل کیا ہے یا جو مطلوبہ قابلیت کے حامل ہیں تنظیم کے مختلیف با معاوضہ عہدوں پر تقرر کے مستحق ہوتے ہیں۔

ڈائرکٹر جنرل سیول ڈیفنس وزارت امور داخلہ حکومت ہند نئی دھلی جو لیفٹیننٹ جنرل کے رتبہ کے عہدہ دار ہیں پورے ملک کے ہوم گارڈز کی بنیادی تربیت کے تمام امور سے متعلق حکمت عملی اور ان کو ساز و سامان کی فراھمی کے ذمہ دار ہیں۔ ہر ریاست کے لئے ایک کمانڈنٹ جنرل ہوم گارڈز ہوتا ہے جسکی مدد مختلف عہدہ دار کرتے ہیں ۔ ہوم گارڈز تنظیم متعدد کمپنیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہر کمپنی میں ۱۱۰ ہوم گارڈز ہوتے ہیں کمپنی تین پلاٹون میں منقسم ہوتی ہے اور ہر پلاٹون ۳۶ ۔ اشخاص پر مشتمل ہوتا ہے ۔

سماجی خدمت :

ہوم گارڈز کو مختلف سماجی خدمات کی سرگرمیوں میں استعمال کیا جاتا ہے جیسے امراض چشم کے علاج کے لئے مفت کیمپوں کے چلانے میں اعانت کرنا۔ دواخانوں میں خدمات انجام دینا۔ فائر سروس کی امدادی یونٹ کی حیثیت سے کام کرنا ۔ خون کے عطیے دینا اور جمع کرنا اور انسانی بھلائی کے دوسرے کاموں میں ہاتھ بٹانا۔ ہوم گارڈز عوام میں شہری شعور اجاگر کرنے میں بھی بہت معاون ثابت ہوئے ہیں اور ان کو صفائی سڑکوں پر چلنے کے اصول، قطاریں بنانے کی اھمیت سے واقف کرانے میں اور مختلف طرح سے انکی امداد کرنے میں بھی بہت کارآمد ہوتے ہیں۔

مشاھدے نے ظاھر کیا ہے کہ پولیس کے مقابلہ میں ہوم گارڈز عوام سے مشکل اوقات میں ربط قائم کرنے میں زیادہ عجلت کے ساتھ کامیاب ہوتے ہیں۔ یہ بات بھی ثابت ہوچکی ہیکہ ہوم گارڈز پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے وہ پورا پورا کام آتا ہے۔ کثیر خرچ سے ہمہ وقتی پولیس جمعیت رکھنے کے مقابلہ میں ہنگامی حالات کے وقت ہوم گارڈز کا استعمال زیادہ کفایت بخش ہوتا ہے۔

ہوم گارڈز تنظیم کی تشکیل کے لئے حکومت ہند کی ہدایات پر عمل کرنے میں آندھرا پردیش اولین ریاستوں میں سے ہے۔ تنظیم کے لئے ابتدائی نشانہ ۱۳۸۰۰ مقرر کیا گیا تھا جس کو اب گھٹا کر ۱۷۳۰ کردیا گیا ہے ۔ فی الوقت ۷۰ کمپنیاں قائم ہیں جو ۲۱ اضلاع اور مستقر شہر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اھم مراکز یہ ہیں شہر حیدرآباد ۱۷ کمپنیاں ، گنٹور وجئے واڑہ چھ چھ کمپنیاں اور وساکھاپٹنم ۵ کمپنیاں ۔ پولیس سپرنٹنڈنس متعلقہ اضلاع میں اور پولیس کمشنر شہر حیدرآباد میں ہوم گارڈز کے انتظامی امور کے نگران اور انکی بھرتی ۔تربیت اور عام دیکھ بھال کے مجاز ہیں۔ دس سپرنٹنڈنس پولیس اور ۵ کمانڈنٹس خصوصی طور پر ہوم گارڈز کے لئے مختص کئے گئے ہیں اور ان کی تعیناتی ریاست کے مختلف مقامات پر عمل میں لائی گئی ہے ۔ یہ عہدہ دار اپنے تحت کے ہوم گارڈز کی سرگرمیوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ معائناتی دورے کرتے ہیں اور مقامی پولیس سپرنٹنڈنس کی مدد کرتے ہیں اب تک انسپکٹر جنرل پولیس ہی ہوم گارڈز کے کمانڈنٹ جنرل ہوتے تھے لیکن اب حکومت ہند کی ہدایات کی روشنی میں اس مقصد کیلئے انسپکٹر جنرل کے رتبہ کا ایک علحدہ عہدہ قائم کیا گیا ہے۔

آندھرا پردیش میں ہوم گارڈز تنظیم گو کہ زیادہ نمایاں نہیں رہی لیکن پھر بھی ا کی سرگرمیاں کافی رہی ہیں۔ اس تنظیم سے اھم شخصیتوں کے دوروں ۔ تہواروں کے بندوبست۔ٹرافک فرائض۔ حفاظتی فرائض اور بس اسٹانڈس پر قطاروں کے قیام وغیرہ کے سلسلے میں کام لیا جاتا ہے ۔ عام انتخابات کے زمانے میں ہوم گارڈز کی خدمات بالکلیہ طور پر پولیس کے حوالے کر دی گئی تھیں۔ مختلف ہڑتالوں کے دوران ضروری خدمات کی برقراری میں ہوم گارڈز بہت کارآمد ثابت ہوئے ہیں۔ ہمارے ہوم گارڈز نے آل انڈیا

ہوم گارڈز اینڈ سیول ڈیفنس پروفیشنل اینڈ اسپورٹس میٹس میں بھی کارہائے نمایاں انجام دئیے ہیں۔

بے غرض خدمت

اس بات کی پھر بھی ضرورت ہے کہ عوام اس تنظیم کو زیادہ سے زیادہ تعاون دیں خصوصی طور سے اعلی سطح پر ۔ اس لئے کہ یہ تنظیم عوام اور پولیس کے درمیان نہ صرف ایک رابطہ ہے بلکہ اس سے وابستگی ایک سماجی بھلائی کی خدمت بھی ہے۔ اس تنظیم کا مطمح نظر اور مقصد '' نشکم سیوا ،، یا بے غرض خدمت ہے۔ حالانکہ ہنگامی اوقات میں اس تنظیم کو بھی خصوصی فرائض انجام دینے پڑتے ہیں اور مختلف عہدہ داران مجاز کو اس تنظیم کی مدد و اعانت حاصل رہتی ہے لیکن اسکی خدمات سے دوسرے موقعوں پر بھی انسانی بھلائی کیلئے کاموں کے سلسلے میں استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ تنظیم لازمی طور پر ایک سماجی بھلائی کی تنظیم ہے اور اس سے بھرپور اور موثر طور پر استفادہ کی وسیع گنجائش موجود ہے۔ اگر سماجی کارکن اور دوسری سماجی بھلائی کی تنظیمیں اور متعلقہ عہدہ دار مکمل تعاون دیں اور پورا پورا اشتراک کریں تو یہ تنظیم قومی خدمت کا ایک کارگرد ذریعہ اور وسیلہ بن سکتی ہے۔ مرکزی اور ریاستی دونوں حکومتوں کی سرپرستی اور مالی امداد اور تنظیم کی ترقی و فروغ سے انکی دلچسپی کی بدولت اور فرض شناس و پابند نظم و ضبط عہدہ داروں و عملے کی موجودگی میں ایسی کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انسانی بھلائی کے اپنے مقصد کی تکمیل میں یہ تنظیم ناکام رہے۔

* * * * * *

شری جے ۔ وینگل راؤ چیف منسٹر نے ضلع نلگنڈہ میں دیہی کاریگروں کی ایک میٹنگ کو مخاطب کیا۔

ڈاکٹر سیدہ جعفر ۔

دکنی تہذیب اور محمد قلی

محمد قلی ہند ترکمانی تہذیب کا پروردہ تھا ۔ دکنی معاشرت کا خمیر دو قوموں کی متحدہ تہذیب سے تیار ہوا تھا دکنی تمدن کی نشوونما میں اس کے آبا و اجداد کا بھی بڑا حصہ رہا تھا اس لئے اگر اس کی شاعری میں اس تمدن کی جھلک نظر آتی ھے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں معلوم ہوتی ۔ سر زمین دکن سے محبت اس کی ثقافت سے لگاؤ اور اس کی روایات اور رسوم و رواج سے وابستگی کا احساس محمد قلی کے کلام میں ہر جگہ جاری و ساری نظر آتا ھے ۔ محمد قلی نے جس دکنی کلچر کو اپنی شاعری میں پیش کیا ھے اسکی تعمیر و تشکیل میں خود اس کا بھی حصہ تھا ۔ اپنے دور حکومت میں اس حکمران نے دکنی تہذیب کو ایک حیات نو عطا کی ۔ تہواروں، جشنوں، میلوں اور عوامی جلسوں سے اس کو غیر معمولی دلچسپی تھی ۔ دکن کے رسوم و عقائد، یہاں کی معاشرت اور تہذیبی زندگی کی متحرک اور گویا تصویریں محمد قلی کے کلام میں موجود ھیں ۔

شمال میں اکبر اعظم نے مشترکہ قومی وحدت کا ہیولی تیار کیا تھا تو جنوب میں اسکے معاصر تاجدار محمد قلی نے ہندوستان کی مخلوط سماجی زندگی کو منظم اور پائدار بنانے کی کوشش کی ۔ شاعری میں وطنیت اور قوم پرستی کا جذبہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ پہلی مرتبہ محمد قلی کی شاعری میں اپنی جھلک دکھاتا ھے ۔ دکن میں ہندو اور مسلمان شیر و شکر تھے ۔ ایک عرصہ دراز سے ایک خاص جغرافیائی ماحول اور تاریخی پس منظر میں بود و باش اختیار کرنے کی وجہ سے مذہبی تصورات کی مغائرت اور لسانی رجحانات کے اختلاف کے باوجود، ان کی معاشرت ایک خاص سانچے میں ڈھل گئی تھی ۔ محمد قلی نے اپنے کلام میں اسی مشترک میراث کا مرقع پیش کیا ھے ۔ اسکی شاعری کا اصلی مزاج ہندوستانی ھے ۔ دکن محمد قلی کا آبائی وطن نہ تھا اس کے اسلاف ترک مقام کر کے یہاں آبسے تھے لیکن اس بادشاہ کو دکن کی سر زمین، اسکے دریاؤں، پہاڑوں اور مرغزاروں سے بے پناہ محبت تھی ۔ ہندوستان کی فضا اور یہاں کے تمدنی اثرات نے محمد قلی کے ذہن پر گہرے نقش مرتسم کئے تھے ۔ محمد قلی اور قطب شاہوں کی گنگا جمنی تہذیب نے دکن کے باشندوں کو ایک مضبوط تہذیبی رشتہ میں منسلک کردیا تھا اور محمد قلی نے اسی ہند ترکمانی تہذیب کو پروان چڑھایا تھا ۔

محمد قلی کے کلام میں اس کے عہد کے تہذیبی عناصر کی بھرپور ترجمانی ملتی ھے ۔ اس کی ساری فضا ہندوستانی ھے ۔ شاعر نے اپنے دور کے لباس، زیورات، طرز معاشرت اور تہذیبی قدروں کی ایسی اچھی عکاسی کی ھے کہ صدیاں گذر جانے پر بھی یہ تصویریں دھندلی نہیں ہوئی ھیں ۔ ہر عہد میں عورتوں کی پرتکلف لباس، زیورات اور سامان آرائش و زیبائش سے دلچسپی رہی ھے ۔ قطب شاہی محلات میں زر و جواہر کی کمی نہ تھی اس لئے محمد قلی کی پیاریاں خوبصورت اور بیش قیمت زیورات سے مزین نظر آتی ھیں ۔ طبقہ نسواں کی، سنگار کے سامان، زیورات اور پر کشش ملبوسات سے دلچسپی ایک فطری رجحان معلوم ہوتا ھے ۔ محمد قلی نے قطب شاہی دور کے جن زیورات کا اپنے اشعار میں ذکر کیا ھے وہ یہ ھیں ۔ کنٹھ مال، گوش پارے، ٹھسی گل سری، بینا، طرہ ہانس (ہنسلی)، جھومر، کمر پٹہ، حمائل چوسرا، پھول لڑی، ٹیلا (ٹکہ)، جگنی، ناگ سر، کن موتی، بنگڑیاں، کنگن، بدھک، بازو بند، تڑی (سہ لڑی) زنجیر ھیں ۔ کلام قلی میں ان زیورات کی آب و تاب ملاحظہ کیجئے ۔

" ٹھسی "

برن آسمانی پانیاں تس منے مدالاں ہوایاں کے
ٹھسی کندن کی یوں دستی کہ جوں جھیلی ھے تاراں کی

" گوش پارے "

گوش پارے جو کہ کاناں منے پینی ھے توں
قطب کے [illegible] موتی رتن بیناں ھیں

" [illegible] "

جھمکتا رات گوں جگنا پیاری رات دن جھمکے
پیشانی پر رکھے جگنی کا ٹیلا کہ نہ دیکھائی

" کنٹھ مال "

تو خوجاں حسن کے بلے جو بن گج مست ہو چلے
کمند کنٹھ مال تجے گلے کمند یوں کوئی کم پکڑے

" پھلری "

سب جواہراں کا کہاں مکھ یک ہے عجب
پھلری کا موتی ناک پر سیکا دسے

" گل‌سری "

پرم پیالہ پی کے توں نہ لائی ہے تو کنکھڑی
دریا عشق میں تیر کر باندھے ہے آپ گل گلسری

" طرہ "

کندن کا طرہ کان اوپر دھری ہے
کہ یا چندا نوا سورج انگے دکھائی

" کنگن "

دن دنا گرجے جو بن بادل ممن
کنگنا جھنکار منجے سناؤ تم

" زنجیر "

نین عمر نے سیتی پیاری گلے میں بائے زنجیر
نہ جانوں کس جنس ہوگا منجے اس ہانس تھے است

" حائل چوسرا "

اپس باراں میں بتاں عشق گوندے
حائل چوسرا جنجم گری تھے

" پیجن "

اس پیجناں کی ناد سوں منجے نیند جاوے نین تھے
کن دعا کن ساحر سوں باطل کروں اے ساحری

اردو شاعری عورتوں کے ملبوسات کے ذکر سے خالی نہیں۔ ان سے حسن کی رعنائی اور دلکشی میں جو اضافہ ہوتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے ۔ محمد قلی کی شاعری میں صنف نازک کے زرق برق لباس ، ان کی سج دھج اور تراش خراش سے متعلق بہت سے اشعار موجود ہیں یہ ملبوسات اسکی پیاریوں کی معشوقیت کی شان کو دوبالا کرتے اور ان کی شخصیت کو دلفریب بنادیتے ہیں قطب شاہی دور میں جو مختلف النوع پارچہ‌جات استعمال ہوتے تھے ان کا ذکر محمد قلی کے اشعار میں موجود ہے۔ شاعر نے اپنی سراپا نگاری میں ان سے اچھا کام لیا ہے۔ تافتا ، زرینہ ، ریشم ، زربفت والا ، خوی (ایک قسم کا ریشمی کپڑا) اور تکٹ کا کام کئے ہوئے کپڑوں کا ذکر محمد قلی نے اپنے اکثر اشعار میں کیا ہے اور محبوب کے سراپے کو چار چاند لگا دئے ہیں ۔

" زرینہ "

زرینا سر تھے یک پنیں کوں ناداں سو دسنداں کر
ملک از گر کے ہت گھڑنے سو تو چند کی ہتوڑی ہے

" تکٹ "

جھین چنڑی پر تکٹ تاریاں کا کر آئے انگن
چیر کنارے کے تنیں ابز کہاں لایا بسنت

" زربفت "

مرا دل ہے زربفت کا کارخانہ
منجے نیشں ہے بازار والا کا حاجت

" خوی "

پیاری کی خوئی بند مشاطہ نگارے
بھواں کج میں یوں جیوں آسماں سانی

" تافتا "

گلابی تافتا بند پین چولی لعل رنگ تس میں
جوبن بالا چھپا کے منج ہر یک ہیرے کی کوئی ہے

محمد قلی کی پیاریاں ، ساڑی ، رومال ، چنڑی ، چولی اور نیم تنی وغیرہ سے اپنے آپ کو سنوارتی اور اپنے حسن میں اضافہ کرتی نظر آتی ہیں۔ آج سے چار سو سال قبل دکن میں کس قسم کی ملبوسات کا رواج تھا اور کپڑوں کی کونسی قسمیں عورتوں کو مرغوب تھیں ، کلیات محمد قلی سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ۔

ساڑی : عشق بول آپ چھاتی سیانے دکھائی
کہ نکھ چین چن چین باندھی ہے ساری

رومالا : بنی صدقے قطب شہ کے سو اوپر
اوڑاتی ہوں سکیاں ساوے رومالا

چنڑی : لیا یا شراب گھرتے پوں عید کا خبر
چنڑی کی کسوتاں کرو آیا ہلال عید

چولی : سہیلی چست پینی ہے سورج کی جوت کی چولی
سہاتا ہے ہریا اس پر چھیناں ہم عید و ہم نوادر

نیم تنی : موتی رنگ کا نیم تنی پینے توں
دسے منج نظر تل بہشتی سندر

محمد قلی نے اس سلواں تہذیب کی بڑی اچھی مصوری کی ہے جو قطب شاہیوں کی وطن پرستی اور قومی یکجہتی کے جذبے کا نتیجہ تھی ۔ رسومات ، رہن سہن اور روز مرہ زندگی میں جس

قومی ہم آہنگی اور یگانگت کو محمد قلی نے پروان چڑھایا تھا اس کی بہت سی مثالیں اس کے اشعار میں اپنی جھلک دکھاتی رہتی ہیں ۔ ہندوستانی معاشرت ، ہندوستانی طرز زندگی ، یہاں کے رسم و رواج اور ثقافتی میلانات محمد قلی کے طرز فکر میں اتنے رچ بس گئے تھے کہ جگہ جگہ یہ عناصر اس کے کلام میں اپنا پرتو دکھاتے رہتے ہیں ۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ۔

کگن کے طبق موتیاں سوں بھری ہوں
پیا آرتی تائیں پیو کوں ہلا منج

اگر تو دین میں ہے ٹیلا لاونے کوں سباح
پیشانی ٹیلا لگاؤں تا کہ پاوں نجاح

سو رنگ تنبول تجے ہونشاں بنیاتوں
کہ قدرت ہت سو پھل پھنکڑی لگادے

پلک کانٹے نین باندیا نہ جاوئے خیال تیرے کن
رقم اس خیال سوپیشانی کو سیندور کر ساقی

تیرے نین اچھے ہیں رنگ ہے مدن کا
تجے چال مستی میں ہنس کی سہاسی

قطب شاہی دور کے شادی بیاہ کے رسومات اور روزمرہ زندگی میں ہندوستانی تہذیب کا عکس واضح طور پر اپنی جھلک دکھاتا ہے ۔ رسم جلوہ کی جو تفصیل محمد قلی کے کلام میں نظر آتی ہے وہ اپنے پورے تہذیبی پس منظر کے ساتھ اجاگر ہوئی ہے ۔ دکن میں جلوے کی رسم اس طرح ادا کی جاتی تھی کہ دلہن کے ہاتھوں میں مہندی لگائی جاتی اور سات سہاگنیں اس کے بالوں میں تیل لگاتیں ۔ دلہن کو قیمتی لباس اور خوبصورت زیورات پہنائے جاتے اس کا سنگار کیا جاتا اور اس کے سر پر سہرہ باندھا جاتا تھا ۔ دلہا اور دلہن کو شربت پلایا جاتا اور دونوں ایک دوسرے کو اپنے ہاتھ سے پان کھلاتے ۔ محمد قلی رسم جلوہ کی تفصیل اس طرح پیش کرتا ہے ۔

پرم پیاری کا جلوہ گاؤ سارے
اسے چند سور سوں پریاں نگارے

اچاؤ تخت جلوے کا خوشی سوں
کہ چوندھیر چوک موتیاں سوں سنوارے

چڑاؤ تیل اب ساتوں سہاگاں
مشاطہ ہو کے زہرہ ہت نگارے

پلا شربت دیو ہاتاں میں بیڑے
بنداؤ ساڑیاں موتیاں کنارے

جس مخلوط تہذیب کے پس منظر میں محمد قلی کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل ہوئی تھی اس کی کچھ اپنی منفرد خصوصیات بھی تھیں ۔ دکن میں ایرانی اور ہندوستانی تہذیبی عناصر کے میل جول سے جس تمدن کا خمیر اٹھا تھا وہ لباس کی تراش خراش رہن سہن کے طریقوں ، طرز تعمیر ، آداب معاشرت اور طرز فکر کے اعتبار سے ایک مشترکہ تہذیب کا آئنہ دار تھا ۔ مذہبی تصورات اور رسومات پر بھی اس تہذیب کی چھاپ نظر آتی ہے ۔ محمد قلی نے اپنی شاعری میں جہاں اپنے مذہبی خیالات کا اظہار کیا ہے وہاں بھی ہندوستانی طرز فکر اور ہندوستانی کلچر کا اثر نمایاں ہے ۔ آرتی ہندوستان میں پوجا کی رسومات میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے ۔ بزرگان دین سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے محمد قلی اپنے گرد و پیش کے مخلوط ماحول اور مشترکہ سرمائے کے تہذیبی اثرات سے دامن نہیں بچا سکا ہے ۔ وہ اپنے ہندوستانی طرز خالص فکر کا اس طرح اظہار کرتا ہے ۔

کرتے ہیں جیواں پیار تھے تم پر تھے رضوان آرتی
زہرا سوں نس دن وارتے چند سورتریا یا علی

سیندور ہندوستانی تہذیب و معاشرت کا ایک خاص مظہر ہے ، اپنے ایک شعر میں محمد قلی ساقی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے ۔

بلک کانٹے نین باندیا نہ جاوے خیال تیرے کن
رقم اس خیال سوبشان کوں سیندور کر ساقی

اپنے ایک شعر میں کدم ، کستوری اور کم کم کا جو خالص ہندوستانی چیزیں ہیں اس طرح ذکر کرتا ہے ۔

کدم کر سو کستور کم کم کلا کر
کنٹی کوئلاں کا سناگن گوایا

ایک جگہ اس عورت کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے جو اپنے محبوب کا انتظار کر رہی ہے اور جس نے اسکی خاطر اپنے آنگن کو سجایا ہے ، محمد قلی نے ہندوستانی طرز رہائش اور معاشرت کی اس طرح ترجمانی کی ہے گھر کو سجانے اور اس کی تزئین و آرائش کرنے کا انداز ملاحظہ ہو ۔

انگن کانچ ہر سوتی جوتی بچھاؤں
کہ سائیں کے پھل یگ اس اپر بنائی

چندن ہور عنبر کدم کر لگاؤں
کہ سوھن کو خوشباس تئیں میں رجھائی

گلاب اچھے آنگن میں چھنکاؤ کے
پیاری موہ سندر کوں چھنداں سوآئی

بچھاؤں صدر جوت ہیرے کا جوں
سہے میرے لالن کوں اے چھب کی جائی

محمد قلی نے اپنی شخصیت کو پوری ہندوستانی رنگ میں ڈبو دیا تھا اور ہندوستانی رسم و رواج اس کی ذہنیت کا جزو بن چکے تھے ۔ محبوب کے خیرمقدم کا یہ طرز ملاحظہ ہو جس سے جنوبی ہند کی مہمان کو خوش آمدید کہنے کی رسم کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

گرہ گھر میں گرہ کیاں کئے اونے دو دال سوں بھرائی
چاند سورج کے پیالے آپنے گھر میں بھرائی
صدر اوپر لے کھڑی ہت میں براجب
بیڑے بیڑے میں دکھاتی آب ہونٹاں کی جورائی
صدر اوپر آ جھمکتی اور ٹھمکتی ہے کھڑی
نس کشیدے کے تاراں سوں میرے دل کوں برائی

محمد قلی نے اپنی شاعری میں عیدوں اور تہواروں کے بڑے بڑے دلچسپ مرقعے پیش کئے ہیں ۔ مختلف تقاریب اور جشنوں میں بادشاہ اور اسکی رعایا کی کیا مصروفیات ہوتی تھیں اور انہیں وہ کس طرح مناتا کرتے تھے ، اس کا ایک واضح نقشہ محمد قلی کی شاعری میں دکھائی دیتا ہے ان موضوعات پر محمد قلی کی نظمیں یہ بھی بتاتی ہیں کہ بدیسی نسل اور تہذیب سے تعلق رکھنے والے حکمرانوں نے کس طرح خود کو مخلوط تمدن کی ایک علامت بنا کر زندگی بسر کی اور اپنی شخصیت کو کس طرح مقامی اقدار کے سانچے میں ڈھال لیا تھا ۔ محمد قلی کی شاعری اس حقیقت کا اظہار ہے کہ شاعرانہ ادراک ہر خوشی و غم سے متاثر ہوتا ہے۔ سماجی زندگی کے مختلف عوامل و رجحانات شاعر کی شعری تخلیق کی بنیاد بن جاتے ہیں ۔ محمد قلی کی شاعری کے خمیر میں وہ مذاق معاشرہ شامل ہے جو اس کی شاعرانہ فکر کو تقویت بخشتا ہے جشنوں کی دھوم دھام محلات کی چہل پہل اور سجاوٹ ، عیدوں کے اہتمام ، آتشبازی اور باجوں کے انتظام کرسی محفل ، بسنت کے میلے کی بہار اور نازنینوں کی خوش پوشاکی و خوش خرامی ، شاعر کی طبع رواں کی جولانگاہ بن گئی ہے ۔

محمد قلی کے کلام میں تمدن کے مخصوص پہلوؤں کی تصویر کشی اردو ادب کا ایک گراں بہا سرمایہ معلوم ہوتی ہے ۔ سماجی زندگی کے مختلف گوشوں پر تفصیلی بیانات شاعرانہ انداز میں پہلی مرتبہ محمد قلی کے یہاں صفحہ قرطاس پر آئے ہیں ۔ نو روز اور بسنت کے تہوار دکن میں بڑی دھوم دھام سے منائے جاتے تھے ۔ بادشاہ کی ذاتی دلچسپی نے ان تہواروں کو ہردل عزیزی اور ہمہ گیری عطا کی تھی ۔ محمد قلی کی رنگین مزاجی اور اسکی تفریح پسند طبیعت نے معاشرتی زندگی کی ان خوشگوار تقریبات کو بہت پر کیف اور کامیاب بنا دیا تھا ۔ برسات کا میلہ محمد قلی کے رومان پرور مزاج کا آئنہ دار ہے ۔ دکن میں برسات کا موسم ایک طرح سے ہجوم بہاراں ہوتا ہے فطرت اور اس کے مناظر یک نئے انداز میں رونما ہوتے ہیں اور انسان کے دل میں تازگی طراوٹ اور شادمانی کا جذبہ موجزن ہوتا ہے۔ ماحول پر ہر طرف رنگینی اور سرشاری چھا جاتی ہے ۔ محمد قلی نے ان ہی وجوہات کی بنا پر آغاز باراں کو ایک قومی تہوار کی شکل دے دی تھی ۔ یہ ایک غیرمذھبی اور خالص ہندوستانی تہوار تھا ۔ اپنی ایک نظم میں محمد قلی نے عید میلاد النبی کے موقع پر محل شاہی میں جو جشن منعقد ہوتا تھا اس کی بڑی اچھی تصویر پیش کی ہے۔ بازار اور محلوں اور حوضوں کی آرائش و زیبائش ، نازنینوں کے قیمتی لباس کی سج دھج ، ان کے زیورات کی چمک دمک ، بزم نشاط کی رونق ، مسند کی خوبصورتی ، اس کے نیچے تخت پر بادشاہ کی نشست ، دور قدح کی ہماہمی ، سبز اور سرخ کپڑوں میں ملبوس غلاموں کی کورنش ، ہمسایہ راجاؤں کی دربار میں حاضری ، لال رنگ سے حوضوں کو بھروانا اور عید میلاد کی چہل پہل اور جوش و خروش کا بڑا موثر نقشہ محمد قلی نے اپنی ایک نظم میں پیش کیا ہے ۔

کنائے نبی کے جو مولود ایماں
ہما یوں محمد قطب شہ پر ہیں
سنوارے جگت سب جنت جوں جرت سوں
نگارے سو بازار وقصراں محلاں
سندر آویں حوراں تمن ہر طرف تے
مرصع میں دیسر تھے پک نوری تاراں
مسند کی ہوا کے سوباوے دیں آویں
برم مد پی تک جھند سوں شاہ دوراں
تخت پر جو شہ بسیں راتے جگت سب
دکھیں چتر سرمائی شہ کا جوں اسماں
دھریں سب ذکی وقت میں شہ کوں سرتھیں
ھرے لال بردان کے ہر تک ملوداں
جب آھسنہ ملوداں سوں مجلس بھرادیں
کھڑے ہوئیں دو دست جوڑ ہندو راجاں
بدخشی لعل حوض خانے میں بھر ند
کہ جب جوت جوں جام و شیشے بھی رخشاں

اپنے زمانے کے مختلف کھیلوں مثلاً چوگان ، کبڈی اور پھوگڑی پھو کو بھی محمد قلی نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ راگ راگنیاں ، کھیل تماشے ، مختلف تہوار محرم کی مصروفیات ناٹک اور " کولاٹ " کے تماشے اسکی توجہ کو اسیر کرلیتے ہیں ۔ محمد قلی نے اپنے محلات پر جو نظمیں لکھی ہیں ان سے اس زمانے کے طرز تعمیر کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے ۔ مختصر یہ کہ محمد قلی کی شاعری میں تہذیبی عناصر کی فراوانی نظر آتی ہے ۔ اس نے اپنے دور کے ثقافتی میلانات اور مظاہر کی بڑی اچھی ترجمانی کی ہے ۔

* * * *

سید ابراہیم خلیل

ہماری اردو تنقید کی نشو و نما

اردو تنقید ، ایک فن ہے ، ایک میزان ہے جس میں فن کو پرکھ اور مبصر ، خالق فن کے شہ پاروں اور تخلیقات کو جانچتا اور تولتا ہے ، لیکن یہ بالعموم ادبی تذکروں ، تبصروں ، بے جا اعتراضوں اور عیوب و نقائص کی تلاش کا نام ہرگز نہیں ہے ، شعری و ادبی تخلیقات کے محاسن اور ان کی خوبیوں کا جو جائزہ ایک پڑھنے لکھنے والا قاری لے سکتا ہے ، وہ اپنے مخصوص نظریاتی پیمانوں اور معیارات کی روشنی میں کسی شاعر ، ادیب ، فنکار یا کہانی نویس کی ان ذہنی کاوشوں اور کوششوں کا جائزہ لیتا ہے ، جن سے وہ متاثر ہوا ہے ۔ حالی کو اردو ادب کا ایک ایسا نقاد تسلیم کرلیا گیا ہے جنہوں نے اپنے مطالعہ اور علم کی روشنی میں بعض پیمانے مقرر کئے اور ان پیمانوں کے ذریعہ اردو شاعری پر اپنا ایک طویل اور مبسوط مقالہ لکھا جو مقدمہ شعر و شاعری کے نام سے موسوم ہے ۔ اگر ادبی تذکروں ، اور تبصروں کو تنقید سے متعلق کرلیا جائے تو یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد مصنف " آب حیات " اور حالی پانی پتی مصنف مقدمہ شعر و شاعری کو اردو کے اولین نقادوں کی فہرست میں رکھا جا سکتا ہے ۔ اردو کے بعض جوٹی کے نقادوں نے شاید جن میں کلیم الدین احمد بھی شامل ہیں ، تذکروں اور تبصروں کے علاوہ ادبی وقائع کو تنقید کے فن سے الگ کرنے کی کوشش کی ہے ۔ محمد حسین آزاد نے وقائع نویسی اور شعرا کے حالات زندگی کو قلمبند کرتے وقت شاعروں اور تذکروں کے بارے میں اپنی رائیں بھی دی ہیں اور ان کا تجزیاتی مطالعہ بھی کرنے کی کوشش جزوی طور پر کی ہے ، ہم ان کے اس تجزیاتی مطالعہ کو جو ان کے تذکروں میں ہمیں نظر آتا ہے ، تنقید ہی کا ایک حصہ سمجھ سکتے ہیں ۔ مولانا حالی نے اپنی کتاب مقدمہ شعر و شاعری میں بھی کچھ ایسے تاثرات چھوڑے ہیں جو تنقیدی تاثرات کہلائے جا سکتے ہیں ۔ اور ان کی نگارشات کو بھی جو ہم جزوی طور پر ان کے مقدمہ میں پڑھتے ہیں اور جن کا تعلق ادب سے ہے ، تنقید ہی کا حصہ ہے ۔ ہمارے یہاں حیدر آباد میں تنقید کے فن پر محی الدین قادری زور اور عبدالقادر سروری کی ان تاثراتی اور مطالعاتی تحریروں کو جو بالعموم انہوں نے شاعروں ، ادیبوں اور کہانی نویسوں کے تعلق سے لی ہیں ، تنقیدی نمونہ ہی سمجھا جا سکتا ہے اور اس کو یعنی جو کچھ انہوں نے غیر ارادی طور پر اپنے مطالعہ کے تاثراتی خاکوں کو الفاظ کے پیرہن میں پیش کیا ہے ان پیشکشوں کو ہم تنقید ہی سمجھ سکتے ہیں ۔ اردو تنقید میں روایت بھی ہے اور یہ روایت مغلیہ دور کے شاعروں ہی کی دین ہے ۔ جیسے اردو ادب میں منتقل کیا گیا ہے ۔ تنقید کی میزان میں ، تقابلی جائزوں کی شکل میں اردو شاعری کے کئی نسلوں کے شاعروں کی تخلیقات کا جو کچھ جائزہ لیا گیا ہے وہ اس قدر دقیع سرمایہ ہے کہ اسے کوئی ادبی پارکھ اور نقاد یا ادب کا طالب علم کسی صورت بھی فراموش نہیں کر سکتا ۔ اردو تنقید کے تدریجی ارتقاء کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس فن نے بتدریج ترقی کی ہے ، اور اس کے تدریجی ارتقاء میں جن لوگوں نے حصہ لیا ہے ان میں وقار عظیم ، حسن عسکری ، احتشام حسین ، نیاز فتح پوری ، اختر حسین رائے پوری ، مجنوں گورکھپوری ، عبادت بریلوی ، اسلوب احمد انصاری اور دیگر درجنوں اصحاب نقد و فن شامل ہیں ۔ ان میں سے بہت سے اصحاب فن نقد و انتقاد وہ ہیں جنہوں نے روایت کے علاوہ تقابلی جائزوں کی شکل میں اپنی تنقیدی پیشکشوں کو ہمارے سامنے رکھا ۔ لیکن کچھ کیا بلکہ بہت سے ایسے صاحبان فکر و نظر نے اپنے مطالعاتی تنقیدی جائزوں میں ، مغربی فن تنقید کے پیمانوں اور معیاروں کا سہارا اور مدد دینے کی کوشش کی ہے ، چنانچہ اس مغربی تنقید کے معیاروں اور پیمانوں کو اردو تنقید میں برتنے کا ہی یہ ایک لازمی نتیجہ تھا کہ اردو غزل کو ایک نیم وحشی صنف سخن قرار دیا گیا ۔ اور اسے مردود قرار دیا گیا — لیکن اس کے باوجود بھی اردو غزل کی تعریف اور غزل گویوں کے شعری کارناموں کی مدح و ثناء میں ہمارے نقادوں نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دئے ۔

شاعری ، افسانہ نگاری ، ڈرامہ ، موسیقی ، اور مجسمہ سازی کی طرح ، تنقید کو بھی ایک آرٹ کا درجہ دیا گیا ہے ۔ تنقید ایک ایسا فن ہے جو ان تمام علوم و فنون کا ، بقول احتشام حسین بنظر غائر جائزہ لیتی ہے جس کا تعلق زندگی سے ہے ۔ تنقید ان سب کی درجہ بندی کرتی ہے ، فنکار کے شہ پاروں کی تخلیقی اہمیت ان کی کیفیت و کمیت ، اور ان مجموعی نقوش کا ایک

جو فرائڈ اور ینگ کے فلسفہ سے متاثر ہیں وہ تنقید کو نفسیات سے مربوط و باہمدگر کرتے ہیں ۔ کچھ لوگ کارل مارکس اور اس کے متبعین و مقلدین کے فلسفہ اور جدلیاتی نظریات کی روشنی میں فن پارہ کو پرکھنا چاہتے ہیں ۔ یہیں سے ادب برائے ادب اور ادب برائے زندگی کے نظریات پیدا ہوئے اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے نظریات کے علمبرداروں نے اپنی اپنی تنقیدی پیشکشوں کو مختلف نظریات کی چھاپ لگا کر پیش کرنا شروع کیا ۔ جس میں سے بہت سے علمبرداروں کو اس دبستان سے متعلق سمجھا گیا ۔

احتشام حسین نے نقاد کے لئے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ تنقید کے فن کا علم رکھنے والے کے لئے یہ ناگزیر ہے کہ وہ مختلف علوم سے گہری واقفیت حاصل کرے اور زندگی سے اسے گہرا ربط اور بصیرت حاصل ہو تب کہیں ان کی تنقیدوں میں وزن، اعتدال، میانہ روی یا خود بقول ان کے منصفانہ رائے پیدا ہوسکتی ہے ۔ اس نقاد کی تنقیدی رائیں اور فیصلے یقیناً قابل قبول ہو سکتے ہیں جو اتنا گہرا شعور دنیا کا اور اپنے ماحول اور زندگی کا رکھتا ہو ۔ احتشام حسین کو نہ صرف زندگی اور ماحول کا گہرا شعور حاصل تھا بلکہ جملہ مادی اور سائنسی علوم میں ان کو اچھا درک ، مہارت اور بصیرت حاصل تھی وہ ترقی پسندانہ نظریات و افکار کی بنا پر اور اپنی جاندار ، وقیع اور وزندار تنقیدوں کی وجہ سے اردو میں غیرمعمولی اہمیت کے مالک نقاد تصور کئے جاتے ہیں ۔ ان کی تنقیدیں اردو سرمایہ میں نئی قدروں کی ترویج کے سبب مقبولیت اور شہرت حاصل کر چکی ہے۔ ادب کا انہوں نے ایک مخصوص نظریہ پیش کیا ہے اور اپنے ادبی نظریات کو جو ان کے دبستان کی نمائندگی اور ترجمانی کرتی ہیں ترقی پسند دبستان سے متعلق رکھا ہے ۔

اس سے مفر ممکن نہیں ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اور ڈاکٹر عبادت بریلوی کے یہاں ان کے ذوق ادب میں زیادہ تر تصوف کی کارفرمائی ہی زندگی کے بارے میں ان کے خاص رویہ اور رجحان کی ان تنقیدوں سے ترجمانی ہوتی ہے ان کی تنقیدیں، گہرے مطالعہ اور حقائق سے قربت اور معرفت کا نتیجہ ہوتی ہیں ۔ جو احتشام حسین کے یہاں مابعدالطبعیات سے لگاؤ کا ایک نتیجہ ہوتی ہیں ۔ ہم کو میر تقی میر ، غالب ، مصحفی ، داغ ، امیر ، حلیم ، آتش ، ذوق ، سودا ، جرائت ، قائم ، رنگین ، کے علاوہ عہد حاضر کی کئی نسلوں کے جملہ شاعروں ادیبوں اور فنکاروں کے تعلق سے ، مضامین ، مقالات ، تنقید کی نثری صنف کی شکل میں ملینگے ہماری اردو نثر کے ارتقاء کے تعلق سے جملہ ادیبوں ، افسانہ نگاروں ، صحافیوں اور تنقید نگاروں کے نثری مجموعوں کے تعلق سے نیز اردو نثر کے بتدریج ارتقاء کے بارے میں ، ان کی رائیں ، تاثرات ، ان کے خیالات اور ان کے رد عمل کا پتہ چل سکے گا ۔

ایک قاری سے نقاد بننے کی منزل تک رسائی بآسانی ممکن نہیں ہے جب تک کہ وہ بتدریج، شعور اور علم کی گہرائی کے ان خطوط سے نہ گزرے ، جہاں پہنچنے کے بعد اس کے تجربات میں بصیرت ، عمق اور گہرائی و گیرائی آتی ہے ۔ شعور اور علم کی پختگی ہی قاری کے ذہن کو بلوغ کی منزل تک پہونچاتی ہے ۔ فکر و ذہن کی پختگی اور بالغ نظری مطالعہ کی وسعت اور مشاہدہ کے عمق ہی کا ثمرہ ہوتی ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ جو کچھ میں ادب اور زندگی ، تنقید اور نظریہ کے بارے میں کہہ رہا ہوں ان میں بعد میں کسی قدر تصحیح ہو سکے یا میں اپنے پیش کردہ نقطہ نظر سے انحراف کرنے لگوں لیکن جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ اپنے مطالعہ و مشاہدہ اور زندگی اور ادب سے حاصل کردہ تجربات کے بل بوتے پر ہی کہہ رہا ہوں ہوسکتا ہے کہ میرا ذہن شعور و ادراک کے ان احکامات و کیفیات سے عاری ہو ، جو ذہن کے بلوغ کا ہی ایک نتیجہ ہے لیکن میں نے کسی بھی شہ پارہ یا فن پارہ کو سمجھنے میں کبھی غلطی نہیں کی ، جس ژرف نگاہی سے اس معاملہ میں کام لینے کی ضرورت باقی ہے ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ جیسے نا پختہ کار کے یہاں نہ پائی جائے ۔ مجھ میں علم اور وجدان کا فقدان ہو سکتا ہے کہ میری بے حسی یا نکمے پن اور تساہل کا ایک نتیجہ ہو ۔ صرف ایک نقاد کی تنقید ہی ہی نہیں بلکہ آپ زندگی کو اول سے آخر تک اضداد کا مجموعہ ہی پائیں گے یہ تضادات ،یہ نظریات کا تصادم زندگی کی ترقی کے لئے لازمی ہے ۔

کوئی ادیب اپنی معلومات کی بساط کے موافق جو اس کو زندگی کے تعلق سے حاصل رہتی ہیں اپنے ان تجربات کے عمق کے نتیجہ کے طور پر جو اس کے مشاہدات کا نتیجہ ہوتے ہیں ،وہ نہ صرف ماحول اور زندگی کا خوبصورت عکاس ہوتا ہے بلکہ ان اقدار اور نظریات کی بھی اس کی نگارشات سے ترجمانی ہوتی ہے جن کا وہ مبلغ اور ترجمان ہوتا ہے کوئی نقاد جب اپنے مخصوص نظریات کے تحت کسی تخلیق کو پیش کرتا ہے تو وہ یقیناً اس حقیقت سے واقف ہوتا ہے کہ — ایک قاری جب کسی ادبی تخلیق یا کسی فنکار کے فن پارہ یا شاہکار کو دیکھتا ہے تو گو وہ اس سے محظوظ اور لطف اندوز ضرور ہوتا ہے لیکن وہ جو کچھ سمجھ سکتا ہے یا سمجھتا ہے دوسروں کو سمجھا نہیں سکتا اور دوسروں تک ان کیفیات اور تاثرات کو پہونچا نہیں سکتا جن تک اس کی نظر اور شعور کی رسائی ہوئی ہو اس کے برخلاف مبصر ، دوسروں تک ان کیفیات وتاثرات کو پہنچا تا تو ضرور ہے لیکن اس کی اپنی پیشکش دلکش اور اتنی قابل قبول نہیں ہوتی جو محدود معلومات اور فن میں شدھ بدھ کا لازمی نتیجہ ہے اس کے برعکس نقاد کا کام سب

تاثراتی غیر جانبدارانہ جائزہ ہوتی ہے جو قاری کے ذہن میں مرتسم اور محفوظ ہو جاتے ہیں ۔ اردو میں ان تنقیدی اضافوں کو جو مغرب کی ادبی روایات ہیں اور جن کا متفرق حلقوں سے تعلق ہے ، غیر معمولی اہمیت دی جا سکتی ہے کیونکہ ہماری شعری اور ادبی روایت میں ان کو خوبی سے کھپایا گیا ہے ۔

یہ ان روابط اور تعلقات کا ایک ثمرہ ہو سکتا ہے جو مغرب اور مشرق کے درمیان مختلف حیثیتوں سے قائم تھے ۔ اساتذہ اور طالب علموں کے کچھ باہمی روابط ہوتے ہیں ، قاری اور مصنف یا خالق فن کے درمیان کچھ ذہنی رشتہ قائم ہوتا ہے ، عہدہ دار اور ماتحت کا باہمی تعلق ہوتا ہے ۔ ان روابط اور تعلقات ہی کے نتیجہ میں اردو تنقید نے ان روایات اور نظریات اور پیمانوں کو اپنایا جو مغرب سے بھی مستعار ہیں ۔

اردو تنقید نگاروں کے بھی اپنے اپنے دبستان ہیں ، اور ہر دبستان کا اپنا ایک علحدہ علحدہ فنی تنقیدی نظریہ ہوتا ہے جس کی روشنی میں وہ اپنے معاصر اور پیشرو شاعروں ، فنکاروں اور ادیبوں کی فنی تخلیقات کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ہر نقاد کا تنقیدی جائزہ ، ان اصولوں پر مبنی اور ان تنقیدی نظریات اور پیمانوں اور فکری زاویوں کا ایک نتیجہ ہوتا ہے جسے ہم تنقیدی کاوش کا نام دے سکتے ہیں ۔

ہماری اردو تنقید نے تدریجاً ارتقا کے مراحل طے کرنے کے بعد ، پر پرزے پیدا کر لئے ہیں لیکن اس تنقید کو مختلف دبستانوں سے متعلق کرنا سراسر نا انصافی ہی ہو گی ۔ ہماری تنقید نے اپنے بھی مختلف نظریات ، اصولوں ، اور فکری زاویوں ، کی اپنے میں گنجائش رکھی ہے ۔ ان میں باہمی تصادم ، تضادات اور اختلافات کا پایا جانا یقینا نا گزیر ہے کیونکہ اس کے بغیر کوئی چیز ہماری نگاہوں میں اہم اور وقیع نہیں ہو سکتی ۔ ان بیشمار اردو تنقید نگاروں نے جنہوں نے اس فن کو اپنی بصیرت اور گہرائی و گیرائی سے جان بخشی ہے ، اور اس کے اصولوں کو ترتیب دیا ہے ۔ اس کے لئے میزان بنائی ہے ۔ فکر و نظر کے زاویوں کی تشکیل میں حصہ لیا ہے ، اور روایتی نظر یاتی قدروں اور نئے رجحانات میں حد فاصل کھینچی ہے ۔ قدامت و روایت کو جدت سے ممیز کیا ہے ان میں یقینا باوجود نظریاتی اختلافات کے ایک طرح کی یکسانیت آپ کو نظر آئے گی ۔ احتشام حسین نے جو اردو کے ایک منفرد اور ممتاز اور صف اول کے ادبی نقاد ہیں اور جو اپنے ترقی پسندانہ افکار و نظریات پر نہ صرف بھرپور یقین رکھتے تھے بلکہ اس کے ایک مبلغ و مفسر بھی تھے ، تنقیدی نظریات پر مشتمل ایک جامع کتاب مرتب کی ہے ، اس میں ہمکو مشرق و مغرب ، روایت اور جدت میں یکسانیت ، نظریاتی آویزشیں ، اور نئے زاویئے ضرور نظر آئینگے ۔ ہر اس ادبی تنقید پر جو اپنے مخصوص نظریاتی دبستان سے متعلق ہوتی ہے ان نظریات کی چھاپ ضرور ہو گی جن کے اثرات کے تحت وہ لکھی گئی ہے نقاد اپنے نظریات کی روشنی میں اس زاویہ نظر سے کسی ادبی شہ پارہ پر نظر ڈالتا ہے اور اس کے بارے میں نہ صرف اپنے ذاتی نقطہ نظر کو بھی پیش کرتا ہے بلکہ اپنے مطالعہ کا تاثراتی نقوش کا ہلکا سا لفظی خاکہ بھی ہمکو فراہم کرتا ہے جو اس کے ذہن پر مطالعہ کے دوران مرتسم ہوتا ہے ۔ لیکن اپنے مطالعہ کے تاثرات و نقوش سے جو رائیں اور تجزئیے وہ فنکار اور فن کے بارے میں قائم کرتا ہے ان کو وہ بلا کسی جھجک اور روک ٹوک کے نہایت ہی صاف اور بے لاگ طریقہ پر ، غیر جانبدارانہ انداز میں پیش کرتا ہے اور اس کی اس طرح کی پیشکشوں کو ہم تنقید کی تعریف میں یقینا لا سکتے ہیں ۔

بہرحال ادب کے شارح ، مفسر اور مبصر کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس کیفیت اور کمیت کو بلا کم و کاست اپنی تحریر میں پیش کر دے ۔ اور اسے ان لوگوں پر واضح کرے جو اس سے متعلق ہوں اس میں ایک طرح کی درجہ بندی یقیناً ہوتی ہے ۔ ادب کا شارح ہوتا ہے ، مفسر ہوتا ہے ، مبصر ہوتا ہے ، پارکھ ہوتا ہے ، لیکن نقاد کے فرائض اور اس کی ذمہ داریاں اور پابندیاں ان سب سے مختلف اور منفرد ہوتی ہیں وہ حتی الوسع ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کرتا ہے وہ ان پابندیوں سے خود کو آزاد نہیں سمجھتا جو سماج کا ایک فرد ہونے ہوئے اس پر عائد ہوتی ہیں ۔ وہ صرف اپنے فن پارہ یا فن میں ان قدروں کی ترجمانی ہی نہیں کرتا بلکہ اس کا سر گرم مبلغ اور ترجمان بھی اپنے ماحول میں ہوتا ہے ۔ فراق گورکھپوری جو ایک نقاد بھی ہیں ان نظریات کے مبلغ اور ترجمان بھی ہیں ، جو ترقی پسندی تحریک سے وابستگی کی بنا پر ان کو ورثہ میں اپنے دبستان سے ملے ہیں وہ بھی زندگی اور ماحول کا گہرا مشاہدہ اور شعور رکھتے ہیں ان کی تنقیدیں ، انکی شاعری کی بہ نسبت عوام میں زیادہ مقبولیت اور شہرت نہ حاصل کر سکیں ۔

بعض نقادوں نے تو یہ بھی انتہا کردی کہ تنقید کو علم نفسیات سے مربوط و ہم رشتہ بھی کردیا ۔ کسی نے یہ کہا کہ تنقید صحیح معنوں میں اس وقت وقیع اور قیمتی یا گراں مایہ نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ مختلف علوم و فنون سے مدد نہ لے ۔ یعنی نقاد کو مختلف علوم سے گہرا اور سر سری یا کچھ شدھ بدھ واقفیت حاصل کرنا ضروری ہے ۔ ایک ترقی پسند نقاد یہ ضروری سمجھتا ہے کہ وہ کسی شہ پارہ کو سمجھنے کے لئے ان نظریات سے مدد بھی لے جو جدید ذہن اور نقطہ نظر کو پیش کرتا ہے یعنی ، اقتصادیات ، تاریخ ، سائنس ، اور نفسیات یا دوسرے علوم سے نقاد کے واقف ہونے کو وہ ضروری سمجھتے ہیں ۔ وہ لوگ

سے اهم اور اس کے فرائض سب پر واضح اور اس کا فیصله مقدم اور به نسبت ، قاریوں ، مبصروں ، پاریکھوں اور ادب و شعر سے متعلق شه پاروں کی جانچ پڑتال کرنے والوں کے قابل ترجیح اور وقیع هوتا هے ۔ کسی نے یه کہا هے که ایسی تنقید میں جو کسی شه پاره کی کیفیت و کمیت کی کماحقه بازآفرینی کرے وه وقیع هے ۔ یعنی وه کیفیت و کمیت جو فن کے شه پاره میں هوتی هے ۔

اس کی بازآفرینی نقاد کے اپنے فن میں پائی جائے تو وه تخلیق کا حکم رکھتی هے ۔ ایسی تنقید کو تخلیقی تنقید کا نام دیا گیا هے اور احتشام حسین کی جمله تنقیدات ، تخلیقی تنقید کی تعریف کے اس دیل میں ضرور آسکتی هیں ۔ نقاد اپنے اصولوں کا پابند هوتا هے اور اپنے فنی نظریه سے اپنے نقطه نظر کی وضاحت اور پیشکشی کے دوران انحراف نہیں کر سکتا ۔ ایک قاری نقاد ضرور بن سکتا هے لیکن اس وقت تک نہیں جتک که اس کے ذهن کی رسائی شعور و ادراک کی اس سطح تک نه پهنچ سکے جو بالعموم ذهن کے بلوغ سے عبارت هوتی هے ۔ ایک نقاد، تنقید تو کر لیتا هے لیکن فکر و ذهن کے بلوغ کی منزل سے بہت دور هوتا هے۔ ایک قاری کے لئے یه ایک همت کا اور مشکل کام هے که وه کسی بھی تخلیق کے لب لباب کو اپنے مختصر اور جامع لفظوں میں نه صرف پیش کرے بلکه ان تاثرات کو بھی واضح کرے جو اس کے ذهن میں ابھرے هیں ۔ همارے یہاں کے قدیم تذکرے جو قلمی نسخوں کی شکل میں عرصه تک محفوظ رهنے کے بعد ، زیور طباعت سے آراسته هو کر همارے هاتھوں میں پهونچے هیں وه زیاده تر شخصی الزام تراشیوں ایک دوسرے پر اعتراضات کے طومار ، سے پر هیں اور گالی گلوج اور دھول دھپه کی زبان میں بھی لکھے گئے هیں ۔ شخصی شیخی بازیاں ، تعلیاں ، بےجامدح سرائیاں اور تنقیص و تعریض کے علاوه ان میں مغلظات کی بھی بھرمار رهی هے ۔ لیکن ان کو درخور اعتناء کبھی نہیں سمجھا گیا ۔

* * *

ــــــ(باتیں کم کام زیاده)ــــــ

رشید عبد السمیع جلیل

فیصلہ

زندگی اب کسی عنوان گذاری جائے
کوئی بہروپ اسے دوں کہ سنواری جائے

ایک حسرت سی ہے پھر عمر گریزاں کو مگر
وقت کا زخم رکاوٹ کا نہ باعث ہو کبھی

نفرت و غیظ سے جھلسا ہے بہت چہرۂ زیست
یہ وہ آندھی کہ کیا جس نے مرا خانہ خراب

جانتا ہوں کہ زمانے کا یہ دستور رہا
جبر اور ظلم کی تلوار چلی ہے جب بھی

بے گنہ مارے گئے اور ہوا خون کبیر
کیسے کہدوں کہ مرے قلب پہ کیا گذری ہے

یہ بھی شاید مری قسمت کا کوئی چکر ہے
میں تو ہوں دست نگر روح تلاطم کے لئے

روز جاتا ہوں سر وار تصادم کے لئے
اس قدر بے کس و ناچار نہ ہوگا کوئی

کون کہتا ہے کہ دنیا میں وفا باقی ہے
کوئی مخلص نہ کوئی مشفق و ہمدرد یہاں

ایسا لگتا ہے کہ بس خوئے جفا کاری ہے
آج انساں پہ یہ دنیا تو بہت بھاری ہے

* * *

میں نے سوچا ہے کہ اب جیسے بھی ممکن ہو یہاں
اپنے حالات کو پھر وقف حوادث کردوں

آگ اور خون کی بھٹی سے نکالوں گوہر
مقتل دھر پہ چڑھ جائے مرا پیکر غم

تیز اور تند ہواؤں میں جھلس جائے حیات
سوئے میخانہ چلوں جام بہ کف درد بہ دل

میں نے سوچا ہے یہی ، جیسے بھی ممکن ہو یہاں
زندگی اب کسی عنوان گذاری جائے
کوئی بہروپ اسے دوں کہ سنواری جائے۔

* * * * *

آنجہانی مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ - ایک عظیم شخصیت

محمد رضی الدین معظم

"دنیا میری قدر بعد کریگی - دنیا کمبخت مردہ پسند ہے" یہ تھے وہ سچے جذبات جو ایک بار بےساختہ مہاراجہ کے قلم سے ٹپک پڑے تھے - کیسی صداقت ہے اس قول میں ؟ کس قدر جادو کا اثر ہے اس مختصر سے جملہ میں ؟ مہاراجہ کی بلند پایہ شخصیت اور ان کے کردار کی عظمت کا یقین ہمیں اس وقت ہوا جبکہ وہ ہم میں نہیں رہے - لیکن انکے مضبوط کردار کی ہمارے دلوں پر اب بھی ہیبت طاری ہے اور انکی سخاوت ، ظرافت ، مروت خوش اخلاقی اور وضعداری کے نقوش ہمارے دلوں پر اب بھی مرتسم ہیں -

مہاراجہ کشن پرشاد راجہ ہری کشن سررشتہ دار محکمہ نظم جمعیت کے فرزند اور مہاراجہ نریندر بیکنٹھ باشی پیشکار و مدارالمہام سرکارعالی کے نواسہ تھے - مہا راجہ نریندر مہاراجہ چندو لال کے نبیرہ تھے - مہا راجہ نریندر کے متعلق یہ روایت مشہور ہیکہ " وہ تین کروڑ کے پتلے تھے ایک کروڑ تعلیم ایک کروڑ زنار بندی اور ایک کروڑ آپ کی شادی میں مہا راجہ چندو لال نے صرف فرمائے تھے - "

مہا راجہ ۲۸ - جنوری ، سنہ ۱۸۶۴ع م ۱۸ - شعبان العظم سنہ ۱۲۸۰ ھ کو پیدا ہوئے - " فرزند فرخندہ " (سنہ ۱۲۸۰ ھ) آپکی تاریخ ولادت ہے - نانا مہا راجہ نریندر بہادر نے مہاراجہ کی تعلیم و تربیت کو خاص طور پر ملحوظ رکھا - اردو ، فارسی ، عربی انگریزی اور سنسکرت کی تعلیم خاص خاص اساتذہ سے دلائی گئی - آپ کو پڑھنے کا ازحد شوق تھا - آپکو جسمانی ورزش پھیک ، بنوٹ وغیرہ سکھانے کے لئے بھی قابل اساتذہ مقرر کئے گئے تھے - آپکی کم سنی میں بعمر تیرہ برس والدہ دیہانت کر گئیں جسکا بیحد ملال تھا آپ ماں کی محبت کو یاد کرکے اکثر آبدیدہ و ملول ہو جایا کرتے تھے - خصوصاً اس واقعہ کا بطور خاص ذکر کرتے کہ ایک بار مہاراجہ کو کثرت سے چیچک نکل پڑی ، زندگی کی بہت کم امید تھی آپ نے چہرہ کو کھجلا کھجلا کر اس قدر بگاڑ لیا تھا کہ کئی داغ پڑ گئے تھے - ایک روز والدہ نے آپکو گود میں لیکر بارگاہ الہی میں نہایت ہی عجز و انکساری سے دعا کی کہ " اے میرے رحیم و کریم مالک دو جہاں - تو میرے اس لڑکے کے چہرے کو بےداغ بنادے " والدہ کی دعا بارگاہ ناز میں شرف قبولیت لائی اور ایک سال کے اندر چہرہ ایسا صاف ہو گیا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چیچک نکلی ہی نہ تھی - تعلیم ختم کرنے کے بعد نانا کے ہمراہ امراء اور دیگر معززین کی مجالس و محافل میں شرکت فرماتے ، اسطرح دربار شاہانہ کی حاضری اور مجالس امراء کی کم عمری سے شرکت نے آپکو آداب محفل کا ایک مجسمہ بنادیا - اس طرح سے بعض لوگ بغض و حسد رکھتے تھے اور دیگر ممکنہ ذرائع سے آپ کے پیمانہ زندگی کو قبل از وقت ختم کرنے کی ناکام کوششوں میں لگے رہے - آگ ڈالی گئی آپ نہ جلے ، کھانے میں زہر دیا گیا نانی نے عین وقت پر غذا کا رنگ بدلا ہوا دیکھکر تاڑ گئیں اور آپ بچ گئے آپ پر فائر کیا گیا نشانہ خطا ہوگیا - بہر حال تقدیر نے ہمیشہ ساتھ دیا - قدرت کا ہمیشہ غیبی ہاتھ بچاتا رہا بقول ہندی شاعر کے -

जाका राखो साइयाँ मार न सके कोए (جس کو خدا رکھے چاہے اس کو کون مار سکتا ہے) کیونکہ قدرت کو ایسی ہستی سے آفات و بلیات سے بچا کر کئی کام لینے تھے وہ کیسے مرنے دیتی زندہ رکھا اور صحت و عافیت کی زندگی بخشی - نانا کے حیات ہی میں سنہ ۱۲۹۱ ھ میں راجہ بہادر کے خطاب سے سرفراز ہوئے ۱۲ - رمضان سنہ ۱۳۰۶ ھ کو نانا مہاراجہ نریندر تین چار روز کی مختصر علالت میں سورگباش ہو گئے تو آپ کے لئے یہ سخت دن ثابت ہوا حالانکہ ان کی کوششوں سے ان کے جانشین بن چکے تھے - اب آپ کی پرراحت زندگی رنج و الم میں تبدیل ہو گئی لیکن بلا کے علو ہمت و مستقل مزاج ثابت ہوئے تھے کبھی ہمت نہیں ہاری ہمیشہ مالک حقیقی پر کامل بھروسہ رکھا کہ " مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے ، اپنے پرائے بن گئے دوست دشمن - مشاہدات و تجربات نے آپکو مکمل انسان بنادیا - اور اسی وقت سے آپ پر تصوف کا بیش بہا رنگ جمنے لگا - مندرجہ ذیل اشعار اس کے شاہد ہیں -

خدا را گر یدانی خالق کل — بود تو لید خالق را سزاوار
وگر صوفی صفت گوئی ہمہ اوست — ہمہ مخلوق را یک نفس پندار
حباب و موج را مانند دو عالم — وجود حق بود چوں بحر ذخار
حباب و موج از دریا جدا نیست — تو کثرت را نشان وحدت انگار

عہدوں پر سرفرازی | پریشانیوں کا یہ دور سنہ ۱۳۱۰ھ میں ختم ہوا جبکہ حضرت غفران مکاں نے آپکو سوروپئی خدمت پیشکاری اور خلعت سے سرفرازی کی ۔ اب آپ کی غیر معمولی قابلیت نے آپ کو وفا شعار رضاجوئی منکسرالمزاج بہی خواہ اور جاں نثاری کے اوصاف سے مزین کردیا ۔ بالاخر آپ صدرالمہام فوج اور وزیرافواج کے عہدۂ جلیلہ سے سرفراز ہوئے ۔ اس کے بعد سنہ ۱۳۱۹ھ میں مدارالمہام بنایا گیا ۔ حضرت غفران مکاں آپ کو اکثر نصیحت فرماتے تھے کہ سادگی بڑی عمدہ چیز ہے اپنی عادت اور وضعداری کو کبھی نہ چھوڑنا ، وقت بڑی نعمت ہے ، یا تو انسان اپنے وقت کو عبادت میں گذارے کہ مراتب روحانی کا اعلی درجہ ہے ورنہ مخلوق خدا کی مخلصانہ خدمت گذاری میں یا پھر تصنیف و تالیف اور مطالعہ کتب و تحصیل فنون میں ، ۔ مہاراجہ کی زندگی کے غائر مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہی وہ گرانمایہ نصائح تھے جنکو مہاراجہ نے اپنے لئے مشعل راہ بنا یا ۔ یہی وہ تربیت تھی جسکی بنا پر آپ کی حیات کی تعمیر ہوئی ۔ مہاراجہ کی قابل تقلید سیرت اور اعلی کردار کو سمجھنے کیلئے بہتر ہوگا کہ مہاراجہ کی '' یومیہ زندگی ،، کا ایک مختصر سا خاکہ ملاحظہ کیا جائے ۔

یومیہ زندگی کا مختصر خاکہ | ہر صبح ساڑھے چار بجے بیدار ہوتے حوائج ضروریہ سے فارغ ہوکر ناشتہ کرتے طلوع آفتاب کے ساتھ درباری لباس میں باہر تشریف لاتے ۔ اور جہروکہ میں تشریف فرما ہوتے ، گارڈ کی سلامی لیتے — علی الصباح اٹھنے کی کچھ وجوہات یہ تھیں کہ ایک تو آپ موسم کے لحاظ سے ایسے وقت اٹھ جاتے تھے کہ غسل اور ناشتہ وغیرہ کر کے گارڈ کی سلامی لینے کے لئے طلوع آفتاب تک باہر پہنچ سکیں ۔ دوسرا آپ ان لوگوں کو ملاقات کا موقع دینا چاہتے تھے جو نماز فجر پڑھتے ہی آپ سے ملنے کے آرزو مند رہتے اس کے علاوہ ہندوؤں کی عبادت کا یہ بھی ایک جز ہے کہ وہ سورج نکلتے وقت عبادت سے فارغ ہوکر کسی بڑے راجہ مہاراجہ کا درشن کریں ۔ نیز جلد اٹھنے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ آپ کے لکھنے کا وقت یہی تھا کیونکہ دن میں رات میں یا کسی وقت لکھنے کا موقع نہیں ملتا تھا ۔ غرض باہر تشریف لانے کے بعد دوپہر کے کھانے تک ملاقاتیوں کا سلسلہ چلتا ۔ صدارت عظمی کے زمانہ میں صرف دس بجے تک یہ سلسلہ رہتا تھا ۔ دس بجے باب حکومت تشریف لیجاتے اور صدارت عظمی سے سبکدوشی کے بعد ملاقاتی نہ ہوں تو ہوا خوری کیلئے جا کر دوپہر کے کھانے کے وقت واپس آجاتے ۔ لنچ کے بعد مطالعہ کرتے ہوئے خیلولہ فرماتے ۔ ساڑھے چار بجے بیدار ہو کر باہر جاتے اور شام کی سلامی لیکر مغرب تک باہر رہتے اور ملاقاتیوں کو شرف ملاقات عطا کرتے ۔ مغرب سے ڈنر تک بالکلیہ تنہائی اختیار کرتے کہ ایسے وقت خدمت گذاری کسی بھی فرد کو اندر آنے اور بات کرنے کی اجازت نہ تھی دراصل یہی وقت مالک حقیقی کی یاد میں صرف کرتے ساڑھے آٹھ بجے شب کھانے سے فارغ ہوکر سو جاتے ۔

خدمت خلق : | اس نظام العمل پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہیکہ آپ کے وقت کا بڑا حصہ خدمت خلق کے لئے وقف تھا ۔ اکثر و بیشتر جو آپ دعائیں کرتے اس سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے ۔ آپ فرماتے کہ '' اے داتا جس طرح اس کو تونے فیض پہنچانے کیلئے پیدا کیا ہے مجھ جیسے ناقص غریب مخلوق سے تو اپنی مخلوق کی اطاعت سے اور مجھے خدمت گذاری کی عزت دے میں جبتک زندہ ہوں عبادت اور مخلوق کی اطاعت میں فرق نہ سمجھکر ہر وقت ہردم اسی طرح تیری عبادت کروں کہ اپنی ہستی کو تیری ہستی کے نذر کردوں جسطرح کوہ ہمالیہ ہے ویسا ہی استقلال دے تیری بلاؤں پر صابر و شاکر رہ کر تیری نعمتوں کا شکر گزار بنوں جس طرح دریا کہ پانی خس و خاشاک کو بہا دیتا ہے ویسے ہی میرے دل سے کدورت بغض حسد کینہ و تعصب غرور کے خس و خاشاک کو اپنے دریائے کرم کی موج سے بہا دے ، پریم بچن ۔ سفر شاد نگر ۔ مہاراجہ کی دلی خواہش تھی کہ انسانیت کو ایک بلند مقام پر دیکھیں ایک ایسی منزل پائیں جہاں امیر غریب فقیر و شاہ کا فرق نہو صرف امن شانتی سکون و راحت نصیب ہو ۔ بالکلیہ اسی طرح مہاراجہ کی سیرت گویا اس پاک اور مقدس نصب العین کی تکمیل کے لئے ایک مستقل و مسلسل جد و جہد تھی ۔

ہندو مسلم اتحاد : | ہندو مسلم اتحاد کے آپ دل سے خواہاں تھے تعصب کو ملک و قوم کے زوال و تباہی کی بنیاد تصور کرتے تھے ۔ روا داری آپ کا شیوہ اور طغرائے سیاست تھا ۔ مذہب کی پابندی کو ضروری سمجھتے ، کہتے کہ '' مذہبی پابندی چھوڑنے سے انسان شتر بےمہار ہو کر کو اپنے کو آزاد سمجھے پر اصل میں ایسی آزادی کو ، ایمان کو اڑا دینے والی بارود ہے ۔ (معراج برق) ۔ کبھی آپ نے یہ محسوس ہونے نہ دیا کہ آپ ہندو ہیں ۔ اکثر بہادر یار جنگ آپ کے پاس گھنٹوں بیٹھا کرتے کہ عصر ، مغرب کا وقت آ جاتا تو انکی نمازوں کا زیادہ خیال مہاراجہ ہی کو تھا اور اپنے آدمی سے کہتے کہ '' خاں صاحب کیلئے جانماز بچھاؤ ،، کیپٹن امام الدین صاحب اے ۔ڈی ۔ سی مہاراجہ نے ایک معروضہ گزرانا کہ جمعہ کو دو گھنٹہ چھٹی دی جایا کرے ،، اس پر آپ نے تجویز کی '' ضرور جائیے ۔ یہ تو حکم الہی ہے جو مقدم ہے ہر ایک حکم پر ،، ۔ بزرگوں سے بلا قید ملت و مذہب عقیدت تھی ۔ ہندو ، مسلم ، سکھ ، عیسائی ہر ایک بزرگوں کی بڑی مداحی کرتے ۔

وضعداری : جس طرح مملکت آصفیہ اور شاہان آصفی سلطنت مغلیہ اور سلاطین مغلیہ کے حقیقی جانشین ہیں اسی طرح مہاراجہ بھی مغلیہ امراء کی شان و شوکت درباری آداب وضعداری تہذیب اسلامی اور مشرقی ثقافت کا ایک مکمل نمونہ تھے۔ ٹوڈرمل کی سیاست ، خانخاناں کی سخاوت ، بیربل کی ظرافت ، ابوالفضل کی علمی فضیلت اور فیضی کی فیض مآب شاعری ۔ یہ تمام منجانب اللہ مہاراجہ میں ودیعت ہوگئی تھیں ۔ جسکے باعث اپنے عہد کے امیر کبیر معلوم ہوتے تھے ۔

سخاوت و مروت : مہاراجہ کو بچپن ہی سے خیر خیرات کا شوق تھا ۔ ہمیشہ سر نیچے جھکائے خیرات کیا کرتے تھے اور " جھکنے میں سخی وقت کرم اور زیادہ ،، کی مجسم تصویر بن جاتے مانگنے والوں کو اگر چہرہ دار روکتے تو ان پر سخت خفا ہوتے ۔ انکی روزانہ خیرات تین سو روپیے مقرر تھی اس کے علاوہ ماہانہ پانچہزار کی خیرات ایسی تھی جسکی نا تو خود لینے والے کو نا صرف آپ ہی کو خبر ہوتی اور انکی اولاد تو خود لینے والے کو بھی اسکی خبر نہ ہوتی ۔ جہاں جاتے سخاوت کا مینہ برسا کر آتے ۔ مہاراجہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ انکی امارت کسی کو کچھ دلوانے کے لئے ہے کہ وہ خود کسی کو دیتے ہیں بلکہ وہ تو ایک سبب ہیں جنکو اس مسبب الاسباب نے پیدا کیا ہے ہر سبب کا دینے والا ہے ۔ کبھی اور نہیں دیکھا کہ جسکو دیا اسکی صورت دیکھی ۔ کسی نے مہاراجہ سے دریافت کیا کہ دیتے ہوئے آپ نیچے کیوں دیکھتے ہیں " آپ نے جواب دیا کہ میں اس لئے شرماتا ہوں کہ جتنا مجھے دینا چاہیئے تھا میں نہیں دے سکا ،، حالانکہ اکثر و بیشتر حاجت مند ضرورت سے زیادہ حاصل کرکے فرط مسرت سے جھوم اٹھتے تھے ۔ یہی حال تھا کہ جب آپ سور لباس ہوئے تو صاحبزادے نے آپکی چتا کو آگ بتائی تو سارا جسم جل گیا اور سیدھا ہاتھ باقی رہ گیا جو آپکی راکھ کے ساتھ دفن کردیا گیا . . . مروت کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص کی بات توجہ سے سنتے کسی کی بھی دلشکنی و دلآزاری کو گوارا نہ کرتے جب کوئی آپ کو برا بھلا کہتا تو ہنس کر ٹال دیتے کبھی خفا نہیں ہوتے ۔ ایک بار سر میں سخت تکلیف تھی حکیم محمد حسن افندی نے کچھ پڑھکر ہاتھ سرپر پھیرا اور پوچھا اب کیا حال ہے ۔ فرمائے اب اچھا ہوں اور سامنے خوش خوش نظر آنے لگے پندرہ منٹ تک اس طرح ہنستے بولتے رہے ۔ لیکن جونہی حکیم صاحب روانہ ہوئے سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور تڑپنے لگے ۔ حاضرین نے سبب پوچھا تو جواب دیا اگر میں اس وقت کہتا تو اس شخص کی دل شکنی ہوتی ۔

علم پروری : مہاراجہ کے ہاں علماء اور شعراء اور پنڈتوں کا جمگٹھا رہتا تھا اس کا ہوش بلگرامی ایک جگہ لکھتے ہیں " مہاراجہ بہادر کی امیرانہ طبیعت کو شاعری کے ساتھ بچپن سے لگاؤ ہے مہاراجہ چندولال شاداں کا شادانی دربار شعراء سے بھرا رہتا تھا جس میں نصیر دہلوی جیسے استاد سخن داد دیا کرتے تھے مہاراجہ شاد کے دربار شاعری میں سرشار مست رہا کرتے تھے اورداغ بھی یوں نوا سنج رہتے تھے کہ ع " آئیگی اردو زباں آتے آتے ،، حضرت جلیل و امیر بھی برسوں ان خوان کرم کے زلہ بردار رہے ۔ صبا کی ضیاباریاں بھی شعراء کو منور کرتی تھیں محوی کی ساحری محویت میں اپنا رنگ جماتی ۔ ثاقب نے بھی پہلوانی کے ساحرانہ داؤ پیچ دکھائے ۔ ان کے علاوہ مرزا فرحت اللہ بیگ ، امیر مینائی ، مولانا حالی ، علامہ شبلی ، علامہ اقبال ، ہوش بلگرامی ، جوش ملیح آبادی ، ٹیگور ، علی حیدر طباطبائی ، حضرت عبدالقدیر حسرت ، حضرت علامہ مفتی رحیم الدین خواجہ حسن نظامی ، ماہرالقادری ، ترسنگ راج عالی ، عزیزیار جنگ ، امجد حیدر آبادی وغیرہ سے بھی اپ کے گہرے تعلقات تھے اور مہاراجہ ان حضرات کی صحبت سے بڑی مسرت لیتے تھے ۔ آپکی علمیت کا یہی یہ عالم تھا کہ اردو کے علاوہ عربی ، فارسی ، سنسکرتی انگریزی میں روانی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے ۔

ذوق شاعری : مہاراجہ ایک منجھے ہوئے اور پر گو شاعر تھے غزل ، قصیدہ ، رباعی ، مثنوی غرض ہر رنگ میں کلام کہتے ۔ آپ کی دیوڑھی واقع شاد علی بنڈہ حیدر آباد کا ایک خاص حصہ شاعروں کیلئے مخصوص تھا جہاں ہر ہر مہینہ میں روز مشاعرہ ہوتا تھا ۔ مہاراجہ کو شاعری کے ساتھ بچپن سے لگاؤ تھا ۔" ارمغان وزارت ،، میں لکھتے ہیں " مجھکو یاد نہیں کہ شاعری کی دنیا میں میں نے کب قدم رکھا ، میں نے انکو پھول کر دیکھا تو وسیع اور پر بہار باغ نظروں کے سامنے ہے ۔ جو ہزاروں چمن اور لاکھوں پھول کھلائے رنگا رنگ پر حاوی ہے ۔ ان پھولوں کی دلآویز خوشبو دل و دماغ میں بس جانے والی بھی نہیں کہہ سکتا کہ اس نے مجھ پر سب جادو کیا ۔ میں ایک ایک پھول کا بلبل ہو گیا ۔ اور میں نے اچھی طرح جان لیا کہ یہ چمن سخن ہی کا چمن ہے ،، اس طرح شوق و ذوق شاعری کے باعث آپکی زائد از (ـ) تصانیف کے تک بوتک منظومات کے مجموعہ ہیں ۔ جن میں بربط درین ، جلوہ درشن ، رباعیات شاد ، آئینہ عقیدت ، بیاض شاد قابل ذکر ہیں ۔ آپکی شاعری کو ملاحظہ کریں تو بقول جوش ملیح آبادی ہر مصرع میں مصنف کا خون دوڑتا نظر آتا ہے اور ہر نقطہ میں مصنف کا دل دھڑک رہا ہے ۔

مختلف فنون سے لگاؤ : مہاراجہ نہ صرف ایک عظیم المرتبت شاعر و ادیب بلکہ حقیقی معنوں میں " ہر فن مولا ،، ۔ بہترین خطاط

مصور اور جلد ساز تھے۔ خط نسخ خوب لکھتے ۔ مصور و تصویر کشی سے خاص ذوق تھا فنون لطیفہ سے خاص شغف موسیقی میں خاص درک رکھتے تھے خود فن سے واقف تھے لہذا فن داں کی ہر طرح قدر کرتے ہارمونیم اور ستار بجانے میں مہارت تامہ رکھتے مٹی سے اچھے اچھے مناظر اور جانوروں کے ماڈل بناتے خوبی نہ ہیکہ بڑے اچھے طباخ بھی تھے انگریزی ھندی، مغلائی پکوان جانتے اکثر فرماتے کہ " مہینہ بھر تک روزآنہ دو سالن ایک میٹھا ایک کباب پکا کر کھلاؤں گا لیکن کیا مجال کہ ایک دفعہ کھائی ہوئی چیز مہینہ بھر میں دہرائی جائے ۔ مہاراجہ نے طب کی بھی تعلیم حاصل کی تھی دواسازی میں کشتہ جات خوب بناتے تھے ۔ فن سپہ گری سے بھی دلی لگاؤ تھا ۔ ستر سال کی عمر میں بنوٹ کی تعلیم حاصل کی ۔ اور اردو وظائف پر بڑا عقیدہ تھا ۔ لطف کی بات یہ ہیکہ خود بھی اوروں کو تعویز لکھکر دیتے تھے ۔

ظرافت نگاری :- ظرافت ، نثر اور شاعری کی سب سے نمایاں اور ممتاز خصوصیت ہے ۔ آپکی ظرافت طبع کے کچھ نمونے ملاحظہ کیجئے ۔

طفلی سے دیکھتا ہوں طبیعت شریر ہے
کچھ منحصر شباب ہی پر شوخیاں نہیں

لیا تم نے جو میرا دل حساب دوستاں در دل
کلا کرنے سے کیا حاصل حساب دوستاں در دل

آپ کے خطوط نہایت دلچسپ ہوا کرتے قلم برداشتہ لکھتے تھے ۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کو لکھتے ہیں " ذی وقار پنڈت رتن ناتھ سرشار ۔ ۔ ۔ ۔ خان صاحب یہ تو کہیئے ان سب تجربات اور صدمات پر بھی آپ نے اپنی محبوبہ زردن کمر ، ملت کوش عصمت مآب ، معشوق عالم ، بنت العنب ، باداد عنب کا کو کسی دن طلاق تک دی نہیں تھا ۔ واللہ بڑے جوانمرد ہیں تو ہکن اور قیس کے بھی کان کاٹے جان جائے مگر جان جاناں نہ جائے اسی کا نام عاشقی ہے ،، ۔ ۔ ۔ ایک اور خط ہے ۔ " مہرباں نواب انتخاب جنگ بہادر ۔ خط پہنچا ۔ مسرور ہوا طبع رنگین کی نہ پوچھئے مجھے دل کب تھے ؟ خدا کے فضل سے ہمیشہ دل شاد رہے ہمیشہ خوش رہینگے ۔ رنگین مزاج کیوں نہ ہوں گے ۔ خدا کے فضل سے تین بیویاں ہیں شرعا ابھی ایک عرضی خالی ہے بفضلہ سات بچے ہیں اور آئندہ بھی پانچ سات کی امید ہے ۔ طرفہ اور سنیئے ۔ دشمن اتنے کہ جتنے سر میں بال ایک سر ہزار سودا ۔

زندگی اس طرح گزرتی ہے * اپنے سایہ سے آپ ڈرتا ہوں

اپنے ایک مضمون شادی بحوالہ " ارمغان وزارت ،، میں بچپن کی شادی کی مضرتیں ، جوانی کی شادی کا لطف اور بڑھاپے کی شادی کا ایسے دلنشین انداز میں مذاق اڑایا ہیکہ بیساختہ واہ واہ نکلتی ہے ۔ ،، بچپن کی شادی سے متعلق لکھتے ہیں دو کم سینوں کی شادی کرنا ایسا ہی ہے جیسے مٹر کے دو دانوں کو ایک دوسرے سے ملا کر تہرا دیا جائے ۔ ،، جوانی کی شادی کی کس ظریفانہ انداز میں تصویر کھینچی ہے " عقد کے دن کا قریب آنا اور دلہا کے آتش شوق کا دولہن کا فرط حیا سے شرما جانا دولہا کی جوانی کا جوش ، دلہن رفعت کوش پرست بادہ سرجوش شادمانی وہ ظاہر میں چپ مگر سادگیں دل لبریز سراب ہمراہی دولہا گرما گرم و دلہن پابند شرم ادھر بشری سے جوش مسرت سے آسکار ادھر حیا مانع اظہار ادھر ہمسنوں کا مذاق دولہا کی گرمجوشی ادھر ہمجولیوں کی چھیڑ چھاڑ دولہن کی خموشی،، بڑھاپے کی شادی کا نقشہ بھی دیکھئے ۔ (۸۰) اسی برس کا سن ہے حلوا کھانے کے دن چلے ہیں بیاہنے مگر گھوڑے پر اتنا اچھا سوار ہونے میں جیسے کسی نے رکھدیا ہو یارو ذرا لڑکے کو سنبھالے رہنا کہیں لڑ کی نہ کہا جائے ورنہ ایک ہی قلابازی میں بیچارہ ختم ہو جائیگا ۔ ،، ایک بار ایک بوڑھے شاعر اپنے دس سالہ بچے کی انگلی پکڑ کر حاضر ہوئے تو مہاراجہ نے پوچھا "اس عمر میں بھی آپ کو اولاد ہوتی ہے ماشاءاللہ ۔ ،، شاعر نے جواب دیا " یہ سرکار کے نمک کا اثر ہے ،، ۔ اس پر مہاراجہ مسکراتے ہوئے بولے " خوب ۔ میرے نمک کا مجھ میں تو اثر باقی نہ رہا ۔ آپ میں باقی ہے ،، ۔

تصنیف و تالیف :- مہاراجہ نہ صرف اردو فارسی کے اعلی پایہ کے شاعر تھے بلکہ اچھے انشاپرداز بھی تھے ۔ علمی ، مذہبی اور اصلاحی موضوعات پر دلچسپ مقالے اور کتابیں لکھنے کے علاوہ عمدہ ناول بھی لکھے ۔ انکی پہلی تصنیف سنہ ۱۳۰۲ ھ میں شائع ہوئی اور آخری ۱۳۵۸ ھ میں اسطرح پچپن سال سے زائد عرصہ تک سلسلہ تصنیف و تالیف کو جاری رکھکر سو سے زائد تصانیف تالیف کیں ۔ ذیل میں صرف موضوع کے لحاظ سے کتابوں کے نام درج کر رہا ہوں ۔

(۱) نظم اردو فارسی و ھندی : باغ شاد ، ارمغان زیبا ، گلبن تاریخ ،نسیم سحر ، نذر شاد ،صبح اسد ، مثنوی حسن و عشق ، نغمہ شاد ، حمکدہ شاد ، ترانہ شاد ، شگوفہ بہار ، رباعیات شاد، آشوب عظیم ، نعرۂ مستانہ ، بیاض شاد ، رتن بسیرا نظم روبیہ ، برہم درپن ، بزم شاد ۔

(۲) نثر (الف) ناول اور افسانے ۔ مطلع خورشید ، چنچل نار ، بزم خیال ، فسانہ شیدا ۔

(ب) سفرنامے اور روزنامچے : قدوم سلطانی،سفر دوهفتہ ، روضہ شریف ،جذبات شاد ، سیر ناگپور ، سیر و سفر ، جام جہاں نما ، سفر شاد نگر ، روزنامچہ گلبرگہ ، سیر پنجاب ، تفریح شاد ،

(ج) خطوط تقاریر و تاثرات: رقعات شاد ، اسپیچ ، فریاد شاد ۔

(د) علمی کتابیں : لطائف بے نظیر ، ارض الرمل ، ضلع بھگت آزادی ، ارمغان وزارت ، مخزن القوافی ، نور چشم ، لیڈر ۔

(ہ) مذہبی رسائل : دسہرہ ، کرشن کلا ، گیان درپن ، ایمان شاد منظوم ، دین حسین ، ماتم حسین منظوم ، مثنوی آئنہ وحدت مثنوی آئنہ وجود ، مثنوی سر وجود ، مثنوی خمار شاد ، مثنوی مناجات ، وظایف الشاد ، ناوک غم ، قربانی ان تصانیف کے علاوہ کئی ماہنامے جاری کئے رسالہ دبدبہ آصفی ، ماہنامہ شوکت عثمانی ، اور ماہنامہ محبوب الکلام اردو دنیا میں بے نظیر جسارت کے حامل ہیں (ڈاکٹر زور) ۔

ازدواجی زندگی : مہاراجہ کی تین بیویاں ہندو اور چار اہل اسلام سے تھیں ۔ جن سے پندرہ صاحبزادے تولد ہوئے جن میں نو ہندو اور چھ مسلمان ۔ ایک صاحبزادہ ارجن کمار عرف راجہ خواجہ پرشاد بہادر جانشیں ہوئے ۔ دوسرے صاحبزادوں میں نواب اسداللہ خان ، نواب نصراللہ خان ، نواب عظمت اللہ خان ، اور نواب حشمت اللہ خان شامل ہیں ۔ پندرہ سے زائد صاحبزادیاں تولد ہوئیں ۔ جن میں چار ہندو بقیہ مسلمان تھے ۔ مہاراجہ کو اولاد سے بےپناہ محبت تھی سب کچھ برداشت کرتے مگر اولاد کی نسبت کوئی کچھ کہتا تو اس کو سننا پسند نہ فرماتے اور نہ ان پر سختی یا ان کے خلاف ایک لفظ بھی گوارا تھا ۔ اپنے اولاد کی اولاد کو بھی جان سے زیادہ عزیز اور ہمیشہ اپنے ہمراہ رکھتے تھے ۔

علالت و انتقال : آپ کی صحت کا یہ عالم تھا کہ کبھی مریض کی طرح بستر پر نہ لیٹے لیکن انتقال کے تین ماہ قبل بائیں ہاتھ میں درد شروع ہوا تکلیف بڑھتی گئی متعدد علاج معالجہ ہوئے عارضی سکون ملتا اور وزن روز بروز گھٹتا جاتا بایں ہمہ مقررہ کارو بار میں ذرہ برابر فرق نہ آیا ۔ بالآخر ۹ ۔ مئی ، سنہ ۱۹۴۰ع روزجمعہ حسب معمول چار بجے بیدار ہوئے اور پھر بستر پر دراز ہوگئے توپھر نہ جاگے ۔ بحکم اعلی حضرت حکیم مقصود جنگ اور ہوش بلگرامی عیادت کیلئے آتے ۔ حالت روز بروز بگڑنے لگی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی ۔ بخار (۱۰۵) تک پہنچا اور ہچکیاں شروع ہوئیں آخر کار یوم دوشنبہ چار بجکر پانچ منٹ شام کو بعمر ۷۷ سال ۱۳ ۔ مئی ، سنہ ۱۹۴۰ع کو سورگباش ہوگئے اوصاف حمیدہ اور نیکیوں کے باعث آپ کا تذکرہ آج تک جاری ہے کیونکہ لوگ مرنے کے بعد یاد کئے جاتے ہیں ، کہ دنیا مردہ پرست ہے ۔ غرض جملہ امراء معززین ، عہدہ‌دار ہزار ہا مداحان کے روبرو جانشین راجہ خواجہ پرشاد بہادر عرف ارجن کمار نے چتا کو آگ بتائی اور رسوم تعزیت انجام دئے ۔ آپ کا ہاتھ اولا نہ جلا پھر ایک انگلی باقی رہ گئی ۔ آپکی سمادھی مہاراجہ چندولال بیکنٹھ باشی ، اور مہاراجہ نریندر ارگیاتشی کے درمیان ہے ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

* * *

مومن خان شوق

غزل

اب کے غزل فروغ شب و روز کا ہے نام
ہاتھوں میں زندگی کے چھلکنے لگا ہے جام

ہر سمت رنگ و نور کے منظر مہک اٹھے
پہلے تھی زندگی بڑی بے راہ و بے لگام

تاریک راستوں پہ جلائے گئے چراغ
یوں بھی لیا ہے ہم نے اندھیروں سے انتقام

اور زندگی مریض کی صورت تھی کل تلک
اب دیکھئے شعور بہاراں ہے شاد کام

وہ کیفیت کہ جس کا کوئی نام ھی نہیں
چپکے سے لے لیا تھا کسی نے تمہارا نام

جب ذکر انکے عارض و لب کا چلا ہے شوق
مہتاب ضوفشاں ہے ستارہ بکف ہے شام

الم عظیم آبادی

شاعر کا خواب

زر و دولت کی ہے نہ بھوک مجھے
تخت و تاج کی ہے نہ پیاس مجھے

وہ جو گاؤں کی سرحد پہ کھڑا ہے پہاڑ

وہیں بس وہیں
اس کے پار

بہتا ایک دریا ہو

پھیلی ہوئی سندر کیاریاں ہوں
چند پھوس کی جھونپڑیوں میں

رات بسر کا ساماں ہو

نہ مالک ہو کوئی نہ غلام کوئی
اپنے اصول ہوں اور اپنے قانون

سارے جھگڑوں سے پرے

ملت کا ہو وہاں پرچم بلند
دو روٹیاں بھی کافی ہیں

دو جوں کی بھوک مٹے جہاں

وہیں کے سپنے دیکھوں میں
رات کو جب جب سوؤں میں

* * * * *

گندی بستیوں کی صفائی
اور ترقی دینے کی مہ
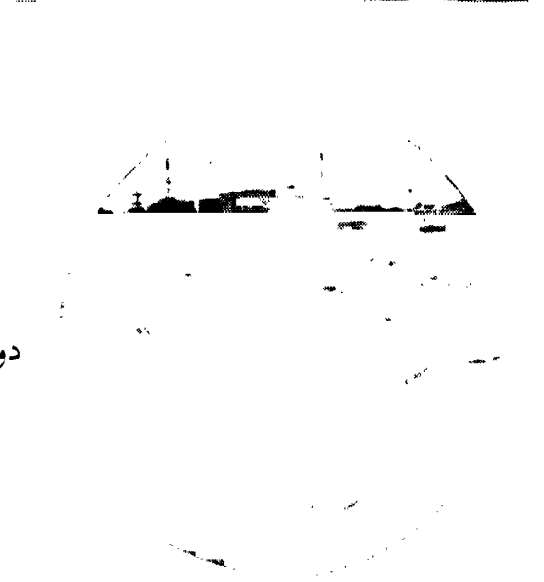
دونوں شہروں میں گندی
بستیوں کی جانچ

مگر مچھ

گوردیال سنگھ والیہ

گنے کے گھنے کھیتوں سے گھرے ہوئے لٹل بریک فاسٹ گاؤں کو کافی حد تک گناہوں سے نجات مل گئی ۔ اس کی کہانی کچھ اس طرح کی ہے ۔

کچھ ھی سال پہلے لٹل بریک فاسٹ کے لوگ بڑی شان سے اجنبی لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ وہ آس پاس کے کسی بھی گاؤں سے ھیچ یا کمتر نہیں ھیں لیکن یہ سراسر جھوٹ تھا ۔ لٹل بریک فاسٹ دوسرے گاؤں سے کہیں زیادہ خراب اور بدتر گاؤں تھا ۔ مثال کے طور پر برفیڈیس سینندیز اپنے ہوٹل میں طرح طرح کے ذائقے اور بھڑکیلے رنگوں کی شراب کو " ڈرائی جن ،، یا کسی قیمتی شراب کے نام سے بیچا کرتا تھا جس کی بوتلوں کی بوتلیں وھاں کے لوگ کیا اتوار اور کیا سوموار — ہر رات کو چڑھا جانے کے عادی تھے ۔ اس کے علاوہ روز ھی رات کے وقت گیٹار اور پرانے فیشن کے باجے اور ڈھول باہر نکالے جاتے اور ناچ ھوتا - - - - ناچ تو کیا انہیں دھما چوکڑی کہنا چاھئیے ۔ کوئی بھی شریف عورت سورج ڈوبنے کے بعد گھر سے باھر نہیں نکلتی تھی ۔

سچائی آخر سچائی ہے اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ لٹل بریک فاسٹ کی عورتیں بھی شریف نہیں تھیں اور یہ حقیقت ہے کہ رات کے وقت ان کے سڑک پر نکلنے پر چھینا جھپٹی اور لڑائی جھگڑے ہونے لگتے تھے ۔

سب سے برا حال وھاں کے لڑکے لڑکیوں کا تھا ، جن کے سامنے ان کی ماؤں اور بہنوں (باپ اور بھائیوں کی بات چھوڑئیے) نے اپنی بری حرکتوں اور مخرب الاخلاق فعلوں کے مظاھرے کئے تھے ۔ سگریٹ وہ پیتے تھے ۔ چوری وہ کرتے تھے ۔ گندی گندی گالیاں وہ بکتے تھے اور سنیچر کی رات کو جب دھاچوکڑی اور جھگڑے فساد عموماً زیادہ ھو جاتے تھے تو وہ چار بجے صبح تک تماشں بین بنے جاگتے رہتے تھے ۔ اگر سوتے بھی تو کہیں نالیوں اور گندگی کے ڈھیروں پر ۔ کئی دنوں تک شراب کی بو انکے منہ سے آتی رہتی تھی ۔ اور تو اور وھاں کے کتے بلیاں تک چور اچکوں اور بھیک مانگنے والوں کے گروھوں کی طرح چیخا چلایا کرتے تھے ۔ اتوار کی صبح اگر کوئی فادر ارتوگا کے گرجا گھر کی دعا میں شامل ھونے پہنچ جائے تو وہ بھی عجیب سی بات سمجھی جاتی تھی کیونکہ دعا میں شریک ھونے کی خواھش وھاں کس کو تھی ۔

ایک دن ڈاکٹر سورنٹورو یونیورسٹی سے گھر لوٹتے وقت دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے لٹل بریک فاسٹ میں رک گئے ۔ وہ ان جانوروں کا مشاھدہ کر رہے تھے جو دوسرے جانوروں کو کھا کر زندہ رہتے ھیں ۔ کئی چھوٹے چھوٹے جانوروں کے علاوہ ان کے موٹر میں اس وقت دس فٹ کا ایک مگر مچھ بھی تھا جو کافی دنوں سے پانی سے باہر رہنے کی وجہ سے ادھ مرا (نیم مردہ) ھو رہا تھا ۔ ڈاکٹر نے جب دیکھا کہ لٹل بریک فاسٹ کے لوگ دوپہر میں جھپکی لے رہے ھیں اور گلیاں سنسان پڑی ھیں تو انہوں نے اپنے اسسٹنٹ سے کہا ۔

" چپ چاپ جاکر اس مگر مچھ کو چینی کی مل کے پیچھے بنے تالاب میں چھوڑ آؤ ۔ اگلے ھفتے جب ھم یونیورسٹی جانے کیلئے یہاں سے گزریں گے تو اسے لے لیں گے ۔ تب تک یہ کچھ تندرست بھی ھو جائے گا ۔ "

ان کا اسسٹنٹ مگر مچھ کو تالاب میں چھوڑ آیا ۔

اس طرح وہ مگر مچھ لٹل بریک فاسٹ کا ایک شہری بن گیا جبکہ وھاں کے لوگوں کو اس کا کوئی علم نہیں تھا ۔ چینی کی مل کے اس تالاب میں پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لئے فوارے چلا کرتے تھے ۔ ان سے مگر مچھ کو کچھ پریشانی تو ضرور محسوس ھوئی لیکن ٹھنڈے کھارے پانی میں اسے مزا بھی آنے لگا تھا ۔

ادھر ڈاکٹر سورنٹورو ایک چھپکلی کی انتڑیوں کا مشاھدہ کرنے میں لگا رھا ۔ مگر مچھ کی اسے بالکل یاد نہیں رھی ۔ اسکے اسسٹنٹ نے کئی بار یاد دلانے کی کوشش کی لیکن سب بیکار ۔ کچھ دیر بعد وہ بھی لٹل بریک فاسٹ اور مگر مچھ کو بھول گیا ۔ اور مگر مچھ لٹل بریک فاسٹ کا ھی ھو کر رہ گیا ۔

لٹل بریک فاسٹ کے لوگوں کی یادداشت اور دماغی قوت کمزور تھی ۔ اس لئے تقریباً دو یا تین مہینوں بعد انہیں پتہ چلا کہ ان کی بلیوں کو کچھ ھوتا جا رھا ہے ۔ ایک زمانہ تھا جب وھاں چاروں طرف بلیاں ھی بلیاں نظر آتی تھیں ۔ اب آھستہ آھستہ

لیکن خفیہ طور پر ان کی تعداد کم ہوتی جا رہی تھی ۔ رات کو ان کے کھکھیانے اور دانت کٹکٹانے کی آوازیں کم ہو گئی تھیں ان آوازوں سے ہی تو وہاں کے لوگوں کو محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ ایسی جگہ رہ رہے ہیں جہاں مردنی نہیں چھائی ہوئی ہے بلکہ کوئی خفیہ واردات ہورہی ہے ۔

بلیوں کے غالب ہونے کے سوال کو لیکر پرفیڈیس کے ہوٹل میں ، پرفیڈیس ، اوکٹیو بیکلاؤ ، رئیس فرنینڈیز اور فادر ارتوگا ـــــان چار بڑے سربراہوں اور مفکروں میں بحث ہوئی کیونکہ گاؤں کے دوسرے لوگوں کے پاس سوچ سمجھ نام کی کوئی چیز ہی نہیں تھی ۔

'' صاف ظاہر ہے کہ بلیوں کو کوئی بیماری ہو گئی ہے ،، اوکٹیو نے کہا ۔ '' میرے خیال میں یہ کوئی بڑی شاندار اور مہلک قسم کی بیماری ہے ،، اوکٹیو رات کو گیٹار بجایا کرتا تھا اور دن کو جب کبھی اسے یاد رہتا تو چینی کی مل میں گنے کے رس کی کڑاھی پر کام کرتا ۔

'' یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟ ،، رئیس فرنینڈیز نے پوچھا ۔ وہ ایک دبلا پتلا شخص تھا باوا آدم کے زمانے کا ٹوپ پہنے رہتا تھا جو بہت زیادہ میلا کچیلا ہو گیا تھا ۔ اس کی ناک کے نیچے کا چہرہ اس قدر ڈھلوان ہو گیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا وہاں چہرہ ہے ہی نہیں ۔ اس لئے دیکھنے میں وہ خوبصورت نظر نہیں آتا تھا ۔ ہاں اس سے اس کے دانتوں کو اپنی نمائش کا ضرور موقعہ مل گیا تھا ۔ وہ بولا ۔ ''کیا بلیاں آپ کو اچھی نہیں لگتی ہیں ؟ ان کے کم ہوجانے سے ساری رات کیسی بھیانک خاموشی چھائی رہتی ہے ۔ اس پر اسرار خاموشی میں نیند حرام ہو رہی ہے ۔ ،،

'' لیکن میری سنو ۔ ،، اوکٹیو نے کہا ۔ '' میں لڑاکا مرغوں کی نسل سدھارنے کا کام کرتا ہوں اس لئے اپنے تجربے کی بنا پر یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ بلیوں کی نسل سدھر رہی ہے اور اس کے لئے ہمیں اس پراسرار بیماری کا مشکور ہونا چاہیئے جس سے ان کی تعداد دن بدن کم ہو رہی ہے ۔ خود ہی دیکھ لیجئے ، پہلے وہ شراب پئے ہوئے بوڑھے بھکاریوں کی طرح ڈگمگاتی ہوئیں اس دروازے سے اوس دروازے تک گھوما کرتی تھیں ۔ گھاؤ اور کھرنچوں سے ان کا تمام جسم ادھڑا رہتا تھا اور اب وہ ذرا کھٹکا ہونے پر جان چھوڑ کر اتنی تیز بھاگتی ہیں جیسے شیطان ان کا پیچھا کر رہا ہو ۔ ،،

پرفیڈیس سنجیدگی سے بولا ۔ '' ہو سکتا ہے کہ بلیوں کی نسل سدھر رہی ہو لیکن اس سے کیا ؟ بلیاں تو ہمارے ہاتھ سے جا رہی ہیں ۔ ،،

فادر ارتوگا جو لمبا چوغہ پہنے ہوئے تھا اور جس نے گراموفون کے ریکارڈ کی طرح چپٹا اور کالا ٹوپ لگا رکھا تھا ، جھپکی لیتا رہا اور بحث میں نہیں پڑا ۔ وہ چوراسی سال کا ہوچکا تھا ۔ بچپن سے ہی اسے پوپ بننے کی خواہش تھی ۔ جب وہ پوپ نہیں بن سکا تو بہت پریشان رہنے لگا ۔ اس نے اس کے لئے جی توڑ محنت کی اور دعائیں پڑھتے پڑھتے کافی عمر رسیدہ ہو گیا ۔ اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جب چوراسی سال کی عمر تک وہ پوپ نہیں بن سکا تو آگے کیا بن سکے گا ؟

بلیوں کی تعداد کم ہوتے ہوتے چودہ تک پہنچ گئی اور وہیں رک گئی ۔ وہ چودہ بلیاں اس قدر سراٹے سے چوکڑیاں بھرتی تھیں کہ فرنینڈیز نے تجویز پیش کی کہ شرط لگا کر ان میں اور آس پاس کے گاؤں کی بلیوں میں ایک مقابلہ کی دوڑ کروائی جائے وہ بولا ۔ '' اپنا علاقہ مرغوں کی لڑائی میں دنیا بھر میں سب سے آگے ہے ۔ اب ہم بلیوں کی دوڑ میں بھی بازی مار جائیں گے ۔ وہ ہمارے لئے صوبائی طور پر فخر کی بات ہو گی ۔ ،، لیکن دیگر کئی نئے خیالات جو اس گاؤں میں ابھرتے تھے اور دب جاتے تھے اسی طرح فرنینڈیز کے اس اچھوتے خیال کے بارے میں لٹل بریک فاسٹ کے عوام نے کوئی جوش نہیں دکھلایا ۔ اور نہ ہی ہمت افزائی کے طور پر کچھ کہا ۔

اس دوران مگرمچھ لٹل بریک فاسٹ کی زندگی کا عادی ہو گیا اور اسے اس میں مزا آنے لگا تھا ۔ سادہ مگرمچھ کا اسے کبھی کبھی خیال آتا تھا لیکن اسے تالاب کے پانی میں گنے کے رس کا جب اسے لطف آنے لگتا تھا اور بدن میں گرمی محسوس ہونے لگتی تھی تو وہ سب کچھ بھول جاتا تھا ۔ اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہر لحاظ سے وہاں خوش تھا ۔ دن کو وہ اپنے نتھنے اوپر اٹھائے پانی میں سوتا رہتا تھا اور رات کو ہفتے میں ایک یا دو بار جب بھی اسے بھوک لگتی تھی ، شکار کی تلاش میں نکل پڑتا تھا ۔

لٹل بریک فاسٹ کی سڑکوں پر روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے اس پر کسی کی نظر نہیں پڑی اور وہ اپنے شکار پر ہاتھ صاف کرتے رہنے میں اسے کوئی دقت پیش نہیں آئی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ لمبا اور موٹا ہونے لگا اور وہ بھی دوگنی رفتار سے ۔

تھوڑے دنوں بعد بلیوں کو پکڑنے کے قابل وہ نہیں رہا کیونکہ وہ اب ڈر کے مارے بہت تیز بھاگنے لگی تھیں ۔ تب کتوں کی باری آئی ۔ وہاں کے لوگ حالانکہ اپنے کتوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے پھر بھی انہیں ان سے کافی محبت تھی ۔ کتوں کو غائب ہوتے دیکھکر فوراً ان کے کان کھڑے ہو گئے ۔ پرفیڈیس کے ہوٹل میں چاروں سربراہوں میں بحث ہونے لگی ۔

فرنینڈیز بولا ۔'' لیجیئے جناب کتے بھی بلیوں کی طرح ا
غائب ہونے لگے ہیں ۔ شام کو تو آپ دیکھیں گے کہ کتے
بچا کھچا کھانا کھاتے ہوئے کلیلیں کر رہے ہیں اور صبح
غائب ۔ تعجب کی بات ہے کہ ان کی لاش کا بھی کہیں پتہ
نہیں چلتا ۔ مسز فگراؤ کا پیلا کتا غائب ہوگیا ۔ کیسٹرو کے
سفید کتے کا کہیں پتہ نہیں ہے ۔ آپ لوگوں کے خیال میں یہ
کس قسم کی بیماری ہے ؟ ''

'' میرے خیال میں جو کچھ ہو رہا ہے ، فائدہ کے لئے
ہی ہو رہا ہے ۔ '' اوکٹیو نے کہا ۔ '' مسز فگراؤ کا کتا انڈے
چرا کر کھا تا تھا اور کیسٹرو کا کتا ایک نمبر کا بدمعاش اور
کٹ کھنا تھا جتنے بھی کتے غائب ہوئے ہیں ان کی عادتوں
میں کوئی نہ کوئی گمبھیر نقص ضرور تھا ۔ ''

'' میرے دوست کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ اچھے کتوں
نے کتوں کی نسل سدھارنے کے لئے برے کتوں کو کھانا شروع
کردیا ہے ؟ '' پرفیڈیس نے پوچھا ۔

'' ہاں ہاں بالکل یہی بات ہے ۔ کتے ایک دوسرے کو
ہی نہیں ، بلکہ جو کچھ بھی ملے اسے کھا سکتے ہیں ۔ ''

'' شاید ایسا ہی ہو ۔ لیکن کتوں میں اچھے برے کی
پہچان کرنے کی سمجھ تو نہیں ہوتی ۔ فادر ارتوگا یہ تو نفسیاتی
سی پہیلی بن گئی ہے ، لہذا آپ اپنے خیالات پیش کریں ۔ ''
پرفیڈیس نے فادر ارتوگا سے کہا ۔

فادر ارتوگا خواب دیکھ رہا تھا ۔ چونک کر وہ بولا ۔ ''میں
نے سنا نہیں ۔ مہربانی کرکے ذرا زور سے بولئے ۔ ''

'' کیا آپ یقین کرسکتے ہیں کہ نسلی سدھار کے لئے
اچھے کتے برے کتوں کو ختم کرسکتے ہیں ؟ '' پرفیڈیس نے
کہا ۔

'' مجھے اس میں شک ہے ۔ '' فادر ارتوگا نے جواب دیا

'' تب کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کسی فوق الفطرت روح
نے بلیوں کی طرح کتوں کو بھی ہڑپ کرنا شروع کردیا ہے ؟
نہیں تو اور کیا ہوسکتا ہے ؟ '' فرننڈیز بولا ۔

روحیں بری ہوں یا اچھی وہی ایسا کام کرسکتی ہیں
فادر ارتوگا نے کہا ۔ '' لیکن مجھے شک ہے کہ فوق الفطرت روحوں
کو لٹل بریک فاسٹ کے کتے ہڑپ کرنے میں دلچسپی ہوگی ۔
میرے خیال میں بلیوں اور کتوں کا یوں غائب ہونا ضرور کوئی
خطرناک راز ہے ایک ادنی انسان سب خفیہ باتوں کے بارے میں
جان بھی تو نہیں سکتا ہے ۔ ''

غائب ہوتے ہوتے کل ستائیس کتے باقی بچ گئے ۔ یہ کتے
پہلے نہایت کاھل الوجود تھے لیکن اب بہت زیادہ چوکنے اور ہوشیار
ہوگئے تھے ۔ آہٹ پاتے ہی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے
ہوتے تھے ۔

رات کے وقت مگر مچھ لٹل بریک فاسٹ کی گلیوں میں چکر
کاٹتا رہا دو ہفتے سے اس کا پیٹ خالی تھا ۔ بلیاں اور کتے ہاتھ
سے نکل چکے تھے ۔ مرتا کیا نہ کرتا ۔ گاؤں کے بچے اتنے گندے
رہتے تھے کہ ان سے اسے بدبو آیا کرتی تھی ۔ لیکن اب وہی بدبو
اس کے لئے خوشبو بن گئی ۔

لجارس لٹل بریک فاسٹ کا سب سے زیادہ گندا اور برا لڑکا
تھا ۔ پہلا سگار اس نے تین سال کی عمر میں پیا تھا ۔ جب وہ
چار سال کا ہوا تو دوسرے بچوں کو گنے سے پیٹنے لگا ۔ پانچ سال
کا ہوتے ہی اول درجے کا شرابی ہوگیا ۔ چھ سال کی عمر میں اس
نے چینی کی مل کے سپرنٹنڈنٹ کو چکی کے رولر میں دھکیل دینے
کی پوری کوشش کی ۔ ساتویں سال میں اس نے اپنی ماں کی کمر
میں چھرا بھونک دیا ۔ آٹھویں یعنی اپنی زندگی کے آخری سال
میں اس میں اور ایک بدمعاش غنڈے میں کوئی فرق نہیں
رہ گیا تھا ۔ میل سے بھری ہوئی اسکی سفید کھال قریب قریب
اتنی کالی ہوگئی تھی جتنے کہ اس کے دانت ۔ اس کے دانت قریب
قریب اتنے کالے تھے جتنے کہ اس کے بال ۔ اس کے بال قریب
قریب اتنے کالے تھے جتنا کہ اس کا مکار دل ۔ اس کا دل قریب
قریب اتنا کالا تھا جتنا کہ کیمرے کا اندرونی حصہ ۔ دن کو وہ
گندے اور بدبودار کپڑے پہنے بھیک مانگتا تھا یا چوری کرنے
کے ارادے سے ادھر ادھر گھوما کرتا تھا ۔ اور رات کو اس کا
کام تھا بہت زیادہ بوڑھی یا پھر بہت زیادہ گٹھیلے جسم کی عورتوں
کی بے عزتی کرنا اور جا بجا چھیڑخانی کرنا ۔ تیسرے پہر نشے میں
بدمست ہوکر وہ گندگی کے کسی ڈھیر پر پڑا رہتا تھا ۔

اس دن اندھیری رات تھی ۔ لجارس بھوکے مگر مچھ کے
مضبوط جبڑوں سامنے پڑا تھا ۔ بس دوسرے ہی لمحہ میں وہ اس کے
منہہ میں تھا ۔ مگر مچھ نے اس کے بعد لٹل بریک فاسٹ کے کئی
دوسرے بچوں کو اپنا شکار بنایا ۔

لجارس کی ماں روتی ہوئی فادر ارتوگا کے پاس پہونچی ۔ وہ
ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی سپنے دیکھ رہا تھا کہ روم سے اس
کے نام ایک مبارکباد کا تار آیا ہوا ہے جو ڈاک خانہ میں پڑا
ہوا ہے ۔ ڈاکیہ اسے بانٹنا بھول گیا ہے ۔ لجارس کے غائب ہونے
کی بات سن کر فادر ارتوگا قدرے چونکا ، پھر اس نے سمجھاتے
ہوئے کہا ۔

'' ہوسکتا ہے کہ وہ نیویارک کے کسی سینما گھر میں نوکری کرنے چلا گیا ہو یا جیب کتروں کے گروہ میں شامل ہونے کے لئے '' ہوانا ''، روانہ ہوگیا ہو۔ وہ جلدی ہی تمہارے پاس اپنا فوٹو بھیجے گا۔ اس فوٹو میں وہ ایسی وردی پہنے ہوگا جو فوج کے کپتان کی وردی سے کہیں زیادہ شاندار ہوگی۔ ''

یہی بات جب فادر ارنوگا نے اپنے ساتھ کے تین دوسرے مدبروں، دانشمندوں، سفکروں اور سربراہوں سے کہی تو اوٹیو بولا۔ '' معاف کیجئیے گا۔ آپ محض بکواس کرتے ہیں۔ جس طرح صرف اچھی نسل کی بلیاں اور کتے باقی بچے ہیں اسی طرح اچھی ہی نسل کے بچے اس گاؤں میں رہ جائیں گے۔ ''

'' یعنی آپ سمجھتے ہیں یہ سب جادو منتر سے ہورہا ہے '' فادر ارنوگا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

'' جادو منتر پر مجھے وشواس نہیں ہے کیونکہ میں ترقی پسند نظریہ کا حامی ہوں پتہ نہیں کون ہے جو یہ سب چھپے چھپے اور چپکے چپکے کر رہا ہے '' اوٹیو بولا۔

'' میں کہتا ہوں کہ شیطان ہی یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ فادر آپ خود بھی تو کہا کرتے ہیں کہ گناہگار کو شیطان اٹھا لے جاتا ہے۔ '' فرنینڈیز نے کہا۔

'' ہاں میں ایسا کہتا تو ضرور۔ '' فادر ارنوگا نے سر ہلایا لیکن وہ آہستہ آہستہ ہی ایسا کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ رات کے وقت کسی سرنگ میں گناہگار لوگوں کو چھانٹ چھانٹ کر ہڑپ کرلے۔ ''

سانس بھرتے ہوئے پرفیڈیس بولا۔ '' اس بارے میں ابھی کچھ طے نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھنے جائیے ابھی کیا کیا ہوتا ہے۔ ''

اس کے بعد ایک رات کو جس وقت اوٹیو اپنے گھر لوٹ رہا تھا اس کا پاؤں کسی ایسی چیز پر پڑا جس کا پیٹ کافی بڑا تھا۔ اس نے سمجھا کہ شاید وہ مسز ڈائیز ہے لیکن مڑ کر دیکھنے پر اسے محسوس ہوا کہ جس پر اس کا پاؤں پڑا ہے وہ کوئی جانور ہے۔ مسز ڈائیز پر پاؤں پڑتا تھا تو وہ جھٹ جاگ اٹھتی تھی اور نشے میں گالیاں بکنا شروع کردیتی تھی۔

'' وہ جانور کتنا بڑا تھا؟ '' پرفیڈیس نے اوٹیو سے پوچھا

'' بالکل عورت جیسا تھا۔ نہیں تو میں نے اسے مسز ڈائیز نہ سمجھا ہوتا۔ ''

فرنینڈیز نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ '' ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی شارک مچھلی ہو '' شارک سے میں بالکل نہیں ڈرتا۔ میں اسے ضرور دیکھ لیتا تاکہ دو دو ہاتھ ہوجاتے۔ لیکن مجھے مچھلی مارنے والے جہاز میں کام مل گیا ہے اور اب اس سے لڑنے کا وقت میرے پاس نہیں ہے۔ ''

'' ہاں ہاں وہ شارک جیسی ہی کوئی چیز دکھائی پڑتی تھی۔ '' چیخ کر اوٹیو بولا۔

'' دوستو۔ '' فادر ارنوگا نے کہا۔ '' آپ لوگ بے سر پیر کی باتیں کر رہے ہیں۔ شارک مچھلی کہیں زمین پر رینگ سکتی ہے؟ ''

'' کچھ بھی ہو۔ '' اوٹیو بولا۔ '' لٹل بریک فاسٹ میں ایک خونخوار جانور ضرور آ گیا ہے۔ یہ طئے ہے۔ ہم کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے اور فوراً کریں گے۔ ''

'' ہمیں اس آدم خور جانور کو ڈھونڈ کر گولی سے اڑا دینا چاہئیے۔ لٹل بریک فاسٹ کے مردوں کو دیکھ دو کہ کمربستہ ہوجائیں اور اس درندہ صفت جانور کو صفحہ ہستی سے مٹادیں ''۔

'' میں چوراسی سال کا ہوں ''۔ فادر ارنوگا نے کہا۔ '' لیکن میں لالٹین لے کر گرجا گھر کی سیڑھیوں پر کھڑا رہوں گا۔ جب وہ جانور سرپٹ چال سے دوڑتا ہوا وہاں سے گزرے گا تو میں چلا کر خبردار کردوں گا۔ ''

'' فادر۔ ! '' اوٹیو چلایا۔ '' یہ ہوئی مردانگی۔ ''

'' کیا مجھ میں مردانگی نہیں ہے؟ فرنینڈیز بولا۔ '' میں بھی مردانگی دکھلانا چاہتا ہوں لیکن کیا بتاؤں کل دوپہر کی بس سے چلا جاؤں گا۔ مچھلی مارنے کی نوکری بھی مجھے اس وقت ہی ملنے کو تھی۔ ''

'' بزدل، غدار کہیں کا۔ ہم تمہیں بھاگ کر نہیں جانے دیں گے۔ آج ہی رات کو جانور کی تلاش شروع کردیں گے۔ '' اوٹیو ڈپٹ کر بولا۔

'' لیکن ایک بات ہے۔ ہم ہی کیوں، لٹل بریک فاسٹ میں سینکڑوں ایسے لوگ ہیں جو ہم سے کہیں زیادہ موٹے تازے ہیں۔ انہیں کیوں نہ اس جانور سے بھڑا دیا جائے؟ '' پرفیڈیس نے کہا۔

'' نہیں ہم گاؤں کے نیتا اور رہبر ہیں۔ ہم خود ہی آگے بڑھیں گے۔ '' اوٹیو بولا۔ پھر اس نے پرفیڈیس سے پوچھا۔ '' آپ کے پاس پستول ہے؟ ''

'' پستول نہ ہو تو میرا ہوٹل ہی نہ لٹ جائے۔ ''

'' مسٹر فرنینڈیز آپ کے پاس؟ ''

'' کہنا ہی پڑے گا کہ میرے پاس بھی ہے۔ ''

'' تب ٹھیک ہے ۔ میرے پاس بھی ایک پستول ہے ۔ میری بیوی کے پاس جو پستول ہے وہ میں فادر ارنوڈ کو دے دوں گا ۔ اندھیرا ہوتے ہی ہم اس شیطان کی تلاش میں نکل پڑیں گے ۔ ''

فادر ارنوڈ اپنے قول کے مطابق گرجا گھر کی سیڑھیوں پر لالٹین لیے کھڑا ہو گیا اور دوسرے تین سربراہ اندھیری گلیوں میں پستول تانے نکل پڑے ۔ گلیوں میں کچھ نہ دیکھ کر وہ چھوٹے چھوٹے مکانوں کے بغل اور پچھواڑے کے کھیتوں کی طرف بڑھے ۔

ایک جگہ تاڑ کے پتوں کا گٹھڑ پڑا ہوا تھا ۔ اس پر ڈرتے ڈرتے چڑھتے ہوئے لوئیو نے دھیمے لہجے میں برفیڈس سے کہا ۔ '' اتنا اندھیرا ہے کہ کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا ۔ ''

تبھی تاڑ کے پتوں کا گٹھڑ اس طرح سے اچھلا جیسے طوفان میں سمندر کا پانی اچھلتا ہے ۔ کیونکہ اس کے نیچے پڑے ہوئے مگرمچھ نے کروٹ لی تو اپنے بڑے بڑے ہیبتناک جبڑوں کو بھینچا ۔ چیخ مارتا ہوا لوئیو اچھل کر ایک طرف بھاگا اور گھبرا کر اپنے چاروں طرف بے ترتیب اور بلا وجہ گولیاں چلانے لگا ۔ ایک گولی خود اس کے جوتے میں لگ گئی جس سے اس کے تلے میں چھید ہو گیا ۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جانور نے اس کے گوشت میں اپنا دانت گھسا دیا ہے ۔ '' ہائے میں مر گیا ۔ ہائے اب تو نہیں بچوں گا ۔ '' چلاتا ہوا سچ مچ ہی وہ رونے لگ پڑا ۔

اگلے دن پتہ چلا کہ گولی لگ جانے سے اس کے پاؤں کی ایک چھوٹی انگلی بھی اڑ گئی تھی ۔

برفیڈس نے اس سے مذاق کرتے ہوئے کہا ۔ '' یار فکر مت کرو ۔ انگلی اڑ گئی تو اڑ جانے دو ۔ وہ تھی بھی کس کام کی تم نے کبھی اس سے کام لیا تھا ۔ ''

'' اور جہاں تک تمہارے جوتے کے تلے میں چھید ہوجانے کا سوال ہے ۔ '' فرنینڈیز بولا ۔ '' موچی بغیر کسی خاص دقت کے اسے ٹھیک کردے گا ۔ ''

لیکن لوئیو گمبھیر اور پریشان تھا ۔ سنجیدگی کے ساتھ اس نے کہا ۔ '' مان لیجئے اس جانور سے لوہا لیتے وقت ہم سے کوئی بھی کام آجاتا ہے تب لٹل بریک فاسٹ میں چار کے بجائے تین ہی عقلمند رہ جائیں گے ۔ اور مان لو کہ اگر ہم چاروں کو ہی وہ کھا گیا تب اپنے اس پیارے گاؤں کا کیا ہوگا ؟ گنوار گروسیا جیسے بےایمان اور مکار لوگ اس کے نیتا بن جائیں گے ۔ ''

فرنینڈیز نے سر ہلاتے ہوئے جواب دیا ۔ '' بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ ۔ بہادری دکھانے کے نشے میں ہمیں عوام کی بھلائی کا خیال نہیں رہا تھا ۔ ''

خوش قسمتی کی بات تھی کہ برفیڈس ایک جنس تھا اور دبلا آدمی ہونے کے ناطے سے نئے نئے خیال اس کے دماغ میں آیا کرتے تھے ۔ اچھل کر وہ بولا ۔ '' دوستو آ گیا مردم خور پکڑنے ۔ ''

'' جلدی بتاؤ ۔ کیونکہ ہم عجیب مصیبت میں پھنسے ہیں ۔ '' فادر ارنوڈ نے کہا ۔

'' بھائیو ۔ '' برفیڈس بولا ۔ '' اس آدمی کو بھی میں نے پکڑ لیا ہے جو ہمارے لئے اس ساری الجھن کو حل کرسکتا ہے ۔ وہ ہے کم بخت گروسیا ۔ ''

گروسیا لٹل بریک فاسٹ کا سب سے لمبا ، سب سے موٹا ، سب سے کمینہ ، سب سے زیادہ لالچی اور سب سے زیادہ امیر آدمی تھا ۔ بے ایمان بھی وہ پرلے درجہ کا تھا ۔

'' گروسیا سے تمام نفرت کرتے ہیں اور تمام لوگ اس سے ڈرتے ہیں ۔ اس سے بڑھکر گناہگار دوسرا کون ہوسکتا ہے ۔ اس لئے اسے ہی اس خونخوار جانور سے بھڑا دو ۔ اگر مارا جاتا ہے تو گاؤں کے لوگ اسے بیس فیصدی سود دینے سے بچ جائیں گے اور لٹل بریک فاسٹ سے ایک گناہگار کم ہو جانے سے یہ بھی پورے طور پر معلوم ہوجائیگا کہ کوئی فوق الفطرت روح یا کوئی بہت نیک سیرت روح حقیقت میں گناہگاروں کا خاتمہ کرنے کے لئے جانور کا روپ اختیار کرکے آئی ہے یا یہ صرف ہمارا وہم ہی ہے ۔

چاروں سیاست داں گروسیا کے پاس پہونچے ۔ ان کی بات سن کر وہ بولا ۔ '' واہ کتنی واہیات بات ہے کہ آپ لکھے پڑھے ہو کر بھی توہمات پرستی کے قائل ہیں اور ایسی فضول باتوں پر یقین رکھتے ہیں ۔ ''

'' ہم لوگ ہی نہیں بلکہ گاؤں کے تمام مرد و زن وشواس کرتے ہیں ۔ ''

فرنینڈیز نے کہا ۔ '' گاؤں والے سمجھتے ہیں کہ آپ گناہگار ہیں ۔ اس جانور کا سامنا کرکے آپ ان کے اس خیال کو غلط ثابت کردیجئے ۔ ''

گروسیا کو تاؤ آگیا ۔ وہ بولا ۔ '' اپنی دو نالی بندوق سے میں اس خونخوار جانور کو اڑا دوں گا ۔ وہ کچھ نہیں صرف ایک بکرا ہے ۔ آپ لوگ کان کھول کر سن لیجئے میں اس بکرے کا گوشت بھون کر کھاؤں گا ۔ ''

اگلی رات کو آدھا لٹل بریک فاسٹ سڑک کے ایک سرے پر کھڑا ہوگیا اور آدھا دوسرے سرے پر ، جہاں سڑک سارے گاؤں کا چکر لگانے کے بعد ختم ہوتی تھی ۔ پرفیڈیس ہاتھ میں گیس کی بتی لے کر کھڑا ہوگیا ۔ آج اس کے ہوٹل میں اچھی بکری ہورہی تھی ۔ لوگ قہقہے لگاتے ہوئے شراب پینے میں لگے ہوئے تھے ۔ ہاتھ میں بندوق لیکر گروسیا باہر نکلا تو چاروں طرف خوشی کے نعرے گونج اٹھے ۔

'' آپ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں اسکی مجھے قطعی پرواہ نہیں ۔ دیکھئے اب میں سینہ تان کر آگے بڑھتا ہوں ۔ '' اس نے بھیڑ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور بےدھڑک اندھیری سڑک پر چل دیا ۔

بھیڑ میں سناٹا چھا گیا ۔ پرفیڈیس اپنی گھڑی پر نگاہیں جمائے رہا ۔ بیس منٹ گاؤں کو پار کر کے سڑک کے سرے پر پہونچنے کو کافی تھے ۔ اس لئے اس نے اونچے لہجے میں وہاں کھڑی بھیڑ سے پوچھا ۔ '' کیا گروسیا وہاں پہنچ گیا ہے ؟ ''
'' ابھی نہیں ، ابھی نہیں ۔ '' وہاں کھڑے لوگوں نے جواب دیا ۔

'' تب وہ وہاں کبھی نہیں پہونچے گا ۔ '' چلا کر پرفیڈیس نے کہا ۔ '' جان بچا کر اپنے اپنے گھر بھاگو ، نہیں تو مارے جاؤ گے ۔ ''

صبح لوگوں نے دیکھا کہ سڑک کے بیچوں بیچ چودہ فٹ کے ایک مگر مچھ کی لاش پڑی تھی ۔
'' تو یہ ایک مگر مچھ تھا جو لعازس کو بھی ہضم کر گیا ۔ '' کچھ لوگوں نے کہا ۔

دقیانوسی خیالات کے لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا ۔ '' لیکن اپنے گاؤں میں کبھی کسی نے مگر مچھ نہیں دیکھا ۔ یہ مگر مچھ آ کہاں سے گیا ؟ شاید یہ جانور جنت سے بھیجی گئی کسی بہت بڑی روح کا اوتار ہے جو گناھگاروں کا خاتمہ کرنے لٹل بریک فاسٹ کی سر زمین پر آگیا ہوگا ۔ ''

دھواں دھار بحثیں ہونے لگیں ۔ ایک دو بار تو آپس میں مکہ بازی تک کی نوبت پہونچ گئی ۔ آخر میں گاؤں کے لوگ فادر ارتوگا کے پاس پہونچے ۔ فادر نے انہیں آتا دیکھ کر آنکھیں موندھ لیں ۔ لوگ سمجھے کہ وہ کسی روحانی طاقت کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ لیکن وہ تو دل ہی دل میں دعا پڑھ رہا تھا ۔ '' اے یسوع مسیح تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے مجھے پوپ نہیں بنایا ۔ پوپ بن جانے پر روز ہی اس طرح کی پیچیدہ گتھیاں سلجھانا پڑتی ہیں ان کا سامنا میں کیسے کر سکتا ہوں ۔ ''

آنکھیں کھولتے ہوئے فادر ارتوگا نے اونچے لہجے میں کہا ۔ '' یہ مگر مچھ حقیقت میں ایک مگر مچھ ہی ہے ۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خداوند کریم نے ہمیں سچائی کی راہ پر چلنے کے لئے کہ گناہ کبھی نہیں پھلتا کسی پیر پیغمبر کی پاک روح کو مگر مچھ کے روپ میں بھیج دیا ہوگا کہ ہم لوگوں کی اصلاح ہو سکے ۔ ''

'' کیا آج تک کبھی کسی پیر پیغمبر کی روح نے مگر مچھ کا اوتار لیا ہے ؟ ''

'' بڑی بڑی نیک طینت اور پارسا روحوں کے لئے یہ سب کچھ ممکن ہے ۔ وہ جس روپ میں چاہیں اس زمین پر اوتار لے سکتی ہیں ۔ مجھے کچھ کچھ یاد آتا ہے کہ تیسری یا چوتھی صدی میں '' اونولائنٹس '' نام کے ایک پہونچے ہوئے مرشد تھے جو روم کے باہر دلدل میں رہا کرتے تھے ۔ وہ اڑتے ہوئے رتھ میں سواری کرتے تھے ، جس میں چار مگر مچھ جتے ہوتے تھے ۔ '' فادر ارتوگا نے دور کی کوڑی لاتے ہوئے کہا ۔

'' تب طئے ہوا کہ مہاتما اونولائنیس کا اوتار ہوا ہے ۔ لعازس کی ماں نے چلا کر کہا ۔

بھیڑ نے مردہ مگر مچھ کو عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنے اپنے ٹوپ اتار لئے مگر مچھ کی کھال نکال لی گئی اور اس کی لاش دھوم دھام کے ساتھ دفنا دی گئی ۔ کھال کو مصالحے اور روغن سے پکایا گیا اور گرجا گھر میں لوگوں کے دیکھنے کے لئے رکھ دیا گیا ۔

اب لٹل بریک فاسٹ کے گرجا گھر میں رنگین پلاسٹر کی ایک مورتی بنی ہوئی ہے اور داخلہ کے دروازے پر سنہرے الفاظ میں لکھا ہوا ہے ۔ '' مہاتما اونولائنیس جنھوں نے لٹل بریک فاسٹ میں اوتار لیا تھا ۔ ''

لٹل بریک فاسٹ کے آدمی ، عورتیں اور بچے اب شریف بن گئے ہیں اور صاف ستھرے رہنے لگے ہیں ۔ عورتوں کے بارے میں مردوں کا زاویہ نگاہ بدل گیا ہے پہلے مسز لوبیز جیسی سندر اور سڈول عورت کو سڑک پر جاتے دیکھ کر پرفیڈیس اور کیٹو کہہ اٹھتے تھے ۔ '' کیا خوب نئے ماڈل کی بےنظیر خوشنما موٹرگاڑی ہے ! '' لیکن اب مسز لوبیز کو سڑک پر اپنے جوتے سے کنکر نکالنے کیلئے جھکتے ہوئے دیکھ کر او کہتو کہتا ہے ۔ '' سمندر ہوا کے چلنے سے جس طرح تاڑ کا پیڑ جھکتا ہے ، مسز لوبیز بھی اسی طرح سندر انداز میں جھک گئی ہے ۔ '' اور پرفیڈیس جو چاہتا تھا کہ مسز لوبیز اس سے شادی کرلے اب آہ بھر کر کہتا ہے ۔ '' نارنجی سلیکس پہنے مسز لوبیز کا شباب سمندر کے نیلگوں پانی پر چھائی ہوئی سورج کی سرخی کی طرح میری آنکھوں میں سما

گیا ہے۔ جنت سے اتری اس خوبصورت پا دیزہ حور کو میرا تہہ دل سے سلام ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ،،

اس طرح لٹل بریک فاسٹ کو گناہوں سے نجات مل گئی بے بنیاد باتوں پر یقین کر کے اور غیبی قوتوں سے خوف کھا کر

ہم کس طرح بزدل بن جاتے ہیں اور پھر ایسی اندھی عقیدت کا سہارا لے کر ہم اپنی زندگی کا رخ موڑ کر شریف انسان بن جاتے ہیں ۔

(جارج سمزالبی کی کہانی سے)

* * * * * *

جمیل ظہیر

غزل

دینے کو درس منزل عرفاں سے آئے ہیں
کچھ لوگ گلستاں میں بیاباں سے آئے ہیں

وہ حوصلے کہ جن کو خوش آئند کہہ سکوں
وہ بھی وجود میں غم پنہاں سے آئے ہیں

ظلمت کو دور کرتے تو کیا کچھ دیئے مگر
احساس ظلمتوں کے چراغاں سے آئے ہیں

کچھ اور اے زمین بڑھا دامن پناہ
ہم نامراد عالم امکاں سے آئے ہیں

جذبوں کے پیچ و خم سے رہ بے نیاز تک
ہم مختلف مراحل عرفاں سے آئے ہیں

ارض و سما ہی مورد الزام تو نہیں
یہ حادثے غم دل انساں سے آئے ہیں

کچھ طول انہیں کو دیتے ہیں شام و سحر جمیل
لمحات جو بکھر کے دل و جاں سے آئے ہیں

* * * * *

محمد عبدالقادر ادیب

اقبال

رنگ اقبال ستاروں کی ضیاء ہے کہ دھنک
کہکشاں پھوٹ پڑی ہے کہ دمکتا ہے فلک

نور سیال ہے یا ماہ درخشاں کی چمک
حسن پرواز تخیل پہ فدا حور و ملک

جس کے ہر شعر میں پوشیدہ ہے اعجاز حسین
جسکی ہر لئے ہے صدائے جرس عرش بریں

دشت و صحرا میں مجاھد کی اذاں ہے کہ دعا
جیسے بھٹکے ہوئے واعظ کو ملے اس کا پتا

سنگ خارا سے ابلتے ہوئے چشمے کی صدا
جسکی ہر ضرب کلیمی سے لرزتی ہے فضاء

ضرب پیہم سے فشاں مٹنے لگا غفلت کا
ملک اور قوم کو احساس ہوا عظمت کا

علم و حکمت کے خزانوں کو لٹایا تونے
بزم افکار کو رنگین بنایا تو نے

درد و احساس کی شمعوں کو جلایا تونے
نغمہ رنگ وفا ساز سنایا تو نے

غم کی زنجیر پگھلتی ہی گئی آھوں سے
فکر واقف ہے تخیل کی گذرگاھوں سے

کون کہتا ہے کہ ہم فکر سے سرشار نہیں
کون کہتا ہے کہ ہم حق کے طرفدار نہیں

کون کہتا ہے کہ ہم تیرے طلبگار نہیں
کون کہتا ہے کہ اقبال سے کچھ پیار نہیں

ہم کو ہر زہر کا تریاق بنایا تونے
سونے والوں کو محبت سے جگایا تونے

شعر و حکمت کا چھلکتا ہوا مہتاب ہے تو
پیر رومی کی تمناؤں کا اک خواب ہے تو

نور و نکہت کا دمکتا ہوا مہتاب ہے تو
ہر نئے دور کی تاریخ کا اک باب ہے تو

غار ہستی کے اندھیروں سے نکالا ہم کو
اور آداب سحر تونے سکھایا ہم کو

* * * * *

اسلم عزیز مالیگانوی

سکھ کی سانسوں کا ارمان

زندگی مختصر ، چار دن کا سفر
کبھی الفت کا گھر

کبھی کانٹوں کا بن
آس منزل کی بھی

کس قدر جاں گسل
مضطرب کر رہی
دل کو گرما دیا

کونسی بات ہے جس نے تڑپا دیا
سکھ کی سانسوں کا ارماں

پیار کا ایک جہاں
اک گلستاں کی خواہش

کہ جس میں سدا

پیار کے گیت پنچھی سناتے رہیں
اور یوں ساز راحت بجاتی رہے

پھول خوشیوں کی خوشبو بسائے ہوئے
ہر دل و جاں کو مسرور کرتی رہے

ہاں ، یہی اک تمنا میں جیتے رہے
اور حسرت یہی لیکے مرتے رہے

* * * *

گورنر آندھرا پردیش شریمتی شاردا مکرجی نے ۲۹ - مئی کو وشاکھاپٹنم کے قریب سوولاواری پالم میں ٹاؤن پلاننگ ٹرسٹ کی جانب سے تعمیر کئے جانے والے ہاؤزنگ کمپلکس کا سنگ بنیاد رکھا۔

شریمتی شاردا مکرجی گورنر نے ۲۴ - مئی کو ویزاگ پورٹ کمپلکس کا معائنہ کیا ۔

خبریں

تصویروں میں
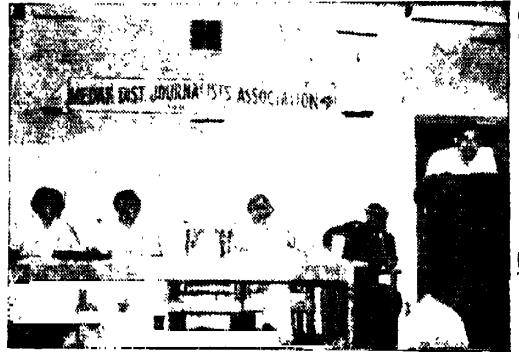
شری ای ۔ اے ۔ ایس شرما کلکٹر میدک نے ۱۶ - مئی کو ڈسٹرکٹ جرنلسٹس اسوسی ایشن کی جانب سے منعقد کردہ کلچرل پروگرام میں ایک میٹنگ کو مخاطب کیا ۔

گورنر شریمتی شاردا مکرجی نے ۲۰ - مئی کو وشاکھاپٹنم پورٹ ایمپلائز ریسٹ ہاؤز کا سنگ بنیاد رکھا ۔

مکتوبات شہباز

(بنام سید محمد آزاد)

از — سید صابر حسن — شعبہ اردو
(ایس - ایل - کے کالج
سیتامڑھی (بہار)

تمہید

سید محمد عبدالغفور شہباز مولف '' زندگانی بےنظیر ،، اور نواب سید محمد آزاد مولف '' نوابی دربار ،، و '' خیالات آزاد ،، اردو دنیا کی دو ناقابل فراموش شخصیتیں ہیں ۔ دونوں ہم عصر و ہم صوبہ تھے، ان دونوں میں پہلے تو ادبی دوستی کا رشتہ قائم ہوا پھر بہ ترقی کرتے کرتے ایک استوار وابستگی کی شکل اختیار کر گیا، یعنی دونوں میں رشتہ مصاہرت قائم ہوا ، شہباز کی منجھلی صاحبزادی بشری بیگم کی شادی آزاد کے بڑے بیٹے سیدعلی حسن سے سنہ ۱۹۰۰ ع میں ہوگئی تھی ۔ اگرچہ آزاد سن میں شہباز سے تھوڑا بڑے تھے ۔ لیکن ادبی دوستی کے زمانے میں دونوں میں ہم مزاج اور ہم خیال ہونے کے سبب قدرے بےتکلفی پیدا ہوگئی تھی ۔ آزاد ڈپٹی کلکٹری کے عہدہ پر فائز تھے جو ان کے زمانے میں بہت معزز سمجھا جاتا تھا، شہباز مالی اعتبار سے شروع میں بہت پریشان حال تھے ، آزاد انکی مدد کیا کرتے تھے ، شہباز اس لحاظ سے دوست کے علاوہ آزاد کو اپنا محسن اور سرپرست سمجھتے تھے ۔

شہباز مرحوم کے لکھے ہوئے خطوط کا بڑا ذخیرہ میرے پاس محفوظ ہے۔ یہ خطوط مختلف لوگوں کے نام لکھے گئے ہیں ، میں نے ان مکتوبات کو مطالعہ کر کے اور ترتیب دے کر وقتاً فوقتاً رسالوں میں شائع کرانے کا ارادہ کیا ہے کیونکہ ان خطوط کے ذریعہ بہت سے قیمتی معلومات حاصل ہوتے ہیں ۔

شہباز کی مکتوب نویسی بھی اپنی جگہ پر خاص اہمیت رکھتی ہے ، وہ غالب کی خطوط نگاری کی طرح ادبی شان کی حامل ہے ، شہباز کے خطوط میں بھی بے تکلفی ، صفائی ، سادگی ، شوخ نگاری ، بذلہ‌سنجی ، مکالماتی انداز اور عام بول چال کی زبان موجود ہے ، جو غالب کے مکاتیب کا طرۂ امتیاز ہے ، ذیل کے خطوط شہباز نے آزاد کے نام لکھے تھے ، ان کو پڑھنے ، بعض مقامات کی تشریح کرنے اور گذری ہوئی شخصیتوں کے متعلق جن کے نام ان خطوں میں آئے ہیں معلومات فراہم کرنے میں پروفیسر سید حسن صاحب سابق صدر شعبہ فارسی پٹنہ یونیورسٹی اور صوبہ بہار کے مایہ‌ناز محقق جناب قاضی عبدالودود صاحب سے خاصی مدد ملی ہے ۔

شہباز کے مندرجہ ذیل خطوط سے چند اہم باتیں دریافت ہوتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ انکی مالی حالت غیر تشفی بخش تھی اور وہ تلاش روزگار میں سرگرداں رہتے تھے ، اس سلسلے میں وہ آزاد کے علاوہ دیگر بارسوخ و ذی‌اقتدار شخصیتوں کی طرف بھی رجوع کرتے تھے ۔ آزاد سے انکی گہری دوستی تھی اور وہ نجی معاملات میں ان سے مشورے کرتے تھے ، دوسری طرف آزاد جو مضامین اخبار یا رسالوں کے لئے لکھتے تھے ، شہباز ان پر نظرثانی اور ان میں ترمیم و تنسیخ بھی کرتے تھے ، '' خیالات آزاد ،، کی تدوین و اشاعت میں شہباز نے خاص محنت کی تھی اور اس کے طبع ہونے پر اسے فروخت کرنے کیلئے اپنے عہد کے نامور ادیبوں سے اس کتاب پر تبصرہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان خطوط میں کلکتہ ، پٹنہ اور حیدرآباد کے بعض مقتدر اشخاص کے نام بھی آئے ہیں ۔ ان کے بارے میں جہاں تک معلومات حاصل ہو سکے ہیں حاشیہ میں تحریر کردئے گئے ہیں ، ان خطوں میں مختوم بہ تائے عربی ہیں جو بجنسہ ویسے ہی نقل کردئے گئے ہیں ان کو لمبی ' ت ، میں تبدیل نہیں کیا گیا ہے ۔ بعض دوسرے الفاظ کا املا بھی جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے ۔

کہیں کہیں فارسی ، عربی اور اردو کے شعر اس طرح استعمال کئے ہیں جن سے تحریر میں ایک دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔ بعض بعض مقامات پر جملے کی مناسبت سے انگریزی الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں ۔ محاوروں کو بھی بڑے سلیقے سے کھپایا ہے ۔

اب ناظرین کی دلچسپی کی غرض سے شہباز کے خطوط کی نقلیں ذیل میں پیش کی جاتی ہیں ۔

مکتوب نمبر ۱

بیکنٹ پور - ضلع پٹنہ
مورخہ ۱۶ - اکٹوبر، سنہ ۱۸۸۰ع

وصف سلام میں کہ جانب دوست سے زبانی آیا

یا سلام خدایگان سمجھوں * یا اسے گنج شایگان سمجھوں
یا تمھیں فرض کر کے دل کی جا* جانب دل سے ارمغان سمجھوں
یاخوداپنے کو کر کے بےجان فرض*یاری خضرو عودجان سمجھوں
یا بہار ارم خیال کروں * با گل روضہ جنان سمجھوں
با بیان خلوص و الفت کو * شاعروں کی اسے زبان سمجھوں
لذت حس کو یا اسے دل میں * اتلس از روئے نعبان سمجھوں
سن کو شانہ صندلیں جانوں * لام کو زلف حوریان سمجھوں
*یا کہ دونوں هی سین ولام کو میں *سینہ میں دل کی جانہاں سمجھوں
جو کہ حامل سلام کا هے اسے * مہدی آخرالزماں سمجھوں
قدر اس لطف خاص کی شہباز*لا نہ سمجھوں مگر کہاں سمجھوں

سید صاحب کو شہباز سست پرواز کا سلام نیاز - کل جناب شاہ مہدی حسین صاحب جن کی سرکار میں میں نوکر هوں تشریف لائے فرمانے لگے کہ تجھے جناب سید محمد خاں صاحب ڈپوٹی کلکٹر مظفرپور نے سلام کہا هے - میں تو سمجھا تھا کہ اب کونسہ خاطر مخدوم میں اس عاصی کو جگہ نہ هوگی لیکن اس سلام سے معلوم هوا کہ نہیں هنوز آپ کی عطوفت بحال خود هے اس خیال سے مجھے کمال سرور هوا اور تقاضائے سرور تھوڑے اشعار وصف سلام میں انشا هوگئے جو سر نامہ پر درج هیں -

گر قبول افتد زهے عز و شرف

چوں کہ میں جانتا هوں کہ ان دنوں آپ کو هجوم کار بہت هے ایک دو سطر کا دیکھنا بھی ناگوار هونا هوگا جواب کا تو مذکور هی کیا لہذا مختصر کرتا هوں اور متقاضی جواب نہیں هوں - جی چاهے تو ایک غزل بھی سن لیجئے یہ غزل گویا میرا اخیر کلام هے کیوں کہ اب میں نے فضول شعر گوئی سے جس میں عام عاشقانہ غزلیں فحش مثنویاں اور لچے واسوخت داخل هیں توبہ کرلی هے -

غزل یہ هے

وہ کیا جو دل پہ زلف گرہ گیر سے نہ هو
اس سے وہ هو جو لاکھوں هی زنجیر سے نہ هو

نابابی صنم نے دبا هے یہ اشتہار
شرمندہ بے سبب کوئی تدبیر سے نہ هو

لاکھ آفتاب بھی نکل آئیں مگر سحر
شام فراق شامت تقدیر سے نہ هو

معمول میں بہت برکت هے خدا نے دی
مایوس آہ و نالہ کی تاثیر سے نہ هو

کیا جانے وہ فروغ معانی کو جو کبھی
واقف زبان شمع کی تقریر سے نہ هو

ناز عمل هے ساز و نوائے متاع یاس
تا آں کہ ذوق حسرت تقصیر سے نہ هو

مقدار ذوق مرگ جو سمجھے تری حسام
بے دم لئے جدا کبھی نخچیر سے نہ هو

یوں دھوم هے یہ عاشق نالاں کے سامنے
اک نالئہ حزیں بھی بم و زیر سے نہ هو

عشق بتاں و ذکر خدا کچھ بھی ربط هے
تعمیر دل مکاں کی تعمیر سے نہ هو

پرواز مرغ روح کو پروا بھی یاں نہیں
بہتر اگرچہ لطف پر تیر سے نہ هوئے

بھر لے کے اس کو عاشق مشتاق کیا کرے
پیدا ادا هی جب تری تصویر سے نہ هو

پھر کس لئے نہ هم کو میسر هو وصل یار
باهر اگر احاطہ تقدیر سے نہ هو

یوں اتفاق صحبت جاناں پڑے کہ پھر
مضمون آشنا کبھی تحریر سے نہ هو

عمر طویل پھر بھی هے شہباز ساز مرگ
منع خزاں بہار کی تاخیر سے نہ هو

---

* لام کے بحساب جمل ۳۰ هوتے هیں یعنی سی اور سینہ میں نہاں هے علی هذا سین میں

جناب منصف صاحب ان دنوں اپنے وطن (بارو) میں تشریف رکھتے ھیں - ان کی لڑکی کی اسی تعطیل میں شادی ھونے والی ھے - ابھی تک مجھے تعیین تاریخ کی اطلاع نہیں ھوئی - عجب نہیں کہ اس تقریب میں میرا جانا بھی ھو -

اگر بار خاطر نہ ھو تو اس کا جواب براہ لطف عنایت ھو میں پہلے بھی پوچھ چکا ھوں اور اب پھر دوبارہ پوچھتا ھوں کہ آپ کی (Famliy) یعنی حلیہ جلیلہ کہاں تشریف رکھتی ھیں ساتھ ھیں یا وطن میں ھیں - اگر وطن میں ھیں تو ساتھ کیوں نہیں رکھتے - جوان آدمی کا مجرد رھنا غضب ھے ! والسلام

عبدالغفور

مکتوب نمبر - ۲

نمبر ۱۳ تالتلا بازار اسٹریٹ کلکتہ
مورخہ ۲ - جون ، سنہ ۱۸۸۳ ع

محبی المعظم دام فضلکم

بعد تسلیم گزارش یہ ھے کہ الحمدللہ آپ کے فیض سعی سے نواب صاحب کی توجہ پھر پہلے کی طرح میرے حال شکستہ پر مصروف ھوئی - اور چند مہربانی آمیز کلمے جو انہوں نے کل شام کے وقت ارشاد فرمائے وہ ایسے امید افزا ھیں کہ بیان سے باھر -

میں نہایت نادم ھوں کہ اس اثنا میں میری وجہ سے آپ کا وقت ضائع ھوا مگر جب آپ کی محبت و دوستی پر وثوق کرتا ھوں تو اس ندامت کا وزن کسی قدر کم ھوجاتا ھے اور سمجھتا ھوں کہ آپ اپنے وقت کے کسی قدر ضائع ھونے سے ناخوش نہ ھونگے درحالیکہ آپ کے دوست کا اس کی وجہ سے کام نکل گیا ھو - کل نواب صاحب نے شام کو بلا کر سارا حال کہا کہ تم نے یوں کیا ووں کیا - میں نے معذرہ کی اور معافی چاھی - پھر انہوں نے فرمایا کہ استقلال سے رھنا چاھتے ھو یا نہیں - میں نے کہا اسی نظر سے تو میں آیا ھی تھا مگر وسط میں بعض وجوھات سے مجبور رھا اور غیر حاضری کی نوبت آئی - مجھے امید ھے کہ آپ ان امور ماسلف سے درگزر فرمائیں گے اور مجھے سابق کی طرح پھر اپنا مطیع فرمان تصور کریں گے - یہ بھی امید ھے کہ ممکن ھے بسبب ناتجربہ کاری پھر بھی کوئی خطا سرزد ھو اس وقت حضور کو چشم پوشی کر کے اصلاح کرنی ھوگی کیوں کہ میں کلکتے میں فی الواقع حضور ھی کے اقبال کے سائے تلے ھوں - اس پر بہت نرم ھوئے اور آخر التفات کی باتیں کیں اور گویا کل سے میں پھر اپنے کام پر مامور ھوگیا اور اب کسی طرح کا کھٹکا نہیں ھے - چوں کہ یہ میری غائتہ خوشی کا باعث ھے کیوں کہ یقین جانئے دو مہینے سے زندگی خوش نہ آتی تھی لہذا میں آپ کو اپنی خوشی تازہ کی مبارکباد دیتا ھوں - آپ سے اس خصوص میں جو گفتگو ھوئی وہ البتہ کسی قدر بےمزہ تھی اور آپ کو بےشک کسی قدر ناگوار گزری ھوگی - اس واسطے میں نہایۃ الحجا کے ساتھ خواستگار عفو ھوں -

میں نے نواب صاحب سے سنا تھا کہ آپ کے پاؤں کو سخت چوٹ آئی - ٹمٹم پر سے گر گئے تھے - مگر اب میں امید کرتا ھوں کہ بفضلہ آرام ھوگیا ھوگا -

یہاں ھر طرح خیریۃ ھے - امیدوار ھوں کہ کبھی کبھی اپنی خیریت سے ضرور مطلع فرماتے رھیں کہ دل کو تسکین ھو اور شاخ محبت کی تروتازگی میں خلل راہ نہ پائے - والسلام

عبدالغفور -

مکتوب نمبر ۳

باڑہ قاضی معین الدین چک
مورخہ ۱۶ - جون ، سنہ ۱۸۸۵ ع

جناب سید صاحب - تسلیم - نامہ گرامی رقمزدہ ۵ ، - جون ، شرف ورود لایا - مفصل حالات معلوم ھوئے - اس عنایۃ کا شکریہ جس قدر ادا کروں بجا ھے - تاخیر جواب سے مجھے انواع قسم کے اوھام ھوتے تھے مگر بارےسوا حدیۃ المرضی کے اور کوئی سبب نہ تھا - محمدھاشم صاحب سے اڑتی سی یہ خبر معلوم ھوئی تھی کہ آپ کے لئے کلکٹر ضلع نے رپورٹ بھی کی تھی لیکن مضمون کہاں کا جانا مناسب نہیں اس لئے کہ ... نے احمد* وغیرہ جونیروں کو اس مقام میں کام نہیں اس سے ایسا گمان ھوتا تھا کہ شاید آپ رہ جائیں بہرحال یہ انقلاب سخت افسوس کے قابل ھے خصوصا میرے لئے کہ ایک دوست وہ بھی دوست مخلص کے اپنے ضلع میں رھنے سے بڑی تقویۃ تھی - لیکن یہ خوشی کیا کم ھے کہ اس زمانہ قلیل میں آپ نے اس قدر نیک نامی حاصل کی - کوئی شخص نا کی و ناراض نہیں - آپ کے کثرۃ سے ادل بدل ھوتے رھنے کے سبب ذھن ناقص میں یوں آتا ھے کہ چونکہ سادہ آپ میں بہت ھی عمدہ ھے جس کو حکام اعلی بھی آپ کے بعض سرپرستوں کے واسطے سے جانتے ھیں لہذا ان کو منظور ھے کہ آپ کو نیکنامی کے ساتھ کسی اعلی درجہ کو پہنچائیں مگر تاوقتیکہ عملاً بھی امتحان نہ کر لیں ممکن نہیں کہ

(*) باڑھ کے نواب امیرعلی کے بیٹے تھے - شروع میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ھوئے اور پھر آخر میں ترقی کرتے کرتے اکسائز کمشنر کے عہدے پر فائز ھوئے - ا

بے سمجھے بوجھے کسی شخص کے کہنے پر گورہ یورپین ھی کیوں نہ ھو رتبہ بلند کو پہنچادیں اس لئے بڑے بڑے معرکہ آرا مقاموں میں بھیج بھیج کر آپ کی قابلیۃ انتظامی اور قوۃ انفصالی کو دیکھتے اور دریافت کرتے ھیں ورنہ اس کا کیا باعث کہ آپ جیسے جونیر شخص کو علی پور میں تعینات کریں ھگلی بھیجیں پٹنے کا ایک با اقتدار مقام عنایۃ کریں ـ ایسے ایسے اھم اور ضروری مقاموں میں آپ جیسے جونیروں کے لئے قدم رکھنا بھی باعث امتیاز ھے چہ جائے کہ کچھ دنوں رھنا اور نیکنامی کے ساتھ بےداغ وھاں سے فرصۃ پانی ـ خلاصہ یہ کہ کثرۃ تبادلہ سے آپ ملول نہوں اسکی آڑ میں مجھے ایک نہایۃ امید افزا مستقبل (Future) نظر آتا ھے خدا ھمچنیں کند ـ جس وقت میں نے مالدہ کو اس پہلو سے اپنے حجرۂ دماغ میں جلوہ گر دیکھا کہ وہ منبع انبہ ھے اس کے اطراف و جوار میں بڑے بڑے تاریخی مقامات ھیں اس کے چوگرد طبعی کیفیتیں نہایۃ لطف انگیز ھیں اس کی سن سان ادا شاعرانہ طبیعتوں کو نہایۃ راس ھے تو طبیعۃ بھر بھرا اٹھی اور بے اختیار جی چاھا کہ اپنے کو کسی طرح وھاں پہنچاؤں اور شکم پروری علم پرستی بہار پسندی خلوۃ نشینی فکرسخن وغیرہ کو پوری نشوونما اور آزادانہ ترقی کا موقع دوں مگر اپنی عام صحۃ کی متزلزل حالۃ مالی حالۃ کی ردی کیفیۃ نے سخت عنان گیری کی ـ کاش میں صحیح و توانا اور قدر ضرورۃ سے کچھ زیادہ فارغ و مرفہ الحال ھوتا تو کب کا آپ کے بن باس میں شریک ھو کر ایسا بن باس ھوا ھوتا ـ بے شک اس گوشہ گم نامی میں میرا جی سخت گھبراتا ھے اور میں چاھتا ھوں کہ جلد اس قفس سے رھائی پاؤں اور عالم وسیع کی سیر میں مشغول ھوں مگر بعض موانع ایسے در پیش ھیں کہ کلکۃ تو کلکۃ پٹنے کا بھی قصد نہیں کر سکتا ـ ڈاکٹر صاحب کی کتاب بطمع یک صد روپیہ نہایۃ شوق سے ترجمہ کررھا ھوں ـ اگرچہ میرے خلاف امید مجھ سے محنت لیتی ھے یعنی روزانہ گیارہ بجے دن سے پانچ بجے شام تک مگر جب بیڑا اٹھا چکا ھوں تو ناتمام چھوڑ کر نہیں جا سکتا ـ میں امید کرتا ھوں کہ مہینہ کے اندر ھی اندر ان کی کتاب تمام ھوجائیگی اس وقت کلکتہ ھو یا کوئی اور مقام بشرطیکہ فرصۃ پاتے ھی موقع بھی بن پڑے اپنی طرف کھینچ اب عام اس سے کہ تقریب کوئی ھو ـ

نواب عبداللطیف خاں بہادر کی ملازمۃ مجھے بسر و چشم منظور ھے مگر مہربان اب کنبہ بہت بڑھ گیا ھے بیس روپیوں میں کچھ نہیں ھوتا ـ نواب صاحب کی ملازمۃ کو تو میں نے مقدمہ ترقیات سمجھکر اختیار کیا تھا اور شاید ھوتی بھی مگر نواب صاحب کی پوری توجہ میرے حال پر نہ ھوئی ـ آپ اس بھروسے رھے کہ وہ میرے لئے کچھ کرینگے اس لئے آپ نے بطور خود کوئی کوشش نہ کی ورنہ میں شاید آج کسی اچھے کام پر خوش و خرم ھوتا ـ کبھی کبھی جی میں خیال آتا ھے کہ کلکتے چل کر مترجمی ھائی کورٹ کیلئے کوشش کروں ـ غالباً مترجمی کا مادہ مجھ میں رکھا گیا ھے کیا عجب کہ کام چل نکلے ـ مگر اس کے لئے بھی کسی سرپرست اور دستگیر کی ضرورۃ ھے ـ اس لئے ھمۃ قصور کرتی ھے ـ نواب صاحب شاید اس میں میری امداد نہ فرمائیں ـ اور کبھی یہ خیال آتا ھے کہ اپنے احباب سے حیدرآباد کے روسا و حکام کے نام جیسے شمس الامرا سید حسین مولوی مہدی حسین علی *مولوی دلیل الدین وغیرہ ھیں ـ سفارشی چٹھیاں بہم پہنچاؤں اور دکن کا رستہ لوں مگر پوری طرح اطمینان نہیں گویا کچھ ایسی ھی ویسی کوشش سے ساٹھ روپیہ حالی کی مترجمی مجھکو ایک دوست کی وساطۃ سے ملتی تھی ـ اور کبھی کبھی ھار کر یہ بھی خیال آتا ھے کہ جب قسمۃ ایسی ھی بری آبنی ھے تو سب تعلقات ترک کرکے اب چاھے تعلق دوستی ھو یا قرابۃ جدھر کو منہ اٹھجائے چل کھڑے ھو اور فقیرانہ ملک بہ ملک شہر بہ شہر سیلانیوں کی طرح بسر کردو اھل و عیال کا خدا مالک ھے ـ مگر ھنوز قطعی نہیں کہہ سکتا کہ ان تین باتوں میں کس بات کا اختیار کرنا مقدر ھوچکا ھے ـ گو قرینہ را جح اخیر ھی بات کا ھے ـ

والسلام

عبدالغفور

باڑھ محلہ قاضی معین الدین چک
مورخہ ۲۷ ـ جون ، سنہ ۱۸۸۰ع

مکتوب نمبر ۴

جناب سید صاحب ـ تسلیم ـ والا نامہ ۲۴ ـ جون پہنچا تو پرسوں ھی مگر جناب خسر صاحب کی غفلۃ سے ملا مجھ کو کل چنانچہ بعد اس کے پڑھنے کے سب سے پہلا کام جو میں نے کیا وہ یہ تھا کہ تقریر والا کے نشیب و فراز کو فوراً لفافے میں بند کر اس کو روانہ کردیا میں نے حسب ارشاد مضمون کے بڑھانے کی کوشش نہ کی ـ اور نہ کر سکتا تھا ـ فقط جسقدر ناھمواری تھی اسے مٹا دیا ھے ـ میں صاف بھی کردیتا مگر اصل یہ ھے کہ فرصۃ ذرا نہیں ـ اور پاس معتمد کوئی آدمی نہیں ـ حق یہ

* محسن الملک تھے ـ

ہے کہ اس تقریر میں جوش کے وقت آپ نے خوب خوب ۔] گل فشانیاں کی ہوں گی جبکہ اس مختصر میں اتنے مضامین ہیں ۔

میں نے ارادہ یوں کیا تھا کہ قبل اس کے آپ کے ہاں سے جواب آئے ایک طولانی خط اورلکھوں مگر مہلۃ نے یاری نہ دی ۔ مجبور رہا ۔ اپنی حالۃ سے میں اس قدر ملول نہیں کہ دائرہ عقل میں رہ کر گفتگو کروں ۔ انواع طرح کے وحشۃ زدہ خیالات دل میں آتے ہیں ۔ خودکشی کے سوا کوئی خیال ایسا نہیں جو ذہن میں کسی نہ کسی وقت فطور نہ کرتا ہو ۔ وہ جو میں نے

بنا کر فقیرانہ ہم بھیس غالب* تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں کی روح نکال کر بھیجی تھی وہ بھی گویا انہیں وحشۃ زدہ خیالات کا نتیجہ تھا ۔ سردست ڈاکٹر صاحب کی کتاب کے ترجمے میں مشغول ہوں اس سے پابہ زنجیر ہورہا ہوں ۔وہ ایک زنجیر اور طیار کئے ہوئے ہیں ۔ یعنی چاہتے ہیں کہ (medical Jurisprudence) کے ختم ہوتے ہی (mid wifery) کے ترجمے کا لگا دیں ۔ مگر میں بھی کسی قدر نیم راضی سا ہوں اور سبب یہ کہ چند سے چاہتا ہوں (اگرچہ غربۃ ہی کے ساتھ ہو) کہ اپنے بال بچوں میں بسر کروں ۔ لڑکی کے پڑھانے کی سہم بھی درپیش ہے ۔ اگر برس روز بھی یہاں رہنا ہوجائے اور غالباً سامان اسی کے نظر بھی آتے ہیں تو میں اس کو اتنا پڑھادوں گا کہ آئندہ کو مشکل نہ رہے ۔ پھر مستفید ہونے میں اس کو سہولت ہو ۔ غرض برس روز تک تو اوجھے ترجمے میں گزارہ کرنا ہے بعد اس کے یقین جانئے کہ میں یہاں سے کوئی پانچ چھ برس کے لئے موقت یعنی (Temporary) ھجرۃ کروں گا ۔ زیادہ ترقصد کلکتے کا ہے اور مقصد کار مترجمی کیلئے کوشش کرنی ۔ اگر یہ اس امر کے لئے اسباب مساعد نہ ہوئے تو بمبئی اور وہاں سے کہیں اور ۔ آپ ان امور میں شک کرتے ہیں گویا آپ میرے مزاج سے واقف نہیں ۔ ابھی حضرۃ وطن میں ذلۃ و رسوائی اور کم نامی کے ساتھ جی کر کیا کروں گا ۔ کسی کا کیا اچھا شعر ہے :

عجبت لمن یعیش بدار ذل
وارض اللہ واسعتہ نلاھا

یعنی مجھے اس شخص سے کس قدر تعجب ہوتا ہے جو رسوائی کے گھر میں پڑا زندگی کرتا ہے اور کم بخت سے اتنا نہیں ہوتا کہ نکل تو کھڑا ہو حالآنکہ ملک خدا بہت وسیع ہے ۔ جاؤں اور ضرور جاؤں بیچ کھیت جاؤں ۔ اور بغیر کچھ پیدا کئے اور وہ بھی وافر نہ آؤں اور کامیابی نہ ہو تو پھر گھر کا منہ نہ دیکھوں ۔

آپ کے بارے میں جو پیشین گوئی میں نے کی ہے وہ خدا چاہتا ہے تو لفظ بلفظ پوری اترے گی اور جب پوری اترے گی تب ہی آپ سے انعام بھی لوں گا ۔ اس پیشین گوئی کی قیمۃ

[ایک* بوتل یا گلاس شامپن نہیں ہے بلکہ ایک* انگورزار ایک تاکستان ایک ولایۃ ایک شیراز ۔ ایک پرتگال ۔]

آپ کی تحریر نقل ہو رہی ہے ۔ ۴ ۔ جز اجرۃ ٹھیری ہے۔ فلسکیپ پر نقل ہورہی ہے ۔ نئی ڈکشنری سے پہلے بھی آپ نے کوئی مضمون لکھا تھا ؟" ضروری پولیٹیکل مضمون " کے عنوان سے کس کا مضمون ہے ؟ کہیں آپ کا تو نہیں ؟ مجھے شبہ ہوتا ہے ۔

پولیٹیکل مصلحۃ کے مخالف جو بند ہے وہ میں نے اپنی خوشی سے نہیں لکھا بلکہ بعض عزیز احباب کی فرمائش تھی جن کی خاطر مجھے عزیز ہے ۔ شکستوزارۃ اور خلولی سودان کے بعد اس بند کا خوفناک ہونا بہت کم بھی ہوگیا ہے ۔

کہئے رمضان کے روزے بھی آپ کی خدمۃ میں حاضر ہیں یا نہیں ۔ کہیں سالدہ کی وحشۃ سے گھبرا کر چل تو نہیں دئے مجھکو تو چھوڑ بھاگے سبب یہ کہ ڈاکٹر نے مجھکو عیلی تجویز کیا پھر آپ جانئے بیار کا کون ساتھ ۔ محمدعلی کو سلام ۔

خاکسار
عبدالغفور

مکتوب نمبر ۵

باڑھ محلہ قاضی معین الدین چک
مورخہ ۳۱ ۔ جولائی سنہ ۱۸۸۵ ع

مولوی صاحب مخدوم بندہ تسلیم ۔ مکاتبہ ۱۳ ۔ جولائی اور حامی اسلام کے کئی پرچے اور مقدمہ تفسیرحقانی کل تحائف یکے بعد دیگرے پونہچے جواب میں تاخیر کم فرصتی کے باعث تھی جس میں مقدمہ تفسیر حقانی کے مطالعے کے سبب اور ترق ہوئی اس مقدمے کو جہاں تک میں نے دیکھا قابل پسند عقلا نہیں کہا جاسکتا اگرچہ مصنف نے جاں فشانی کی ہے سہی مگر (Judgement sound) نہیں اس کا کیا علاج پھر حال کس قدر چوں و چرا کیا ہے اور بھی حق کی تائید میں اگرچہ حق کو اس سے چنداں تقویۃ نہیں پونہچی لہذا مصنف جمیع مسلمین کے مجموعی شکرے کا مستحق ہے ۔ آپ کی آنکھوں کی شکایۃ کو میں کیا روؤں جب کہ خود اپنے دماغ کو منہدم ہوتا ہوا پاتا ہوں ڈاکٹر کی کتاب کے ترجمے نے مجھ سے خلاف امید محنۃ لی یعنی روزانہ دس بجے سے پانچ بجے شام تک جس سے دماغ اس طرح متزلزل ہوا ہے کہ میں اس کی کسی چیز سے تشبیہ نہیں دے سکتا غالباً یہ تزلزل اس تموج سے مشابہ ہے کہ جو کسی کنویں میں ایک بڑی چٹان کے اوپر سے گرادینے سے

پیدا ہو ایسی حالۃ میں حامی اسلام کی تائید میں بھلا کیا کر سکتا ہوں درحالیکہ ایک اپنے دوست کا اخبار بھی میرے ہی گلے پڑا ہوا ہے مولوی محمد عبدالقادر صاحب میرے ہم زلف نے ایک اخبار بنام صدق ہمارے جاری کیا ہے یہ مہینے میں چار بار نکلتا اور مفت تقسیم ہوتا ہے مفت کے اخبار کو مفت کی تائید کا حق زیادہ ہے اس لئے میں دل و جان سے اس کی تائید کرتا ہوں اور جسقدر وقت بچتا ہے اس کے مضامین لکھنے میں صرف کرتا ہوں میں امید کرتا ہوں کہ آپ بھی کبھی کبھی میرا ہاتھ بٹائینگے سردست آپ سے استدعا یہ ہیکہ آپ اپنی وہ تحریر بھیجدیں جو بعنوان ڈکشنری ' اولڈ پاپا ' کے حل معنی میں لکھی ہے ۔ اس کو میں صدق میں درج کرنا چاہتا ہوں اگر آپ نہ بھیجیں تو مجھے بارے اتنی اجازت ہی دیدیں کہ میں چودھویں صدی کی پھڑ کتی ہوئی ڈکشنری ، کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کروں جس میں اولڈ پاپا اولڈ ماما اسپرٹ الکحل افیون اخبار ازدواج بیوی شوہر میم صاحب وغیرہ کے معنے بہ ترتیب حروف تہجی میں لکھوں ۔ بہتر ہو کہ اجازت کے عوض آپ خود لکھنے کا بیڑا اٹھائیں اس لئے کہ اگر کل مضامین میرے ہی قلم کے ہونگے تو اخبار Dull ہوجائیگا ۔ آپ ایک کام کریں کہ روز شام کو آرام کرسی پر بیٹھ کر اپنے پٹی سکریٹری کو بتاتے جائیں ہفتے میں جو کچھ طیار ہوجائے اس کو بغیر زحمہ نظرثانی بھیج دیں میں اپنا درست کرلونگا ۔ اس اخبار میں مضامین زیادہ تر بہ پیرانہ ظرافت ہوتے ہیں ۔ دو پرچے آپ کی خدمتہ میں ارسال ہیں ۔ وہاں اور لوگ خواہاں ہوں تو ان کا نشان عنایۃ فرمائیے اور ۱۲ آنے محصول ان سے بھجوایئے اخبار بےدرد سر بہار ہی سے پہنچا کرے گا ۔ کہیں میرے اس مضمون کو پڑھکر آپ بے ساختہ یہ نہ کہہ اٹھیں کہ گئے روزہ بخشوانے گلے پڑی نماز لیکن انصاف شرط ہے زیادہ مستحق تائید صدق ہے یا حامی اسلام اس کا آپ کو اطمینان رہے کہ نام کسی طرح ظاہر نہ ہوگا ۔ ترجمہ کل ختم ہوگیا اب اگر ڈاکٹر دوسری کتاب کے ترجمے کو لاکھ کہیں گے تو میں قبول نہ کروں گا ۔ ارادہ ہے کہ اب کلکتے کا قصد کروں بعض احباب کو میں نے لکھا ہے دیکھئے کیا جواب آتا ہے ۔ یہاں میں نے اپنے مشغلہ کو ایک انجمن بھی قائم کرلی ہے بنام انجمن جمیۃ کچھ طلباء جمع ہوتے ہیں ہر جلسے میں میں بھی تحریریں پڑھتا ہوں اگر کہئے تو یہی تحریریں حامی اسلام کو بھیج دوں کچھ بری نہیں ہیں ۔ میں نے سنا ہے گورنمنٹ بنگالہ نے انٹرنس نہ پاس لئے ہوؤں کو بھی جیسا کہ میں ہوں امتحان ڈپٹی کلکٹری کا مجاز کیا ہے آپ اس سرکلر کی نقل عنایۃ کرسکتے ہیں ؟ ۔ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ کوشش کر دیکھوں محنۃ میں بڑی برکۃ ہے خدا چاہے تو کامیابی حاصل ہو اگر آپ کو معلوم ہو تو ان کتابوں سے بھی مطلع فرمایئے جو اس امتحان میں مشروط ہیں اور جلد تحریر فرمایئے کہ بندوبست ضروری کرلوں ۔

والسلام

عبدالغفور

مکتوب نمبر ۶

نالتلہ بازار اسٹریٹ کلکتہ

سپٹمبر سنہ ۱۸۸۶ ع

جناب سید صاحب

تسلیم ۔ والا نامہ مورخہ ۴ ۔ سپٹمبر معرض وصول میں در آیا آپ کی عنایت کا شکریہ بجالایا اور آپ کی مناجات نے میری شاعری سے کسی قدر زحمۃ لینی چاہی تھی لیکن عدیم الفرصتی اور کثرت اشغال مانع آئی میں نے (نیچری مناجات) کے عنوان سے یوں لکھنا شروع کیا تھا ۔

کوہ میں تو ہے دشت میں تو ہے
سیر میں تو گلگشت میں تو ہے

بحر میں تو ہے عنبر افشاں
ابر میں تو ہے گوہر افشاں

رعد میں تو ہے برق میں تو ہے
غرب میں تو ہے شرق میں تو ہے

چاروں کھونٹ ہیں تجھ سے روشن
راس ہے آنکھوں کو ترا درشن

دن کو سورج بن کر چمکا
رات کو تارا بنکر دمکا

چاند کہیں زہرہ تو کہیں ہے
ابر کہیں کہرہ تو کہیں ہے

ثابت ہے کر ٹہر گیا تو
سیارہ کر چل نکلا تو

گردش سے تری دنیا گھومی
تیری کشش ہے جذب عمومی

دھوپ بنے چمکے چمکائے
بحر سے برسے بھاپ اڑائے

آئیں ابر پھر اہلے گہلے
آدھے سنہرے آدھے روپہلے

کالے پیلے آئیں نظر پھر
آئیں ادھر اڑ جائیں ادھر پھر

ہوجائیں گھنگھور گھٹائیں
جھم جھم برسیں اور برسائیں

جل تھل سب بھر جائیں دم میں
دھقانوں کے دم آئے دم میں

جن میں تو انسان میں تو ہے
شیطان میں یزدان میں تو ہے

یزدان گر تو راہ دکھائے
شیطان گر گمراہ بنائے

تجھ سے دلوں پر شیطان غالب
تو شیطان کو سمجھ غائب

تیری جھلک ہے زوزنیوں میں
کحل بصر ہو تیرہ شبوں میں

وھم پہ تیرا عرش بچھا ہے
عرش پہ تیرا نقش جما ہے

میں نے چاھا تھا کہ جب آپ کی مناجات چھپے تو اس کو بھی اسی کے ساتھ ضمیمے کے طور پر چھپوادوں لیکن داغ ناتمامی نے اس کو کہیں کا نہ رکھا اگر فرصت تمام کرنے کی مل گئی تو عجب نہیں کہ تمام ہوجائے لیکن اس کی بھی بہت کم امید ہے جس دعوت میں آپ میرے سلسلہ نمک خواروں میں داخل ہوا چاھتے ہیں اس میں دھرا ہی کیا تھا جو آپ اس قدر شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ البتہ آپ کا اس دعوت حقیر کو قبول کرنا ثبوت اس امر کا ہے کہ آپ کو میری نمک خواری کا بہت کچھ پاس ہے ۔ خدا آپ کو اس عطوفت و سہر پروری کے ساتھ بہت دنوں سلامت رکھے ۔ احمد اور شاھد کا گرویدہ ہونا میری سحر سازی کا نتیجہ نہیں بلکہ اس عام شہرت کا جواب کو علی العموم ادبی دنیا میں حاصل ہے ۔ علاقہ بہار میں کوئی انصاف پسند ایسا بھی ہے جس کو فقط آپ کے ادبی کمالات کا مسلسل طور پر حضور نہو ۔ ممکن ہے کہ کسی قدر مختصر احاطے میں اس شہرت کے پھیلنے میں میں نے بھی کسی قدر مدد دی ہو لیکن وہ اس قسم کی ہے جیسی کسی شہسوار کے آگے سے کوئی روڑے پتھر الگ کردے ۔

حسب ہدایت والا میں اپنے شریک غالب کو آپ کا شکریہ ضرور لکھ بھیجوں گا گر آج کل میں نے ان سے خط کتابت موقوف کردی ہے ۔

آخیر میں ایک اپنے مطلب کی بات یہ ہے کہ میں نے سنا ہے مولوی شمس الهدی صاحب پروفیسر عربی و تاریخ مدرسہ کالج اپنے عہدہ سے مستعفی ہونے والے ہیں اور بعض احباب مجھ سے کہتے ہیں کہ تم اس عہدہ کے لئے اگر کوشش کرو اور نواب صاحب سے تحریک کراؤ تو ممکن ہے کہ کامیاب ہو اس لئے کہ نواب صاحب کا اختیار آجکل امور مدرسہ میں بڑھ گیا ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ اس خیال میں میرے احباب کسقدر بر سر صواب ہیں بااین ہمہ آپ نواب صاحب کی خدمت میں اس خصوص میں لکھیں اس طور پر کہ وقت خلوئے عہدہ اگر ممکن ہو تو میرے لئے تحریک کریں کیا عجب کہ کامیابی ہو ۔ دوسری بات یہ ہے کہ نواب خورشید دولہ صاحب مرشد آبادی مجھکو پچاس روپیہ تنخواہ پر مرشد آباد بلاتے ہیں اگرچہ ترقی ظاھر ہے لیکن آپ حضرات کی رائے اور اجازت بغیر جانا مصلحت نہیں دیکھتا بس اپنی رائے دوستانہ سے مطلع فرمائیے کہ مصلحت کس میں ہے ۔ تیسری بات یہ ہے کہ میرے والدین بخیال علالت ام صغری (I mean my wife) چاھتے ہیں کہ میرا عقد ثانی کردیں چنانچہ ان لوگوں نے سر میرے میں ایک لڑکی بھی ٹھہرائی ہے لیکن میں نے هنوز لا و نعم کچھ نہیں لکھا اس خصوص میں بھی جو آپ کے صائب رائے ہو اس سے مطلع فرمائیں ۔

زیادہ شوق
عبدالغفور ۔

مکتوب نمبر (۷)

بجواب عطوفت نامہ مورخہ	حیدر آباد دکن
۱۸ ۔ جنوری سنہ ۱۸۹۷ ع	۲۲ ۔ جنوری سنہ ۱۸۹۷ ع

مخدوم بندہ تسلیم ۔ آج روز جمعہ ہے ۔ فقرا جو کم جمعرات سے لیتے ہیں کئی ہفتوں سے وهی کام میں جمعہ سے لے رہا ہوں ۔ چنانچہ آج بھی حسب معمول در بہ در پھر آیا ۔ سر نمبر مولوی سید حسین* صاحب سے ملاقات ہوئی ۔ اپنے کمرے میں شاید اپنے لڑکے کے ساتھ ایک ہی بنچ پر بیٹھے قرآن شریف کا ترجمہ دیکھ رہے تھے ۔ باھر گاڑی بھی طیار تھی ۔ مجھ کو دیکھتے ہی انھوں نے چائے کی طیاریاں شروع کیں ۔ میں نے پوچھا کیا کہیں باھر کا قصد ہے ۔ فرمایا ہاں ۔ پھر پوچھا کب حاضر ہوں کہا ابھی تو دو چار روز فرصت نہیں ۔ ایک عشرہ قبل بھی ملا تھا تو اسی قسم کا جواب ملا تھا ۔ اب ان کے برتاؤ سے میں کچھ ایسا گمان کرتا ہوں کہ شاید یہ مجھ سے صاف نہیں ۔ ابتداً میں جو عزیز مرزا نے مجھکو ان سے چھین لیا تو شاید اس

---

* پورا نام میجر سید حسین بلگرامی تھا ۔ عمادالملک تھے ۔

کا ان کو خلاف ہوا ۔* عزیز مرزا سے بھی ان کی صفائی نہیں ہے۔
اور چونکہ وہ اب مجھے عزیز مرزا کا آدمی جانتے ہیں لہذا
مجھ سے بے رخی سے ملتے ہیں ۔ ان کی بے رخی
ایسی کھلی کھلی ہے کہ میں کبھی اس کو ان کے
روکھے مزاج کی طرف منسوب نہیں کر سکتا ۔ پہلے جب مجھ سے
کبھی کی ملاقات نہ تھی تو نہایت شگفتہ روئی سے ملتے
تھے جس سے میں کمال خوش ہوا تھا اور ان کے اخلاق
کی نسبت عمدہ رائے پیدا کی تھی مگر ادھر اپنی غرض سے دو دفعہ
ملا تو اس میں ان کے تیور ہی کچھ اور نظر آئے ۔ مسٹر احمد
کی چٹھی نہایت زور کی تھی وہ دکھائی ۔ دیکھ تو لی
مگر مجھے پھر واپس کر دی ۔ چوں کہ مجھے غرض ہے میں اس
وقت تک ان کا پیچھا کروں گا کہ دق ہو کر یہ صاف کہہ دیں
میں تم کو پسند نہیں کرتا اور میں تمہارے لئے کچھ کر نہیں
سکتا ۔

سید حسین صاحب کے بعد ۔ **سکندر نواز جنگ بہادر کی خدمت
میں پہنچا ۔ پرسوں بھی گیا تھا ۔ بیمار تھے ۔ اس لئے ملاقات نہ
ہو سکی ۔ آج بھی دیر تک بیٹھا ۔ کوئی آدمی نہ تھا کہ اطلاع
کرتا ناچار خدابخش خاں کی طرف باگ موڑی ۔ ملاقات ہوئی مگر
سرد ۔ مزاج پوچھا تو ایک ٹھنڈی آہ بھر کر جواب دیا ۔ گویا اس
کے یہ معنی تھے کہ مجھے تم لوگوں سے ہزاروں شکایتیں ہیں ۔
فلک کج رفتار کا ستا یا ہوں اور یاران وطن سے دکھ پایا ۔
اس ادا کے بعد پھر گفتگو کیا خاک ہوتی ۔ رسمی طور پر یونہی
کچھ دوچار باتیں میں نے کیں ۔ میں تو اب قصد وطن رکھتا
ہوں ۔ کیوں کیا ہوا ۔ ہوا کیا ۔ وہی کے سوا مہینے ڈیڑھ مہینے
کے بعد آپ تشریف لے جاؤ ۔ اس پر نہ کوئی ہمدردی کا کلمہ منہ
سے نکلا نہ یہ کہا کہ میں کوئی شکل تجویز کروں گا ۔ اس کے
بعد ایک بزرگ ان کو شاید فلک نما کو لے گئے ۔ میں بھی تسلیم کرکے
رخصت ہوا ۔ شاید اب زمانہ ناکامیابی تک میں ان کی خدمت میں
نہ جاؤں ۔ اگر کوئی شکل روزگار کی اچھی ہو گئی تو Reaction
کا لطف دیکھنے کی غرض سے سب سے پہلے انہی کی خدمت
میں حاضر ہوں گا ۔

‡خدا بخش خاں سے رخصت ہو کر سید علی صاحب کی
کوٹھی پر پہنچا ۔ نہ تھے ۔ گنگاوارم کو گئے ہوئے ہیں ۔ اتوار
کو آئیں گے ۔ اس شخص نے البتہ میرے ساتھ برابر عمدہ اخلاق
کا برتاؤ کیا ہے ۔ چنانچہ گزشتہ جمعہ کو بھی ان سے ملاقات کی
آپ اسی تپاک سے ملے ۔ اپنی کتاب کے بہت سے حصے سنائے اس
رسالے کا دیباچہ بھی سنایا جو علم ہیئت میں اپنے لڑکوں کے لئے
لکھ رہے ہیں ۔ میں نے ایک مثنوی عربی میں لباس کے بیان میں
لکھی تھی ۔ وہ لیتا گیا تھا ۔ سنائی تو بہت محظوظ ہوئے ۔ اور کہا
کہ سید علی شوستری کو بھی چل کر ایک دن سنانا چاہئے ۔
پھر یہی پوچھا کہ مولوی سید حسین صاحب کو بھی سنا یا ہے
یا نہیں ۔ میں نے انکی بے رخی کا تو ذکر نہ کیا مگر کہہ دیا کہ
اتفاق نہیں ہوا ۔ ان کے ایک ایرانی دوست میرزا ابوالحسن بھی
اس وقت تشریف رکھتے تھے ۔ عربی انگریزی فارسی تینوں زبانوں
میں عمدہ مہارت رکھتے ہیں اور شاید شملے میں فارن آفس سے
متعلق ہیں ۔ انہوں نے بھی سنکر بہت داد دی اور انتہا سے زیادہ
مدحت کی ۔ ایک قصیدہ گھڑی کی تعریف میں اردو میں بھی سنایا ۔
اس کو سن کر میرزا تو بہت خوش ہوئے مگر سید علی صاحب
نے کہا اس بیان والے قصیدے کے رتبے کا نہیں ہے پھر کہا
کہ میں نے نواب صاحب (مدارالمہام بہادر) سے اس قصیدے کا
ذکر کیا ہے ۔ کسی دن موقع ہوگا تو آپ کو لے چلوں گا ۔ ہر چند
یہ فقرہ بظاہر بہت دل خوش کرنے والا ہے مگر اس پر کچھ بہت
زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا ۔ لیکن تا وقتے کہ ھذا یة کذب
ثابة نہ ہوا بھی چندے دل خوش کرنے کے لئے اس کو سچ ہی
سمجھنا چاہئے ۔ اپنی مصیبت کی حالت میں نے ان سے ابھی نہیں
کہی مگر اب ارادہ ہیکہ کسی ملاقات میں کہوں ۔ دیکھو ان
کی ہمدردی کا کیا ڈھنگ ہوتا ہے غالباً وہ سید حسین
کی طرح بے رخی نہ کریں گے ۔ آئندہ الغیب عند اللہ
خط تو حالات ملاقات ہی سے بھر گیا ۔ اور حالات کہاں
لکھوں ۔ مولوی نورالدین مشہور ہے کہ کل تین ہفتوں کے لئے
گھر جاتے ہیں ۔ مگر مجھ سے نہ مشورہ لیا نہ باضابطہ ابھی تک
اس کا اعلان کیا ۔ میری مصیبت اگر سیر بھر تھی تو ان کی وجہ
سے دو سیر ہو گئی ہے اور تو کیا کہوں خدا ان کے حال پر رحم
کرے ۔ اب میں کیا انتظام کیا جاؤنگا جب کہ پاؤں اکھڑے
ہوئے ہیں فروری کے آخیر تک مجھے بھی عظیم آباد ہی میں ۔
سمجھئے ۔ عجب نہیں کہ زاد راہ کیلئے آپ کو تکلیف دینی پڑے
مگر ابھی تردد نہ کیجئے ۔

کارسازما بہ فکر کار ما فکر ما درکار ما آزارما

دو تین روز سے یہاں بھی کسی قدر سردی پڑ رہی ہے ۔
تردد نہ ہوتا تو شاید اس کی خوش گوار کیفیت دل میں شاعرانہ

---

* لکھنو کے رہنے والے تھے ۔ مسلم لیگ کے سیکریٹری ہوئے ۔
** پٹنہ کے باشندہ تھے ۔ ان کا مکان سکندرمنزل اب تک پٹنہ میں قائم ہے ۔
‡ خدا بخش لائبریری کے بانی تھے حیدر آباد میں ججی کے عہدہ پر فائز تھے ۔

گد گدی بھی پیدا کرتی - اس وقت تو بڑی سے بڑی شاعری یہ ہے کہ سردمہری زمانہ سے تعبیر کروں -

والسلام
عبدالغفور

بسم اللہ الرحمن الرحیم
مکتوب نمبر - ۸

چوھٹا - باقی پور
۱۵ - فروری سنہ ۱۸۸۸ع

جناب سید صاحب - تسلیم - کل ھی آپ کا گرامی نامہ ملا اور کل ھی خدا نے روپئے کا بھی سامان کردیا چنانچہ کل ھی کل کتابیں محفوظ پہنچ گئیں - آپ سمجھ سکتے ھیں کہ میرے دل کو اس وقت کس قسم کی خوشی ھوئی ھوگی اور اور کس قدر آپ کے یہاں موجود نہ ھونے سے دل تڑپ تڑپ کر رہا ھوگا - چونکہ کسی عمل سے آپ کو کھینچ بلانا ممکن نہ تھا نا چار رات جوں توں کاٹی صبح ھوتے ھی بستہ کو کھلوا حسب ارشاد (۱۲۰) ایک سو بیس جلدیں ٹاٹ میں مڑھ کر فوراً اسٹیشن روانہ کیں - رسید ریل آدمی لئے ھی آتا ھوگا - ادھر رسید آئی ادھر میں نے لفافے میں بند کر ڈاک خانے بھجوائی - علاوہ اس کے ایک جلد علیحدہ بھی بذریعہ بک پوسٹ مرسل ہے تا کہ زحمت انتظار نہ ھو - میری رائے میں کتاب اچھی چھپی گوجابجا بعض خفیف غلطیاں نقطوں اور مر کز وغیرہ کے متعلق رہ گئی ھیں لیکن چنداں قابل لحاظ نہیں - عجب نہیں کہ چھپائی کاغذ تقطیع سودا خط یہ سب باتیں آپ کو بھی پسند ھوں - سودا کروں کو سو روپئے میں بیس روپیہ کمیشن دینا چاہئے یعنی سو جلدوں کے خریدار کو بیس جلدیں زائد دیجئے اور دس جلدوں کے خریدار کو دو جلدیں - اگر فرداً فرداً فروخت ھو پورا نصف روپیہ وصول کیجئے - بس اس قدر ھدایۃ کافی ہے - آئندہ آپ خود بھی تصرف تاجرانہ فرماسکتے ھیں - اتنا ذھن میں رکھ کر کہ ان بارہ سو جلدوں کے چھپنے میں بہ ھمہ وجوہ دو سو دس (۲۱۰) روپئے خرچ ھوئے ھیں - پیشگی قیمت جن حضرات نے بھیجی ہے ان کو نرخ حالی کے مطابق ایک کے جگہ دو کتابیں بھیجی جائیں گی - بعض چھوٹے دل کے پیشگی بھیجنے والے تاخیر کی وجہ سے گھبرا گھبرا کر خطوط تقاضا بھی لکھنے لگے تھے - بارے الحمد للہ کہ اب ان کی مراد پوری ھونے میں بہت زیادہ توقف نہیں - ارادہ ہے کہ اخباروں سے پہلے لائق احباب کو بھیجوں تا کہ کم سے کم دو چار عمدہ ریویو تو لکھ بھیجے جائیں - جناب مولوی نذیر احمد خاں بہادر ، جناب مولوی اکبر حسین صاحب، جناب مولوی محمد حسین صاحب آزاد ، شمس العلماء جناب منشی امیر احمد صاحب امیر، جناب مولوی الطاف حسین صاحب حالی ان بزرگ واروں کو ضرور تکلیف دوں گا - آئندہ ان لوگوں کی مرضی اور اتفاق -

بےشک (اوڑیا بیرا) میری کمال خوشی کا باعث ہے لیکن آپ سے ایک شکایۃ ہے کہ آپ نے قبل چھپنے کے دیکھنے کا شرف مجھ کو کیوں نہ بخشا - چھپنے پر تو سب ھی دیکھتے ھیں دل لگی والا مضمون میں نے نہایۃ مشقۃ سے صحیح اور صاف لکھ کر حضرت *تپش کو بھیج دیا - میری رائے میں یہ دونوں مضمون کمال ھی غلغلہ افگن ہے - خدا نظر بد اور چشم حاسد سے بچائے - منجھلے صاحب کی بیاض کے باب میں آپ نے کیا کارروائی کی - غالباً مالی مشکلات عنان گیر ھیں - اگر مضایقہ نہ ھو تو لکھنو سے چھپوا منگواؤں لیکن وھاں کی نصف پیشگی اور مابعد کا ویلیوپےایبل غضب ہے -

مولانا محمد باقر حبشی آجکل یہاں رونق افروز ھیں - چونکہ میرا قدیم خادم اور پروردہ اور تعلیم کیا ھوا ہے میں اس کے تمام عیوب سے چشم پوشی کرنے پر گویا بالطبع مجبور ھوں - کلکتے سے عام مصیبۃ میں بڑی زارنامی کے ساتھ خط لکھا تو مجھے بےساختہ رحم آگیا اور آخر بلوالیا - اس وقت اس کا آنا اچھا بھی ھوا کیوں کہ آمد و رفت کتاب میں اس سے کل سے بڑی مدد مل رھی ہے اور ان شاءاللہ تعالی یہ مدد برابر ملتی رہے گی - میاں سے لڑنے اور حصے کے بچنے اور عزیز میاں کے چٹخنے کا قصہ مفصل میاں باقر سے معلوم ھوا اور اس چھڑی کی بھی حقیقہ معلوم ھوئی - اصل میں یہ چھڑی آپ کے میاں لیاقت کی دست برد سے غائب ھوئی اور انہوں نے میاں باقر کو قاصد عظیم آباد دیکھ کر موقع سے ان کے حوالے کی کہ یہ ان کے کسی دوست کو پہنچادیں میں نے وہ چھڑی آپ کا خط پا کر ضبط کرلی - اگر کسی نے دست درازی نہ کی تو یہ چوب دستی آپ کو ان شاءاللہ تعالی محفوظ ملے گی -

آپ کے مرسلہ اخبار برابر پہنچے اور شاید میں نے اکثر کی رسید بھی لکھی ہے - حقے والا مضمون حاضر کروں گا - اس وقت زحمۃ جستجو گوارائے طبیعۃ نہیں ہے - رئیس و رعیۃ میں خیبر کے ملک لوگوں کی دعوتہ اور جواب و سوال سب دیکھا - بے شک کامیاب دعوت اس کا نام ہے - کوئی دو ھفتے سے اخباروں کا بندوبست یہاں نہایۃ اچھا ہے - بہ استثناء ایک شنبہ روزانہ دو دو ڈیلی آتے ھیں کلکتے کا انڈین ڈیلی نیوز اور الہ آباد کا مورننگ

* دھلی کے رھنے والے تھے - پہلے اودھ اخبار کے اڈیٹر ھوئے پھر مشیر قیصر کے اڈیٹر اور پروپرائٹر ھوئے -

پوسٹ ۔ اور ہفتے میں ایک ولایۃ کا ہفتہوار لنڈن گریفک ۔ گریفک کی تصویروں اور ڈیلیوں کی تار برقیوں اور مدبرانہ تحریروں سے برابر مستفیض ہوتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ گویا زندہ دنیا میں ہوں ۔ آج ۱۳ ۔ فروری کے پرچے (ڈیلی نیوز) میں مولوی نورالعالم صاحب کی تحریر *مسٹر سید امیرعلی بہادر سی ۔ آئی ۔ ای کی محمدن نیشنل کانگریس پر نظر سے گزری ۔ بالاستیعاب پڑھی گئی اور پسند آئی ۔

خبر تازہ یہ ہے کہ رات جب میں سونے کے لئے پلنگ پر لیٹ چکا ہوں اس وقت ناظر فضل رب صاحب کا ایک آدمی ڈاکٹر صاحب کو بلانے آیا ۔ معلوم ہوا کہیں آگ لگ گئی تھی اس کی وحشت ناک آواز جو ان کے کان میں پڑی تو گھبرا کر کوٹھے سے نیچے آتے رہے ۔ ایک ہاتھ تین جگہ سے ٹوٹ گیا ۔ ڈاکٹر صاحب سے بعد میں معلوم ہوا کہ شاید یہ حرکت نشے کی تھی بہرحال خدا رحم کرے ۔

میاں محمد ہاشم صاحب مع اپنے والدین کے آج کل سبزی باغ میں ہیں ۔ لیکن بیمار ۔ بخار آتا ہے ۔ جاڑا آتا تھا لیکن دوا سے موقوف ہوا ۔ طحال اور جگر میں قدرے ورم بھی ہے ۔ خفیف برنانی کیفیتیں بھی پیدا ہو گئیں تھیں لیکن بفضلہ تعالی اب افاقہ ہے ۔ مولوی محمد یحی صاحب وکیل کے لڑکے کی تقریب میمنۃ قریب انجام پا گئی ۔ شریک برات تو نہیں لیکن کسی قدر شریک دعوۃ ولیمہ ہوا تھا ۔ نہیں معلوم کس طرح وکیل صاحب کو میں یاد آگیا ورنہ اپنی شرکۃ بھی نہ ہوتی ۔ محمد ہاشم کی بیماری اہتمام شادی کی شب بیداری کا نتیجہ ہے ۔

میری کتابوں کے مجموعے میں دو کتابیں آپ کی بھی ہیں ۔ ایک سید احمد خاں کے خطبات ۔ دوسری تاریخ بدایونی ۔ دونوں کتابیں اپنی لے لیجئے گا ۔ ان کے علاوہ جتنی کتابیں ہیں ان کو ایک بورے میں مڑ ہوا کر اپنے مال کے ساتھ تلوا کر محصول دیکر ساتھ لنے آیئے گا بہ شرطیکہ کہ بارنہ ہوں ورنہ پیچھے آئیں گی ۔

لڑکیوں کی تعلیم کا عنوان ماشاءاللہ اچھا ہے ۔ اگر ان میں زیادہ صلاحیۃ ہو تو استعداد پیدا کرنے کی تدبیروں سے بھی غافل نہ رہنا چاہئے ۔ منتخب الحکایات کون سی لڑکی بڑھتی ہے اور کہاں تک پہنچی ہے ۔

آج سے میں پھر پورا** مین آف برنس (اہل معاملہ) بن بیٹھا ۔ ڈاکٹر صاحب نے سلام لکھنے کو کہدیا تھا ۔ قبول ہو ۔

والسلام

عبدالغفور

---

* ہائی کورٹ کے جج ہوئے ۔ پھر پریوی کونسل کے ممبر ہوئے ۔

** Man of Business

(محنت سے ہی قوم طاقتور بنتی ہے)

طلباء نے ہریجنوں کیلئے جھونپڑیاں تیار کیں

سدی پیٹھ گورنمنٹ کالج ڈسٹرکٹ میدک کے حالیہ ین - یس - یس کیمپ نے ۱۲ دن کے اندر سدی پیٹھ کے قریب واقع موضع چنا گنداویلی میں ہریجنوں کے لئے جھونپڑے تیار کئے اور پینے کی پانی کی ایک باؤلی کی کھدوائی کا کام مکمل کر لیا۔محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ نے تمام تر ترقی کے لئے اس موقع کا انتخاب کیا ہے۔ اس موضع کے ۳۲۱ ہریجن خاندانوں کو ڈسٹرکٹ انتظامیہ کی جانب سے مکانات کی اراضی مفت دی گئی۔

طلباء اور ہریجن نو جوانوں کے اس قابل ستائش کام کو دیکھتے ہوئے ڈسٹرکٹ کلکٹر شری ای - اے - یس - شرما نے ۳۱ - مئی کو ڈسٹرکٹ انتظامیہ کی جانب سے باؤلی کے اطراف پختہ دیوار تعمیر کرنے کی منظوری دی -

۳۱ - مئی کو کیمپ کے اختتامی تقریب کے موقع پر مخاطب کرتے ہوئے ڈسٹرکٹ کلکٹر نے ین - بس - یس - کے منتظمین کو مقامی نوجوانوں کے تعاون سے تعمیری پروگرام اختیار کرنے پر مبارک باد دی - انہوں نے کہا کہ مقامی لوگوں کے تعاون سے ین - بس - یس - کیمپ کے پروگرام زبردست طریقے پر کامیاب ثابت ہونگے -

شری ایس - وشواناتھن پرنسپل گورنمنٹ کالج نے تقریب کی صدارت کی - لائنس کلب سدی پیٹھ نے بھی ین - یس - یس کیمپ سے تعاون کرتے ہوئے صحت عامہ کے ایک کیمپ کا اہتمام کیا - اس کے علاوہ لائنس کلب نے اسکول جانے والے موضع کے ہریجن بچوں کو ۴۲ ملبوسات عطیئے کے طور پر پیش کئے -

ین - یس - یس کوآرڈینیٹر عثمانیہ یونیورسٹی ڈاکٹر بابوراؤ لائنس کلب کے صدر شری کے- انتیا اور شری ٹی - ڈی - جگدیشن ڈپٹی ڈائریکٹر محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ نے بھی اس موقع پر مخاطب کیا -

ین - یس - بس والنٹیروں کی جانب سے تیار کردہ نئی کالونی کا شری ای - اے - ایس شرما کلکٹر میدک نے افتتاح کیا کالونی کا نام آنند نگر رکھا گیا -

گورنمنٹ کالج سدی پیٹھ کے طلباء کی جانب سے کالونی میں تیار کردہ کنواں -

بائیں جانب نیچے :- موضع کے رہنے والے نئے جھونپڑیوں کے آخری مرحلے کی تکمیل میں مصروف ہیں -

وقت کی اہم ضرورت

خاندانی منصوبہ بندی

PUBLISHED BY THE DIRECTOR OF INFORMATION & PUBLIC RELATIONS, ANDHRA PRADESH HYDERABAD
PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING, GOVT. OF ANDHRA PRADESH, AT GOVT. CENTRAL PRESS, HYDERABAD

آندھرا پردیش

اگست سنہ ۱۹۷۷ء | ۵۰ پیسے

آندھرا پردیش

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

★

ماہ اگست ۱۹۷۷

شراون ۔ بھادرا

شاکھا ۱۸۹۹

جلد نمبر ۲۱

شمارہ ۱۰

★

سرورق کا پہلا صفحہ

ہمارے کھیت

سرورق کا چوتھا صفحہ

ہمارے بدلتے ہوئے دیہات

★

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ

حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا ۔

ترتیب

***

آندھرا پردیش (اردو) ماھنامہ

زر سالانہ چھ روپئے ۔ فی پرچہ ۵۰ پیسے

وی پی بھیجنے کا قاعدہ نہیں ۔

چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے ۔

***

گورنر شریمتی شاردا مکرجی نے کریمنوں میں رہائشی زمینات کے پٹے تقسیم کئے -

گورنر محبوب نگر میں

گورنر نمائش مویشیان دیکھ رہی ہیں -

گورنر نے ۲۱ - جون کو جوگلا بلاک مہاراج پیٹھ نیوٹریشن فوڈ پراجکٹ کا افتتاح کیا -

گورنر کا پیام

دیہی زندگی کی از سر نو تشکیل کیجئے

بیرونی حکومت سے ہماری قوم کو خلاصی حاصل ہونے کے بعد سے ہم واقعات سے بھر پور تیس سال گذار چکے ہیں ۔ یوم آزادی کے موقع پر یہ ایک واجبی اور مناسب بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم اپنی کامیابیوں اور ناکامیوں کا غیر جذباتی انداز میں جائزہ لیں ۔ کسی ملک کی تاریخ میں تیس سال کی مدت کوئی ایسی طویل مدت نہیں ہوتی ہے لیکن ہم فخر کے ساتھ یہ دعوی کرسکتے ہیں کہ ہم نے اپنی ترقیاتی مساعی میں قابل لحاظ کامیابیاں حاصل کی ہیں ۔ ہم نے صنعتی فروغ اور ارتقاء کے لئے مستحکم بنیادیں قائم کرلی ہیں ۔ ندیاں جو اب تک اپنا پانی سمندروں کو بیکار حوالے کر کے خشک ہوجایا کرتی تھیں اب بند ھ کھڑے کر کے قابو میں کرلی گئیں ہیں اور ان کا پانی لاکھوں انسانوں کی زندگی کے لئے زیادہ بڑی اور زیادہ اچھی فصلیں اگانے میں کام آرہا ہے پنڈت نہرو نے جنہیں " دور جدید کے مندر " کہا تھا وہ دیوقامت کثیر مقصدی پراجکٹ اب پورے ملک میں دیکھے جارہے ہیں دوسرے شعبوں میں حاصل کی گئی ترقی بھی مساوی طور پر متاثر کن ہے ۔

لیکن ہم اپنے پچھلے کارناموں پر محض اکتفا کرلینے کے متحمل نہیں ہوسکتے ۔ جیسا کہ گاندھی جی نے ہم کو بارہا یاد دلایا ہے حقیقی ہندوستان اپنے دیہاتوں میں آباد ہے ۔ جب تک دھقان کی حالت نہیں سدھرتی ہم اپنی قومی تعمیری سرگرمیوں میں حقیقی کامیابی کے حصول کا ادعا نہیں کرسکتے ۔ مختلف شعبوں سے متعلق ترقی کے اعداد و شمار یقیناً بڑے پر اثر ہوسکتے ہیں لیکن ہم کو یاد رکھنا چاہئیے کہ ان میں اکثر غریب عوام کے ان کہے دکھ چھپے ہوتے ہیں ۔ اس لئے دیہی تعمیر نو کو ہماری مستقبل کی منصوبہ بندی میں اولین فوقیت ملنی چاہئیے ۔ ہم کو چاہئیے کہ دیہی زندگی کی از سرنو تشکیل کے کام میں ہم مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو اپنا دلی اور بھر پور تعاون پیش کریں ۔ بہر حال ہمارے ملک کے مستقبل کی خوشحالی کا انحصار ناگزیر طور پر عوام کی سخت محنت اور اپنے فرض سے تعلق خاطر رکھنے پر ہے ۔

(شاردا مکرجی)

* * * * *

دیہی عوام کو باخبر رکھئے

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ " آندھرا پردیش " کا اگست ۱۹۷۷ کا شمارہ خصوصی یوم آزادی نمبر ہوگا ۔ حالانکہ قومی اہمیت کے ہر موقع پر خصوصی نمبر کی اشاعت ایک عام بات ہے لیکن اس سال یوم آزادی نمبر خاص اہمیت کا حامل ہے ۔ ہمارا ملک دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ۔ حال ہی میں فیصلہ کن عام انتخابات کے دور سے گذرا ہے اورتیس سال میں پہلی مرتبہ عین گاندھیائی روایات کے مطابق مرکز میں حکومت کی پرامن تبدیلی روبہ عمل آئی ہے ۔ اس تبدیلی نے ہمارے جمہوری نظام کی کاملیت اور پختگی کی پوری پوری تصدیق کردی ہے ۔

ہمارا ملک منصوبہ بند ترقیاتی سرگرمیوں کے ذریعہ گذشتہ ۳۰ سال سے معاشرتی و اقتصادی میدان میں تعمیرات کے دور سے گذرتا آ رہا ہے ۔ آندھرا پردیش لازمی طور پر ایک زرعی ریاست ہونیکے باعث ہمارے منصوبوں میں آبپاشی کی ترقی کو اولین فوقیت دی گئی جسکے نتیجے میں منصوبہ بندی کے گذشتہ دھوں کے دوران متعدد بڑے ، اوسط اور چھوٹے آبپاشی پراجکٹ عالم وجود میں آئے ہیں ۔

ہم کچھ عرصے سے ریاست کو صنعتیانے پر بھی خاطرخواہ توجہ دے رہے ہیں اور صنعت کاروں کو ریاست میں خاص طور پر پسماندہ علاقوں میں نئی صنعتوں کے قیام کے لئے جو متعدد ترغیبات پیش کی جا رہی ہیں ان سے ریاستی حکومت کی اس دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے جو اس کو اس کلیدی شعبے کی ترقی سے ہے ۔ ریاست میں پڑھے لکھے بےروزگاروں کو سود مند پیشوں میں لگانے کے لئے خودروزگار اسکیموں کی کامیاب عمل آوری کی بدولت یہ اسکیمیں ملک بھر میں سب سے زیادہ کامیاب اسکیمیں قرار دی گئی ہیں ۔

ریاستی حکومت لاتعداد غریبوں اور پچھڑے ہوئے عوام کے لئے سماجی انصاف فراہم کرنے کی پالیسی کو بالکلیہ طور پر اپنا چکی ہے ۔ ریاستی حکومت کی جانب سے وسیع طور پر مکانات کی جگہوں کی تقسیم کے پروگرام کی کامیاب عمل آوری کو سب نے اور ہر ایک نے سراہا ہے یہ پروگرام اس سال دوہرے جوش خروش کے ساتھ روبہ عمل لایا جارہا ہے تا کہ پسماندہ طبقات کے ہر مستحق خاندان کو اس پروگرام کے دائرہ اثر میں لے آیا جائے ۔

اس طرح اصلاحات اراضی کی عمل آوری کا پروگرام اور فاضل اراضیات کی تقسیم کا کام زور و شور کے ساتھ جاری ہے جبکہ برقی قوت کی پیداوار کے معاملے میں ہم تریب قریب خود مکتفی ہو گئے ہیں ۔

فلاح و بہبود کی اسکیموں کی کامیابی کا دار و مدار بڑی حد تک عوام کے رضامندانہ تعاون پر ہے ۔ میں آندھرا پردیش کے عوام سے جو سوشلسٹ طرز کے سماج پر راسخ عقیدہ رکھتے ہیں اپیل کرونگا کہ وہ ریاستی حکومت کو اسکی اس کوشش میں بھر پور اور مکمل تعاون دیں ۔

میں یہ بھی تمنا رکھتا ہوں کہ جریدہ " آندھرا پردیش " جو پہلے ہی سے ریاست کے دور دراز گوشوں میں پہنچ رہا ہے دیہی مسائل کی جانب اپنی خصوصی توجہ مبذول کرے گا اور ہمارے عوام کو ترقی کے مختلف پہلوؤں سے واقف کرائے گا ۔

جے ۔ وینگل راؤ
چیف منسٹر

ہمارا موازنہ

سال ۷۸-۱۹۷۷ کے لئے

شری بی - رنگا ریڈی وزیر فینانس نے ۱۷ - جون ۱۹۷۷ کو مجلس مقننہ آندھرا پردیش میں ریاستی موازنہ بابت ۷۸-۱۹۷۷ پیش کرتے ہوئے جو تقریر کی اس کے اہم اقتباسات ذیل میں دئے جاتے ہیں -

شری بی - رنگا ریڈی نے اپنی تقریر کے آغاز میں کہا کہ " خریف اور ربیع دونوں فصلوں کے بری طرح متاثر ہونے کے نتیجہ میں سال ۷۷-۱۹۷۶ کی غذائی اجناس کی جملہ پیداوار ۷۶-۱۹۷۵ کے مقابلہ میں قابل لحاظ طور پر کم ہوگئی - قدرتی طور پر اس کا اثر اس سال کی ریاست کی آمدنی پر ہوا اگرچہ اسکی جزوی طور پر پابجائی صنعتی شعبہ میں ہونے والے قابل لحاظ فائدوں اور دیگر شعبہ جات کی مسلسل ترقی کی وجہ سے ہوگی -

قیمتیں -

" میں نے پہلے اس کا بھی ذکر کیا ہیکہ اگر چہ ۱۹۷۶ کے ابتدائی دور تک قیمتوں میں کمی کے بعد اس میں اضافے کا رجحان ہوا ہے پھر بھی یہ رجحان ۱۹۷۵ کی انتہائی اضافہ شدہ قیمتوں کے مقابلہ میں کم ہی ہے - اسطرح اگر چہ ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران آندھرا پردیش میں زرعی اشیاء کی تھوک قیمتوں کے اشاریہ نشان میں اضافہ ہوا ہے لیکن اس سال کا سالانہ اوسط اب بھی ۱۶۱٫۵ رہا ہے جبکہ ۷۶-۱۹۷۵ میں یہ ۱۷۰٫۶ تھا - سال ۷۷-۱۹۷۶ کی بابت اشاریہ اشیائے صارفین کا کل ہند اوسط ۳۰۱ تھا جبکہ ۷۶-۱۹۷۵ میں یہ اوسط ۳۱۳ رہا ہے - ریاست کے مراکز کے لئے اشاریہ کا اوسط سال ۷۷-۱۹۷۶ میں ۲۹۶ تھا جبکہ ۷۶-۱۹۷۵ میں یہ اوسط ۳۰۸ رہا ہے - اسکے باوجود قیمتوں کا اتار چڑھاؤ معیشت کا ایک پہلو رہتا ہے جس پر خاص طور سے بعض اشیاء مثلاً خوردنی تیل دالوں وغیرہ کے تعلق سے جو تمام عوام کے استعمال کی چیزیں ہیں بہت احتیاط سے نگرانی کی ضرورت ہے اگر چہ قیمتوں میں اضافہ کو روکنے کے لئے بہت سے ذرائع ریاستی حکومت کے مقابلہ میں مرکزی حکومت کو حاصل ہیں " -

مصارف منصوبہ -

منصوبہ جاتی مصارف کا ذکر کرتے ہوئے وزیر موصوف نے کہا کہ " علی الحساب موازنہ میں سال ۷۸-۱۹۷۷ کی بابت سالانہ منصوبہ کے مصارف کی مقدار ۳۶۵٫۷۵ کروڑ روپیہ رکھی گئی ہے جبکہ ۷۷-۱۹۷۶ میں اس کی مقدار ۲۷۰٫۳۸ کروڑ روپیہ تھی - ہم نے ان مصارف میں اضافہ کرکے انہیں اب ۳۸۰٫۳۸ کروڑ روپیہ کردیا ہے تاکہ ایک طرف تو برق و آبپاشی کے کلیدی شعبوں کے لئے اور دوسری طرف کمزور طبقات کے پروگراموں کے لئے رقوم میں اضافہ کیا جاسکے - دیہاتوں کو برقی کی فراہمی کے لئے ۵ کروڑ روپیہ - اوسط آبپاشی کے لئے ۴ کروڑ روپیہ چھوٹی آبپاشی کے لئے ایک کروڑ روپیہ - آندھرا پردیش اسٹیٹ کنسٹرکشن کارپوریشن کے لئے ایک کروڑ روپیہ اور درج فہرست اقوام - درج فہرست قبائل - پسماندہ طبقات - خواتین اور دیگر کمزور طبقات کی بہبودی کی اسکیمات کے لئے ۲٫۹۰ کروڑ روپیہ کے اضافہ کی وجہ سے مصارف میں اضافہ ہوا " -

شعبہ واری الاٹمنٹ ۔

شعبہ واری الاٹمنٹ کے بارےمیں وزیر فینانس نے کہا کہ '' **زراعت اور متعلقہ خدمات** کے تعلق سے رقم کو جو۱۹۷۶-۷۷ میں ۱۹٫۹۹ کروڑ روپیہ تھی بڑھا کر ۱۹۷۷ - ۷۸ میں ۲۸٫۵۸ کروڑ روپیہ کردیا گیا ھے ۔ شعبہ امداد باھمی کے تحت رقم کو جو ۱۹۷۶-۷۷ میں ۵٫۱۵ کروڑ روپیہ تھی بڑھا کر ۱۹۷۷-۷۸ میں ۶٫۵۰ کروڑ روپیہ کردیا گیا ھے ۔ ۱۹۷۶-۷۷ میں ،، برق کی ترقیات کے شعبہ کے تحت ۱۹۴٫۱۹ کروڑ روپیہ کی رقم رکھی گئی تھی جسکو بڑھا کر ۱۹۷۷-۷۸ میں ۲۵۶٫۱۷ کروڑ روپیہ کردیا گیا ھے

'' صنعتوں اور معدنیات کے شعبہ ،، کے تحت ۱۹۷۶-۷۷ میں ۸٫۹۲ کروڑ روپیہ کی رقم مختص کی گئی تھی جسے بڑھا کر اب ۱۱٫۲۷ کروڑ روپیہ کردیا گیا ھے ۔ '' حمل و نقل اور رسل و رسائل کے شعبہ ،، کے تحت ۲۸٫۳۷ کروڑ روپیہ رقم رکھی گئی ھے جو گزشتہ سال کی رقم کے مقابلہ میں بقدر ۵ کروڑ روپیہ زائد ھے ۔ اس میں سے ۸٫۸۰ کروڑ روپیہ سڑکوں کے لئے رکھے گئے ھیں ۔'' سماجی و اجتماعی خدمات ،، کے تحت گزشتہ سال مصارف کی مقدار ۳۷٫۸۲ کروڑ روپیہ تھی اور سال رواں میں اسکی مقدار ۳۷٫۵۶ کروڑ روپیہ رکھی گئی ھے ۔ '' معاشی اور عمومی خدمات ،، کے تحت ۱۹۷۷-۷۸ میں ۱٫۹۳ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ھے جبکہ گزشتہ سال کے دوران اسکی مقدار ۱٫۲۰ کروڑ روپیہ تھی ۔

زراعت ۔

شعبہ زراعت کے سلسلہ میں وزیر موصوف نے فرمایا کہ '' زراعت کے لئے سال رواں میں مختص کردہ رقم ۶٫۹۰ کروڑ روپیہ ھے جبکہ ۱۹۷۶-۷۷ میں یہ رقم ۵٫۱۸ کروڑ روپیہ تھی زرعی ترقی کی ھماری حکمت عملی اب بھی زیادہ پیداوار دینے والی اقسام اجناس کے پروگرام پر منحصر ھے اور اس سلسلے میں اب تک قابل لحاظ ترقی ھوئی ھے ۔ زرعی پیداوار کے پروگراموں کو مختلف ترقیاتی پروگراموں مثلاً '' چھوٹے کسانوں کی ترقیاتی ایجنسی ،، '' قحط پذیر علاقوں کے پروگرام ،، '' معمولی خود کفیل کسانوں اور زرعی مزدوروں اور قبائلیوں کی ترقیاتی ایجنسیوں ،، میں ضم کردیا جارھا ھے تا کہ ٹکنالوجی کے فوائد سے کمزور طبقات بھی مستفید ھوسکیں ۔ ریاست میں زرعی نظم و نسق کو موثر بنایا گیا ھے اس لئے ایک طرف نو توسیعی فرائض کو اور دوسری طرف کیمیائی کھاد ۔ بیجوں وغیرہ کی فراھمی کے شعبوں کو الگ کردیا گیا ھے نیز مختلف علاقائی سطحوں پر اختیارات بڑی حد تک تفویض کردئے گئے ھیں ۔

افزائش مویشیان :

۱۹۷۷-۷۸ میں منصوبہ کے تحت اسکیمات افزائش مویشیان کے لئے ۱٫۳۲ کروڑ روپیہ کی رقم رکھی گئی ھے جبکہ ۱۹۷۶-۷۷ میں یہ رقم ایک کروڑ روپیہ تھی ۔ اس سے معلوم ھوتا ھے کہ اس شعبہ میں ۳۲ فیصد کا اضافہ ھوا ھے ۔

اس کے علاوہ ھم نے ھماری ریاست کے ۱۹ اضلاع میں چھوٹے اور معمولی خود کفیل کسانوں اور زرعی مزدوروں کے لئے مویشیوں کے خصوصی پروگرام آغاز کئے ھیں جنکی حکومت ھند نے ذمہ داری لی ھے ۔

'' زراعت کے قومی کمیشن ،، نے سفارش کی ھیکہ دیہی آبادی کے کمزور طبقات کو آمدنی کے مزید ذرائع فراھم کرنے کے لئے '' مویشیوں کی پیدائش کے پروگرام ،، مثلاً دودھ کی پیداوار ، بکریاں پالنے ، سوروں اور مرغیوں وغیرہ کو پالنے کے پروگرام شروع کئے جائیں ۔ حکومت ھند نے آندھرا پردیش کے لئے ایسے۱۹ پراجکٹ شروع کئے ھیں ان پروجکٹوں میں '' دوغلہ نسل کے بچھڑوں کی پرورش ،، کے ۵ پروجکٹ ، بکریوں کو پالنے کے ۶ مرغیوں وغیرہ کے ۵ اور سوروں کے ۳ پروجکٹ شامل ھیں ۔ ان پروجکٹوں سے پانچویں منصوبہ کی مدت کے دوران ۵۵٫۷۵۰ لوگوں کو فائدہ پہنچیگا ۔

سمکیات ۔

وزیر موصوف نے اپنی تقریر جاری رکھتے ھوئے کہا کہ '' ۱۹۷۷-۷۸ کے دوران سمکیات سے متعلق منصوبہ کی رقم میں ۲۰ لاکھ روپیہ کا اضافہ کیا گیا ھے یعنی یہ رقم جو ۱۹۷۶-۷۷ میں ۶۰ لاکھ روپیہ تھی بڑھکر ۱۹۷۷-۷۸ میں ۸۰ لاکھ روپیہ ھو گئی ھے ۔ اس اضافہ شدہ رقم کی وجہ سے ریاست میں ماھی گیری کی ترقی کے لئے نئی اسکیمات کا شروع کیا جانا ممکن ھوسکا ۔ اسکے علاوہ ھم نے کاکیناڈا کی بندرگاہ ماھی گیری میں اور ان دیہاتوں میں جہاں ماھی گیری کی جاتی ھے بنیادی سہولتوں کے لئے مرکزی اسکیمات کا آغاز کیا ھے ۔

جنگلات ۔

فینانس منسٹر نے بتایا کہ '' **شعبہ جنگلات** ،، کے تحت سالانہ منصوبہ بابت ۱۹۷۶-۷۷ میں ۸۸ لاکھ کی رقم رکھی گئی تھی جسکو مزید بڑھا یا جا کر ۱۹۷۷-۷۸ کے سالانہ منصوبہ میں ۱٫۱۰ کروڑ کردیا گیا ھے ۔ اس شعبہ میں منصوبہ بندی میں اضافہ کے علاوہ ھم نے اضلاع کھمم ، مشرقی گوداوری ، مغربی گوداوری ، عادل آباد محبوب نگر ، پرکاشم کرنول میں ایک مرحلہ وار پروگرام کے تحت موجودہ نظام گتہ داری

کی بجائے محکمہ جنگلات کی جانب سے کام کا آغاز کیا ہے۔ ۱۹۷۷-۷۸ کے دوران محکمہ کی جانب سے کام کی انجام دہی کے لئے موازنہ میں ۲٫۳۲ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

جون ۱۹۷۵ میں '' صحرائی ترقیاتی کارپوریشن قائم کی گئی تا کہ ریاست میں لکڑی سے متعلقہ صنعتوں کو خام مال فراہم کرنے کے لئے جنگلات اگائے جائیں۔ فی الوقت کارپوریشن ایک چھ سالہ پروگرام کے تحت تقریباً ۳ کروڑ روپیہ کے مصارف سرمایہ سے جس میں ریاستی اور مرکزی حکومتوں کی مساوی رقم ہوگی اور'' زرعی ری فینانس اور ترقیاتی کارپوریشن کے توسط سے ۱٫۳۰ کروڑ روپیہ کے قرضہ سے ضلع مشرقی گوداوری میں ۷ ہزار ہیکٹر پر یوکلپٹس اور ضلع کھمم میں ۳۴۰۰ ہیکٹر پر یوکلپٹس اور ۶۶۰۰ ہیکٹر پر بانس کے درخت لگارہی ہے۔ اس کے علاوہ کارپوریشن نے تقریباً ۶ کروڑ روپیہ کے صرفہ سے اضلاع گنٹور، پرکاشم، نیلور اور چتور میں ۷۶۰۰ ہیکٹر پر کاجو کے درخت اگانے کا ایک پروجکٹ تیار کیا ہے۔ '' زرعی ری فینانس اور ترقیاتی کارپوریشن '' اس اسکیم کا جائزہ لے رہی ہے کارپوریشن نے ۸ سالہ پروگرام کے تحت اضلاع ورنگل اور کریم نگر میں ۱۲ ہزار ہیکٹر پر یوکلپٹس کی شجرکاری کے لئے ایک اسکیم وضع کی ہے تا کہ ضلع ورنگل میں قائم ہونیوالی '' ریان فیکٹری '' کو لکڑی فراہم کی جا سکے اور وہ '' زرعی ری فینانس اور ترقیاتی کارپوریشن '' کی جانب سے جانچ کے لئے تیار ہے۔

بڑی آبپاشی ۔

بڑی آبپاشی سے متعلق شری رنگاریڈی نے کہا کہ '' ہم نے اس سال کے دوران ناگارجنا ساگر کے لئے گنجائش کو ۲۲ کروڑ روپیہ سے بڑھا کر ۳۷٫۰۵ کروڑ روپیہ کردیا ہے۔ اسطرح پوچم پاڈ پروجکٹ کے لئے اس سال کے منصوبہ میں ۲۰ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے جبکہ ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران ۱۸ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ دریائے گوداوری پر انی کٹ کے دولیشورم بازو کے شگاف کو بند کردیا گیا ہے اور انی کٹ سابقہ حالت میں آگیا ہے اور حال ہی میں وزیر اعلی نے مشرقی ڈیلٹا سے پانی بھی چھوڑا ہے۔ ہم نے گوداوری بیریج پر کام کی عاجلانہ تکمیل کے لئے سال رواں کے موازنہ میں ۱۱ کروڑ روپیہ کی گنجائش فراہم کی ہے۔

اوسط اور چھوٹی آبپاشی :

فینانس منسٹر نے اوسط اور چھوٹی آبپاشی کے شعبوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ '' ہم نے ۱۹۷۷-۷۸ کے لئے اوسط آبپاشی کے تحت جملہ ۳۰٫۸۲ کروڑ روپیہ کی رقم فراہم کی تھی جبکہ میں نے علی الحساب موازنہ پیش کیا تھا۔ ان اسکیمات کی اہمیت کے پیش نظر اب ہم نے اس میں مزید تین کروڑ روپیہ کا اضافہ کیا ہے۔ اس طرح اس سال کے منصوبہ میں ان اسکیمات کے لئے جملہ ۳۷٫۸۲ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ ٹمیلیرو پروجکٹ کے لئے مزید ایک کروڑ روپیہ کی رقم رکھی جارہی ہے۔ چھوٹی آبپاشی کے شعبہ کو منصوبہ آبپاشی میں ایک خصوصی مقام دیا گیا ہے کیونکہ اس سے نتائج بہت جلد نکلتے ہیں اور اس کے فوائد سے ایک کثیر علاقہ متمتع ہوتا ہے اسلیے چھوٹی آبپاشی کے لئے گنجائش کو ۷٫۰۳ کروڑ روپیہ سے بڑھا کر ۸٫۰۳ کروڑ روپیہ کردیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ غیرمنصوبہ جاتی مد سے ایک کروڑ روپیہ کی رقم جاری کی گئی ہے تا کہ چھوٹی آبپاشی کے کاموں کو جنکو طوفان باد و باراں سے نقصان پہنچا ہے ٹھیک کیا جائے۔ زیر زمین آبی و سائل کی کھوج کے لئے مناسب سروے کی ضرورت ہے اور اس غرض کے لئے ''محکمہ زیر زمین آب '' قائم کیا گیا ہے۔ سال رواں کے منصوبہ میں اس محکمہ کے لئے ۶۰ لاکھ روپیہ کی رقم رکھی گئی ہے ''۔

برق کے پروجکٹس ۔

برق کے پراجکٹس کے بارے میں وزیر موصوف نے بتایا کہ ہم نے علی الحساب موازنہ میں برق کے شعبہ کے لئے ۱۰۳ کروڑ روپیہ فراہم کئے ہیں اس میں سری سیلم پروجکٹ کے لئے ۳۲ کروڑ روپیہ۔ کوتہ گوڑم کے لئے ۱۲٫۳۰ کروڑ روپیہ۔ وجے واڑہ تھرمل اسکیم کے لئے ۱۴ کروڑ روپیہ اور دیہاتوں کو برق کی سربراہی کے لئے ۱۲٫۸۵ کروڑ روپیہ اور برق کی ترسیل و تقسیم کے لئے ۲۳٫۸۰ کروڑ روپیہ شامل ہیں۔ ہم نے دیہاتوں کو برق کی سربراہی کے لئے مزید ۵ کروڑ روپیہ کا اضافہ کیا ہے جس سے اس مد پر جملہ رقم ۱۷٫۸۵ کروڑ روپیہ ہوجاتی ہے۔ اس سے پروگرام کی توسیع عمل میں آسکے گی۔ حکومت ہند اور حکومت آندھرا پردیش نے ''سعودی سرمایہ برائے ترقیات مملکت سعودی عرب'' سے قرض اور پراجکٹ کے علی الترتیب دو معاهدوں پر ۲-جون ۱۹۷۷ کو دستخط کئے ہیں۔ جنکے تحت '' سعودی سرمایہ '' سے سری سیلم اور ناگرجوناساگر میں ہائیڈرو الکٹرک پروجکٹس کی تکمیل کے لئے ۳۵۳ ملین سعودی ریال (دس کروڑ امریکی ڈالر) کا قرضہ مل سکے گا۔ آندھرا پردیش وہ پہلی ریاست ہے جسے سعودی سرمایہ سے ہندوستان کو دیا گیا قرضہ ملا۔ دیہاتوں اور ہریجن واڑوں کو بجلی کی سربراہی پر خاص توجہ کی جارہی ہے۔ جملہ ۲۷٫۲۲۱ دیہاتوں میں سے اب تک ۱۳۳۹۶ دیہاتوں کو برقایا گیا ہے۔ طئے شدہ پالیسی کے مطابق اصل دیہاتوں کے ساتھ تمام ہریجن واڑوں کو بجلی سربراہ کی جارہی ہے۔ ۱۹۷۷-۷۸ کے دوران

۱٫۷۰۰ نئے دیہاتوں کو اور ۲۷ ہزار زرعی پمپ سٹوں کو برقانے کا پروگرام ہے ۔

صنعتیں ۔

صنعتوں کے حوالہ سے شری ریڈی نے کہا کہ '' ہم نے اس شعبہ کے لئے منصوبہ میں ہمارے مصارف کو جو ۷۷-۱۹۷۶ میں ۵۰ء۷ کروڑ روپیہ تھے بڑھا کر ۷۸-۱۹۷۷ میں ۸۰ء۰۳ کروڑ روپیہ کردیا ہے۔ اس شعبہ کی مزید اہمیت کے پیش نظر سال رواں کے موازنہ میں کوآپریٹیو شوگر فیکٹریز کے لئے مذکورہ بالا رقم کے علاوہ ۲۱ء۳ کروڑ روپیہ کی رقم فراہم کی ہے۔ سال جاریہ کے دوران کوور ضلع نیلور پالیرو ۔ ضلع کھمم ۔ نندیال ۔ ضلع کرنول ۔ ہنومان جنکشن ۔ ضلع کرشنا اور گرزالا اور تنالی ۔ ضلع گنٹور میں چھ کواپریٹیو شوگر فیکٹریز کی تعمیر شروع کردی جائیگی جسکے لئے منصوبہ میں اور چھ نکاتی فارمولہ کے تحت رقم فراہم کی گئی ہے ۔ اسکے علاوہ نظام شوگر فیکٹری نے حال ہی میں ہندو پور ۔ ضلع اننت پور میں اس کی شوگر فیکٹری کی تعمیر شروع کی ہے ۔ اس سال ماہ مارچ میں مریال گوڑہ شوگر فیکٹری چالو کی جاچکی ہے۔ اور نظام شوگر فیکٹری اسکے شکرنگر یونٹ کو ''صنعتی ترقیاتی بنک آف انڈیا،، کے آسان قرض سے عصری بنانے کی تجویز رکھتی ہے ۔

تعلیم ۔

شعبہ تعلیم کے تعلق سے وزیر موصوف نے کہا کہ منصوبہ کے تحت تعلیم کے لئے ۱۵ء۶ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ جس میں سے ۳ء۳۴ کروڑ روپیہ اقل ترین ضروریات کے پروگرام کے تحت تحتانوی تعلیم کے لئے رکھے گئے ہیں ۔ تحتانوی تعلیم کے شعبے میں جماعت ہائے اول تا پنجم میں مزید ۶۳ ہزار لڑکوں اور ۶۲ ہزار لڑکیوں کو اور جماعت ہائے ششم و ہشتم میں مزید ۳۸ ہزار لڑکوں اور ۳۷ ہزار لڑکیوں کو شریک کرنے کا پروگرام ہے ۔ ثانوی تعلیم کے میدان میں سال رواں کے دوران جماعت ہائے ششم تا دہم میں مزید ۳۷ ہزار لڑکوں اور ۳۶ ہزار لڑکیوں کو شریک مدارس کرنے کی تجویز ہے۔ چھ لاکھ روپیہ کے مصارف سے درج فہرست اقوام کے بچوں کے لئے رہائشی مدارس شروع کرنے کی اور جماعت دہم کے امتحان میں بیٹھنے والے درج فہرست اقوام کے طلبہ کے لئے کوچنگ کلاسس شروع کرنے کی بھی تجویز ہے۔ اعلی تعلیم کے میدان میں جونیر کالجوں کے لئے ۵۹ لاکھ روپیہ کی رقم اور جامعاتی تعلیم کے لئے ۸۹ء۲۲ لاکھ روپیہ کی رقم فراہم کی گئی ہے ۔ ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران آندھرا گرلز کالج کھمم کے علاوہ جسے حکومت نے اپنی نگرانی میں لے لیا ہے چھ سرکاری جونیر کالج اور ایک ڈگری کالج قائم کیا گیا ہے ۔ سال رواں کے موازنہ منصوبہ میں کالج کی عمارات کی تعمیر کے لئے ۳۷ لاکھ روپیہ کی رقم رکھی گئی ہے ۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس سال چھ نکاتی فارمولہ کے فنڈ سے کاکتیہ یونیورسٹی کے لئے ۳۵ لاکھ روپیہ اور ناگرجونا یونیورسٹی کے لئے ۲۰ لاکھ روپیہ اور پوسٹ گریجویٹ سنٹر ۔ اننت پور کے لئے ۱۵ لاکھ روپیہ الاٹ کئے جائیں ۔ کلچرسیوزیم '' تلگو کے ادوار ،، کی تعمیر کے لئے ۵ لاکھ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے اور اردو اکیڈیمی کو اس کی ترقی کے لئے ۲ لاکھ روپیہ بطور گرانٹ دئے گئے ہیں ۔

طبابت ۔

شعبہ طبابت کا ذکر کرتے ہوئے فینانس منسٹر نے کہا کہ ''۷۸-۱۹۷۷ میں ۱۰ تعلقہ ہسپتالوں اور ضلع ہسپتال کے دو ہسپتالوں میں تقریباً ۲۰۵ بستروں کا اضافہ کرنے کی تجویز ہے ۔ نظام آرتھو پیڈک ہسپتال کو جسے حکومت نے اپنی نگرانی میں لے لیا ہے مختلف مراحل میں آلات وغیرہ سے لیس کیا جارہا ہے تاکہ اس میں آرتھوپیڈکس ۔ کارڈیالوجی ۔ کارڈیوتھوریزک سرجری ۔ علم الاعصاب ۔ نیورو سرجری سے متعلق خصوصی شعبے قائم کئے جاسکیں ۔ یہ ہسپتال ۷۸-۱۹۷۷ سے پوری طرح کام کرنے لگیگا ۷۷-۱۹۷۶ میں ادویہ اور مریضوں کو غذا کے اخراجات میں اضافہ کیا گیا ہے جس پر ۱٫۳۰ کروڑ روپیہ کا خرچ لاحق ہوگا ۔ غیر مقیم مریضوں کے لئے ۷۸-۱۹۷۷ دوران کے لئے تقریباً ۱٫۷۶ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ۷۸-۱۹۷۷ع کے دوران درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے طب کے طالب علموں کے فائدہ کے لئے ۵ لاکھ روپیہ کے مصارف سے ایک اسکیم روبہ عمل لانے کی تجویز ہے۔ اس اسکیم کے تحت درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے ہاسٹلوں کو دواؤں کی سربراہی کے لئے ۲ لاکھ روپیہ اور طبی کالجوں میں درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے طلبہ کو کتابوں اور آلات کے لئے ۳ لاکھ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ حکومت نے فبروری ۱۹۷۷ سے کاکتیہ میڈیکل کالج ورنگل کو اور اس سال اپریل سے رنگا رایا میڈیکل کالج کے انتظام کو اپنی نگرانی میں لے لیا ہے ۔

صحت عامہ ۔

صحت عامہ کے شعبے کے بارے میں وزیر موصوف نے بتایا کہ ''بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے پروگرام کو آٹھ میڈیکل کالجوں کے تمام عملہ کے ذریعہ جن میں طب کے طلبہ شامل ہوں گے اور عام کارکنان صحت عامہ کے ذریعہ جن میں ہمہ مقصدی کارکن شامل ہوں گے روبعمل لایا جائیگا تاکہ ۷۸-۱۹۷۷ میں ۲۰ لاکھ لوگوں کو فائدہ پہنچایا جاسکے ۔

دیہاتی آبادی کی صحت کی دیکھ بھال کے نئے نظام کے تحت ''ہمہ مقصدی اسکیم کارکنان صحت'' کو آندھرا پردیش کے ۸ اضلاع میں ۷۷-۱۹۷۶ء میں روبعمل لایا گیا اور اسکو ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران مزید ۸ اضلاع تک توسیع دینے کی تجویز ہے -

دیہی و شہری سربراہی آب -

دیہی سربراہی آب کے تحت جاری یہ کوشش ہے کہ نہ صرف اصل مواضعات کو بلکہ قریوں اور اصل مواضعات سے وابستہ ہریجن واڑوں کو بھی پینے کے پانی کی سہولتیں فراہم کی جائیں - ۷۸-۱۹۷۷ء کے دوران اسکیمات دیہی سربراہی آب کے لئے ۴.۲۵ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے -

تعمیر امکنہ -

تعمیر امکنہ کے تعلق سے وزیر موصوف نے بتایا کہ '' ہاؤزنگ بورڈ آندھرا پردیش نے اب تک تقریباً ۶ ہزار مکانات تعمیر کروائے ہیں اور تقریباً ۴۰۰ مکانات تعمیر کے مختلف مراحل سے گزر رہے ہیں - اب بورڈ کی سرگرمیوں کو ریاست کے تمام اضلاع تک وسعت دی گئی ہے دیہی علاقوں میں مکانات کی ضروریات پر خصوصی توجہ مبذول کرنے کے لئے ہاؤزنگ بورڈ آندھرا پردیش ایک '' شعبہ دیہی تعمیر امکنہ '' قائم کررہا ہے جو دیہاتی علاقوں میں مکانات کے مطالبہ کا جائزہ لے کر عمارات کے لئے موزوں مال مسالہ اور طریقوں کو دریافت کرے گا اور مکانات کی تعمیر کو فروغ دیگا - دونوں شہروں میں گندی بستیوں میں مکانات کی تعمیر جدید اور گندی بستیوں کے باسیوں کی باز آباد کاری کی ایک جامع اسکیم شروع کی گئی ہے - وسا کھاپٹنم - وجے واڑہ اور گنٹور میں بھی اس قسم کی اسکیمات شروع کی جارہی ہیں -

بہبودی نسواں و اطفال -

اس شعبے کے تحت حکومتی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے شری ریڈی نے کہا کہ '' محکمہ بہبودی نسواں و اطفال کی سرگرمیوں میں باقاعدگی پیدا کرنے والے ادارہ کے ذریعہ جیسے ریاست میں عورتوں اور بچوں کی سماجی و معاشی ترقی سے دلچسپی ہے نیا رنگ و آہنگ عطا کرنے کے لئے کوشش کی گئی ہے - اس نقطہ نظر کی مطابقت میں '' آندھرا پردیش ویمنس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن '' نے تقریباً ۱.۷۳ کروڑ روپیہ کے صرفہ سے اسکیمات شروع کی ہیں جن سے ۱۶۳۳۷ عورتوں کو فائدہ پہنچے گا - اس کارپوریشن کے سرمایہ حصص میں شریک کرنے کے لئے منصوبے کے تحت ۲۰ لاکھ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے - رضاکارانہ اداروں کی ہمت افزائی کی جاتی ہے کہ وہ ملازم پیشہ خواتین کے ہاسٹل قائم کریں تاکہ ان خواتین کو محفوظ اور خوشگوار ماحول مل سکے نیز وہ بے سہارا بچوں کی دیکھ بھال کے لئے محتاج گھر بھی قائم کرسکیں ''۔

حکومت نے '' ترقی اطفال سے متعلق متحدہ خدمات '' کی منظوری دی ہے جسے تجرباتی طور پر ضلع اننت پور کے کمبادر بلاک اور ضلع عادل آباد کے اٹنور بلاک میں رائج کیا جارہا ہے - یہ اسکیم متحدہ خدمات فراہم کرتی ہے جس میں تقویت بخش غذا - بیماریوں سے محفوظ رکھنا - صحت کی دیکھ بھال بشمول مشاورتی خدمات - ماؤں کی غذا کے تعلق سے تربیت - ماقبل مدرسہ تعلیم اور تفریح شامل ہے -

پست سماجی و معاشی طبقات سے تعلق رکھنے والے بچوں اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں میں کمی تغذیہ کے پروگرام کو روبعمل لانے کے لئے خصوصی مسئلہ کی فوری یکسوئی کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے حکومت ریاست کی ۲ بلدیات میں شہری گندی بستیوں میں رہنے والے ۱۰۰۰۰ لوگوں اور قبائلی علاقوں میں ۲ لاکھ لڑکوں کے تعلق سے تغذیہ کے خصوصی پروگرام کو روبعمل لارہی ہے - ان پروگراموں کے تحت ہر ایک کو ۳۰۰ حراروں والی ۱۰ گرام پروٹین والی غذا تقسیم کی جارہی ہے تغذیہ کے تحت منصوبہ میں ۱.۵۰ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے -

اس سال کے موازنہ میں ہم نے منصوبہ کے تحت عورتوں اور بچوں کی بہبودی کے لئے جملہ ۵۵.۱۵ لاکھ روپیہ کی گنجائش رکھی ہے اور یہ گنجائش اس غرض کے لئے فراہم کردہ ۱.۳۵ کروڑ روپیہ کی غیر منصوبہ جاتی گنجائش کے علاوہ ہے -

کمزور طبقات کی بھلائی -

کمزور طبقات کی بھلائی کے کاموں کے بارے میں وزیر موصوف نے کہا '' میں نے علی الحساب موازنہ پیش کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ درج فہرست اقوام کی بہبودی کے لئے ۲.۴۳ کروڑ روپیہ - درج فہرست قبائل کی بہبودی کے لئے ۱.۹۲ کروڑ روپیہ اور پسماندہ طبقات کی بہبودی کے لئے ۱.۱۷ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے - معزز ارا کین واقف ہیں کہ حکومت نے کمزور طبقات کی ہمہ جہتی ترقی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اس پالیسی کی مطابقت میں ہم نے ان طبقات کے لئے منصوبہ میں مزید ۲.۹ کروڑ روپیہ کا اضافہ کیا ہے - مکانات کی تعمیر کے لئے قطعات اراضی کے حصول کے پروگرام کو روبعمل لانے کے لئے ۴ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی ہے جسکو اب بڑھا کر ۵ کروڑ روپیہ کردیا گیا ہے - اس طرح آندھرا پردیش شیڈولڈ کاسٹس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن کے ذریعہ روبعمل

لائی جانیوالی اسکیمات کے لئے گنجائش کو بڑھا کر ۱۰٫۵۲ کروڑ روپیہ کردیا گیا ہے ۔ اس طرح آندھرا پردیش بیک ورڈ کلاسس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن کے لئے گنجائش کو بڑھا کر ۱۰٫۰۱ **کروڑ روپیہ کردیا گیا ہے ۔** مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی **ہیکہ ان** کارپوریشنوں نے گزشتہ چند مہینوں کے دوران سماج کے ان کمزور طبقات کو قابل لحاظ رقوم بطور قرض دی ہیں ۔ آندھرا پردیش شیڈولڈ کاسٹس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن نے اب تک ۱۳٫۹۹ کروڑ روپیہ بطور قرض دئے ہیں جس سے ۹۸۳۰۰۱ لوگوں کو فائدہ پہنچا ۔ آندھرا پردیش بیک ورڈ کلاسس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن نے ۶۲٫۶۸ کروڑ روپیہ **بطور قرض دئے** ہیں جس سے ۹۹۶۴۳ **لوگوں** نے استفادہ کیا **اور** آندھرا پردیش شیڈولڈ ٹرائبس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن نے ۳۸٫۸۹ لاکھ روپیہ بطور قرض دئے جس سے ۳۰۶۲ **اشخاص** نے فائدہ اٹھایا ۔ ۔ حکومت نے تجارتی بنکوں کے قرضوں کی مدد سے درج فہرست اقوام ۔ درج فہرست قبائل اور پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے لئے ہاسٹلوں کی تعمیر کے لئے ۲ کروڑ روپیہ کے ایک پروگرام کا آغاز کیا ہے ۔ درج فہرست اقوام ۔ درج فہرست قبائل اور پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے طلبہ کو قومیائی ہوئی نصابی کتابوں کی مفت فراہمی کے لئے ۵۸٫۰۱ لاکھ روپیہ کی گنجائش فراہم کی گئی ہے ۔ پہلی مرتبہ میٹرریکولیشن کی سطح تک درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے تمام طلبہ کو نصابی کتابیں مفت سربراہ کی گئیں ۔

چھوٹے کسانوں ۔ معمولی خود کفیل کسانوں اور قحط زدہ علاقوں کے لئے اسکیمات ۔

قحط زدہ علاقوں کے پروگرام کو جو اس وقت اضلاع اننت پور ۔ کرنول ۔ کڑپہ ۔ چتور ۔ محبوب نگر ۔ نلگنڈہ اور پرکاشم میں روبعمل لایا جا رہا ہے سال رواں کے دوران بھی جاری رکھا جائیگا ۔ ان پروجکٹوں کے تعلق سے جو بنیادی حکمت عملی اختیار کی گئی ہے وہ علاقہ کی متحدہ ترقی ہے تا کہ قحط سالی کی مشکلات سے نمٹا جاسکے اور ساتھ ہی ساتھ سماج کے کمزور طبقات کو روزگار فراہم کیا جاسکے ۔ سال رواں کے دوران جاریہ سال کے پروگرام سے متعلق جملہ ۲٫۰۰ کروڑ روپیہ میں سے ریاست کے حصہ کے طور پر ۱٫۰۳ کروڑ روپیہ کی گنجائش رکھی گئی ہے ۔ ہم نے پوری ریاست میں چھوٹے کسانوں ۔ معمولی خود کفیل کسانوں اور زرعی مزدوروں کے لئے ۱۶ **پروجکٹ** قائم کئے ہیں ۔ ان اسکیمات کا مقصد ایسے ضرورت مند معمولی کسانوں کو قرضے فراہم کرنا ہے جن میں پنپنے کی صلاحیت ہو اور جو ریاست کی امداد سے مخصوص میدانوں میں سرمایہ لگا کر ایک خاص مدت میں پوری طرح خود مکتفی ہوسکتے ہیں ۔ ان اداروں کو مختلف اسکیمات کی عمل آوری کے لئے حکومت ہند کی جانب سے سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے جبکہ ریاستی حکومت بنیادی سہولتیں فراہم کرتی ہے ۔

چھ نکاتی فارمولہ ۔

چھ نکاتی فارمولہ کی عمل آوری کے سلسلے میں انہوں نے کہا کہ "۱۹۷۷-۷۸ کے دوران چھ نکاتی فارمولہ سے متعلقہ اسکیمات پر ۲۰۱٫۰۵ کروڑ روپیہ کے مصارف لاحق ہوں گے ۔ اسکے مقابلے میں اب مقررہ اسکیمات کے لئے چھ نکاتی فارمولہ کے پروگرام کی بابت ۱۸ کروڑ روپیہ دونوں شہروں کی ترقی کے لئے ۳٫۵۰ کروڑ روپیہ اور گذشتہ سال کی منظورہ اسکیمات کے لئے ۶۴ لاکھ روپیہ کی رقم رکھی گئی ہے اسطرح جملہ ۲۱٫۹۶ کروڑ روپیہ کی رقم فراہم کی گئی ہے ۔

مرسمہ موازنہ بابت ۱۹۷۶-۷۷ کے مقابلہ میں موازنہ بابت ۱۹۷۷-۷۸ کی قطعی صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے فینانس منسٹر نے کہا کہ " اس سال آمدنی کا اندازہ ۷۰۹٫۶۹ کروڑ روپیہ کیا گیا ہے جبکہ گذشتہ سال کے مرسمہ موازنہ میں ۶۸۸٫۰۷ کروڑ روپیہ کی آمدنی کا اندازہ کیا گیا تھا ۔ صرف محاصل سے ہی ۳۲۱٫۸۳ کروڑ روپیہ کی آمدنی کی توقع ہے جبکہ مرسمہ موازنہ میں ۳۶۷٫۰۶ کروڑ روپیہ کا اندازہ کیا گیا تھا ۔

اندازہ موازنہ بابت ۱۹۷۷-۷۸ میں خرچ کا اندازہ ۸۱۳٫۰۷ کروڑ روپیہ کیا گیا ہے جبکہ مرسمہ موازنہ بابت ۱۹۷۶-۷۷ میں ۶۳۹٫۶۸ کروڑ روپیہ کا اندازہ کیا گیا تھا جہاں گزشتہ سال کے مرسمہ موازنہ کے مقابلے میں سال رواں میں منصوبہ کے اخراجات آمدنی میں ۳۱ کروڑ روپیہ کا اضافہ ہوا ہے ۔ وہیں پہلے بتلائے گئے مختلف مدات کے لئے غیر منصوبہ جاتی موازنہ میں اضافہ شدہ رقمی گنجائش رکھی گئی ہیں ۔

۱۹۷۷-۷۸ میں اخراجات سرمایہ کا اندازہ ۲۱۱٫۸۸ کروڑ روپیہ کیا گیا ہے جبکہ مرسمہ موازنہ بابت ۱۹۷۶-۷۷ میں ۱۶۳٫۹۰ کروڑ روپیہ کا اندازہ کیا گیا تھا ۔ اس اضافہ کا سبب ریاستی اور مرکزی اسکیمات کے تحت منصوبہ کے مصارف میں اضافہ ہے ۔

اس سال منسٹر کے دادو ستد کے نتیجہ میں اختتامی سلک منفی ۶۱٫۸۶ کروڑروپیہ ہوگی ۔ توقع ہیکہ آمدنی اور بقایا جات کی بہتر وصولی ۔ مرکزی امداد میں اضافہ اور محفوظات سے رقوم کے حصول وغیرہ کے ذریعہ اسکی پابجائی ہوسکے گی ۔

فنی شہ پاروں اور نوادرات کا گھر

حیدر آباد کی مشہور زمانہ سالار جنگ میوزیم بلا شبہ سیاحوں کے لئے ایک مرکز کشش اور جنت نگاہ ہے یہ میوزیم گذشتہ صدی سے تعلق رکھنے والے ایک امیر خاندان کے چشم و چراغ سالار جنگ کے نام سے موسوم ہے جن کے جذبہ شوق نے اس میوزیم کی نوادرات کو یکجا کیا ۔

آندھرا پردیش کے عجائب گھر اس ریاست کے شاندار اور پر عظمت عہد ماضی کی یاد گاروں اور فنی شہ پاروں سے مالا مال ہیں اور دیکھنے والوں کے لئے تاریخ کی ایک کھلی کتاب کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

عظیم منزلوں اور نئی سرحدوں کی سمت پیش رفت

(شری پی۔ رنگا ریڈی وزیر اطلاعات و تعلقات عامہ)

> آئیے ہم میں سے ہر ایک اور ہم سب مل کر ترقی کی دوڑ کے پہیئے کو کندھا لگائیں اور ملک و عوام کی تاریخ میں دلیرانہ کارناموں کے ایک نئے باب کا آغاز کریں ۔

ہندوستان آج نئے انتظامات کے تحت نئی سرحدوں کی جانب پیش رفت کر رہا ہے ۔ انقلاب اور تبدیلی زمانے کا دستور ہے ۔ چنانچہ ہمارے ملک میں بھی گذشتہ [illegible] سے دوررس تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں ۔ حالیہ انتخابات کے نتائج نے جمہوریت پر ہمارے ایقان کو مزید تقویت بخشی ہے ۔ ان نتائج کے جو اثرات مرتب ہوئے ہیں ان کی بدولت قوم کے سفر کو ایک نئی سمت اور نئی حرکت میسر ہوئی ہے آندھرا پردیش بھی اپنے آپ کو مرکزی دھارے سے علحدہ نہیں رکھ سکا ۔ بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس ریاست نے ترقیاتی اسکیموں کی عمل آوری میں نہ تو لاپرواہی برتی اور نہ ہی اپنی مساعی کو تساہل کا شکار ہونے دیا ۔ اس مخصوص شعبہ عمل پر ریاست کی غیر منقسم توجہ کی بدولت گرانقدر اور بیش قیمت فوائد بر آمد ہوئے ہیں ۔

ریاست میں ترقیاتی سرگرمیوں کو تیزی اور سرعت خاص طور پر پانچویں منصوبے کی مدت کے دوران میں حاصل ہوئی ۔ اس سمت میں پہلے قدم کے طور پر ۱۹۷۷-۷۸ کے سالانہ منصوبے کے لئے اخراجات کی حد کو ۳۶۵,۵۷ کروڑ روپیوں تک بڑھادیا گیا جبکہ مقابلتاً ۱۹۷۶-۷۷ کے لئے منصوبہ جاتی اخراجات ۲۹۰،۳۸ کروڑ روپیے ہوئے ۔ اب ہم نے مختص کردہ گنجائش اخراجات کو مزید بڑھا کر ۳۸۰،۳۸ کروڑ روپیے کردیا ہے تاکہ ایک طرف برقی اور آبپاشی جیسے اہم ترین شعبوں کے لئے اور دوسری طرف کمزور طبقات کے پروگراموں کے لئے اضافہ گنجائش مہیا کی جائے ۔

ہماری زرعی حکمت عملی :

ہم نے زرعی شعبہ پر ہمیشہ غیر منقسم توجہ دی ہے زرعی ترقی کیلئے ہماری حکمت عملی کی اساس وافر پیداواری اقسام

کی کاشت کا پروگرام ہے اور اس سلسلے میں ہم نے اب تک قابل لحاظ پیش رفت کی ہے۔ وافر پیداواری اقسام کی کاشت کے سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر نشانے مقرر کئے گئے ہیں اور صرف باجرے کے سوا ہم نے مقررہ نشانوں سے بھی زیادہ پیداوار حاصل کی۔ زرعی پیداوار میں اضافے کے لئے کیمیائی کھاد نہایت ضروری ہوتی ہے۔ جسکی اب قلت نہیں رہی ہے اور کسانوں کو درکار اس کھاد کی مختلف اقسام ان کو بروقت فراہم کی جارہی ہیں -

شعبہ آبپاشی کی حیثیت ایک کلیدی شعبے کی ہے۔ آبپاشی پراجکٹوں اور خاص کرچار اہم پراجکٹوں یعنی تنگبھدرا پراجکٹ ہائی کنال اسٹیج - ۲ - وسسادھر - نظام ساگر اور سومباسیلہ کی تکمیل میں جو سرعت پیدا کی جا رہی ہے اس کے نتیجے میں اندازہ ہیکہ ۱۹۷۷-۷۸ کے دوران میں مزید ۵۵۲۰۰ ہیکٹر اراضی کو سیراب کرنے کی گنجائش پیدا ہوجائیگی - یہاں میں اس بات کا بھی اضافہ کرسکتا ہوں کہ ستمبر ۱۹۷۴ میں ۱۰ کروڑ روپیوں کے منظورہ سرمائے سے قائم شدہ آبپاشی ترقیاتی کاربوریشن کی جانب سے متعدد لفٹ اریگیشن اسکیموں اور ٹیوب ویلزاسکیموں کی تحقیق اور عمل آوری جاری ہے - ان اسکیموں کا مقصد ریاست کے پسماندہ اور قبائلی علاقوں کو فائدہ پہنچانا ہے -

ق کی پیداوار کو زبر دست اہمیت :

اپنی ریاست کو صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ بنانے کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم برق قوت کی پیداوار میں اضافے کو زبردست اہمیت دے رہے ہیں - کتہ گوڈم کی ۱۱۰ میگاواٹ صلاحیت والی ساتویں یونٹ نے کام شروع کردیا ہے اور کچھ ہی مہینوں میں ایک اور یونٹ کام کرنے لگے گی - لوئرسلورو کی تیسری اور چوتھی یونٹیں بھی اس سال کے دوران میں کام کا آغاز کردیں گے - یہاں اس امر کا تذکرہ کرتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ ناگر جونا ہائیڈرو الکٹرک اسکیم پر کام پوری سر گرمی کے ساتھ جاری ہے اور اس کی ایک ۱۱۰ میگا واٹ والی یونٹ اس سال کے دوران میں بجلی کی پیداوار شروع کردے گی - ریاست کے مایہ ناز برق پراجکٹ - سری سیلم پراجکٹ ، کی تکمیل کا کام پورے جوش و خروش کے ساتھ جاری ہے - یاد ہوگا کہ سری سیلم اور ناگر جونا ساگر ہائیڈرو الکٹرک پراجکٹوں کے لئے حکومت سعودی عرب کی جانب سے ایک سو امریکی ڈالر کی رقم بطور امدادی قرض دستیاب ہونیوالی ہے - ہندوستان میں آندھرا پردیش پہلی ریاست ہے جسے ترقیاتی کاموں کے لئے سعودی فنڈ سے مالی امداد حاصل ہورہی ہے -

آئیے اب ریاست میں صنعتی ترقی کے لئے جو سر گرمیاں جاری ہیں ان پر ایک نظر ڈالی جائے - ہم نے اس شعبہ کے لئے منصوبے میں ۱۹۷۶-۷۷ کے واسطے فراہم کردہ گنجائش ۷،۷۵ کروڑ روپیے سے بڑھا کر ۱۹۷۷-۷۸ کے لئے ۸۰،۰۳ کروڑ روپیے کردیا ہے کچھ عرصے سے شکر کے امداد باہمی کارخانوں نے اولین درجہ کی اہمیت حاصل کرلی ہے - چنانچہ منصوبے میں فراہم کرد گنجائش سے اور چھ نکاتی فارمولے کے تحت سال رواں کے دوران کووور - پالیر - نندیال - ہنومان جنکشن - گزرالہ اور تالی میں شکر کی چھ امداد باہمی فیکٹریوں کی تعمیر شروع کی جائیگی -

ے دریغ و فراخد لانہ امداد :

سماج کے کمزور طبقات کو قوم کے مستقبل کی از سر نو تشکیل میں عملی طور پر حصہ دار بنانے کے لئے بے دریغ و خراخدلانہ امداد کی ضرورت ہے - کمزور طبقات سے متعلق ترقیاتی اسکیموں کے بڑھاوے کے لئے بنائے جانیوالے با اختیار کاربوریشن لائق ستائش کام انجام دے رہے ہیں - اب تک آندھرا پردیش شیڈولڈ کاسٹس کوآپریٹیو فینانس کاربوریشن نے ۱۳،۹۹ کروڑ روپیے اجرا کئے جن سے ۱۰۰۹۸۲ اشخاص کوفائدہ پہنچا - آندھراپردیش بیک ورڈ کلاسس کوایریٹیو فیناس کاربوریشن نے ۱۶۰،۶۸ کروڑ روپیے فراہم کئے جن سے ۹۹۶۴۳ اشخاص مستفید ہوئے اور آندھرا پردیش شیڈولڈ ٹرائبس کواپریٹیو فینانس کاربوریشن کی جانب سے تقریباً ۳۸،۸۹ لاکھ روپیے کی رقم دی گئی جو لگ بھگ ۳۰۶۷ افراد کی امداد کا ذریعہ بنی -

ریاست میں خشک سالی سے متاثر ہونیوالے علاقوں کے محنت کش کسانوں کے لئے '' ڈراوٹ پرون ایریاز پروگرام ،، خصوصی اہمیت کا حامل ہے - واضح رہے کہ یہ پروگرام فی الوقت اضلاع اننت پور - کرنول - کڑپہ - چتور - محبوب نگر - نلگنڈہ اور پرکاشم میں روبہ عمل لایا جارہا ہے - اس پروگرام کے تحت پراجکٹوں کی عمل آوری کے سلسلہ میں اختیار کی جانیوالی بنیادی حکمت عملی یہ ہے کہ متعلقہ علاقوں کی مربوط ترقی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے اور خشک سالی سے پیدا ہونیوالے مصائب و آلام سے نبردآزمائی کے ساتھ ساتھ کمزور طبقات کے لئے فائدہ مند روزگار کی فراہمی کا خیال رکھا جاتا ہے -

بے شک آندھرا پردیش اپنی معیشت کے اہم شعبوں میں انجام دیئے جانے والے شاندار کارناموں پر نازاں و شاداں عظیم تر منزلوں کی جانب رواں دواں ہے - اس لئے آئیے ہم میں سے ہر ایک اور ہم سب مل کر ترقی کی گاڑی کے پہیئے کو کاندھا لگائیں اور تلگو عوام کی تاریخ میں دلیرانہ کارناموں کے ایک نئے باب کا آغاز کریں -

* * * *

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر - شریمتی شاردا مکرجی گورنر آندھرا پردیش نے ۲۲ - جون کو سریورنکر وانجا بھون کا سنگ بنیاد رکھا - شری پی - نرسا ریڈی وزیر مالگزاری نے صدارت کی -

بائیں جانب درمیان میں - ایرفورس ٹریننگ سنٹر حکیم پیٹھ میں ۱۰ - جون کو منعقدہ ایک تقریب میں گورنر آندھرا پردیش بہترین کیڈٹ کو ٹرافی عطا کررہی ہیں -

بائیں جانب نیچے - گورنر آندھرا پردیش نے ۱۱ - جون کو جوبلی ہال میں منعقدہ ایک تقریب میں ڈاکٹر ی - جگموہن ریڈی وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی کی ایک پوری قامت والی تصویر کی نقاب کشائی کی -

دائیں جانب اوپر - گورنر نے ۲۴ - جون کو اسپیڈ ٹر سیوسبل کمیونٹی ہال رحمت نگر میں شہری ترقیاتی ادارہ کا افتتاح کیا -

دائیں جانب نیچے - گورنر نے ۱۲ - جون کو آندھرا پردیش اسٹیٹ آپتھلمک کانفرنس کا افتتاح کیا -

ہماری زمین ہیرے موتی اگلتی ہے

زراعت آندھرا پردیش کی معیشت کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے ریاست کی آمدنی کا تقریباً ۶۰ فیصد حصہ زراعت سے حاصل ہوتا ہے ۔ اور ریاستی آبادی کے ۷۰ فیصد سے زائد حصے کی روزی کا دار و مدار اس پر ہے ۔ اسکے علاوہ بڑی بڑی صنعتوں جیسے شکرسازی ، سوتی کپڑا اور تمباکو سے متعلق صنعتوں وغیرہ کے لئے زراعت ہی خام‌مال کی فراہمی کا ذریعہ ہے ۔ ریاست کے جغرافیائی رقبے ۲۷۶۷۵۴ مربع میل کا تقریباً ۴۳ فیصد حصہ کاشتکاری کے لئے ہمدست ہے اور اس پیشے کے لئے قدرت نے ریاست کو کچھ ایسی موافق آب و ہوا رحمت کی ہیکہ یہاں وسیع اور مختلف النوع زرعی سرگرمیاں انتہائی خوبی اور کامیابی کے ساتھ سرانجام دی جاسکتی ہیں ۔

زرعی شعبہ کی اہمیت کے پیش نظر ہمارے منصوبوں نے ہمیشہ غذائی اجناس کی پیداوار کو کثیر سے کثیر تر کرنے پر بھر پور زور دیا ہے ۔ اس سلسلے میں آندھرا پردیش نے ۷۶-۱۹۷۵ میں ۳۲ء۹۳ لاکھ ٹن غذائی اجناس پیدا کر کے زبردست کارنامہ سر انجام دیا ہے ۔ پیداوار کی یہ مقدار ریاست کی تاریخ میں کثیر ترین سمجھی جاتی ہے ۔ سال ۷۷ - ۱۹۷۶ کے لئے بھی ریاست اس پائے کا کارنامہ سر انجام دینے کو ہر طرح سے تیار ہے اور اس سلسلے میں ربیع اور خریف دونوں موسموں کی فصلوں کے لئے ضروری تیاریاں کی جا چکی ہیں ۔

نئی اسکیم :

یاد ہوگا کہ اعلی پیداواری اقسام کا پروگرام ۷۳ - ۱۹۷۲ کے دوران شروع کیا گیا تھا تاکہ زرعی پیداوار میں اضافہ عمل میں لایا جائے اور خاص طور پر خریف کے ان نقصانات کی پابجائی کی جائے جو ریاست کے توسیعی رقبوں میں خشک سالی کے حالات کے باعث در پیش آئے تھے - ۷۶ - ۱۹۷۵ میں تقریباً ۲۳ء۸ لاکھ ہیکٹر رقبہ پر دھان کی کاشت کی گئی جبکہ مقررہ نشانہ ۲۴ لاکھ ہیکٹر تھا ۔

ضلع مغربی گوداوری میں انٹنسیو ایگریکلچرل ڈسٹرکٹ پروگرام (آئی ۔ اے ۔ ڈی ۔ پی) ۱۹۶۰ میں شروع کیا گیا تاکہ ایسے علاقوں میں جہاں زرعی پیداوار میں اضافہ کے امکانات اور گنجائش بدرجہ اتم موجود ہے۔ وہاں زیادہ سے زیادہ پیداوار کے حصول کو یقینی بنایا جائے ۔ اس پروگرام کے تحت حصہ لینے والے کاشتکاروں کے لئے منفعت بخش حکمت عملی مدون کی جاتی ہے اور کاشتکاری کے لئے درکار اشیاء جیسے بیج ، کیمیائی کھادیں ، پودوں کے تحفظ کی دوائیں وغیرہ کاشتکاروں کی ضروریات کا قبل از قبل جائزہ لیکر سربراہ کی جاتی ہیں ۔ کو آپریٹیو سنٹرل بینکس اور ایگریکلچرل کریڈٹ سوسائٹیز کی جانب سے قرضوں کی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں ۔ اب تک ان سوسائٹیوں نے مواضعات کی ۹۸ء۷ فیصد اور ضلع کی ۳۰ء۳ فیصد زرعی آبادی کو اپنے احاطہ میں لے لیا ہے مرور مدت کےساتھ ساتھ ان سوسائٹیوں کے دائرہ اثر میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا ہے اور اب پورے ضلع میں اگائی جانیوالی تمام اہم فصلیں صد فی صد طور پر ان سوسائٹیوں کے احاطے میں آ گئی ہیں ۔

آئی ۔ اے ۔ ڈی ۔ پی کی عمل آوری کے دوران جو تجربہ حاصل ہوا اس سے ایک اور مساوی طور پر موثر پروگرام'' انٹنسیو ایگریکلچر ایریا پروگرام ،، (آئی ۔ اے ۔ اے ۔ پی) کے شروع کرنے میں مدد ملی جو ۶۴ - ۱۹۶۳ میں آغاز کیا گیا ۔ اس پروگرام کا مقصد ایسے علاقوں کو مرکز توجہ بنانا ہے جہاں غذائی پیداوار کے اضافے کے لئے طمانیت بخش حالات اور ماحول موجود ہے ۔ فی الوقت اس پروگرام کو ریاست کے بارہ منتخب اضلاع یعنی مشرقی گوداوری ، کرشنا ، گنٹور ، پرکاشم ، نلور ، کرنول ، چتور ، نظام آباد ، محبوب نگر ، نلگنڈہ ، ورنگل اور کریم نگر میں روبہ‌عمل لایا جارہا ہے ۔

مارچ ۱۹۷۶ میں '' آندھرا پردیش اسٹیٹ سیڈ ڈیولپمنٹ کارپوریشن ،، کا قیام ریاست کی زرعی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت کا حامل ہے ۔ اس کارپوریشن نے ۲۱۰۴ کی تعداد میں بیج اگانے والوں کو رجسٹر کیا ہے اور ۷۷ - ۱۹۷۶ کے موسم ربیع سے ہائبریڈ جوار ۔ ہائبریڈ دالوں اور دھان کی کاشت سے اپنے پیداواری پروگرام کا آغاز کیا ہے ۔ اس کارپوریشن کے ذریعہ ۱۸۰۰۰ کنٹل ۶۷۸۰ کنٹل ہائبریڈ باجرا ۔ ۲۲۰۰ کنٹل ہائبریڈ مکئی اور ۶۲۰ کنٹل دھان کی تحصیل عمل میں آئی ۔ ان اجناس کی جملہ مالیت ۲۰۰ لاکھ روپیے ہوتی ہے ۔ سال رواں کیلئے کارپوریشن نے تحصیل اجناس کا اور زیادہ بلند حوصلہ پروگرام مرتب کیا ہے ۔

یہ واضح کرنا بیجا نہ ہوگا کہ فصلوں کی کاشت کے لئے درکار اشیا میں اہم ترین شئے کیمیائی کھاد ہوتی ہے ۔ کیمیائی کھادوں کی منصفانہ تقسیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۱۹۷۳ سے آندھرا پردیش فرٹیلا ئزرس (ڈسٹریبیوشن اینڈ سیل بائی ڈیلرس) آرڈر نافذالعمل کیا گیا ہے ۔ سال رواں کے دوران میں کھادوں کی فراہمی اور دستیابی اطمینان بخش رہی ہے ۔ ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران میں ۲،۹۰ٹن نائٹروجن کھادیں ۸۱، ۰ فاسفیٹ کھادیں اور ۲۳،۰ پوٹاسک کھادیں تقسیم کی گئیں ۔

پودوں کی دیکھ بھال اور تحفظ کا کام کھیتوں کی پیداوار کی بقا اور اسکی مقدار میں اضافہ کے لئے انتہائی اہم اور ضروری ہے ۔ کھیتوں میں تباہی مچانے والے کیڑے مکوڑوں پر نظر رکھنا اور انکی موجودگی بروقت معلوم کرکے ان کو نیست و نابود کرنے کے لئے کیڑے مار دواؤں کی فراہمی کاشت کی بقا کے لئے ایک لازمی اور ناگزیر امر ہے ۔ آندھرا پردیش میں اس وقت کیڑے مار دوائیں تیار کرنے والے ۸ ادارے موجود ھیں اور ۱۳۷۳جلر فروش کی دکانوں کے ذریعہ کسانوں کو یہ دوائیں فروخت کی جا رہی ھیں ۔

بیجوں کے مزارعے :

آندھرا پردیش میں بیجوں کے ریاستی مزرعوں کی تعداد (۳۶) ہے ۔ ان مزارعوں کے قیام کا مقصد ان اضلاع کی تمام قسم کی فصلوں کے لئے جہاں وہ قائم ھیں اعلی پیداواری صلاحیت کے بیجوں کا اگانا ہے ۔ یہ مزارعے اعلی پیداواری صلاحیت دریافت کرتے ھیں جنکی بڑے پیمانے پر کاشت رجسٹر شدہ تخم ریزیوں کے ذریعہ ہوتی ہے اور اس طرح اگائے ہوئے بیج کسانوں کو فراہم کئے جاتے ھیں ۔ ریاستی مزرعوں کے تحت ۱۹۷۵-۷۶ کے دوران میں ۳۸۹۹،۸۸ ایکڑ اراضی پر تخموں کی کاشت کی گئی جو واقعی ایک حوصلہ افزا امر ہے ۔

نیشکر ، کپاس ، مونگ پھلی ، ارنڈ ، تمبا کو وغیرہ جیسی تجارتی فصلوں کی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کرنے سے متعلق سر گرمیوں کو تیز تر کرنے کے لئے مختلف پروگرام بنائے اور روبہ عمل لائے جارہے ھیں ۔ مختلف تدابیر اور ترقی یافتہ طریقوں پر عمل کرکے نیشکر کی پیداوار کی بنیادی سطح ۱۱۶ لاکھ ٹن کی مقدار میں پانچویں منصوبے کی مدت کے دوران سالانہ (۶) لاکھ ٹن کے اضافے کے لئے خصوصی مساعی کی جارہی ھیں ۔

متاثرہ علاقے :

آئیے اب ہم خشک سالی سے متاثر ہونیوالے علاقوں سے متعلق پروگراموں کی جانب متوجہ ہوں ۔ اکثر و بیشتر خشک سالی سے متاثر ہونیوالے علاقوں میں قلت کے حالات کے ازالے کے لئے یاد ہوگا حکومت ہند نے " ڈراوٹ پرون ایریا پروگرام " (ڈی ۔ پی ۔ اے ۔ پی) کے نام سے ایک پروگرام کا آغاز کیا تھا ۔ اس پروگرام کی عمل آوری میں اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ھیکہ متعلقہ علاقوں میں مستقل نوعیت کے بلدی تعمیری کاموں کی تکمیل عمل میں لائی جائے تاکہ انکی بدولت ان علاقوں میں قلت کے حالات کا تدارک ہو سکے ۔ اس ضمن میں اراضیاتی تحفظ ۔ چھوٹے اور اوسط آبپاشی پراجکٹوں اور سڑکوں کی تعمیر وغیرہ پر خصوصی زور دیا جاتا ہے ۔ ابتداً اس پروگرام کی عمل آوری کے لئے پانچ اضلاع اننت پور ، کرنول ، کڑپہ ، چتور اور محبوب نگر کو منتخب کیا گیا تھا اس کے بعد پانچویں منصوبے کے دوران میں ضلع نلگنڈہ کا تعلقہ دیورکنڈہ اور ضلع پرکاشم کے تعلقہ جات مرکاپور ، گدالور اور کانی گیری کو بھی شامل کرلیا گیا ہے ۔ پروگرام کی عمل آوری کے لئے ۸۸۹،۲۰ لاکھ روپیوں کی گنجائش فراہم کی گئی ۔ سال ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران میں بھی اس پروگرام کو جاری رکھا گیا ہے ۔

آندھرا پردیش کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ ہندوستان کے " چاول کے نہال " کی حیثیت سے مشہور ہے ۔ ہم کو توقع ہے کہ یہ ریاست آنیوالے برسوں میں اپنی اس عظیم شہرت کو قائم و دائم رکھے گی ۔ بلا شبہ لائق صد ہزار تحسین و آفریں ھیں وندھیاچل کے جنوب کی دھرتی کے سپوت جنکی مساعی کی بدولت ان کھیتوں میں جہاں پہلے ایک بالی اگتی تھی اب دو بالیاں اگ رہی ھیں ۔

* * *

برقی قوت میں تیز رفتار اضافہ

کسی پسماندہ علاقے اور ایک ترقی پذیر ریاست کی خوشحالی کے لئے برقی قوت میں اضافہ ایک لازمی اور اولین شرط ہوتی ہے۔ چنانچہ ان تمام برسوں کے دوران میں آندھرا پردیش نے اپنی ہمہ جہتی ترقی کی خاطر برقی قوت کی پیداوار کو بڑھانے کے سلسلے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے۔ ہمارے پانچسالہ منصوبوں میں برقی سے متعلق اسکیمات کی عمل آوری پر بھرپور زور دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ۷۸-۱۹۷۷ء کے سالانہ منصوبہ میں برقی کے شعبہ کے لئے ۱۲۳ کروڑ روپیے کی گنجائش رکھی گئی ہے جو دوسرے شعبوں کے لئے فراہم کردہ گنجائشوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

مجوزہ اسکیم کے چوتھے مرحلے کی ۔ ۔ ۔ ۔ میگاواٹ والی یونٹ پر کام کے آغاز کی بدولت اب ریاست میں برقی کی تنصیبی صلاحیت ۱۲۲۸ میگاواٹ ہو گئی ہے۔ ناگر جونا ساگر پراجکٹ اور سری سیلم ہائیڈرو الکٹرک اسکیم کو تیزی کے ساتھ مکمل کرنے کے سلسلے میں ریاست نے سعودی عرب فنڈ سے خارجی مالی امداد کے حصول کے لئے جو انتھک کوشش جاری رکھی تھیں وہ اب ثمر آور ہو گئیں ہیں۔ اور اس سلسلہ میں ۲۔ جون ۱۹۷۷ء کو معاہدوں پر دستخط کی جا چکی ہیں۔ یہ معاہدہ ہماری منصوبہ بند ترقی میں ایک سنگ میل اور انتہائی اہمیت کا حامل واقعہ شمار ہوگا۔

حوصلہ افزا اسکیم

سری سیلم ہائیڈروالکٹرک پراجکٹ اس ریاست کی اہم ترین اور حوصلہ افزا اسکیم ہے۔ یہ پراجکٹ اضلاع کرنول اور محبوب نگر

کی سرحد پر واقع ہے۔ پہلے مرحلہ میں اس اسکیم کی تنصیبی صلاحیت ۴۴۰ میگاواٹ ہوگی اور دوسرے مرحلے میں مزید ۳۳۰ میگاواٹ کی صلاحیت کی گنجائش نکلے گی۔ سری سیلم پراجکٹ کا محل وقوع ریاست کا وسط ہے۔ اس پراجکٹ کے تحت ۱۶۸۰ فیٹ طویل بند کی تعمیر پیش نظر ہے جو اپنی عمیق ترین بنیاد کی سطح سے زیادہ سے زیادہ ۴۷۰ فٹ بلندی کا حامل ہوگا۔ اس کے سیدھے جانب ایک پاور ہاؤز تعمیر کیا جائیگا جس میں بجلی پیدا کرنے والی ۷ یونٹیں لگائی جائیں گی۔ ہر یونٹ کی پیداواری صلاحیت ۱۱۰ میگاواٹ ہوگی۔ پاور ہاؤز کی تعمیر کا کام ۱ اکتوبر ۱۹۷۶ میں شروع کیا جا چکا ہے اور انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ جاری ہے۔ توقع ہیکہ بجلی پیدا کرنے والی پہلی یونٹ جون ۱۹۷۹ء سے اپنا کام آغاز کردے گی اور باقی کی تین یونٹیں چھ چھ ما کے وقفے سے کام کرنے لگیں گی۔ اس پراجکٹ پر مارچ ۱۹۷۷ء تک ۹۳ کروڑ روپیے کی بھاری رقم خرچ کی جا چکی ہے اور اسکے لئے سال ۷۸-۱۹۷۷ کے موازنے میں ۳۲ کروڑ روپیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

لوئر سیلیرو اسکیم :

لوئر سیلیرو ہائیڈرو الکٹرک اسکیم کے تحت بجلی کی پیداوار کے ۴ سیٹس نصب کئے جائیں گے۔ ہر سمت سے ایک سو میگاواٹ بجلی پیدا ہوگی۔ اس اسکیم کی پہلی اور دوسری یونٹیں سوویٹ روس سے درآمد کی گئی ہیں اور تیسری اور چوتھی یونٹوں کی تیاری کے لئے بھارت ہیوی الکٹریکلس حیدرآباد کو آرڈر دیا گیا ہے۔ اس اسکیم کی لاگت کا نظر ثانی شدہ تخمینہ ۹۰۰ لاکھ روپئے

ہے - پہلی یونٹ مارچ ۱۹۷۶ء میں اور دوسری یونٹ اسکے ۷ ماہ بعد چالو کردی گئی ہے - تیسری یونٹ عنقریب اور چوتھی یونٹ کچھ ماہ بعد کام کرنے لگے گی - اس پراجکٹ پر مارچ ۱۹۷۷ء تک ۹۰۱۱،۶۶ لاکھ روپیے خرچ کئے جا چکے ہیں -

ناگرجونا ہائیڈرو الکٹرک اسکیم کے تحت ناگرجونا ساگر بندھ کے نشیب میں ۱۱۰ میگا واٹ کی ایک یونٹ پیش نظر ہے جس سے آبپاشی کی خاطر چھوڑے جانے والے پانی سے بجلی تیار کی جائیگی - اس کے علاوہ ناگرجونا ساگر رائٹ کنال ہائیڈرو الکٹرک اسکیم کے تحت ۳۰ میگاواٹ والی دو یونٹس منصوب کی جائیں گی - ضروری ہیکہ اس اسکیم کو ترجیحی اساس پر روبہ عمل لایا جائے اس لئے کہ آبپاشی کے لئے پانی کی نکاسی شروع ہوچکی ہے اور اس پانی کو بجلی کی تیاری کے لئے استعمال میں لایا جاسکتا ہے - یہاں اس امر کی وضاحت کی جاسکتی ہیکہ منصوبہ بندی کمیشن نے فروری ۱۹۷۷ء میں اس اسکیم کی منظوری دے دی ہے - اس پر ۱۸۱۹ لاکھ روپیے خرچ ہونیکا اندازہ ہے - ۸۲-۱۹۸۱ء میں پیداواری یونٹوں کے کام شروع کردینے کی توقع ہے - بنیادوں کی کھدائی شروع ہوچکی ہے اور تیز رفتاری سے جاری ہے -

تھرمل بجلی کی پیداوار :

ریاست میں تھرمل برقی قوت کی پیداوار پر بھی خاص توجہ دی جارہی ہے - کتہ گوڑم تھرمل پاور اسٹیشن اسٹیج ۳ - ب کے تحت ۱۱۰ میگاواٹ والی دو یونٹوں کی منصوب پیش نظر ہے - پہلا یونٹ ۱۰ - مارچ ۱۹۷۷ء سے کام کررہا ہے اور دوسرا یونٹ ستمبر ۱۹۷۷ء سے کام کرنے لگے گا - اس ضمن میں مارچ ۱۹۷۷ء تک ۹۰۰۹،۶۲۳۳ لاکھ روپیوں کا خرچ عمل میں آیا ہے -

وجئے واڑہ تھرمل اسکیم کے تحت حیدرآباد - وجئے واڑہ قومی شاہراہ سے متصل وجئے واڑہ سے تقریباً ۱۰ میل کے فاصلے پر ابراہیم پٹن کے قریب ایک مقام پر ۲۱۰ - ۲ میگاواٹ تھرمل یونٹوں کی تنصیب مقصود ہے - بجلی گھر کی ضروریات کیلئے درکار پانی پرکاشم بیریج سے سربراہ کیا جائے گا - بائلر کی تنصیب - عمارتی تعمیر اور دوسرے کام سرعت کے ساتھ جاری ہیں - توقع ہیکہ پہلی یونٹ مارچ ۱۹۷۹ء تک کام کرنا شروع کردے گی اور دوسری یونٹ چھتے منصوبے میں جلد ہی چالو ہوجائیگی -

ایک زبردست جھلانگ :

آئیے اب آپ کو سوپر تھرمل اسٹیشن کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کردی جائیں جو برقی قوت کی پیداوار میں زبردست اضافہ کا باعث ہوگا - حکومت ہند کے زیر تجویز ہیکہ جن مقامات میں زیادہ سے زیادہ تکنکی اور اقتصادی سہولتیں ہمہ سب ہوسکتی ہیں وہاں ۲۰۰۰ میگاواٹ صلاحیت کے سوپر تھرمل پاور اسٹیشن قائم کئے جائیں ریاستی حکومت نے اس سلسلے میں راما گنڈم کا نام پیش کیا ہے جو دوسری ریاستوں کی جانب سے تجویز کردہ مقامات کے مقابلہ میں زیادہ کفایت بخش اور موزوں ہے - نئی دہلی کو پراجکٹ رپورٹ روانہ کردی گئی ہے جس میں ۳۲۴ کروڑ روپیوں کی لاگت سے ۲۱۰ میگاواٹ والی پانچ تھرمل یونٹوں کے قیام کی تجویز رکھی گئی ہے - توقع ہیکہ مستقبل قریب میں حکومت ہند کی جانب سے تشکیل شدہ ایک اعلیٰ اختیاری کمیٹی ریاست کا دورہ کرے گی اور اسکے بعد وہ کمیٹی نئی دہلی کو اپنی قطعی سفارشات پیش کرے گی - واضح رہے کہ ریاستی حکومت اس پراجکٹ کے حصول کے لئے کسی قسم کی کوشش سے پہلوتہی نہیں کرے گی -

ہماری ریاست میں اندازاً ۲۵۰۰۰ میگاواٹ بجلی پیدا کرنیکی گنجائش موجود ہے اس گنجائش سے بھرپور استفادہ کرنے کے لئے جو مساعی پیش نظر ہیں ان پر ایک اچھی نظر ڈال لینا بیجا نہ ہوگا - گوداوری اور کرشنا دریاؤں کے علاقوں میں برقی قوت کی تیاری کے سلسلے میں متعدد پراجکٹس کی جانچ پڑتال کی جا چکی ہے اور بہت سے پراجکٹوں پر تحقیقات جاری ہیں - دریائے کرشنا کے تحت یہ اسکیمات ہیں - (الف) اپر کرشنا ہائیڈرو الکٹرک اسکیم (ب) پلی چنتلا ہائیڈرو الکٹرک اسکیم (ج) پونڈوگلا ہائیڈرو الکٹرک اسکیم (د) پتلا گنگا ہائیڈرو الکٹرک اسکیم (ہ) کرنول کڑپا کنال اور (و) سنکیشورا ہائی لیول کنال ہائیڈرو الکٹرک اسکیم - دریائے گوداوری سے تعلق رکھنے والی اسکیمات یہ ہیں - (الف) پوچم پاڑ ہائیڈرو الکٹرک اسکیم (ب) انچم پلی ہائیڈرو الکٹرک اسکیم (ج) پرانا ہتا ہائیڈرو الکٹرک اسکیم (د) سنگور ہائیڈرو الکٹرک اسکیم (ہ) قاسم نگرم ہائیڈرو الکٹرک اسکیم تا لوئر گوداوری اور (و) کنتلا ہائیڈرو الکٹرک اسکیم - ان اسکیموں میں انچم پلی پراجیکٹ سب سے بڑا ہے جسکی تنصیبی صلاحیت ۱۰۰۰ میگاواٹ اور سالانہ پیداواری صلاحیت ۱۸۶۱ ملین یونٹس ہے -

ریاست میں تقریباً ۲۷۲۲۱ مواضعات ہیں - مارچ ۱۹۷۷ء کے ختم تک ان میں کے آدھے سے زیادہ دیہاتوں کو برقیا لیا گیا ہے - اس طرح دیہاتوں کو بجلی سربراہ کرنیکی تاریخ میں ایک نیا باب کھل گیا ہے اور بجلی کی پیداوار کے ضمن میں آج ہماری ریاست خود کفالتی کی راہ پر گامزن ہے -

* * * * *

ریاست میں ڈیری کی صنعت ترقی پر ھے

آندھرا پردیش میں حالانکه دیہاتوں میں بسنے والے ۷۰ فیصد عوام کی روزی کا تقریباً بالکلیه طور پر دارو مدار زراعت اور اس سے متعلقه پیشوں پر ھے مگر ہماری زرعی معیشت اس خصوصیت کی حامل ھیکه یہاں گوداوری اور کرشنا ڈیلٹا جیسے آبپاشی کی سہولتیں رکھنے والے علاقوں میں زراعت خاصی ترقی یافته ھے وھیں ریاست کے دوسرے علاقوں میں جہاں خشکی کی کاشت ہوتی ھے اور کاشتکار کو زیادہ تر بارش کے پانی پر تکیه کرنا پڑتا ھے زراعت اتنی اچھی نہیں ہوتی ھے -

اس لئے یه انتہائی ضروری ہوجاتا ھے که زراعت سے تعلق رکھنے والے دوسرے پیشوں پر کافی اور قابل لحاظ توجه دی جائے - ایسے پیشوں میں پرورش و افزائش مویشیان اور ڈیری فارمنگ کے پیشے زیادہ بڑے اور اھم ھیں - اور فراھمی روزگار کے ان دس اھم پروگرام میں شامل ھیں جن کو پانچویں منصوبے کے لئے منتخب کیا گیا ھے یه بات عام طور پر مان لی گئی ھے که شہری علاقوں میں بہتر طور پر منظم دودھ کی صنعت دیہی علاقوں میں دودھ کی پیداوار بڑھانے میں ممدومعاون ثابت ہوگی اور اس طرح کی صنعت کی بدولت زیادہ دودھ دینے والے مویشیوں کی نسل کی پرورش و پرداخت پر بڑھ چڑھ کر توجه دی جائیگی اور بہتر انتظام اور اچھے چارے کے استعمال سے مویشیوں کی دودھ دینے کی صلاحیت میں اضافه ہوگا -

مربوط منصوبه

یہاں اس امر کی یاد دھانی مناسب ہوگی که پانچویں منصوبے میں ڈیرئینگ اور دودھ کی پیداوار کے لئے ایک مربوط منصو[به] فراھم کیا گیا ھے تاکه دودھ کی بڑھتی ہوئی مانگ کی تکم[یل] کی جاسکے - مزید براں، چھوٹے اور مارجنل کسانوں کی منف[عت] کے لئے موجودہ ڈیری فارموں سے بدرجه اتم استفادہ کرنے پر [زور] دیا گیا ھے - چنانچه ڈیرئینگ کی صنعت کو اولین درجے کی اھم[یت] دی جارھی ھے نه صرف اس لئے که دودھ کی رسد میں اضافه [کیا] جائے بلکه اس لئے بھی که یه صنعت چھوٹے اور مارجنل کسان[وں] کی معیشت پر مثبت طور پر اثر انداز ہوتی ھے اور ان کے لئے روز[گار] کے دروازے کھول کر ان کی آمدنی کی سطح کو بلند کرتی ھے ایسے چھوٹے اور مارجینل کسانوں اور زرعی مزدور جو زر[عی] پروگرام سے مستفید ہونے کی اھلیت نہیں رکھتے ھیں ڈیرئین[گ] کو ایک منفعت ذیلی پیشے کے طور پر اختیار کرسکتے ھیں [-] اس کے لئے نسبتاً کچھ ترغیب اور چند بنیادی سہولتوں [کی] ضرورت پڑتی ھے - جو زیادہ تر فی الوقت دستیاب ھیں -

اس وسیع تر منظر میں پانچ کروڑ روپیوں کے منظورہ سرما[یه] سے آندھرا پردیش ڈیری ڈیولپمنٹ کارپوریشن کی فروری ۱۹۷۴ میں تشکیل عمل میں لائی گئی - اپنے قیام کے بعد کے برسوں [میں] کارپوریشن نے قابل توجه ترقی کی ھے - اور ڈیرئینگ کی صنعت [میں] ایک سود مند مقام پیدا کرلیا ھے - کارپوریشن نے ۷۷ - ۱۹۷۶ء [میں] ۸۸۹ لاکھ لیٹرس دودھ حاصل کیا - توقع ھے که وساکھاپ[ٹنم] میں ہونیوالی فروخت کے علاوہ ۷۸ - ۱۹۷۷ کے دوران میں تقر[یباً] ۸۸۰ لیٹرس دودھ کی فروخت عمل میں آئیگی جبکه مقاب[لتاً] ۷۷ - ۱۹۷۶ میں فروخت ہونیوالے دودھ کی مقدار ۷۸۹ لیٹر[س]

تھی - یہاں اس امر کا تذکرہ کرتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ حیدر آباد اور سکندر آباد کے شہروں میں فروخت ہونیوالے سیال دودھ کی مقدار یومیہ ایک لاکھ لیٹرس سے زیادہ ہوگئی ہے - یہ ایک اہم کارنامہ ہے اور لائق ستائش بات ہے -

کارپوریشن نے ۷۷ - ۱۹۷۶ کے دوران میں ۲۰۴ ٹن مسکہ ۲۲۱۸ ٹن گھی - ۱۱۶۷ ٹن بالائی دودھ پاوڈر اور ۶۳۶ ٹن سالم دودھ پاوڈر تیار کیا - ریاست کے اندر گھی کی مقامی مانگ کی تکمیل کے علاوہ کارپوریشن ملک کی دوسری ریاستوں راجستھان گجرات - مہاراشٹرا - ہریانہ - پنجاب - اور دھلی میں بھی گھی کی فروخت کا انتظام کرتا ہے - سال کے دوران میں تقریبا ۲۸۰۰ ٹن گھی - ۵۰۰ ٹن مسکہ - ۱۸۰۰ ٹن بالائی دودھ پاوڈر اور ۹۰۰ ٹن سالم دودھ پاوڈر بنانے کا بلند حوصلہ پروگرام کارپوریشن کے پیش نظر ہے - ۷۷ - ۱۹۷۶ کے دوران میں کارپوریشن نے دودھ اور دودھ سے بنی ہوئی اشیاء کی فروخت کے سلسلہ میں لگ بھگ ۲۳ کروڑ روپیے کا کاروبار انجام دیا اور توقع ہے کہ اس سال کاروبار ۳۰ کروڑ روپیوں کے نشانے کو چھولیگا -

انسانی ہمدردی کے جزے کے طور پر اور ''یو - این - آئی سی ی - ایف،، کو دئے ہوئے عہد کی پابجائی میں کارپوریشن حیدر آباد اور سکندر آباد کے مدارس کے ۱۰۰۰۰ بچوں کو - بال واڑیوں کے تقریباً ۴۰۰۰ بچوں کو اور گنٹور اور وجے واڑہ میں اسکول کی عمر سے قبل تقریبا ۹۰۰۰ بچوں کو کو بلا قیمت دودھ سربراہ کررھا ہے - یہاں اس امر کا اظہار بیجانہ ہوگا کہ ۷۸-۷۷ کے دوران میں حیدر آباد کے اسکولوں میں مفت دودھ کی سربراھی کے لئے بچوں کی تعداد کو بڑھا کر ۳۰۰۰۰ کردینے کی تجویز ہے -

وڈلا موڑی ضلع گنٹور میں ایک ''فیڈر بیلنسنگ ڈیری،، کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جو اپنا کام شروع کرنے کے لئے بالکل تیار ہے - انڈین ڈیری کارپوریشن نے ''آپریشن فلیڈ پروگرام،، کے تحت اس ڈیری کے لئے سرمایہ فراہم کیا ہے - یہ ڈیری یومیہ ۱۰۰۰۰۰ لیٹر سیال دودھ کے کاروبار سے نمٹنے کی سکت رکھتی ہے اور اس میں لگا ہوا پلانٹ یومیہ ۱۲ ٹن دودھ پاوڈر بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے - اس ڈیری میں پاسچرائزڈ سفید مسکہ گھی اور پنیر بھی تیار کیا جائیگا - یہ ریاست کی واحد ڈیری ہے جس میں مسکہ کو کاغذ میں لپٹنے کی مشین لگی ہوئی ہے تاکہ مسکہ چھوٹے چھوٹے بیکٹس میں مقامی طور پر فروخت کیا جاسکے اور دوسری ریاستوں کو اس کی برآمد بھی ہوسکے -

دودھ کا کاروبار کرنیوالوں کو مویشیوں کے لئے ملوان اور متوازن چارہ فراہم کرنے کی خاطر فی الوقت ریاست کے مقامات بھونگیر - کریم نگر - بدھاورم اور کڈلا والیرو میں اے - پی ڈیری ڈیولپمنٹ کارپوریشن کے تحت چارہ ملانے کے چار پلانٹ کام کررہے ھیں اور یومیہ ۸۰ ٹن چارہ کی فراھمی کا انتظام موجود ہے - اسکے علاوہ دو اور فیڈ مکسنگ پلانٹس کی تنصیب کا کام جارھی ہے - ان میں سے ایک پلانٹ یومیہ سو ٹن اور دوسرا یومیہ ۳۰ ٹن چارہ تیار کرے گا - ایک پلانٹ ضلع گنٹور میں سنگم ڈیری کے قریب اور دوسرا گدوال ضلع محبوب نگر میں تنصیب کیا جا رہا ہے -

توقع ہے کہ ڈیری کی صنعت آنیوالے برسوں میں بھی چھوٹے اور مارجنل کسانوں کے لئے روزگار کے بہتر مواقعات پیدا کرنے کے سلسلہ میں زبردست اھمیت کا حامل کردار ادا کرتی رہے گی - ہماری معیشیت کی ترقی اور بہتری، میں ڈیری فارموں کا حصہ خاصہ معقول، اور متاثر کن ہے -

******

یوم آزادی - پندرہ اگسٹ

شری منشی بنارسی داس سکسینہ قمر پیلی بھیتی

۱۵ - اگست سنہ ۱۶۰۰ عیسوی

ملکہ الزبتھ کے زمانے میں یکم جنوری سنہ ۱۶۰۰ ع کو انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد رکھی گئی - ۱۵ - اگست سنہ ۱۶۰۰ ع کو سب سے پہلے انگریز بھارت آئے - ادھر ادھر گھومتے پھرتے رہے - سنہ ۱۶۰۸ ع میں کپتان ہاکنس نے مغلیہ خاندان کے چوتھے شہنشاہ سلیم نورالدین محمد جہانگیر (جن کا دور حکومت سنہ ۱۶۰۵ ع سے سنہ ۱۶۲۷ ع تک تھا) کو سورت کے مقام پر تجارتی کوٹھی بنانے کی اجازت حاصل کرنے کی درخواست دی -

سرتھامس رو

یہ کارروائی زیر دوران ہی تھی کہ سنہ ۱۶۱۵ ع میں شاہ جیمز اول کا سفیر سرتھامس رو بھارت آیا اور اس نے جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوکر بھارت میں تجارت کرنے کی اجازت حاصل کرلی اس نے بھارت میں سورت ، کھمبائت اور احمد نگر وغیرہ مقامات پر تجارتی کوٹھیاں قائم کرلیں انگریز بڑے مزے سے تجارت کرنے لگے - اب انہیں یہ خواہش ہوئی کہ کسی طرح بھارت کی ایک ایک انچ زمین پر اپنا قبضہ کرلیں - اسی خواہش نے انہیں نیچتا (کمینگی) پر اتار دیا اور وہ طرح طرح کے انیا چار کرنے لگے -

انگریز بھارت کی پرانی صنعتیں برباد کرنے لگے - بھارت کے راجاؤں ، مہاراجاؤں اور نوابوں کی ریاستوں کو ہڑپ کرنے لگے - بھارت کے والیان ریاستوں کو آپس میں لڑوانے لگے پنجاب کے اندرونی معاملات میں دخل دینے لگے -

مہاراجہ دلیپ سنگھ اور مہارانی جھندا

پنجاب کے مہاراجہ دلیپ سنگھ نے انگریزوں کو راہ راست پر لانے کی انتہائی کوشش کی مگر سب بے سود ثابت ہوئی انگریزوں نے یہ جانتے و مانتے ہوئے بھی کہ ان کا یہ رویہ اور یہ عمل ٹھیک نہیں ہے - مہاراجہ دلیپ سنگھ اور ان کی مہارانی جھنداں کو جلا وطن کردیا -

مہارانی لکشمی بائی (مہارانی جھانسی)

اسی زمانے میں جھانسی کی اٹھارہ سالہ مہارانی لکشمی بائی نے اپنے شوہر شری گنگا دھر راؤ کے مرنے کی وجہ سے ایک لڑکے دامودھر راؤ کو متبنی لے لیا - اسے راجہ بناکر انتہائی اچھے ڈھنگ سے خود حکومت کرنے لگیں -

لارڈ ڈلہوزی (پندرھویں گورنر جنرل سنہ ۱۸۴۸ ع ۱۸۵۶ ع)

انگریزوں کے قائمقام لارڈ ڈلہوزی کو یہ بات از حد شاق گزری اس نے مہارانی جی کو ڈانٹا اور لکھا کہ " ہماری بلا اجازت نہ تو تمہیں کسی لڑکے کو متبنی لینے کا حق ہے اور نہ اسے راج گدی سونپنے کا - لہذا تمہیں جھانسی سے بے دخل کیا جاتا ہے "-

انگریزوں نے جھانسی پر زبردستی قبضہ کرلیا - مہارانی جی نے کہا " میں شیرنی ہوں اپنی جھانسی پھر چھین لونگی" مہارانی جی چپ چاپ جنگ کی تیاریاں کرنے لگیں -

نواب واجد علی شاہ (شاہ اودھ)

اسی دوران میں انگریزوں نے شاہ اودھ نواب واجد علی شاہ کو جھوٹا بدنام کر کے انہیں قیدی بنا کر کلکتہ بھیج دیا - بہادر شاہ والی دلی کی پنشن بند کردی باجی راؤ پیشوا کے متبنی بیٹے دھندھو پنت نانا صاحب کی سالانہ آٹھ والی پنشن ختم کردی -

کہیں کا نہ رکھا -

قصہ مختصر یہ کہ انگریزوں نے بھارت بھر کے ستائیس ہزار زمینداروں ، دس ہزار نوابوں اور چھ ہزار متبنی لڑکوں کو کہیں کا نہ رکھا -

انگریزوں کی مزید درستانیاں -

گائے کی چربی سے چکنے کئے ہوئے کارتوس بھارتی سپاہیوں کو کام میں لانے کے لئے دئے گئے - ان کارستانیوں اور دوسری ہزاروں قسم کی کارستانیوں کی وجہ سے انگریزوں نے سارے بھارت کو اپنا دشمن بنالیا - اور پورے بھارت میں بد امنی و بے چینی پھیل گئی تمام بھارت باسی انگریزوں کو یہاں سے مار بھگانے کی فکر میں غرق ہوگئے -

دھندھو پت نانا صاحب -

سب سے پہلے بٹھور کے دھندھو پت نانا صاحب نے سبھی بھارتیوں کو متحد کرنے کے لئے اپنے بہادر اور انتہائی عقلمند سردار تاتیا ٹوپے اور ان کے بہت سے ساتھیوں کو جگہ جگہ پھرنے کا حکم دے دیا - انھوں نے خفیہ طور پر بھارت بھر کے مہاراجاؤں، راجاؤں ، نوابوں ، زمینداروں اور نمبرداروں وغیرہ کو انگریزوں کے خلاف خوب ھی بھڑکایا - انگریزی فوجوں میں جاجا کر ہندو سپاھیوں کے بھی دھن نشین بات کردی کہ دیکھو انگریز ہندوؤں کو استعمال کرنے کے لئے وہ کارتوس دے رہے ھیں جو کہ گائے کی چربی سے چکنے کئے ہوئے ہوئے ھیں - گویا اس طرح وہ ہندو دھرم کو برباد کررہے ھیں -

بہادر تاتیا ٹوپے -

بہادر تاتیا ٹوپے کے ساتھیوں نے اپنے اپنے مختلف بھیس بنائے کوئی سادھو بنا تو کوئی بھکاری ، کوئی پانی بھرنے والی ، کوئی مہترانی ، کوئی دھوبن کوئی نائن وغیرہ - ان سب نے تمام بھارت میں انگریزوں سے نفرت کی آگ بھڑکا دی -

بھارت کے رہنے والے پہلے ھی سے انگریزوں پر خار کھائے بیٹھے ہوئے تھے اب بہادر تاتیا ٹوپے کے سمجھانے اور بھڑکانے سے وہ انگریزوں کے اور بھی جانی دشمن ہوگئے - انگریزوں پر بے بھاو پڑنے لگی -

اس عمل عظیم کا سہرا -

اس عمل عظیم کا سہرا جھانسی کی مہارانی لکشمی بائی ، دھندھوپت نانا صاحب اور بہادر تاتیا ٹوپے ھی کے سر تھا ، اگر اس وقت بھارت میں کچھ نمک حرام بھارت کے غدار نہ ہوتے تو ۱۵ - اگست سنہ ۱۹۴۷ ع کو ملنے والی آزادی بھارت کو سنہ ۱۸۵۷ ع ھی میں مل جاتی - مگر یہاں تو یہ عالم تھا کہ انگریزوں کی خوشنودی و خیر خواھی اور اپنی ذاتی منفعت کے لئے لوگ انگریزوں کا ساتھ دے کر اپنے ھی بھائیوں کو کاٹ اور کٹوا رہے تھے -

یہ اور بات تماشائیوں نے دیکھا ہے
مرا ھی قتل مرے بھائیوں نے دیکھا ہے

جنگ کے داؤ پیچ -

مہارانی لکشمی بائی بچپن ھی سے جنگ کے داؤ پیچ سے بخوبی واقف تھیں وہ بچپن میں بجائے گڑیوں اور کھلونوں وغیرہ سے کھیلنے کے تیر ، ڈھال تلوار ، خنجر ، شمشیر وغیرہ سے کھیلتی تھیں - انھوں نے مردوں اور عورتوں کی الگ الگ فوجیں بنائیں اور انگریزوں پر دھاوا بول دیا -

ویر منگل پانڈے -

ادھر کلکتہ کے پاس کے بیرک پور کے ویر منگل پانڈے انگریزوں کے سامنے خم ٹھونک کر آ کھڑے ہوئے انھوں نے ۹ - مارچ سنہ ۱۸۵۷ ع کو انگریزوں کو للکارا اور اکیلے ھی نے گن گن کر کئی سو انگریزوں کو گولی کا نشانہ بنادیا

بھارت کے غدار -

آخر کار انگریزوں نے بھارت ھی کے غداروں کی مدد سے ویر منگل پانڈے کو دھوکے سے پکڑوا کر پھانسی پر لٹکا دیا - انھوں نے پھانسی کے پھندے میں لٹکتے ہوئے سبھی دیش باسیوں سے یہ کہا :-

" غلامی کی زندگی سے موت بہتر ہے
، شیر کی موت مرو ، کتے کی موت مت مرو
تمھیں میری قسم ہے کہ انگریزوں سے ان کے
انیا چاروں کا بدلہ لو "

ویر منگل پانڈے کی پھانسی سے تمام فوج میں ماتم چھا گیا اور ۶ - اپریل سنہ ۱۸۵۷ ع سے دیش بھر میں جگہ جگہ انگریز مارے جانے لگے -

بھارت میں غدر -

۱۰ - مئی سنہ ۱۸۵۷ ع کو بھارت میں غدر ہوگیا -

فوج اور پولیس دونوں مل گئیں اور ۱۶ - مئی سنہ ۱۸۵۷ ع کو پرانی راجدھانی دلی کو پھر سے بھارت کی راجدھانی بنا کر بہادر شاہ کو بھارت کا شہنشاہ بنادیا -

سپاھیوں کے استعفے -

ویر منگل پانڈے نے خفیہ خط و کتابت کے ذریعہ اور بہادر تاتیا ٹوپے نے بھیس بدل بدل کر دیش بھر میں یہ خبر پھیلادی تھی کہ انگریز گائے کی چربی سے ہمارے کارتوسوں کو صاف کرکے ہمارے دھرم کو نشٹ کرنا چاہتے ھیں -

بس پھر کیا تھا عام طور پر سپاھی اپنے اپنے افسروں کے پاس استعفے بھیجنے لگے ان افسروں نے جن میں بہت سے غدار بھی تھے اپنی ترقی اور خیر خواھی کی خاطر انگریزوں سے مل کر یہ حکم جاری کردیا :-

" ہم اس معاملے کی چھان بین کرکے استعفوں پر غور کریں گے - ۳۱ - مئی سنہ ۱۸۵۷ ع تک مہلت دی جائے "۔

بہت سے سیدھے سادھے سپاہی اپنے افسروں کے اس حکم کی بنا پر خاموش ہوگئے ۔

نانا صاحب ، تاتیا ٹوپے ، مہاراجاؤں ، راجاؤں ، نوابوں اور زمینداروں نے مل کر کانپور ، لکھنو ، پٹنہ ، الہ آباد ، انبالہ ، دلی اور بریلی وغیرہ کی فوجوں کو بھڑکایا اور انگریزوں کا ناک میں دم کردیا ۔

انگریزوں کی پالیسی ۔

انگریزوں کی پالیسی مشہور ہے انھوں نے بہت سے ہندوستانی غداروں کو مختلف قسم کے لالچ دے کر اپنا ہموار بنالیا ۔ ان کمبختوں نے انگریزوں کے ساتھ مل کر بھارت والوں ہی کے گلے کاٹنے شروع کردئے نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ نانا صاحب جو کہ یکم جولائی سنہ ۱۸۵۷ ع کو بٹھورا (جو کہ کانپور سے گنگا جی کے داھنے کنارے چودہ میل دور ہے) کی اپنی راج گدی پر بیٹھ گئے اور ان ہزاروں انگریزوں کو جنھیں انھوں نے گرفتار کرلیا تھا معاف کرکے چھوڑ دیا ۔ تھوڑے ہی دنوں تک آزاد رہ کر تاتیا ٹوپے کے ساتھ کالپی چلے گئے ۔

انگریزوں کے اتیاچار ۔

انگریزوں نے دیش کے غداروں کی مدد سے بھارت میں اپنے پیر جما کر بھارتیوں پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گاؤں کے گاؤں جلا ڈالے لا تعداد عورتوں ، مردوں بچوں کو گولی کا نشانہ بنا ڈالا ۔ قصبیں تباہ کردیں ۔

۴ ۔ جون ، سنہ ۱۸۵۷ ع

ادھر جھانسی کی مہارانی لکشمی بائی نے ۴ ۔ جون سنہ ۱۸۵۷ ع کو جھانسی کی گدی پر بیٹھکر اپنی حکومت کا جھنڈا لہرادیا ۔ گیارہ مہینے تک انگریزوں سے زبردست ٹکریں لیتی رہیں اور جھانسی پر حکومت کرتی رہیں ۔

کپتان ہیوروز :

۶ ۔ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع کو ایک انگریز کپتان ہیوروز نے پچاس ہزار فوج کے ساتھ جھانسی پر حملہ کیا ۔ ۲۰ ۔ جنوری سنہ ۱۸۵۸ ع سے مہارانی جھانسی اور انگریزی فوج میں زبردست لڑائی ہوئی ۔ مہارانی جھانسی قلعے کے اندر سے لڑ رہی تھیں اور انگریزی فوج قلعے کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئی تھی ۔ دونوں طرف کی توپوں کے منہ کھلے تھے انگریز چالیس چالیس پچاس پچاس سیر کے گولے برسا رہے تھے ۔ مہارانی نے ایک خفیہ آدمی کے ذریعہ تاتیا ٹوپے کو کہلا بھیجا کہ فوج لیکر جلدی آئیے ۔ افسوس کہ تاتیا ٹوپے وقت پر نہ آ سکے ۔

مہارانی جھانسی کی بہادری :

مہارانی کی مٹھی بھر فوج (دو سو ا کتالیس آدمی) نے پچاس ہزار فوج کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا اور انگریزوں کے دانت کھٹے کر دیئے جب انگریزوں کی فوج جھانسی کا قلعہ توڑ کر اندر گھس گئی تو مہارانی یہ حال دیکھکر اپنی دو سہیلیوں (" کانا " ۔ " مندرا ") کے ساتھ اپنے بچے دامودھرراؤ کو کو اپنی کمر سے باندھ گھوڑے پر چڑھ کالپی ، گوالیار ہوتی ہوئیں اور راستے بھر پیچھا کرنے والی انگریزی فوج کوگاجر مولی کی طرح ٹکڑی ، کھیرے کی مانند کاٹتی ہوئی آگے بڑھیں ۔ مہارانی اپنے دانتوں سے گھوڑے کی لگام پکڑی ہوئی تھیں اور دونوں ھاتھوں کی تلوار سے انگریزوں کو کاٹ رھی تھیں مہارانی نے ہزاروں انگریزوں کو جہنم پہنچا دیا ۔

۱۷ ۔ جون ، سنہ ۱۸۵۸ ع کا منحوس واقعہ :

انگریزی فوج تتر بتر (منتشر) ہوگئی ۔ راستے میں ایک گہرا چوڑا نالہ پانی سے لبریز تیزی سے بہ رہا تھا ۔ مہارانی نے نالہ پار اترنے کیلئے گھوڑے کو ایڑ لگائی ۔ مہارانی کی طرح گھوڑا بھی بہت ہی بھوکا پیاسا تھا ۔ ایڑ لگتے ہی نالے کے پار تو کود گیا مگر کودتے ہی گر کر مر گیا ۔ مہارانی بھی گھوڑے سے گر پڑیں اور انتہائی درد و چوٹ کی حالت میں بھی فوراً ہی تلوار سونت کر کھڑی ہو گئیں ۔ انگریزوں کی پچاس ہزار فوج میں سے کٹ مر کر جو گیارہ ہزار فوج بچ گئی تھی اور منتشر ہو گئی تھی وہ پھر وقت واحد میں جمع ہو گئی اور پیچھے سے مشترکہ حملہ کرکے مہارانی کو سورگ (جنت) بھیج دیا ۔ یہ فوج مہارانی کی لاش کو کھندلتی ہوئی اور اپنی بہادرانہ کامیابی پر اتراتی ہوئی آگے بڑھ گئی ۔

مہارانی کا ایک نوکر راجندر راؤ مہارانی کی لاش کو اپنی کٹیا میں لے گیا اور وہاں سے ارتھی پر لے جا کر داہ سنسکار کردیا ۔ یہ منحوس واقعہ ۱۷ ۔ جون ، سنہ ۱۸۵۸ ع کا ہے ۔

اس سلسلے میں کسی نے خوب لکھا ہے :۔

بڑے بڑے ویروں نے کیا ہی بہتر کار کیا
اک عورت پر وہ بھی پیچھے سے وار کیا

ھندی کی شہرہ آفاق کوتری شریمتی سبھدرا کماری چوہان نے تو اس واقعہ کو اپنی ھندی نظم میں اتنے اچھے اور غمگین پیرائے میں لکھا ہے جو بیان سے باھر ہے اس طویل نظم کی پہلی دو سطریں یہ ھیں :۔

چمک اٹھی سنہ ستاون میں وہ تلوار پرانی تھی
خوب لڑی مردانی وہ تو جھانسی والی رانی تھی

تاتیا ٹوپے کی آمد :

یہ سب کچھ ہونے کے بعد تاتیا ٹوپے جھانسی پہنچے اور سہارانی کا حال سن کر وہ اس طرف ہی گئے جہاں سہارانی کو قتل کیا گیا تھا ۔ بس پھر کیا تھا انگریزوں کے کئی سو آدمیوں کو اکیلے ہی تاتیا ٹوپے نے موت کے گھاٹ اتار دیا ۔ اتنے میں نانا صاحب بھی آ گئے انہوں نے بھی انگریزی فوج سے خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا ۔ کامیابی کی صورت نہ دیکھکر وہ گوالیار چھوڑ کر نہ معلوم کہاں چلے گئے ۔ جن کا آج اور اب تک پتہ نہیں ملا ۔ جاتے وقت وہ اپنی اکلوتی پیاری بیٹی مینا دیوی کو بھی اپنے ساتھ نہ لے جاسکے ۔

خون کی ہولی :

نانا صاحب کے جانے کے بعد انگریزوں نے کانپور میں خون کی ہولی کھیلی ہزاروں کو گولی کا نشانہ بنایا اور ہزاروں بے گناہوں کو پھانسی کے تختے پر لٹکادیا ۔

مینا دیوی :

مینا دیوی نانا صاحب کی اکلوتی لاڈلی بیٹی تھی ۔ بٹھور کے قلعے میں رہتی تھی ۔ انگریزوں نے کانپور میں خون کی ہولی کھیل کر بٹھور میں دھندھوپت نانا صاحب کا راج محل لوٹا پھر اس محل کو چاروں طرف سے توپوں سے گرانا شروع کیا اتنے میں انگریزوں نے دیکھا کہ اوپر سے ایک لڑکی کھڑی کہ رہی ہے :—

بدمعاش انگریز گولے برسانا بند کرو

جب اس لڑکی (مینا دیوی) نے دیکھا کہ گولے برسنا بند نہیں ہورہے ہیں تو اس نے انگریز کپتان " ہے ،، سے کہا کہ آپ نے مجھے پہچانا نہیں میں ناناصاحب کی بیٹی مینادیوی ہوں ۔ آپ کی بیٹی "میری ،، بچپنے ہی میں میرے ساتھ یہیں کھیلا کرتی تھی اور آپ بھی صبح و شام میرے پتاجی سے ملنے یہاں آیا کرتے تھے ۔ آپ کی بیٹی " میری ،، مرچکی ہے جس کا مجھے انتہائی رنج ہے ۔ ۔ یہ سنتے ہی " ہے ،، کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اس نے کہا " بیٹی ،، مجھے تجھ سے محبت تو ضرور ہے مگر میں اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کروں گا ۔

اتنے میں انگریزی فوج کا ہیڈ کپتان " اؤٹرڈم ،، وہاں آ گیا اس نے " ہے ،، سے پوچھا کہ یہ قلعہ اب تک مٹی میں کیوں نہیں ملایا گیا ۔ " ہے ،، نے سارے واقعات سنا کر استدعا کی کہ اس قلعہ کو مٹی میں نہ ملایا جائے ۔ اس نے جواب دیا کہ اس کے لئے گورنر جنرل (لارڈ کیننگ) سے اجازت لینی پڑے گی ۔ آؤٹرڈم نے اس سلسلے میں گورنر جنرل کو تار دیا ۔ گورنر جنرل نے ولایت سے اجازت چاہی ۔ ولایت سے جواب آیا کہ بہت جلد اس قلعے کو مٹی میں ملادیا جائے اور اس کے کسی قسم کے نشانات وغیرہ بھی باقی نہ رکھے جائیں ۔

اس حکم کی بنا' پر بٹھور کا یہ انتہائی شاندار ، قلعہ مضبوط اور قابل دید محل قلعہ مٹی میں ملادیا گیا ۔

ستمبر ، سنہ ۱۸۵۷ ع کی ایک رات کو جبکہ چاندنی پھیلی ہوئی تھی ۔ سفید کپڑے پہنے ایک لڑکی محل کے ڈھیر پر بیٹھی زور زور سے رو رہی تھی ۔ انگریزی فوج کے سپاہی وہاں پہنچے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے ؟ اور کیوں روتی ہے ؟ اس لڑکی نے کچھ جواب نہیں دیا ۔ اتنے میں آؤٹرڈم وہاں آ گیا اس نے لڑکی کو پہچان کر گرفتار کر لیا اور کانپور کے قلعے میں لے جا کر ایک بھیانک اندھیری کوٹھری میں ڈال کر بھوکا پیاسا رکھا اور طرح طرح کی بے شمار ایسی ایسی ایذائیں دیں جن کے لکھنے سے قلم کانپ اٹھتا ہے اور جن کے سننے سے روح تھراجاتی ہے اور جب اس پر معزز منصف اور رحمدل انگریز مطمئین نہ ہوئے تو انہوں نے اس بے چاری بے گناہ لڑکی مینا دیوی کو بتاریخ ۲ دسمبر ، سنہ ۱۸۵۷ ع دھکتی ہوئی آگ کی بھٹی میں ڈال کر دھندھوپت نانا صاحب کی اکلوتی چہتی اور لاڈلی بیٹی مینادیوی کو دنیا سے ناپید کردیا —

خرمن ہستی پہ بجلی جب گری تو دیکھنا
سلطنت کیا جان تک نہ سنبھالی جائے گی

تاتیا ٹوپے کو پھانسی دی گئی ۔

ایک غدار مان سنگھ نے تاتیا ٹوپے سے یہ پرار تھنا کی کہ میں آپ کی بہادری سے انتہائی خوش و متاثر ہوں آج آپ کو اپنے گھر دعوت دینا چاہتا ہوں تا کہ آپ کے پوتر چرنوں سے میرا گھر پوتر ہوجائے اور آپ کے درشن سے میری اولاد میں بھی بہادری آجائے ۔

[ ] تاتیا ٹوپے نے بیحد معذرت چاہی مگر مان سنگھ ان کے پاؤں پکڑ کر کہا کہ میری یہ خواہش پوری کیجئے تاتیا ٹوپے نے مجبوراً اس کی استدعا قبول کرلی ۔ جیسے اس کے گھر گئے وہاں پچاس آدمیوں نے انہیں پیچھے سے پکڑ کر انگریزوں کے حوالے کردیا ۔ انگریزوں نے ۱۸ - اپریل سنہ ۱۸۵۹ ع صبح ساڑے چار بجے پھانسی پر لٹکا دیا ۔

آگ برابر سلگتی رہی ۔

سنہ ۱۸۵۷ ع کی یہ درروائی محض دیش ہی کے غداروں کی وجہ سے نا کام تو ضرور رہی مگر اس کی آگ برابر سلگتی رہی ۔

جیوں جیوں انگریزوں کے دل ہلادینے والے مظالم بڑھتے جاتے تھے تیوں تیوں وہ سلگتی ہوئی آگ اور بھی تیز ہوتی جاتی

کرے گا کسی طرح کا جلوس نکالے گا کسی قسم کے نعرے لگائیگا یا اپنے مکان کے سامنے پڑے ہوئے مردے کو نہ اٹھا کر بہتے ہوئے خون کو صاف نہ کرے گا یا اور کسی قسم کا کوئی کام ایسا کرے گا جو انگریزوں کے خلاف ہو اسے گولی مار دی جائیگی -

۹ - جون ، سنہ ۱۹۱۹ع تک جنرل ڈائر اور اوڈائر نے ہندوستانیوں پر مختلف قسم کے ایسے ایسے ظلم ڈھائے جو ناقابل بیان ہیں - انگریزوں نے لاہور میں بھی کافی ظلم کئے - اسکول کے بچوں کو بلا وجہ مارا پیٹا گیا - ایک برات جارھی تھی اس میں تیرہ آدمی تھے بس پھر کیا تھا ان پر جرم قائم کیا گیا کہ دس آدمیوں سے زیادہ کی برات کیوں نکالی گئی دولہے ، دولہے کے باپ اور بیاہ کرانے والے پنڈتجی کو ننگا کر کے خوب پیٹا گیا - ایک برات دولہے کو بیاہ کر دلہن کے ساتھ واپس آ رھی تھی - دولہا ذرا تندرست تھا - اسے بہادر سمجھ کر فوراً گولی مار دی گئی - دلہن رو پڑی اسے بندوق کی نلی دکھا کر حکم دیا گیا کہ اگر تو ذرا بھی روئی تو تجھے گولی کا نشانہ بنا دیا جائیگا - اسی واقعہ کو کسی نے لکھا ہے —

خدایا اٹھتی جوانی میں موت آئی ہے
شہید ہوگیا دولھا تری دھائی ہے

کلیجہ غم سے ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ ہو صاحب
ہمیں تو اب لاش پر بھی رونے کی منائی ہے

ایک میت کے پچاس آدمیوں کو پکڑ کر ہر ایک کو اتنے اتنے بید مارے کہ وہ سب کے سب مر گئے اور اس مردے کے ساتھ ھی شریک سفر آخرت ہوئے -

ہوائی جہازوں کے ذریعہ گجرانوالہ پر بمباری کی گئی - عورتوں کی بے عزتی کرکے انہیں طرح طرح کی ایذائیں دے کر مارا گیا - ان کے بچوں کو انکے سامنے پٹک پٹک کر جان سے ماردیا گیا -

ایک عورت کی گود سے اس کے بچے کو چھینا گیا - بچے نے ماں کا کندھا پکڑ لیا تو ماں اور بچے دونوں کو گرا کر ٹھوکروں انگریزوں نے انہیں جوتوں کی ٹھوکروں سے مارا مار کر مار ڈالا -

ہنٹر کمیشن :

نجیب آباد ، چوھڑ ، وزیر آباد ، لائل پور کھانا ، رامنگر گجرات ، ملک والا ، جلال پور وغیرہ شہروں میں کافی سے زیادہ ظلم اور انسانیت سوز حرکتیں کی گئیں - پورے بھارت میں ھائے ھائے مچی ہوئی تھی - انگریزوں کی پالیسی نے خود کو منصف و رحمدل حکمراں ثابت کرنے کے لئے ان واقعات کی چھان بین کے لئے ہنٹر کمیشن بٹھایا - اس منصف کمیشن نے ہندوستانیوں ھی کو مجرم قرار دے کر انگریزوں کو بے گناہ ٹھہرایا -

کسی ہندوستانی لیڈر کو ان دردناک و جاں فرسا واقعات کے سلسلے میں تحقیق کرنا کرانا جرم قرار دیا -

انگریزوں کی حکومت نے " اوڈائر " اور " جنرل ڈائر " کی خوب تعریف کرکے انہیں بہادری و وفاداری کے خطابات و انعامات دے کر پوری تنخواہ پنشن دے دی اور پوجیہ مہاتما گاندھی جی کو تو جیل بھیج ھی دیا گیا تھا —

گھبرانہ مصیبت میں نکلے گا قیامت میں
ارمان ترےدل کا انصاف کے اے خواھاں
دنیا میں تو بس اتنا انصاف نظر آیا
ڈائر کے لئے پنشن گاندھی کے لئے زنداں

انگریزوں کے خلاف کارروائیاں :

قصہ مختصر یہ کہ مختلف صلاحیتوں کے حامل ہندوستانیوں نے اپنی بساط بھر یعنی یہ کہ شاعروں نے ایسی ایسی جوشیلی نظمیں لکھ کر پبلک کو سنائیں جنھیں سن کر لوگ بھڑک اٹھے ان کے جذبات میں ھیجان پیدا ہوگیا - ادیبوں نے اپنے اپنے مضامین سے لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کردیا - مقررین نے اپنی تقریروں سے انگریزوں کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکا دی - سائنسدانوں نے بم بنا کر انگریزوں پر برسائے سیاست دانوں نے بکھری ہوئی اور متضادالخیال قوم کو متحد کر کے انگریزوں کو ان کی اپنی پالیسیوں پر دوبارہ غور کرنے پر مجبور کر دیا - بہت سے حضرات نے ہڑتالیں کرائیں بہت سوں نے کیں - کسی نے بدیشی سامان کا بائیکاٹ کرایا تو کسی نے بدیشی کپڑوں کی ھولی جلائی - سنجیدہ حضرات نے خاموش اسٹرائکیں کرائیں - جذباتی حضرات نے اسٹرائکوں کے ساتھ مار پیٹ اور لوٹ مار بھی کی - جو دھن والے تھے اور اپنی کسی مجبوری یا کمزوری سے علانیہ کچھ نہ کر سکتے تھے انہوں نے خفیہ طور پر اپنا دھن دیا تاکہ اسے انگریزوں کے خلاف کارروائیوں میں کام میں لایا جا سکے - بعض نے ریلوے کی پٹریاں اکھاڑیں بعض نے ریل گاڑیاں روکیں - بعض نے ریل گاڑیاں لوٹیں - بعض نے تار و ٹیلیفون کے نظام معطل کردئے - بعض نے سرکاری خزانوں میں ڈاکہ ڈالا - بعض نے انگریزوں کے بنگلے جلائے - اور نہ معلوم کس نے کیا کیا کیا ؟

اس سلسلے میں لاکھوں ہندوستانی مختلف طریقوں سے اور بڑی بیدردی سے انگریزوں کے ھاتھوں موت کے گھاٹ اتارے گئے

قسمت :

اور اسے قسمت کہتے ھیں کہ بہت سے لوگوں نے کچھ بھی کام نہیں کیا یا محض برائےنام کیا مگر وہ اس سلسلے میں شہرت کے آسمان پر چمکے ۔ ان کے تذکرے اخباروں میں آئے ۔ اور ان کا ذکر کتابوں میں ۔

بہت سے قسمت کے ہیٹے حضرات ایسے بھی تھے جنہوں نے اس سلسلے میں اپنا گھر بار لٹا دیا ۔ جیلیں کاٹیں ، مختلف قسم کی ایذائیں برداشت کیں ۔ بھوکے رہے ۔ بیوی بچوں سے چھوٹے ۔ نوکریاں چھوڑیں اور آخرکار انگریزوں کی گولیوں کا نشانہ بنے مگر ان کے نام نہ تو کہیں تحریر میں ھیں اور نہ کسی کے ذھن و دماغ میں ۔

متعدد لوگ ایسے بھی تھے جو حقیقت میں تو انگریزوں کے پٹھو تھے مگر ظاھری طور پر انگریزوں کی مخالفت میں کام کرتے نظر آتے تھے ۔ وہ کمینے صرف چند ٹکوں کی خاطر یا کسی معمولی عہدہ و ترقی کی خاطر بھارت کا پورا راز نہ صرف جوں کا توں بلکہ نمک مرچ لگاکر اپنے آقائے نامدار انگریزوں کی خدمت گرامی میں پیش کرتے رہتے تھے ۔ انگریزوں کے متعلق ان کا یہ عقیدہ تھا —

رھیں اللہ کے سایہ میں وہ ، ھم ان کے سایہ میں
وہ ھم پر مہرباں ، ان پر خدا ھو مہرباں برسوں

اور اس طرح سے اس قسم کے غدار بھارت باسیوں نے یا یوں سمجھئے کہ انگریز سرکار کے خیرخواہ بھارت باسیوں نے اپنے ھی لاتعداد بھارت باسی بھائیوں کو مختلف قسم کی ایذائیں دلواکر موت کے گھاٹ اتروا کر ان کی بیویوں کو بیوہ اور ان کے بچوں کو یتیم اور ان کے مال و جائداد کو بحق انگریز سرکار ضبط کرادیا ۔ انگریزوں نے ھندوستانیوں کو مختلف قسم کے لالچ دئے اور ملازمت دینے کا لالچ تو عام طور پر دیا ھی گیا ۔ بس ایک بھائی نے ملازمت کے لالچ میں انگریزوں کا خیرخواہ بن کر اپنے ھی حقیقی بھائیوں اور رشتہ داروں کو کٹوایا دیا ۔

پست سے پست جو چیز ھے وہ بن جا لیکن
دھر میں جنس غلامی کا خریدار نہ بن
بہر خوشنودی اغیار یگانوں کو نہ چھیڑ
اپنی گردن پہ جو چلتی ھے وہ تلوار نہ بن

کانگریس ۔

بھارت نے کانگریس نام کی ایک زبردست انجمن قائم کرلی ۔ بھارت بھر میں اس کی شاخیں پھیل گئیں ۔ اس میں زبردست ودواں اور چوٹی کے سیاسی شریک تھے ان سب کا نظریہ تو ایک ھی تھا مگر عمل الگ الگ یا یوں سمجھئے کہ منزل تو ایک ھی مگر راھیں جدا جدا ۔ بالفاظ دیگر ھمارے نیتاؤں میں گو آپس میں زبردست سیاسی و نظری وغیرہ اختلافات تھے مگر حصول آزادی کے سلسلے میر طریق کار میں اختلاف ہونے کے باوجود سب یہی چاہتے تھے کہ انگریزی حکومت کو بھارت سے نکال دیا جائے ، امن و اھنسا کے دیوتا مہا تما گاندھی عدم تشدد کے حامی تھے اور نیتا جی شری شوبھاش چندر بوس " اینٹ کا جواب پتھر سے دو " کے قائل تھے ۔ چنانچہ مہا تما گاندھی جی کی ایک تقریر کے اختتام پر نیتاجی نے باواز بلند کہا " میں آپ کو باپ تو مانتا ھوں مگر آپ کی بات نہیں مانوں گا " مندرجہ بالا تقریر ھی میں مہاتما گاندھی جی نے یہ فرمایا تھا " اگر آزادی گم جائے تو اسے حکومت کے جبر میں تلاش کرنے کی بجائے رعایا کی کمزوریوں میں تلاش کرو " ۔

انگریزوں کے جتن ۔

جب انگریزوں نے دیکھا کہ بھارت میں اب ان کی حکومت کا قائم رہنا نہ صرف محال بلکہ نا ممکن ھے ۔ تو انہوں نے اپنی حکومت کو باقی و بر قرار رکھنے کے لئے بہترے ہاتھ پاؤں مارے ۔ لاکھوں جتن کئے مختلف قسم کی کانفرنسیں کیں ۔ مختلف طرح کے کمیشن بٹھائے متعدد طرح کے وفد بلوائے وغیرہ وغیرہ ۔

مگر نتیجہ صفر رہا ۔ سمجھوتے کے لئے اپنے ملک سے چوٹی کے سیاست داں سر اسٹافرڈ کرپس کو بھارت بلوایا ۔ مگر اس کی بھی دال نہ گلی ۔

مندرجہ بالا کام انگریزوں نے بڑی امید پر کئے مگر بعد از وقت ۔ اب بھارت اس قدر ھوشیار و بیدار ھوچکا تھا کہ اسے کسی طرح بہلایا و سلایا نہیں جاسکتا تھا ۔

اسے کہتے ھیں دنیا ۔ کہ ادھر تو بہت سے ھندوستانی ھر طرح کی قربانیاں دے کر انگریزوں کی حکومت کو ھندوستان سے مٹانے کی جان توڑ کوشیش کر رہے تھے اور انہیں ھندوستانیوں میں سے بہت سے ایسے بھی غدار تھے جو کہ انگریزوں کی مکمل تائید کرکے اپنے ھی ھندوستانی بھائیوں کو انگریزوں سے نہ صرف طرح طرح کی ایذائیں ھی دلوا رہے تھے بلکہ موت کے بھی گھاٹ اتر وارہے تھے ۔

ادھر سنہ ۱۸۸۲ع میں ایک انگریز مہاشے مسٹر اے او ۔ ھیوم جو کہ شملہ (بھارت) میں ھی مقیم تھے اور انگریزی حکومت کی جانب سے سکریٹری تھے انہوں نے بھارت کے سیاسی حالات کا گہرا جائزہ لے کر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اب انگریزوں کو بھارت کی حکومت سے دست برداری ھی حاصل کرلینا مناسب

ھے ۔ انہوں نے اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ رپن کی خدمت میں اپنا استعفا پیش کر دیا ۔ اور انگریزوں ہی کے خلاف ہندوستانی تنظیم کے قیام کے بارے میں بہت ہی کافی غور و خوص کیا ۔

انڈین نیشنل کانگریس :

اور کافی غور و خوص کرنے کے بعد " انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈالی اور اس کی پہلی میٹنگ بمقام بمبئی (بوجہ ہیضہ پونہ میں نہ ہو سکی جس کا کہ پہلے اعلان کیا گیا تھا) بتواریخ ۲۸ ۲۹ - ۳۰ - دسمبر ، سنہ ۱۸۸۵ع ہوئی اس کے پریذیڈنٹ مسٹر ڈبلیو ۔ سی ۔ بنرجی تھے ۔

یہ تنظیم بیس (۲۰) سال (سنہ ۱۹۰۵ع) تک یوں ہی قائم و جاری رہی ۔ جب لارڈ کرزن (سنہ ۱۸۹۹ع سے سنہ ۱۹۰۵ع گیارھویں وائسرائے ہند) نے بنگال کے حصے کئے تو تمام بنگال نے اس کی مخالفت کی ۔ اب کانگریس کے دو حصے ہو گئے ۔

ایکسٹریم پارٹی :

۱ ۔ ایکسٹریم پارٹی (Extreme Party) جو فوراً ہی سوراج یعنی سلف گورنمنٹ چاہتی تھی ۔ اس کے صدر لوکمانیہ شری بال گنگادھر تلک تھے ۔

ماڈریٹ پارٹی :

۲ ۔ ماڈریٹ پارٹی (Moderate Party) جو بتدریج سوراج چاہتی تھی اس کے صدر شری گوپال کرشن گوکھلے تھے ۔

انگریزوں نے پہلی پارٹی کو دبانا ۔ روکنا چاھا ۔ اور اس سلسلے میں انتھک کوششیں کیں اور ہندوستان کے بہت سے لیڈر جیل بھیج دئے گئے ۔ اسی وقت دوسری پارٹی کو اپنانا چاھا ۔

بہر حال کافی کشیدگیاں و کشمکشیں رہیں ۔ انگریزوں کی طرف سے ہندوستانیوں پر انتہائی سختیاں برتی گئیں مگر بھارت کے ہزاروں لیڈروں (مثلاً مہاتما گاندھی ، پنڈت موتی لال نہرو ، پنڈت جواھرلال نہرو ، سی ۔ آر ۔ داس ، سی ۔ وائی چنتامنی ، لال بہادرشاستری ، چکرورتی راج گوپال چاری ، ڈاکٹر راجندر پرشاد ، موہن لال سکسینہ ، سوبھاش چندر بوس ، رفیع احمد قدوائی ، شبن لال سکسینہ ، مہاویر تیاگی ، شیاما پرشاد مکرجی سردار بھگت سنگھ ، مختار احمد انصاری ، ابوالکلام آزاد ، پنڈت مدن موہن مالویہ ، علی برادران ، پرشوتم داس ٹنڈن ، چندرشیکھر د ، سردار ولبھ بھائی پٹیل ، گووند ولبھ پنت ، لالہ لاجپت رائے پنڈت رام پرشاد بسمل ، کے ۔ یم ۔ منشی ، مرارجی دیسائی ، وجئے لکشمی پنڈت ، کرشنا مینن ، جیتندرناتھ داس ، رام منوھر لوھیا ، ویر ساورکر ، سروجنی نائیڈو ، ڈاکٹر امبیڈکر ، ڈاکٹر رادھا کرشنن ، اشوک مہتا ، اجئے کمار گھوش ، ڈی ۔ سی ۔ رائے ، جے ۔ پرکاش نارائن وغیرہ وغیرہ) نے اپنی اپنی کوششیں جاری رکھیں اور ان میں سے ہر ایک کو کئی کئی بار جیل جانا پڑا ۔

اس سلسلے میں بھارت کے جن جن نیتاؤں کے نام جنتا کے دل نشیں و ذہن نشیں ہیں ان میں سے ہم نے صرف چند ہی کا اندراج کیا ھے اور مقامی نیتا تو لاتعداد نکلیں گے ۔ جنہوں نے بھارت کے کسی ایک ہی حصے کی رہنمائی کی ھے اگر ان سب کے ناموں اور کاموں پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے تو ہر ایک پر ایک ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ھے ۔ اور اس طرح کی بھی کتابیں اس وجہ سے نامکمل رہیں گی کہ ان میں بھی ان کی تفصیلی خدمتیں نہ آ سکیں گی ۔

مہاتما گاندھی نے اٹھارہ ستیہ گرہ کیں سترہ برت رکھے ۔ جن میں سے ہر ایک کئی کئی دن تک جاری رہا ۔

محیرالعقول کارنامے :

بعض نے ایسے محیرالعقول کام کئے کہ دنیا آج تک دنگ ھے مثلاً ۹ ۔ اگست ، سنہ ۱۹۲۵ع کو لکھنو کے پاس کی کاکوری اسٹیشن پر (۸) ڈاؤن گاڑی کو روک کر پنڈت رام پرشاد بسمل نے انگریزوں کا خزانہ لوٹ لیا ۔

سنہ ۱۹۲۸ع میں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے باردولی میں کسانوں کی ایسی ستیہ گرہ کرائی جس کا انگریزوں کو خواب و خیال تک نہ تھا ۔

۸ ۔ اپریل سنہ ۱۹۲۹ع کو سردار بھگت سنگھ نے اسمبلی کی بیٹھک میں بم پھینکا ۔

۱۰ ۔ اپریل ، سنہ ۱۹۲۹ع سے جتندرناتھ داس نے پینسٹھ دن کا مرن برت رکھا اور اسی حالت میں لاھور کی جیل میں مر گئے ۔

اوائل سنہ ۱۹۳۰ع میں شری لال بہادر شاستری نے عورتوں کا لباس پہن ، یکے میں بیٹھ ، پولیس کی سخت نگرانی و پہرے کے باوجود الہ آباد گھنٹہ گھر پر ترنگا جھنڈا لہرا دیا ۔

۱۷ ۔ جنوری سنہ ۱۹۴۱ع کو نیتاجی سوبھاش چندر بوس اپنے مکان ایلگن روڈ کلکتہ سے پولیس کی سخت ترین نگرانی کے باوجود پراسرار طور پر لاپتہ ہوگئے ۔

انگریزوں کی کارستانیاں :

انگریزوں نے بھی کچھ کم کارستانیاں نہیں کیں مثلاً یہ کہ :—

۱۹ - دسمبر، سنہ ۱۹۲۷ع کو پنڈت رام‌پرشاد بسمل کو پھانسی دی - انہوں نے پھانسی کے تختے پر چڑھکر ہنستے ہوئے یہ کہا:— *I wish the dawnfall of the British Empire*

۲۳ - مارچ، سنہ ۱۹۳۱ع کو سات بجے شام لاہور سنٹرل جیل میں سردار بھگت سنگھ کو پھانسی دی گئی - چندر شیکھر آزاد کو سر بازار گولی مار دی گئی -

قصہ مختصر یہ کہ ہمارے بہادر، دوراندیش، جاں‌فروش و اعلی سیاست‌داں نیتاؤں نے جیلوں میں بھی جا کر وہاں کے قیدیوں میں بیداری کا منتر پھونک دیا جب انگریز ہر طرح سے اور ہر طرف سے مجبور ہوگئے اور اب ان کے پاس چلنے کو کوئی چال اور اپنی حکومت کے تحفظ کا کوئی راستہ نہ رہا تو انہوں نے سوچا کہ دانشمندی کا تقاضہ یہی ہے کہ بھارت بھارتیوں کے حوالے کردیا جائے -

لارڈ ماؤنٹ‌بیٹن :

چنانچہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن (آخری وائسرائے سنہ ۱۹۴۷ع سے سنہ ۱۹۴۹ع تک) نے ۳ - جون، سنہ ۱۹۴۷ع کو یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے - برٹش گورنمنٹ نے جولائی، سنہ ۱۹۴۷ع میں ہندوستانی آزادی کا ایکٹ پاس کردیا جس کی رو سے اس سال برطانیہ کی حکومت ہندوستان سے ختم ہوجائے گی اور ۱۵ - اگست سنہ ۱۹۴۷ع کو ہندوستان کو آزادی دے دی جائے گی -

چنانچہ ۱۵ - اگست، سنہ ۱۹۴۷ع سکروار کی رات کے ٹھیک بارہ بجے ہندوستان کو آزادی مل گئی -

اس طرح آج وہ قوم جو زائد از ڈھائی سو سال سے حکمرا بنی بیٹھی تھی مسافر بن گئی -

آئی مصیبت آئی مسافر بھاگ چلو بہت ممکن ہے کہ ک کم ظرف اس وقت انگریزوں سے ان کے کئے ہوئے سا مظالم کا بدلہ لینے اٹھ کھڑا ہوتا - مگر واہ‌ری پو پنڈت جواہر لال نہرو کی دریا دلی اور اعلی ظرفی کہ انہوں فوراً ہی حکم جاری کردیا کہ انگریزوں کے ساتھ ک قسم کے ظلم، اتیاچار اور سخت برتاؤ وغیرہ کو کسی حالت برداشت نہیں کیا جائے گا - خلاف‌ورزیوں کی صورت میں خاطیہ کو معقول سزا دی جائے گی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی اعا فرمادیا کہ تا حکم ثانی فی‌الحال آزاد ہندوستان کے سب سے گورنر جنرل وہی لارڈ ماؤنٹ بیٹن مقرر کئے جاتے ہیں جو بتاریخ ۱۴ - اگسٹ، سنہ ۱۹۴۷ع تک انگریزی حکومت طرف سے ہندوستان کے وائسرائے تھے -

یہ انگریزوں کی طرف سے ہندوستان کے بیسویں آخری وائسرائے تھے ان وائسرائے سے قبل سولہ (۱۶) گو جنرل بھی ہوچکے تھے -

جون، سنہ ۱۹۴۹ع میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے استع دیدیا چکرورتی شری راج گوپال چاری (راجہ جی) آزاد ہندوست کے پہلے گورنر جنرل بنائے گئے ان کے بعد اس عہدہ جلیلہ ختم کر کے ڈاکٹر راجندر پرشاد کو پہلا پریذیڈنٹ آف انڈیا کیا گیا -

* * * * *

(مہدی پرتاب گڈھی)

پندرہ اگست

عزیزو ! ہم وطنو ! پھر اگست آیا ہے
نئے حیات پیام نشاط لایا ہے

ہر ایک دشت و دمن آج مسکرایا ہے
وطن کا اپنے اک اک ذرہ جگمگایا ہے

ہر ایک خار ہے رعنائی حیات لئے
ہر ایک ذہن ہے تعمیر کی صنعات لئے

مآل ہے یہ شعور بشر کی محنت کا
وطن میں اپنے جو دور آیا ہے مسرت کا

صلہ ملا ہمیں یک جہتی و محبت کا
ہر ایک ذہن سے پھوٹا ہے نور حکمت کا

فضائے امن و مسرت ملے ہے ہر جانب
حیات نو کی علامت ملے ہے ہر جانب

اس آفتاب کی خاطر بجھے ہزاروں نجوم
سنانیں چومتی گذریں ہزار ہا حلقوم

قدم ڈگا نہیں پایا ، صعوبتوں کا ھجوم
زمانہ رکھ نہ سکا دیر تک ہمیں محکوم

اگست آھی گیا ہے لئے منزلوں کا سلام
ہوا یہ خانہ تاریک آفتاب تمام

نہ جانے کتنے ھی برسوں کی جستجو ہے اگست
چمن کی آن ہے ، غنچوں کی آبرو ہے اگست

متاع حسن بہاراں ہے، رنگ و بو ہے اگست
رگ حیات میں بہتا ہوا لہو ہے اگست

اگست بن کے جب آیا سفیر آزادی
فضائے ہند میں گونجی نفیر آزادی

اگست راھگذر بھی ہے اور منزل بھی
اگست موج رواں بھی ہے اور ساحل بھی

اگست خلوت جاناں بھی اور محفل بھی
اگست ھی رگ جاں بھی ہے قوت دل بھی

اگست ایک وراثت ہے اس کی قدر کرو
جب آئے وقت تو خون جگر بھی نذر کرو

* * *
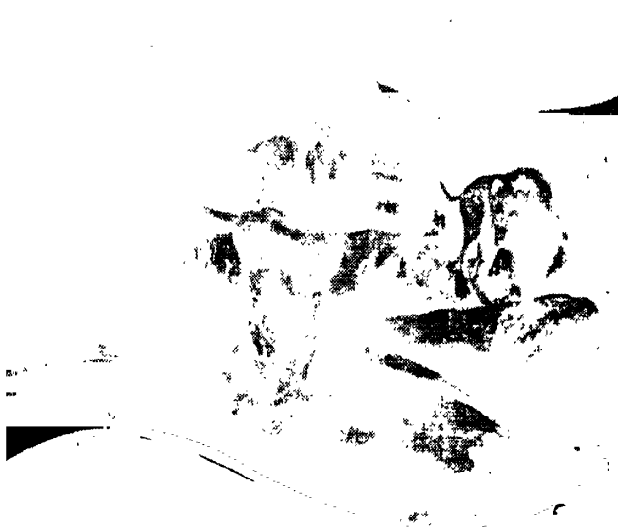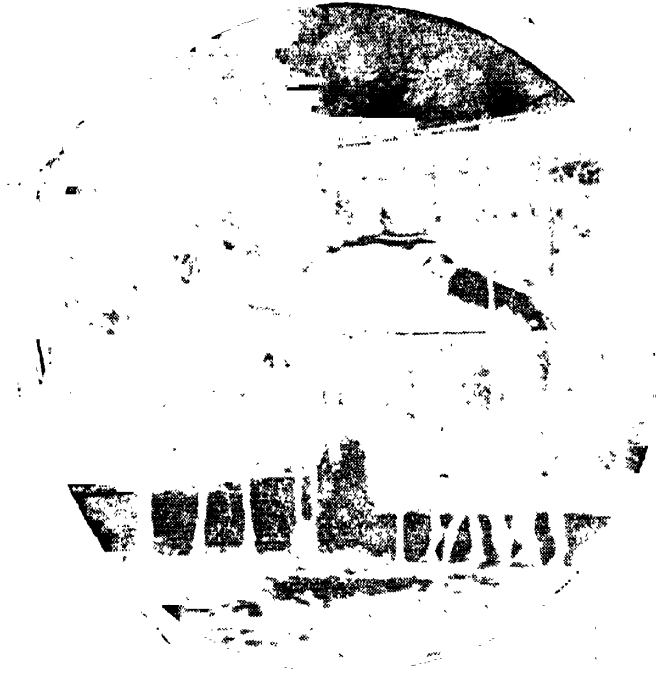
نہرو زولاجیکل پارک
شہر حیدرآباد کی
ایک پرکشش تفریح گاہ

صابر کمال ایم ۔ اے

کرشن چندر سے چند ملاقاتیں

کرشن چندر اردو کے وہ واحد خوش نصیب ادیب تھے جن کی تصانیف کا پچاس (۵۰) سے زاید زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے ۔ روس میں تو کرشن چندر کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ان کی کتابوں کے ترجمے لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوچکے ہیں ۔ ان کے لکھے ہوئے ڈرامے وہاں کامیابی سے اسٹیج کئے جا چکے ہیں ۔

کرشن چندر کے تعلق سے ایک بات خاص طور پر کہی جاتی ہے کہ ان کا قاری بھی ان سے خوش رہتا ہے ، ان کے اڈیٹر اور پبلیشرز بھی ان کے لئے آنکھیں بچھاتے ہیں اور ان کے ناقدین بھی ان کے فن کی ستایش کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اردو کے کسی ادیب کو اسکی زندگی میں اتنی جلدی، اتنی شہرت نہ ملی ہوگی جتنی کہ کرشن چندر کو ملی ہے ۔

جہاں تک نثر کا تعلق ہے سعادت‌حسن منٹو ، خواجہ احمد عباس ، عصمت چغتائی اور چند ایسے ادیب بھی ہیں جنھوں نے اپنے قلم سے اردو ادب کی خدمت کرتے ہوئے دولت ، عزت ، شہرت حاصل کی لیکن اپنی بےلاگ تحریروں کی وجہ سے بعض‌اوقات قانونی پریشانیوں میں مبتلا ہوگئے۔ اس کے برعکس کرشن چندر وہ واحد ادیب تھے جنھوں نے بغیر الجھنوں اور پریشانیوں اور عدالتوں کے چکر کے قلم ہی کے ذریعہ اردو ادب کی خدمت کی اور باعزت طریقہ سے بہت کچھ کمایا ۔ یہ اور بات ہے کہ وہ لکھ لٹ انسان تھے اس لئے دولت کو تجوری میں بند نہ رکھ سکے۔

اکثر ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ جب کسی شاعر یا ادیب کی تخلیقات اچھے رسایل میں شائع ہونی شروع ہوجاتی ہیں یا انہیں کسی طرح سے تھوڑی بہت شہرت مل جاتی ہے ۔ یا ان کو مشاعروں اور ادبی محفلوں میں مدعو کیا جانے لگتا ہے تو یہ پھسے دکھانا شروع کر دیتے ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر روٹھ جاتے ہیں ۔ اگر ترتیب و نشست میں انہیں کوئی ادنی سی بات بھی ناگوار گذرتی ہے تو یہ بھری محفل میں چیخنے چلانے لگتے ہیں اور محفل کو درھم برھم کر دینے پر تل جاتے ہیں ۔ اگر انہیں کوئی قسمت کا مارا کسی محفل میں مدعو کرتا ہے تو سے پہلے یہ سوال کریں گے کہ آپ کیا معاوضہ دیں گے ۔ اور جب معاوضہ کی بات پکی ہوجائے تو پھر یہ شرط پیش کی جائے گی کہ آپ فلاں ، فلاں ، صاحبین کو بھی ضرور مدعو کیجئے ۔ اور فلاں صاحب اس محفل میں شریک ہوں تو میں نہیں آ سکتا ۔ الغرض ان پر اس قدر تحدیدات عاید کردیں گے کہ بیچارہ یا تو وہ پروگرام ھی نہ کرسکے گا یا اگر پروگرام ہوگا بھی تو وہ صرف ان کے منشا سے ہوگا ۔ اور وہ جہاں جائیں گے اپنے حواریوں کو ساتھ رکھینگے ۔ اور ان کے ساتھ چلیں گے تو اس ٹھاٹھ سے گویا ان کے پیچھے ساری خدائی چل رہی ہے ۔

الغرض ایسی بہت سی باتیں ہیں جو اکثر اوچھے اہل‌قلم حضرات میں بدرجہ اتم پائی‌جاتی‌ہیں لیکن اس کے برخلاف کرشن چندر میں ہمیں ایک‌ایسا انسان نظر آئے گا جس کو کبھی غصہ، لالچ ، دھوکہ ، انتقام ، جلدبازی ، گروپ بندی ، دشنام طرازی، فرقہ‌واریت ، صوبہ‌واریت نے مس تک نہیں کیا ۔

کرشن چندر سے مجھے سب سے پہلے ملنے کا اتفاق سنہ ۱۹۴۹ ء میں کاردار اسٹوڈیو بمبئی میں ہوا تھا ، کرشن چندر اپنے کسی دوست کے ساتھ اسٹوڈیو آئے ہوئے تھے ۔ اس وقت کاردار اسٹوڈیو میں '' جادو '' اور '' کھلاڑی '' کی شوٹنگ ہورھی تھی اتفاقاً شام آنجہانی (فلم ایکٹر) بھی اس وقت اسٹوڈیو آئے ہوئے تھے مجھے جب معلوم ہوا کہ کرشن چندر موٹر میں تنہا بیٹھے ہوئے ہیں ، تو میں نے ان کے قریب جاکر اپنا تعارف کروایا کہ مجھے آپ سے ملنے کابیحد اشتیاق تھا چونکہ میں اپنے ایک دوست سجاد احمد خان (جو شالیمار پکچرز پونے میں آپ کے ساتھ کام کیا کرتے تھے) ، سے آپ کا اور جوش ملیح آبادی ، ساغر نظامی وغیرہ کا تذکرہ سنا کرتا تھا ۔ آپ کے افسانے پڑھنے کے بعد اور فلم '' غلامی '' دیکھنے کے بعد آپ سے ملنے کا اشتاق اور بڑھ گیا ۔ کرشن چندر میری باتوں کو خاموشی سے سنتے رہے اور گونگی گونگی اور کھوئی کھوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھتے رہے اور تھوڑی دیر بعد کرشن چندر نے میرا نام دریافت کیا ۔ میرا نام سننے کے بعد کہا کہ کیا آپ شاعری بھی کرتے ہیں ۔ میں نے کہا کبھی کبھی شعر موزوں ہو جاتے ہیں۔ اور خود ھی‌میں نے کہا کہ‌میرے‌پسندیدہ شاعر، شاعرانقلاب جوش ملیح آبادی ہیں ۔ کرشن چندر کے ہونٹوں پر خفیف سی

مسکراہٹ دوڑ گئی - کرشن چندر نے کہا کہ جوش کا کوئی شعر یاد ہو تو سنایئے میں نے جوش کا وہ شعر سنایا جو مجھے اس وقت بہت پسند تھا -

کام ہے میرا تغیر ، نام ہے ، میرا شباب
میرا نعرہ ، انقلاب و انقلاب و انقلاب

اس کے بعد میں نے کہا ایک چھوٹی سی نظم اور سن لیجئے
کرشن چندر نے کہا - کیا آپ کی نظم ہے؟
میں نے کہا - نہیں جوش صاحب کی ہے -
میں نے جوش صاحب کی مندرجہ ذیل نظم " غرور ادب " سنائی -

" غرور ادب "

میرے جلسے سے اٹھ آنے پر خفا تھے ہم نشیں
شاعروں کی فطرت عالی سے تو واقف نہیں
جو ہر ذاتی کا جب افسردہ ہوتا ہے وقار
کفر سے بد تر ہے اس موقع پر وضع انکسار
ناشناسان ادب بھولے ہوئے ہوں جب شعور
ان مواقع پر عبادت کے برابر ہے غرور
دل ہمارا جذبہ غیرت کو کھو سکتا نہیں
ہم کسی کے سامنے جھک جائیں ، ہوسکتا نہیں
راہ خودداری سے مر کر بھی بھٹک سکتے نہیں
ٹوٹ تو سکتے ہیں ہم ، لیکن لچک سکتے نہیں
حشر میں بھی خسروانہ شان سے جائینگے ہم
اور اگر پرسش نہ ہوگی تو پلٹ آئینگے ہم
اھل دنیا کیا ہے اور ان کا اثر کیا چیز ہے
ہم خدا سے ناز کرتے ہیں بشر کیا چیز ہے

یہ نظم سننے کے بعد خدا جانے کیا بات ہوئی کہ ایکدم کرشن چندر کا موڈھی بدل گیا حالانکہ یہ نظم میں سمجھتا ہوں کرشن چندر کے لئے شاید نئی نہیں تھی - خدا جانے کرشن چندر کہاں سے آ رہے تھے اور کیا سوچ رہے تھے کہ انہیں یہ نظم اس وقت بہت پسند آئی اور انہوں نے کہا کہ آپ یہ نظم مجھے لکھ کر دیں تو مناسب ہے - اور انہوں نے مجھے اپنے گھر کا پتہ بھی دیا - اور گھر پر مدعو بھی کیا اور ساتھ ہی کہا کہ آپ نے جوش کی " ماتم آزادی " پڑھی ہے - میں نے کہا پڑھی تو نہیں البتہ علیگڈھ میں ایک دوست سے اسکے کچھ بند سنے ضرور ہیں -

کرشن چندر نے کہا کہ یہ نظم میرے ہاں موجود ہے آپ کسی دن بھی آ کر لکھ لیں - مگر آپ صبح کے اولین اوقات میں آئیں تو بہتر ہوگا - یہ میری کرشن چندر سے پہلی ملاقات تھی -

اس کے بعد ہی اچانک حیدر آباد آجانا پڑا - بعد میں کئی مرتبہ بمبئی جانے کا اتفاق ہوا لیکن کرشن چندر سے ملاقات نہ ہو سکی - اس کے تقریباً اٹھارہ (۱۸) سال بعد مئی سنہ ۱۹۶۶ ع میں زندہ دلان حیدر آباد کی جانب سے کل ہند مزاح نگاروں کی کانفرنس منعقد ہوئی - جس کی صدارت کرشن چندر نے کی - اور کرشن چندر کے خطبہ صدارت کے دوران ان کے ایک ایک فقرے پر اردو ہال قہقہوں سے گونج رہا تھا - اور کرشن چندر نے یہاں یہ بات منوائی کہ وہ نہ صرف ایک بہترین افسانہ نگار ہی ہیں بلکہ ایک عظیم طنز و مزاح نگار بھی -

کرشن چندر جب حیدر آباد سے بمبئی واپس ہو رہے تھے نامپلی اسٹیشن پر بہت سے شاعروں ادیبوں نے ان کو وداع کیا - ان میں بھارت چند کھنہ صاحب بھی موجود تھے جو اس کانفرنس کے روح رواں تھے - میں نے ایک سلسلہ میں بھارت چند کھنہ صاحب آئی - اے - ایس (جو اس وقت لیبر کمشنر تھے) سے سفارش کرنے کی کرشن چندر سے خواہش کی - کرشن چندر ٹرین میں سوار ہوچکے تھے اور گاڑی نکلنے میں تھوڑی دیر تھی لیکن کرشن چندر مجھے دیکھتے ہی ٹرین سے نیچے اتر آئے اور کھنہ صاحب سے اس سلسلہ میں پرزور سفارش کی - اور کھنہ صاحب نے بھی شرافت نفس کا ثبوت دیا کہ جو کرشن چندر سے وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا -

اس کے بعد میری تیسری ملاقات کرشن چندر سے ڈسمبر سنہ ۱۹۷۰ ع میں بمبئی میں ہوئی - میں کرشن چندر سے ملنے کے لئے ۸ بجے کے قریب پہنچا - تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک کرشن چندر اور سلمی صدیقی سے بات چیت رہی - میں جب پہنچا تو کرشن چندر کچھ لکھنے میں مصروف تھے - کرشن چندر نے بتایا کہ وہ ایک انگریزی ناول کا ترجمہ کر رہے ہیں - میں نے کرشن چندر کی توجہ اس جانب مبذول کرائی کہ میرے ایک دوست ———— نے جو عثمانیہ یونیورسٹی کے لا گریجویٹ ہیں آپ کی ایک ناول ———— کا تلگو زبان میں ترجمہ کیا ہے اور وہ اسے شائع کروانا چاہتے ہیں اس سلسلے میں آپ کو دو تین خطوط بھی لکھ چکے ہیں - لیکن آپ نے کوئی جواب نہیں دیا - کرشن چندر نے کہا کہ بہتر ہوتا وہ اپنا ترجمہ تلگو ساھتیہ اکیڈیمی کو بتلا دیتے - اس کے بعد میں نے کرشن چندر سے کہا کہ آپ میں اور جوش صاحب میں چند باتیں مشترک ہیں سب سے پہلے یہ کہ آپ اور وہ دونوں انقلابی ادب کے علمبرداروں میں سے ہیں - دوسری بات جو آپ دونوں کو بالکل قریب کرتی ہے وہ آپ دونوں کی رومانیت پسندی ہے - اور ایک بات جو مشترک ہے وہ یہ کہ آپ دونوں نے زندگی کے ہر شعبہ میں کھل کر لکھا ہے اور بہت کچھ لکھا ہے - لیکن کبھی اپنی تحریروں کی وجہ سے قانون نے آپ کو اپنے شکنجے میں نہیں جکڑا

نزاکت ، نفاست، مہمان‌نوازی اور جامہ زیبی اور فضول خرچی میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ دونوں ایک دوسرے کے پیرو ہیں انتہا یہ کہ جوش صاحب اور آپ اکثر گہرے نیلے رنگ کے نفیس لیٹر پیڈ استعمال کرتے ہیں اور وہ بھی سادہ ۔ کیا آپ سے دریافت کر سکتا ہوں کہ ان سب باتوں کے پیچھے کیا کوئی خاص بات تو پوشیدہ نہیں ہے۔ کرشن چندر نے تھوڑے سے توقف کے بعد کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ نہ صرف میں بلکہ تقریباً سبھی ترقی پسند ادیب اور شاعر کسی نہ کسی طرح جوش سے متاثر رہے ہیں اور متاثر رہینگے ۔ یہ اور بات ہے کہ آپ مجھ میں چند باتیں جوش ہی کی طرح پاتے ہیں ۔

اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ آپ نے ''شب جوش '' (بمبئی کے ایک کروڑ پتی صنعت کار جناب شام کشن نگم صاحب کے دولت خانہ پر ۱۳ ۔ اکٹوبر سنہ ۱۹۶۷ء کو منایا گیا) میں شرکت نہیں کی حالانکہ سلمی آپا تشریف لائی تھیں ۔ کرشن چندر نے اپنی عدم شرکت کی کوئی وجہ بتلائی ۔ اس کے بعد ہم باہر ڈرائینگ روم میں آگئے سلمی آپا بھی تشریف لائیں ۔ سامنے میز پر چائے اور بسکٹ وغیرہ رکھے تھے ۔ میں چونکہ روزہ تھا اسی لئے معذرت چاہ لی اس پر اصرار ہوا کہ روزہ وہیں پر کھولوں ۔ میں نے بتایا کہ مجھے شام میں ۶ بجے تک ایک دوسری جگہ جانا ہے ۔ سلمی آپا نے مجھ سے علیگڈھ کے تعلق سے دریافت کیا کہ آپ نے کب وہاں تعلیم حاصل کی ہے ۔ کہاں پر مقیم تھے ۔ کتنا عرصہ رہے ۔ بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں میں تقریباً ۵ بجے وہاں سے رخصت ہوا، کرشن چندر اور سلمی آپا چھوڑنے کے لئے دروازہ تک آئے اور جب میں واپس لوٹ رہا تھا تو یہ محسوس کررہا تھا کہ کرشن چندر نہ صرف ایک عظیم ادیب ہیں بلکہ ایک بہت بلند کردار انسان بھی ہیں ۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کبھی آپ کسی اوچھے ادیب یا شاعر یا فنکار کے ہاں جاتے ہیں تو وہ سب سے پہلے آپ پر دھونس جمانے کے لئے اپنی تصانیف کی فہرست یادانشوروں کے خطوط ، یا لیڈروں اور صاحب اقتدار ہستیوں کے ساتھ کھنچوائی ہوئی تصویروں کا البم دکھائے گا یا ایسی خاندانی وجاہت کا تذکرہ شروع کردے گا ۔ یا نہیں تو اپنے مخالفین پر کیچڑ اچھالنا یا ان کے اپنے واقعات بیان کرے گا جس سے ان کی تضحیک ہوتی ہے ۔ اور وہ بھی اس طرح کہ آپ کو یہ سوچنے اور سمجھنے کا موقع بھی نہیں ملے گا کہ آپ اس کے ہاں کس غرض سے گئے ہیں ۔ اگر بالفرض محال آپ غلطی سے کوئی ایسی بات کہدیں جو اس کو ناگوار ہو تو وہ جھٹ آپ پر پنجے جھاڑ کر حملہ کر دیگا ۔ وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ وہ غصہ میں کیا کہہ رہا ہے وہ نہ صرف آپ کی مخالفت شروع کردے گا بلکہ ان سارے ادیبوں اور شاعروں کی مخالفت پر کمر باندھ لے گا جس کو آپ پسند کرتے ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ اس کے بھی پسندیدہ ادیب و شاعر رہے ہوں ۔ لیکن صرف آپ کی مخالفت کی خاطر ان سب کو برا بھلا کہنے لگے گا ۔ لیکن میں نے کرشن چندر میں ایک خاص بات دیکھی کہ وہ بہت ہی صبر و تحمل کے ساتھ دوسروں کے خیالات سنتے اور اس پر غور کرتے اور اگر وہ ناگوار ہوں تو ٹال جاتے ، خفگی کا اظہار نہیں کرتے —الغرض کرشن چندر کی شخصیت میں بہت سی ایسی خوبیاں یکجا ہوگئیں تھیں جسے ہم آسانی سے فراموش نہیں کر سکتے ۔

* * * * * *

آندھرا کیسری آنجہانی پرکاشم کی کچھ یادگار تصویریں ۔

(۱) گورنر تربویدی چیف منسٹر پرکاشم سے حلف لے رہے ھیں ۔
(۲) شری پرکاشم اس وقت کے مرکزی وزیر مواصلات شری جگجیون رام کے ساتھ ۔
جبکہ موخرالذکر نے ۱ نومبر سنہ ۱۹۵۴ میں نئے سکریٹریٹ بلاک کا افتتاح کیا ۔
(۳) چیف منسٹر شری پرکاشم اور شری این سنجیوا ریڈی ۱ نومبر سنہ ۱۹۵۴ میں

شری پرکاشم اور شری اوبلا ریڈی یوم جمہوریہ کی تقریبات کے موقع پر (کرنول سنہ ۱۹۵۴)
(۷) شری پرکاشم ۲۱ - ۱ اکتوبر سنہ ۱۸۵۴ کو کرنول ریلوے اسٹیشن پر شری جگجیون رام کا خیر مقدم کررہے ھیں ۔
(۸) شری پرکاشم کانگریس کے اوادی اجلاس میں شری اس - کے پاٹل کے ساتھ ۔
(۹) شری پرکاشم ، کرنول میں شری فضل علی چیرمن ریاستی تنظیم جدید کمیشن کے اعزاز میں منعقدہ ایک خیر مقدمی تقریب میں ۔
(۱۰) شری پرکاشم ، شریمتی کسم تریویدی کے ساتھ (کرنول ۱۹۴۵)
(۱۱) شریمتی پرکاشم ، ڈاکٹر بی - پٹا بی - رامیا اور شری این - سنجیوا ریڈی کے ساتھ ۔
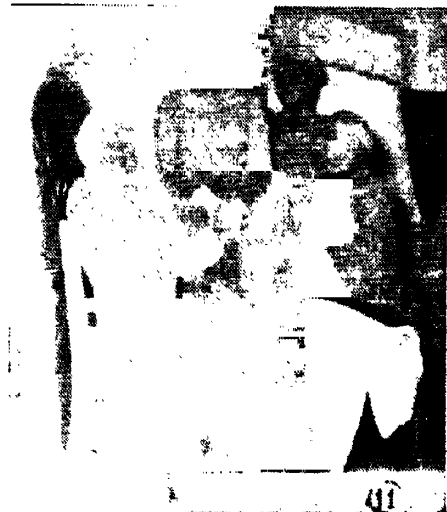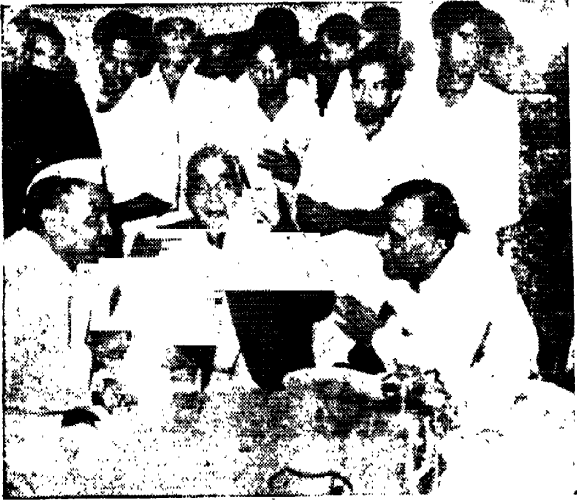
۴) چیف منسٹر شری پرکاشم کا شری ایس - بی - پی - پٹابی راما راؤ دائیں جانب) اورشری پی - تھما ریڈی کے ساتھ (کرنول سنہ ۱۹۵۳)

(۵) چیف منسٹر پرکاشم

ابراهیم علی

دستور ہند

ہم ہندیوں نے دل سے طئے آج کرلیا ہے
مختار کل حکومت جمہوریہ بنالیں
محفوظ شہریوں کے جملہ حقوق کرلیں

انصاف ہو سماجی ۔ انصاف ہو معاشی
انصاف ہو سیاسی ، ہوں یہ حقوق جاری

آزادئی خیال اور اظہار مدعا ہو
آزاد ہو عقیدہ ، مذہب ہر اک روا ہو

ہر شخص ہو مساوی انسانیت میں شامل
ہر شخص کو ہو موقعہ یکساں سعی کا حاصل

بڑھ جائے بھائی چارہ ہو یہ مراد قومی
ہر فرد کی ہو عزت ہو اتحاد قومی

دستور ساز مجلس میں آج یہ ہماری
چھبیسویں نومبر انچاس سنہ میں جاری
قانون یہ بنا کر دستور کرلیا ہے

بھارت کی آن بان ہے دستور یہ ہمارا
انسانیت کی جان ہے دستور یہ ہمارا
جمہوریت نشان ہے دستور یہ ہمارا
ہر حق کا پاسبان ہے دستور یہ ہمارا

وہ اپنی زندگی کے شب و روز ایک بورڈنگ میں گذارتا ہے اور جب اس کو لازمی فوجی خدمت کے لئے طلب کیا جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ذہنی کشمکش میں مبتلا پاتا ہے ۔ یہ ناول جرنل (Journal) کے فارم میں ہے ۔ اور یہ فارم لاشعور میں پوشیدہ خیالات کی ترجمانی کے لئے موزوں اور مناسب بھی ہے ۔ اس ناول میں انہوں نے جنگ اور امن دو مختلف زمانوں میں پیدا ہونیوالی نسلوں کا نفسیاتی تجزیہ نہایت ماہرانہ انداز میں کیا ہے ۔ انہوں نے اس ناول پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کا یہ جوہر "وکٹم (Victim) میں اور نمایاں ہوا ہے ۔

سال بیلو کے خیال میں ان کا حقیقی ادبی سرمایہ "آگی مارچ (Augie March) سے شروع ہوتا ہے ۔ یہ ناول سنہ ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا ۔ جس پر سال بیلو نے دی نیشنل بک ایوارڈ حاصل کئے ۔ انہوں نے اس ناول میں ایک نئے اسٹائل کو اپنایا ہے ۔ یہ ناول کافی امرانگیز اور جذبات سے پر ہے ۔ ناول کا ہیرو اکثر شکاگو اور میکسیکو میں گھومتا دکھائی دیتا ہے ۔ وہ اپنے آپ کو کبھی باپ ، کبھی بیٹے ، کبھی استاد اور کبھی رہنما کے روپ میں پیش کرنیکی کوشش کرتا ہے ۔ لیکن وہ اس روپ کو اختیار کرنا نہیں چاہتا جس روپ میں دوسرے لوگ اسے دیکھنا چاہتے ہیں ۔ اس ناول میں کہیں کہیں پیروڈی اور طنز و مزاح کی چاشنی بھی ملتی ہے ۔

اس ناول کے تین سال بعد سال بیلو نے ایک اور ناول "سیز آف دی ڈے" (Sieze of the day) لکھا یہ ناول ٹامی ولہیم (Towmy wilhelm) کے زوال سے متعلق ہے ۔ پھر ان کا چوتھا ناول "ہینڈرسن دی رین کنگ" (Henderson The Rain King) سنہ ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا ۔ سال بیلو کے ذہن میں آفریقہ کا جو رنگین تصور موجود تھا اس کو وہ مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے یہ ناول لکھا ۔

سال بیلو کو یہ ناول اور اس کے سبھی کردار بےحد پسند ہیں ۔ ہینڈرسن ، سادہ لوح اور نیک طینت انسان ہے ۔ ہینڈرسن کے تعلق سے سال بیلو کہتے ہیں کہ یہ کردار خود ان کی طرح ہے ۔

سال بیلو کا سب سے مشہور ناول "ایڈونچرس آف ہرزاگ (Adventures of Herzog) ہے ۔ یہ ناول سنہ ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا ۔ اسی ناول پر انہیں نوبل انعام عطا کیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ انہیں اس ناول پر نیشنل بک ایوارڈ بھی دیا گیا ہے ۔ یہ ناول دراصل ایک پروفیسر کی کہانی ہے ۔ پروفیسر موسس ہرزاگ (Profssor Mosses Herzog) بیک وقت جوکر بھی ہے اور جوگی بھی ، زمانہ کا ستایا ہوا بھی ہے اور عصر حاضر کا آدمی بھی ہے ۔ پروفیسر ہرزاگ نہایت دلچسپ اور جاندار کردار ہے ۔ اس کی آواز ایک پیچیدہ معاشرہ کی آواز ہے ۔ یہ ناول اس صدی کا شاہکار ہے جس کے متعلق کبھی دو رائیں نہیں ہو سکتیں ۔

سنہ ۱۹۷۰ء میں سال بیلو نے مسٹر سیملرس پلانیٹ (Mr Sammlers Planet) لکھی ۔ پھر سنہ ۱۹۷۵ء میں ان کا ایک اور ناول ہمبولٹس گفٹ (Humbolts' Gift) شائع ہوا ۔ سال بیلو نے اس ناول میں بھی مرتبہ ایک امریکن ادیب کی زندگی کو پیش کیا ہے ۔ انہوں نے اس ناول میں زندگی کے تلخ حقائق کی طرف توجہ مبذول کروائی ہے ۔ انہوں نے اس ناول میں کہیں شدید اور کہیں پیکھے طنز بھی کئے ہیں ۔

سال بیلو اپنا مخصوص طرز نگارش اور منفرد اسلوب رکھتے ہیں ۔ ان کی تحریر میں بے مثل روانی ، صفائی اور گھلاوٹ پائی جاتی ہے ۔ ان کے ناولوں کے اکثر کردار چلتے پھرتے کردار ہیں ۔ جو زندگی سے راست تجربات حاصل کرتے ہیں ۔ کبھی وہ سڑکوں پر گھومتے دکھائی دیتے ہیں تو کبھی بیرونی ممالک کی سیاحت کرتے نظرآتے ہیں ۔ ان کے ناول قارئین پر ہرمین ملی ویلی (Herman Melvillie) اور مارک ٹوین کے ناولوں کا سا تاثر چھوڑتے ہیں ۔

مختصر یہ کہ سال بیلو موجودہ صدی کے عظیم ناول نگار ہی نہیں بلکہ عظیم فنکار بھی ہیں جنھیں بہت کم وقت میں بے شمار کامیابیاں نصیب ہوئیں ۔

******

قیصر سرمست

کرکٹ بیٹ کس طرح بنتے ہیں

(کرکٹ کی مختصر تاریخ کے ساتھ کرکٹ بیٹ کی سرگذشت

آج کل جدھر نکل جایئے چھوٹے سے بڑا تک اور جاھل گنوار سے پڑھا لکھا تک گلی کوچوں میں اور میدانوں میں کرکٹ کھیلتا اور گھر ، دفتر ، ہوٹل ، دوکان غرض ہر جگہ کرکٹ سے متعلق گفتگو کرتا نظر آئیگا ۔ نہ سمجھتے ہوئے اور الف کو لٹھ بولنے والا بھی کامنٹری سننا (یہ الگ بات ہے کہ کسی کھلاڑی کے چوا ماردینے پر ہلڑ ہو تو اسے آوٹ سمجھ لیا جائے اور آوٹ ہونے پر چھکا لگوادینے والوں کی بھی کمی نہیں ہے) اور کرکٹ میچ پر تبصرہ اور بات چیت کرنا اور میچ دیکھنا (جبکہ بغیر دوربین لگائے یہ تک سمجھ میں نہ آئے کہ نواب پٹوڈی کھیل رہے ھیں یا جے سمہا) فیشن میں داخل ہو گیا ہے ۔ جب زمانہ اس روش کو اپنا لے تو بتایئے کہ یہ جاننے کی کوشش کون کرے گا کہ (سوائے چند ایک کے) ہندوستان میں کرکٹ کب کس طرح اور کس کی وجہ سے شروع ہوئی ؟ اور کرکٹ بیٹ کہاں ، کس طرح اور کس لکڑی سے بنتے ھیں اور اس لکڑی کو بیٹ میں تبدیل ہونے کیلئے کتنی مشینوں اور کتنے مدارج سے گزرنا پڑتا ہے ؟

تو پہلے یہ سنیئے کہ کرکٹ نے کس زمانے میں ہندوستان میں قدم رکھا تھا ، شاید آپ کو یقین نہ آئے کہ کرکٹ آنے سے پہلے ھمارے ملک میں ایک کرکٹ کلب قائم ہو گیا تھا ۔ یہ کلب سنہ ۱۷۹۲ع میں کلکتہ میں قائم ہوا تھا ۔ اور ہندوستان میں جو پہلا میچ کھیلا گیا وہ بھی کلکتہ میں اور یہ ۱۸۰۴ع کی بات ہے ۔ یہ میچ انگریزوں نے آپس ہی میں کھیل لیا تھا کیونکہ وہ ہندوستانیوں کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ اس کھیل کو ھاتھ بھی لگائیں ، لیکن ۱۸۵۴ع میں ہندوستانیوں نے اس کھیل میں دلچسپی لی اور اس سلسلے میں یہاں کے راجے مہاراجے بہت پیش پیش رہے یعنی بھوپال ، پٹیالہ ، حیدرآباد ، کوچ بہار ، پٹوڈی اور نیٹور کے راجاؤں اور نوابوں نے بہت سرپرستی کی ۔ اس کے بعد ایم ۔ سی ۔ سی ۔ کی ایک ٹیم سرکاری طور پر پہلی بار ہندوستان آئی ۔ اس کے بعد ۱۸۸۲ع میں ایک ہندوستانی ٹیم انگلستان گئی جن میں زیادہ تر پارسی تھے اور اس ٹیم میں پیریا اور پٹیل قابل ذکر ھیں ۔ ان کے بعد امرناتھ نائڈو ، امرسنگھ جوشی اور مرچنٹ نے نام پیدا کیا تھا ۔ ایم ۔ سی ۔ سی کی ٹیم جب پہلی مرتبہ آرتھر گلی گن کی رہنمائی میں ہندوستان آئی تو ہر مقابلے میں ھماری ہار ہوئی تھی ۔ ہر تخریب میں تعمیر کا پہلو مضمر رہتا ہے ، اس مسلسل ہار نے ھماری ٹیم کو نیا حوصلہ ، نیا عزم اور نیا تجربہ دیا اور ہمارے کھلاڑی کرکٹ میں جم کر حصہ لینے لگے ۔ اس کے بعد غالبا ۱۹۳۱ع میں وزیرعلی نزیرعلی اور امرسنگھ کی شمولیت میں ھماری ٹیم نے انگلستان کا دورہ کیا تھا لیکن ڈگلس جارڈنی کی رہنمائی میں وھاں کی جو ٹیم ہندوستان آئی تھی اس نے دو سال مسلسل (سنہ ۱۹۳۲ع سے سنہ ۱۹۳۴ع تک) قیام کیا ۔ چنانچہ ان مقابلوں کی قیادت وزیانگرم کے راجہ (جنھیں کرکٹ کی دنیا میں '' وزی ،، کے نام سے جانا ، پہچانا جاتا ہے) نے کی تھی ۔ اس کے بعد تو باہر کی ٹیموں کی ہندوستان میں آمد اور ہندوستانی ٹیم کا دوسرے ملکوں کو جانے کا سلسلہ سا پڑ گیا ہے ۔

دو سو سال قبل انگلستان میں جب پہلی دفعہ کرکٹ کھیلی گئی تو بیٹوں کی جگہ درخت کی شاخوں کو استعمال کیا گیا تھا اور اٹھارویں صدی کے ابتداء میں شاخوں کی جگہ ھاکی اسٹک سے مشابہ بیٹوں نے لی تھی چنانچہ لندن کے مشہور میدان اوول کے پویلین میں سنہ ۱۷۲۹ع کا ایک بیٹ آج بھی آپ کو ملیگا ۔ لیکن رفتہ رفتہ کرکٹ بیٹوں نے اپنی شکل تبدیل کر کے موجودہ صورت اختیار کرلی ۔ پتہ نہیں یہ دو پونڈ تین اونس وزنی بیٹ کتنی شکلوں سے گزر کر ہم تک اس شکل و صورت میں پہنچی ہے اورا گلے زمانے میں اور کتنی صورتیں اختیار کرلے گی ۔ آیئے اب آپ کو یہ بھی بتادوں کہ کرکٹ بیٹ کس طرح بنتے ھیں ، آج کل انہی چیزوں کو اھمیت دی جاتی ہے اور انہی کی زیادہ مانگ ہے جو بغیر ھاتھ لگائے صرف اور صرف مشینوں سے بنتی ھیں ۔ لیکن آپ کو یہ سن کر شاید یقین نہ آئے کہ یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے یعنی ان بیٹوں کی نہ تو کوئی اھمیت ہے اور نہ ھی بڑے کھلاڑی ان بیٹوں کو ھاتھ

میں لینا بھی پسند کرتے ھیں جو مشینوں سے بنتی ھیں یہاں تو ہاتھ کی بنی ہوئی بیٹوں کی مانگ اور ضرورت ہے ۔

کرکٹ بیٹ ایک خاص قسم کی بید سے تیار کئے جاتے ھیں ، ان خاص درختوں کی پندرہ سال تک پرداخت کی جاتی ہے اور پندرھویں سال بیٹ‌سازی کے لئے انہیں کاٹا جاتا ہے ۔ کاٹنے کے لئے موسم خزاں کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ اس زمانے میں اس درخت کا رس ختم ہو جاتا ہے۔ بید کی یہ قسم تمام جنوبی انگلستان کے دریائی ساحلوں کے کنارے کنارے پیدا ہوتی ہے ۔ عموماً بید کے ایک درخت سے تقریباً دو (۲) سو کرکٹ بیٹ تیار کئے جاتے ھیں۔

لکڑی کے تختے کو کرکٹ بیٹ میں تبدیل کرنے کے اولین طریقے کو کرکٹ سازی کی زبان میں ڈرائینگ آرٹ سے موسوم کیا جاتا ہے، بیٹ (بلیڈ *BLADE*) کی تہائی پر نشان لگایا جاتا ہے جس کے لئے دو ہتے والی چھینی کے شکل کے چاقو کے ذریعے نشان تک لکڑی صاف کی جرتی ہے (بیٹ سازی میں اہم ترین اوزار یہی دو (۲) دستے والی چھای ہے) اس کے بعد بلیڈ کی سطح کو سخت بنایا جاتا ہے اور اندرونی ساخت کے استحکام کی آزمائش کی جاتی ہے ۔

ماہر کاریگر کا یہ کام ہوتا ہیکہ وہ بلیڈ کا رخ دیکھکر یہ طے کرے کہ دستہ (ہینڈل) کس طرف جوڑا جائیگا اور کس طرف بلیڈ کا چوڑا سرا رکھا جائیگا ۔ اس کے بعد بلیڈ میں وی (*V*) کی شکل کا راستہ بنایا جاتا ہے جس میں آپ دیکھتے ھیں کہ ہینڈل یعنی دستہ جڑا ہوتا ہے، اس وی نما راستے کو حساب لگا کر ایک خاص اوزار سے کاٹا جاتا ہے ۔ یہ سب کچھ ہوجانے کے بعد بیٹ کو اچھی طرح دبایا جاتا ہے تاکہ وہ مضبوط ہو جائے اور گیند کی چوٹ کو (جو طرح طرح کی باؤلنگ کی وجہ سے کبھی شدید ترین اور بجلی کے کوندے کی طرح ہوتی ہے) برداشت کر سکے ۔ اب یہاں مشین کا انسان کو مرہون منت ہونا پڑتا ہے ۔ کیونکہ بیٹ کو دبانے کیلئے ایک خود کار شکنجے کی ضرورت ہوتی ہے اور بیٹ کی حاجت‌روائی انسان کے بس کی بات نہیں رھتی یہ خودکار شکنجہ بیٹ کے دونوں سروں اور بیرونی حصے کو خوب بھنچ دیتا ہے ۔ یہ کام بھی کافی تجربہ اور ماہرانہ نظر چاھتا ہے۔ اس لئے کہ ایک ماہر بیٹ‌ساز ہی یہ اندازہ بخوبی لگا سکتا ہے کہ کونسا بلیڈ کتنے دباؤ کا متقاضی ہے اور یہ اندازہ آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ وہ بلیڈ کو اپنی انگلیوں سے دبا دبا کر لگاتا ہے جو بیٹ شکنجے کی نذر ہونے سے پہلے نرم ، ملائم اور کھوکلے جیسے لگتے تھے وہ شکنجے سے باہر نکلنے کے بعد بہت ہی مضبوط اور پائیدار ہوجاتے ھیں ۔ اب بلیڈوں کو ان کی مضبوطی ، نفاست اور خوبی کے لحاظ سے مختلف قسموں میں بانٹ دیا جاتا ہے ۔ اب رہ جاتا ہے دستہ لگانے کا کام ۔

کرکٹ بیاٹ میں دستہ کسی اور لکڑی کا نہیں بلکہ بید ہی کا لگایا جاتا ہے لیکن یہ بید ذرا مختلف نوعیت کی ہوتی ہے اور یہ انڈونیشیا اور ملایا میں بکثرت پائی جاتی ہے اور وہ برطانوی فرم جو کرکٹ بیاٹ بنانے میں عالمی شہرت رکھتی ہے اسے اس غرض کیلئے انڈونیشیا اور ملایا کا دست نگر بننا پڑتا ہے ۔ اس لکڑی کو اچھی طرح سکھا کر پتلی پتلی چیپیوں میں کاٹ لیا جاتا ہے جو ہینڈل کے برابر ہوتے ھیں پھر انہیں آپس میں جوڑ کر دستہ بنایا جاتا ہے ۔ ایک دستے میں عموماً چودہ سے سولہ چیپ استعمال کئے جاتے ھیں ۔ ان چیپوں کو آپس میں جوڑتے وقت بیچ بیچ میں ربڑ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے جاتے ھیں تاکہ دستے میں لچک پیدا ہو اور ہاتھ کو جھٹکا نہ لگے ۔ گوند اور دھاگے کی بندش دستے کو مضبوط سے مضبوط تر کردیتی ہے ۔ دستے کو سوکھنے کے بعد ایک ٹرنر کے پاس بھیج دیا جاتا ہے جسے وہ اپنی لیتھ مشین پر اسے آخری شکل دیدیتا ہے ۔

اس کے بعد ٹرنر کا کام ختم ہو جاتا ہے اور اب دستہ دوسرے کاریگر جسے '' ہینڈلر ،، کہتے ھیں کے پاس جاتا ہے جو آٹھ انچ لانبی چھینی سے بلیڈ میں وی (V) شکل کا شگاف ڈال دیتا ہے اور اس میں دستہ فٹ کردیتا ہے ، اس مقصد کیلئے بھی گوند یا سریش استعمال کیا جاتا ہے ۔

تیار شدہ دستہ کو بلیڈ میں فٹ کرنے کے بعد نوک پلک درست کرنے والے ماہر (فنیشر) کے پاس بھیج دیا جاتا ہے ۔ وہ بیٹ کو اپنے ہاتھ میں لیکر جانچتا ، تولتا اور اسکی سطح کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد جہاں ضرورت محسوس کرتا ہے اسے چھیل چھال کر صاف اور چکنا بنا دیتا ہے ، ایسا کرنے کے بعد بیٹ کے نیچے وہ اپنے دستخط ثبت کردیتا ہے جو اس بات کی ضمانت ہوتی ہے کہ اس بیٹ کو ہر طرح اچھا بنایا گیا ہے ۔

نوک پلک درست ہونے کے بعد پالش کی باری آتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ریگ مال (سینڈ پیپر) اچھی طرح رگڑا جاتا ہے ریگ مال بھی کئی طرح کے ہوتے ھیں جہاں جہاں جس ریگ‌مال کی ضرورت ہوتی ہے وہی استعمال کیا جاتا ہے ۔ ریگ مال کے بعد اس کی سطح کو مزید چکنا بنانے کے لئے بیٹ پرہڈی گڑی جاتی ہے اور ہڈی بھی صرف ہرن کی ۔ اس کے بعد بیٹ کو پھر ایک بار مشین کا احسان‌مند ہونا پڑتا ہے ۔ کیونکہ بیٹ کو مشین میں پھنسا کر اس کے دستہ پر مضبوط دھاگہ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ (یہ مشین بیٹ کو لٹو کی طرح بہت تیز گھماتی ہے) آپ نے دیکھا ہوگا کہ بلیڈ کے سرے پر ایک چھوٹا سا سوراخ یا گڈھا ہوتا ہے جس کے متعلق کھلاڑی عجیب و غریب نظریات قائم کرلیتے ھیں ۔ اسی کو بعض آئیل ہول (Oil Hole) بھی کہتے

هیں لیکن حقیقت سے اسے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا کیونکہ مشین چونکہ بیٹ کو اوپر سے اور نیچے سے دبائے رکھتی ہے اس لئے یہ سوراخ پڑ جاتا ہے ۔ آخر میں تمام بیٹ اسٹور روم بھیج دیئے جاتے ہیں جہاں بنانے والی کمپنی یا فرم کا نام وغیرہ ڈالا جاتا ہے ۔

آخر میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ ایک بیٹ کی تیاری میں کتنی لکڑی صرف ہوتی ہے — شاید آپ باور نہ کریں کہ تقریباً ۴۲ پونڈ لکڑی کاٹنی پڑتی ہے ، پیڑ کے تنوں کی جب پٹیاں بنائی جاتی ہیں تو آدھی لکڑی ضائع ہوجاتی ہے ۔ تب کہیں بیٹ ، بیٹ بنتا ہے۔

* * *

فیض الحسن "خیال"

غزل

زخم کتنے ہیں مرے دل میں نہ پوچھا کیجئے
آپ حیلوں میں مجھے لا کے نہ رسوا کیجئے

مصلحت روشنی پی جائیگی میخانوں کی
کوئی سمجھوتہ اندھیروں سے نہ ایسا کیجئے

میکدہ میں بھی میں ہوجاؤنگا تنہا تنہا
آپ ماضی کی کوئی بات نہ پوچھا کیجئے

جشن زخموں کا منانا ہے اندھیروں میں مجھے
میری راہوں میں ابھی سے نہ اجالا کیجے

کچھ کہوں گا تو زباں کھینچ لی جائیگی مری
مجھ کو پڑھ لیجئے حالات نہ پوچھا کیجے

گونگے سناٹوں کا آسیب لپٹ جائیگا
آپ ویران مکانوں میں نہ جھانکا کیجے

نکہت گل کہاں ٹھہریگی چمن زاروں میں
آشیاں میرا جلا کر نہ تماشا کیجے

پیاس ، صدیوں کی اتر آئیگی آنکھوں میں خیال
اجنبی بن کے مری سمت نہ دیکھا کیجے

افسانہ

انیس قیوم فیاض ایم - اے - (عثمانیہ)

سکوں پانے کہاں جائیں !

اسلم سے اس کا اب کوئی رشتہ نہیں تھا - اسکے ساتھ اس نے دوسال بیا تہا زندگی کے ضرور گزارے تھے لیکن اس کی موت کے چھ ہی مہینے بعد اس نے انور سے شادی کرلی تھی ، جو اس کا محبوب تھا - جسے وہ دل و جان سے چاہتی تھی - وہ اسکے کالج کے زمانے کا ساتھی تھا - بڑا ہی ہنس مکھ اور بے حد کھلنڈرا ..... بڑےآدمی کا بیٹا تھا ، روپیے پیسے کی فراوانی تھی -اس لئے ھمیشہ مست رھتا تھا - لیکن حالات ایسے آگئے تھے کہ‌اس کی شادی انور سے نہ ہوسکی تھی - ادھر اسکے ابو جان نے قسمین دے کر ، اپنی عزت ، اپنا وعدہ ، اپنی زبان کا واسطہ دے کراس کا رشتہ اسلم سے طئے کردیا تھا اسلم جس کےمتعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی ، وہ اسکے لیے قطعی اجنبی تھا اور ابو جان بہ ضد تھے کہ اس کا ہاتھ اگر جیتے جی کسی کے ہاتھ میں دین گے تو وہ اسلم ہی ہوگا - صرف اسلم - کوئی اور نہیں

وہ کانپ کر رہ گئی تھی - بہت روئی ، بہت تڑپی ، آخر کب تک.......... اسکے بعد وہ کبھی انور سے نہیں ملی - جب زندگی کی ناو کو ایک دوسرا ہی ناخدا مل رہا تھا تو اس نے اپنے آپ کو حالات کی موجوں کے حوالے کردیا -

اسلم اس کی‌زندگی میں‌کچھ اسطرح آیا کہ وہ انور کی‌ہر بات کو پھیکی محسوس کرنے لگی - اس کا پیار ، اس کی محبت ، اسکا خلوص ، سب کچھ .... اسلم ہر بات میں انور سے آگے تھا وہ ایک پل بھی اسے اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتاتھا آفس سے بھی کتنی ہی بار فون کرتا - اس سے میٹھی میٹھی باتین کرتا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اسے انور کبھی کبھی بری طرح یاد آجاتا .... اور وہ سوچتی انور تو اسکے دل کی دھڑکن تھا ، اس کی آواز تھا - وہ شائد اسلم سے زیادہ محبت کرتا- اس کا خیال رکھتا - لیکن انور سے متعلق اسکے سارے سپنے ادھورے رہ گئے تھے - بس ایک ٹیس تھی جو اسے کھائے جارھی تھی - کبھی کبھی اسے انور سے نہیں مل پانے کا بہت زیادہ غم ہوتا لیکن اسلم سے بھی اسے کوئی شکایت نہیں تھی ، اور اچانک ایک طوفان آگیا -

چہارشنبہ کا دن تھا بڑی ہی باؤلی ہوائیں چل رہی تھیں اس کا دل رہ رہ کر دھڑک رہا تھا - کچھ دیر کے لئے اس نے ساحر کی ''تلخیاں ،، اٹھائیں - لیکن اس کا دل ذرا برابر بھی نہ لگا وہ چپ چاپ لیٹی رھی - اسکے ابو گھر ھی پر تھے - امی جان سلائی کررھی تھیں - وفعتاً فون کی گھنٹی بجی -

دیکھنا بیٹی کون ھے .... اسکے ابو بولے

ہیلو - ہیلو کے بعد جو کچھ اس کے کانوں نے سنا اسے یقین نہیں آیا - اور وہ لڑکھڑا کر قالین پر گر پڑی

بیٹی - بیٹی کیا ھوا - ابو امی کی آوازیں آئیں

ابو - وہ ...... وہ ....نہیں رہے -

کون - ؟

اسلم .....

اور وہ بے ہوش ھوگئی -

اسلم کار کے حادثہ میں‌سخت زخمی ھوچکا تھا اور ھسپتال لے جاتے ہوئے اس کی روح پرواز کرچکی تھی

امبولنس گھر کے سامنے کھڑی تھی اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے‌سب کچھ دیکھے‌جارھی تھی‌اسلم کی جدائی نے زندگی کی ساری رعنائیاں چھین لی تھیں - اسکےعارض اب پہلے کی طرح نہ دمکتے لبوں پہ وہ دلفریب مسکراھٹ‌نہ ھوتی جو ھر ایک‌کا دل موہ لیتی تھی اس کے پاس اسلم کی کوئی ایسی نشانی بھی نہیں تھی جسے وہ گلے لگا کر زندگی کےپہاڑ جیسے دن کاٹ لیتی - جو کچھ تھیں تو اس کی یادین -

اس نے اب سب سے بولنا بھی کم کردیا تھا - گھنٹوں اپنے کمرے مین مقید کسی پنچھی کی طرح پھڑ پھڑایا کرتی - اسکا غم کسی طرح بھی گھٹنے میں نہ آتا تھا - پتہ نہیں اسلم کےمتعلق کیا کیا سوچتی ، کس کس طرح یاد کرکے آنسو بہاتی رہتی - آخر کو وہ اس کا شریک زندگی تھا - اس کا اٹھنا بٹھینا ، چھیڑنا ، ضد کرنا ، کبھی کبھی روٹھنا پھر من جانا اور ساری دلفریب

ادائیں بری طرح یاد آتیں ۔ اور وہ گھنٹوں سسک سسک کر روتی اور ایک دن ....

شام کے پانچ بجے تھے ۔ موسم ابرآلود تھا ۔ حالانکہ بارش ابھی تھمی تھی ۔ گیلے پتے سر سرارہے تھے ۔ پتوں پہ جمی ہوئی موٹی موٹی بوندیں ٹین شیڈ پر ٹپک ٹپک کر عجیب ساچھناکا پیدا کررہی تھی ۔

دفعتاً اسکے ابو نے اسے آواز دی

وہ اٹھ کر سیدھے ڈرائینگ روم تک آئی ۔ پردہ ہوا کے جھونکے سے ذرا سا ہلا ۔

سامنے انور بیٹھا تھا ۔

وہ چکر اسی گئی ۔ انور کیوں آیا ہوو سوچ بھی نہ سکی اور جانے کے لئے مڑی تو ابو جان نے پھر پکارا

بیٹی آؤ .... دیکھو انور میاں آئے ہیں ۔

نہیں ابو اس وقت میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے ۔ میں نہیں مل سکتی

دل میں کسی قسم کا جذبہ نہیں تھا ۔ سارے جذبے مرچکے تھے ۔ بس تھا تو اسلم کا سوگ سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحتیں مفقود ہوچکی تھیں ۔

رہنے بھی دیجئے ہاشم صاحب ... میں پھر کسی دن ملاقات کرلوں گا انور نے پہلو بدلتے ہوئے کہا اور وہ کھوئی کھوئی سی اپنے کمرے میں چلی آئی اور بستر پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔

***

ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی ... اس نے ریسیوراٹھایا اور دوسرے ہی لمحے آواز آئی انور اسپیکنگ ......۔ اس نے چاہا ریسیور کریڈل پہ دے مارے پھر نہ جانے کیا سوچ کر اس نے ایسا نہیں کیا ۔

" کیا آپ مجھسے بدھاپارک ،، میں مل سکتی ہیں ۔ ادھر سے سوال کیا گیا آخر کیوں آپ میرے زخموں کو کرید نے پرتلے ہوئے ہیں اس نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا

شبانہ ؟ کیا کہتی ہو تم .... جس دن میں نے تمہارے شوہر کے اکیسیڈنٹ کی خبر سنی یقین مانو ساری رات سو نہیں سکا ۔ جیسے چاہا اسے پاتو نہ سکا تھا ۔ لیکن یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ جیسے چاہا ۔ اس کی دنیا اس قدر جلد اجڑ جائے ۔

انور صاحب ؟ وہ بھبک کر رو پڑی

مجھے اپنے سارے غم دےدو شبو ، ادھر سے کہا گیا

نہیں انور ۔ یہ غم تو میرے لئے ہیں ۔ تم کیوں ان کے حصہ دار بنتے ہو ۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی ۔

رشتہ دل سے دل کا ہوتا ہے شبو ۔ اور ایسے موقع پر تسلی دینا ، غم بانٹنا ایک بہترین دوست ہی کا کام ہوسکتا ۔

اسکے بعد وہ ابو جان کے ہاں بار بار آتا رہا ۔ اسے حیرت تھی کہ ابو جان کو جس سے نفرت تھی ۔ جس کی خاطر انہوں نے رشتہ نہیں اور طئے کردیا تھا ۔ آج اسی کا دم بھر رہے تھے ایک دن تو انہوں نے حد ہی کردی کہنے لگے ۔

" بیٹی تمہیں معلوم ہے گھر بسانا بہت ہی نیک کام ہے ۔ اور ہمارے مذہب میں دوسری شادی کی گنجائش ہے ۔ زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جن پر انسان کا ذرا برابر بھی اختیار نہیں ہوتا ۔ اسے وہی کچھ کرنا پڑتا ہے جیسے حالات سامنے ہوتے ہیں میں سمجھی ابو جان ۔ شبانہ نے کہا ۔

انور ابھی تک غیر شادی شدہ ہے ۔ اس نے ایک بار پھر تمہارا ہاتھ مانگا ہے ۔

ابو ۔ ؟؟؟ وہ چیخ کر تڑپ کر رو پڑی ۔

کیا میری زندگی ایک کھلونا ہے ۔ ابو ، جس سے کبھی انسان کھیلیں اور کبھی قدرت اس سے مذاق کرے کیا زندگی کے سودے بار بار کئے جاتے ہیں ۔ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا ابو میں جیسی بھی ہوں ، جس حال میں بھی ہوں ٹھیک ہوں مجھے مجبور نہ کیجئے ۔

شبانہ ؟ یہ مت بھولو ، ہم نے آج تک وہی کیا ہے ، جس کی ٹھان لی ہے ۔ ہم نے انور کو زبان دےدی ہے ۔

" مجھے آپ کی زبان کی بھی پرواہ نہیں ہے ۔ اس نے کہنا چاہا لیکن الفاظ ہونٹوں تک آ کر رک گئے اور اسکے ابو جان کہہ رہے تھے ۔

" بیٹی زندگی وہ شئے نہیں کہ بے سہارا ہو کر گذاری جائے اور ہماری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور ایک جوان لڑکی کا یوں بے سہارا جینا ہم کیسے دیکھ سکیں گے ۔ نہیں نہیں ابو .... وہ پھر رو پڑی

انور سے اس کی شادی کردی گئی ۔ وہ ارمان تونہ تھے ۔ جو شادی سے پہلے تھے ۔ ان پر اوس سی پڑ گئی تھی ، حالانکہ انور وہی شخص تھا جس کی خاطر اس نے اپنا سب کچھ چھوڑ دینے تک کی ٹھان لی تھی ۔ جس سے اس نے بے اندازہ پیار کیا تھا ۔ کوٹھی میں قدم رکھتے ہی اسے انور کی امارت کا اندازہ ہوا ۔ ہر طرف سے جاہ و جلال ٹپکتا تھا اسے یہاں ہر طرح کا آرام

تھا - بیسیوں نوکر چاکر اور خدمت گذار . . . . آسائش سجاوٹ اور زر زیور - لیکن انور کے پیار میں وہ گرمی نہیں تھی - وہ خلوص نہیں تھا - جیسا اس نے سوچا تھا - وہ ہر رات دیر سے آتا اور پی کر آتا - کلب ناچ رنگ ہی اس کی محفلیں تھیں دو گھڑی اس سے بات کرنے کا بھی اسے موقع نہ ملتا تھا -

انور بھی اس کی زندگی میں کوئی پھول نہ کھلا سکا - اس نے انور کے متعلق جو کچھ بھی سنے دیکھے تھے وہ سب کے سب جھوٹے ثابت ہوئے -

اسے آج محسوس ہورہا تھا - دور سے چمکتی ہوئی ریت پر پیاسے مسافروں کو ریگستان میں کسطرح پانی کے چشمے کا گمان ہوتا ہے -

اسلم - میرے اسلم وہ اسلم کو یاد کر کے رو پڑی آج اسلم کو اس سے جدا ہوئے پورا ایک سال ہورہا تھا -

ایک سال میں دنیا کیسی بدل گئی تھی اسکے احساسات کتنے بدل گئے تھے - اسکا سراپا کسقدر بدل گیا تھا - اسے آج اندازہ ہورہا تھا - وہ سیدھے قبرستان کی سمت چلی گئی جہاں اس کا اسلم میٹھی ابدی نیند سورہا تھا - ایسی نیند جس سے اسے کوئی بھی نہیں جگا سکتا تھا - کوئی بھی نہیں شبانہ بھی نہیں

سامنے نو تعمیر شدہ قبر پر خوشبو کا دھواں اٹھ رہا تھا - اور پھول کی لڑیاں منہ اوندھائے چپ چاپ پڑی تھیں -

اسلم . . . . . اسلم مجھے بھی اپنے پاس بلالو اسلم - اس نے چہرہ ہتھیلیوں میں چھپا لیا اور رونے لگی -

یکایک وہ چونک پڑی . . . کہیں اسے کسی نے دیکھ تو نہیں لیا کہ وہ اپنے پہلے شوہر کی قبر پر آنسو بہاتی کھڑی ہے - اس خیال کے آتے ہی وہ ڈر سی گئی - اسے جھر جھری سی آگئی سچ مچ انور اسکے سامنے کھڑا تھا -

* * * * *

اسعد بدایونی

غزل

موسم کی بازگشت سے کب نہ ہوا نہ ڈر گئے
آندھی اٹھی گزر گئی، دریا چڑھے اتر گئے
تیز قدم نکل گئے دھوپ کی سرحدوں سے دور
راہ کی چھاؤں دیکھ کر سست قدم ٹھہر گئے
لہجے بھی ہیں نئے نئے چہرے بھی ہیں نئے نئے
باتیں وہ کھو گئیں کہاں لمحے وہ سب کدھر گئے
توڑنا ہیں روایتیں موڑنا ہیں حدیں
لوگ وہ خود پسند تھے ہنستے ہوئے جو مر گئے
ہمکو ہوائے وقت نے دی ہے شکست بارہا
سمٹے ہزار بار ہم لیکن بکھر بکھر گئے
شعر لکھوں تو کس طرح نظم کہوں تو کیوں بھلا
میری زبان چھن گئی ہاتھ مرے کتر گئے
گھر سے چلے تھے نرمیاں لے کے گلوں کی صبح کو
برگ خزاں تھے شام جب لوٹ کے اپنے گھر گئے

* * * *

ڈاکٹر اسد انصاری

غزل

شیخ حرم کے ساتھ ہو یا برہمن کے ساتھ
رہنا ہے جسکے ساتھ رہو حسن ظن کے ساتھ

سہرا اوسی کے سر رہے میدان عشق میں
آئے بذوق و شوق جو تیغ و کفن کے ساتھ

پھر قافلہ وہاں سر منزل پہونچ سکا
مل جائے رہنما ہی جہاں راہزن کے ساتھ

یہ دشمنی یہ حوصلے یہ سر بلندیاں
عزم جواں شریک ہے چرخ کہن کے ساتھ

اوج و زوال شمس و قمر کو نہیں نصیب
ہوتی ہیں جو لطافتیں ہر کرن کے ساتھ

مائل بہ خود شناسی ہے دیوانہ آپ کا
سوجھی ہے اوسکو دور کی دیوانہ پن کے ساتھ

جز میرے اور کوئی نہ سمجھا سکا انہیں
الجھے ہوئے ہیں تار نفس پیرہن کے ساتھ

ہے آسماں سے بڑھ کے مجھے یہ آشیاں
وابستہ ہے وقار نشیمن چمن کے ساتھ

ہم مشربوں کے ساتھ نہیں لطف مے کشی
پینے کا لطف ہے کسی توبہ شکن کے ساتھ

چھا جاتی ہے اداسی میرے بعد ہر طرف
اٹھتا ہوں میں تو اٹھتا ہوں کل انجمن کے ساتھ

گو کھا چکا ہے لاکھ فریب وفا اسد
وابستہ پھر بھی ہے اوسی پیمان شکن کے ساتھ

* * * * *

ثریا جبیں

ایک کم مایہ شئے
جس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں

پتہ نہیں اس شئے کی دریافت کب ، کس طرح اور کس نے کی تھی ، گمان غالب ہے کہ اس معمولی شئے نے زمانہ ما قبل تاریخ (Pre-Historic Period) سے انسان کو اور انسانی تمدن کو اپنے چنگل میں لے لیا ہوگا ، یہی وہ ادنی شئے ہےجس کی اہمیت سے دنیا کے کسی حصے کا (خواہ وہ متمدن ترین ہو یا انتہائی غیر متمدن) انسان انکار کے لئے زبان کھولنے ہمت نہیں کر سکتا ۔ ہماری تہذیب پر تو اس نے اس بری طرح اثر ڈالا ہے کہ ہم کسی بھی حسین و جمیل صورت کو دیکھتے ہیں تو اس کی تعریف میں بےساختہ ہماری زبان پر ملیح یا نمکین کے الفاظ آجاتے ہیں اور مغرب زدہ کی زبان (Saltish) کی گردان شروع کردیتی ہے ۔

اب تو سمجھ گئے ہوں گے آپ کہ میں کس کم مایہ شئے کی مدح سرائی کررہی ہوں ـــــ جی ہاں میں اسی سفید پوڈر یا کنکریوں کی بات کررہی ہوں جسے عرف عام میں نمک اور سائنس کی زبان میں '' سوڈیم کلورائیڈ '' کہتے ہیں اور جس سے ہر روز دنیا کے ہر انسان بلکہ ہر ذی حیات کو واسطہ اور ضرورت پڑتی ہے ۔ اور مجھ جیسی گھریلو قسم کی عورتوں کو تو دن میں تین وقت واسطہ پڑنا یقینی ہے ۔ اس حقیر شئے کو میں اور مجھ جیسی دوسری بہنیں کیوں نہ عزیز رکھینگی سالن یا کسی اور پکوان میں اس کے برابر ہونے پر ہمارے شوہر کی خوشنودی نصیب ہوتی ہے اور ذرا کم یا زیادہ ہوجانے پر خفگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔

شاید آپ اس بات سے واقف نہ ہوں کہ یہ دو عناصر کے برابر مقدار کا مجموعہ ہے جس میں سے ایک عنصر وہ نرم دھات ہے جسے کیمیاداں '' سوڈیم '' کے نام سے نوازتے ہیں اور دوسرا عنصر شاید آپ اس کی خصوصیت سن کر گھبرا جائینگے ۔ لیکن گھبرانے کی چنداں ضرورت نہیں ، کیونکہ یہ سوڈیم سے ملکر بے ضرر ہوجاتی ہے ۔ ہاں تو دوسرا عنصر وہ رنگدار زہریلی گیس ہے جسے کلورین کہتے ہیں اور یہ دونوں عناصر کرۂ ارض پر اتنی زیادہ مقدار میں پائے جاتے ہیں کہ ساری دنیا کے سمندروں کا سارا نمک اگر کسی طرح نکال کر زمین پر پھیلا دیا جائے تو اس کے اطراف چار سو (۴۰۰) فٹ موٹی تہہ جم جائیگی ۔ یہ من گھڑت بات نہیں ہے اس لئے کہ ماہرین نے، اندازہ لگایا ہے کہ سمندر کے ہر مکعب میل میں دس لاکھ ٹن نمک موجود ہے ۔ یہ بھی سنئے کہ سمندروں میں اس قدر نمک کس طرح جمع ہوجاتا ہے ۔ ہوتا یہ ہے کہ بارش کا پانی پہاڑوں اور میدانوں سے نمک (جس میں دوسرے کئی قسم کے نمک بھی شامل ہوتے ہیں) حل کر کے دریاؤں کی شکل میں سمندروں میں جا گرتا ہے او یہ عمل ہزار دو ہزار سال سے نہیں بلکہ کروڑوں سال سے جاری ہے پانی تو سطح سمندر سے تمازت آفتاب کی وجہ سے بخارات بن کر اڑتا رہتا ہے اس لئے نمک کا تناسب سمندروں میں زیادہ سے زیادہ ہوتا چلا جا رہا ہے ۔ ایک بات تو بتانا ہی بھول گئی کہ اگر دنیا کے تمام پہاڑ کسی طرح صفحہ ہستی سے نابود بھی ہوجائیں تو سمندروں میں اتنا نمک موجود ہے وہ زمین کے ساتھ نمک حرامی نہیں کرتے ہوئے یہ تمام پہاڑ اپنے شکم سے نکال کر نمک کے پہاڑ کھڑا کردینگے —

اس قدرتی ذخیرہ کے علاوہ نمک کے دوسرے بڑے ذخائر دنیا کے مختلف ممالک ہیں ۔ قدرت نے پانی کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر اس کی وافر مقدار کرۂ ارض پر پیدا کی ہے ۔ اسی طرح نمک کی اہمیت اور ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی اتنی زیادہ مقدار سے کرۂ ارض کو نوازا ہے کہ اس کے کبھی ختم ہونے کا انسان تصور بھی نہیں کرسکتا ہے ۔ اس کے لاتعداد ذخائر قدرت نے ان ممالک میں تقسیم کردئے ہیں ، جیسے ہمارا پڑوسی ملک پاکستان ، جرمنی ، انگلینڈ ، پولینڈ اورامریکہ وغیرہ اس کی افراط کا اندازہ آپ اس سے لگا لیجیئے کہ پولینڈ اور جرمنی میں نمک کی کانیں چار ہزار فٹ کی گہرائی تک کھودی جا چکی ہیں لیکن ابھی تک نمک کی مقدار میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہے ۔ شاید آپ یقین نہ کریں کہ پولینڈ کے ایک شہر

" وائی لزکا "، (Wlelezka) میں پینسٹھ (۶۵) میل کے علاقے میں ایک ہزار فٹ کی گہرائی تک صرف نمک ہی نمک نظر آتا ہے اور دیکھنے والوں کی نظر سے جسم تک ہر عضو کو نمکین کردیتا ہے ۔ یہاں سرنگوں کی شکل کے راستے بنائے گئے ہیں جن میں ریلیں، موٹرگاڑیاں اور دوسری سواریوں کی ہر وقت آمد و رفت رہتی ہے اس نمکین شہر کی ہر چیز سے ملاحت ٹپکتی ہے ۔ یعنی ہر چیز نمک سے تیار کی گئی ہے جیسے بازار، سڑکیں، گرجے، سینماہال، تھیٹر، مکانات غرض ہر وہ جگہ جہاں انسان سر چھپاتا ہے نمک سے بنائی گئی ہے ۔

اسپین میں ایک نمک کا پہاڑ کیٹالونیا (Catalonia) میں کارڈووا (Cardova) کے نزدیک واقع ہے ، آج سے ۶۵ پینسٹھ سال قبل جبکہ اس کی اونچائی کا اندازہ ایک ہزار فٹ لگایا گیا تھا تو اس کا وزن (اندازاً) پچاس کروڑ ٹن تھا ۔ جب سے آج تک نمک نکالا جارہا ہے ۔ اس پہاڑ کا رقبہ تین میل بتایا جاتا ہے آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ اس نمک کے پہاڑ نے بہت سے کاریگروں کو جنم دیا ہے ۔ اس طرح کے پہاڑ کے آس پاس رہنے والے لوگ اس نمک سے کھلونے ، شمع دان ، گل دستے اور دوسری آرائشی چیزیں بناتے ہیں ۔

جزیرہ سانٹو ڈومینگو (SANTO DOMINGO) میں " باراھونا "،(BARAHONA) کے قریب دنیا کا سب سے وسیع و عریض نمک کا بلاک سنہ ۱۹۰۲ء میں کاٹا گیا تھا ۔ اس بلاک کی لمبائی دس (۱۰) میل چوڑائی ایک میل اور موٹائی ساڑھے تین سو فٹ تھی ۔ اس میں آج بھی کافی نمک موجود ہے اور اپنے اطراف کے ماحول کو نمکین بنا رہا ہے ۔

امریکہ میں ایک سڑک " امینھا "، کے قصبہ اور ہوائی اڈہ کے درمیان خالص نمک سے بنائی گئی تھی جس کے متعلق انجینیروں اور ماہرین کا خیال ہے کہ یہ سڑک بہ نسبت دوسری سڑکوں کے زیادہ پائیدار رہتی ہے اور یہ کبھی گندی نہیں ہوتی اور یہ اتنی چکنی ہوتی ہے کہ چلنے والوں کے پیر پھسل جاتے ہیں اور اس پر خرچ عام سڑکوں کے مقابلے میں ایک تہائی آتا ہے ۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ساری دنیا کے وہ ممالک جہاں نمک کی پیداوار ہے سالانہ دو کروڑ ٹن نمک پیدا کرتے ہیں ۔ صرف امریکہ والے اپنی غذاؤں کو محفوظ رکھنے ، کھانے اور آئس کریم جمانے کے لئے چالیس (۴۰) پچاس (۵۰) لاکھ ٹن نمک خرچ کرڈالتے ہیں اور برطانیہ میں ہر شخص ایک تخمینہ کے مطابق سالانہ چودہ (۱۴) پونڈ نمک کھاجاتا ہے ۔ وہاں کی نمک کی کانیں اور سمندر سالانہ دس لاکھ ٹن نمک پیدا کرتی ہیں ۔

کھانے کے نمک کے علاوہ سوڈیم کے کئی اور مرکبات بھی ہیں جن کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ان کو بھڑکنے کی حد تک اگر گرم کریں تو اس سے شعلہ پیدا ہوتا ہے جس کی روشنی زرد رنگ کی ہوتی ہے اگر اس شعلے کو (SPECTROSCOPE) سپیکٹروسکوپ سے دیکھا جائے تو اس میں گہرے زرد رنگ کی شعاعیں نظر آئینگی ۔

تحقیق و تجزیہ کے بعد ماہرین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر ذی حیات کے لئے نمک کی ایک خاص مقدار نہایت ضروری ہے جس طرح اس کی کمی کئی امراض کو جنم دے سکتی ہے اسی طرح اس کی زیادتی بھی حیات انسانی کیلئے مضر ہو سکتی ہے آپ تو جانتے ہیں کہ کھانوں وغیرہ کو محفوظ رکھنے کے لئے انہیں نمک لگا دیا جاتا ہے ۔ اس لئے کہ وہ گلانے والے جراثیم سے محفوظ رہیں ۔ کھانے کی کئی چیزوں کو سڑنے گلنے سے بچانے کیلئے نمک ضرور استعمال کیا جاتا ہے ۔ انڈوں کو کئی دن تک گندے ہونے سے بچانے کے لئے انہیں دھوئے بغیر نمک میں دبا دیا جائے تو خراب نہ ہونگے ۔ نمک صرف ان ہی کاموں میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس سے دوسری کئی مفید چیزیں تیار کی جاتی ہیں ۔ اس کو پانی میں حل کر کے اس کی برق پاشیدگی (Electrolysis) سے کاسٹک سوڈا ، کلورین اور ہائیڈروجن حاصل کی جاتی ہیں پگھلے ہوئے نمک کو برق پاشیدگی سے یہ اپنے اجزاء میں تقسیم ہو جاتا ہے اس طرح سوڈیم اور کلورین حاصل ہوتے ہیں اس حاصل شدہ کلورین سے پانی کو جراثیم سے پاک کیا جاتا ہے اور بلیچنگ پوڈر (Bleaching Powder) بھی تیار کیا جاتا ہے ۔ نمک کا تیزاب بنانے کے لئے بھی آپ کا یہی حقیر نمک کام میں لایا جاتا ہے ، کپڑے دھونے کا سوڈا جسے سائنسی زبان میں سوڈیم کاربونیٹ(Sodium Carbonate) سالوے کے طریقے سے اسی نمک سے بنایا جاتا ہے لیکن یاد رکھیئے کہ اس کا زیادہ اور بیجا استعمال خطرناک نتائج پیدا کر سکتا ہے ۔ محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کے اسی حقیر نمک میں بلڈ پریشر کے درمیان بڑا گہرا تعلق ہے یعنی اس طرح کہ اس کا زیادہ استعمال دلی یا دماغی دورے کا باعث بھی ہو سکتا ہے یا پھر گردے کی بیاریوں میں مبتلا کر سکتا ہے —— میرا مقصد آپ کو یہ بتا کر خوفزدہ کرنا یا دھلا دینا نہیں ہے بلکہ میں وہ حقائق گوش گذار کر رہی ہوں جنہیں بڑے تجربوں کے بعد محققین نے ثابت کیا ہے ۔ شاید یہ باتیں آپ کی سمجھ میں اس طرح نہ آئے ۔ میں ذرا تفصیل سے سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں ، شاید کامیابی ہو — جب آپ ایک دن میں ایک چٹکی بھر یعنی ایک گرام سے زیادہ نمک کھاتے ہیں تو آپ کے نظام جسم میں یہ دو صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں ۔ اس زائد نمک کو جو آپ کے معدہ میں داخل ہوا ہے کو گھلانے کے لئے آپ کو زیادہ پانی پینا پڑے گا ۔ اس کے بعد آپ کے گردوں کو زیادہ خون صاف کرنا پڑیگا تا کہ اضافی پانی جسم کے اندر زیادہ مقدار میں پہنچایا

گیا ہے وہ نمک کو باہر نکل سکے - یہ چیز ھائی بلیڈ پریشر (High Blood Pressure) پھوڑے پھنسیوں ، ذیابطیس ، گٹھیا، شریانوں کا جکڑ جانا ، سانس لینے میں دشواری یا جلد کی بیماریوں کی موجب بھی ھوسکتی ہے- لیکن اس کے معنی یہ بھی نہیں ھیں کہ نمک کا زیادہ استعمال ھر انسان کے لئے نقصان دہ ثابت ھوسکتا ہے- ایسے اشخاص کو زیادہ نقصان پہنچا سکتا ہے جو " ہلے اور گلے " کی تھیوری کو سامنے رکھ کر اپنے جسم کو بچائے رکھتے ھیں اور " جان ہے تو جہان ہے پیارے " کے اصول پر سختی سے کاربند ھوتے ھیں ، اس کے برخلاف جسمانی حرکت نمک کو جزو بدن بنانے میں انتہائی معاون ثابت ھوتی ہے -

زیادہ نمک کھانے کی عادت کا سدباب کرکے اکثر مالک کے ڈاکٹروں نے لوگوں کا (ھائی بلڈپریشر ، گردے کی بیماریوں ، چکر ، پھوڑے پھنسیوں ، گٹھیا ، دمہ ، الرجی اور بےخوابی) کا اطمینان بخش علاج کیا ہے -

اگر آپ زیادہ نمک استعمال کرتے ھیں تو یوں سمجھیئے کہ آپ اپنے جسم کے ان اعضاء پر جو غذا کو جزو بدن بنانے میں حصہ لیتے ھیں زیادہ بوجھ ڈال رہے ھیں ، یعنی انہیں مصیبت میں مبتلا کر رہے ھیں اور جب آپ نمک کا زیادہ استعمال ترک کردیتے ھیں تو ان مصیبت زدہ اعضاء کو راحت و سکون پہنچاتے ھیں -

نمک سے متعلق یہ تو دل دہلادینے والی باتیں تھیں - آخر میں کچھ دلچسپ باتیں بھی سنئے - اسی حقیر فقیر نمک پر ایک زمانہ بھی گزرا ہے کہ اس کے حصول کیلئے لوگ اپنی بیویوں کو تک دیدیتے تھے - نمک حاصل کرنے کا یہ طریقہ عرصہ دراز تک رائج تھا - گھبرائیے نہیں یہ اپنے ملک یا اپنے شہر کی بات نہیں یہ نازیبا حرکت افریقہ والوں سے سرزد ھوتی تھی-

ھیلوئن (Hallowin'en) کے (Sle of man) میں وھاں کے لوگ نمک سے استخارہ بھی نکالتے تھے - اس طرح کہ گھر کی مالکہ ھر فرد خاندان کے نام سے ایک انگشتانہ میں نمک بھر کر اور اسے الٹ کر چھوٹے چھوٹے خانے بنا دیتی- ان خانوں کو رات بھر اسی طرح چھوڑ دیا جاتا - دوسری صبح کو جو خانہ گر پڑتا سمجھ لیا جاتا تھا کہ اس خانہ والا یا تو ایک سال میں مرجائیگا یا تمام سال طرح طرح کی بیماریوں میں یا مصیبتوں میں مبتلا رہے گا -

ایک زمانے میں روم کے سپاھیوں کو ان کی تنخواہ کے ساتھ نمک بھی دیا جاتا تھا جو انکی تنخواہ کا ایک حصہ تصور کیا جاتا تھا - وہ لوگ اسے (Salarium) یا سالٹ منی Salt Money کہتے تھے اور آپ کی زبان پر ھر ماہ کی پہلی کو (Salary) (یعنی تنخواہ) کا لفظ مچلتا رھتا ہے اسی (Salerium) یا (Salt Money) سے بنا ہے -

* * * * *

(ڈسپلین سے قوم طاقتور بنتی ہے)

(مزاحیہ)

ایم ۔ اے ۔ زاہد مالیگانوی

مہربان کیسے کیسے

ابھی ہم بی کام کے امتحان سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ بڑے بھیا نے ناصحانہ انداز میں فرمایا ۔'' اب اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرو ، کیونکہ تم بفضل خدا جوان ہوگئے ہو ۔،، لو صاحب ! امتحان ہم نے بی کام کا پاس کیا ۔ اور سند مل رہی جوانی کی ۔ گویا بی کام کی سند نہ ہوئی جوانی کا سرٹیفکیٹ ہو گیا ۔

خیر صاحب ! بڑی سنجیدگی اور متانت سے تمام کاروباری نشیب و فراز کے علاوہ ذمہ داری ہماری گرہ میں باندھ دی گئی ۔ بڑے بھیا ہمیں اس طرح نصیحت فرمانے لگے کہ کیا والدین بھی اپنی بیٹی کی رخصتی کے وقت نصیحت کرتے ہوں گے ۔ ہم نے بھی حامی بھرلی کہ انشاء اللہ کاروبار وہ کر دکھائیں گے کہ آپ کیا دوسرے لوگ بھی ہماری تعریف کرنے میں اپنی شان سمجھیں گے ۔

ساتھ ہی ساتھ اپنی گلو خلاصی کے لئے ملازمت کی درخواست بھی دے دی ۔ تا کہ بوقت ضرورت راہ فرار کھلی رہے ۔'' قدیم کرانہ مرچنٹ ،، نام کا ایک خوبصورت بڑا سا بورڈ دوکان پر آویزاں کردیا گیا ـــــ نیا نیا کاروبار تھا ۔ بھیا کی ہدایت کے بموجب نہایت خاکساری و انکساری سے گاھکوں کے ساتھ پیش آتے رہے ۔ یہاں تک کہ گاھک یہ سمجھنے پر مجبور ہوگئے کہ اگر وہ ہم سے سودا سلف نہیں لیں گے تو ہم پھٹ پڑنے کے انداز میں رو پڑیں گے ۔ کچھ پتھر دل خواہ مخواہ ہماری شرافت کو چیلینج بھی کرنے لگے ۔ ہر روز صبح پابندی سے دوکان جاتے اور دن بھر مصروف رہتے ، عجیب الخلقت گاھکوں سے سابقہ پڑنے لگا ۔ جنہیں سنبھالنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں تھا ۔

ایک صاحب جو خیر سے خود کو شاعر کہتے ہیں ۔ یہی نہیں دوستوں سے بھی اپنے آپ کو شاعر اعظم کہلواتے ہیں ۔ اسی پر بس نہیں بلکہ جو بھی ان کے نرغے میں آ جائے چائے پان سے خاطر تواضع کر کے اپنے آپ کو شاعر اعظم کہلوا کر خوش ہوتے ہیں ۔

حقیقت صرف اتنی ہے کہ ایک قلاش شاعر ہتھے چڑھ گیا اس سے باقاعدہ معاہدہ کرلیا ۔ بے چارہ قلاش شاعر تو فکر معاش سے آزاد ہو گیا ۔ شاعر اعظم ہماری دکان سے اکثر و بیشتر سودا سلف خریدنے کے لئے تشریف لاتے ہی رہتے ہیں اور اسی تعلق سے ہمیں بھی اپنے حاشیہ برداروں میں شمار کرنے لگے ہیں ۔ جب بھی کوئی تازہ غزل ہاتھ آجاتی ہے بڑی شان سے ملازم کے ہمراہ دوکان پر آ دھمکتے ہیں پہلے تو طویل فہرست تیار کرواتے، پھر تخفیف شروع ہو کر دو چار اشیاء پر آرڈر ختم ہو جاتا ہے۔ نوکر کو اسباب لیکر روانہ کرنے کے بعد ادھر ادھر طائرانہ نظر ڈال کر بل ادا کرتے وقت بازو کی جگہ پر ٹک جاتے ہیں ہم بھی اخلاقاً ان کی مزاج پرسی کرلیتے ہیں ، مزاج پرسی کیا ہوئی ہے گویا بارود کے فیتہ کو آگ دکھانا ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ ان سے کچھ اس طرح بات چیت شروع ہوئی شاعر اعظم :ـ'' کیا بتائیں صاحب آج رات جاگتے ہی جاگتے گذری ،،

ہم :ـ'' خیر تو ہے ۔ کیا افتاد آ پڑی تھی ؟ ،،

شاعر اعظم :ـ'' ارے صاحب مصیبت وغیرہ کچھ نہیں بس ایک مصرع ہوگیا تھا۔ مگر دوسرا مصرع ہزار کوشش کے باوجود طبیعت کے موافق نہیں ہو رہا تھا ۔ کافی پریشانی کے بعد ایسا برجستہ مصرع ہو گیا کہ تمام کوفت دور ہو گئی ۔ اور پھر شعروں کی آمد نے اتنا بے خبر کردیا کہ صبح موذن نے ہی چونکایا ۔ غزل ابھی کسی کو سنائی نہیں ہے ملاحظہ کیجئے کس معیار کی غزل ہے۔ اس کی داد آپ سے کیا لیتے میاں! اگر غالب زندہ ہوتے تو یقیناً ہمارے قلم کا لوہا مان لیتے ۔ ،،

ہم نے دل ہی دل میں کہا ، آپکا قلم جاہے جس کا ہو مگر شعر لوہے سے کیا کم ہونگے ۔ وہ ضربیں لگائیں گے ۔ دماغ پر کہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے ۔ اتنے میں ملازم چائے لے کر آگیا ۔ ہم نے نہایت ہی صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں چائے پیش کی ۔ ساتھ ہی ساتھ ان کا تخلص بھی دریافت کر لیا ۔ وہ کہنے لگے ۔

'' واہ صاحب یہ بھی خوب رہی ، آپ کو ابھی تک ہمارا تخلص بھی نہیں معلوم ، ہمارے نام کی شہرت سرحد پار کر چکی ہے خاکسار کو تفنگ کہتے ہیں ،، ہم نے حیرت کے ساتھ

عرض کیا " تفنگ ـــــ یعنی کہ تفنگ "۔

تفنگ صاحب ہماری حیرت کا نہ جانے کیا مطلب سمجھ کر فرمانے لگے ۔

" شعراء حضرات نے کون سی چیز کا نام چھوڑا ہے ، پرندوں تک کے نام کو اپنا لیا ہے ۔ مثلاً بلبل ، عندلیب ، کوئل ، بوم پروانہ ، شاہین وغیرہ درندوں میں ضیغم ، غضنفر ، پھولوں میں گل ، غنچہ ، نرگس ، شہلا ، نیلوفر وغیرہ اوزاروں میں سیف ، شمشیر ، خنجر ، نشتر وغیرہ وغیرہ کہاں تک گنائیں ۔ بڑے غور کے بعد ہی سمجھ میں آیا کہ تفنگ تخلص ہمارے لئے نہایت ہی موزوں ہے۔"

ہم نے کہا کہ آپ کی قوت پرواز کی مناسبت سے پتنگ بھی تو بڑا موزوں تھا ۔ کیا ہوا ، اگر اس کی ڈور دوسرے کے ہاتھ میں ہوتی تو ہوا کرے ، مگر وہ ہوا میں تو پرواز کرتی ہے ۔ تفنگ صاحب نے کہا کہ پتنگ بیچ میں کٹ جاتی ہے ، ہم نے کہا ہاں صاحب تفنگ بھی خوب ہے ۔ اور یہ آپ کا منفرد تخلص ہے ۔ ورنہ غالب جیسا شاعر بھی نہیں بچا ۔

محققین نے ثابت کردیا کہ غالب تخلص دوسرے شعراء حضرات نے بھی انتخاب کیا ہے ۔ مگر چچا غالب ہی سب پر غالب ہوئے ۔ سبحان اللہ آپ نے کیا تخلص انتخاب فرمایا ہے ۔ طبیعت پھڑک اٹھی ہمارا اتنا کہنا تھا کہ تفنگ صاحب اٹھ کر رکوع کی حالت میں آداب کرنے لگے ۔ ہماری حیرت ابھی دور بھی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت نے فوراً نشست سنبھال کر مطلع داغ دیا ـــ

حسن اور حسرت دیدار کی ایسی تیسی
وہ نہیں ملتے تو اس پیار کی ایسی تیسی

مطلع عرض کرنے کے بعد ہماری طرف اس طرح دیکھنے لگے ۔ جیسے پہلوان اپنے حریف کو پچھاڑ کر مجمع کی طرف نظر اٹھاتا ہے ۔ ہم نے نہایت سعادت مندی سے گردن ہلا کر داد دی ، وہ سمجھے کہ شاید ہم ان کے تحت اللفظ پڑھنے سے متاثر نہیں ہوئے ۔ انہوں نے فوراً پینترا بدل کر باٹ دار آواز میں ترنم سے شعر پڑھنا شروع کردیا ہم اس انقلاب پر خوف زدہ ہو کر اپنی جگہ سہم کر سکڑ گئے ۔ اور ان کی صورت تکنے لگے ۔ خدا بھلا کرے دوکان کے ملازمین کا جنہوں نے ہماری آبرو رکھ لی ۔ بر وقت تمام ملازمین نے ہاتھ نچا نچا کر انہیں داد دینا شروع کردی ۔ تفنگ صاحب نے جو دوسری طرف قدردان سامعین کی تعداد دیکھی فوراً اپنا منہ اس طرف کرکے نہایت بلند آواز سے لہک لہک کر اشعار برسانے لگے ۔

ہم اپنے کئے ہوئے پر لعنت بھیجنے لگے ، نہ جانے یہ سلسلہ کب تک چلتا ۔ خدا بھلا کرے راہ گیروں کا جو یہ تماشہ دیکھکر ہماری دوکان کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے ، اور ہنس ہنس کر تالیاں بجاتے ہوئے ہوٹینگ شروع کردی ۔ تب کہیں جا کر یہ حضرت بہ عجلت تمام سلام کرکے پچھلے دروازے سے نو دو گیارہ ہوئے ۔

شہر میں جب بھی کسی مشاعرے کی اطلاع ملتی ، بس کچھ نہ پوچھیے ۔ اس روز تو ہم پر سکرات کا عالم طاری ہوتا ہے وقت بےوقت تفنگ صاحب (شاعر اعظم) شعر سنا سنا کر ادھ موا کر دیتے ہیں ۔

حکیم ارمان خان صاحب : آپ ہیں ہمارے خاص الخاص گاہک ، جو کہ ہزاروں کرم فرماؤں میں اپنی ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں ۔ حکیم صاحب ہیں تو دہقان ہاں قسم کے آدمی اور صورت سے بالکل فرشتہ نظر آتے ہیں ۔ دوکان پر تشریف لاتے ہی ایک دو سلام جھاڑ کر مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھاتے ہیں ۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اپنے خوفناک پنجے سے میرا گلا دبانا چاہتے ہیں ۔ اب تو معمول سا بن گیا ہے ۔ وہ جب بھی تشریف لاتے ہیں ۔ ہم پہل کرکے مصافحہ اور معانقہ کرتے ہیں ان کی فطرت میں انانیت ہی انانیت ہے ۔ خلاف طبیعت بات برداشت نہیں کرتے اور نہ ہی کسی کو قطع کلام کی جراءت ہوتی ہے ۔ اگر کوئی نادانستہ غلطی ہو جائے تو لڑاکا عورت کی طرح سر پر سوار ہوجاتے ہیں ۔ گردن جھکائے نہایت ہی سعادت مندی سے کڑوی کسیلی باتیں برداشت کرتے جائیے ۔ دوکان پر اکثر آ جایا کرتے ہیں ۔ اگر کسی وجہ سے ہمارا چہرہ اترا ہوا ہو تو فوراً کسی عارضہ میں لاحق ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیتے ہیں ۔

قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ایک مرتبہ جیسے ہی حکیم صاحب نے قدم رنجہ فرمایا ۔ ہمیں مسلسل دو چار چھینکیں آ گئیں بس صاحب بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا ، آتے ہی ہماری کلائی پکڑ لی ۔ لگے نبض ٹٹولنے ، ادھر مارے دہشت کے ہماری نبضیں چھوٹنے لگیں ۔ بڑے غور و فکر کے بعد فرمانے لگے ۔

" فوراً اپنا علاج کروالیجئے ۔ آثار اچھے دکھائی نہیں دیتے آپ کے اعصاب میں کچھ کھچاؤ پیدا ہو گیا ہے یہ بری علامت ہے آپ کو سرسام بھی ہو سکتا ہے ۔ آپ لیخولیا کی حد تک پہنچ گئے ہیں ، ہم نے دل ہی دل میں کہا ــ ماشاء اللہ ہم بعافیت ہیں ، آپ کی خیریت خداوند کریم سے شب و روز نیک چاہتے ہیں ۔

معلوم نہیں دوا کے نام پر کیا کیا الا بلا عنایت فرمائی ۔ ہم نے بڑے احترام سے حکیم صاحب کے ہاتھ سے دوائیں لے کر قریب والی الماری میں رکھ دیں ۔ حکیم صاحب ایسے خوش ہو گئے جیسے ہمیں موت کے منہ سے کھینچ لائے ہیں ۔ حکیم صاحب کے بارے میں اکثر و بیشتر ایسا ہوا ہے کہ وہ اپنے گھر

کیلئے مرچ ، گرم مصالحہ ، تیل ، نمک اور مطب کے لئے جائفل ، لونگ ، زعفران وغیرہ خرید کر لے جاتے ہیں ۔ لیکن خدا جھوٹ نہ بلوائے ، نقد ادائیگی کا کبھی نام تک نہیں لیتے۔ بلکہ اس کے عوض مطب کی تیار کردہ گول اور چپٹی گولیاں ،لال پیلی دوائیں ، معجون وغیرہ ہمارے سر منڈھنے کی کوشش سے ذرا بھی نہیں چونکتے ۔ اور پھر ان دواؤں کی قیمت ماشاءاللہ خود کو شاہی حکیم سمجھ کر وصول کر لے جاتے ہیں ۔

مولوی قیام الدین صاحب :— مولوی صاحب کو جنون کی حد تک ارمان ہے کہ لوگ انہیں مولوی صاحب کہیں اور مولوی سمجھیں۔ جہاں تک کہنے سننے کا تعلق ہے شہر کا چھوٹا بڑا ہر کوئی انہیں مولوی قیام الدین کے نام سے یاد کرتا ہے۔ وہ جب بھی دوکان پر تشریف لاتے ہیں ۔ بس خدا ہی یاد آ جاتا ہے۔ دو ایک چیزیں خریدتے ہیں ۔ پھر خریدی ہوئی اشیاء کی شان میں چند کلمات ارشاد فرماتے ہیں ۔ کہ آج کل کا زمانہ بڑا خراب ہے۔ ہر چیز میں ملاوٹ ، ہر چیز میں ملاوٹ —— اگر یہ بنئے جنت میں پہنچ جائیں حالانکہ امکان کم ہے۔ تو وہاں بھی یہ لوگ گھوڑے گدھے کو ٹکس کردیں الحفیظ و الاماں ——

خیر صاحب ، آجکل مسجد میں نظر نہیں آ رہے ہو کیا بات ہے؟ ہم نے کہدیا کہ جی کچھ نہیں ذرا پڑھائی کی مصروفیت تھی ۔

'' ارے میاں بس کرو بس بہانے بازی چھوڑئیے ۔ نہ جانے ہمارے بچوں کو کیا ہو گیا ہے ۔ اتنا کہکر مولوی صاحب نے علامہ اقبال کا ایک مصرع بآواز بلند ترنم کے ساتھ سنایا —

بے عمل تھے ہی جو اب دین سے بد ظن بھی ہوئے

یہ تمام کالجوں اور مغربی تعلیم کا اثر ہے ۔ یوسف خاں کے لڑکے کو دیکھو عربی مدرسہ میں تعلیم پائی ہے۔ کس قدر نیک اور صوم صلواۃ کا پابند ہے ۔ مولوی صاحب خصوصا میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمانے لگے ۔

'' آپ جیسے تعلیم یافتہ حضرات اب تو دینی باتیں سننا اور مذہبی مجالس میں شریک ہونا اپنے لئے باعث رسوائی سمجھنے لگے ہیں اور کیا کیا گنواؤں ، کیا کہتے ہیں مسلمانوں میں شراب عام ہے ۔ سٹے اور جوئے بازی میں ہزاروں روپیے برباد کئے جا رہے ہیں ۔ اسلامی کلچر کو فنا کے گھاٹ اتارا جارہا ہے ۔ مسلم لڑکیاں گلی کوچوں، بازاروں میں مردوں کے شانہ بہ شانہ تفریح کرنے لگی ہیں ۔ یہودیوں اور نصرانیوں کی نقالی کی جانے لگی ہے۔ کیا بڑے کیا چھوٹے مسجد سے ایسے بھاگنے لگے ہیں جیسے شیطان —— اب تو مسلمانوں کا بس اللہ ہی نگہبان ہے،،۔

اتنا کہنے کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں ۔ ہم بھی مولوی صاحب کے ساتھ دعا میں شریک ہو جاتے ہیں ۔ ہمیں دیکھ کر ہمارے دوسرے ملازم بھی گاہکوں کو کچھ دیر سمجھا کر مولوی صاحب کی دعا پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے آمین کہنے لگتے ہیں ۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اکثر اوقات ایسا ہوا ہے کہ گاہک بھی دعا میں شریک ہوجاتے ہیں ۔ اور پھر ہم اطمینان کا سانس لیتے ہیں ۔ کیوں کہ دعا مولوی صاحب کی رخصتی کا اعلان ہوتی ہے ۔

ہم تو ہر روز کی جھنجھٹ سے تنگ آ گئے تھے ۔ اور فرار کے مسئلے پر نہایت ہی سنجیدگی سے غور کر رہے تھے ۔ کہ رحمت حق جوش میں آ گئی ۔ اور ایک دن ہمیں اچھی پوسٹ کا (CALL) آ گیا بڑی خوشی خوشی رات کی تاریکی میں رخت سفر چپکے چپکے باندھ رہے تھے۔ اور دل ہی دل میں مالک حقیقی سے دعا بھی کر رہے تھے کہ اے خدا ، ان گاہکوں سے بھیا کو بچائے رکھنا (آمین)

* * * *

یونس مخمور

ہم دیش کے جانباز یہ پیغام سنائیں

ہم دیش کے جانباز یہ پیغام سنائیں
شہری ہوں کہ دیہاتی قدم آگے بڑھائیں

ہم ایک ہیں یہ بات ہر اک دل میں بٹھائیں
نفرت کی جو دیوار ہے ہم اس کو گرائیں
گھر گھر میں محبت کے دیئے آج جلائیں
تصویر وطن پیار کے رنگوں سے سجائیں

ہم دیش کے جانباز یہ پیغام سنائیں
شہری ہوں کہ دیہاتی قدم آگے بڑھائیں

بے گھر ہے اگر کوئی تو گھر اس کا بنائیں
بے کار ہے جو شخص اسے کام دلائیں
مجبور ہر انسان کو سینے سے لگائیں
جو کام ضروری ہیں انہیں کر کے دکھائیں

ہم دیش کے جانباز یہ پیغام سنائیں
شہری ہوں کہ دیہاتی قدم آگے بڑھائیں

بے کار زمینوں کو بھی اب کام میں لائیں
محنت کریں کھیتوں میں نئی فصل اگائیں
ہر دیش میں ہم اپنی تجارت کو بڑھائیں
غربت کے نشاں آج زمانے سے مٹائیں

ہم دیش کے جانباز یہ پیغام سنائیں
شہری ہوں کہ دیہاتی قدم آگے بڑھائیں

اس دن بصد عزم قسم آج یہ کھائیں
جس سمت اندھیرا ہے وہاں شمعیں جلائیں
وعدہ جو کیا ہے اسے مخمور نبھائیں
اس دیش کو ہم صورت گلزار بنائیں

* * * * *

موضع نلا کنڈا پلی ضلع کھمم کے سروے نمبر ۹۹ ۵ میں گاؤں والوں کو بتاریخ ۲۱ - جون سنہ ۱۹۔۔ کو بدھ کی ۹ مورتیاں دستیاب ہوئیں - مورتیاں دستیاب ہونے والی جگہ کا نام بڑلا گڈا ہے جو موضع میں پیرا کولا گٹہ کے قریب واقع ہے - یہ جگہ وینکٹیشورا سوامی مندر کے بہت ہی نزدیک ہے - مورتیاں شفاف پتھروں پر تراشی ہوئی ہیں - اور لمبائی میں ۲ - ۲ تا ۰ ۵ انچ کی ہیں .

یاد ہوگا کہ حال ہی میں محکمہ آثار قدیمہ نے اس مقام سے قریب واقع ویرا پراجو لنکا نامی ایک چھوٹی سی پہاڑی پر کھدائیوں کا آغاز کیا تھا - جہاں پر بدھ کی معبدات کا پتہ چلا ہے - ان مورتیوں کی دریافت سے عام طور پر یہ یقین کیا جانے لگا ہے کہ اس خطہ ارض میں بدھ مت کے پھیلاؤ سے متعلق معلومات کی بہم رسانی میں ضلع کھمم بہت زیادہ ممد و معاون ثابت ہوگا -

وی - سیرامیا

رحمن مین پوری

نوجوانان وطن سے خطاب

خزاں کی دھوپ میں ابر بہار بن جاؤ
غموں میں پیکر صبر و قرار بن جاؤ

گلوں کی طرح ملو سب سے مسکرا کے مگر
جو کوئی آنکھ دکھائے تو خار بن جاؤ

مٹا سکیں نہ جسے حادثے زمانے کے
تم اپنے عہد کی وہ یادگار بن جاؤ

صدائیں آتی ہیں شہر یقیں سے رہ رہ کر
کہ اہل عزم بنو، تاج دار بن جاؤ

خوشا نصیب کہ تم سے عمل کی شہزادی
یہ کہہ رہی ہے مرے جاں نثار بن جاؤ

کسی کے رحم و کرم پر جیو گے تم کب تک
حق اپنا چھین کے با اختیار بن جاؤ

تم عہد ساز ہو، آواز عصر حاضر ہو
وقار قوم کے آئینہ دار بن جاؤ

یہ احترام روایات بھی بجا ہے مگر
تم اپنے عہد جنوں کی پکار بن جاؤ

فضائے ادب کی یہ کہتی ہے مجھ سے اے رحمن
قلم اٹھاؤ! حقیقت نگار بن جاؤ

* * * * *

رئیس اختر

غزل

تجھ سے ترے کوچہ سے اگر دور ہوئے ہیں
دیوانے ترے اور بھی مشہور ہوئے ہیں

تم اپنی جفاؤں کی اسے جیت نہ سمجھو
ہم عشق کے آداب سے مجبور ہوئے ہیں

چاہو تو ہمیں آج بھی سولی پہ چڑھا دو
کچھ لوگ تو ہر دور میں منصور ہوئے ہیں

بہتے ہوئے اشکوں کو حقارت سے نہ دیکھو
جس دم بھی یہ پلکوں پہ رکے طور ہوئے ہیں

رکھتے ہیں ترا پاس یہ اپنی چاک گریباں
دیوانے بھی اب واقف دستور ہوئے ہیں

ہر جشن مسرت پہ نکل آئے ہیں آنسو
ہر غم سے گلے مل کے بھی مسرور ہوئے ہیں

لو شمع محبت کی رئیس اور بڑھا دو
ایوان وفا سنتے ہیں بے نور ہوئے ہیں

حفیظ فضا

غزل

شکست دل کی حکایت وفا کے افسانے
تمہیں سنانے چلے ہیں تمہارے دیوانے
بہار ہوگئی محدود صحن گلشن تک
اسے خبر نہیں اجڑے ہیں کتنے ویرانے
جہاں جہاں پہ بھی احساس تشنگی جاگا
وہیں وہیں پہ بنائے گئے ہیں میخانے
خود اپنی آگ میں روتی ہوئی جلی ہے شمع
پرائی آگ میں ہنس کر جلے ہیں پروانے
ترے خلوص کا شکوہ نہ بے رخی کا گلہ
مجھے تو کردیا رسوا میری تمنا نے
شب فراق میں دل کی نزاکتوں پہ فضا
گزر گئی جو قیامت وہ کوئی کیا جانے

* * * *

صلاح الدین نیر

تنقید و تبصرہ

(۱) گاندھی بابا کی کہانی

مصنف ۔ قدسیہ بیگم زیدی
صفحات ۴۸ قیمت ۴ روپیے
ناشر ۔ مکتبہ جامعہ دھلی

زیر نظر کتاب ایک ایسے انسان کی داستان حیات ھے جس نے اپنی زندگی کے صبح و شام پیار۔ آشتی ۔ اھنسا ۔ حب الوطنی اور ملک کی آزادی کے لئے وقف کردی تھی ۔ اس شخص نے زندگی کی آخری سانسوں تک ھندو مسلم اتحاد کو اپنا مقصد حیات بنا یا تھا ۔

یہ کتاب مہاتما گاندھی کی داستان حیات ھے ۔ فاضل مصنف قدسیہ بیگم نے نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں گاندھی جی کے حالات زندگی بیان کئے ھیں ۔ ساری کتاب ایک ذھین ھندوستانی لڑکے کے تجسس کی کہانی ھے ۔ یہ کتاب بچوں کے لئے لکھی گئی ھے تا کہ بچے اس روشنی کے علمبردار آزاد ھندوستان میں سلیقے سے سانس لینے کے آداب سیکھ سکیں ۔

اس کتاب کا پیش لفظ پنڈت جواھر لال نہرو نے لکھا ھے (یکم ستمبر ۱۹۵۲ ع) قدسیہ بیگم کی ادبیانہ صلاحیت کو سراھتے ھوئے لکھا ھے کہ ''انہوں نے یہ چھوٹی سی کتاب سچے دل سے لکھی ھے ۔ اس کتاب کا مسودہ میرے پاس ایک سال تک رھا ۔ جب گاندھی جی کا خیال آتا ھے تو مجھے اپنی خامیاں اور کوتاھیاں بہت محسوس ھونے لگتی ھیں ۔اس نسل کے لوگ جنھوں نے گاندھی جی کو دیکھا تھا ان کے پاؤں چھوئے تھے اور ان کی شخصیت سے کسی نہ کسی پہلو سے واقف ھوگئے تھے گذر جائینگے مگر گاندھی جی کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے کچھ یادیں رہ جائیں کچھ تحریریں اور کتابیں اور وہ روائتیں جو ھر قوم کی تاریخ میں بڑی اھمیت رکھتی ھیں ۔ گاندھی جی کا مقام ھندوستان کی تاریخ ھی میں نہیں اس کی پرانوں اور کتھاؤں میں ھے ،، ۔

گاندھی جی تمام ھندوستانیوں کے لئے ایک عظیم رھنما ایک عظیم قائد اور ایک بڑے قافلہ سالار کی حیثیت رکھتے تھے ۔ ان کی مقبولیت تمام ھندوستانیوں کے لئے یکساں مقام رکھتی تھی ۔ ان کی شرافت نفس ۔ بھائی چارگی ۔ ھم وطنوں سے والہانہ پیار اپنی آپ مثال تھا ۔

اس کتاب کی کہانی کا انداز بیانیہ ھے ۔ گاندھی جی کی شہادت ھی اس کہانی کا آغاز ھے ۔ ماں اپنے بیٹے کو کچھ اس پر اثر انداز میں جوابات دیتی ھے کہ ایک کہانی ۔ داستان در داستان پھیل جاتی ھے ۔ ھری اور ھری کی ماں اور دادا ایک ھی گھر کے لوگ ھیں ۔

کہانی کا آغاز گاندھی جی کی شہادت کے تذکرے سے کچھ اسطرح ھوتا ھے ۔ ھری اپنے گھر لوٹا تو شام کے ٦ بج رھے تھے ۔ اس نے دیکھا کہ سارا گھر سنسان ھے ۔ اتنا سناٹا دیکھکر ھری کو ڈر لگنے لگا ۔ جب ماں کی آواز ابھری اور کہا کہ بیٹا ۔ گاندھی جی مر گئے۔ بیٹے نے پوچھا ۔ اماں کیسے مر گئے گاندھی بابا ۔

اس کتاب کے مطالعہ سے ظاھر ھوتا ھے کہ گاندھی جی کو اردو زبان سے بہت زیادہ پیار تھا ۔ افریقہ سے ھندوستان آنے میں ان دنوں چوبیس پچیس دن لگتے تھے ۔ گاندھی جی کا جہاز میں دل نہیں لگتا تھا ۔ انھوں نے اپنے ساتھی مسافروں میں سے ایک منشی جی کو ڈھونڈ نکلا اور ان سے اردو پڑھنا شروع کی ۔

رابندر ناتھ ٹیگور نے گاندھی جی کو مہاتما بنادیا ۔گاندھی جی کا نام ۔ ان کی سچائی ۔ ان کی نیکی ان کی قربانی کو دیکھکر رابندر ناتھ ٹیگور نے انھیں مہاتما کہنا شروع کیا ۔

اس کتاب کا آخری ورق پنڈت جی کی تقریر پر ختم ھوتا ھے۔ دوستو ۔ ساتھیو ۔ روشنی گل ھوئی اور ھماری زندگیوں پر اندھیرا چھا گیا ۔ میں یہ کیسے کہوں کہ ھمارا نیتا ۔ ھمارا باپو اور اس دیس کا باپ چل بسا ۔ دیس میں زھر پھیلا ھوا ھے۔ اور اس زھر نے لوگوں کے دماغوں میں بس بھر دیا ھے ۔ ھمیں چاھئے کہ ھم شانتی اور ھمت کے ساتھ اس بس کے پیڑ کو اکھاڑ پھینکیں ۔

مکتبہ جامعہ دھلی نے نہایت سلیقے سے اس کتاب کو شائع کیا ھے۔ یہ کتاب با لخصوص نئی نسل کے لڑکوں کے لئے بہت مفید ثابت ھوگی ۔

(۲) فسانہ غالب

مصنف ۔ مالک رام
صفحات ۱۹۱ ۔ مجلد (جنوری ۱۹۷۷ع)
قیمت ۔ ۶ روپیے ۷۰ پیسے
ناشر ۔ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی

غالب پرستوں کی یوں تو ایک طویل فہرست ہے ۔ لیکن جس شخص نے غالب شناسی میں اپنی ساری زندگی وقف کی ہے وہ نامور ادیب جناب مالک رام ہین ۔ غالب کے بارےمیں مالک رام نے جو کچھ بھی لکھا ہے اسے تمام اردو دنیا مین قدر کی نگاھوں سے دیکھا جاتا ہے ۔ ان کے وہ تمام حوالے جو مرزا کی فکر و فن اور ان کی حیات سے متعلق ملتے ہین ۔ مستند سمجھے جاتے ھیں ۔

مالک رام نے غالب سے متعلق مواد کے حصول کے لئے نہ صرف ہندوستان کے تمام مشہور کتب خانوں سے استفادہ کیا ہے بلکہ بیرون ملک کی کئی لائبریریوں سے بھی فیض حاصل کیا ہے ۔

زیر نظر کتاب ''فسانہ غالب ،، ۱۹۲۶ میں اور اس کے بعد لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے جسکو اردو کے بہت ھی ممتاز ادارہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی نے زیور طباعت سے آراستہ کیا ہے ۔ اس کتاب میں غالب کے شعری محاسن ۔ ان کی زندگی کے تمام نشیب و فراز کی داستانیں ۔ احباب سے دوستانہ و شاعرانہ ملاقاتوں کے علاوہ غدر کے ہنگاموں میں انکے خاندان کی کسمپرسی اور افراتفری کا تفصیلی ذکر ملے گا ۔

یوں تو مالک رام نے غالب کے موضوع پر پچاس سے زاید مضامین لکھے ھیں لیکن زیر نظر کتاب ''فسانہ غالب ،، میں حسب ذیل پندرہ مضامین شامل ھیں ۔ توقیت غالب ۔ تاریخ ولادت ۔ ایک فارسی خط کی تاریخ ۔ مرزا یوسف ۔ عبدالصمد استاد غالب ۔ غالب کی مہریں ۔ نواب شمش الدین احمد ۔ مقدمہ پنشن کا عرضی دعوی ۔ قتل پنجابی الاصل تھا ۔ ایک معاصر انہ راج ۔ سکے کا الزام اور اس کی حقیقت ۔ غالب سے منسوب دوسرا سکہ ۔ دربار رام پور سے تعلقات ۔ غالب سوسائٹی اور آزاد بنام غالب ۔

فسانہ غالب کا انتساب اردو کے بے لوث خدمت گذار مولانا امتیاز علی عرشی کے نام ہے ۔ غالب کے بارےمیں مالک رام کا پہلا مضمون ستمبر ۱۹۲۶ میں اردو کے ممتاز نقاد نیاز فتح پوری کی زیر ادارت شائع ہونے والے رسالہ '' نگار ،، (لکھنو) میں شائع ہوا تھا ۔ اس کتاب میں شامل تمام مضامین اردو کے مختلف رسائل میں شائع ہوچکے ھیں لیکن جناب مالک رام نے نظر ثانی اور کافی ردوبدل کے بعد انہیں کتابی شکل دی ہے ۔ جناب مالک رام نے ''تعارف ،، میں لکھا ھیکہ '' بعض مضامین تقریباً از سر نو لکھے گئے ھیں ۔ کیونکہ اس اثنا میں ان موضوعات پر اتنی نئی مطبوعات منظر عام پر آ گئی تھیں کہ پہلا مضمون '' تقویم پارینہ ،، بنکر رہ گیا تھا ۔ ،،

کتاب کا نام غالب ھی کے ایک فارسی شعر سے ماخوذ ہے ۔

به ذکر مرگ شبی زنده داشتن ذوقیست
گرت '' فسانه غالب ،، شنید نست مخسپ

جناب مالک رام نے غالب کی تاریخ ولادت سے لکھا ھیکہ ''غالب نے اپنے اردو اور فارسی خطوں مین اپنی تاریخ ولادت ۸ ۔ رجب ۱۲۱۲ ھ اتنی بار لکھی ھیکہ ظاہراً کسی شخص کو اسکے بارےمیں شبہ نہیں ہونا چاہئے لیکن ادھر کچھ دنوں سے یہ بھی متنازعہ فیہ مسئلہ بن گیا ہے اور اس کی بنیاد وہ زائچہ ہے جو ان کے فارسی دیوان کی طبع دوم (لکھنو ۔ ۱۸۶۲ ۔ ۱۸۶۳) میں شامل ہے ۔ اس زائچہ کی بنا پر دو واقف کاروں نے الگ الگ سال متعین کیا ہے ۔ جناب صمد حسین رضوی ۱۲۱۱ ھ کہتے ھیں اور جناب مسلم ضیائی ۱۲۱۳ ھ ،،

''مرزا یوسف ،، کے زیر عنوان مضمون سے ظاہر ہوتا ھیکہ حیدرآباد سے غالب کے خاندان کا بہت گہرا تعلق تھا ۔ مرزا غالب کے چھوٹے بھائی مرزا یوسف علی بیگ جو غالب سے دو تین برس چھوٹے تھے ۔ مہاراجہ چندو لال کے زمانے میں حیدرآباد دکن کی ''افواج قاہرہ ،، میں نہایت اعلی عہدہ پر مامور تھے ۔ ان سے پہلے ان کے والد مرزا عبداللہ بیگ خان بھی آصف جاہ ثانی نظام علی خان کے زمانے (۱۷۶۱ ۔ ۱۸۰۳) میں حیدرآباد کی فوج میں ملازم رہے تھے ۔

دربار رام پور مرزا غالب کے لئے بہت بڑا سہارا بنا رہا ۔ نواب صاحب رام پور کو مولانا فضل حق خیر آبادی کی وساطت سے غالب سے شرف تلمذ حاصل رہا ۔ نواب صاحب رام پور نے اپنے استاد کی بہت زیادہ قدر کی اور انہیں غالب سے غیر معمولی عقیدت تھی ۔ نواب صاحب رام پور ۔ مرزا غالب کو قصیدے کی اور ان کی شاگردی اختیار کرتے ہوئے لکھتے ھیں ۔ ''میرے مشفق ۔ مجھے آج تک کبھی ایک مصرع تک موزون کرنیکا اتفاق نہیں ہوا لیکن محض مولوی فضل حق موصوف کی زبانی آپ کا بلند پایہ کلام سننے سے دل چاہا کہ کسی طرح آپ سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری

جائے ۔ چونکہ اسکے لئے اس سے بہتر کوئی سبیل میری سمجھ مین نہیں آئی ۔ اس لئے مین چند شعر غلط سلط موزوں کئے ھیں ۔امیدوار ھوں کہ ان غزلوں کی اصلاح اور جدید مصرع طرح تجویز کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں ۔ چونکہ ایسے موقع پر شیرینی پیش کرنیکا دستور ہے لہذا ڈھائی سو روپیہ کی ھنڈوی بہ تقریب شیرینی اس خط میں ملفوف پہنچی ھے ۔ براہ کرم اسے قبول فرمائیے اور اسکے پہنچنے کی اطلاع بخشیں اور اس مخلص کو اپنا خیراندیش تصور کرتے ہوئے اپنی خیریت سے جلد از جلد عبارت سلیس سے جسکے سمجھنے میں تکلف نہ ھو مسرور و مطمئن فرماتے رھا کریں ۔ ،،

کتاب کے آخر میں کتابیات کے تحت اردو کی بیشتر معیاری کتابوں اور علمی و ادبی رسائل و جرائد کے حوالے ملتے ھین جن سے اس کتاب کے سلسلے میں استفادہ کیا گیا ھے ۔ جن میں سے کچھ نام یہ ھیں ۔

آب حیات (محمد حسین آزاد) ۔ اردوئے معلی (غالب) ۔ احوال غالب (مختار الدین احمد) ۔ عود ھندی (غالب) ۔ غالب (غلام رسول) ۔ غالب اور شاھان تیموریہ (خلیق انجم) ۔ غدر کی صبح و شام (خواجہ حسن نظامی) ۔ کلیات نثر فارسی (غالب) ۔ گل رعنا (تذکرہ) ۔ سید عبد الحی ۔ مکاتیب غالب (امتیاز علی خان عرشی) ۔ یاد گار غالب (مولانا حالی) ۔

رسائل و جرائد جن سے استفادہ کیا گیا ھے کچھ نام یہ ھیں
اردو ادب (علی گڈھ) ۔ علی گڑھ میگزین (غالب نمبر ۱۹۴۹) اردوئے معلی ۔ دھلی (غالب نمبر ۔ ۳) نقوش ۔ لاھور (ادیب عالیہ نمبر (اپریل ۱۹۶۰) ۔ معارف ۔ اعظم گڑھ نومبر ۱۹۵۸) اردو نامہ ۔ کراچی (مارچ ۱۹۶۷) ۔ نگار ۔ لکھنو (۱۹۴۲)

فسانہ غالب ۔ غالب شناسوں کے لئے ایک مستند کتاب ھے یہ کتاب ایسی ھے جو ھر لائبریری کی زینت مین اضافہ کرسکتی ھے ۔ عمدہ کتابت ۔ نفیس کاغذ بہترین آفسٹ طباعت سے آراستہ و مزین ۔ مکتبہ جامعہ دھلی سے حاصل کی جاسکتی ھے ۔

---

(۳) کرب آگہی (مجموعہ کلام)

مصنف ۔ آنند نرائن ملا
صفحات ۱۱۲ مجلد قیمت ۱۰-۵۰ روپیے
ناشر ۔ مکتبہ جامعہ ۔ دھلی

بہ پائے شمع اردو نام ملا دوستو لکھ دو
کوئی پھر اس کی سو شائدنہ یوں پروانہ وار آئے

یہ شعر اس مجاھد اردو کا ھے جس نے ایک مقام پر کہا تھا ”میں اپنا مذھب چھوڑ سکتا ھوں اردو کو نہیں چھوڑ سکتا،، ۔ اردو زبان کے تحفظ و بقا اور شعر و ادب کی ترویج و اشاعت مین ابتدا ھی سے جن مجاھدین کا یکساں اور جرات مندانہ رویہ رھا ھے ان میں سے ایک نمایاں نام آنند نرائن ملا کا بھی ھے ۔

ملا صاحب کی شخصیت کبھی بھی مصلحت شناس اور موقع پرستی کا شکار نہ ھوسکی ۔ اردو زبان کو مختلف قسم کے غیر یقینی حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن آنند نرائن ملا نے ایک سچے ۔ایماندار حقیقی خدمت گذار کی طرح ھر موڑ پر اردو زبان کا ساتھ دیا ۔ ملا صاحب عملی طور پر اس زبان سے اپنے پیار ۔ اپنی عقیدت و محبت کا ثبوت دیتے رھے ھیں ۔ یہ قول گوپی چند نارنگ ،، آنند نرائن ملا ھمارے عہد کے ان فنکاروں مین سے ھیں جن کا ذھن شعور فکر کے روایتی اور رسمی سانچوں سے بے نیاز ھوکر سوچ سکتا ھے نظم میں بھی اور غزل میں بھی ان کی شاعری ۔ آفاق محبت کے جذبے سے جگمگا اٹھی ھے ۔ ،

آنند نرائن ملا کی شاعری زندگی کے نشیب و فراز کی تمام کیفیات سے آشنا ھے ۔ ان کے کلام مین واردات قلبی کے علاوہ معاشر کی بنتی بگڑتی تصویرین بھی ملتی ھین ۔ بہ قول مصنف ” مین نے ھمیشہ زندگی کے سوال کا حل سوچا ھے ۔ میرے اشعار ھوں یا فیصلے ۔ میری تقریر ھو یا تحریر مین نے ان پر اپنی انفرادیت کی مہر لگا دی ھے ۔ میرا انداز بیان میرا ھے ۔ میری فکر میری ھے ۔

آنند نرائن ملا کے ھاں مانگے کا اجالا نہیں ملتا وہ جو کچھ بھی دیکھتے ھین اپنی نظر سے دیکھتے ھین ۔ ملا صاحب اردو شعر و ادب مین اپنی انفرادیت کی وجہ سے نمایاں طور پر پہچھانے جاتے ھیں ۔ انکا ایک اپنا اسلوب ھے ۔ اپنا ایک رنگ ھے ۔ غزل ھو کہ نظم کہیں بھی فنی جھول نہیں ملتا ۔ فن عروض پر دسترس ھے ۔ زبان و بیان پر قدرت ۔ یہ شعر ایسے ھیں جو زندگی کے مختلف پہلوں کو سمیٹے ھوئے معلوم ھوتے ھیں ۔ ملاحظ ھو ۔

چیز دل ھے رخ گلفام مین کیا رکھا ھے
کیف صہبا مین ھے خود جام مین کیا رکھا ھے
گنگناتا ھوا دل چاھئے جینے کے لئے
اس نزاع سحر و شام مین کیا رکھا ھے
ظلمت زیست مین تلاش سحر
کس ستارے سے آرھے ھین میاں
غم کے بادل پھر بھی چھائے رہ گئے
آنکھ سے دریا کے دریا بہہ گئے
کس نے دیکھا ھے جمال روسے دوست
سب نقابوں مین الجھ کر رہ گئے

چند شیطان بند کر کے خوش ہیں یوں
جیسے باہر سب فرشتے رہ گئے
ہر طرف عقل ہی کے ہنگامے
دل کی آواز کھو گئی ہے کہاں

عشق جس دل میں نہیں تکمیلہ کیف نہیں
زندگی نیم کشیدہ سی اک انگڑائی ہے
خستگی و تشنگی و رہزن و ریگ سراب
کتنی صدیاں ہوگئیں انسان چلتا جائے ہے
زیست ہے صدیوں کے نقاشوں کا شہہ کار عظیم
اپنی اپنی جا ہر اک کچھ رنگ بھرتا جائے ہے
ہر انقلاب کی سرخی انہیں کے افسانے
حیات دہر کا حاصل ہیں چند دیوانے
میں نالہ بہ لب اجڑے نشیمن پہ نہیں ہوں
دیکھی نہیں جاتی ہے گلستاں کی تباہی
چمن کو برق و باراں سے خطر اتنا نہیں ملا
قیامت ہے وہ شعلہ جو نشیمن زاد ہوتا ہے
ستم اکثر بہ عنوان کرم ایجاد ہوتا ہے
چمن میں باغباں کے بھیس میں صیاد ہوتا ہے
دانش کی تباہی سے ممکن ہے بچ نکلے
پہلو میں ترے دنیا جب تک دل ناداں ہے
جھجھک اظہار ارماں کی بہ آسانی نہیں جاتی
خود اپنے شوق کی دل سے پشیمانی نہیں جاتی
بڑھ گیا دو دلوں میں شائد ربط
گفتگو ہوتی جاتی ہے کم کم
محبت میں کوئی شئے کامیابی نہ ناکامی
نظر ملتے ہی اس سے زیست قیمت پا گئی اپنی
کی مصلحت وقت سے اس نے نہ کبھی صلح
ملا کے سے دو چار ہی دیوانے ملیں گے

انسان کی محبت اور زندگی کے روشن لمحوں سے ملا صاحب کو والہانہ عقیدت ہے خود داری ۔ خود شناسی ۔ زندگی کی روشن علامتیں ہیں ۔ آنند نرائن ملا اپنی وار دات قلبی اور معاشرے کے سارے درد و غم کو اپنے اشعار میں سلیقے سے سموتے ہیں ۔ ان کا شعری کردار ۔ ان کے اپنے احساسات و جذبات کا آئینہ دار ہے ۔ ذہنی تحفظات ۔ مصلحت کوشی ان کا شعار نہیں ۔ انکے شاعرانہ کردار ۔ زندگی کی سچائی کی طرح سامنے آجاتے ہیں ۔

ملا صاحب نصف صدی سے جس بانکپن ۔ انفرادیت اور مستقل مزاجی کے ساتھ زبان و ادب کی خدمت انجام دے رہے ہیں اس سے تمام ادبی حلقے اچھی طرح واقف ہیں ۔ وہ ہمیشہ اردو کے مقدمے کو جرأت و بیباکی کے ساتھ پیش کرتے ہیں ۔

۱۱۲ صفحات پر مشتمل اس مجموعہ کلام میں ۱۴ صفحات پر اردو کے ممتاز ادیب پروفیسر گوپی چند نازاں کا سیر حاصل مقدمہ ہے ۔ اس کتاب میں صرف ایک نظم شامل ہے ۔ جسکا عنوان ہے "غزل سے" جسے ملاحظہ کے لئے پیش ہے ۔

دلھن تھی تجھے میں نے ساتھی بنایا
شبستان سے میدان میں کھینچ لایا
تیرے نرم لہجے کو للکار دے دی
دیا درد انساں کا احساس تجھکو
کھڑا کردیا نظم کے پاس تجھکو

اس مجموعہ میں مابقی ۶۰ غزلیں ہیں ۔ بعض غزلیں دوصفحات پر پھیلی ہوئی ہیں ۔ کاغذ ۔ کتابت اور طباعت بہت ہی عمدہ ہے ۔ مکتبہ جامعہ دھلی نے اپنی دیگر مطبوعات کی طرح "کرب آگہی" کو بھی بہت سلیقے سے شائع کیا ہے ۔

(۴) نوائے آوارہ (مجموعہ کلام) دسمبر ۱۹۷۶ ع

مصنف ۔ غلام ربانی تاباں
صفحات ۔ ۱۰۴ ۔ مجلد قیمت ۸-۵۰ روپئے
ناشر ۔ مکتبہ جامعہ دھلی

ڈاکٹر قمر حسن نے شاعروں کی درجہ بندی کرتے ہوئے تاباں کے تعلق سے لکھا ہیکہ پہلے گروہ میں بلا شبہ اس دور کے سب سے اہم غزل گو تاباں ہیں جنہوں نے عصر حاضر کے ابلتے ہوئے کرب و اندوہ کے سامنے انسان کی کج کلاہی کا رجز غزل میں سمودیا اور اسکے ساتھ لذت جستجو ۔ ذوق حیات اور مسلسل نا رسائی اور خوب سے خوب تر کی متواتر تلاش اور غیر مختتم جہد و عمل کو نشاط زندگی قرار دے کر اسے اپنی غزل کا اس طرح موضوع بنایا کہ کلاسکی در وبست مجرو نہ ہو ۔

"نوائے آوارہ" کے مصنف غلام ربانی تاباں شاعروں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جن کی آواز گذشتہ ۳۰-۳۵ سال سے اردو شعر و ادب کے ایوان میں برابر گونج رہی ہے ۔ غلام ربانی کو جہاں اظہار جذبات میں سلیقہ ہے وہاں انہیں زبان و بیان پر بھی قدرت حاصل ہے ۔ وہ اپنے ہمعصر شاعروں میں خوش فکر اور خوش گو شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں ۔

غلام ربانی تاباں کی شاعری پر مختلف نقادوں نے اپنے اپنے انداز سے اظہار خیال کیا ہے ۔ نیاز فتح پوری کچھ اسطرح رقمطراز ہیں —

" جناب تاباں اس جماعت کے فرد ھیں جو غزل کو صرف بیان حسن و عشق تک محدود رکھنے کے قائل نہیں ھیں ۔ مجھے ان کے کلام میں بہت سی پاکیزہ مثالیں اس تغزل کی بھی ملتی ھیں جن کا تعلق حیات و اسباب حیات کی بقا سے نہیں بلکہ " دیدن ھاں و جان دادن ھاں "، سے ھے ۔ تاباں صاحب بڑے اچھے ذوق کے غزل گو شاعر ھیں ۔ اور حسرت سوھانی کا وہ رنگ جو سومن اسکول کی یادگار ھے ان کے یہاں بڑی نفاست پاکیزگی کے ساتھ پایا جاتا ھے ۔ پروفیسر سید احتشام حسین مرحوم نے اس طرح فرمایا تھا —— جو غزل گو فن کی نزاکتوں کا پاس کرتے ھوئے جزبے اور فکر کی حدوں کو ملا نے کی کوشش کرتا ھے وہ اسکی روایتی حدوں کی توسیع بھی کرتا ھے ۔ تاباں نے یہی کیا ھے ۔ تاباں نے اس راز کو پا لیا ھے اگر اپنے ماحول اور مسائل کا صحیح شعور ھو تو غزل بھی زندگی کا ساتھ دے سکتی ھے اور غزل گو کی شخصیت کا آئینہ بننے کی صلاحیت رکھتی ھے ۔ چنانچہ اپنے دھیمے اور جاندار لہجے میں انہوں نے وہ سب کچھ کہا ھے جو ان کے فکر و خیال کا جز ھو کر ان کی ذات اور شخصیت بن چکا ھے ۔ ان کی زبان مترنم ۔ اشارے معنی خیز خیالات فکر انگیز اور طرز ادا فنکارانہ ھے ۔

غلام ربانی تاباں کی شاعری میں قدیم و جدید کی حسین امتزاج ھے ۔ جہاں وہ کلاسیکی ادب کی اقدار کو قدر کی نگاھوں سے دیکھتے ھیں ۔ وھیں وہ عصر حاضر کے تقاضوں سے بھی باخبر ھیں ۔ ایک با خبر تخلیق کار کی طرح تاباں کو بھی شعر و ادب کی دنیا میں سانس لینے کا سابقہ آتا ھے ۔ ان کے کلام میں حیات انسانی کے کرب کے ساتھ زندگی کے خوشگوار لمحات کی خوشیاں بھی ملتی ھے ۔ وہ نکھری سنہری غزل کہتے ھیں ۔ زندگی کی لطافت اور معاشرے کی ضرورت ان کی شاعری میں جگہ جگہ ملتی ھے یہ چند شعر اسی قبیل کے ھیں ۔

سوچنا پڑتا ھے قید بام و در میں کیا نہ تھا
وحشتوں کے گھر میں کیا ھے میرے گھر میں کیا نہ تھا

فاصلوں کی گرد نے دھندلا دئے منظر تمام
ورنہ ھم آوردہ گردوں کی نظر میں کیا نہ تھا

چند یادوں کے علاوہ چند زخموں کے سوا
زندگی کی شام میں کیا ھے سحر میں کیا نہ تھا

عقل بیچاری دلیلوں میں الجھ کر رہ گئی
ورنہ تاباں اس نگاہ مختصر میں کیا نہ تھا

نہ اور بات ھے کل وہ کتاب میں ھوں گے
ابھی تو پیاسے ھیں دشت سراب میں ھوں گے

میری آشفتہ سری وجہ شناسائی ھوئی
مجھ سے ملنے روز کوئی حادثہ آجائے ھے

رہ گذر ھو یا مسافر نیند جس کو آئے ھے
گرد کی میلی سی چادر اوڑھ کر سو جائے ھے

کھلیں کھلیں نہ کھلیں پھول دل کے صحرا میں
بڑی کشش ھے مگر انتظار فردا میں

خرد کے دور میں دیوانگی غنیمت ھے
بڑا سکون ملا شورشوں کی دنیا میں

کبھی یقین ھی یقین ھے کبھی گمان ھی گمان
کسی کی پیاس نے آنسوں بھرے ھیں صہبا میں

نہ اور بات ھے یادوں نے کم سخن جانا
مرا یہ حال کہ ھر لفظ داستاں سا لگے

اس ادائے دل کش کا کوئی نام تو ھوگا
دوستی پہ نازاں بھی دوستوں سے غافل بھی

اب بھی وھی ھے غم کا چلن درد کا رواج
ہم بخت کل کے بوجھ کے نیچے دبا ھے آج

آوارگی شوق میں اک عمر کٹ گئی
بادش بخیر دل تھا بڑا مستقل مزاج

" نوائے آوارہ "، میں صرف ۸۴ غزلیں ھیں اور چھ اشعار کا ایک قطعہ شامل ھے ۔ غلام ربانی کی دیگر تصنیفات یہ ھیں ۔ ساز لرزاں (۱۹۵۰) ، حدیث دل (۱۹۶۰) ، ذوق سفر (۱۹۷۰) ہوا کے دوش پر (۱۹۷۴) تالیف میں شکست زنداں اور غم دوراں ھے ۔ ترجمہ میں جد و جہد آزادی میں مرکزی مجلس قانون ساز کا رول ۔ معاشی قوم پرستی کی ابتدا و ارتقا ۔ ھندوستان کی معاشی تاریخ (حصہ اول) ۔

" نوائے آوارہ "، کا گٹ اپ پسندیدہ ھے ۔ کاغذ ۔ طباعت کتابت نفیس ھے ۔ یہ مجموعہ کلام اردو شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے تسکین ذوق کا سامان فراہم کرسکتا ھے ۔

---

(۵) کو بہ کو (مجموعہ کلام) نومبر ۱۹۷۶ (پہلا ایڈیشن)

مصنف ۔ سلیمان اختر
صفحات ۹۶ ۔ مجلد قیمت ۷ ۔ روپئے
ناشر ۔ مکتبہ جامعہ دھلی ۔

سلیمان اختر اگرچہ بساط شعر و ادب کے لئے نوارد ھیں لیکن ان کی تیز نگاہ اس بات کی غماز ھے کہ وہ اردو شعر و ادب میں اپنا ایک منفرد مقام بنالیں گے ۔ ان کا نام کچھ زیادہ جانا پہچانا نہیں ھے ۔ لیکن ان کا چونکا دینے والا لب و لہجہ ان کی ترقی کا ضامن ھے ۔

سلیمان اختر نے انتہائی عقیدت کے ساتھ اس کتاب کا انتساب اپنی ماں (صفیہ) کے نام کیا ہے۔ پیش لفظ اردو کے ممتاز شاعر جاں نثار (مرحوم) نے (جو سلیمان اختر کے والد تھے) کتاب کی اشاعت سے ۱۴ ماہ قبل یعنی ۴ - اکتوبر ۱۹۷۵ع کو لکھا ہے۔ جان نثار کہتے ہیں — "میں یہ سونچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سلیمان شاعری کی اس روایت کو زندہ رکھے گا جو پشت در پشت ہمارے خاندان میں چلی آرہی ہے اور مجھے خوشی ہیکہ اسکی غزلوں کا یہ مجموعہ نہ صرف عصری حیثیت سے معمور ہے بلکہ فن کی نزاکتیں جو بغیر کلاسیکی ادب کے مطالعہ کے ہاتھ نہیں آتیں اسمیں موجود ہیں۔ کلاسیکیت کا عظیم سرمایہ اسے یقیناً وراثت میں پہنچا ہے۔ یہ اسکی خوبی ہیکہ کلاسیکیت کو اس نے جدیدیت سے اسطرح ہم آہنگ کردیا ہے کہ ایک نیا رنگ ایک نیا حسن ایک نئی آواز پیدا ہو سکے گی۔ سلیمان نے بڑے سیدھے سادھے انداز میں باتیں کہی ہیں لیکن اس میں اسکے دل کی تھر تھراہٹوں کا احساس ہوتا ہے اور یہ بڑی شاعری کا سنگ بنیاد ہے۔

سلیمان اختر کو شاعری ورثہ میں ملی ہے وہ ایک ممتاز شاعر کے نور چشم ہی نہیں بلکہ ایک نامور دادا کے پوتے بھی ہیں۔ ان کا خاندان کئی پشتوں سے علم و ادب کی شمعیں روشن کئے ہوئے ہے۔ علامہ فضل امام خیر آبادی۔ مولوی فضل حق خیر آبادی۔ مولانا عبدالحق خیر آبادی اپنے دور کے مشاہیر علما میں شمار کئے جاتے تھے۔ سلیمان اختر کے دادا مضطر خیر آبادی ایک ممتاز شاعر کی حیثیت سے اردو شعر و ادب میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں — جان نثار اختر ایک دور کے شاعر تھے۔ ان کی شاعری ترقی پسندوں کے نزدیک ہو کہ جدیدیوں کے نزدیک یکساں مقبولیت حاصل کر چکی ہے —

"ایک بات"، میں سلیمان اختر نے بہت صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ مجموعۂ کلام پر ایک طویل پیش لفظ لکھنے کے میرے نزدیک دو ہی مطلب ہیں۔ یا آپ اپنے اشعار سے مطمئن نہیں اور مزید وضاحت کی ضرورت سمجھتے ہیں یا پھر آپ کو اپنے قارئین کی طرف سے شبہ ہے کہ آپ کو اور آپ کی بات کو سمجھنے کے لئے انہیں آپ کے اشعار کافی نہیں —— مجھے نہ تو اپنے اشعار سے اس طرح کی کوئی شکایت ہے نہ ہی اپنے پڑھنے والوں کی سمجھداری پر — اس قسم کا کوئی شک — اس لئے کسی طویل مقدمے کا خیال میرے ذھن میں نہیں سماتا ——

سلیمان اختر کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں جو ان کے روشن مستقبل کی نشاندھی کرتے ہیں۔

سامنے دیوار تھی اس پر کوئی سایہ نہ تھا
پھر بھی لگتا تھا کہ میں پچھلے پہر تنہا نہ تھا

کہیں بھی جاؤں ہے خود سے فرار ناممکن
ہر ایک سمت کوئی آئینہ لگے ہے مجھے

خوابوں کے آسرے پہ بہت دن جیئے ہو تم
شاید یہی سبب ہے کہ تنہا رہے ہو تم

ملتا رہے ہنسی خوشی اوروں سے کسطرح
وہ آدمی جو خود سے بھی روٹھا ہوا رہے

بچھڑو اگر کسی سے تو ایسے کہ عمر بھر
تم اسکو ڈھونڈو اور وہ تمہیں ڈھونڈتا رہے

ہم بہت دن جیئے ہیں دنیا میں
ہم سے پوچھو کہ خودکشی کیا ہے

زندگی میں اک عجب زہر سا گھولا میں نے
عشق کو عقل کی میزان پہ تولا میں نے

اوروں کے سامنے نہ کیا ذکر مفلسی
تم سے مگر یہ بات چھپائی نہیں میاں

سفر کے ختم پر ایسا لگا مجھے گویا
میں ایک قرض تھا خود پہ جسے اتار آیا

جو چھپانے کی تھی وہ بات بتادی مجھکو
زندگی تونے بہت سخت سزا دی مجھکو

آج تکتا ہے اک جہاں ہم کو
تم نے پہنچا دیا کہاں ہم کو

ہوگئے اسکے مکانوں ہی میں سارے سودے
میں بھٹکتا رہا جس شہر کے بازاروں میں

ان غزلوں کو اگر غور سے پڑھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہیکہ سلیمان اختر بھی اردو شعر و ادب میں ایک نمایاں مقام بنالیں گے — ان کے کلام کے مطالعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جاں نثار اختر کے کلام سے بہت زیادہ متاثر ہیں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ وہ عصر حاضر کے تقاضوں سے با خبر ہیں۔

"کو بہ کو"، ۹۵ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ کسی بھی غزل میں مقطع نہیں ہے۔ بعض غزلیں نا مکمل ہیں بلکہ صرف ۳ - ۳ اور ۴ - ۴ شعر بھی مل جاتے ہیں۔ کتابت بہت عمدہ ہوئی ہے جسکے حسن میں اضافہ کرنے میں یس۔ ایم۔ مظہر خوشنویس کا ہاتھ ہے۔ یہ کتاب بھی جامعہ کی دیگر کتابوں کی طرح بہت ہی عمدہ چھپی ہے۔ ادب کے ہر طالب علم کو یہ کتاب پڑھنی چاہیئے۔

* * *

آندھرا پردیش بہ یک نظر

* آبادی .. .. ۴۳۵,۰۳ لاکھ
* اقوام درج فہرست کی آبادی .. .. ۵۷,۷۵ لاکھ
* رقبہ .. .. ۲,۷۶,۷۵۴ مربع کیلو میٹر
* اضلاع .. .. [illegible]
* تعلقہ جات ۹۰
* قصبات اور شہر ۲۲۳
* آباد گاؤں ۲۷,۲۲
* پنچائتیں .. .. [illegible],۹۲۰
* پنچائت سمیتیاں ۳۰۰
* ارکان پارلیمنٹ ۶۰
* لیجسلیٹیو اسمبلی کے ارکان بشمول ایک نامزد کردہ رکن ۲۸۸
* لیجسلیٹیو کونسل کے ارکان ۹۰
* یونیورسٹیاں ۵
* پڑھے لکھے لوگ .. .. ۱,۰۶,۹۰ لاکھ

PUBLISHED BY THE DIRECTOR OF INFORMATION & PUBLIC RELATIONS, ANDHRA PRADESH HYDERABAD
PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING GOVT. OF ANDHRA PRADESH AT GOVT. CENTRAL PRESS, HYDERABAD

Regd. No. H/HD-76.

آندھرا پردیش بہ یک نظر

* آبادی	۴۳۵,۰۳ لاکھ
* اقوام درج فہرست کی آبادی	۵۷,۷۵ لاکھ
* رقبہ	۲,۷۶,۷۵۴ مربع کیلو میٹر
* اضلاع	۲۱
* تعلقہ جات	۱۹۵
* قصبات اور شہر	۲۲۴
* آباد گاؤں	۲۷,۲۲۱
* پنچائتیں	۱۵,۹۲۰
* پنچایت سمیتیاں	۳۲۴
* ارکان پارلیمنٹ	۵۹
* لیجسلیٹیو اسمبلی کے ارکان بشمول ایک نامزد کردہ رکن	۲۸۸
* لیجسلیٹیو کونسل کے ارکان	۹۰
* یونیورسٹیاں	۵
* پڑھے لکھے لوگ	۱,۰۶,۹۰ لاکھ

PUBLISHED BY THE DIRECTOR OF INFORMATION & PUBLIC RELATIONS, ANDHRA PRADESH HYDERABAD.
PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING, GOVT. OF ANDHRA PRADESH, AT GOVT. CENTRAL PRESS, HYDERABAD

آندھرا پردیش

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

ماہ ستمبر سنہ ۱۹۷۷ ع
بھادرا - آشوین
شاکھا ۱۸۹۹
جلد ۲۱
شمارہ ۱۱

★

سرورق کا پہلا صفحہ

ہمارے صدر

سرورق کا چوتھا صفحہ

آندھرا پردیش کے ایک گاؤں کا منظر

اس شمارے میں اہل قلم نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضروری نہیں -

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ
حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا .

ترتیب   صفحہ

***

آندھرا پردیش (اردو) ماھنامہ
زر سالانہ چھ روپئے- فی پرچہ ۵۰ پیسے
وی - پی - بھیجنے کا قاعدہ نہیں -
چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے .

***

شری جئے وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۱۔ جولائی کو ناگرجونا ساگر کی دائیں نہر کے
۳-۱۹۷۸ سال کو پانی چھوڑنے کی رسم انجام دی ۔

خبریں تصویروں میں

شری جئے ۔ وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۲۳ ۔ جولائی کو ملا نورم ساؤتھ کنال پر پوچمپاڑ کا پانی چھوڑنے کی رسم انجام دی ۔ شری جئے ۔ چکا راؤ وزیر زراعت اور شری وی ۔ کرشنا مورتی وزیر بڑی آبپاشی بھی تصویر میں نظر آرہے ہیں ۔

احمد علی خاں

نئے صدر جمہوریہ

شری۔ ین سنجیوا ریڈی

آندھرا پردیش کا گوشہ گوشہ خوشی و مسرت کے جذبات سے سرشار ہے کہ اس کا ایک سپوت کامل اتفاق رائے سے ہندوستان کے سب سے بلند مقام صدارت ہند پر جلوہ افروز ہو رہا ہے۔آندھرا پردیش کی سر زمین ہند پہلے کوہ نور کی شکل میں ایک لاثانی ہیرے کو دنیا کے سامنے پیش کرچکی ہے۔ اب سنجیوا ریڈی کی شکل میں ایک لاثانی نیلم کو دنیا کے سامنے پیش کررہی ہے۔

شری ین سنجیوا ریڈی آندھرا پردیش کے ضلع اننت پور کے ایک گاؤں الورو کے رہنے والے ہیں۔ ایک اوسط کسان گھرانے کا یہ چشم و چراغ عنفوان شباب ہی سے اپنے سینے میں جدوجہد آزادی کا ایک طلاطم محسوس کرنے لگا تھا۔ اور گاندھی جی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس نے اپنے کالج کی تعلیم کو خیرباد کہہ دیا لیکن قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ علمی قابلیت میں بڑے بڑے فارغ التحصیل لوگوں سے بھی وہ آگے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنی مادری زبان تلگو کے جادو بیان مقرر ہیں بلکہ انگریزی زبان کے بھی ایک مشہور خطیب ہیں۔ تمام ضروری علوم و فنون میں انہیں کامل دستگاہ ہے۔ سیاست تو ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔

ان کے کردار کا یہ عالم ہے کہ ان کی دیانت داری اور ایمانداری پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا۔ ایثار و قربانی ان میں لوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ انگریزوں کے دور میں کئی مرتبہ وہ قید وبند کی صعوبتیں جھیل چکے ہیں۔ آزادی کے بعد وہ کبھی اقتدار کے پیچھے نہیں بھاگے خود اقتدار ان کے پیچھے بھاگتا رہا۔

ریاستی کانگریس کی صدارت کے لئے جب ان کے نام کی تحریک ہوئی تو اس کے لئے انہوں نے ریاستی وزارت سے استعفاء دے دیا۔

پھر ان کے ایک فیصلے پر جب عدلیہ نے کچھ معمولی سارمارک کیا تو انہوں نے آندھرا پردیش کی وزارت اعلیٰ چھوڑ دی۔ راشٹرپتی کے جلیل القدر عہدے کے لئے جب ان کا نام آیا تو بجز کامل اتفاق رائے کے وہ اسے قبول کرنے پر رضامند نہیں ہوئے۔ ان کی فراخدلی اور دور اندیشی کا مظاہرہ اس وقت ہوا جب ہندوستان کی پہلی متحدہ لسانی ریاست کے وزیر اعلیٰ بننے کے بعد انہوں نے یہ اعلان کیا کہ آندھرا پردیش کی دو علاقائی زبانیں ہیں، پہلی تلگو اور دوسری اردو۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ آندھرا پردیش میں سرکاری طور پر تلگو کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی ترقی کے مساوی مواقع فراہم کئے جائیں گے۔ در حقیقت آندھرا پردیش میں کوئی لسانی تنازعہ نہیں ہے۔ یہاں کی سب سے بڑی زبان تلگو ہے۔ ہندوستان کی زبانوں میں تعداد کے لحاظ سے اسکا نمبر دوسرا
پردیش میں اردو بولنے والوں کی تعداد ۳۰ لاکھ سے زیادہ ہے۔

شری سنجیوا ریڈی کے اعلان کا تلگو بولنے والوں نے بھی زبردست استقبال کیا اور اردو والوں نے نہ صرف آندھرا پردیش میں بلکہ پورے ملک میں اسکا خیر مقدم کیا۔ اس اعلان کواردو کا منشور اعظم یعنی میگنا کارٹا قرار دیا گیا۔ اس کے کچھ ہی عرصہ بعد انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس جب گوہاٹی میں منعقد ہوا تو پنڈت جواہر لال نہرو نے ان کے اس اعلان کی بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ یہ دوسری ریاستوں کے لئے قابل تقلید ہے۔ ہم سب کی دعا ہے کہ سنجیوا ریڈی صاحب کا دور صدارت ہر طرح سے کامیاب رہے اور ان کے دور میں ہندوستان ترقی کے عروج پر پہنچے۔

* * * * *

آئیے ہم ان کی مدد کریں

(شری بھیم سری راما مورتی وزیر بہبودی قبائل)

ہندوستان کے خود دار اور باوقار سپوت قبائلیوں کی پرورش ہماری پہاڑیاں اور جھیلیں بڑے چاؤ سے کرتی ہیں ۔ قدرتی مناظر سے اپنے والہانہ عشق کے باعث ماضی میں انہوں نے اپنے ایام زندگی بڑی بے فکری اور بے نیازی کے ساتھ بسر کئے ۔ لیکن گزشتہ کچھ برسوں سے وہ میدانوں اور نئے ماحول کی جانب بتدریج کھنچتے چلے آرہے ہیں ۔ وہ اپنے ماضی پر شرمندہ نہیں ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے لئے ایک روشن مستقبل اور قومی زندگی میں اپنے لائق کوئی کام چاہے وہ کتنا ہی چھوٹا اور معمولی کیوں نہ ہو انجام دینے کے آرزو مند ہیں ۔

جنوبی ہند میں قبائلیوں کی آبادی کا سب سے بڑا حصہ ہماری ریاست میں آباد ہے جو ۱۶،۵۷ لاکھ نفوس پر مشتمل ہے ۔ ریاست میں قبائلی آبادی کے علاقے جو ۳۱۰۰۰۳ کیلو میٹر سے زائد رقبے پر محیط ہیں اضلاع سریکاکلم ۔ وساکھاپٹنم ۔ مشرقی گوداوری ۔ کھمم و ورنگل ۔ عادل آباد اور محبوب نگر میں واقع ہیں جن میں با کثرت قبائلی آباد ہیں ۔ ان علاقوں میں واقع جنگلات سے لدی ہوئی پہاڑیوں کے سلسلے اور انکے درمیان کی ہری بھری وادیاں کوئی ۳۳ درج فہرست قبائلی آبادیوں کے گہوارے ہیں ۔

دشوار گزار جنگلات اور ان کو گھیرے ہوئے پہاڑی سلسلوں کے باعث قبائلی آبادیاں جدید تہذیب و تمدن کے بھر پور اثرات اور گوناگوں وسائل سے محروم رہی ۔دوسرے الفاظ میں یہ لوگ برسہا برس تک اصل قومی دھارے سے کٹے ہوئے اور الگ تھلگ رہے جسکے نتیجے میں ان فوائد کی رسائی بھی ان تک نہ ہوسکی جن سے قوم کے دوسرے طبقات آبادی کو مستفید ہونے کے مواقع ہمدست ہوئے ۔ جہالت ۔ توہمات ۔ اور غربت میں جکڑے ہوئے قبائلیوں کے لئے سماج کا سب سے نچلا مقام مقدر بن گیا تھا چنانچہ قبائلیوں اور غیر قبائلیوں کے درمیان واقع خلیج وسیع سے وسیع تر اور کم و بیش مستقل نوعیت کی ہوگئی جو بڑی بد بختانہ بات تھی ۔

بہر حال ہندوستان میں صبح آزادی کے نمود اور پنجسالہ منصوبوں کے آغاز سے ہمارے قبائلیوں کی رنگا رنگ تاریخ میں ایک نئے باب کی شروعات ہوئی ۔ انتہائی ذہانت و فطانت سے تیار کردہ اور بڑی خوبی اور مہارت سے روبہ عمل لائی جانیوالی بہت سے ترقیاتی اسکیموں کی بدولت آج آندھرا پردیش میں قبائلی نسبتاً بہتر موقف میں ہیں اور ایک تابناک مستقبل کی چمک دمک دیکھ رہے ہیں ۔

ہمارے قبائلیوں کی فلاح و بہبود کے لئے جو گوناگوں اور فعال نوعیت کی اسکیمات روبہ عمل لائی جارہی ہیں انکو تین بڑی سرخیوں کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے جو یہ ہیں ۔ تعلیمی پروگرام ۔ اقتصادی ترقی کے پروگرام اور صحت کے پروگرام سب سے زیادہ اہمیت یقیناً تعلیمی پروگراموں کو حاصل ہے جنکے تحت وسیع اور مختلف النوع ترغیبات پیش کی جارہی ہیں ۔ ہماری ریاست میں اس وقت ۳۷۵ کی تعداد میں آشرم اسکول قائم ہیں جن میں مقیمین کی تعداد ۲۲۱۲۰ ہے جس سے ان اسکولوں کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے ۔ اس سال مزید ۷۹ آشرم اسکول کھولے جارہے ہیں ۔

قبائلی آبادی رکھنے والے علاقوں میں آشرم اسکولوں کے علاوہ قبائلیوں کے پہاڑی اور میدانی دونوں علاقوں میں بڑی جماعتوں کے طلباء کو سکونتی سہولتوں کی فراہمی کی خاطر اقامت خانے کھولے گئے ہیں ۔ یہ اقامت خانے عام طور پر بلاک یا قبائلی علاقوں کے مستقر مقامات پر کھولے گئے ہیں جہاں ہائی اسکول واقع ہیں ۔ یہاں پر میں واضح کردوں کہ درج فہرست

اور غیر معلنہ قبائل کے لئے اقامت خانوں کی تعداد جو ۷۵-۱۹۷۴ میں ۲۹۹ تھی بڑھکر ۷۷-۱۹۷۶ میں ۳۲۳ ہوگئی اور اسی طرح ان میں سکونت پذیر طلبا کی تعداد ۱۳۶۶۸ سے بڑھکر ۱۶۳۲۸ ہوگئی اس سال مقیمین کی تعداد ۱۸۵۲۶ ہوجائیگی۔ اسکے علاوہ تمام اسکولوں کے تمام قبائلی طلبا کو پرکشش وظائف بھی دئیے جارہے ہیں - ان وظائف سے میٹرک سے قبل کی جماعتوں کے ۱۶۷۷۶ قبائلی طلبا اور ما بعد میٹرک جماعتوں کے ۶۷۶ قبائلی طلبا استفادہ کر رہے ہیں - مذکورہ بالا وظائف حاصل کرنے والے غیر معلنہ قبائلی طلبا کی تعداد علی الترتیب ۵۷۶۸ اور ۱۸۰۹ ہے - گزشتہ سال ۲۸۵۶۲ قبائلی طلبا کو جملہ ۲۳۱۶۷۰ نصابی کتابیں مفت فراہم کی گئیں - سال رواں کے دوران میں مفت فراہم کی جانیوالی کتابوں کی تعداد میں کافی اور متاثر کن اضافہ عمل میں آئیگا -

ریاست کے قبائلی علاقوں میں صنعتوں کے ہمہ جہتی فروغ کے لئے اب گرانقدر ترغیبات دی جارہی ہیں جیسے سیلس ٹیکس - اسٹامپ ڈیوٹی اور نان ایگریکلچرل اسسمنٹ سے استثنا - ان ترغیبات کے علاوہ قبائلی علاقوں میں صنعتوں کے قیام کے لئے صنعت کاروں کو ہمدست مزید رعائتیں یہ ہیں - اصل مصروف سرمایہ پر امداد - ترقیاتی پلاٹس - برق قوت کی امداد - ترجیحی قیمت - پیداوار کے لئے بازار - قرض کی ضمانتی اسکیم - رعایتی شرح سود اور تربیتی سہولتیں -

اکتوبر ۱۹۷۶ میں '' آندھرا پردیش شیڈولڈ ٹرائبس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن لمیٹڈ '' کا آغاز در حقیقت ایک نشان راہ کی حیثیت کا حامل کارنامہ ہے - یہ کارپوریشن بڑے موثر انداز میں اور غیر منقسم توجہ کے ساتھ قبائلیوں کی اقتصادی ترقی کا خیال رکھتا ہے - کارپوریشن نے اس سلسلے میں مئی ۱۹۷۷ تک جو اسکیمات منظور کی ہیں ان کی جملہ مالیت واقعی بڑی متاثر کن ہے - ان اسکیمات پر ۶۰.۷۷ لاکھ روپئے لاگت آئی ہے اور ان سے درج فہرست قبائل کے ۳۰۶۷ اراکین کو مستفید ہونے کا موقع ملا ہے - توقع ہیکہ آنیوالے برسوں میں یہ کارپوریشن زیادہ اہم اور زیادہ ثمرآور کردار ادا کریگا -

پانچویں پانچسالہ منصوبے میں تجویز کردہ نئی حکمت عملی کے تحت قبائلی علاقوں کی متحدہ اور مربوط ترقی کے لئے ایک ذیلی منصوبہ تیار کیا گیا ہے - اس ضمن میں سرمائے کا بڑا حصہ قبائلی بہبود کے مختلف محکموں اور خصوصی مرکزی امداد سے حاصل ہوا ہے - ذیلی منصوبے پر ۷۵-۱۹۷۴ میں عائد شدہ اخراجات (حقیقی) بشمول مرکزی امداد کے ۲۸۰.۱۳ لاکھ روپئے تھے جو بڑھ کر ۷۷-۱۹۷۶ میں ۱۱۶۲.۳۵ لاکھ روپئے (متوقع) ہوگئے - جاریہ سال کے لئے اخراجات کا اندازہ ۱۰۶۳.۰۷۵ لاکھ روپئے ہے -

آج قبائلی آگے بڑھ رہے ہیں اور قومی ترقی کے اصل دھارے میں اپنی سکت اور طاقت کے مطابق دیرپا اور دور رس حصہ ادا کرنے کے لئے بڑھے چڑھے مواقعات کے متلاشی ہیں - آئیے ہم ان کی مدد کریں -

* * * *

تعلیم انسانیت کے فروغ کے لئے

یقیناً تعلیم واحد اور اہم ترین عنصر ہے تیز رفتار معاشی ترقی کے حصول کے لئے اور ٹکنالوجی کے فروغ کے لئے اور ایسے سماجی نظام کی تخلیق کے لئے جسکی اساس آزادی - سماجی انصاف اور برابری کے مواقعات پر ہو - فروغ تعلیم کے لئے پروگراموں کا بنیادی مقصد ایسی مساعی ہونی چاہئیں جن سے شہریت کے مشترکہ رشتے قائم ہوں - عوام کی توانائیاں بے قابو نہ ہونے پائیں اور ہمارے ملک کے قدرتی اور انسانی وسائل میں اضافہ ہو - یہ سچ ہے کہ گذشتہ دہے میں جو ترقیاتی کام ہوئے ہیں ان سے ہمارا معاشی فروغ متحرک ہوگیا ہے لیکن اب بھی ہمارے تعلیمی شعبے میں ایسی خامیاں ہیں جن کا دور کیا جانا ہماری ترقی کے استحکام اور پائیداری کے لئے انتہائی ضروری ہے -

چنانچہ تعلیمی فروغ کی مساعی کو برزور اور سرعت انگیز بنانا ہمارا سب سے بڑا مقصد ہے تاکہ آندھرا پردیش میں بسنے والی انسانی برادری کو زیادہ سے زیادہ اور برتر افادیت کے فوائد ہمدست ہوں - ریاستی حکومت تحتانوی تعلیم کو عظیم ترین اہمیت دیتی ہے اس لئے کہ حکومت کی یہ دستوری ذمہ داری ہے کہ وہ سب کے لئے مفت اور لازمی تعلیم کی فراہمی کا اہتمام کرے - پچھلے برسوں میں تحتانوی مرحلہ پر داخلوں میں اضافے کے لئے متعدد اقدامات کئے گئے کیونکہ آبادی کے کمزور طبقات میں سے داخلہ لینے والوں کی تعداد کافی ہمت شکن رہتی تھی -

اپنی گوناگوں مساعی کی بدولت گذشتہ سال ہم اول تا پنجم جماعتوں میں ۹٫۰۰ لاکھ زائد بچوں کو داخل کرنے میں کامیاب رہے اور اسطرح ۶ تا ۱۱ سال کی عمر والے لڑکوں کے داخلہ کا فیصد ۸۴٫۴ اور لڑکیوں کا فیصد ۶۰٫۹ ہوگیا - ہمارا یہ کارنامہ کسی لحاظ سے بھی معمولی اہمیت کا نہیں کہلایا جاسکتا - درج فہرست اقوام - اور درج فہرست قبائل اور اقتصادی طور پر کمزور دوسرے طبقات سے تعلق رکھنے والے بچوں کو متعدد ترغیبات دی جارہی ہیں - جیسے کتابوں کی امداد - حاضری میں رعایت - تعلیمی وظائف اور یونیفارمس وغیرہ - دوپہر کے کھانے کی سربراہی کے پروگرام کو جاری رکھا گیا ہے - گذشتہ سال اس پروگرام پر ۴۷٫۶۳ لاکھ روپیے خرچ ہوئے اور اس سے ۶۰٫۳۵ لاکھ بچوں کو مستفید ہونیکا موقع ملا -

سماج کے کمزور طبقات کے بچوں کو اسکولوں میں شرکت کی ترغیب دلانے کی نیت سے سال ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران ماہی گیروں کے بچوں کی خاطر ہماری ریاست کے تین مراکز بنڈہ واعی پیٹھ ضلع سریکاکلم - ویڈا چیپری بلی ضلع وساکھا پٹنم اور چامائی پاڑ ضلع نیلور میں آشرم اسکول کھولے گئے - اس سال اضلاع کرشنا اور مشرقی گوداوری میں ایسے دو اور اسکول کھولے جائیں گے -

رہائشی مدارس

آئیے اب ہم ریاست میں ثانوی تعلیم کے انتظامات پر نظر ڈالیں آندھرا پردیش میں فی الوقت حکومت پنچایت راج اداروں - بلدیات اور خانگی اداروں کے زیر انتظام تقریباً ۳۵۰۰ ہائی اسکول قائم ہیں - سال رواں کے موازنے میں ثانوی تعلیم کے لئے ۴۳٫۶۷ کروڑ روپیے فراہم کئے گئے ہیں - ریاست میں (۱۲) " ادارہ جات تربیت اساتذہ " قائم ہیں جن میں اساتذہ کو درس و تدریس کی تربیت دی جاتی ہے - ریاست میں قائم رہائشی مدارس کی کارکردگی پر ایک نظر ڈالنے سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ اسطرح کے مدارس ایک روشن مستقبل کے حامل ہیں - سال ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران میں ٹاڈی کنڈہ - کوڈ گنا ہلی اور سرویل میں قائم تینوں رہائشی مدارس کے پورے کے پورے طلباء نے درجہ اول میں کامیابی حاصل کی - پوری ریاست میں درجہ اول سے کامیاب سر فہرست دس طلباء میں پہلے آٹھ طالب علم ٹاڈی کنڈہ رہائشی اسکول کے تھے جو واقعی ایک تابناک اور لائق افتخار کارنامہ ہے -

آندھرا پردیش میں یونیورسٹی تعلیم کی صورتحال بھی بڑی خوش کن اور ہمت افزاء ہے - یاد ہوگا کہ ہماری ریاست میں ۱۰ + ۲ + ۳ کی تعلیمی اسکیم کو ایک عرصہ قبل ۱۹۶۹ میں رائج کیا جاچکا ہے - اس لئے ہمارے یہاں انٹرمیڈیٹ کی تعلیم دینے والے ۳۰۵ جونیر کالج ہیں جن سے ۱۰۶ خانگی اداروں کے زیر انتظام ہیں - ریاست میں قائم ۲۳۷ ڈگری کالجوں میں سے ۵۲ سرکاری کالج ہیں - ان اعلی تعلیمی اداروں کو چلانے کے لئے جاریہ سال کے موازنہ میں ۷٫۶۹ کروڑ روپیوں کی گنجائش رکھی گئی ہے - یاد ہوگا کہ تعلیمی سال ۷۷-۱۹۷۶ سے ورنگل اور گنٹور میں قائم شدہ نئی یونیورسٹیوں نے اپنا کام شروع کردیا ہے اوراس طرح نئی نسل کے لئے کثیر تر مواقعات کے دروازے کھل گئے ہیں

اسکے علاوہ اننت پور کے پوسٹ گریجویٹ مرکز کو خود مختارانہ موقف دیدیا گیا ہے ۔ اس سال آندھرا یونیورسٹی کے علاقے میں دو مقامات سریکا کلم اور نزوید اور سری وینکٹیشورا یونیورسٹی کے علاقے میں دو مقامات کڑپہ اور کرنول میں پوسٹ گریجویٹ نصاب کے آغاز کا پروگرام ہے ۔ اس سلسلہ میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی جانب سے منظوری کا انتظار ہے ۔

ایک سنگ میل

یہاں اس امر کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے کہ " جامع تعلیمی بل " جسکا مقصد پورے تعلیمی نظم و نسق کو بہتر بنانا ہے۔ مارچ ۱۹۷٦ میں مقننہ میں پیش کیا گیا مقننہ نے اس بل کو غور و خوص کے لئے ایک جائینٹ سلکٹ کمیٹی کے حوالے کیا ۔ واضح رہے کہ جائینٹ سلکٹ کمیٹی نے اپنی فیصلہ کی رپورٹ ترمیم شدہ بل کے ساتھ مقننہ کو پیش کردی ہے۔ جب یہ بل ایک ایکٹ کی شکل اختیار کرلے گا تو اس کی حیثیت ریاست کی تعلیمی ترقی کے سلسلہ میں بلا شبہ ایک سنگ میل کی ہوگی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ نجی شعبہ میں تعلیمی نظم و نسق کی بہتری کے لئے اور تعلیمی معیار میں باقاعدگی پیدا کرنے کی خاطر مختلف تدابیر کی عمل آوری میں قانون سازی کا سہارا لیا جارہا ہے ۔

ہماری ریاست انپڑھوں کے ساتھ نئے ڈھنگ سے معاملت کرنے کی مہم کا آغاز کرچکی ہے اس لئے کہ بڑی تعداد میں مکتبی تعلیم سے محروم بچوں اور نوجوانوں کی موجودگی نے ایک خصوصی مسئلہ کی صورت اختیار کرلی ہے۔ چنانچہ دو اضلاع کرشنا اور کھمم میں سال ۱۹۷٥-۷٦ کے دوران غیر رسمی تعلیم کی اسکیم شروع کی گئی اس اسکیم کے تحت ٦ تا ۱۴ سال کی عمر کے بچوں کو اور ۱۰ تا ۲٥ سال کی عمر والے نوجوانوں کو متعلقہ علاقوں کے مدرسین جن کو اس مقصد کے تحت خصوصی تربیت اور ترغیبات دی جاتی ہیں ۔ غیر رسمی طریقہ سے تعلیم دیتے ہیں ۔ ۱۹۷٦-۷۷ میں اس پسندیدہ اسکیم کو ضلع کڑپہ میں رائج کیا گیا ۔ اس سال ضلع عادل آباد کے علاوہ دو مزید اضلاع کو اس اسکیم کے تحت لے آیا جائیگا ۔

جیسا کہ ہمارے وزیر تعلیم نے واضح کیا ہے تعلیم کا حقیقی اور اصل مقصد ہماری ابھرتی ہوئی نئی نسل میں انسانیت کی قدروں کو فروغ دینا ہے ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمارے تعلیمی نظام میں ایک بچے کی شخصیت کے ہمہ گیر فروغ اور اس میں اخلاق اور روحانی قدروں کی نشونما کے مواقع ہونے چاہئیں ۔ بلاشبہ ان مقاصد کو ہمارے اسکولوں کے تعلیمی نصاب کی نظرثانی کے وقت پیش نظر رکھا جائے گا ۔

* * * * *

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر : شری کے ۔ راجملو وزیر صحت نے ۱۰ ۔ جولائی **کو حیدرآباد میں** ۱۳ ویں ٹریڈیکل کانفرنس ، جڑی بوٹیوں کی **نمائیش کے ڑوقع** پر افتتاحی خطبہ پڑھا ۔

بائیں جانب درمیان میں : ڈاکٹر یم ۔ چناریڈی نے ۱۳ ۔ جولائی **کو آندھرا** پردیش شاپ ایمپلائیز پڈریشن کی ۲۰ ویں سالانہ کانفرنس کا افتتاح کیا ۔ شری جے ۔ چکراؤ وزیر زراعت نے تقریب کی صدارت کی ۔

بائیں جانب نیچے : شریمتی شاردا مکرجی گورنر آندھرا پردیش نے ۱۳ ۔ جولائی کو " کمپالتا ،، سوپر بازار سکندر آباد میں " سلف سرویس ڈپارٹمنٹ ،، کا افتتاح کیا ۔

نیچے : ڈاکٹر سی ۔ ایچ دیو آنند راؤ وزیر سیاحت نے ۵ ۔ جولائی کو رویندرابھارتی " سینی تھیٹر ،، میں اکیڈیمی آرٹ لائبریری **آف آندھرا** پردیش اکیڈیمی **آف** فوٹو گرافی ،، کا افتتاح کیا ۔

مقبول احمد سراج
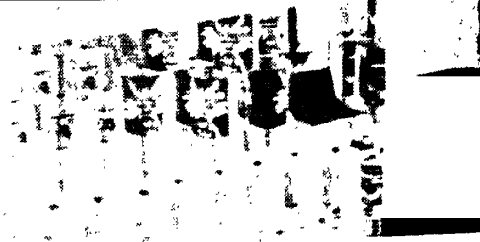
افزائش جنگلات

کیوں اور کیسے

جنگلات ملک کی دولت ہیں ۔ مگر یہ حقیقت ہندوستانی عوام کے لئے اب بھی ایک سوال ہی ہے ۔ کیا جنگلات سے مقبوضہ زمین ملک کی نا کافی زرعی پیداوار کے لئے مزید ایک ذریعہ نہیں ہوسکتی ؟ اکثر ذہن انہیں خطوط پر سونچتے ہیں ۔ لیکن ایسا سونچنا غلط ہے ۔ جنگلات ملک کی عظیم دولت ہیں ۔ جنگلات کی عدم موجودگی زر خیز زمینوں کو ریگستانوں میں تبدیل کرسکتی ہے ۔ جنگلات زمین کی نمی کو محفوظ رکھتے ہیں ۔ جنگلات زمین کو دریاؤں کے کٹاؤ (Erosion) سے روکتے ہیں ۔ جنگلات دنیا کے کمیاب جانوروں اور پرندوں کی افزائش نسل کے ضامن ہوتے ہیں ۔ جنگلات ملک کو ایندھن ، دوائیں ضرورت کی لکڑی اور بے شمار اشیاء فراہم کرتے ہیں ۔ کاغذ ، ماچس ، پلائی وود ، وغیرہ صنعتوں کا مکمل انحصار جنگلات پر ہی ہوتا ہے ۔ جنگلات آلودہ (Polluted) ماحول کی تطہیر کا کام بھی انجام دیتے ہیں ۔ جنگل کے درخت زمین میں دھنس کر کوئلے میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور مستقبل کے لئے ایندھن کا ذریعہ بن جاتے ہیں ۔ ان تمام وجود کی بناء پر افزائش جنگلات اور شجر کاری کو فروغ دینا لازم ہوتا جارہا ہے ۔

دنیا کے ماہرین ماحولیات (Ecologists) اس بات پر متفق ہیں کہ جنگلات کو ملک کے مجموعی رقبے کے تہائی حصے پر پھیلا ہونا ضروری ہے ورنہ ملک میں تشفی بخش بارشوں کا امکان بتدریج کم ہوتا چلاجائے گا ۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ملک کے زرعی منصوبوں کی کامیابی کا انحصار جنگلات کی موجودگی پر ہی ہے ۔ ایک طرف درخت فضاؤں میں بلند ہوکر بادلوں کو اکٹھا کرنے کا موجب بنتے ہیں تو دوسری جانب یہ زمین کے اندر اپنی جزوی جڑوں کو بکھیر کر اس کی نمی کی حفاظت کرتے ہیں ۔ درختوں کی پتیاں زمین پر گر کر ایک مفید غذائی خول (Vegetatative Cover) جڑھا دیتی ہیں انسانی اور حیوانی سانسوں سے نکلنے والے کاربن ڈائی آکسائڈ اور کارخانوں کی چمنیوں سے ابلنے والے دھوؤں سے فضاء کی تطہیر اور آکسیجن کی تلافی کا مستقل فریضہ بھی درخت ہی انجام دیتے رہتے ہیں ۔

ہندوستانی جنگلات -- ہندوستانی جنگلات کا مکمل رقبہ ۹۵۰۔ لاکھ مربع کیلو میٹر ہے جو ملک کے مجموعی رقبے کا ۲۲ فیصد ہے جبکہ تسلیم شدہ معیار ۳۳ فیصد ہے ۔ ہندوستانی جنگلات سے متعلق یہ پالیسی بھی طئے شدہ ہے کہ ۶۰ فیصد پہاڑی علاقہ اور ۲۰ فیصد میدانی علاقہ جنگل ہو ۔ مگر ہندوستان کی آبادی میں دھماکہ خیز اضافہ ہمارے جنگلات کی موجودہ مقدار کے لئے بھی خطرہ ہے ۔ بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے رہائشی سہولتیں اور زرعی زمینیں فراہم کرنا صرف جنگلات کے صفائے کے بعد ہی ممکن نظر آتا ہے ۔ پھر ہمارے ملک میں گھریلو ایندھن کے طور پر بجلی ، کوئلہ اور گیس مقبول عام نہیں ہوسکے ہیں اور اب بھی لکڑی ہی ایندھن کا خاص وسیلہ ہے جو جنگلات سے مہیا کی جاتی ہے ۔ اس طرح آزادی کے بعد ان دو بنیادی وجوہات نے ہمارے جنگلات کو سب سے زیادہ نقصان پہونچایا ہے اور اس مدت میں ہمارے جنگلات ۳۶ لاکھ ہکٹر رقبے سے صاف کردیئے گئے ۔ اب بھی شہروں کے گرد درختوں کی قطع و برد کالامتناہی سلسلہ برقرار ہے ۔ تیزی سے شہروں کی آباد کاری اور صنعت کاری کی وجہ سے ملک میں فضائی آلودگی کا مسئلہ خطرناک صورت حال اختیار کرتا جارہا ہے ۔ اگر افزائش جنگلات پر مناسب توجہ نہیں دی گئی تو ملک کا بڑا رقبہ ریگستان میں تبدیل ہوجائے گا ۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ راجستھان کا علاقہ کسی زمانے میں سر سبز و شاداب جنگل تھا ۔ مگر آبادی کے اضافے سے درختوں کا صفایا کیا ۔ زمین کی نمی ختم ہوئی ۔ غذائی مادوں کا جو خول پتوں کے گرنے سے چڑھتا تھا اس کا سلسلہ رک گیا ۔ عریاں زمین کو سورج کی تیز کرنوں نے ریگستان میں تبدیل کردیا ۔ سائنسدانوں نے خبردار کیا ہے کہ راجستھان کے اس ریگستان میں تیزی سے توسیع ہورہی

ہے اور اس سے دھلی اور آگرہ کے علاقوں کو بھی خطرہ ہے ۔ حکومت کی جانب سے اس کے تحفظ کے لئے سخت اور تیز تر اقدامات کی ضرورت ہے ۔

جنگلات کا تحفظ– درختوں کی اہمیت مذہبی کتب سے بھی عیاں ہے اور زرعی و اقتصادی ماہرین کی تحقیقاتی روئدادوں سے بھی ۔ درختوں کو ہمیشہ سے امن کی علامت سمجھا جاتا ہے چنانچہ اقوام متحدہ کا نشان بھی اسی تصور کا حامل ہے جس میں دنیا کو دو عدد زیتون کے پتوں کے حصار میں دکھلایا گیا ہے ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم نے درختوں کو بلا وجہ کاٹنے اور جنگلوں میں انکو نقصان پہونچانے کی ممانعت کی ہے ۔ سعودی عرب اور کویت میں اس پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے اور خلاف ورزی کرنے والوں کو بھاری تاوان دینا پڑتا ہے ۔ پوپ نے درخت کو کسی "رسم تاجپوشی کے لباس میں ملبوس شہزادے" سے قیمتی شئے بتایا ہے ۔ "۱۵ " پندرھویں صدی کے کشمیری صوفی شیخ نورالدین ولی نے ان الفاظ میں جنگلوں کی اہمیت جتائی ہے "ان بوتسانیلیا ، یلیا دانا بوتس" غذا کا انحصار جنگلوں پر ہے ۔

حکومت ہند نے جنگلات کے سلسلے میں جو پالیسی اپنائی ہے وہ تحفظ جنگلات (Forest Conservation) کی پالیسی ہے ۔ یہ اس وقت مناسب ہوتی جبکہ ہندوستانی جنگلات تسلیم شدہ معیار یعنی مجموعی رقبے کے ایک تہائی حصے پر محیط ہوتے ۔ اب جبکہ ہمارے جنگلات ۳۳ فیصد کے نشانے سے کہیں کم ہیں ہمیں بقا و تحفظ کے بجائے توسیع کی پالیسی اپنانی چاہئے ۔

اس سلسلے میں حکومتی سطح پر مزید ایک قدم شجر کاری (Tree Plantation) کی مہم ہوسکتی ہے ۔ جنگلات کے رقبے میں کمی کی تلافی کی ایک صورت شجرکاری ہی ہے ۔ اگرچہ جنگلوں سے جو منافع حاصل کئے جاسکتے ہیں وہ صرف درختوں سے نہیں ہوسکتے مگر پھر بھی شجر کاری سے ماحول سے متعلق تمام فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں ۔ مثلا جنگلوں سے جنگلی جانوروں کا تحفظ (Wildlife Protection) ہوسکتا ہے مگر سارے ملک میں پھیلے ہوئے درختوں سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا ۔ مگر فضا کی تطہیر ، پرندوں کا تحفظ، زمین کی نمی کی حفاظت صرف شجر کاری سے بھی ہوسکتی ہے۔

جنگلات کی افزائش کا ایک انوکھا طریقہ اسرائیل نے اختیار کیا ہے ۔ اسرائیل کی کابینہ میں جنگلات کا کوئی قلمدان نہیں مگر پھر بھی غالباً اسرائیل وہ واحد ملک ہے جہاں درختوں کا فی کس تناسب ۳۰ ہے ۔ اسرائیل کی آبادی ۳۰ لاکھ ہے جبکہ اس ملک میں درختوں کی تعداد ۱۱۰ ملین ہے ۔ اسرائیل کے یہ ۱۱ کروڑ درخت چھ سو جنگلات میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ ۱۹۴۸ء میں جبکہ فلسطین سر زمین پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کے بعد ریاست اسرائیل وجود میں آئی تھی اس وقت اس کا آدھا سے زائد رقبہ ریگستان تھا ۔ جیوش نیشنل فنڈ (JNF) نامی تنظیم نے ساری دنیا سے امدادی رقوم اکٹھا کیں اور اس ریگستان کو جنگلات کا سبز لباس پہنا دیا ۔ اسرائیل نے سمکونی نامی جنگل میں ۱۹۵۶ کی عرب اسرائیل جنگ میں ہلاک شدہ ہر اسرائیلی سپاہی کی یاد میں ایک ایک سائپرس (Cypress)کا درخت لگا رکھا ہے ۔ یعنی ہر مردے کی یاد میں زندگی کی ایک علامت ۔ درخت ۔ اس جنگل میں ۴۰۰۰۰ درخت ہیں ۔ اس کے علاوہ اسرائیل آنے والا ہر سیاح اپنی آمد کی نشانی کے طور پر اس ملک میں اپنی نام کی تختی کے ساتھ ایک درخت لگا جاتا ہے ۔ اس طرح صرف ۱۹۷۳ء میں ہی ۳۱۲۲۲ درخت لگائے گئے ۔ اسرائیل کے ان طریقوں کو اپنے ملک میں بھی اپنانا چاہئے ۔

کناڈا دنیا میں کاغذ کی پیداوار کا ایک بڑا مرکز مانا جاتا ہے ۔ اس کی وجہ اس ملک کے گھنے اور متمول ترین جنگلات ہیں جو ان کاغذ کی صنعتوں کے لئے مستقل طور پر خام مال فراہم کرتے ہیں ۔ کناڈا میں لکڑی کے حصول کے لئے کبھی بھی جنگلات کی اندھا دھند قطع و برید نہیں کی جاتی کناڈا کا محکمہ جنگلات روزانہ ملک میں اتنے ہی درخت لگوانے کا انتظام کرتا ہے جتنے کاٹے جاتے ہیں ۔ اس طرح کناڈا نے کاغذ کی پیداوار کو باقی رکھنے اور جنگلات سے ماحول کو پہونچنے والے فائدوں کے تحفظ کے لئے بہترین پالیسی اپنائی ہے ۔

نازی جرمنی کے ہٹلر نے ملک کے تمام اہم کار خانوں فوجی ساز و سامان کی فیکٹریوں اور گاڑیاں بنانے والی ملوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ وہ اپنے کار خانوں کے چاروں جانب گھنے جنگلات لگائیں ۔ اس سے جہاں کار خانوں کو دشمن کے بمبار طیاروں سے پوشیدہ رکھنا مقصود تھا وہیں صنعتی مراکز کے آلودہ ماحول کی تطہیر کا مقصد بھی کار فرما تھا ۔

موجودہ دور میں جبکہ انسانی آبادی بے قابو انداز سے بڑھ رہی ہے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ زمین کی ضرورت ہوتی جارہی ہے اس وقت جنگلات کی توسیع دشوار گزار مسئلہ ضرور ہے ۔ اس وقت شجر کاری کی مہم تیزی سے چلائی جاسکتی ہے ۔ رہائشی مکانات کے روبرو ، تمام سڑکوں اور قومی شاہراہوں کے دورویہ ، صنعتی مراکز کے چاروں جانب قبرستانوں کے

(باقی صفحہ ۲۰ پر)

شری جنے وینگل راؤ نے ۳ ۔ جولائی کو سہاویر ہرینا ونستھالی، حیدرآباد ، میں ۲۸ ویں ون مہوتسوا کا افتتاح کیا۔

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب درمیان میں :۔ چیف منسٹر نے ۱۴ ۔ جولائی کو سنتوس نگر حیدرآباد میں ، ہاؤزنگ کمپلکس کا افتتاح کیا ۔ شری پی ۔ دھرما ریڈی وزیر اسکنہ نے صدارت کی ۔

بائیں جانب نیچے :۔ چیف منسٹر نے ۳ ۔ جولائی کوحیدرآباد میں آندھرا پردیش تاڑی ٹیپرس اینڈ کوآپریٹیو سوسائٹیز فورم کے انعقاد کے موقع پر '' گوڑا سوونیر ،، کی رسم اجرا' انجام دی ۔ تصویر میں شری وی۔ پرشوتم ریڈی وزیرآبکاری بھی موجود ھیں ۔

دائیں جانب اوپر :۔ لیجسلیٹرس کلب حیدرآباد میں ۱۰ ۔ جولائی کو ڈاکٹر این ۔ سنجیوا ریڈی کو دئے جانے والے ایٹ ھوم کے موقع پر لی گئی ایک تصویر ۔

دائیں جانب نیچے:۔ شری پی ۔ رنگا ریڈی وزیر فینانس جو آئی ۔ ایس ۔ سی ۔وی۔ ایس ۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ کونسل کے پریسیڈنٹ ھیں ۷ ۔ جولائی کو آندھرا پردیش لیجسلیٹرس کلب حیدرآباد میں جنوبی افریقہ کے یوم آزادی کے موقع پر تقریر کررھے ھیں ۔
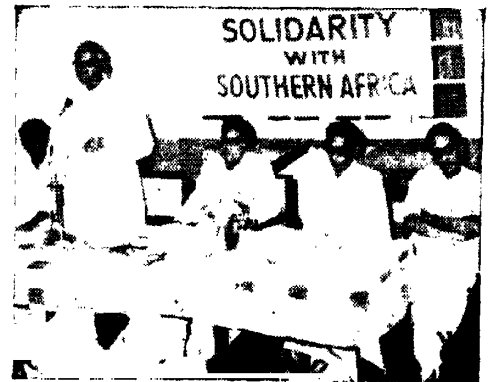
خبریں تصویروں میں

سریمتی شاردا مکرجی گورنر نے ۱۵ - جولائی کو موضع داوورو ضلع نلگنڈہ میں کمزور طبقات کو قرضے اور پٹے تقسیم کئے

شری پی - رنگا ریڈی وزیر فینانس نے حال ہی میں وجیانگرم میں '' شری وینکٹیشورا کلا کنیدرم '' کا سنگ بنیاد رکھا -

شری جے - وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۱۷ - جولائی کو وینو کنڈہ ضلع کنٹور میں سوشل ویلفیر ہاسٹل کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا -

نوید اقبال

زندگی ایک پہیلی

مصروف دنیا نے پیار اور محبت کا اس بے دردی سے گلا گھونٹا ہے کہ چیخ کے نکلتے نکلتے اس جذبہ نے وہ ہچکی لے لی جس کے ٹوٹتے ہی دل اپنی دھڑکنوں کو سمیٹ کر خاموش ہو جاتا ہے اور سانسیں راہ بھول جاتی ہیں ۔ اگر آج کوئی بھی شخص یہ جذبہ لئے زندہ ہے تو یقین ہے کہ وہ زندگی میں ناکام ہی مرجائے گا ۔ کیونکہ نہ تو اسے کوئی سمجھنے والا ساتھی ملے گا اور نہ ہی زندگی کی رفتار سے قدم ملانے والے لوگ اسکی جانب مڑ کر دیکھنا بھی گوارہ کریں گے ۔ بس کل ہی کی تو بات ہے میں نے ایسے ہی ایک نوجوان کی قبر پر مٹھی بھر مٹی پھینکی تھی ۔ جس نے پیار محبت کی روشنی کو ڈھونڈا تو تھا لیکن تھک جانے پر ناکامیوں ہی کو اپنے دامن میں سمیٹے قبر کی نذر ہوگیا ۔

عمر میں وہ مجھ سے بہت چھوٹا تھا لیکن میرا ساتھی تھا ، دوست تھا ، میرا یار تھا وہ اور میں ، اسے لاڈ سے دیوانہ پکارنا چاہتے ہوئے بھی صرف دیوان ہی کہہ کر رک جاتا تھا ۔ کچھ عجیب رنگ تھے اسکے عجیب ڈھنگ ، عجیب سوچ ، عجیب جذبات ، سب کچھ عجیب کچھ اس بری طرح ہارا ہوا جواری جیسے خود اپنی محفل سے نفرت سی ہوجاتی ہے اور محفل کو اس کے وہاں وجود سے سب کچھ اتنا عجیب سا کہ نہ ہی کسی نے اسے سمجھا تھا اور نہ اس نے ہی کسی کو ۔ زندگی میں ایک ہی خواہش تھی اسکی ، ایک ہی تمنا وہ یہ کہ وہ کسی کے پیار میں کھو جائے اور کوئی اسکے پیار میں ڈوبا رہے ۔ لیکن جس کسی کے پیار میں اس نے کھوجانے کی کوشش کی تھی وہاں سے اسے ایک ہی جواب ملا تھا ۔ " مجھے سمجھنے کی کوشش کرو " ۔ مجھے اب بھی یاد ہے پہلی بار ہم دونوں جب ایک دوسرے کے قریب ہوئے تھے تب میں نے بھی تو اس سے یہی کہا تھا کہ ۔ " مجھے سمجھنے کی کوشش کرو ۔ "

اس کی ایک بہن تھی اور کسی نے بھی اسے اپنی بہن سے کبھی الگ نہیں دیکھا تھا ۔ دونوں ایک ہی اسکول کو جاتے تھے اور نیند سے جاگ کر نیند کو پا لینے تک وہ دیدی ، دیدی کرتا ہوا اسکے اطراف پھر تا رہتا ۔ اسی کی تو موت تھی جب میں نے پاگلوں جیسے دیوان کو پہلی بار اپنے قریب کھینچا تھا اور یہ کہکر سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ دیدی کی موت کا دکھ کسی کو نہیں ۔ وہ ہستی ہی ایسی تھی ۔ خدا کی امانت تھی سو خدا نے واپس لے لی ۔ جس پر دیوان نے جھلا کر کہا تھا ۔ " بڑے گھرے دکھ کا اظہار کر رہے ہیں سب ایسے وقت بھی جھوٹ کیوں بولتے ہیں لوگ جتنا افسوس ہوا ہے اتنا ہی ظاہر کیوں نہیں کرتے ۔ "

اسکی یہ باتیں میرے کانوں سے ہوتی ہوئی ذہن سے ٹکرائیں اور سیدھی دل میں اتر گئیں ۔ میں نے اسے لپٹاتے ہوئے کہا ، " ٹھیک کہتے ہو تم لیکن ایسی باتیں لوگ تسلی دینے کیلئے کرتے ہیں کیونکہ انکی دانست میں ایسی ہمدردی اور تسلی سے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے ۔ غم بٹ جاتے ہیں ۔ " یہ سنتے ہی اس نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا تھا " دنیا میں ہر چیز بانٹی جاسکتی ہے یہاں تک کہ پیار بھی لیکن غم نہیں بٹ سکتے اب مجھے جھوٹی تسلیوں سے بہلانے کی کوشش نہ کرو یہ سب بکواس ہے ۔ مجھے تنہا چھوڑ دو اور بس ۔ تسلی حقیقت کو جھٹلانے کا دوسرا نام ہے اور میں یہ سب کچھ نہیں چاہتا " ، تب میں نے اس سے سمجھوتا کرتے ہوئے کہا تھا ۔ " مجھے معاف کردو لیکن ساتھ ہی مجھے سمجھنے کی کوشش کرو ۔

جب کبھی وہ خفا ہو جاتا یا زیادہ خوش ہوجاتا ۔ جو میں سمجھتا ہوں اس کے ساتھ بہت کم ہوتا ۔ یا پھر بحث کرنے لگتا ۔ جو وہ اکثر کیا کرتا تو وہ انگریزی ہی زیادہ بولنے لگتا ۔ اس کی اور بھی کچھ خاص عادتیں نہیں وہ نہ تو جھوٹ بولتا اور نہ جھوٹ کو برداشت کرسکتا ۔ وہ حرکت جس کے لئے اس نے کسی دوسرے کو ٹوکا ہو خود کبھی نہ کرتا وہ لوگوں سے بہت کم ملتا اور اگر ملتا بھی تو بہت کھینچا کھینچا سا ۔ لیکن جس کسی کا ہوجاتا تو بس اسی کا ہو کے رہ جاتا ۔ ہر بات وہ بڑی ناپ تول کر کرتا اور کوئی بھی بات اسکی سمجھ میں نہ آتی تو بڑے ، چھوٹے نئے پرانے سب ہی سے بحث کر بیٹھتا ۔ کوئی بات بھی اسے بری لگی تو اظہار منہ پر ہی کردیتا ۔ اور شاید اسی لئے لوگ اسے نا پسند کرتے ۔

اپنی دیدی کو کھودینے کے بعد دیوان اپنے ممی ڈیڈی میں کھو سا گیا تھا اور ممی ، ڈیڈی بھی اسے اپنے سے چمٹائے رکھتے تھے ۔

سورج سے چاند اور چاند سے سورج تک جو سفر لمحات رات اور دن طے کرتے ھیں ان کا حساب دیوار پر بدلتے ھوئے کیلنڈر اور کیلنڈر سے پھٹتے ھوئے پنے ھی تو کرتے ھیں اور ان ھی کیلنڈروں کے کھاتے نے کہا تھا کہ دیدی کو گزرے کوئی چار برس ھوچکے ان چار برسوں کے دوران جب کبھی ممی اور ڈیڈی میں جھڑپ ھوجاتی تو دیوان خود کو بہت بے بس اور اکیلا محسوس کرتا اور کبھی جب اس کے خلاف وہ کچھ کہتا تو اسے وھی ایک جواب ملتا کہ بیٹے میاں اور بیوی میں ایسا تو ھوتا ھی ھے ۔ تم بڑے ھوگئے ھو ۔ سمجھنے کی کوشش کرو ۔

دیدی کی چوتھی برسی کے کچھ مہینے بعد ھی موت کی بھوک نے دیوان کے ڈیڈی کو اپنا نوالہ بنالیا ۔ اور دیوان سہم کر اپنی ممی سے چمٹ گیا ۔ دیوان کی بے سہارا ممی نے دوسری شادی کرلی ۔ شائد اسی لئے کہ دیوان کے مستقبل اور زندہ رھنے کیلئے سہارا ضروری تھا لیکن پھر ایک بار دیوان کو جو اپنی ممی کے پیار میں کھو جانا چاھتا تھا اسکی ممی سے وھی جواب ملا کہ بیٹے مجھے سمجھنے کی کوشش کرو ۔ کسی نے بھی دیوان کو سمجھنے کی کوشش ھی نہیں کی لیکن اس سے سبھوں نے یہی خواھش کی کہ وہ انکو سمجھے ۔ میں نے بھی تو اس سے ھماری پہلی قریبی ملاقات میں ایسی ھی خواھش کی تھی نہیں میں نے دل ھی دل میں فیصلہ کر لیا کہ میں زندگی میں پھر کبھی ایسی غلطی نہیں کرونگا ۔

ان حادثوں کے بعد دیوان نے ایک بار خود کشی کا ذکر کیا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ دیوان ایسا نہیں کرے گا کیونکہ میں جانتا ھوں وہ لوگ جو ھر لمحہ مرتے ھیں کبھی خود کشی نہیں کرتے اور اگر وہ ایسا کرتا بھی تو شائد موت بھی اس سے یہی جملہ دھرا کر بچ نکلتی ۔

دیوان کی زندگی نے ایک بہت خوبصورت موڑ لیا جو اس کے لئے ضروری تھا ایک بہت بڑے صنعت کار کی بیٹی نے ، جو خود اپنے ڈیڈی کی بزنس پارٹنر تھی ، دیوان کا ھاتھ تھام لیا نفیس اسکا نام تھا اور وہ شہر سے کوئی پچیس ، تیس میل دور ایک صنعتی کالونی میں رھتی تھی جب کبھی دیوان کو اپنی نفو کی یاد آتی تو وہ دو چار روز کیلئے اسکے یہاں چلا جاتا اور جب کبھی بزنس کے سلسلے میں نفو شہر آتی تو کام کے بعد اپنا سارا وقت دیوان کی نذر کردیتی اس طرح آتے جاتے دونوں نے کوئی پانچ سال کاٹ دئے تھے ۔ نفو بزنس میں اپنے ڈیڈی کا دایاں ھاتھ تھی اسی لئے وہ دن بھر بہت مصروف رھتی مجھے اس بات کا اندازہ اس روز ھوا جب میں ایک بار نفو کے گھر دیوان کے ساتھ گیا تھا اس روز دیوان کی سالگرہ تھی اور ھم دونوں نفو کے گھر صبح کوئی چھ بجے ھی جا پہنچے تھے نفو اسوقت کام پر نکلنے ھی والی تھی نفو کے لوٹنے تک گھڑی نے اپنے ھاتھ نیچے اور اوپر پھیلادیتے تھے اور چند ھی لمحوں بعد میں نے چھ گھنٹے بھی سنے نفو اور اسکے گھر والوں نے دیوان کی سالگرہ بڑی دھوم دھام سے منائی تھی اور بڑے قیمتی تحفے بھی وصول ھوئے تھے لیکن دیوان کو دھوم دھام اور قیمتی تحفے نہیں بلکہ نفو کا وقت چاھئے تھا ۔

دیوان اداس تھا اور اسکی خشک آنکھیں اسکی ترجمانی کر رھی تھیں ۔ میں نے دیوان کی آنکھوں میں آنسو کبھی نہیں دیکھے تھے لیکن جب کبھی بھی وہ گلو گیر ھوجاتا تو اسکی آنکھیں بہت ویران سی ھوجاتیں ۔ نفو نے دیوان کی خاموشی کا مطلب بھانپ لیا تھا وہ دیوان کو لیکر واک کو نکل گئی اور پندرہ بیس منٹ بعد جب دونوں لوٹے تو دونوں کچھ خاموش اور کھوئے کھوئے سے تھے ۔ شاید ان پندرہ منٹوں کے دوران دونوں نے ایک دوسرے سے یہی کہا ھوگا کہ ۔ جان مجھے سمجھنے کی کوشش کرو ۔

میں جانتا ھوں کہ نفیس دیوان کو اتنا ھی چاھتی تھی جتنا کہ دیوان اپنی نفو کو ۔ لیکن پھر وھی ایک دوسرے کو سمجھنے کا سوال ۔

دیوان چاھتا تھا کہ نفو اپنا سارا وقت اپنی ساری محبت اور اپنا سب کچھ صرف اسی کیلئے مختص کردے ۔ نفو بھی شاید یہی چاھتی تھی لیکن اسمیں اسوقت تک انتظار کرنے کی ھمت تھی جس روز دونوں ایک ھوں گے اور دیوان نے اپنی دوسری ساری چیزوں کے ساتھ ساتھ یہ ھمت بھی کھودی تھی ۔ یہ بات صحیح تھی کہ شادی سے پہلے دیوان کا یہ مطالبہ واجب نہ تھا لیکن میں جانتا تھا کہ جب کبھی بھی دیوان اکیلے پن سے گھبرا جاتا تو دوڑا دوڑا نفو کے یہاں چلا جاتا اور جب وھاں سے بھی وہ مایوس ھوجاتا تو لوٹ کر اپنی تنہائیوں سے لپٹ جاتا ۔

کل اسکی تنہائیوں نے بھی اسے ایک لیبارٹری کے حادثہ میں کھودیا جہاں وہ اسسٹنٹ سائینٹسٹ کی ٹریننگ پا رھا تھا ۔

دیوان کو زخمی حالت میں دیکھکر میں ڈر سا گیا تھا کیونکہ مجھے یاد تھا کہ دیوان نے جس کسی سے محبت کی تھی اسنے جواب میں دیوان سے یہی کہا تھا کہ " دیوان مجھے

سمجھنے کی کوشش کرو ،، ۔ اور اب دیوان زندگی کو چاھنے لگا تھا لیکن آج زندگی بھی وھی دھرا رھی تھی ۔ میں نے پھر وھی الفاظ سنے ۔ اب یہ آواز کس کی تھی ؟

کون بچ گیا تھا جسے دیوان کو سمجھنا یا سمجھانا باقی تھا ۔ لیکن اس بار یہ آواز زندگی کی تھی جسے دیوان اپنانا چاھتا تھا اور وہ اس سے دامن جھڑانا چاھتی تھی ۔

’’ میں زندہ رھنا چاھتا ھوں اپنے پیار ، اپنی نفو کے لئے ۔ ھمیں تو ابھی ایک دوسرے کو سمجھنا باقی ھے ۔،،

میں نے آخری بار دیوان کی آواز انہیں الفاظ میں سنی تھی اور کل اسکی یہ آواز بھی اسی ھچکی پر جا رکی جس کے ٹوٹتے ھی دل اپنی دھڑکنوں کو سمیٹ کر خاموش ھو جاتا ھے اور سانسیں راہ بھول جاتی ھیں ۔

* * * * *

مہدی پرتاب گڑھی

اے وطن ، میرے وطن ، میرے وطن

دلربا ھے وادئی گنگ و جمن
جانفزا کشمیر کا ھے بانکپن
دل میں گھر کرلے ھمالہ کی پھبن
روح پرور ھے بہت ارض دکن

اے وطن ، میرے وطن ، میرے وطن

اس قدر ھے حسن پر تیرے نکھار
سو بہاریں کیجئے اس پر نثار
رشک صد انجم تری ھر رھگزار
تو ھے فطرت کا انوکھا شاھکار

اے وطن ، میرے وطن ، میرے وطن

تو کہ ھے گہوارۂ علم و ھنر —
بزم تیری مرکز فکر و نظر
ذرہ ذرہ روح کش شمس و قمر
قطرہ قطرہ میں نہاں صدھا گہر

اے وطن ، میرے وطن ، میرے وطن

غاصبوں نے تیرے ارض پاک پر
جاری رکھا تھا بہائم کا سفر
مفسدوں کی تجھ پہ رھتی تھی نظر
تھی اذیت ناک ھر شام و سحر

اے وطن ، میرے وطن ، میرے وطن

ذھن و دل پر تھا بدیشی راج بار
مطمئن بیٹھے نہ تیرے جاں نثار
گو تھے ھر لمحہ اذیت کے شکار
پھر بھی آزادی کے تھے امیدوار

اے وطن ، میرے وطن ، میرے وطن

خون شہدا رنگ لایا ایک دن
سامراجی عزم ٹوٹا ایک دن
انقلاب اس طرح ابھرا ایک دن
طوق محکومی کا نکلا ایک دن

اے وطن ، میرے وطن ، میرے وطن

فیض فصل گل ھوا پھر بے حساب
ھر طرف کھلنے لگے حکمت کے باب
ذھن و دانش سے ھوئے یوں فیض یاب
کھل گئے تعمیر کے صدھا گلاب

اے وطن ، میرے وطن ، میرے وطن

اور ھو مضبوط جمہوری نظام
تو ترقی کی طرف ھو تیز گام
ھو زمانے میں تیرا اونچا مقام
پھولتے پھلتے رھیں تیرے عوام

اے وطن ، میرے وطن ، میرے وطن

* * * *

شری پی - رنگا ریڈی وزیر فینانس نے حال ہی میں وجیانگرم میں درج فہرست اقوام کی لڑکیوں کے لئے ہاسٹل کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا -

شری بوشم سری راما موری وزیر بہبودی قبائل اور ہریجن بھی تصویر میں ہیں -

مسز ڈی رام کرشنیا کلکٹر چتور نے ۱- مئی کو ضمیر النساء بیگم زوجہ عبد الستار کو کارپوریشن بینک کی جانب سے سنہ۷۶ء میں شروع کردہ کیش سرٹیفکیٹ اسکیم کا پہلا انعام ایک لاکھ روپیے کا کیش سرٹیفکیٹ عطا کیا -

خبریں تصویروں میں

شری رتنا نرم راگھوراؤ نے حال ہی میں کلاہستی میں ۴۰ مکانات پر مشتمل کالونی مہاتما نگر کا افتتاح کیا جس کی تعمیر موضع میں شرمدان کے ذریعہ عمل میں آئی ہے -

شری جے - رام داس کلکٹر ۲۰ - جولائی کو علاقائی روٹری کلب کی جانب سے کسوا راما پلی میں موضع کے متاثرین آتشزدگی کی امداد میں پیش کردہ ظروف مالیتی ۱۵۰۰ روپیہ قبول کررہے ہیں -

نجم النساء

جنگ آزادی کے سورما

مولانا عبید اللہ سندھی

ترقی اردو بورڈ کی جانب سے طبع کی گئی کتاب " شیہدان آزادی ،، کے تعارف میں وائی ۔ بی ۔ چاوان سابق وزیر خزانہ نے لکھا ہے کہ "مجاھدین آزادی کا لفظ سنتے ہی ہمارا ذہن ان لاکھوں انسانوں کی قربانیوں اور ان کے عظیم کارناموں کی طرف منتقل ھوجاتا ہے جن میں بہت سے لوگوں نے قوم کی سربلندی اور اس کے روشن مستقبل کی راھوں میں اپنی جانیں قربان کردیں ۔ ،، روشن مستقبل کی راھوں میں اپنی جان قربان کرنے والی عظیم ہستیوں میں سے ایک ناقابل فراموش ہستی مولانا عبید اللہ سندھی کی ہے ہندوستان کی آزادی کی تاریخ جب بھی لکھی جائیگی مولانا عبید اللہ سندھی کا نام نامی نمایاں رہیگا ۔

۱۰ ۔ مارچ سنہ ۱۸۷۱ ء کا دن میانوالی (پنجاب) کا علاقہ کبھی فراموش نہیں کرسکیگا کیونکہ اس کو ایک ایسا سپوت پیدا ہوا جس نے ہندوستان کی تاریخ میں انمٹ نقش چھوڑا ۔ مولانا کے والد سنار گری اور ساھوکاری کرتے تھے ۔ مولانا کے پیدا ہونے کے صرف چار ماہ بعد والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ دادا نے اس ہونہار بروا کی دوسال تک پرورش کی ۔ اسکے بعد وہ بھی داغ مفارقت دے گئے ۔ دادا کے انتقال کے بعد مولانا اپنی والدہ کے ساتھ ننیہال آگئے ۔ یہاں سے ان کی ماں اپنے بھائی کے ساتھ جے پور (ضلع ڈیرہ غازی خان) چلی گئیں ۔ یہیں مولانا کی ابتدائی تعلیم ہوئی ۔ ۱۶ سال کی عمر میں مولانا سندھ چلے گئے ۔ سندھ میں مولانا نے اسلامی فلسفے کا مطالعہ شروع کیا ۔ کیونکہ ان کا میلان ادھر ہی تھا ۔ اس کے بعد سکھر اسلامیہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر محمد عظیم خان یوسف زئی کی لڑکی سے ان کی شادی ہوگئی ۔ مولانا نے شادی کے بعد یہیں رہنے کا فیصلہ کرلیا اور اپنی ماں کو اطلاع دی اور خواہش ظاہر کی کہ وہ بھی ساتھ رہیں ۔ ماں جو ان کی جدائی سے بد حال ہورہی تھیں یہ اطلاع ملتے ہی سکھر پہنچ گئیں ۔ میں آپ کو یہ بتانا بھول گئی کہ مولانا ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے تھے ۔ اور سنہ ۱۸۸۷ ء میں اپنے ایک آریہ ساجی دوست کے تحفہ میں دی گئی کتاب "تحفۃالہند ،، کے مطالعہ کر کے مولانا نے اسلام قبول کرلیا تھا ۔ لیکن ان کی والدہ ہنوز اپنے پرانے مذھب پر قائم تھیں ۔ اور مولانا نے کبھی اپنی ماں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا حالانکہ وہ ان ہی کے آسرے پر جی رہی تھیں ۔ اس مذھبی اختلاف کے باوجود ماں اور بیٹا ساتھ ہی رہتے تھے ۔ اور گھر ۔۔۔۔ گھر ہندو مسلم اتحاد کی ایک جیتی جاگتی تصویر بنا ہوا تھا ۔

قیام سندھ کے دوران مولانا کو کچھ ایسی کتابیں ملیں جو ولی اللہی جماعت کے دوسرے امام شاہ عبد العزیز کے بھتیجے شاہ اسمعیل کی لکھی ہوئی تھیں ۔ مطالعہ کے دوران مولانا عبید اللہ سندھی کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ ایک دن آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی جماعت ولی اللہی کے ایسے کارکن بن جائینگے ۔ جس کے بغیر اس جماعت کا تذکرہ ادھورا رہ جائیگا ۔ اسی دوران سندھ میں کچھ ایسے لوگوں سے بھی ان کی ملاقات ہوئی جو ولی اللہی جماعت سے تعلق رکھنے والے تھے اور ہندوستان کو برٹش حکومت کے چنگل سے آزاد کروانا چاہتے تھے ۔ مولانا نے بھی ان کے ساتھ کام کرنا شروع کردیا ۔ لیکن عرصہ تک مولانا پر یہ بات ظاہر نہیں ہوسکی کہ اس تحریک کے کرتا دھرتا کون ہیں ۔ اور ان کا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے ۔ اس جماعت سے تعلق رکھنے والوں کو جب یقین ہوگیا کہ مولانا اس آگ کے دریا کو ڈوب کر پار کرسکتے ہیں ۔ تو انہیں بتادیا گیا کہ اس تحریک کی باگ ڈور دیوبند کے مدرسے کے ہیڈ ماسٹر مولانا محمود الحسن صاحب کے ہاتھ میں ہے ۔ یہ معلوم ہونے کی دیر تھی کہ مولانا دیو بند گئے اور مولانا محمودالحسن صاحب سے ملاقات کی اور ان کے آگے زانوئے ادب طے کیا اور سبق لینا شروع کیا ۔ کچھ عرصہ بعد مولانا محمود الحسن صاحب کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئیگی تو انہوں نے مولانا عبید اللہ کو اپنی خفیہ ہونے والی میٹینگوں میں شریک ہونے کی اجازت دے دی ۔

مولانا محمود الحسن چاہتے تھے کہ نہ صرف مدرسہ دیوبند میں پڑھنے والے طالب علموں میں بلکہ سارے ہندوستانی طالب علموں میں اس بات کی تشہیر ہونی چاہئے کہ وہ سچے دل سے ملک کے وفادار بنے رہے اور اپنے دیش کے لئے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دینے سے گریز نہ کریں ۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ تھا کہ ہندوستانیوں میں ایک لازوال اتحاد پیدا ہوتا اور

دوسرا فائدہ یہ تھا کہ انہیں بڑی تعداد میں رضا کار بھی مل سکتے تھے ۔ ان کی ایما پر مولانا عبید اللہ سندھی نے اس مقصد کے لئے مدرسہ دیو بند کے طالب علموں میں ایک جماعت بنائی اور اس کا نام " جمعیت الانصار ،، رکھا اور وہ خود اس کے جنرل سکریٹری بنے ۔ ایک طرف تو ایسے بھی لوگ تھے ۔ جو ملک پر جان و تن فدا کرنا اولین فرض سمجھتے تھے ۔ اور برٹش حکومت کی مخالفت مول لینا فخر سمجھتے تھے ۔ تو دوسری طرف ایسے بھی بزدل موجود تھے ۔ جنہیں برٹش حکومت کی مخالفت کا نام سنتے ہی بخار چڑھ آتا تھا ۔کچھ ایسے بھی لوگ اس زمانہ میں مدرسہ دیو بند میں گھس گئے تھے ۔ اور ایسے ہی ضمیر فروش ، بےایمان لوگوں کو عبید اللہ سندھی کا مدرسہ دیوبند میں رکھنا کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا ۔ چنانچہ ان ضمیر فروشوں نے مولانا عبید اللہ سندھی پر طرح طرح کے الزام تراشنا شروع کیا ۔ مولانا ایسے ۔ اوچھے اور کم ظرف لوگوں کی پرواہ نہ کرتے لیکن بدنصیبی دیکھئے کہ ان لوگوں میں کچھ ایسے بھی شامل تھے ۔جن کی مولانا بڑی عزت کرتے تھے ۔ چانچہ مولانا عبید اللہ جیسے محب وطن اور حساس انسان کا ان الزامات سے متاثر ہونا اور دلی تکلیف میں مبتلا ہونا ضروری تھا ۔ مولانا عبید اللہ کا دل دیو بند کے مدرسہ سے ادبنے لگا اور وہ واپس سندھ چلے جانے کے متعلق سوچنے لگے ۔ لیکن مولانا محمود الحسن جیسے نکتہ رس اور جوہری کی نظر سے مولانا عبید اللہ کی غیر معمولی سچائی اور دماغی صلاحیت کب پوشیدہ رہی تھی اور وہ کیسے برداشت کرلیتے کہ ایسا سچا دیش بھگت انہیں چھوڑ کر چلا جائے اس لئے انہوں نے مولانا کو سمجھا بجھا کر دھلی بھیج دیا۔ دھلی پہنچکر مولانا نے "ندوۃ المعارف ،، مدرسہ کی بنیاد ڈالی ۔ اس مدرسہ کی ضروری کارروائی کے سلسلے میں مولانا محمود الحسن خود دھلی آئے اور حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ جیسے مقتدر اورخاص خاص دوستوں سے مولانا عبید اللہ کو متعارف کرایا اور ان لوگوں سے یہ وعدہ لیا کہ وقت ضرورت مدرسہ کی مدد کرینگے ۔ اسکے بعد مدرسہ کے کاموں کے سلسلہ میں وہ برابر دھلی آتے رہے ۔ مدرسہ چلاتے ہوئے مولانا عبید اللہ نے ایک انقلابی جماعت بھی تیار کرلی تھی ۔ اس جماعت کا مقصد یہ تھا کہ ہتھیاروں کے ذریعہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باھر کرنا ۔ یہ کوئی سنہ ۱۹۱۳ع کی بات ہے جبکہ مولانا کی عمر اس وقت ۴۲ سال تھی۔ اسی طرح دوسری اور جماعتیں بنگال اور پنجاب اور دوسرے شہروں میں بھی بن چکی تھیں ۔ ایسی انقلابی جماعتوں سے بھی مولانا عبید اللہ نے اپنا تعلق قائم کرلیا جس کا ذکر ہندوستان کے مشہور انقلابی شچیندر ناتھ سانیال نے اپنی کتاب " بندی جیون ،، میں کہا ہے ۔

اسکے کچھ ہی دن بعد یورپ میں لڑائی کے نقارے بجنے لگے ان نقاروں کی آواز سے فائدہ اٹھانے کے لئے محمود الحسن صاحب نے مولانا عبید اللہ کو کابل جانے کا مشورہ دیا لیکن ان پر یہ ظاھر نہیں کیا کہ کس مقصد اور کام سے وہ انہیں کابل بھیج رہے ھیں ۔ وہ چاھتے تھے کہ وھاں کے حالات اور موقع سے وہ خود اپنا پروگرام ترتیب دیں ۔ یہی وجہ تھی کہ ایکدن مولانا محمود الحسن صاحب نے کہا " عبید اللہ کابل جاؤ ،، تو عبید اللہ صاحب نے حیرانی سے دریافت کیا ۔ کس لئے ۔ مولانا محمود الحسن اس وقت تو خاموش ھوگئے لیکن دوسرے دن پھر کہا ۔ اسی طرح دوتین مرتبہ کہا اور مولانا عبید اللہ سندھی کے کیوں نے انہیں کسی قدر کبیدہ خاطر کردیا ۔ مولانا بھی تاڑ گئے۔ کہ مولانا محمود الحسن کی خوشی کابل جانے ہی میں ھے۔ چنانچہ انہوں نے حکم کی تعمیل میں کابل جانا مناسب سمجھا اور تیاریوں میں لگ گئے مزہ دیکھیئے کہ حکم کی تعمیل تو کرنا چاھتے تھے لیکن پیسے اتنے نہیں تھے کہ اپنے ھی ملک کے کسی دوسرے شہر جاسکیں ۔ مولانا عبید اللہ سندھی کو یہ گوارہ نہ ھوا کہ حکم کی تعمیل کیلئے مولانا محمود الحسن سے ھی مدد طلب کریں ۔ اس کے لئے ان کے ایک شاگرد اور اچاریہ کرپلانی کے بڑے بھائی سے رجوع ھوئے انہوں نے اپنی بیوی کے زیور بیچ کر اس سفر کا خرچ مہیا کیا ۔ مولانا عبید اللہ سندھی اپنے تین ساتھیوں کے ساتھ آگسٹ ۱۹۱۵ع کو ھندوستان کی سرحد پار کر کے کابل کیلئے روانہ ھوگئے ۔اور ۱۰ ۔ اکتوبر کو کابل میں داخل ھوئے ۔ تہی دست مولانا سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے ایک پرانے دیش میں پہنچ گئے اور جیب کی حالت پر غور کیا تو اس میں ایک پونڈ پڑے ان کا منہ چڑا رہے تھے ۔ چنانچہ وہ اپنی ڈایری میں لکھتے ھیں ۔

سنہ ۱۹۱۵ع کو میں شیخ الہند (یعنی مولانا محمود الحسن کے حکم سے کابل گیا ۔ مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا تھا اس لئے میری طبیعت اس ھجرت کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن تعمیل حکم کے لئے جانا ضروری تھا ۔ خدا نے اپنے فضل سے نکلنے کا راستہ صاف کردیا اور میں افغانستان پہنچ گیا ۔دلی کی سیاسی جماعت کو جب میں نے یہ بتایا کہ میرا کابل جانا طئے ھوچکا ھے ۔ تو اس نے بھی اپنا نمائندہ مجھے بنا دیا لیکن کوئی معقول پروگرام وہ بھی مجھے نہیں بتاسکے ۔

نہ صرف راستے میں بلکہ کابل میں بھی ان کو بڑی بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں ۔ ابتداً میں تو حکومت کابل نے مولانا کو قید تک کردیا تھا۔ ان سے اور بھی کئی ھندوستانی قید تھے جو اسی مقصد سے کابل آئے تھے ۔کچھ عرصہ بعد راجہ مہندر پرتاب کی کوشش سے مولانا اور دوسرے ھندوستانیوں کو رھائی ملی۔ مولانا عبید اللہ سندھی رھا ھونے کے بعد جنرل نادر خان سے ملے ۔ نادر خان نے مولانا سندھی سے ھر طرح کی امداد کا وعدہ کیا ۔ اس کے بعد کابل میں ایک عارضی آزاد ھندسرکار کی بنا ڈالی گئی اور مولانا سندھی کو اس کا ھوم ممبر بنایا گیا ۔ نہ صرف یہ بلکہ کابل کی

وہ فوج جو ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑنے والی تھی۔ اس کا بھی مولانا سندھی کو جنرل بنایا گیا ۔ کابل میں ہونے والی ان تمام سر گرمیوں سے مولانا محمود الحسن لاعلم تھے ۔ اسلئے انہیں ان تمام باتوں سے مطلع کرنا مولانا سندھی نے اپنا اولین فرض سمجھا۔ اس مقصد کے لئے مولانا سندھی نے ایک ریشمی کپڑے پر خط لکھوا کر (کڑھوایا) اور ساتھ ھی لڑائی کا نقشہ بھی اس میں کھنچوایا جو بظاھر بیل بوٹے معلوم ہوتے تھے ۔ اس خط کو عبد الحق نامی ایک طالب علم کے ذریعہ شیخ عبدالرحیم تک پہنچانے کا انتظام کیا۔ تا کہ شیخ عبد الرحیم ، مولانا محمودالحسن تک پہنچا دیں ۔ لیکن عبد الحق نے غداری کی اور یہ اھم ترین خط غداروں کے سردار حق نواز خان کے حوالے کردیا اور حق نواز نے یہ خط سرمائیکل کو دیدیا ۔ اس طرح گورے اس سازش سے واقف ہوگئے ۔ شیخ عبدالرحیم کو بھنک پڑتے ھی فرار ہوگئے اس لئے گوروں نے سارا غصہ نکالا مولانا محمود الحسن پر چنانچہ انہیں مکہ معظمہ میں گرفتار کرلیا گیا ۔ چونکہ افغان حکومت پر گوروں کا بس نہیں چلتا تھا ۔ اس لئے اس سے درخواست کی کہ مولانا عبید اللہ سندھی اور دوسرے ہندوستانیوں کو ان کے حوالے کردیں ۔ کابل کے امیر ، حبیب اللہ خان جیسے انگریزوں کے خیرخواہ لوگوں کے لئے سر تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ کیا تھا ۔ لیکن امیر کے چھوٹے بھائی نصرت اللہ خان اور بیٹے امان اللہ خان جیسے محب وطن اور انگریز دشمن حضرات نے مولانا عبیداللہ سندھی کو انگریز حکومت کے حوالے کرنے سے باز رکھا اور مصلحت کے پیش نظر انہیں کابل جیل میں ڈال دیا ۔

انگریز نواز امیر حبیب اللہ خان کو ان کی انگریز نوازی کی وجہ سے ۱۹ فبروری سنہ ۱۹۱۹ع کو قتل کردیا گیا ۔ اور ان کے بیٹے امان اللہ خان کو کابل کا سردار چن لیا گیا ۔ امان اللہ خان نے اقتدار سنبھالتے ھی مولانا اور دوسرے تمام ہندوستانیوں کو رھا کردیا ۔ نہ صرف رھا کردیا بلکہ انہیں مشیر حکومت کا عہدہ عطا کیا ۔

یورپ میں جنگ تو ختم ہوگئی لیکن اس جنگ نے انگریزوں کو جیت کے ساتھ کمزور بھی کردیا تھا ۔ ہندوستان میں رولٹ بل کے خلاف ستیہ گرہ جاری تھا ۔ اور ادھر انگریز پنجاب پر مارشل لا کے بل پر حکومت کررہے تھے ۔ مولانا عبید اللہ نے محسوس کیا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھانا سود مند رھیگا اسلئے حکومت کابل کو مشورہ دیا کہ اگر وہ حملہ کردے تو نہ صرف حکومت کابل انگریزوں کے چنگل سے آزاد ہوگی بلکہ ہندوستان کو بھی چھٹکارہ مل جائیگا ۔ امان اللہ خان نے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے ۹ ۔ مئی سنہ ۱۹۱۹ع کو انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کردیا ۔ اس اعلان کے ہوتے ھی سرحد کے آزاد قبیلے مولانا عبید اللہ کے ساتھی حاجی ترنگ زئی کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ۔ یہ جنگ ڈھائی مہینے (۹ ۔ مئی سے ۲۲ جولائی) تک چلتی رھی ۔ انگریزوں کو افغان حکومت کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑھے چنانچہ انگریزوں نے افغانوں سے صلح بھی کرلی اور ان کی مکمل آزادی منظور کرنی پڑی ۔ لیکن انگریزوں نے افغان حکومت کو اس بات پر راضی کر لیا کہ مولانا عبیداللہ سندھی کو حکومت افغان کوئی سیاسی کام نہ دیگی ۔ مولانا اس بات سے بددل ہو کر کابل سے نکل کھڑے ہوئے ۔ مولانا عبید اللہ نے پہلے ھی کابل میں کانگریس کی ایک شاخ قائم کرلی جس کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے بھی منظور کرلیا تھا ۔ چنانچہ کانگریس کی یہ پہلی شاخ تھی جو کسی دوسرے ملک میں قائم ہوئی تھی ۔

کابل سے نکل کر مولانا نے روس کا رخ کیا اور وھاں سات ماہ تک قیام کیا اور کمیونزم کا مطالعہ کرتے رھے لیکن ان کا دل کمیونزم کی اصول کو اپنانہ سکا کیونکہ جس تحریک میں مذھب اور خدا پرستی نہ ہو اسے مولانا بھلا کس طرح قبول کرلیتے یہاں سے وہ ترکی گئے اور وھاں تین سال کے قیام کے دوران ”میں اسلامک تحریک پر غور کیا لیکن یہ تحریک بھی ان کے دامن دل کو کھینچ نہ سکی ناحق پھر پھر کے سر پھرایا میں نے ،، کے مصداق آخر کار وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ انڈین نیشنل کانگریس ھی میں مذھب کو ھی شریک کردیا جائے ۔ اس خیال کو انہوں نے کتابی صورت دی اور صورتگری ہوئی (یعنی طبع) ترکی ھی میں ہوی۔

انھی دنوں ڈاکٹر انصاری اور لالہ لاچپت رائے غیر متوقع طور پر ترکی پہنچے ۔ مولانا عبید اللہ سندھی کو اطلاع ملتے ھی ان دونوں سے ملاقات کرنے کو ان کی رھائش گاہ پہنچے ۔ اور اپنے پروگرام سے انہیں آگاہ کیا اور اسکے کچھ ھی دن بعد پنڈت جواھرلال نہرو سے ملنے اٹلی گئے اور انہیں بھی آگاہ کیا ۔ پنڈت جی اس بات سے بے حد خوش ہوئے کہ مولانا نے اپنے پروگرام میں ''اھنسا ،، پر بہت زور دیا ۔ چنانچہ پنڈت جی نے اپنی کتاب ''میری کہانی ،، میں مولانا کے اس پروگرام کی ان الفاظ میں ستائش کی ھے کہ یہ ھندو مسلمانوں کے سوال کو حل کرنے کی ایک کافی اچھی کوشش ھے ۔

اسی صحرا نوردی کے دوران انہیں معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں ایک خلافت کانفرنس ہونے والی ھے اور اس تحریک میں ہندوستان کے نمائندے بھی حصہ لے رھے ھیں ۔ اب بھلا مولانا کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے ۔ ہندوستانی نمائندوں سے ملنے مولانا چل پڑے لیکن قسمت ظریفی دیکھئے کہ مولانا کے مکہ پہنچنے سے قبل ھی نہ صرف کانفرنس ختم ہوگئی بلکہ ہندوستانی نمائندے بھی رخت سفر باندھ چکے تھے ، مجبور و نا امید مولانا مکہ ھی میں رہ پڑے ۔

مولانا جیسے محب وطن کیلئے سنہ ۱۹۳۶ء میں کانگریس نے ان کی ہندوستان میں آمد کی اجازت دینے کے لئے آواز اٹھائی اور خان بہادر اللہ بخش کی سرکار سندھ میں بنی سرکار نے اس تحریک کو کامیابی سے ہم کنار کیا ۔ ۱۰ ۔ نومبر سنہ ۱۹۳۷ء میں برٹش حکومت کی طرف سے انہیں ہندوستان آنے کی اجازت ملی مولانا نے پہلے حج ادا کیا اسکے بعد کوئی ۲۲ سال بعد پیارے وطن وارد ہوئے۔ یہاں پہنچتے ہی انہوں نے اپنے پرانے ساتھیوں سے ملاقات کی اسکے بعد شاہ ولی اللہ کے اصولوں کی تبلیغ کو انہوں نے اپنا نصب العین بنالیا ۔ اور یہ سلسلہ ان کے انتقال تک جاری رہا ۔ جلا وطنی کی صعوبتیں اور اذیتیں بھی ان کے اس جذبے پر حاوی نہ ہوسکیں ۔

قدرت کی ستم ظریفی تو ملاحظہ فرمائیے کہ آزادی کے اس متوالے کو موت نے اپنی آغوش میں لیا بھی تو اگسٹ (۲۱ اگسٹ سنہ ۱۹۴۴ء) کے مہینے میں ۔ ان کا انتقال دین پور (بھاول پور) میں ہوا ۔ ہندو مسلم یکجہتی کے علمبردار مولانا اکثر کہا کرتے تھے کہ ۔

" سب سے بڑی خدا پرستی یہی ہے کہ ہم سبھی انسانوں سے پھر چاہے وہ کسی بھی قوم یا مذہب کے ہوں ، سچے دل سے محبت کریں ،، اور ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

ایمان باللہ یا خدا پرستی کی ایک منزل انسانیت دوستی بھی ہے ، اگر آدمی یہ مانتا ہے کہ سارے انسان اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں ۔ اور اس کو خالق سے حقیقی محبت ہے تو لازمی ہے کہ اسے اس کی مخلوق سے بھی محبت ہو اور اگر اسے اس کی مخلوق سے محبت نہیں ۔ تو یہ سمجھئے کہ وہ خدا کے محبت کے دعوے میں سچا نہیں ہے۔ صوفیائے کرام نے تو خدا پرستی کی عملی شکل میں انسانیت دوستی کو ہی اصل دین قرار دیا تھا ۔ ان کا تو یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ جسے صرف اپنے گروہ اور جماعت سے محبت ہے اور وہ دوسروں کو جو ہم عقیدہ نہیں ہیں ۔ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ سچا موحد اور خدا پرست ہی نہیں ہے ۔ ،،

تو یہ تھے ۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور یہ تھی ان کی حب الوطنی کی داستان اور ہم ہیں کہ مولانا جیسے محب وطن کو بھولتے جارہے ہیں ۔

* * *

صفحہ ۱۰ سے آگے

اندر ، باغوں ، چوراہوں اور پارکوں کو درختوں سے ڈھک دینے کی مہم چلانی چاہیئے ۔ تمام نا قابل کاشت زمینوں میں شجر کاری کی کوشش کی جائے ۔ ان کے علاوہ بافیانہ جنگلات کی زبردست نگہداشت کی جائے کیونکہ ہماری جنگلی جانوروں کی متنوع اقسام کی بقا کا انحصار انہیں پر ہے ۔ ۔ جنگلات کو آگ اور کیڑوں سے محفوظ رکھنے کا انتظام کیا جائے

درختوں کی فراوانی ملک کے لئے ہر لحاظ سے فائدہ مند ہے ۔ درخت زندگی کی علامت ہیں اور امن کے صدا بہار علم بردار بھی ۔ انکی ٹھنڈی چھاؤں راہگیروں کو فرحت بھی بخشتی ہے ۔ ان کی ٹہنیاں معصوم طائروں کا نشیمن ہوتی ہیں ۔ ان کے تنے حشرات الارض کا مسکن ہوتے ہیں ۔ ان کا وجود فطرت کے حسن کو دوبالا کرتا ہے ۔ غرضیکہ ایک ہی درخت بیک وقت امن ، فرحت حسن اور دیگر کئی منافعوں کا ذریعہ ہوتا ہے۔

* * * *

(۱) شریمتی شاردا مکرجی گورنر آندھرا پردیش نے مقامی عوام کے حالات زندگی سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے ۱۹ جولائی کو علاقہ مشیر آباد کا دورہ کیا ۔

خبریں تصویروں میں

شریمتی شاردا مکرجی گورنر ۹ ۔ جولائی کو رینڈ کراس باز آباد کاری مرکز کلدی انارم میں بچوں سے گفتگو کررہی ہیں ۔
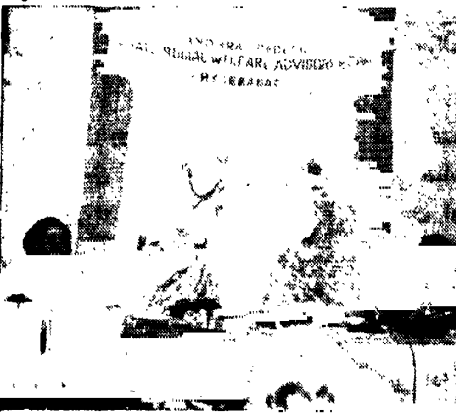
شریمتی شاردا مکرجی گورنر نے ۱۱ ۔ جولائی کو اے پی اسٹیٹ کونسل ولفیر ایڈوائزری بورڈ اور والنٹری سوشل ورکرس کو مخاطب کیا ۔ شریمتی جیا پردھا چیرمن کونسل آندھرا پلاننگ اینڈ ڈیولپمنٹ کمیٹی نے صدارت کی ۔

شریمتی شاردا مکرجی گورنر نے مشرق لائنس نگر میں " حیدرآباد بساؤ پراجکٹ " کا افتتاح کیا ۔ اس اسکیم کے لئے سرمایہ اسٹیٹ بینک آف انڈیا نے فراہم کیا ہے ۔ تصویر میں شری نرسا ریڈی وزیر مالگذاری ، شری اے ۔ بوس جنرل مینجر اسٹیٹ بینک آف انڈیا اور شری نریندر لونہر اسپیشل آفیسر بلدیہ حیدرآباد بھی دیکھے جاسکتے ہیں ۔

ساحل احمد

آرزو لکھنوی

انور حسین نام ، منجھو صاحب عرفیت ، آرزو تخلص بن میر ذاکر حسین یاس ۱۸ ۔ ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۹ ھ کو بمقام بھولا رام کی بارہ دری لکھنو میں پیدا ہوئے ۔ والد بزرگوار نے تاریخ ولادت کہی ۔

" باد دیگر شکر کردم از زباں "

آرزو کا سلسلہ نسب دادیال اور ننیہال دونوں طرف سے حضرت موسی کاظم تک پہنچتا ہے ۔ مورث اعلی سید جان علی المعروف بہ نواب تہور خاں عہد عالمگیری میں ہرات سے ہندوستان آئے اور اودھ کے صوبیدار مقرر ہوئے ۔ نواب تہور خاں کا مقبرہ محلہ نو باڑی لکھنو میں واقع ہے ۔

نواب تہور خاں کے ساتھ ان کے بھائی میر سلطان علی المعروف بہ نواب شاہ قلی خاں بھی لکھنو تشریف لائے ۔ ان کے بڑے بیٹے منصور علی خاں کے نام پر محلہ منصور نگر اور منجھلے بیٹے نواب فاضل بہادر کے نام پر فاضل نگر معروف ہوئے ۔

آرزو قد و قامت کے اعتبار سے پستہ قد اور پختہ رنگ تھے لیکن جسم مضبوط اور کسرتی تھا ۔ آنکھیں چھوٹی اور پیشانی فراخ تھی ۔ چالیس کی عمر تک پٹہ رکھتے تھے اور چہرہ پر خشخشی داڑھی موجود تھی ۔ خلیق اور منکسرالمزاج تھے ۔ بقول ذاکر حسین فاروقی ۔

> " مشرق کی روایتی تہذیب اور لکھنو کے قدیمی تمدن کا ایک مکمل نمونہ ہیں اس تمدن سے جتنے بھی صفات وابستہ تھے وہ سب ان میں بدرجہ اتم موجود ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جہاں ان کی شاعرانہ عظمت سروں کو جھکاتی ہے وہیں ان کے انسانی خصائل ہر خاص و عام کے دل کو بھی ان کے سامنے جھکوالیتے ہیں " *

پانچ سال کی عمر میں بسم اللہ کی رسم شریفی ادا ہوئی قرآن پاک اور فارسی کی تعلیم شروع کی ، لیکن طبیعت نہ لگی ، گھر سے بھاگ کر اپنے ہم سن دوست میر قاسم علی کے ساتھ ان کے گھر پر درس لینا شروع کیا والدین کو اطلاع ملی تو انہوں نے مولانا سید آقا حسین قبلہ مجتہد کے درس میں شامل کرادیا ۔

خطاطی اور فن موسیقی کا بھی ذوق تھا ۔ منشی شمس الدین سے فن خطاطی اور مہدی حسن سے علم موسیقی کی تعلیم حاصل کی ۔ دستور کے مطابق فن سپہ گری میں بھی درک حاصل کیا ۔ اس کے علاوہ جواھرات کی پرکھ اور زیورات کے سلسلے میں ، نگینوں کا ثال میل ملا نے ماہر و ناظر ہے ۔

انتیس سال کی عمر میں شادی ہوئی ۔ بارہ سال بعد بیوی کی وفات کے بعد دوسرا عقد کیا لیکن ۱۹۲۵ ع میں علحدگی اختیار کرلی اور پھر ۱۹۲۶ ع میں کلکتہ کی ایک صاحب ذوق خاتون سے تیسرا عقد کیا جو شعر بھی کہتی تھیں ۔ رہزم تخلص تھا ۔

شاعری کی ابتدا ۱۳-۱۲ سال کی عمر سے ہوئی ۔ اس سلسلے میں ذاکر حسین فاروقی نے ایک دلچسپ واقعہ یوں بیان کیا ہے ۔

> " کمسنی کا زمانہ تھا ۔ شاید ۱۳-۱۲ سال کی عمر ہوگی ، میر ذاکر حسین یاس اپنے استاد میر ضامن علی جلال کے پاس گئے جلال صاحب نے اپنے چند شاگردوں کی غزلیں یاس صاحب کے حوالے کردیں کہ ان کو بنادینا ۔ یاس صاحب ان غزلوں کو گھر لے آئے ..... قیاس کو ہدایت کی تم ان غزلوں کو دیکھ کر رکھنا ۔ میں باہر سے آکر دیکھ لوں گا .... آرزو صاحب کا جی اس وقت کنکوے بازی کا چاہ رہا تھا ۔ بھائی سے اصرار کیا کہ چل کے کنکوے اڑائیے ۔ انہوں نے کوئی اعتنا نہیں

---

* داستان آرزو صفحہ نمبر ۸

کی اور کم میں مشغول رہے ۔ آرزو صاحب کی گرمیٔ شوق اس تاخیر کو کیسے برداشت کرسکتی تھی ۔ جھنجھلا کے خود بھی غزل دیکھنا شروع کی فوراً مطلع میں اصلاح کرکے بھائی کو سنائی ۔ انہوں نے بھی کچھ غور کے بعد شعر کو یوں ہی بنا دیا ۔ جتنی دیر میں انہوں نے اصلاح لکھی آرزو صاحب نے پوری غزل پر اصلاح دے دی ،،

یاس صاحب نے اس واقعہ کو سنا اور جلال صاحب کو اطلاع دی اور انہیں جلال کے سپرد کردیا ۔ آرزو نے ابتدا میں اسید تخلص اختیار کیا مگر بعد میں ترک کردیا ان کی شاعرانہ زندگی کے ایسے متعدد واقعات ہیں جن پر حیرت ہوتی ہے۔ اور اس وقت کے اساتذہ اور صاحب ذوق حضرات وقتاً فوقتاً امتحان لیا کرتے تھے ۔ چنانچہ ایک واقعہ یہ ہے کہ جب آپ کی عمر صرف ۱۴ برس کی تھی کہ محلہ کے ایک بزرگ نے از راہ امتحان یہ مصرع دیا ۔

اڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ میں
آرزو صاحب نے گرہ لگائی

دامن اس یوسف کا آیا پرزے ہو کر ہاتھ میں
اڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ میں

پہلی بار گلدستہ '' پیام یار ،، لکھنو میں غزل چھپی ، جس کا مطلع یوں ہے ۔

کسی کی کج ادائی کا گلہ کیا
نہ ہوں چرکے تو الفت کا مزا کیا

قطعہ تاریخ لکھنے میں بھی مہارت کاملہ حاصل تھی ۔ شیخ حسین میاں صاحب والی ریاست منگرول (کاٹھیاواڑ) کے بھتیجہ کی ختنہ اور بسم اللہ کی تقریب تھی ۔ آرزو اپنی کمسنی کی وجہ سے شریک نہیں ہوسکے مگر ایک تاریخ تہنیت ایسی لکھی جس میں ختنہ و بسم اللہ کا ایک ہی مادہ تھا ۔

'' چہ بسم اللہ عجب ختنہ ،،

آرزو کی تصانیف میں فغان آرزو ، بیان آرزو ، سنان آرزو ، جہان آرزو ، زبان آرزو ، (سریلی بانسری) جان آرزو (اردو غزلیں) صبح بنارس ، عدل محمود اور دردانہ (مثنویاں) داستان (امیر حمزہ میں اضافہ کے طور پر لکھی کوچک با ختر اور بالا باختر کے درمیان اس داستان کا اضافہ ہے جو دو ہزار سات سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے)متوالی جوگن ، دل جلی بیراگن، حسن کی چنگاری ، چاند گہن ، بات کا دھنی ، چراغ توحید ، کتی شانتی ، سیفو ، گدڑی کا لعل دورخی تصویر ، عمل کا پھل اور جام زہر (ڈرامے)نئی زندگی (فلمی کہانی جو یونائیٹڈفلمس بمبئی نے فلمایا) نظام اردو ، میزان الحروف ، (فن زبان اور شعر پر دو رسالے) وغیرہ قابل ذکر ہیں ۔

آرزو نے واسوخت کے علاوہ تمام صنفوں پر طبع آزمائی کی لیکن وہ اپنی غزل گوئی کی وجہ سے مشہور ہوئے ۔ ان کا پہلا مجموعہ ۱۸ سال کی عمر میں فغان آرزو کے نام سے شائع ہوا ۔ انہوں نے اپنی تمام عمر میں تقریباً ۳۰۰۰۰ غزلیہ شعر کہے ۔ ان کی ابتدائی غزلوں میں بھی پختگی اور مشاق پوری طرح نمایاں ہے تغزل کی اعلی روائتوں کا پاس و لحاظ رکھا ہے ۔ جو ان کی فنی مہارت ، دور بینی اور شعور کی بالیدگی کا پتہ دیتی ہے ۔ انہوں نے اپنے پیش روؤں کے فکر و احساس کو نئے رنگ و فن میں پیش کیا ہے ۔ اور اپنی فطری ذہانت اور دور بینی کے توسط سے ایک نئے رنگ کی اختراع کی ہے جو ان کے ۔ مخصوص طرز کو نمایاں کرتی ہے ۔ انہوں نے کورانہ تقلید نہیں کی بلکہ جدت اور اختراع پسندی سے کلام میں زندگی کا نیا حسن اور نیا ذائقہ خلق کیا ہے ۔ مثلاً

کچھ کہتے کہتے اشاروں میں شرما کے رہ جانا
وہ میرا سمجھ کر کچھ کا کچھ جو کہنا نہ تھا سب کہہ جانا

یہ اچانک نظر کس طرف پڑی سادگی کی ادا آنکھ میں چھپ گئی
اف تنکھیوں سے تکنا غضب ہوگیا ، دل یہ برچھی اسی بانکپن میں لگی ۔

کہہ کے یہ اور کچھ کہا نہ گیا
کہ ہمیں آپ سے شکایت ہے

کس مست سے ساقی آنکھ لڑی بے مئے پئے کیفیت یہ ہوئی
اس ہاتھ سے بوتل چھوٹ پڑی، اس ہاتھ سے پیمانہ چھوٹا

کلام میں روحانی اور عشقیہ خوشبو کے ساتھ کرب و اذیت کی دھوپ بھی جا بہ جا پھیلی دکھائی دیتی ہے لیکن اس میں ایک خنک بیز لطافت بھی ہے ۔ اشعار میں درد و غم کی اٹھنے والی کسک یا سہک قنوطیت کی پروردہ نہیں بلکہ رجائیت سے ہم رشتہ ہے ، یہی وجہ ہے کہ کلام میں تاثر کی گہرائی اور فکری بالیدگی پائی جای ہے ۔ اور اس حسرت و یاس کے پس پردہ فریاد بھی ہے ، آنسو بھی ہے اور خواہش بھی ہے مثلاً

ان کے ہنس دینے پر خود بھی مسکرا کر رو دیا
آہ غریب اپنا مقدر آزما کر رو دیا

دوست نے دل کو توڑ کر نقش وفا مٹا دیا
سمجھے تھے ہم جسے خلیل، کعبہ اسی نے ڈھا دیا

میرے خیال کی دنیا ہے اس جہاں سے دور
یہ بیٹھے بیٹھے ہوا گم کہ پھر پتہ نہ لگا

بھولے بن کر حال نہ پوچھو بہتے ہیں اشک تو بہنے دو
جس سے بڑھے بیچینی دل کی ایسی تسلی رہنے دو

تارا ٹوٹتے سب نے دیکھا، یہ نہیں دیکھا ایک نے بھی
کس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا کس کا سہارا ٹوٹ گیا

کس کام کی ایسی سچائی جو توڑ دے امیدیں دل کی
تھوڑی سی تسلی ہوتو گئی مانا کہ وہ بول کے جھوٹ گیا

لطف بہار کچھ نہیں گو ہے وہی بہار
دل کیا اجڑا گیا کہ زمانہ اجڑ گیا

کلام میں محاکات شعری کی جملہ کیفیات بدرجہ کمال تک پہنچی ہوئی ہیں۔ لفظوں کے ذریعہ بڑی حسین اور دیدہ‌زیب تصویریں بنائی ہیں۔ جیز دیکھکر ان کے مصورانہ فکر و احساس پر ایمان لانے کو جی چاھتا ہے۔ اور پھر وہ ایسی تصویریں منقش کرتے ہیں جو انتہائی دلکش رعنا، شگفتہ اور دلپذیر ہوتی ہیں۔ انہیں خارجی موضوعات کی تصویریں اتارنے میں خاص ملکہ حاصل تھا۔ تصویروں کے خطوط، نقطوں اور رنگوں کے توسط سے لطیف احساسات کی بازیافت ہوتی ہے اور ایک وجدانی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔

واقعہ یہ ھیکہ وہ مشاھدات و تجربات کی ایک ایسی دنیا تعمیر کرتے ہیں جو شعر کے توسط سے پہچانی جاتی ہے اور جس کا ہر عکس مشاھدات کی گہرائی فکر کی اصالت، اور دور بینی کی واقفیت سے سمیز ہوتا ہے۔ چنانچہ ان کی یہی فکر آگے چل کر معرفت و حقیقت میں ڈھل جاتی ہے۔ اور فکر میں وسعت اور نظر میں دور بینی کی خوبی دو چند ہوجاتی ہے۔ اور ان کی شاعری زندگی کے اسرار و رموز، حیات انسانی کی جملہ صفات کی عقدہ کشائی اور حقیقت حیات کے تجزیہ میں تمام کتھیوں کو سلجھانے میں اور ایک نتیجہ اخذ کرنے میں کامیاب رول انجام دیتی ہے۔ انہوں نے اپنے اسی فلسفیانہ اور حکیمانہ طرزفکر سے شعرمیں توازن، گہرائی اور نظم و ضبط کی اصالت پیدا کی ہے۔

تا عہد جوانی تھم ناداں بے وقت مگر کیوں کستا ہے۔
ہستی سے عدم کے ڈانڈے تک اک رات بسیرے کا رستہ ہے

ذوق فنا میں پیر و شبنم، شوق بقا میں رنگ حنا
اپنی ہوا میں قید خودی سے، طائر بے پرواز تھے ہم

تجربے سب ہیچ ہیں قانون سب بے کار ہیں
ہر زمانہ اک نیا پیغام لے کر آئے ہے

وہ ہزاروں خواھش جو حد امکاں سے بعید
زندگی خود مستقل آزار ہے میرے لئے

شادی و غم جہاں میں توام ہیں
جتنا ھنسیئے گا اتنا روئیے گا

آگیا وقت رھائی ترے دیوانے کا
سانس ٹوٹی ہوئی زنجیر نظر آتی ہے

قید کو توڑ کے نکلا جب میں، اٹھ کے بگولے ساتھ ہوئے
دشت عدم تک جنگل جنگل بھاگ چلا ویرانہ بھی

کوس کڑے تھے جاہ کی دھوپ میں تیور آگئے
ہم یہی سوچتے رہے چھاؤں ملے تو بیٹھ جائیں

خلوت کدۂ دل کا بھرم جائے گا اے شوق
آواز نہ دینا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔

آرزو نے اپنی فکر اور اسلوب کی ندرت سے غزل کو ایک نیا رنگ اور ایک نیا آھنگ بخشا۔ ھندی تشبیہات واستعارات، روز مرہ محاورات اور فارسی کی خوبصورت تراکیب کا استعمال بڑے ھی ساھرانہ انداز میں کیا ہے۔

ھندی الفاظ و تراکیب اور روز مرہ محاوارات کے موزوں استعمال سے غزلوں میں گیت پن کی مدھر کیفیت اجاگر ہو ئی ہے سریلی بانسری کی تمام‌تر لطیف ترین ترنم اور موسیقیت سے بھر پورتاثر پیش کرتی ہیں۔ مثلاً

اس نے بھیگے ہوئے بالوں سے جو جھٹکا پانی
جھوم کر آئی گھٹا ٹوٹ کے برسا پانی

اس نے لبھا کے آرزو بدلی ہے مجھ سے آنکھ یوں
جیسے کوئی چھڑک کے تیل آگ لگا کے چھوڑدے

گورے گورے چاند سے منہ پر کالی کالی آنکھیں ہیں
دیکھ کے جن کو نیند اڑ جائے وہ متوالی آنکھیں ہیں

آنکھ اس نے پھرا کے رت پلٹ دی
ھنستے ہوئے پھول رو رہے ہیں

ہوگئیں کیاریاں ہری جیسے کہ رت پلٹ چلی
کون یہ مسکرادیا، ھنسنے لگی کلی کلی۔

کالی گھٹا میں کوندا لپکا رو کے جو کوئل کوک گئی
جتنی گہری سانس کھینچی تھی اتنی لمبی ہوک گئی

ان مذکورہ شعروں کی پرمعنی کیفیت، لطافت اور خوش آھنگی ان کی اختراعی ذھانت کی موئید ہیں۔ انہوں نے ھندی

کے روزمرہ ومحاورات اور لفظوں کو اس طور پر برتا کہ اجنبیت کا شبہ نہیں ہوتا ان کا یہ انداز اور طرز اسلوب زبان میں نئی وسعت اور نئے زاویوں کی بنیاد ہے انہوں نے زبان کو محدود کرنے کی روایت کا قلع قمع کیا اور بے شمار لفظوں کو جو اردو میں مستعمل نہ تھے استعمال کر کے ایک نئی روایت کی بنیاد رکھی ہے ۔ حسب ذیل مثالیں ثبوت کے لئے کافی ہیں ۔

سکھ ملا ہے تو دکھ بھی سہنا ہے
نہیں لہنا تو پھر الہنا ہے

مکھم بات پہیلی ایسی بس وہی بوجھے جس کو بجھائے
بھید نہ پائے تو گھبرائے ، بھید جو پائے تو گھبرائے

رت بدلنے کا پتہ دیتی ہے ہر کھلتی کلی
ہاں چلو چاہت کے متوالو سہالک آگئی

ہاتھ بھی پاؤں بھی تھک کر لگے ہونے ڈھیلے
بے کلی جی کی کیسے دیتی ہے جانگر ڈھیلے

آنکھیں ملتی ہیں جی سے میل نہیں
سچ یہ ہے ان تلوں میں تیل نہیں

کب تک رہتا جلتا تپا گھٹ گھٹ کر جی اوبھ گیا
آٹھ پہر رونے کو میرے بے رت کی برسات نہ گھیہ

گرنا ٹپ سے اچانک آنسو ، چونک کے ان کا ہنس پڑنا
بوند ذرا سی تھی پانی کی جس سے بھانڈا پھوٹا ہے

ان کے اس انداز فکر میں جلال و جمال کی دونوں جملہ کیفیات موجود ہیں انہوں نے اپنے اس اسلوب کے توسط سے حسن و عشق سے لے کر فلسفہ و حکمت کے تمام موضوعات اور جزویات کی بڑی کامیاب آئینہ بندی کی ہے ۔

****

وقت کی اہم ضرورت خاندانی منصوبہ بندی

آندھرا پردیش چرمی مصنوعات
ترقیاتی کارپوریشن

راحت سلطانہ

حالی اور انکے چند ہمعصر

مولانا الطاف حسین حالی کا شمار انیسویں صدی کی ذہین اور با کمال شخصیتوں میں ہوتا ہے ۔ انہوں نے تمام عمر علم و ادب ، دین و مذہب اور ملک و قوم کی قابل قدر خدمات انجام دیں ۔ حالی سنہ ۱۸۳۷ع میں پانی پت کے ایک غریب مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے ، ان کی تعلیم و تربیت مشرقی نہج پر ہوئی۔ سب سے پہلے انہوں نے قران مجید حفظ کیا اور بعد کو عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کرتے رہے ۔ سنہ ۱۸۵۳ع میں حصول تعلیم کے لئے گھر سے روپوش ہو کر دلی چلے آگئے اور جامع مسجد کے قریب ایک پرانے طرز کے مدرسہ میں سکونت اختیار کی ۔ ابتداً انہوں نے اپنے وقت کے مشہور عالم و واعظ مولانا نوازش علی سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی ۔ مولانا نوازش علی کے علاوہ حالی نے دوسرے نامور علماؑ اور ادبی شخصیتوں کے آگے زانوئے ادب طے کیا ۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ دلی میں بہار آئی ہوئی تھی استاد ذوق ، مومن ، مرزا غالب ، بہادر شاہ ظفر ، آزردہ ، صہبائی اور شیفتہ جیسے اہل کمال ابھی بقید حیات تھے ، لیکن بہار کے دن بہت جلد گذر گئے ۔ ایک ایک کرکے تمام گل خزاں دیدہ ہورہے تھے ۔ مومن سنہ ۱۸۵۳ع میں اس دنیا سے چل بسے مرزا غالب اور ذوق بوڑھے ہوچکے تھے ۔ لیکن ان سب کے نام لیواؤں نے شعر و سخن کی محفلوں کو جاری رکھا ۔ حالی بھی ان محفلوں میں پابندی کے ساتھ شرکت کرتے ، دن میں حدیث و فقہ کا درس حاصل کرتے اور رات میں میخانہ ادب میں شریک ہوکر اپنی علمی پیاس بجھاتے ۔

حالی کی شخصیت اور انکے ادبی تنقیدی اور شعری نظریات کی تشکیل میں جن شخصیتوں کا نمایاں حصہ رہا ہے ان میں مرزا غالب ، نواب مصطفی خان شیفتہ اور سر سید احمد خان کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں ۔

" مقالات حالی ،، میں مرزا غالب کا ذکر کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں ۔ جس زمانے میں میرا دلی جانا ہوا تھا ۔ تو مرزا اسد اللہ خان غالب کی خدمت میں اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور اکثر ان کے اردو اور فارسی دیوان کے اشعار جو سمجھ میں نہ آتے تھے ان کے معنی ان سے پوچھا کرتا تھا اور چند قصیدے اپنے دیوان سے انہوں نے مجھے پڑھائے تھے ۔

حالی کو غالب میں وہ تمام خوبیاں نظر آئیں جو انکے ادبی اور تنقیدی ذوق کی تسکین میں ممدو معاون ثابت ہوسکتی تھیں ۔ انہوں نے غالب کا کلام پڑھا ، سمجھا اور ان کی فارسی‌دانی اور شاعرانہ کمال کے دل سے معتقد ہو گئے ۔

حالی نے جب غالب کو اپنا کلام دکھایا تو غالب نے حالی کے اندر کے شاعر کو پہچان لیا اور ان کو مشق سخن جاری رکھنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ " اگرچہ میں کسی کو فکر شعر کی صلاح نہیں دیا کرتا لیکن تمہاری نسبت میرا خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر ظلم کروگے ۔ ،،

حالی تقریباً ڈیڑھ برس دلی میں مقیم رہے ، اس عرصے میں غالب سے وقتاً فوقتاً ملاقات ہوا کرتی تھی لیکن جب گھر والوں نے انہیں پانی پت آنے کے لئے مجبور کیا تو وہ سنہ ۱۸۵۵ع میں بظاہر غالب سے دور ہوگئے اور انکی ملاقات کا سلسلہ ختم ہوگیا ، لیکن ان کا دل دلی نے اور خاص طور پر غالب نے چھین لیا تھا ۔ مرزا غالب سے حالی کی عقیدت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے شفیق استاد کی عالمانہ اور مفکرانہ شخصیت اور ان کے شاعرانہ کمال کو " یادگار غالب ،، کی صورت میں زندۂ جاوید کردیا ۔ غالب کی وفات پر حالی نے جو پرسوز اور پراثر مرثیہ لکھا ہے اس کا جواب اردو شاعری میں مشکل سے ملے گا مرثیہ کے مطالعہ سے حالی کی غالب سے عقیدت خلوص اور عزت و احترام کا اندازہ ہوتا ہے ۔ چند شعر ملاحظہ کیجیئے ۔

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا
کس کو لاتے ہیں پھر دفن کہ قبر
ہمہ تن چشم انتظار ہے آج
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں
اہل میت جنازہ ٹھہرائیں

لائینگے پھر کہاں سے غالب کو
سوئے مدفن ابھی نہ لےجائیں
اب نہ دنیا میں آئینگے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈے نہ پائیں گے یہ لوگ
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے
غالب بے مثال کی صورت

سنہ۱۸۶۳ع میں حالی کی ملاقات نواب مصطفی خاں شیفتہ سے ہوی شیفتہ دھلی کے قریب ایک چھوٹی سی ریاست جہانگیرآباد کے رئیس تھے ۔ ان کا شمار غالب اور مومن کے عزیز دوستوں میں ہوتا تھا ۔ شیفتہ کو قدرت نے شاعری کا جو مذاق عطا کیا تھا اس کی داد ان کے تمام معاصرین نے دی ہے ، یہ اور بات ہے کہ ان کا کلام انکے اعلی ذوق شاعری پر پورا نہیں اترتا تھا ۔ غالب جو اپنے معاصرین میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے شیفتہ کے مذاق سخن کے مداح تھے ۔ ان کا بیان ہے کہ

'' ننوشت در دیوان غزل تا مصطفےخاں خوش نہ کرد ،،

حالی جب تک شیفتہ کے ندیم خاص تھے ، ان کے بچوں کے اتالیق مقرر تھے ۔ شیفتہ کے انتقال کے بعد تلاش معاش میں چل نکلے اور بالاخر لاہور میں سکونت اختیار کی ۔ نواب مصطفے خاں کی صحبت سے حالی کی ادبی اور تنقیدی صلاحیتوں کو بروئے کار آنے کا موقع ملا ۔ اگرچہ کہ انہوں نے غالب اور مومن سے بھی اپنے کلام پر اصلاح لی تھی لیکن ان کا بیان ہے کہ '' درحقیقت مرزا کے مشورے سے مجھے چنداں فائدہ نہیں ہوا بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم (شیفتہ) سے ہوا واقعہ یہ ہے کہ حالی کی شاعری میں جو حسن بیان ، سچائی ، حقیقت پسندی اور ایک طرح کا نیا پن محسوس ہوتا ہے وہ نواب مصطفے خاں شیفتہ کی فیض صحبت کا نتیجہ ہے ۔

حالی سخن میں شیفتہ سے مستفید ہے
غالب کا معتقد ہے مقلد ہے میر کا ۔

حالی محض خیالی دنیا کے آدمی نہیں تھے ۔ انہوں نے بےشمار عملی کارنامے بھی انجام دئے ہیں ۔ حالی کو میدان عمل میں لانے کا سہرا سر سید احمد خاں کے سر ہے ۔ سر سید احمد خان بنیادی طور پر ایک سماجی مصلح تھے۔ اس مقصد کی تبلیغ کے لئے انہوں نے فطری طور پر اردو زبان کا استعمال کیا ، اور اس طرح اردو زبان بالوسطہ طریقے پر سر سید کی عظیم سماجی تحریک سے وابستہ ہوگئی۔ سر سید قدیم مسجع اور مقفع زبان کے مقابلے میں بول چال کی سیدھی سادھی زبان استعمال کرنا پسند کرتے تھے ۔ ان کو حالی کے کلام میں روائتی ، فرسودہ شاعری کے مقابلے میں سادگیٔ بیان اور ایک نیا اور انوکھا انداز نظر آیا ۔ انہوں نے حالی سے مسلمانوں کی ابتری کے متعلق ایک نظم کی فرمائش کی ، حالی جو مسلمانوں کی پستی اور گری ہوئی حالت سے بخوبی آگاہ تھے سر سید کی ایما پر انہوں نے اپنی لازوال مشہور زمانہ شعری تصنیف ''مسدس حالی ،، (مد و جزر الاسلام) لکھی ، جونہ صرف مسلمانوں کے عروج زوال کی ایک منظوم داستان ہے بلکہ ایک مخلص رہبر کی پر درد آواز بھی ہے ۔ اس نظم کے جواب میں متعدد شاعروں نے نظمیں لکھی ہیں مگر مسدس حالی کو جو مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نہ مل سکی ۔ سر سید احمد خان نے مسدس کے متعلق اپنی رائے کا اس طرح اظہار کیا ہے کہ

'' جس وقت میں نے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا برابر پڑھتا ہی رہا اور ختم ہی کرکے رکھا ۔ جب ختم ہو گئی مجھے اس کے ختم ہوجانے کا افسوس ہوا ۔ یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ اس کتاب سے ہماری شاعری کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے ۔ صفائی حسن ادا اور روانی کی زیادہ تعریف کی ضرورت نہیں ۔ مگر یہ امر نہایت حیرت خیز ہے کہ ایسے موضوع پر واقعات کا اتنا خیال کرکے مبالغوں اور ان دور از کار تشبیہوں سے بچکر جو ہماری شاعری کا سرمایۂ حیات ہیں شعر کہے جائیں اور پھر لطف یہ کہ تمام نظم تاثیر ، بلندی اور اثر سے اتنی زیادہ پر اور لبریز ہو ۔ ،،

سر سید اس نظم کے متعلق یہاں تک کہہ گئے کہ خدا جب حشر میں مجھ سے پوچھے گا کہ دنیا سے کیا لایا تو میرا جواب یہی ہوگا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں ۔

حالی سر سید سے اس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے طرز کہن پر اڑے رہنا مناسب نہیں سمجھا اور سر سید کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن ہوگئے ، انہیں وہ رہبر وہ راہ عمل اور وہ مقصد حیات ہاتھ آگیا جس کے وہ زندگی بھر متلاشی تھے ۔ وہ سر سید اور ان کی اصلاحی تحریک کے دست راست بن گئے ۔

سر سید کی زندگی میں بعض واقعات ایسے بھی ہیں جنکی وجہ سے انکی شخصیت کو ہمیشہ بدگمانی اور غلط فہمی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ۔ حالی جب سر سید کے حلقہ احباب میں شامل ہوئے تو ان کو بھی نیچری اور کافر کہا گیا اور ہر طرف سے لعن و طعن کی گئی ۔ حالی نے متعدد مضامین اور تقریروں کے ذریعہ سر سید کے مذہبی خیالات کی تشریح کی اور یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ سر سید سچے مسلمان اور عاشق اسلام ہیں ۔ سر سید نے مذہب اسلام اور انسانی برادری کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں ۔

حالی ، سر سید کی علمی اور اصلاحی تحریک سے حد درجہ متاثر تھے۔ سر سید سے حالی کی عقیدت ، خلوص اور عزت و احترام کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہیرو کی "لائف" کو "حیات جاوید" کی شکل میں حیات جاوداں عطا کردی ۔

سر سید کے دل میں مولانا حالی کا جو مقام تھا ، اس کا اندازہ انکی اس تقریر کے چند جملوں سے ہوسکتا ہے جو انہوں نے علی گڈھ کے ایک جلسہ میں کہے تھے ۔ " ہم کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے اور فخر کرنا چاہئے کہ ہماری قوم میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا ، آئندہ زمانہ میں کہا جائے کہ فخر قوم فخر شعراء ، فخر علماء اور زندہ کرنے والا اور راہ بتانے والا اندرونی جذبات کا اور نجات دلانے والا قوم کا کون ہے ۔ تو کہا جاویگا کہ حالی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

* * *

ظفر صہبائی

غزلیں

جسم اپنے دھند کا گھر ہو گئے
شیشے روحوں کے مکدر ہو گئے

ہم نے صدی شاہزادوں کی طرح
مڑ کے دیکھا تھا کہ پتھر ہو گئے

آگہی کے بیچ سے اٹھ اٹھ کے
ابن آدم خیر سے شر ہو گئے

پھر صدا دی وحشتوں نے جسم میں
دل بیابانوں سے بڑھکر ہو گئے

چھوڑئیے میرے اجڑنے کی تو بات
آنکھ کھولی ۔ خواب بے گھر ہو گئے

کاسہ لیسی کا نہ تھا جن کو دماغ
بزم میں ان کی وہ کمتر ہو گئے

چشم نم میں عکس لرزے اس طرح
ٹیڑھے میڑھے سارے منظر ہو گئے

یہ نہ سمجھو اپنے غم سہہ کر ظفر
زندگی کے معرکے سر ہو گئے

جو نہ سب سوچیں سوچتا وہ ہے
جو مسائل نہ ہو نیا وہ ہے

میرے کہنے کا اعتبار نہ کر
خود کو پہچان آئینہ وہ ہے

اپنے انجام سے نہیں واقف
خشک پتہ ہوں میں ہوا وہ ہے

مجھکو سمتوں کا درک کیا دے گا
ایک ٹوٹا قطب نما وہ ہے

زندگی یوں ہی ہو گئی ضائع
جس کا مصرف نہیں رہا وہ ہے

ساری خوشی رونقی ہے چہرہ پر
لیکن اندر اجاڑ سا وہ ہے

باغیانہ روش کو کیا جانے
ایک معمول سے جیا وہ ہے

فرق میری کمی سے کیا ہوگا
جو نہ پر ہوسکے خلا وہ ہے

خون بچتا ہے میری رگ رگ میں
جب سے مرکز نگاہ کا وہ ہے

* * * * *

محمد عبدالقادر ادیب

غزل

ٹکرا کے گرے جو پیمانے کچھ یاد رہے کچھ بھول گئے
فردوس نشاں تھے خم خانے کچھ یاد رہے کچھ بھول گئے

تنکوں کا سہارا پاتے ہی ایوان سجائے خوابوں میں
کیا خواب تھے وہ کیا دیوانے کچھ یاد رہے کچھ بھول

کچھ خاک اڑائی سورج پر ، داناؤں کو سوجھی راتوں میں
نادان بنے تھے فرزانے ، کچھ یاد رہے کچھ بھول گئے

جو شیش محل میں رہتے تھے ، خود ہی کو خدا وہ سمجھے تھے
وہ ہوش و خرد سے بیگانے کچھ یاد رہے کچھ بھول گئے

ہر صبح کو نوبت بجتی تھی ہر شام کو تانیں اڑتی تھیں
وہ بزم طرب کے مستانے کچھ یاد رہے کچھ بھول گئے

وہ کھیل تماشے ساغر کے ، ہر گام چھلکتے رہتے ہیں
اک آگ بنے سب پیمانے کچھ یاد رہے کچھ بھول گئے

نازک تھے مزاجوں کے شیشے ، ابرو کے اشارے پر مرتے
ہر بات کے بنتے افسانے ، کچھ یاد رہے کچھ بھول گئے

ہر تیر نظر گھائل گھائل ، ہر ناز ادا قاتل قاتل
مقتل جو بنے تھے کاشانے ، کچھ یاد رہے کچھ بھول گئے

آواز ادیب مضطر کی ، صحرائے بصدا اپنوں نے کی
انجان رہے وہ انجانے ، کچھ یاد رہے کچھ بھول گئے ۔

* * * * *

عقیل ہاشمی

سبز انقلاب

ہندوستان ایک وہی ملک ہے اس ملک کا بیشتر حصہ
یتی باڑی کیلئے ہی موزوں ہے یہاں کے بسنے والوں کی زائداز
فیصد آبادی دیہاتوں میں رہتی ہے ۔ آزادی ہند کے فوری
حکومتی سطح پر ان دیہاتوں کے بہتر سے بہتر نظم و نسق
بارے میں اسکیمات منظور کئے گئے ۔ آنجہانی پنڈت جواہر
نہرو کے ہی زمانے میں ان پر بڑی تیزی سے عمل کیا گیا ۔

آج کی اس نشست میں کوشش کی جائیگی کہ ہندوستان
پچھلے برسوں میں جو زراعتی ترقیاں یا زرعی انقلابات رونما
ئے ان کا ایک اجمالی جائزہ لیا جائے ۔

زرعی پیداوار یا زراعتی ترقی کے بارے میں یہ یاد رکھنا
ہئے کہ زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اب زراعت نے گھریلو
یشت کے دائرہ سے نکل کر کؤں شہروں اور رفتہ رفتہ قومی و
الاقوامی معیشت اختیار کرلی ہے چنانچہ امریکہ روس جاپان
دیگر ممالک میں کوئی بھی کاشتکار پیداوار کا بمشکل ایک
صہ اپنی ذاتی ضروریات کیلئے چھوڑ کر ما باقی سارا کا سارا
وخت کردیتا ہے تاہم ہندوستان میں ابھی یہ رجحان فروغ
پاسکا لیکن بطور پیشہ تمبا کو گنا کپاس اور تیل کے بیج
غیرہ کی کاشت تجارتی نقطہ نظر سے کی جاتی ہے ۔

ہندوستان کاشتکاری اور پیداوار کے اعتبار سے ہر دور
زمانے میں خود مکتفی رہا ہے اب یہ اور بات ہےکہ قدرتی
غیر قدرتی موانعات یا پھر لڑائیاں وغیرہ ہمارے اس موقف
عارضی طور پر کمزوری کا باعث رہی ہوں تو ہوں !
سیم ہند سے پہلے اور اسکے بعد جن حالات سے ہمارا ملک
چار رہا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں طرفہ تماشہ یہ کہ یہاں کے
ام کا زائد از ۵۰ فیصدی طبقہ غیر تعلیم یافتہ رہا ہے ۔

خصوص کاشتکار طبقہ مگر آزادی کے فوراً بعد اس صورت حال
بھی قابو پالیا گیا اور زراعتی ترقی کیلئے فعال منصوبے بنائے
ئے ۔ تاکہ ملک سے بھوک و افلاس کا دیس نکلا ہو ۔

ہندوستان میں سبز انقلاب کا اعلان فی الواقعی دو ترقیاتی
موں پر مشتمل ہے جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ ملک کی ترقی
اور ضروریات کے پیش نظر حکومت نے مختلف شعبہ جات میں
اسکیمات منظور کیں اسطرح سبز انقلاب کی حقیقی شروعات سنہ
۱۹۵۰ ع کے لگ بھگ ہوئی ۔ در اصل یہ تحریک اقوام متحدہ
کی معلنہ پالیسی سے قبل عمل میں آئی ۔ یو این او نے
(Food and Agricnltureorganisation) کے تحت بعد میں
ایک اسکیم یہ شروع کی کہ دنیا کے مختلف ممالک میں پیداوار
کے جو کامیاب تجربے ہوئے ہوں ان کی آپس میں رد و بدل
دوستانہ ماحول میں ہو تاکہ غذائی صورت حال بہتر ہوسکے
چنانچہ اس پروگرام کے تحت ہمارے ملک نے بھی
(Mexico Wheat) میکسیکو گیہوں کی قسم حاصل کی اور پیداوار
میں اضافہ کیا Green Revolution سبز انقلاب کا یہ اقدام دراصل
ملک کو پیداوار کے لحاظ سے خود مکتفی بنانے کیلئے کیا گیا ۔
اپنے آغاز سفر ہی سے یہ پروگرام بڑا کامیاب رہا یعنی کمیونٹی
ڈیولپمنٹ پروگرام Community Development programme
کی عمل آوری اسکا پہلا قدم تھا جسکا لازمی نتیجہ دیہات
سدھار یا دیہات کی طرز معاشرت و معیشت Socio-Economic
کی بہتری میں اجاگر ہوا ۔ دیہی زندگی اور اسکے
سدھار کی نئی لہر حکومت اور قومی ادارے جات کی سطح پر
پورے ملک میں جاری و ساری ہوگئی ۔ اسکے فوراً بعد پنچایت
راج کے قیام نے عوام کی توقعات کو اور بھی مستحکم کردیا
اس منزل پر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ ملک کو درپیش
کئی ایک مسائل کی یکسوئی میں اس نظام سے بہت کچھ مدد
ملی خصوصاً کسان برادری کے درمیان نئی راہیں منزلوں کی
قربت کی دلیل بن گئیں ۔

Green Revolution کے سلسلے کی دوسری اہم کڑی
The Intensive Agricultaral District programme (I-A. D.P.
ہوگی یہ پروگرام سنہ ۱۹۶۰-۶۱ ع میں شروع کیا گیا ۔
یہی وہ زمانہ تھا جبکہ ہمارے ملک میں (First Annual plans)
کے تحت سال بہ سال ترقیاتی منصوبہ جات
کی دھوم تھی ان پروگراموں میں اسبات کا خاص اہتمام رکھا گیا
تھا کہ اگریکلچرل ڈیولپمنٹ کو سائنس اور ٹکنالوجی کے جدید
طریقوں کے ذریعہ ترقی دی جائے ۔ ہماری ریاست آندھرا پردیش
میں یہ پروگرام سب سے پہلے ویسٹ گوداوری میں شروع

کیا گیا جبکہ ایلور اسکا ہیڈ کوارٹر قرار پایا ۔ (Improved Seed) کا یہ سلسلہ آئندہ پانچ سالوں میں کوئی (۱۴) اقسام کے سیڈز کی شکل میں سامنے آیا بالفاظ دیگر سنہ ۶۷-۱۹۶۶ ع تک اس پروگرام کے تحت دھان کی کوئی (۱۴) قسمیں زیر تجربہ رہیں جن میں جیا پنکج اور سونا وغیرہ زیادہ مشہور ہیں ۔ (Jaya) (Pankaj) (Sona)

حقیقت یہ ہیکہ (I. A. D. P.) کے تحت چلنے والے تمام پروگراموں نے بڑی تیزی اور تندہی سے اپنی راس مکمل کرلی شومئی قسمت اگلے چند برسوں میں '' سوکھا '' پڑا اس نئی افتاد سے نمٹنے کیلئے اسی پروگرام کے تحت سنہ ۶۷-۱۹۶۶ ع ہی میں ایک اور پروگرام وضع کیا گیا جو زیادہ پیداوار کی قسموں کے اجناس پر مشتمل تھا میری مراد (High yielding varieties) کا نیا رجحان ہے جو کم وقت میں زیادہ پروڈکشن (Production) کی بنیادوں پر کیا گیا ۔ اس پروگرام میں خاطر خواہ کامیابی نے حوصلے اور بڑھادئے اس سلسلہ میں دھان کی ایک نئی قسم (Taichung Native I) تیچنگ نیٹیو ون بہت کامیاب رہی ۔ گویا (Green Revolution) کے ذریعے مختلف طریقوں کی باز یافت ہوئی ان تمام امور کو یک نظر ان چند عنوانات سے الگ الگ سمجھا جاسکتا ہے ۔

(۱) (i. A. D. p) کے منجملہ تمام پروگرام اور انکے ذرائع کی جانچ پڑتال ۔

(۲) مختلف پیداوار کی اسکیمات اور انکا پروڈکشن ۔

(۳) عوامی اور قومی سطح پر کاشتکاروں سے استفادہ ۔

(۴) قدرتی پانی کے وسائل اور انکا استعمال ۔

(۵) قیمتوں کی شرح کا تعین ۔

(۶) مقامی اور موسمی حالات کے مد نظر پیداوار کی اصلاح

(۷) ذخیرہ اندوزی کی قانونی حیثیت ۔

(۸) مارکیٹنگ کا نظام اور سہولتیں ۔

(۹) پیداوار سے زیادہ پروٹین کا حصول مثلاً انڈا مچھلی گوشت کا نعم البدل یعنی ترکاریاں اور دالیں (Cereals and Pulses) ۔

(۱۰) سب سے اہم پروجکٹ (Project) کسانوں کی خواندگی اور انکے معلومات میں اضافہ کیلئے توسیعی تعلیم (Extension Education) کے ذریعہ (واضح رہے کہ سائنٹفک ریسرچ فائنڈنگ (Sc. Res. Finding) کو کسانوں تک پہونچانا ہی (Ext. Edu.) کہلاتا ہے ۔

(High yeilding varieties) کے پروگرام نے نئی امنگ نیا حوصلہ دیا ابتداً اس پروگرام سے بڑے کسانوں کو خوب فائدہ ہوا اور پروڈکشن میں بھی اضافہ ہوا لیکن (Small Farmers) اور (Marginal Farmers) اس سے خاطر خواہ مستفید نہ ہوسکے ۔ چنانچہ حکومت نے سنہ ۷۰-۱۹۶۹ ع میں (Small Farmers Dev. Ag.) اور (MF & AL) یعنی (Marginal Farmers and Agriculture Labour) ڈیولپمنٹ Dry Land پروگرام کی اسکیم بنائی اور اسکے فوری بعد (Agri. Dev. Project) کا امپلیمنٹیشن ہوا ۔ یہاں یہ بات بھی واضح کردوں کہ ہندوستان میں ۷۰ فیصدی حصہ کی کاشت کا انحصار بارش کے پانی پر ہے گویا ملک کے دو تہائی (⅔) حصے کو بھی اس پروگرام کے تحت قابل کاشت بنایا جانے لگا یہ ایک ایسا کامیاب قدم تھا جسکو عوام اور خواص سبھوں نے پسندیدہ نظروں سے دیکھا اس ضمن میں حکومت کا یہ اقدام قابل تحسین قرار پایا جب کہ اس نے بنکوں کو قومیالیا (Bank Nationalization) سے اگر ایک طرف حکومت کی کارکردگی کا اندازہ ہوا تو دوسری طرف دیہی قرضہ جات کی وجہ سے عوام بالخصوص کسانوں میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی اور بنکوں کے اگریکلچرل ڈیولپمنٹ کیلئے قرضہ جات بڑے سود مند ثابت ہوئے ۔ ان قرضوں سے بالراست یا بالواسطہ (MF & AL S.F.D.A) گروپس کو بہت فائدہ ہوا ۔

یہی نہیں بلکہ حکومت نے (H.Y. Vrs. Pro.) کے سلسلہ میں سب سے زیادہ پیداوار بنانے والے کسانوں کو '' کرشی پنڈت '' کا اعزاز دینے کا بھی اعلان کیا اس ترغیب نے کسانوں میں سچی لگن محنت اور دیش بھکتی کا آدرش اور اونچا کردیا ۔ چنانچہ پچھلے سالوں میں دیش کے چند کسانوں نے ایک ایسا ریکارڈ بنایا جو بیرونی ملکوں میں قابل لحاظ حد تک توجہ کا مرکز بن گیا یعنی (۱) دھان ۱۴۰ تا ۱۵۰ کنٹل فی ہیکٹر (۲) گیہوں ۱۲۰ تا ۱۲۵ کنٹل فی ہیکٹر جبکہ سنہ ۶۷-۱۹۶۶ ع میں یہ مقدار کچھ اسطرح ریکارڈ کی گئی تھی -

(۱) دھان تقریباً ۱۱۶ کنٹل اور گیہوں ۱۱۱ کنٹل لیکن (H.Y. Vrs. Pro.) کے تحت یہ مندرجہ

بالا ترقی غیر معمولی قرار پائی اور ایک رپورٹ کے لحاظ سے سال میں چھ فصلیں (G. Crops) تک حاصل کی گئیں - پروڈکشن کے اس اضافہ سے اجناس کی قیمتوں میں خاطر خواہ کمی بھی ہوئی اور مزید اسکا امکان ہے -

یہ ہے وہ زرعی یا سبز انقلاب جسکے ذریعہ ملک میں خوشحالی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور وہ دن کچھ دور نہیں جب سارے کسان نہ سہی چند اور کسانوں نے اس پروگرام کو اپنالیا تو ہندوستان نہ صرف خود مکتفی ہو جائیگا بلکہ ساری دنیا میں وہ اس قابل ہوگا کہ (U.N.O.) کے تحت (F.A.O.) کی اسکیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے -

کیونکہ دنیا کی غذائی صورت حال ہنوز ابتر ہے اسکا اندازہ (F.A.O.) کے صدر (Dr. Addeke Boerma) کے اس بیان سے ظاہر ہوگا -

انہوں نے کسی موقعہ پر کہا تھا -

" We are living on the edge of a knife "

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی اور غذائی صورت حال کا کیا (Ratio) (تناسب) ہے اور ہمیں اپنے ملک کی حالت کے پیش نظر بھی سبز انقلاب میں بڑھ چڑھکر حصہ لینا ضروری ہی نہیں بلکہ لازمی ہے۔

* * * * *

(ڈسپلن سے قوم طاقتور بنتی ہے)

واحد پریمی

غزل

اهل دل ، اهل جگر ، اهل نظر هیں هم لوگ
زینت حسن هے جن سے وہ گہر هیں هم لوگ

هم کو اے خاک کے ذرات سمجھنے والو
غور سے دیکھو ذرا شمس و قمر هیں هم لوگ

تم پرستار جفا ، هم هیں نثاران وفا
تم سیه رات هو تابنده سحر هیں هم لوگ

جسکی خوشبو سے معطر هے فضائے گلشن
اے نگہبانو وهی تو گل تر هیں هم لوگ

هم تو پیغامبر منزل نو هیں یارو
یه سمجھ بیٹھے هو کیوں ، گرد سفر هیں هم لوگ

فطرتاً قطرۂ شبنم کی طرح هیں لیکن
قت پڑجائے تو مانند شرر هیں هم لوگ

صرف پابند روایات رهیں کیوں واحد
صاحب فکر هیں ارباب نظر هیں هم لوگ ۔

* * *

غزل

ذروں کو تم مثال مه و کہکشاں کرو
اے دوستو زمین هی کو آسماں کرو

مٹنے کے بعد ملتی هے یارو حیات نو
تم بڑھکے خیر مقدم برق تپاں کرو

دیوانوں احترام بہاراں کا وقت هے
۔امان عقل و هوش کی اب دهجیاں کرو

جو چاهتے هو کیف محبت به هر نفس
تم اپنے دل کو وقف غم دوستاں کرو

گر اپنے همنوائی کریں کچھ نہیں کمال
هے بات جب که غیروں کو بھی همزباں کرو

واحد تلاش خام سے کچھ فائدہ نہیں
منزل په تم پہنچنے کا عزم جواں کرو ۔

* * * *

اقبال متین

میں اپنی نانی کے پاس کچھ ہی دن ہوئے شہر آئی ہوں۔ ضلع میں ، میں نے اپنی ہائی اسکول کی تعلیم ختم کرلی ہے۔ یہاں مجھے کالج میں داخلہ مل گیا ہے۔

شام کو اپنی نانی کے ساتھ گھومنے پھرنے چلی تھی - بڑی احتیاط سے پھونک پھونک کر قدم دھر رہی تھی - جیسے زمین زمین نہ ہو ڈولتا ہوا بجرا ہو اور میں اپنا توازن کھو بیٹھوں - آدمیوں کی اتنی بھیڑ ، میں نے سنی تھی ، دیکھی کہاں تھی - رنگ برنگ کی موٹریں ، بسیں ، جیسے آنکھوں میں گھسی آئیں - اسکوٹروں پر اڑتی ہوئی لڑکیاں مجھے پریاں سی لگیں - میں نے تصور ہی تصور میں کتنی ہی بار ان کی جگہ خود کو دیکھا - شہر کا بڑا بازار ، اونچی عمارتوں کی ایک تماشاہ گاہ ہے - جہاں میں خود کو بھول گئی ہوں - انجانے میں بس اتنا احساس ہے کہ کہ میری نانی نے میرا ہاتھ تھام رکھا ہے اور میں زمین پر چل نہیں رہی ہوں ڈول رہی ہوں -

وہ پانو جو تیڑھی میڑھی پگڈنڈیوں پر اڑتی ہوئی تتلیوں کی طرح دوڑتے تھے یہاں فٹ پاتھ پر ڈھنگ سے اٹھنا بھی بھول گئے ہیں - وہ آنکھیں جو دھان کے لہلہاتے کھیتوں کی تازگی ، ہرے بھرے ٹیلوں کی شادابی ، بہتی ہوئی ندیا کی روانی ، ٹھنڈک ، صبح کی پھیلی ہوئی دھوپ کا سنہرا پن ، شام کی فضاؤں میں بکھرا ہوا کاجل اپنے گاؤں سے سمیٹ لائی تھی وہ اب بڑے بڑے پوسٹرس اور اشتہارات اور دوکانوں کے بورڈ پڑھ کر حیران ہورہی ہیں - اور پھر یہ موٹریں ، یہ اسکوٹروں کی پریاں یہ سجی ہوئی دوکانیں ، یہ آدمیوں کا چڑھتا ہوا دریا ، جی چاہتا ہے۔ آج کے آج سارا شہر دیکھ ڈالوں - آنکھیں کتنی بڑی نعمت ہیں - ان کی جوت گنوا کر کوئی کس طرح جیتا ہوگا - میں لمحہ بھر کو اپنی آنکھیں بند کرلیتی ہوں اور میرا رواں رواں کانپ اٹھتا ہے۔ اندھیرے اطراف - اندھیرے- دور تک اندھیرے اف -

منقش صراحیوں اور آب خوروں کی دوکان سجائے ایک لحیم شحیم عورت ہر راہ گیر کا منہ تک رہی ہے۔ فٹ پاتھ پر اس نے ایسی جگہ چن لی ہے کہ اس کے سجے ہوئے سامان پر راستے کا بلب ہر رات چمکتا ہوگا اور بجلی کا کھمبا اس طرح اس کی پشت پناہی کررہا ہے کہ وہ اس شان استغنا سے مسندنشین ہے جیسے فٹ پاتھ پر نہیں کرسی صدارت پر متمکن ہے - راہ گیروں کا منہ تکنے میں اس کی آنکھیں اپنی بے بضاعتی کا اظہار نہیں کررہی ہیں بلکہ فربہی کا بوجھ ہے جو تکی ہوئی نظروں کو اٹھنے جھکنے سے روکے ہوئے ہے -

میری نانی ایک صراحی کو الٹ پھیر کر دیکھ رہی ہے - یہ نقش کب تک پانی کو سہہ سکیں گے - پھر اس نے اپنی انگوٹھی کے نگ کو ہتھیلی کی طرف گھما کر صراحی کو بجانا شروع کردیا ہے - آواز بتا رہی ہے اس صراحی میں کہیں بال نہیں ہے -

کوئی میرے برابر سے ہو کر مقابل میں آگیا ہے - جھک کر اس نے بھی ایک صراحی اٹھالی ہے - لیکن وہ صراحی کو دیکھنے کے بہانے مجھے دیکھ رہا ہے - میری نظریں اس کی نظروں سے چار ہوئیں اور میں نے نظریں جھکالیں لیکن میں چوری چھپے اسے دیکھ رہی ہوں - وہ تو بس چہرے پر ٹکٹکی جائے ہوئے ہے - میری ناک کے نیچے اور تھوڑی کے اوپر پسینے کے قطرے چمکنے لگے ہیں - میں چاہتی ہونکہ یہاں سے نکل چلوں لیکن میری نانی نے پہلی صراحی رکھ دی ہے اور دوسری اٹھالی ہے اور پھر الٹ پھیر کو ٹھوک بجا کر دیکھنے میں منہمک ہے - میں بھی اب صراحی میں دلچسپی لیتی ہوں تاکہ اس طرح مبہوت کھڑے رہ کر اپنے ذہنی دیوالیہ پن اور اس بوکھلاہٹ کو عیاں ہونے سے بچالوں- لیکن ایسا بھی کیا دیکھنا کہ بس پلک ہی نہیں جھپکتی - میں نے انکھیوں سے اس نوجوان کو پھر دیکھا - اس کی آنکھیں میرے چہرے پر ٹھہر کر جیسے سب کچھ بھول گئی ہیں -

میرے پاس صورت ہے ، جسم ہے ، عمر ہے ، آنکھیں ہیں - کسی لڑکی کو اور چاہئے بھی کیا - مجھے بے شمار آنکھوں نے دیکھا ہے - اور میں خوش ہوں کہ دیکھے جانے کے لائق ہوں - عورت دز دیدہ نگاہوں سے دیکھی جائے تو اندر ہی اندر وہ پھول کی طرح کھل جاتی ہے لیکن چہرے پر اس شگفتگی کو اس وقت تک آنے نہیں دیتی جب تک کہ وہ بار بار نہ دیکھی جائے - میں اس بات کو مانتی ہوں لیکن مجھے تو کچھ ایسی آنکھوں سے سابقہ پڑا ہے جو مجھے دیکھ کر پھر کچھ اور دیکھنا ہی بھول گئی ہیں -

میں نے نانی کو ٹھوکا دیا — ”لے بھی چکونا“ -

لیکن اس نے وہ صراحی پسند کرکے ایک طرف رکھ دی ہے اور ایک آبخورہ اٹھالیا ہے ۔ اور وہ مجھے اس طرح دیکھے جا رہا ہے جیسے اس کی آنکھیں میرے وجود کو تلاش بھی کر رہی ہیں ۔ جھٹلا بھی رہی ہیں ۔

اپنے ضلع میں اسکول آتے جاتے مجھے کتنی ہی آنکھوں نے دیکھا ہے ۔ اپنے گاؤں میں تو خود میری آنکھوں نے کتنی ہی آنکھوں کو ، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہرا دیا ہے ۔ لیکن یہ انداز نظر ہی کچھ اور ہے ۔ یہ نظر بجائے خود دبدبی ہے ۔ میں تو بشیاں سی ہوچلی ہوں ۔ جیسے میرا اپنا کچھ دوش ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ میں ان نظروں کی زد میں کیوں آ گئی ۔

ایک عجیب سا خطرہ مجھ پر طاری ہونے لگا ہے ۔ یو کھلاہٹ اور پشیمانی آہستہ آہستہ خوف سے بدلنے لگے ہیں ۔ اور میں نانی کے پیچھے سے گھوم کر ان کی دوسری جانب پہنچ گئی ہوں تا کہ خود کو محفوظ کرسکوں ۔ لیکن وہ آنکھیں سرخ لائٹ کی طرح مجھے فوکس میں لئے میرے ساتھ ساتھ گھوم رہی ہیں ۔

میری نانی نے وہ صراحی خریدلی ہے جو پہلے اس نے پسند کی تھی ۔ باقی پیسے لوٹانے کے لئے جب سوٹی عورت نے الٹی سانس لے کر نفی میں گردن ہلادی تو پھر مجھے تکنے والی آنکھیں گویا ہوئیں ۔ " لیجئے میں دے دوں " ۔

" لیجئے میں دے دوں ؟ " ۔

نانی نے نوٹ بڑھایا تو اس نے پس و پیش کیا ۔

نانی نے اصرار کیا اور ہم چھٹکارا پا کر آگے بڑھنے لگے ۔ شہر میں کسی شئے کو بھولنے میں منٹ دو منٹ سے زیادہ دیر نہیں لگتی ۔ یہی آنکھیں مجھے اپنے گاؤں میں ملتیں تو کوئی فیصلہ کن بات ہو ہی جاتی ۔ لیکن یہاں سمنٹ کی سڑکیں کسی مسافر کا پاؤں پکڑنے کی زحمت ہی نہیں کرتیں ۔ یہاں نہ نقش قدم ہیں ، نہ گرد کاروان ہے ۔ آدمی چلتا ہے ، چلتا ہے ، نہ پیچھے آنے والوں کے لئے کچھ چھوڑتا ہے نہ خود اس کے لئے کسی کے نقش کف پا چمک اٹھتے ہیں ۔ اور پھر بھیڑ کا یہ عالم ہے کہ چھوتے ہوئے ہاتھ پھر نہیں ملتے ۔

میں اسی لئے تو مطمئین تھی کہ چلو آگے بڑھ آئی ہوں ۔ اب نہ پیچھے کچھ ہے اور نہ سامنے کچھ ۔

نانی نے کتنی ہی چیزیں مجھے بتلائیں ۔

اور جب میں چلتے پھرتے بنگلے میں سوار ہوگئی میرا تن من ڈول رہا تھا ۔ نیچے چلتے ہوئے راہ گیر ، سائکلیں رکشے ، موٹریں سب ہی کچھ غیر اہم سے لگ رہے تھے ۔ مکانوں کی چھتیں ، گنجے کی چندیا کے مانند چمک رہی تھیں ۔ رکتی ، بڑھتی ، تھم تھم کر جب ڈبل ڈک کہیں ٹھہر گئی تو نانی نے مجھے جیسے جگا دیا ۔ ہم دونوں اتر پڑے ۔

" یہ آندھرا بنک ہے ۔ یہ ویمنس کالج ہے " ۔

میں سوچ رہی ہوں ۔ میرا تو یہیں یہ حال ہو رہا ہے ، لوگ دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں کیا کرتے ہوں گے ۔

ٹھیلوں کی قطار میں میری نانی ایک جگہ ٹھہر گئی ہے ۔ اس نے کہا ۔ بتا کیا کھائے گی ؟ پھر خود ہی چاٹ بنانے کے لئے کہہدیا ۔

میں ہو ہو ، سو سو کرتی چاٹ کھا رہی ہوں ۔

میری نانی مجھ سے کہہ رہی ہے کہ میرے گال سرخ ہورہے ہیں ۔

میں تو اپنے بالوں کی اس لٹ پر جھلا رہی ہوں جو چاٹ کی دوب میں آ گری ہے ۔ میں بے بس ہوں ۔ ایک ہاتھ میں دوب ہے ۔ ایک چھوتھا ہے ۔ نانی نے مسکرا کر میری لٹ کو اپنے پلو سے صاف کیا اور پیچھے بالوں میں اڑس دیا ۔

میں پھر مزہ لے رہی ہوں ۔ سو سو ، ہو ہو ۔

اب یہ کجوری کھالے ۔

پھر میں اور نانی غپ چپ کھانے لگے ۔ بتانے بھرا غپ چپ میں نے منھ میں رکھا اور مزہ لینے لگی ۔ نانی نے کہا ۔

" تجھے اس ہوٹل سے کافی پلالوں نیا مڈیکل کالج بتاؤں ۔ "

ہوٹل پر کافی بورڈ کی بڑی تختی لگی ہوئی ہے ۔ ایک آدمی دھلے دھلائے ۔ جگ مگ کرتے صاف شفاف چھوٹے سے بیرل کی نلکی کھول کر کافی بھر رہا ہے اور ایک آدمی کوپن جمع کر رہا ہے ۔ ۔ نہ اس کے ہاتھ کو چین ہے ۔ نہ اس کے ہاتھ کو ۔

میں نے دوسرا غپ جپ منھ میں رکھتے ہوئے محسوس کیا جیسے پھر کسی خوف کی پرچھائیاں میرے ذھن پر پڑنے لگی ہیں ۔

میں نے ادھر ادھر جب نظریں گھمائیں تو شاید میری آنکھوں نے اچھتے اچٹتے کوئی ایسا منظر دیکھا ہے ۔ جس سے میں کبھی کچھ خائف ہوگئی تھی ۔

میں پھر ایک پانی بھرا غپ چپ ٹھیلے والے کے ہاتھ سے لے رہی تھی کہ میری آنکھیں اس کی آنکھوں سے چار ہوئیں وہ پھر اسی ڈھنگ سے مجھے تک رہا ہے ۔ اب کی بار اس نے

خود کو لوگوں کی بھیڑ میں چھپا کر رکھا ہے ۔ شاید چاہتا ہے
کہ وہ مجھے دیکھتا رہے لیکن میں اس کو نہ دیکھ سکوں ۔
لیکن میں نے اس کو دیکھ لیا ہے ۔ میں نے اپنی نانی کو بتلادینا
مناسب سمجھا کہ وہ آدمی ہمارا پیچھا کر رہا ہے ۔

میں نانی کے قریب ہو گئی ۔ انہیں صورت حال سے واقف
کرادیا اور یہ بھی بتلادیا کہ وہ نوجوان کہاں کھڑا ہے ۔
نانی نے جھٹ پٹ ٹھیلے والے کے پیسے ادا کئے اور میرا ہاتھ
اس مضبوطی سے تھام لیا جیسے میں خود بھاگ کھڑی ہونا
چاہتی ہوں ۔

ہم نئے مڈیکل کالج کی طرف بڑھے تو میری نانی نے اسے
نظر بھر کر دیکھا اور میں نے کن انکھیوں سے ۔

وہ بھی ہمیں بڑھتا ہوا دیکھ کر بھیڑ میں کہیں غائب
ہو گیا لیکن میں اور نانی نئی مڈیکل کالج کے گیٹ میں داخل
ہوئے تو وہ جیسے خوش آمدید کہنے کھڑا تھا ۔

ہمیں اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر کچھ وہ بھی بوکھلایا
میرے تو قدم زمین میں گڑ گئے ہیں ۔ شہر کی دھرتی جیسے
کسی تہمت کا انتقام لے رہی ہو ۔

نانی اسے یوں دیکھ رہی ہے جیسے نظروں ہی سے چبا کر
تھوک ڈالے گی لیکن وہ ہماری ان ساری کیفیات سے بے نیاز
ہے ۔ ہم پر جو بیت رہی ہے سو بیت رہی ہے ۔ لیکن کچھ
ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ تو صرف اتنا جانتا ہے کہ جو کچھ
بیت رہی ہے سو اسی پر بیت رہی ہے ۔

ہم آگے بڑھ گئے تو نانی نے کہا ۔

" منہ سے پھوٹتا بھی تو نہیں ،— گونگا ہوگا موا " ۔

میں نے نانی کو یاد دلایا کہ گونگا اونگا نہیں ہے ۔
اس نے صراحی خریدتے وقت رہبرداری پیشکش کی تھی ۔ نانی کو
یاد آیا تو وہ جھلا کر بولی ۔

" ہاں جی یہ موا تو بولتوں کی بولتی بند کرے ہے " ۔

نانی کی اس بے بسی پر میں مسکرائے بنا نہ رہ سکی ۔
لیکن خوف کی پرچھائیاں اب گہرے سایوں میں بدل رہی
تھیں ۔

ہم دوسرے گیٹ سے نکل کر بس اسٹینڈ کی طرف چلے
ہیں تو نانی بڑی چوکنی ہو گئی ہے ۔ وہ پلٹ پلٹ کر اور دائیں
بائیں نظریں گھما گھما کر برابر دیکھے جارہی ہے ۔ کچھ دیر
بعد اس نے میرا ہاتھ دبا کر کہا ۔

" وہ پیچھے پیچھے آرہا ہے " ۔

اسی اثناء میں بس سامنے اسٹینڈ پر آکر رکی تو ہم تیز
تیز چل کر " کیو " میں جا ملے نانی نے مجھے آگے کردیا اور
خود پیچھے ہو گئی کہ میں نظروں کے سامنے ہی رہوں ۔

جب ہم بس میں سوار ہوئے تو اوپر کی منزل پر چڑھتے
چڑھتے ہم نے دیکھا کہ وہ بھی کیو میں کھڑا ہے اور بس میں
سوار ہونے والا ہے ۔

راستہ کس طرح گزر گیا ۔ مجھے کچھ کم کم احساس
ہے ۔ نانی اس قدر پریشان ہے جیسے خود وہ ابھی ابھی شہر
آئی ہے ۔ اس کی اس پریشانی سے میں خائف بھی ہو گئی ہوں ۔
اور اداس بھی ۔ خوف زدہ اس لئے کہ آنکھیں میرا پیچھا کر رہی
ہیں ۔ اداس اس لئے کہ اگر وہ پیچھا نہ کرتیں تو جانے کب
تک شہر میں گھومتی پھرتی ۔ یہاں تک کہ نانی تھک جاتی
اور اس کے پیر شل ہوجاتے ۔ مجھے تو کچھ نانی پر بھی غصہ
آرہا ہے ۔ وہ زیادہ ہی گھبرائی ہوئی ہے ۔ میں نے جب اس کی
بات بتلائی تھی تو میں سمجھتی تھی کہ نانی ان آنکھوں کو
شعلہ بن کر جھلس دے گی ۔ لیکن وہ جیسے سٹھیا گئی ہے ۔

ہمارے پاس گاؤں میں کسی لڑکی کی آنکھیں اگر وہ جاگتی
رہیں تو دنیا بھر کا مقابلہ کرسکتی ہیں ۔ یہاں شہر میں ایک
مرد کی دو آنکھوں نے ہمارے حواس گم کردئے ہیں ۔ وہ دیکھ
رہا ہے تو دیکھتا رہتا ۔ میرے لئے تو یہ نئی جگہ تھی ۔ اسی
لئے تو میں اس دیکھے جانے کو بھی گوارہ کئے ہوئے تھی ۔
ہمارا گاؤں ہوتا ، یا پھر اس شہر سے میں مانوس ہوتی تو اس کی
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھتی کہ دیکھو میری آنکھوں
میں تمہارے لئے کتنی نفرت ہے ۔

ہم گھر کے قریب پہونچ گئے اور نانی نے مجھے اٹھنے
کو کہا ۔ ہم بس پر سے اتر پڑے تو نچلی منزل سے وہ بھی
اتر پڑا ۔ وہ ہمارا ہی منتظر تھا ۔ ہم گھر کی جانب چلنے لگے
تو وہ کھڑا ہمیں دیکھتا رہا ۔ پاس سے گزرتے وقت میں نے
بیزار نگاہوں سے اسے دیکھا بھی ۔ لیکن وہ اس قدر مبہوت کھڑا
تھا جیسے جادو کے اثر سے نیم جاں ہو ۔ ہم آگے بڑھ گئے تو
نانی نے پلٹ کر دیکھا ۔

" وہ آرہا ہے " — نانی نے مری ہوئی آواز میں کہا ۔

آنے دو موئے کو — تم ڈرتی کیوں — گھر قریب آگیا
تھا تو مجھ میں بھی ہمت آگئی تھی ورنہ نانی نے سٹھیا کر رکھ
دیا تھا ۔

گھر کے دروازے تک وہ برابر پیچھے پیچھے چلا رہا ۔
میں تو اس جھپاکے سے اندر چلی گئی جیسی کوئی پردہ نشین

خاتون سواری سے اتر کر راہ گیر کی نظر سے بچتی ہو ۔ نانی پیچھے آئی تو کہنے لگی —

" سوا کھڑا ہے ، تیرا ماموں آجانے دے ۔ ھڈیاں تڑوا دوں گی " ۔

میں بھی سوچتی رہی کہ شہر کی ریت نیاری ہے ۔ کوئی لڑکا ، لڑکی کو تاک رہا ہو تو لڑکی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوتی ہے اور اپنے ماموں کے آنے کا انتظار کرتی ہے ۔ گاؤں میں منٹ بھر میں وہ سمجھا دیتی ہے کہ مسافر راستہ بھٹک گئے ہو ۔ اس کنویں کا ٹھنڈا پانی تمہارے لئے نہیں ہے ۔ راہ لو اپنی ۔

ماموں آتے نہیں قفل کھلتا نہیں ۔ اس کہاوت کے مصداق نانی نہ مجھے بنگلے کی کھڑکی کھولنے دیتی ہے نہ سڑک کا نظارہ کرکے دل بہلانے دیتی ہے ۔

ہمارے بنگلے پر قطار سے تین کھڑکیاں ہیں ۔ نانی کہتی ہے کہ جب جی نہیں لگتا تو وہ کھڑکی کھول کر بیٹھ رہتی ہے اور اس طرح گھنٹوں گزر جاتے ہیں ۔ تیرا ماموں بھی کبھی کبھی دوسری کھڑکی میں بیٹھ رہتا ہے ۔ اس کا گھنٹوں نہیں تو کچھ نہ کچھ وقت گزر جاتا ہے ۔ تیسری کھڑکی ایسے میں بند رہتی ہے یا پھر کھلی بھی رہتی تو خالی رہتی ۔ اب یہ میرے حصے میں آئی ہے ۔

پرانی وضع کے اس مکان میں ان کھڑکیوں سے صرف ہوا اور روشنی ہی داخل نہیں ہوتی بلکہ زندگی داخل ہوتی ہے ۔ کھڑکیاں بند کرلی جائیں تو کمرے کی چھت پر بڑا سا کتبہ لگا دیا جاسکتا ہے ۔

قبر جس میں تین آدمی دفن ہیں ۔

مکان در اصل ہمارے قبضے میں ہے نہیں ۔ نچلا حصہ سارے کا سارا نانی اور ماموں نے کرائے پر دے رکھا ہے ۔ یہ حصہ اچھا خاصہ وسیع ہے ۔ چار دالان ، چار کمرے ، دو چھوٹے سے برآمدے ، دو حمام ، دو بیت الخلا ، ان دو حمام اور دو پخانوں میں سے ایک حمام اور یک پخانہ تو ہمارے لئے مختص ہے ۔ ماں نے دونوں ہی کے دروازوں پر تالے ڈال رکھے تھے ۔ یہ تالے لگ بھگ ماموں ہی کی عمر کے ہوں گے ۔ ان کا کام لوگوں کو چکر دینا ہے ۔ کوئی مائی کا لال ذرا سا جھٹکا دے تو پٹ سے کھل جاتے ہیں ۔ لیکن ہمارے کرایہ داروں پر ماموں کا بڑا رعب ہے ۔

تو اس نچلے حصے میں چھ خاندان بستے ہیں ۔ ایک ایک دالان میں ایک ایک خاندان آباد ہے ۔ ایک خاندان نے دو کمرے لے رکھے ہیں اور ایک فیملی نے تو بچے ہوئے ایک ہی کمرے پر اکتفا کیا ہے ۔ ایک کمرہ مقفل ہے اور ایسا لگتا ہے ایک مدت سے اس کا قفل کھولا نہیں گیا ۔ میں نے بھی ابھی اس کمرے کے مقفل رہنے کی وجہ نانی سے پوچھی نہیں ۔

ادھر ادھر کچھ ایسا سنا تھا کہ کوئی نیا دلہا نئی نویلی دلہن کو لے کر یہاں اترا تھا ۔ بس رات بھر کی تو بات تھی ۔ صبح ہوئی تو دلہا کی لاش کمرے میں اکیلی تھی اور دلہن غائب تھی ۔

عورتیں کہتی ہیں کہ انہیں دلہن کی پرچھائیاں آج بھی اس کمرے کا طواف کرتے ہوئے راتوں کو دکھائی دیتی ہیں ۔ دلہن بے وفا نہ تھی ۔ اس کا اغوا کیا گیا ہے ۔

مرد کہتے ہیں کہ انہیں دلہا کے چیخوں کی آوازیں اور ساتھ ساتھ دلہن کے قہقہوں کی آوازیں صاف سنائی دیتی ہیں ۔ میں سمجھتی ہوں کہ نہ عورتیں کچھ دیکھتی ہیں نہ مردوں کو کچھ سنائی دیتا ہے ۔ ایک دوسرے سے عہد وفا استوار کرنے یا جھوٹ موٹ اپنی اپنی محبتوں کا یقین دلانے کے لئے لوگ اس کمرے کے قصے کو لے بیٹھتے ہیں ۔ بہر حال میں اپنی نانی سے اس مقفل کمرے کی تفصیلات معلوم کرنے کیلئے ایک بے چینی سی خود میں ضرور پاتی ہوں ۔ لیکن اب تو ان دو کھلی آنکھوں نے مجھے پریشان کر رکھا ہے ۔ پہلے ان سے نپٹ لوں ۔

گھر کے دروازے میں داخل ہوتے ہی سیدھی جانب سیڑھیاں ہیں جو ہمیں اپنے بنگلے پر لے جاتی ہیں ۔ بنگلے پر صرف یہی ایک کمرہ ہے ۔ جس کی تین کھڑکیاں ہیں اور ہم تین رہنے والے ۔ ہمارے فرش کے بالکل نیچے جو کرایہ دار ہیں وہ گویا پختہ چھت کے نیچے رہتے ہیں ۔ بقیہ جتنے دالان اور کمرے ہیں ان کی چھتیں کویلو کی ہیں ۔

ہمارے ضلع میں جو جیل خانہ ہے جانے کیوں مجھے اپنے گھر کو دیکھ کر بار بار اس کا خیال آتا ہے ۔ پہلے پہلے تو مجھے اس مماثلت کا کچھ احساس نہ ہوا ۔ پھر یکا یک ذہن میں کوئی کوندہ سا لپکا اور مجھے خیال آیا ، جیل کے بڑے سے چوکور وسیع احاطے کے ہر گوشے میں چار کمرے بلندی پر بنائے گئے ہیں ۔ جن میں سنتری پہرہ دیتے ہیں اور سارا جیل خانہ ان کی نظروں میں رہتا ہے ۔ ہمارا یہ گھر بالکل اسی طرح کا چھوٹا جیل خانہ ہے ۔ ماموں سنتری ہے اور نانی شحنۂ شہر ۔

اپنے ان کرایہ دار ں کی حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کو نانی کبھی کبھی اس سمت کی کھڑکی کھول لیتی ہے جو

گھر کے اندر کھلتی ہے ۔ کبھی نیچے کوئی بلوہ ہوتا ہے ، کرایہ دار آپس میں لڑ پڑتے ہیں یا عورتیں تو تو ، میں میں کرتی ہیں تو نانی کی اس اکلوتی کھڑکی کے پٹ بڑے دھڑے سے کھل جاتے ہیں اور لڑنے جھگڑنے والوں کی نظریں انصاف کی طالب ہوکر نانی کی جانب اٹھ جاتی ہیں ۔ اب چونکہ یہ کھڑکی بند ہے ، ہمارے بنگلے میں اندھیرا ہے ۔ سورج کی اکا دکا کرنیں کسی سوراخ سے داخل ہوتی ہیں تو فرش پر چمکتی ہوئی سونے کا سکہ بن گئی ہیں ۔

دن کا ابھی بہت بڑا حصہ باقی ہے ۔ میں سوچ رہی ہوں ۔ وہ شخص ہمارا پیچھا چھوڑے تو نانی کو اکسا کر ، بہلا، منا کر ، ہمت دلا کر پھر گھومنے پھرنے کے لئے نکل پڑوں ۔

میں نے آخر تنگ آکر نانی سے کہا ۔

” کھڑکیاں کھول دو نانی ۔ دیکھیں بھی وہ کھڑا ہے ، چلا گیا ۔ وہ کوئی شیر تو ہے نہیں ۔ جو ہمیں کھا جائیگا ۔،،

” ایسے مرد شیر سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں بگلی ،، ۔ نانی نے کہا ۔

اس کی آواز مدھم ہوگئی ۔ کہنے لگی ۔

” تجھے کچھ پتہ ہے ۔ کچھ ہی دن ہوئے ۔ دن دھاڑے ایک عورت کو دو مرد سڑک سے اٹھا کر بھاگے ہیں ۔ پھر ان میں چار مرد اور مل گئے ۔ اور آج تک وہ عورت لاپتہ ہے ۔ اس کا میاں ہے ، اس کے بچے ہیں ۔ اور پولیس تلاش کر رہی ہے ،، ۔

میری عقل ٹھکانے لگی ۔ میری بدھی سدھر گی ۔ تو وہ آنکھیں جو مجھے اس طرح تک رہی تھیں جیسے اپنا پرایا بھول بیٹھی ہوں ۔ وہ اتنی چال باز ہوسکتی ہیں ۔!!

میں سوچ رہی تھی کہ ماموں آئیں گے تو اس موئے کو پٹتا ہوا دیکھ کر مجھے کس قدر مزہ آئیگا ۔ کاش ایسا بھی ہوسکتا کہ میں اور نانی اس موئے کو سڑک پر سے اٹھا کر کہیں لے جاسکیں ۔

نانی نے مجھے سوچ میں گم دیکھ کر شاید ہمت سے کام لیا ہے ۔ انہوں نے تینوں میں سے ایک کھڑکی کھول لی ہے ۔ یہ کھڑکیاں بنگلے کے فرش سے صرف ایک فٹ اونچی ہیں ۔ اور قد آور سے قد آور آدمی بھی اطمینان سے ان پر بیٹھ کر سڑک اور بازار کی سیر کرسکتا ہے ۔

نانی نے مگر ایک ہی پٹ کھولا ہے اور دوسرے پٹ کی آڑ میں براجے غور سے نیچے سڑک پر دیکھ رہی ہے ۔

” بجلی گرے تجھ پر ، منہ جلے تیرا ، آنکھیں پھوٹیں تیری ،، نانی بڑبڑانے لگیں ۔

” بس دروازے پر ٹکٹکی لگائے کھڑا ہوا ہے موا ۔ آنے دے تیرے ماموں کو ۔ دیکھ تو بھلا کیا کرواتی ہوں نواب کے جنے کو ،، ۔

” بس اس کی آنکھیں نکلوا دو نانی ۔ اور چھوڑ دو اس کو دنیا بھر کے اندھیرے میں بھٹکنے کے لئے ۔ اس کے لئے یہی بڑی سزا ہے ،، ۔

میں نے اس طرح کہا جیسے کوئی شہزادی کسی غریب کی جسارت پر کوتوال شہر کو اس کی آنکھیں نکلوا دینے کا حکم دیتی ہے ۔

لیکن میں چاہتی تھی کہ ذرا اس کو نظر بھر کر دیکھوں بھی ۔ آخر وہ جس کی میرے لئے ٹھکائی ، پٹائی ، ہونے والی ہے ۔ اسے میں بھی تو دیکھوں کہ اس کا چہرہ ہی یاد رہے ۔

میں نے بھی نانی سے پوچھے بغیر ہی دوسری کھڑکی کھول لی ۔ لیکن اسی احتیاط سے ایک پٹ بند رکھا اور پٹ کی اوٹ میں بیٹھ گی ۔

” موا کہاں ہے نانی ،، ۔؟

نانی نے مجھے بتایا ۔

” وہ رہا موا ۔ درزی کی اس دوکان کے چھجے کے نیچے ہاں وہی ابھی ابھی جس نے ہاتھ پر گھڑی دیکھی ہے ۔،،

وہ تو گھڑی دیکھ دیکھ کر انتظار کئے جا رہا ہے جیسے کسی سے ملاقات کا وقت لے رکھا ہو اور بے چین ہو ۔

پھر ہم نے دیکھا وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کے قریب آیا ۔ نانی تو بس اوسان کھو بیٹھی ۔ اس نے لپک کر وہ کھڑکی کھول لی جو گھر کے اندرونی حصے میں کھلتی ہے اور یہاں سے نانی کرایہ داروں پر کونوالی کرتی ہے ۔ اس کھڑکی سے دروازہ بہ آسانی بائیں جانب نظر آتا ہے ۔

لیکن وہ گردن جھکا کر سوچ میں گم لوٹ رہا ہے اور میں اسے لوٹتا ہوا دیکھ رہی ہوں اور میرے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں ۔ اب میں نے اطمینان کا سانس لے کر کھڑکی کھول لی ہے لیکن اس نے چلتے چلتے پلٹ کر اس طرح میری جانب دیکھا ہے ۔جیسے میری آواز پر چونک اٹھا ہو ۔ اس کو میں نے پکارا کب تھا ۔ پھر یہ بے آواز سی آواز اس نے کیسے سنی ۔ اس کی نظریں تو جھکنے کا موقع دئے بغیر میری نظروں

ہے چار ہوگئی ہیں اور میں زور سے کھڑکی بند کرکے غصے کے اظہار کے بعد کھڑکی سے ہٹ آئی ہوں ۔

ماموں ابھی نہیں آئے ہیں ورنہ میں اپنے عاشق کی مسرت ہوتی ہوئی دیکھکر لطف اٹھاتی ۔ یہ بھی عجیب طرح کی تشفی ہوتی ہوگی کہ کوئی اپنے لئے جان کھو رہا ہے ۔ کوئی اپنے لئے ہی کسی کے ہاتھوں دھنکا جارہا ہے اور ہم اوپر کھڑکی میں بیٹھے اس کی نامرادی کا عالم دیکھ رہے ہیں ۔

میں اور نانی چار پائی پر پڑ گئی ہیں ۔ اور میں نانی سے باتیں کرتی کرتی سو گئی ہوں ۔

ایک پل ہے اور میں بیچ پل پر تنہا کھڑی ہوں ۔ نیچے ٹھاٹھیں مارتا ہوا پانی ہے ۔ پھر پھر دیکھتے کے دیکھتے یہ پانی ساکن ہو جاتا ہے ۔ پھر جیسے منجمد ہو جاتا ہے ۔ پھر سب غائب ہوجاتا ہے اور دو بڑی بڑی آنکھیں اس منجمد پانی کی جگہ رک جاتی ہیں ۔ یہ بہت بڑی آنکھیں ہیں ۔ پل پر کھڑی میں جھک کر دیکھ رہی ہوں ۔ سونچ رہی ہوں کہ ان آنکھوں میں کود پڑوں ۔ لیکن یہ آنکھیں ڈبڈبانے لگی ہیں ۔ پھر آنسو امڈ امڈ کر آنکھوں میں بھر جاتے ہیں ۔ پھر آھستہ آھستہ آنکھیں کہیں غائب ہوجاتی ہیں اور سا کن پانی پل کے نیچے اپنی گہرائی کو چھپاتا ہوا ، تاحد نظر پھیل جاتا ہے ۔ یک بیک پل میرے پیروں کے نیچے سے کھسکنے لگتا ہے ۔ کچھ ھل چل سی محسوس ہوتی ہے اور مجھے کچھ سجھائی نہیں دیتا ۔

پھر لمحے بھر کے لئے مجھے میڈیکل کالج کی عمارت دکھائی دیتی ہے جس کا ایک بڑا حصہ منہدم ہوگیا ہے ۔ پھر وہ پل جس پر میں کھڑی ہوں گوٹ گوٹ پانی میں گرنے لگتا ہے ۔ اور میں چیخ مار کر پانی میں کود پڑی ہوں ۔ عین اس وقت یہ پانی آنکھیں بن جاتا ہے ۔

اور—اور میں جاگ گئی ہوں — میری آنکھ کھل گئی ہے ۔ نانی پیشانی پر ہاتھ رکھے مجھ سے پوچھ رہی ہے ۔

" کہ خوابی ہوئی ہے کیا ۔ تو ابھی ابھی چیخ پڑی تھی ۔ وہ کہاں ہے بگلی ۔ وہ نہیں آیا ۔ "

لیکن میں چار پائی سے نیچے کچھ ڈھونڈ رہی ہوں ۔

آنکھیں ملتی ہوں تو سمجھ میں آتا ہے کہ یہ تو چار پائی ہے جسے میں پل سمجھ رہی ہوں اور میں ڈھونڈھ کیا رہی ہوں آخر — یہاں تو صرف نانی ہے ۔ اس کی آنکھیں ہیں اور وہ تین کھڑکیاں ہیں جہاں سے صرف ہوا اور روشنی ہی نہیں زندگی بھی اس کمرے میں داخل ہوتی ہے ۔

میں مری ہوئی آواز میں نانی سے پوچھتی ہوں ۔

" نانا ، کہیں ماموں نے اسے پیٹا تو نہیں ؟ "

اور پھر خود ہی اپنی آواز کی بازگشت سن کر خاموش ہوجاتی ہوں ۔

اس لئے کہ نانی نے میری بات سنی ہی نہیں ۔

* * * *

شاهد بھوپالی

غزل

یہ بھی حد سے گذر نہ جائے کہیں
غم کا احساس مر نہ جائے کہیں

اپنا قصہ اداس ہو کے نہ کہہ
ان کی صورت اتر نہ جائے کہیں

میرے دل کو نظر جا کے نہ دیکھ
نبض عالم ٹھہر نہ جائے کہیں

ہم تو عادی ہیں ان اندھیروں کے
انکے گھر سے سحر نہ جائے کہیں

راہ الفت میں اتنی تیز روی
تجھسے منزل گذر نہ جائے کہیں

شوق دیدار پر مصر مت ہو
اعتبار نظر نہ جائے کہیں

دامن عشق پاک صاف رہے
آہ کا بھی اثر نہ جائے کہیں

بے بلائے ہوئے ترا آنا
مجھکو دیوانہ کر نہ جائے کہیں

پھر چلے ان کی سمت ہم شاہد
دوستوں کو خبر نہ جائے کہیں

* * *

غزل

دل غم کی آبرو ہے محبت کی جان ہے
جس سے مکیں کو ربط ہے نہ وہ مکان ہے

آئینہ دار وقت ہے تصویر انقلاب
سر پر زمیں ہے پیروں تلے آسمان ہے

قرب فروغ حسن سے بھی کم نہ ہو سکا
وہ فاصلہ جو انکے مرے درمیان ہے

جس روشنی میں آج نہائے ہوئے ہیں ہم
اس روشنی پہ ظلمت شب کا گماں ہے

اس سمت رہروان طلب بڑھ رہے ہیں پھر
جس سمت ہے وفا نہ وفا کا نشان ہے

اس دور کشمکش میں بہ فیض نگاہ غم
مٹنے کے بعد بھی تو وہی اپنی شان ہے

شاہد کوئی بتائے ہمارا قصور کیا
انکے ستم کا وقت اگر ترجمان ہے

* * * *

گلزار زتشی دهلوی

غزل

دو چار تو ملینگے طرح دار شہر میں
مطلق نہیں ستے ہیں یہ کردار شہر میں

سوسن خموش ، چشمہ شبنم ہوا ہے خشک
حیرت زدہ ہے نرگس بیمار شہر میں

جن پر وفا کے جرم کا الزام تھا کبھی
لٹکائے جائینگے وہ سر دار شہر میں

اتنی گھٹی گھٹی ہے فضائے حبس جان ہے
اب سانس تک بھی لینا ہے دشوار شہر میں

کب سے پڑی ہے بند دکان جواھرات
روشن ہیں سنگریزوں سے بازار شہر میں

رسم وفائے یار کی دیوار اب کہاں
بس رہ گیا ہے سایۂ دیوار شہر میں

قلندر کل بھی تشنہ بہ لب تھا بفضلہ
ہے تشنہ کام آج بھی فنکار شہر میں

ھمدرد مفلسوں کا یہاں کون ہے ندیم
مارے بنیتے جاتے ہیں زر دار شہر میں

گوشہ نشیں حکمت و دانش کے روشناس
دوچار گاؤں میں تو دوچار شہر میں

بیٹھے رھو خلوص وفا کے حصار میں
تذلیل آرزو کے ہیں آثار شہر میں

یوسف کوئی بکے جو دوبارہ تو بات ہے
معدوم سی ہے گرمئی بازار شہر میں

گر خود ہی بڑھکے تم نہ اٹھاؤ گے جام مئے
کوئی کریگا تم سے نہ اصرار شہر میں

بد صورتی کا عام چلن ہے گلی گلی
جب سے بنی ہے حسن کی سرکار شہر میں

سارا چمن اجاڑ دیا ہے سموم نے
گلزار کوئی ہے نہ گل زار شہر میں

موقوف مدتوں سے ہے رقص قلندری
سونے پڑے ہیں کوچہ و بازار شہر میں

اهل ھوس زبان درازی نہ کر سکیں
کہنا نہ دل کی بات بھی زنہار شہر میں

پتھر کے ہی بتوں سے چلو چلکے دل لگائیں
معشوق اب کہاں ہیں طرحدار شہر میں

کل تک جو وعظ کرتے تھے منبر سے اتکے آج
گروی پڑے ہیں جبہ و دستار شہر میں

خوش طور و خوش کلام تو معتوب وقت ہیں
اترائے پھر رہے ہیں بداطوار شہر میں

ٹھہرے گناہ گار ہیں جملہ سفید پوش
صالح قرار پائے سیاہ کار شہر میں

اتنی بھی صاف صاف نہ باتیں کریں جناب
رہنا ہے تم کو حضرت گلزار ، شہر میں ۔

* * * * *

رشید الدین ایم ۔ اے (عثمانیہ)

اردو کا سب سے بڑا شاعر

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اردو کا سب سے بڑا نثر نگار کون ہے تو اس کا ایک جواب نہیں ہوسکتا لیکن یہی سوال اگر اردو کے سب سے بڑے شاعر کے بارے میں کہا جائے تو اس کا ایک ہی جواب ہوگا کہ اقبال اردو کے سب سے بڑے شاعر ہیں ۔ یہ بڑائی اور بزرگی اقبال کو یوں ہی نہیں مل گئی اور انہوں نے شاعر برادری میں یہ مقام یوں ہی حاصل نہیں کرلیا بلکہ وہ ہر طرح سے اس کے مستحق تھے ۔ وہ سر بھی تھے اور ڈاکٹر بھی ۔ علامہ بھی تھے اور حکیم مشرق بھی ۔ مگر بنیادی طور پر وہ اقبال تھے اور اقبال ہی رہے ۔ وہ صرف ایک شاعر ہی نہیں بلکہ ایک مفکر ، مدبر اور فلسفی بھی تھے ۔ انہوں نے اصل میں شاعری کو اپنے فلسفہ کی اشاعت کا ذریعہ بنایا ۔

خود نے مجھکو عطا کی نظر حکیمانہ
سکھائی عشق نے مجھ کو حدیث رندانہ
مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرم راز درون میخانہ

انہوں نے شاعری کو اس مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ صرف شاعری نہیں رہتی بلکہ پیغمبری کا جزو بن جاتی ہے ۔

اقبال نے شاعری کے ذریعہ حرکت ، عمل ، امید اور روشنی کا پیغام دیا ہے ۔ وہ جمود ، تشکیک ، بے یقینی ، یاسیت کم ہمتی ، بے عملی اور قنوطیت کے سخت مخالف تھے ۔ وہ شاہین کو اس لئے اچھا سمجھتے تھے کہ اس کے پاس جھپٹنے کے اوصاف ہیں ۔ وہ اپنا گھر نہیں بناتا اور اپنے زور بازو پر بھروسہ کرتا ہے ۔ اس کے بر خلاف وہ تیتر ، بٹیر ، اور کبوتر و فاختہ سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے ۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتوی ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اقبال نے نہ صرف حرکت اور عمل کا پیغام دیا ہے بلکہ قدم قدم پر روایتوں کے بت بھی توڑے ہیں ۔ اقبال کے کلام میں آپ کو اردو شاعری کی روایتی اور گھسی پٹی چیزیں بالکل نہیں ملیں ۔ انہوں نے زیادہ تر نظمیں لکھی ہیں اور جہاں جہاں اپنے خیالات کی پیش کشی کے لئے غزل کے فارم کو اپنایا ہے تو اسے ایک نیا آہنگ دیا ہے ۔ اردو شاعری میں اب تک ساقی کو صرف شراب پلانے والی ایک خوبصورت شخصیت سے موسوم کیا گیا ہے لیکن اقبال کے پاس اس ساقی کی حیثیت اور پھر اس سے تخاطب دیکھئے ۔

نشہ پلاکے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی
کٹی ہے رات تو ہنگامہ گستری میں تیری
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساقی

اقبال تک اردو شاعری میں صرف شیخ ، ناصح اور محتسب ہی کی جز لی جاتی تھی اور ان پر پھبتیاں کسی جاتی تھیں لیکن اقبال نے پہلی مرتبہ مذہبی رہنماؤں ، کٹ ملاؤں اور مریدی کا کاروبار کرنے والے پیروں کا بھی مضحکہ اڑایا ہے اور ان پر لعنت ملامت کی ہے ۔

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبط سخن کر نہ سکا
حق سے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
عرض کی میں نے الہی مری تقصیر معاف
خوش نہ آئینگے اسے حور و شراب و لب کشت
نہیں فردوس مقام جدل و قال و اقوال
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت
ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

الفاظ و معنی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

عجب نہیں کہ خدا تک تیری رسائی ہو
تیری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام

تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال
تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی
گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

اقبال نے اس قسم کے لوگوں کو صرف شاعری ہی میں برا بھلا نہیں کہا ہے بلکہ اپنی خانگی زندگی میں بھی وہ ان لوگوں کو اچھا نہیں سمجھتے تھے ۔ اس سلسلہ میں مولانا عبدالمجید سالک نے اپنی کتاب '' ذکر اقبال ،، میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے ۔ کہتے ہیں کہ ایک دن اس زمانے کے ایک مشہور پیر اقبال کی خدمت میں حاضر تھے کہ ان کا ایک مرید عین دو پہر کے وقت پسینہ میں شرابور ہانپتا ہوا آیا اور پیر صاحب کے قدموں پر گر کر کہنے لگا :۔

'' حضور کی آمد کی اطلاع ملی تھی ۔ صبح ہی صبح مغل پورہ سے چلا ۔ کئی مقامات پر پوچھتا ہوا یہاں پہنچا ہوں ۔ حضور میری حالت بہت خراب ہے ۔ ۔ دو سو روپیہ کا مقروض ہوچکا ہوں ۔دعا فرمائیے ،، یہ کہکر دو روپیہ نکال کر پیر صاحب کی نذر کئے ۔ پیر صاحب نے دو روپیہ لیکر اپنی جیب میں رکھ لئے اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی او مرید پر پھونک ماردی ۔ وہ بے حد خوش ہوا کہ اب اس کی مشکلات کا خاتمہ ہوگیا ۔ اس کے بعد اقبال نے خود ہاتھ اٹھا کر بہ آواز بلند دعا مانگنی شروع کردی :'' اے خدا ! آج کل کے پیر گمراہ ہوگئے ہیں ۔ انہیں ہدایت دے ۔ اے خدا ! آج کل کے مریدوں کو بھی ہدایت دے کہ وہ پیروں کے کہنے میں نہ آئیں ،، ۔ بیچ میں پیر صاحب نے ٹوکا بھی مگر اقبال برابر دعا مانگتے رہے: '' الہی یہ نادان مرید کہتا ہے کہ وہ دو سو روپیہ کا مقروض ہوچکا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ وہ اب دو سو دو روپیہ کا مقروض ہوگیا ہے،، ۔ پیر صاحب اس دعا پر بے حد برہم ہوئے لیکن اقبال نے کہا '' میں تو اس وقت اپنی یہ دعا ختم کروں گا جب آپ اس غریب کے دو روپیہ واپس کردیں اور اسے کہیں نوکری دلوادیں ،، ۔ نا چار پیر صاحب نے دو روپیہ واپس کردئیے اور مرید کو نوکری دلانے کا وعدہ کیا ۔

مذہبی رہنماوں ، ملاوں ، پیروں اور صوفیوں کے بارے میں اقبال کے یہ خیالات اس وجہ سے تھے کہ ان کے خیال میں یہ لوگ اپنی اندھی عقیدت اور کٹر محبت کی وجہ سے خود اپنے دین کو نقصان پہنچا رہے ہیں ۔ ان کے پاس رواداری کا جذبہ اور برداشت کا مادہ نہیں ۔ دنیا میں جو جھگڑے فساد اور تیرا میرا کا بازار گرم ہے اس کا باعث ایسے ہی لوگ ہیں ۔ چاہے ان کا تعلق کسی مذہب سے ہو ۔ ان کی ایک نظم '' نیا شوالہ ،، میں ان کے خیالات اور نظریات واضح طور پر سامنے آتے ہیں جن میں وہ مذہبی تفریق سے بالاتر ہوکر یک نیا معاشرہ تشکیل دینا چاہتے ہیں ۔

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدہ کے بت ہوگئے پرانے

اپنوں سے بیر رکھنا تونے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے

تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے تیرے فسانے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

آ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھادیں
بچھڑوں کو پھر ملادیں نقش دوئی مٹادیں

سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ اک نیا شوالہ اس دیش میں بنادیں

دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
داماں آسماں سے اس کا کلس ملادیں

ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلادیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

اقبال جہاں اپنے ہم وطنوں کی جہالت اور تنگ نظری سے بے زار تھے وہیں وہ اپنے وطن سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھتے تھے ۔ ہندوستان کی تعریف و توصیف میں ان کے بے شمار اشعار ملتے ہیں ۔ ہمالہ پہاڑ ہو کہ دریائے گنگا ، گرو نانک ہو کہ خواجہ معین الدین چشتی ہر ایک کی شان میں وہ رطب اللسان نظر آتے ہیں ۔

اے ہمالہ اے فصیل کشور ہندوستان
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردش شام و سحر کے درمیاں

ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لئے
تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لئے

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزار ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشک جہاں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا

چشتی نے جس زمیں پہ پیغام حق سنایا
نانک نے جس زمیں پر وحدت کا گیت گایا

تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دست عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کردیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا
میرا وطن وہی ہے میرا وطن وہی ہے

لیکن اقبال نے صرف اپنے وطن کی شان میں قصیدے ہی نہیں پڑھے بلکہ انہیں اپنے وطن کی زبوں حالی اور غلامی کا بھی احساس تھا ۔ ہندوستان کی غلامی سے جتنے مضطرب اور بے چین اقبال تھے شاید ہی کوئی اور ہوگا ۔ ہندوستان کی غلامی اور تنزل انہیں آٹھ آٹھ آنسو رلاتا تھا ۔

رلاتا ہے تیرا نظارہ اے ہندوستاں مجھکو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں

دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلک ازل نے مجھکو تیرے نوحہ خوانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنیوالی ہے
تیری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونیوالا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں

یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمیں پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں میں

نہ سمجھو گے تو مٹ جاو گے اے ہندوستاں والوں
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے

لیکن اقبال رو پیٹ کر خاموش بیٹھ جانے والوں میں سے نہیں تھے ۔ وہ آزادی حاصل کرنے کے لئے جدو جہد اور مسلسل جدو جہد کے قائل تھے ۔ وہ انقلاب اور تبدیلی کے فلسفہ پر یقین رکھنے والوں میں سے تھے ۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانہ میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانہ میں

جس میں نہ ہو انقلاب ، موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

اور یہ اقبال ہی تھے جنھوں نے ۱۹۰۷ ع میں ہندوستان کی آزادی کی بشارت دی تھی ۔

سفینہ برگ گل بنائےگا قافلہ مور ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشا کش مگر یہ دریا کے پار ہوگا

لیکن آزادی حاصل کرنے کے لئے وہ قومی استحکام ، انفرادی خود داری اور شخصی خود اعتمادی پر بہت زور دیتے ہیں ۔ اقبال کا فلسفہ خودی ایک انسان کامل کے وجود پر زور دیتا ہے ۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اورخودی کی یہ سر بفلک چوٹی عمل ہی کے ذریعہ سر کی جاسکتی ہے ۔ اقبال عمل پر بیحد زور دیتے ہیں ۔ بغیر عمل کے وہ زندگی کو بے کار محض سمجھتے ہیں ۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصہ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

عمل میں اقبال کسی تذبذب ، کسی وسوسے ، کسی اندیشے اور تشکیک کو روا نہیں رکھتے ۔ وہ بغیر جوکھم کے کوئی نفع نہیں کے قائل ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عقل کے مقابلہ میں عشق کو قابل ترجیح سمجھتے ہیں ۔ عقل انسان کو سوچنے سمجھنے پر مجبور کرتی ہے جب کہ عشق انجام

کی پرواہ کئے بغیر جو کچھ کرنا ہے کر گزرتا ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبریل نے
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عشق
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑئیے

ان کے فرزند جاوید کے نام ان کی جتنی نظمیں ہیں ان میں بھی ان کا مخصوص فلسفہ اور نظریہ ملتا ہے ۔ یہ نظمیں پرائیویٹ ہوتے ہوئے بھی سب کے لئے ہیں اور ہر نوجوان ان کا مخاطب ہے ۔

دیار عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھکو
سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر

اٹھا نہ شیشہ گران فرہنگ کے احسان
سفال ہند سے مینا و جام پیداکر

میں شاخ تاک ہوں میری نظر ہے میرا ثمر
مرے ثمر سے نئے لالہ فام پیداکر

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیداکر

اقبال کا شعور بے حد پختہ ہے ۔ ان کی نظر بہت دور بین ہے ۔ ان کے خیالات فلسفیانہ اور انداز بیان حکیمانہ ہے ۔ مگر اس کے باوجود ان کی شاعری لایعنی شبہات و استعارات ، نا قابل فہم علامتوں اور تراکیب اور ادق و پیچیدہ الفاظ کا گورکھ دھندا نہیں ہے ۔ ان کی نظمیں (بعض کو چھوڑ کر) عام طور پر بہت مختصر ہوتی ہیں ۔ ان کی نظمیں خشک اور بے جان نہیں ہوتیں بلکہ ان میں شاعرانہ لب و لہجہ اور کسک و تڑپ ہوتی ہے۔ مثلاً ان کی ایک مختصر سی نظم " حقیقت حسن" دیکھئے جس میں کتنا شاعرانہ انداز موجود ہے ۔

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تونے لازوال کیا

ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شب دراز عدم کا فسانہ ہے دنیا

ہوتی ہے رنگ تغیر سے جب نمود اس کی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی

کہیں قریب تھا یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک پر عام ہوئی اختر سحر نے سنی

سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتادی زمیں کے محرم کو

بھر آئے پھول کے آنسو پیام شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خوں ہوگیا غم سے

چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا سوگوار گیا

حرکت ، تغیر اور تبدیلی ایک میکانکی عمل ہے جو ہر وقت اپنا کام کرتا رہتا ہے ۔ اس فلسفیانہ خیال کو اقبال نے ایک مختصر سی نظم " چاند اور تارے " میں کتنے عام فہم انداز میں پیش کیا ہے ۔

ڈرتے ڈرتے دم سحر سے ۔ تارے کہنے لگے قمر سے
نظارے وہی رہے فلک پر ۔ ہم تھک بھی گئے چمک چمک کر
کام اپنا ہے صبح و شام چلنا ۔ چلنا ، چلنا ، مدام چلنا
بیتاب ہے اس جہاں کی ہر شئے ۔ کہتے ہیں جسے سکوں نہیں ہے
رہتے ہیں ستم کش سفر سب ۔ تارے، انسان، شجر، حجر سب

ہوگا بھی ختم یہ سفر کیا ؟
منزل کبھی آئے گی نظر کیا ؟

کہنے لگا چاند ہم نشینو ! ۔ اے مزرع شب کے خوشہ چینیو
جنبش سے ہے زندگی جہاں کی ۔ یہ رسم قدیم ہے یہاں کی
ہے دوڑتا اشہب زمانہ ۔ کھا کھا کے طلب کا تازیانہ
اس رہ میں مقام بے محل ہے ۔ پوشیدہ قرار میں اجل ہے
چلنے والے نکل گئے ہیں ۔ جو ٹھیرے ذرا کچل گئے ہیں

انجام ہے اس خرام کا حسن
آغاز ہے عشق انتہا حسن

اقبال فطری شاعر تھے ۔ وہ کبھی فکر کے فانوس سجائے ، قلم ، ہاتھ میں تھامے اور تخلیہ کرائے شعر نہیں کہتے تھے ۔ بلکہ زندگی کے ہنگامہ شب و روز اور دوستوں سے ملتے ملاتے اور بات چیت کے دوران انہیں موضوع مل جاتے تھے اور وہ ایک عام اور سیدھے سادے خیال کو فلسفہ کا رنگ دے دیتے تھے ۔ مثلاً ان کی جو نظم " موٹر " ہے اور جس میں انہوں نے یہ بتایا ہے کہ خاموشی اور سنجیدگی سے ہی دنیا کے بڑے کام عبادت ہیں ، اصل میں اپنے دوستوں کے ساتھ موٹر میں جاتے ہوئے اور بات چیت کرتے ہوئے انہیں سوجھی تھی ۔

کیسے پتے کی بات جوگندر نے کل کہی
موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش

ہنگامہ آفریں نہیں اس کا خرام ناز
مانند برق تیز ، مثال ہوا خموش

میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر پر منحصر
ہے جادہ حیات میں ہر تیز پا خموش

ہے پا شکستہ شیوہ فرہاد سے جرس
نکہت کے کارواں ہے مثال صبا خموش

مینا مدام شورش قلقل ہے پا بگل
لیکن مزاج جام خرام آشنا خموش

شاعر کی فکر کو پر پرواز خامشی
سرمایہ دار گرمی آواز خامشی

فراق گورکھپوری نے ایک بار جامعہ عثمانیہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ادبیات کے طالب علم عام طور پرغبی اور کند ذہن ہوتے ہیں ۔ یہ بات چنداں غلط بھی نہیں معلوم ہوتی ۔ ہر زبان و ادب کے طالب علم کی معلومات اسی زبان و ادب کی حد تک محدود ہوتی ہیں اور وہ مسائل کے تجزیہ و تحلیل اور ان پر سوچ بچار کے عادی نہیں ہوتے جس کی وجہ سے ان کی ذہنی صلاحیتیں دیگر طالب علموں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہیں ۔ آپ کسی بھی ادب کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے ۔ ادب میں کار ہائے نمایاں ان ہی لوگوں نے انجام دیئے جو ادب کے طالب علم نہیں تھے بلکہ جنھوں نے دوسرے موضوع کے ذریعہ تعلیم پائی ہے ۔ اقبال کا شمار بھی ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے ۔ وہ تاریخ ، معاشیات ، فلسفہ اور قانون کے طالب علم تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کا کلام افکار کی دولت سے مالا مال ہے اور ان کے پاس ہر موضوع پر نظمیں ملتی ہیں ۔ تاریخ ہو یا سیاست ، فلسفہ ہو یا معاشیات ، ادب ہو یا سماجیات ، اقبال نے ہر میدان میں اپنی معلومات اور قابلیت کے جوہر دکھائے ہیں ۔

وہ ہیگل سے بھی متاثر تھے۔ اور برگساں سے بھی انھوں نے بیدل کا بھی اثر قبول کیا تھا ۔ اور غالب کا بھی ۔ مسولینی کی مدح سرائی بھی انھوں نے کی ہے اور کارل مارکس و لینن کے قصائد بھی گائے ہیں ۔ مسلمان قوم کی زبوں حالی اور زوال سے بھی وہ رنجیدہ خاطر تھے ۔ اور ہندوستانیوں کی غلامی بھی انہیں کچو کے دیتی تھی ۔ خیالات کی اس گڈ مڈ نے اقبال کی شخصیت کو کسی حد تک نزاعی بھی بنادیا تھا ۔ کیونکہ بعض لوگ انھیں فاسسٹ کہنے لگے تھے۔ اور بعض کمیونسٹ۔ اردو ادب میں یہ بحث آج بھی موجود ہے کہ اقبال ترقی پسند ہیں یا مسلمانوں کے نمائیندہ شاعر ۔ پاکستان بننے کے بعد اقبال کو وہاں جو اسلامی شاعر ثابت کیا گیا اس کی وجہ سے ان کی شاعرانہ ساکھ کو بڑا دھکا پہنچا ہے ۔ اور خصوصاً ہندوستان میں ان کا وہ مقام باقی نہیں رہا جو پہلے کبھی تھا ۔ یا جس کا مستحق ان کا کلام بلیغ ہے ۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اقبال نے جس روحانی فلسفہ کی اپنے کلام میں نمائیندگی کی تھی اس کی جتنی ضرورت ہندوستان میں آج ہے اتنی کبھی نہیں تھی ہندوستان میں شاعروں اور فنکاروں اور خصوصاً اردو شاعروں کی نئی نسل آج جس تشکیک تذبذب ، و غیر یقینی مستقبل کی شکار ہے اس کا ازالہ اقبال کے اولوالعزم کلام کو پڑھ کر بڑی حدتک کیا جاسکتا ہے افسوس کے اقبال کے بعد اردو میں پھر کوئی ایسا شاعر پیدا نہیں ہوا جس نے اس کے فلسفہ یا نظریات کو آگے بڑھایا ہو یا شاعری میں ان کا سا ٹھوس مقام بنایا ہوا ۔ جگن ناتھ آزاد اور سکندر علی وجد ضرور اقبال سے متاثر تھے ۔ اور ان کے کلام میں اقبال کے خیالات کچھ حد تک پرتو ملتا ہے ۔ مگر کوئی ایسا شاعر جسے ہم صیحح معنوں میں اقبال کا جانشین اور اس کے فلسفہ کو آگے بڑھانے والا کہہ سکتے ہیں اردو میں نظر نہیں آتا ہے ۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ آج میر کے پیرو اور اس کے رنگ کی نقل کرنے والے تو اردو میں بیشمار شاعر ہیں ۔ مگر اقبال کا پیرو اور اس کا رنگ اپنانے والا کوئی نظر نہیں آتا ۔ حالانکہ آج کے زمانے میں میر کے نہیں اقبال کے فلسفہ کی ضرورت ہے ۔ اردو شاعری کو آج پھر ایک اقبال کی ضرورت ہے ۔

* * * * *

(مزاحیه)

رشید قریشی ۔ ایم ۔ اے

آنا دولھوں کا دیر سے

محفل عقد میں دیر ایک وبا کی طرح پھیل گئی ہے ۔ اسے قاضی فلو کا نام دیا گیا ہے آپ کو حیرت نہ ہونی چاہئے ایک شادی میں قاضی صاحب رات کے ڈیڑھ بجے وارد ہوئے ۔ دلہا کو نیند سے جگایا گیا ۔ عقد کی کارروائی سر انجام ہوئی اور دولہا پھر سوگیا ۔ قاضی صاحب سے پوچھتے ہیں ۔" ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا "، تو وہ جواب دیتے ہیں ۔ " یہ آج کی باسٹھویں شادی ہے ۔ دولھے جان بہ سے اٹھ گئے ہیں اور میری جان پر بنارہے ہیں ۔"، وجہ کچھ بھی ہو قاضی صاحبین دیر پیشہ بن گئے تو دولھے وقت کی پابندی سے لاپروا ہوگئے نتیجتاً مہمان ، فرنیچر والے ، روشنی والے ، پھول والے ، سب ہی اس لعنتی چکر کی لپیٹ میں آگئے ۔ اب تقریب کا وقت چھ بجے مقرر ہو تو انتظامی کارندے سات بجے حرکت میں آتے ہیں ۔ آٹھ بجے قاضی صاحب کو کسی دوسری محفل عقد سے اغوا کرکے لایا جاتا ہے اور دولہا نو بجے نمودار ہوتا ہے وقت کے پابند یا ایک سے زائد تقریبوں کے مدعوئین تو رخصت ہوچکتے ہیں البتہ چند عاقبت اندیش مہمان دس بجے رونق افروز ہو کر محفل عقد میں بر وقت شریک رہتے ہیں ۔ دولھا کے دیر سے آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ رشتہ اسکے بزرگ طئے کرتے ہیں اور بزرگوں کو دلہن سے زیادہ گھوڑے جوڑے کی رقم سے سروکار ہوتا ہے ۔ اس لئے برات اسی دروازہ پر رکتی ہے جہاں جھولی بھری جاتی ہے ۔ دلہا ریس کا وہ اڑیل گھوڑا ہوتا ہے جیسے آنکھوں پر ڈھکن چڑھا کر میدان میں گھسیٹ لایا جاتا ہے اس کے برخلاف دولھوں کی بے صبری کا ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ وقت پر موجود رہنے کیلئے سویرے ہی دلہن کے گھر جا دھمکتے اور رات دیر گئے دھرنا دئے بیٹھے رہتے ۔ یہاں تک کہ دلہن والے بیزار ہو کر دلہن کوان کے حوالے کردیتے ۔ ایک شادی میں دلہا حسب عملدر آمد دیر سے پہنچا تو دلہن کی نانی نے حسرتنا کہ لہجہ میں تبصرہ کیا ۔" ہائے اب وہ دلھے کہاں رہے ۔ "، یہ تو مارے پیٹے کے ٹٹو ہیں ۔ اگر ان سے کہا جائے اتنی دیر لگادی آنے میں اب دلہن کو تکلیف نہ دو جہیز لیتے جاؤ تو وہ بخوشی راضی ہوجائیں ۔ "میں نے ان کو سمجھایا "، نانی ماں آپ اس زمانہ ہوتیں تو آپ کے والدین لڑکے والوں کے مطالبوں کی تکمیل سے قاصر رہتے اور آپ کسی وظیفہ یاب عہدہ دار کے عقد ثانی میں منسلک ہو کر لا ولد بیوہ بڑی رہتیں ۔ دیر سے آیا تو کیا دلہا تو ہے ، اور اسکے دماغ کو امریکہ کا سورج گرم کرتا ہے ۔ ہندوستانی غریب وقت کو وہ کیوں خاطر میں لانے چلا ۔ "، اور آپ دلہن کو چھوڑ کر جہیز لیجانے کی بات جو کرتی ہیں تو وہ ہر گز نہیں مانیگا ۔ وہ جہیز کو بھی لیجائیگا اور دلہن کو بھی ۔ البتہ جہیز کو ٹھکانے لگا کر امریکہ جانے سے پہلے وہ آپ کی نواسی کو ضرور آپ کے پاس چھوڑ جائیگا ۔ صبر کی مشق شروع کردیجئے نانی ماں ۔ !"

ایسا ہی مشورہ میں اپنے ایک وظیفہ یاب کرنل دوست کو بھی دینا چاہتا تھا ۔ وہ بہت چراغ پا ہو رہا تھا کہ اتنی دیر ہوگئی اور دولہا ندارد ۔ میں نے اس کو ڈھارس دی ۔ " بھائی میرے دولہا دور دراز کے ایک عرب ملک سے آرہا ہے ۔ دیر ہی سے آئیگا ۔ طیش میں آنے کی کیا بات ہے ۔ آج اس کے ناز اٹھالو ۔ کل گولی مار دو ۔"، کہنے لگا " میں یہ توہین برداشت نہیں کرسکتا ۔ دیکھو میرے مہمان چوروں کی طرح کھسکتے جارہے ہیں ۔ میں آج ہی گولی مار دونگا ۔"، میں نے صرف آدھے گھنٹہ کی مہلت لی ۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا ۔ ایک گھنٹہ گزر گیا دولہا نہیں آیا ۔ یہ منتظر ہوگیا کہ خالی کرسیاں پرسہ دینے والوں کی طرح اداس ، روشنیاں ڈبڈبائی آنکھوں کی طرح دھندلی ۔ اور مسند کے منڈوے سے جھولنے والی پھولوں کی لڑیاں آنسوؤں کی دھاریں ۔ اتنے میں دور سے بینڈ کی آواز ابھری ۔ کرنل ٹہلتے ٹہلتے رک گیا ۔ گرج اٹھا ۔ " پھاٹک بند کردو "، ۔ کرنل کو تھامنے کیلئے دلہن کی " خالائیں باہر نکل آئیں لیکن ٹہلتے گرجتے کرنل کے آگے کسی کی کچھ پیش نہ گئی ۔ ایسا نظر آتا تھا وہ میدان جنگ میں ہے اور فوج کو حملہ کا حکم دے چکا ہے ۔ برات پھاٹک پر رکی ۔ کسی نے پکارا " اجی کرنل صاحب دھنگانہ کی واہیات رسم کا اب کونسا موقع ہے ۔ پھاٹک کھلوائیے ۔"، کرنل مضبوط قدم ڈالتا ہوا پھاٹک تک گیا ۔ مضبوط ہی لہجہ میں وہ دھاڑا " پھاٹک نہیں کھلیگا ۔ برات واپس جائیگی ۔"، دولہا والوں کی

طرف سے کچھ ناشائستہ نعرے کسے گئے تو کرنل پھاٹک کھول کر باہر پہنچ گیا ۔ بینڈ مستی میں جھوم رہا تھا ۔

" لیجائینگے ، لیجائینگے ، دلہنیا لیجائینگے ۔۔۔۔۔ ۔

کرنل نے پستول نکال لیا ۔ بینڈ بند ہوگیا ۔ کرنل نے پستول کی آواز میں کہا ۔ " یہی ہے تمہاری وقت کی پابندی ۔ شادی کیلئے آئے ہو ۔ یا ڈاکہ ڈالنے ۔" دولہا کے والد گڑگڑانے لگے ۔ " جی وہ کرنل صاحب قبلہ و کعبہ ۔ وہ ایسا ہوا کہ آپ کے پاس سے موٹر کے آنے میں کچھ دیر ہوگئی ۔ کچھ میرے سالے صاحب کی طبیعت اچانک بگڑ گئی . . . اور کچھ یہ حادثہ بھی وقوع پذیر ہوگیا کہ بینڈ والوں کو ڈبل سواری کے جرم میں پولیس والوں نے دھرلیا ۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کسی کو پولیس والوں کے پنجہ سے چھڑانا کسقدر مشکل ہوتا ہے ۔ اور پھر دولہا یہ ضد لے بیٹھا کہ بینڈ کے بغیر دلہن کے گھر نہیں جائیگا ۔ ٹھیک ہی تو ہے یہاں حیدرآباد میں یہ اسکی پہلی شادی ہے ۔ کچھ ارمان اسکے کچھ ہمارے ۔" کرنل غصہ کو چباتے چباتے کہنے لگا . . . دولہا کے والد دونوں ہاتھ جوڑ کر کہنے لگے ۔" کل چوتھی کی دعوت میں مطلق دیر نہیں ہوگی ۔ آپ یقین کریں " ۔ اور وہ دبکتے ہوئے آگے بڑھے ۔ کرنل نے پھنکارتے ہوئے جوش میں للکارا " کوئی آگے نہ بڑھے "۔ اور پستول کی نالی موٹر کی پچھلی نشست کی طرف جمادی اترو ۔ سب اترو . . دولہے تو بھی اتر . . اور دولہا اسکے تین بھائی ۔ دو بہنوی ۔ ایک خالو ، ایک نانا ، محلہ کے چار بچے ایک کے پیچھے ایک سب موٹر سے اتر گئے ۔ کرنل نے ڈرائیور کو اشارہ کیا کہ وہ خالی موٹر اندر لیجائے ۔ جب موٹر اندر چلی گئی کرنل نے بینڈ والوں سے کہا " بجاو " ۔ بینڈ بجنے لگا . . . " سویرے والی گاڑی سے چلے جائینگے ۔" کرنل نے بد حواس براتیوں کی طرف دیکھا " پلٹ جاؤ ۔" سب اسطرح پلٹ گئے ۔ جیسے لٹو گھومتا ہے ۔ " تیز چلو " ۔ حکم کی دیر تھی رفتار تیز ہوگئی ۔ کرنل چیخا ۔ " بھاگو " . . اور ہوا میں پستول داغ دیا ۔ ایسا دکھائی دیا دو سو براتیوں کا مجمع صرف دو ٹانگوں سے دوڑتا ہوا سڑک کی پہلی موڑ کے منہ میں غائب ہوگیا ۔

موڈ بدلنے کے لئے میں نے پوچھا " کرنل تونے بینڈ بجانے والوں کو بھاگتے بھاگتے بینڈ بجاتے اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا " ۔ کرنل نے انگلی سے چپ رہنے کا اشارہ کیا ۔ یکا یک زنانہ سے رونے کی صدا بلند ہوئی کرنل اٹھ کھڑا ہوا ۔ بڑبڑانے لگا ۔ ان ناسمجھوں کو سمجھانا ہوگا ۔ قسمت خریدی نہیں جاتی ۔ یہ پھول کی طرح اپنے وقت پر ٹہنی سے ٹوٹ کر دامن میں آ گرتی ہے ۔ میری بیٹی کی قسمت کا پھول بھی نہیں کھلا ہے ۔ کچھ اور انتظار کرنا ہوگا ۔ رونا نہیں ہوگا " ۔ کرنل اسی طرح پستول ہاتھ میں لئے زنانہ میں گیا ۔ رونے کی آواز اسطرح بند ہوگئی ۔ جیسے فوارہ پر ڈاٹ جمادیا گیا ۔

کرنل کسی سوچ میں ڈوبا ہوا باہر آیا ۔ قاضی صاحب جو اب تک زیر حراست تھے ڈرتے ڈرتے اسکے قریب گئے " ۔ " کرنل صاحب میرے لئے کیا حکم ہے " ۔ کرنل نے قاضی کو گھور کر دیکھا ۔ " آپ ابھی کچھ دیر نہیں جائیں " ۔ پھر وہ میری طرف پلٹا ۔ " تم وقت کے پابند ہو کیوں نہ تم میری بیٹی سے عقد کرلو " ۔ میں سہم گیا میں لرز گیا ۔ " میں تو کرنل چار دامادوں کا ایک خسر ہوں " . . کرنل نے لاپروائی سے جوابدیا ۔ " اس سے کیا ہوتا ہے ۔ تم کو چار خسروں کا ایک داماد بننا چاہئے " ۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا ۔ دوڑنا چاہتا تھا لیکن پتہ چلا کہ گھٹنوں کے جوڑ ڈھیلے پڑگئے ہیں ۔ میں نے پھاٹک کا فاصلہ اس طرح طئے کیا جیسے پہیوں والی کرسی پر بیٹھا ہوا آگے بڑھ رہا ہوں سڑک پر اوندھے منہ گرنے سے پہلے جو آخری آواز میرے کانوں میں گونجی وہ ایک آٹو رکشا کے انجن کی پھٹ پھٹ تھی ۔

اس حادثہ کے بعد مجھے محتاط ہو جانا چاہئے تھا ۔ اور میں خانہ نشین بھی ہوگیا تھا ۔ لیکن کیڈر اور وظیفہ یاب کو شامت سے مفر نہیں ۔ چھ مہینے بعد ایک شادی کا دعوت نامہ خود دلہن کے والد پہنچا گئے تو میں شادی میں شریک ہونے کیلئے نکل پڑا ۔ عقد کا وقت سات ساعت شام مقرر تھا ۔ میں ٹھیک سات بجے شادی خانہ میں تھا ۔ دولہے اگر دیر سے آتے ہیں تو آیا کریں ۔ ان کیلئے میں اپنی ایک اچھی عادت کیوں چھوڑوں ؟ ۔ شادی خانہ میں ایک اداس سکون مسلط تھا ۔ تباہی کے طوفان سے پہلے کا سکون ، پھول والے مسند پر پھولوں کا شامیانہ آراستہ کر رہے تھے ۔ میں ایک صوفہ پر بیٹھ کر اپنی حماقت پر نفریں بھیجنے لگا کہ بیٹھے بٹھائے پہلے اور اکیلے مہمان کی اذیت ناک درگت میں مبتلا ہوگیا ۔ اتنے میں زنانہ کی طرف کا دروازہ ٹوٹنے لگا ۔ ایک ضخیم خاتون باہر آئیں ۔ یقیناً وہ دلہن کی والدہ تھیں کیونکہ انکے ایک ہاتھ میں سرخ اوڑھنی تھی اور بلاؤز کے جھروکے سے سو سو کے نیلے نیلے نوٹ جھانک رہے تھے ۔ وہ کچھ دیر پھول والوں کا کام دیکھتی رہی پھر مجھ پر نظر پڑی تو ان کا چہرہ بگڑ گیا ۔ تحکمانہ لہجہ میں برس پڑیں ۔ " اجی تم کیا ٹانگ پہ ٹانگ ڈال کے صوفہ پر بیٹھے ہیں ۔ چلو اٹھو ۔ دولہے کی موٹر سجاؤ " ۔ میں اٹھ کھڑا ہوا ۔ میں چاہتا تھا مہمان کی حیثیت میں اپنا تعارف کراؤں سمجھاؤں کہ پھول والے کا بش شرٹ اگر میرے بش شرٹ سے ملتا جلتا ہے تو میں لازمی طور پر پھول والا نہیں بن جاتا ۔ میری وجاہت دیکھئے ۔ میں قطعی پھول والا نظر نہیں آتا ۔

لیکن وہ چیخ پڑیں ۔ مجھے کیا گھور رہے ہو جاؤ اپنا کام کرو ۔ جاؤ ۔ میں سر جھکائے باہر نکل گیا ۔ میری آنکھیں بے اختیار آسمان کی طرف اٹھ گئیں اور آنسو جھلک کر زمین پر گر گئے ۔ میں اپنے آپکو لتاڑنے لگا ۔

'' ہاں ۔ ہاں ۔ تو اس ذلت کا مستحق تھا ۔ وقت کی پابندی کرنے چلا تھا ۔ بڑا گھڑیال کا دنتا ۔ بے شک تجھ سے دولھے کی موٹر سجوانا چاہئے ۔ تجھ سے دولھے کے جوتے اٹھوانا چاہئے ۔ تجھے دھکے مار مار کر شادی خانہ سے باہر ڈھکیل دینا چاہئے ۔ وقت پر آتا ہے ابن الوقت ۔ '' اور میں نے ساری دنیا کیلئے بہ آواز بلند اعلان کیا '' ۔ مجھے اپنی تقریبوں میں مدعو کرنے والو تم سے میری التجا ہے ۔ اگر میں وقت پر شریک تقریب ہونے کا مرتکب ہوا تو تم مجھے بلا پس و پیش قریب ترین پولیس اسٹیشن میں پہنچادو '' ۔

* * * *

(باتیں کم کام زیادہ)

سید ارشاد حیدر

غزل

وحشتیں جاگ اٹھیں جنبش در سے پہلے
چشم ویراں میں بسا خوف کھنڈر سے پہلے

رات کا کیا ہے ، اٹھو راہ گزر سے پہلے
قطرہ قطرہ بھی ڈھلے گی تو سحر سے پہلے

کرچیاں کرب کی پلکوں پہ ابھی رہنے دو
خواب آنکھوں میں کہاں رنگ سحر سے پہلے

قید اک لمحہ پر کیف کیا تھا — دیکھوں
شکل دیوار پہ سامان سفر سے پہلے

اب کے موسم میں مرا نام بھی سٹ جائے گا
اک ذرا خوف خزاں آنکھ سے بر سے پہلے

جسم کے ٹکڑے ہوئے اس کے یہ سچ ہے لیکن
کیا کوئی چیخ بھی ابھری تھی شجر سے پہلے

* * *

سید ارشاد حیدر

غزل

گرد میں ڈوبا سفر اندر سفر
ایک چہرا تھا سفر اندر سفر

راستے میں کھو گئے سب قافلے
میں رہا تنہا سفر اندر سفر

لمحہ لمحہ دھند میں کھوتا گیا
وقت کا چہرا سفر اندر سفر

گرد غم میں چھپ گئے دھونڈو نہ اب
میرے نقش پا سفر اندر سفر

نام لکھتا اور مٹاتا ، چیختا
پھر کوئی سایا سفر اندر سفر

تجھ سے بچھڑے تھے کہ منزل کھو گئی
پھر ہوئے رسوا سفر اندر سفر

وہ سرابوں میں گھرا ارشاد تھا
جاں بلب تشنہ سفر اندر سفر

* * *

نئی زندگی کی دہلیز پر

سماج کے کمزور طبقات آندھرا پردیش کی آبادی کے ۵۲ فیصد حصہ پر مشتمل ہیں ۔ یہاں ہندوستان میں پہلی مرتبہ ان طبقات کے لئے ادارہ جاتی مالیہ دو خود مختار اداروں یعنی آندھرا پردیش شیڈولڈ کاسٹس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن اور آندھرا پردیش بیک ورڈ کلاسس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن کے توسط سے فراہم کیا جا رہا ہے

۱۹۷۴ ع میں قائم کیا ہوا آندھرا پردیش شیڈولڈ کاسٹس فینانس کارپوریشن ہریجنوں کی بھلائی کے لئے معاشی امداد کی بہت سی اسکیمیں روبہ عمل لارہا ہے ۔

ہندوستان میں اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ آندھرا پردیش بیک ورڈ کلاسس کوآپریٹیو کارپوریشن ریاستی آبادی کے ۳۸ فیصد پر مشتمل پسماندہ طبقات کے لئے طبقات کا ایک ستون ثابت ہوا ہے ۔ اس کارپوریشن کی تشکیل ستمبر ۱۹۷۴ ع میں عمل میں آئی تھی ۔

اس کارپوریشن کی جانب سے اب تک بہت سی اسکیموں کو روبہ عمل لایا گیا ہے جن کے اخراجات کی مقدار ۱۰ کروڑ روپئے ہے اور جن سے ۶۵۸۰۸ مستحقین کو امداد ملی ہے ۔

بلا شبہ کمزور طبقات ایک نئی زندگی کی دہلیز پر پہنچ گئے ہیں

آندھرا پردیش
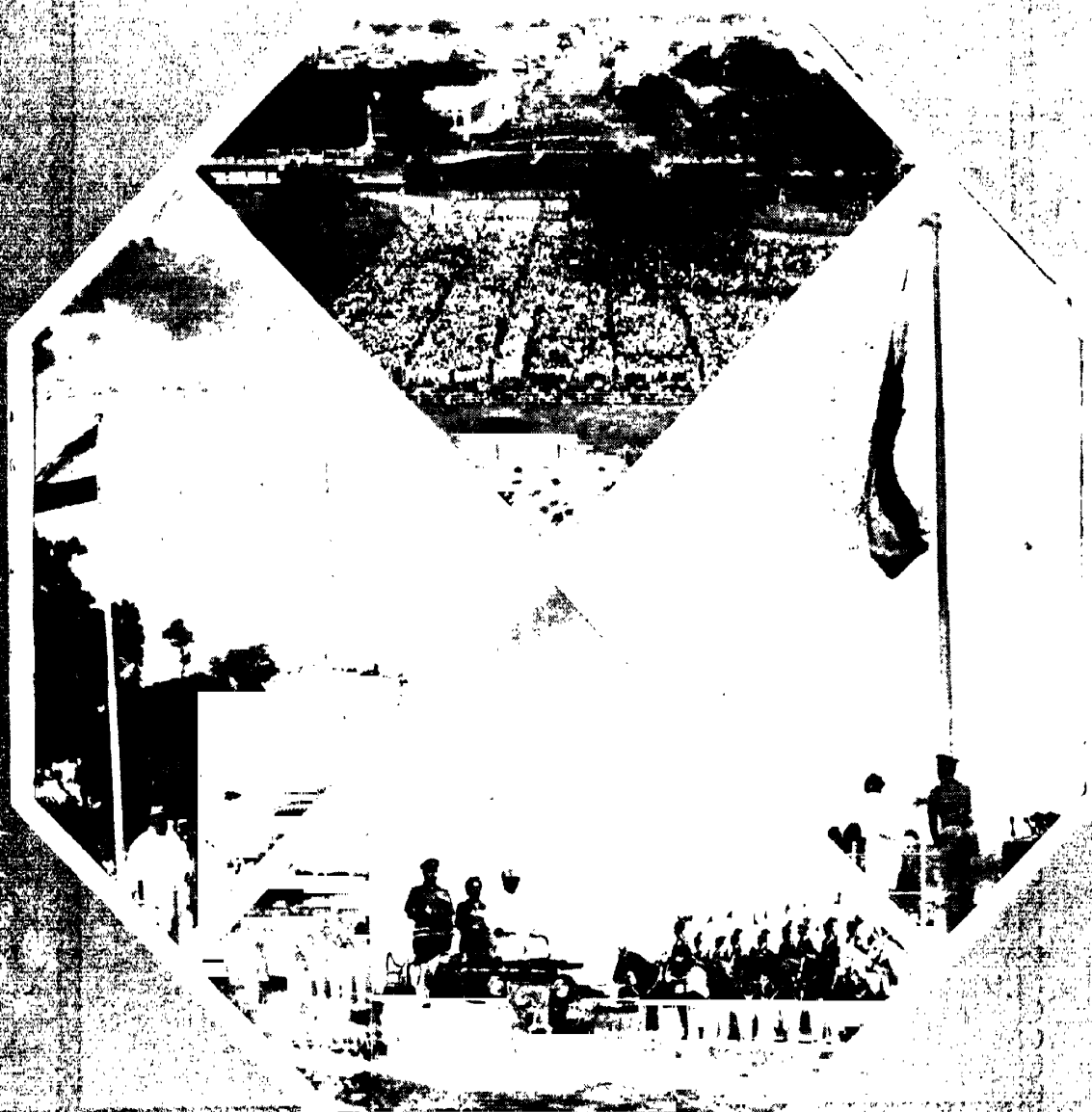
اکتوبر سنہ ۱۹۷۷ء ۵۰

آندھرا پردیش بہ یک نظر

* آبادی	.	..	۴۳۵,۰۳ لاکھ
* اقوام درج فہرست کی آبادی	..	..	۵۷,۷۵ لاکھ
* رقبہ	..	..	۲,۷٦,۷۵۴ مربع کیلومیٹر
* اضلاع	..	..	۲۱
* تعلقہ جات	..	..	۱۹۵
* قصبات اور شہر	..	..	۲۲۳
* آباد گاؤں	..	..	۲۷,۲۲۱
* پنچائتیں	..	..	۱۵,۹۲۰
* پنچائت سمیتیاں	..	..	۳۲۳
* ارکان پارلیمنٹ	..	..	۵۹
* لیجسلیٹیو اسمبلی کے ارکان بشمول ایک نامزد کردہ رکن		..	۲۸۸
* لیجسلیٹیو کونسل کے ارکان	..	..	۹۰
* یونیورسٹیاں	..	..	۵
* پڑھے لکھے لوگ	..	..	۱,۰٦,۹۰ لاکھ

PUBLISHED BY THE DIRECTOR OF INFORMATION & PUBLIC RELATIONS, ANDHRA PRADESH HYDERABAD.
PRINTED BY THE DIRECTOR OF PRINTING, GOVT. OF ANDHRA PRADESH, AT GOVT. CENTRAL PRESS, HYDERABAD

آندھرا پردیش

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

ماہ اکتوبر ۱۹۷۷
آشوین ۔ کارتک
شاکھا ۔ ۱۸۹۹
جلد نمبر (۲۱)
شمارہ (۱۲)

سرورق کا پہلا صفحہ

دھلی اور حیدر آباد میں یوم آزادی کی تقاریب کے مناظر

سرورق کا چوتھا صفحہ

کام عبادت ہے

(فوٹو شیخ اسد اللہ احمد بی ۔ اے۔ راجمندری)

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ
حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا۔

ترتیب صفحہ

* * *

آندھرا پردیش (اردو) ماھنامہ
زر سالانہ چھ روپئے۔ فی پرچہ ۵۰ پیسے
وی ۔ پی ۔ بھیجنے کا قاعدہ نہیں ۔
چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے۔

خبریں تصویروں میں

صدر جمہوریہ ہند

ڈاکٹر نیلم سنجیوا ریڈی ۱۷ ۔ اگسٹ کو

یووںلا ۔ بروتی دوسنہاے میں ۔

شری این نربا ریڈی وزیر پنچایت راج و دیہی آبرسانی ۔

شری کے ۔ اپاڈو دورا وزیر قبائلی بہبود مارکٹنگ اور ویر ہاؤزنگ بشمول اسٹیٹ ویر ہاؤزنگ کارپوریشن ۔

شری ایم ۔ مانک راؤ وزیر اطلاعات و تعلقات عامہ ، تجارتی محاصل اور سنیما ٹو گراف ۔
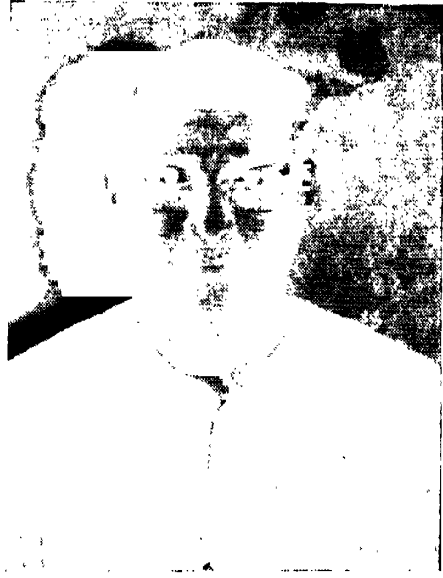
شری کے ۔ رام ریدی وزیر شہری رسدات و راشن بندی ۔

شری پی ۔ وینکٹ راؤ وزیر آبپاشی بشمول در پورشن ،
زیر زمین آبی وسائل اور روزدر مشمول صنعتی ترقیات ۔
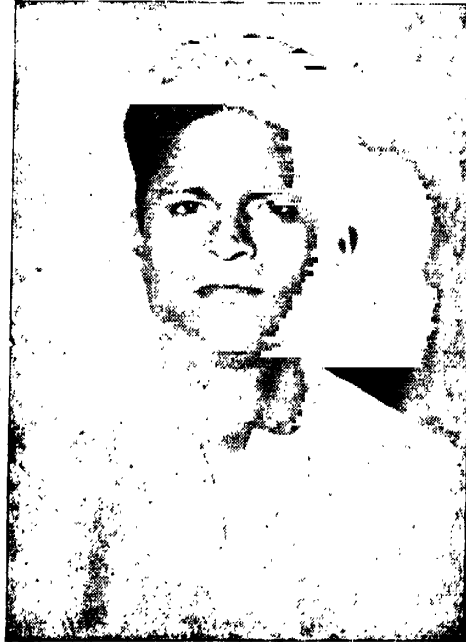
شری کے ۔ لکشمی نارائنا یادو
وزیر بہبودی پسماندہ طبقات ۔

آئی - جے - نائیڈ

نوجوان اور دیہی ترقی

ملک کا سب سے عظیم اثاثہ اس کے نوجوان ہوتے ہیں اور نوجوانو ں کی طاقت کے ذریعہ سماجی ، اقتصادی میدان میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے - روشن دماغ اور لگن سے بھرپور نوجوانوں کیلئے کوئی شئے مشکل یا ناممکن یا نا قابل تسخیر نہیں ہے -

ماہرین تعلیم ، منصوبہ کار اور منتظمین اس پر متفق ہیں کہ ہمارے جیسے ملک میں اعلی تعلیم کی یونیورسٹیوں اور اداروں کے لئے صرف ایک نسل سے دوسری نسل تک ثقافتی ورثے پہونچا دیناہی کافی نہیں ہے بلکہ انہیں نئے خیالات نئی سائنسی معلومات زراعت اور صنعت کی پیداوار کے بہتر طریقے فراہم کرنے کے مرکزوں کا کردار بھی انجام دینا چاہئے - تعلیم کو اب صرف ثقافتی اصلاح اور شخصیت کے عمل کا روائتی نظریہ نہیں تصور کیا جاتا - کچھ حلقوں کا خیال ہے کہ ھند جیسے ترقی پذیر ملک میں یونیورسٹیوں کو برادری کی سماجی ، اقتصادی ضروریات ، نوجوانوں کی شخصیت کی ضروریات اور اپنے درمیان موثر رشتہ قائم کرنا پڑے گا - معروف یونیورسٹیوں میں یہ محسوس کرلیا گیا ہے کہ کلاس روم کی کارکردگی کافی نہیں اور یہ کہ برادری کی محرومیاں اور تفریق دور کرنے کے لئے یونیورسٹیوں کو اپنے احاطہ سے باھر بھی اعلی تعلیم کو پھیلانا ہوگا - گزشتہ ایک صدی میں ، ترقیاتی کام میں یونیورسٹیوں کی شراکت کی بہت سی مثالیں موجود ہیں - مفاھمت پیدا کرنے ، حالات کو بہتر بنانے اور اپنے کو عوام سے منسلک کرنے کے لئے دانشمندوں نے انہیں کے درمیان اقامت اختیار کرنا شروع کردی -

آزادی سے قبل معروف لیڈروں نے سماجی ترقی اور خصوصیت سے دیہی تعمیر نو کا کام رضاکار اداروں کو سونپا تھا - ان اداروں نے اس بات پر زور دیا کہ دیہی ترقی میں طالب علم اور غیر طالب علم ہر طرح کے نوجوانوں کا کردار اور ذمہ داری بہت اہم ہے - مہاتماگاندھی نے نوجوانوں سے کہا کہ وہ محسن بن کر نہیں بلکہ منکسرالمزاج خادموں کی طرح دیہاتوں میں جائیں - وہ چاہتے تھے کہ تمام طالب علم جن میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباٗ بھی شامل ہیں ، دوران تعلیم بھی دیہی کام میں حصہ لیں - رابندرناتھ ٹیگور کے دیہی ترقی کے پروگرام کے بھی دومقاصد تھے - انہوں نے شری نکیتن کے اطراف دیہی برادری کی عام ترقی اور دیہی کام میں طلباٗ کی تربیت کے لئے کئی ادارے قائم کئے

آزادی کے بعد یہ محسوس کیا گیا کہ نوجوانوں کو پڑھانے اور تحقیق کے فرائض کے ساتھ ساتھ یونیورسٹیوں پر دیہی حلقہ کی خدمت بھی فرض ہے - اس فرض کی ادائیگی کے لئے یونیورسٹیوں کو احساس شمولیت پیدا کرنے اور دیہی مسائل حل کرنے میں اپنی تمام معلومات صرف کرنے کی ضرورت ہے -

آزادی کے بعد سے ہمارے ملک میں سماجی اقتصادی ترقی کے مقاصد کے حصول کے لئے کوششیں کی جاتی رہی ہیں ان کوششوں سے یونیورسٹیوں سے باھر آنے والے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے روزگار کے نئے مواقع بھی پیدا ہوں گے - حقیقی معنوں میں خود کو ترقیاتی سرگرمیوں میں شامل کرکے یونیورسٹیاں تین خدمات انجام دے سکتی ہیں : رسمی اور غیر رسمی طریقوں سے تعلیم کی توسیع ، ترقیاتی منصوبہ کاری کی ضروریات پوری کرنے سے متعلق تحقیقی پروگراموں کی تنظیم اور برادری کے سماجی اقتصادی حالات بہتر بنانے اور مسائل حل کرنے میں خدمات -

دیہی علاقوں سے شہروں میں منتقلی روک کر ، دیہی ضروریات کے مدنظر معقول نصاب فراھم کرکے اور غیر رسمی اور رسمی تعلیم کے پروگراموں کو مستحکم کر کے دیہی ترقی میں قابل ذکر کردار ادا کرنے میں ایسی یونیورسٹیوں کی بہت ضرورت ہے -

اگرچہ دیہی ترقی پر خاطر خواہ زور نہیں دیا گیا مگر وہ ہمارے پنجسالہ منصوبوں کا ایک غیر منقسم جزو رہی ہے - پہلے پنجسالہ منصوبہ میں تیز تر ترقی پر زور دیا گیا - اس نے زرعی پیداوار کی اسکیموں کو وسیع تر مفہوم عطا کیا اور اس نے زرعی پیداوار کو وسیع تر دیہی ترقی کے پروگراموں کا اھم جزو تصور کیا - منصوبہ میں کہا گیا کہ دیہی ترقی ایک طریقہ ہے اور رورل ایکسٹینشن (دیہی توسیع) ایک ایجنسی ہے جس کے ذریعے دیہاتوں میں سماجی اقتصادی تبدیلی ہیئت کا عمل شروع کیا جائے دیہی ترقی کے پروگراموں کا بنیادی مقصد لوگوں کی عملی شراکت کے ذریعہ علاقائی ، مادی اور انسانی وسائل کو پروان چڑھا کر

دیہی برادری کا معیار زندگی بلند کرنا ہے ۔ اگرچہ دیہی ترقی کے پروگراموں کو مختلف پہلوؤں میں ایک کو دوسرے پر اولیت دینے کے معاملے میں تبدیلی آتی رہی ہے مگر بنیادی حکمت عملی تبدیل نہیں ہوئی ہے ۔

دوسرے منصوبہ میں اس بات پر زور دیا گیا کہ کمیونٹی پراجکٹوں اور نیشنل ایکسٹنشن سروس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عوام کا ذہنی نظریہ تبدیل کیا جائے اور ان میں اعلی معیار کے حصول کا جذبہ پیدا کیا جائے ۔ تیسرے منصوبے میں کہا گیا کہ دیہی ایکسٹنشن کا نظریہ پنچایتی راج کے نظریہ میں سمو گیا ہے ۔ کہا گیا کہ منصوبے کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ پنچایتی راج کی کارکردگی اور نشونما کا تجزیہ کیا جائے تاکہ مقامی انسانی طاقت، وسائل، امداد باہمی اور کمیونٹی کی کوششوں کے ذریعہ ہر علاقہ کی پوری ترقیاتی صلاحیت کو بروئے کار لایا جاسکے ۔

چوتھے منصوبہ میں اضلاع کے انتظامیہ کے ڈھانچے میں تبدیلی کی ضرورت کا ذکر کیا گیا ۔ بہت سی ریاستوں میں ترقیاتی پروگراموں کے لئے صرف بلاک ہی ایک ایجنسی ہے ۔ یہاں پر مقامی برادریوں کی جانب سے ترقیاتی کوششوں میں کافی حصہ لیا گیا ہے ۔ اس طرح دیہی ترقیاتی کوششوں میں سماجی انصاف کے ساتھ نشونما ہمارا مقصد بن گیا ۔

یونیورسٹیوں اور کالجوں کی منصوبہ بندی کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے اور اساتذہ اور طلباء میں منصوبہ بندی کی اہمیت کا احساس پیدا کرنے کی غرض سے حکومت ہند نے ۵۶-۱۹۵۵ء میں طلباء اور اساتذہ پر مشتمل پلاننگ فورم کی اسکیم شروع کی ۔ ابتداء میں ان فورموں نے اسٹڈی گروپوں کی طرح کام کیا لیکن ان کی سرگرمیوں میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا گیا اس کے بعد انہوں نے عوام میں منصوبہ کاری کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے، دیہی اور شہری علاقوں میں بچت کے طریقوں کے اجراء، دیہی جائزے، کنویں سڑکیں اور عوامی عمارات کی تعمیر کے ذریعے دیہی علاقوں میں سماجی خدمات انجام دینے، وقفے وقفے سے طبی کیمپ لگانے غذائی نمائشوں، خاندانی منصوبہ بندی کی مہم اور سیلاب و قحط وغیرہ جیسی قدرتی آفتوں میں امداد کے پروگراموں کو بھی شامل کرلیا گیا ۔

اس اسکیم کے تحت ۵۵-۱۹۵۴ء میں محنت اور سماجی خدمت کے کیمپ لگائے گئے ۔ برادری کے مفید تعمیرات کے لئے انسانی محنت فراہم کرنے کے لئے طلباء کو دیہی کیمپوں میں لے جایا گیا ۔ اگرچہ یہ اسکیمیں بنیادی طور پر تجرباتی سطح پر شروع کی گئی تھیں لیکن بعد میں انہوں نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرلی جس کے الگ فوائد ہیں ۔

اگرچہ دیہی ترقی میں طلباء اور اساتذہ کی شراکت حاصل کی گئی اور انہیں عوام کے قریب لایا گیا مگر اس کے لئے یونیورسٹیوں کی اعلی تعلیم اور درس کی میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی ۔ ۶۶-۱۹۶۴ء میں یونیورسٹیوں کی درس گی کی ازسرنو نمائندگی کی غرض تو سی تعلیم کمیشن کو سونپا گیا ۔ کمیشن نے یونیورسٹیوں کی درس گی میں تین قابل قدر اضافے کئے ۔ اول طلباء کے ذریعہ سماجی خدمت دوم یونیورسٹی تعلیم میں محنت کا پہلو اور سوم تعلیم بالغان اور خط و کتابت کے نصاب تعلیم کے پروگرام تیار کرنا ۔

کمیشن کی سفارش پر حکومت ہند نے قومی خدمت کی اسکیم شروع کی ۔ اس میں سماجی خدمت کے عام پروگرام قحط، گندگی اور بیماری وغیرہ کے خلاف مخصوص تحریکیں چلائی گئیں گزشتہ سات برس میں جن اساتذہ اور طلباء نے ان اسکیموں میں حصہ لیا ان کے رویے میں زبردست تبدیلی رونما ہوئی ہے ۔ بلاشبہ ایسے پراجکٹوں میں طلباء اور اساتذہ کی شرکت سے پڑھنے اور پڑھانے کے عمل میں اصلاح ہوتی ہے کیونکہ اس طرح انہیں سماجی حقائق سے روشناس ہونے کا موقع ملتا ہے ۔

* * * * *

ایس - سیتھو رامن

بیرونی امداد

مرکزی وزیر مالیات شری ایچ - ایم - پٹیل کے حالیہ دورۂ امریکہ سے ہندوستان کو ملنے والی بیرونی امداد کے امکانات پہلے سے بہتر ہوگئے ہیں -

عالمی بنک ہندوستان کی ضروریات کی سالانہ رپورٹ تیار کرتا ہے ، یہ رپورٹ ایڈ انڈیا کنسورٹیم کے ممبر ممالک کے سامنے پیش کی جاتی ہے - اس سال یہ اجلاس جولائی کے پہلے ہفتہ میں پیرس میں ہو رہا ہے - ۱۹۷۷-۷۸ ع کے لئے کنسورٹیم کے وعدوں کی واضح تفصیل اس اجلاس کے بعد ہی سامنے آسکیگی البتہ اندازہ ہے کہ ہند کے زر مبادلہ کے حالیہ ذخائر کے باوجود اتنی ہی رقم غیر ملکی امداد کے طور پر اسے مل جائیگی -

ہندوستان اس سال بھی گزشتہ سال کی مانند ایک ارب ستر کروڑ ڈالر کی امداد کی توقع کرسکتا ہے - امریکہ نے ۱۹۷۱ ع میں ہندوستان کی امداد کا جو سلسلہ روک دیا تھا اگر وہ اسے بحال کرنے پر رضا مند ہوگیا تو اس غیر ملکی امداد میں اور بھی اضافہ ہوسکتا ہے - اگر چہ شری پٹیل نے واشنگٹن میں اپنے قیام کے دوران امریکی امداد کی بحالی کا مسئلہ نہیں اٹھایا تھا ، لیکن امریکی قائدین اور ترقی یافتہ ممالک کے وزراء مالیات ، اس خیال کے حامی ہیں کہ ہندوستان کو زیادہ ترقیاتی امداد کی ضرورت ہے -

شری پٹیل نے کسی ترقی یافتہ ملک کے سامنے باہم اقتصادی امداد کا سوال نہیں اٹھایا ، انکی توجہ خاص طور پر اس جانب تھی کہ ہندوستان کو بین الاقوامی ترقیاتی ادارے سے تقریباً ۴۰ فیصد سالانہ قرض کی منظوری ملتی رہے - بین الاقوامی ترقیاتی ادارہ کے قرض کا سوال انہوں نے اس لئے اٹھایا کیونکہ واشنگٹن سے ایسی اطلاعات ملی تھی کہ ہندوستان کو جو مدد دی جارہی ہے اسکی موجودہ شرح کو برقرار نہیں رکھا جانا چاہئے -

توقع ہے کہ عالمی بنک اس سلسلے میں جون کے اواخر تک فیصلہ کریگا - چونکہ ہندوستان کا حصہ ۴۰ فیصد ہے ، لہذا آئندہ تین برسوں میں اس ادارے سے ہندوستان کو ملنے والی رقم ایک بلین ڈالر سالانہ کے قریب ہونی چاہئے یہ بات قابل ذکر ہے کہ دو ممالک کے مابین امداد کے معاهدوں کے برعکس ، بین الاقوامی ترقیاتی ادارے کے قرضہ جات ۵۰ سال کے عرصہ میں قابل ادائی ہوتے ہیں اور ان پر سود نہیں لگتا -

شری پٹیل نے یہ بات واضح کردی ہے کہ جنتا پارٹی کی حکومت غیر ملکی امداد کے خلاف نہیں ہے -

انہوں نے یہ بھی کہا کہ ملک کو جلد از جلد خود کفالت کے حصول کیلئے کوشاں رہنا ہوگا - انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بیرون ہند ، ملک کے حق میں فضا مزید ساز گار ہوئی ہے -

غیر ملکی زر مبادلہ کے وافر ذخیروں اور نئی غیر ملکی امداد کے امکانات کے سبب قدرتی طور پر ہندوستان کی بیرون سے متعلق ضروریات پوری ہوجائیگی - برآمدات میں مسلسل اضافہ اور در آمدات میں تیزی کے ساتھ کمی کی وجہ سے ہی ہندوستان کے زر مبادلہ کے محفوظ ذخائر میں خاطر خواہ اضافہ ممکن ہوسکا ہے -

اگر چہ گزشتہ دو سال میں محفوظ ذخیرہ میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے - اور موجودہ سطح ۳۲ ارب روپے تک پہنچ گئی ہے - تاہم ملک ابھی تک اس مقام پر نہیں پہنچا ہے کہ یہ کہا جاسکے کہ محفوظ ذخائر کی موجودہ سطح مستحکم رهیگی - عبوری بجٹ میں ضروری در آمدات کیلئے رقم مخصوص کی گئی ہے جسکی وجہ سے محفوظ ذخائر میں ۸ ارب روپے کی کمی ہوجائیگی - فی الحال صورت حال اطمینان بخش ہے لیکن ہمیں اس حقیقت کو بھی سامنے رکھنا ہے کہ ملک کو غیر ملکی قرضوں کی بھاری مقدار ادا کرنی ہے -

ہندوستان جیسے ترقی پذیر ممالک جو تیل در آمد کرتے ہیں اور جنہیں خسارہ کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے ، انہیں خصوصاً آسان شرائط پر غیر ملکی امداد درکار ہوگی تا کہ ان کے سر سے قرض کا بوجھ کم ہوسکے -

یہی وجہ ہے کہ ترقی پذیر ممالک دولتمند ممالک پر زور دیتے رہے ہیں کہ وہ اس دہائی کے لئے اقوام متحدہ کے اس ترقیاتی نشانہ کو پورا کریں ، جسکے تحت انہیں اپنی کل قومی پیداوار کا ۰،۷ . . . فیصد ترقیاتی امداد کے طور پر منتقل کرنا ہے - ترقی پذیر ممالک کی ضروریات بین الاقوامی مالی فنڈ کے ذریعہ وقتاً فوقتاً ترتیب دئے جانے والے پروگرام کے تحت بڑی حد تک پوری ہوسکتی ہیں -

* * * * *

آندھرا پردیش کے ملک الشعرا ٔ

ڈاکٹر داسرتی ، ہماری ریاست کے ملک الشعراء ، ایک شاعر ، محب وطن ، مجاھد آزادی ، زبان داں ، عالم ، خطیب اور سب سے بڑھ کر ایک انسان دوست شخصیت ھیں ۔ آپ ۱۰ ۔ جنوری ۱۹۲۷ میں کھمم کے قریب چناگدور میں پیدا ھوئے ۔

انہوں نے ہر جگہ کے انسان کو ہر قسم کے ظلم و نا انصافی سے نجات دلانے میں جو نمایاں اور تاریخی کردار ادا کیا ھے اس کے پیش نظر وہ عام طور پر عوام کے شاعر کی حیثیت سے معروف ھیں ۔

ان کی عوامی زندگی کا آغاز تقریباً ۳۰ سال پہلے ھوا ۔ سابق ریاست حیدر آباد کے مقام کھمم میں وہ ابھی طالب علم ھی تھے کہ ان سے نظام کی مطلق العنان حکومت کی جانب سے عوام پر کی جانیوالی زیادتی و ظلم کو نہ دیکھا جاسکا اور ان کے طاقتور قلم نے اس ظلم و زیادتی اور مطلق العنانیت کے خلاف آتش گیر نظموں کو جنم دینا شروع کردیا جن میں عوام کو جابر حکومت کے خلاف بغاوت پر اکسایا جاتا تھا اور ھندوستان میں حیدر آباد کی شمولیت کی پر زور وکالت کی جاتی تھی ۔ چنانچہ اس وقت کے عہدہ داروں نے انہیں فوراً گرفتار کرلیا اور انکو تحریک کا خطرناک ترین مجاھد سمجھا گیا ۔ لیکن وہ جیل میں بھی نظمیں تخلیق کرتے رھے جو عوام تک پہنچتی رھیں ۔

حیدر آباد کی شخصی حکومت سے آزادی پالینے اور وسیع تر ریاست آندھرا پردیش کے قیام کے بعد بھی ڈاکٹر داسرتی جاذبیت اور کشش سے بھر پور رومانی اور جدید کلاسکی نظمیں تخلیق کرتے رھے ۔ مگر ڈاکٹر داسرتی جو عظیم قائد نہرو کے مداح اور پیرو ھیں عشقیہ شاعری کے لئے پیدا نہیں ھوئے ۔ ان کی طبع نازک پر بار گزرنے والے واقعات پوری دنیا میں وقوع پذیر ھو رھے تھے اور انکے اندر چھپے ھوئے انسان دوست اور ظلم کے دشمن شاعر کو ابھار رھے تھے ۔ خود انکی ریاست میں دو مرتبہ علحدگی پسند تحریکیں اٹھیں جو داسرتی کے مزاج کے بالکل خلاف تھیں اس لئے کہ وہ یکجہتی اور وسیع تر ریاست کی برقراری کے حامی ھیں ۔ چنانچہ انہوں نے علحدگی پسندی کی مخالفت اور یکجہتی کی تائید میں کئی نظمیں لکھیں ۔ پھر بنگلہ دیش کا مسئلہ اور ویٹنامی عوام کی طویل اور جانفشانی جدو جہد آزادی انکی نظموں کے لئے موضوعات فراھم کرتی رھی ۔ ڈاکٹر داسرتی اپنی پوری زندگی فرقہ واریت ، تعصب ، سرمایہ داری ، ظلمت پسندی اور ھرطرح کے جبرو تشدد سے نبرد آزما رھے ھیں اور آزادی ، اقتصادی مساوات ، سماجی انصاف اور انسان کی عزت و توقیر کے وہ ایک زبردست حمیتی ھیں ۔ انہوں نے حال ھی میں ایک جگہ اعلان کیا ھیکہ " جب تک دنیا کے کسی بھی حصے میں نا انصافی اور تشدد کا شائبہ تک باقی ھےتاریکیوں کے خلاف میری جنگ جاری رھے گی " ۔

اب تک انکے ۱۲ شعری مجموعے شائع ھوچکے ھیں اور اسکے علاوہ متعدد ریڈیو ڈراموں ، ادبی مضامین اور تراجم وغیرہ کے بھی وہ مصنف ھیں ۔ ان کی شاعری کے اھم موضوعات حب الوطنی ، سوشلزم ، انسانیت دوستی ، آفاقی محبت ، انسانی فلاح اور عالمی امن وغیرہ ھیں ۔ ڈاکٹر داسرتی کو " تمر پتر " مل چکا ھے ۔ ان کی تلگو نظموں کے مجموعہ " تمیرم دی‌سارم " (ظلمت کے خلاف جنگ) کو مرکزی ساھتیا اکیڈیمی کا سال ۱۹۷۴ اوارڈ حاصل ھوا ۔

مرزا غالب کی غزلوں کے تلگو زبان میں انکے ترجمہ کو حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے ایک ھندوستانی زبان سے دوسری زبان میں کیا ھوا بہترین ترجمہ قرار دیا گیا اور ان کو سال ۱۹۶۵ میں ایک ایوارڈ عطا کیا گیا ۔

انکی نظموں کا ایک مجموعہ " کویتا پشپکم " ۱۹۶۷ میں آندھرا پردیش ساھتیا اکیڈیمی کے انعام اول کا مستحق رھا ۔

تلگو زبان کے لئے انکی خدمات کے اعتراف میں آندھرا یونیورسٹی وسا کھاپٹنم نے انہیں ۱۹۷۵ میں منعقدہ اپنے ۴۸ ویں جلسہ تقسیم اسناد میں " کلیرا پورنا " یعنی ڈاکٹر آف لیٹرس کی اعزازی ڈگری عطا کی ۔ آگرہ یونیورسٹی نے انہیں ۱۹۷۶ میں ڈاکٹر آف لیٹرس کی ڈگری سے سر فراز کیا ۔

وہ ۱۹۵۲ میں تلنگانہ رائٹرس اسوسیشن کے بانی صدر تھے ۔ بعد میں اس کا نام تبدیل کرکے آندھرا پردیشی رائٹرس اسوسی ایشن رکھدیا گیا ۔ وہ آندھرا پردیش ساھتیہ اکیڈیمی حیدرآباد کی مجلس عاملہ کے رکن اور مرکزی ساھتیہ اکیڈیمی نئی دھلی کی مجلس مشاورت برائے تلگو کے رکن ھیں ۔

وہ آندھرا سرسوت پریشت حیدر آباد کی مجلس عاملہ کے رکن ھیں اور تلگو کو ریاست کی سرکاری زبان بنانے کے لئے ریاستی حکومت کی جانب سے جو سرکاری زبان کمیشن مقرر کیا گیا ھے وہ اسکے بھی رکن ھیں ۔

ریاست آندھرا پردیش میں بولی جانیوالی اپنی مادری زبان تلگو کے علاوہ سنسکرت ، ھندی ، اردو ، انگریزی اور فارسی زبانوں میں انکو خاصی دسترس حاصل ھے ۔

ڈاکٹر داسرتی ایک مشہور و معروف فلمی نغمہ نویس بھی ھیں ۔ اور اب تک تلگو فلموں کے لئے تقریباً دو ھزار گانے لکھ چکے ھیں ۔

ڈاکٹر داسرتی کو حال ھی میں آندھرا پردیش کا ملک الشعراء مقرر کیا گیا ھے ۔

* * * *

نور محمد یاس

غزل

زرد پتے جب درختوں سے گرے ھیں
سبز رت کی راہ میں بچھ بچھ گئے ھیں

آئنوں پر طنزیہ فقرے کسے ھیں
اپنے ھی تیروں سے ھم زخمی ھوئے ھیں

گھر کی بے نوری نہ باھر جھانک پائے
کھڑکیوں پر اس لئے پردے کھنچے ھیں

ھے انھیں اشجار کے قدموں میں سایا
دھوپ اپنے سر پہ جو اوڑھے کھڑے ھیں

کم سے کم زینت تو ھیں وہ اپنے گھر کی
جن کتابوں میں ھمارے تذکرے ھیں

کسقدر روشن ھے سینہ چاندنی کا
شاید اس نے گھونٹ سورج کے پیئے ھیں

کن گرفتوں میں ھے تیرا ذھن اے یاس
کس لئے آنکھوں میں یہ حلقے پڑے ھیں

* * * *

بائیں جانب اوپر :—شریمتی شاردا مکر جی گورنر نے حال ھی میں نلور میں سہیلا سوپر بازار کا افتتاح کیا ۔

بائیں جانب درمیان میں :—شری جے ۔ وینگل راؤ چیف منسٹر یکم ستمبر کو دینی ورا پاڑو ضلع کرنول میں کیلشیم کار بائٹ پراجکٹ کے افتتاح کے بعد پراجکٹ کے ماڈل کا معائنہ کر رہے ھیں
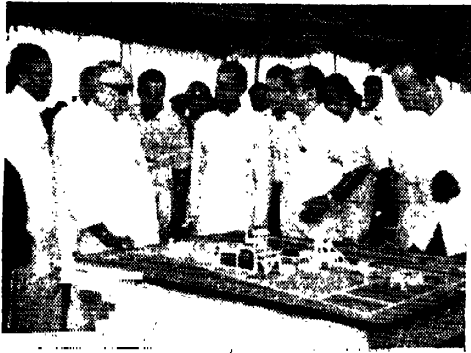
بائیں جانب نیچے :—شری ایس ۔ آر ۔ سنکرن سکریٹری محکمہ سماجی بھلائی نے حال ھی میں پسماندہ طبقات کے طلبہ کے لئے ایک سرکاری ھاسٹل کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا ۔

دائیں جانب اوپر :—شریمتی شاردا مکر جی گورنر نے کمزور طبقات میں قرضے تقسیم کئے تصویر میں گورنر صاحبہ کالاڈبا ضلع نلور میں ایک عورت کو ساڑی دے رھی ھیں ۔

دائیں جانب نیچے :—شری جے ۔ وینگل راؤ چیف منسٹر نے یکم ستمبر کو گجالا وینی پراجکٹ سے پانی کی اجرائی کا افتتاح کیا ۔

کے ۔ صلاح الدین

انسان کی دریافت

قدرت کی طرف سے بہت کم ممالک کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے کہ وہاں کھدائی کے دوران میں قدیم ترین انسانوں کے ڈھانچے یا کھوپڑی وغیرہ ملی ہو ۔ چند ماہ پیشتر دریائے گوداوری میں کھدائی کے دوران ہجری عہد کے انسان کی کھوپڑی ملی تھی ۔ یہ آثار قدیمہ کی دنیا میں خاصہ اہم اور قابل توجہ واقعہ ہے اور اسے کوئی بھی ترقی یافتہ ملک فراموش نہیں کر سکتا ۔

اندازہ لگایا گیا ہے کہ گوداوری ۳۰ ملین سال (تین کروڑ سال) پہلے وجود میں آئی ۔ ماہرین کی جماعت اب اس بات کے تعین کی کوشش کررہی ہے کہ یہ علاقہ کس طرح انسان کے بسنے کے قابل ہوا ۔ یا رفتہ رفتہ انسان کس طرح اس علاقہ میں بسنے اور رہنے لگا ۔

دسمبر سنہ ۱۹۷۶ع میں دکن کالج پونے کے ماہرین آثار قدیمہ نے دو جگہ کھدوائیاں کیں ۔ ہنوز یہ کام جاری ہے لیکن اس وقت تک جو کچھ ملا اور دریافت ہوا ہے اس سے نئے سوالات علمی دنیا کے سامنے آرہے ہیں ۔

پہلی دریافتوں سے یہ شہادت ملتی ہے کہ ما قبل تاریخ کا انسان یہاں رہتا تھا لیکن اس کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک تعین نہیں ہو سکا ہے ۔ عمومی اندازہ اس بات سے لگایا گیا ہے کہ یہاں جو ہتھیار اور اوزار دستیاب ہوئے ہیں ویسے ہی افریقہ ، یورپ اور ایشیا کے دوسرے علاقوں میں ملے ہیں ۔ اس طرح گوداوری کے عہد عتیق کی تہذیب ایک لاکھ پچاس ہزار سے دو لاکھ سال پہلے کی ہو سکتی ہے نسبتاً حالیہ دریافتوں میں جو اوزار ملے ہیں مہاراشٹرا میں نواسا (Nevasa) کے مقام کے ہے ، ان میں بھی تہذیب کے تسلسل کا صحیح طور پر تعین مشکل ہے کیونکہ دریا کے ذریعہ جو مواد جمع ہوا ہے اس میں ملاوٹ ہے ، اس لئے تاریخی تسلسل دشوار ہے ۔ لیکن حالیہ تحقیق جو ہوئی ہے اس میں ماحولیاتی ماہرین آثارقدیمہ نے اندازہ لگایا ہے کہ ہجری دور کا انسان (Apegaon) اپےگاؤں کے نزدیک رہتا تھا ۔ کیونکہ جو اوزار دستیاب ہوئے ہیں وہ بجائے سطح پر ہونے کے زمین میں دھنسے ہوئے ہیں اور دریا کی یہ اونچی سطح ایک لاکھ سال پرانی ہے ۔ اس طرح دور متوسط کا ہجری انسان یہاں کے لئے قدیم ترین ہوجاتا ہے ہجری دور کا انسان دریا کے بدلتے ہوئے کناروں پر پچاس ہزار سال پہلے سے بسنے لگا تھا ۔ اس کے اوزار قدیم ترین اجداد کے اوزار سے زیادہ مختلف نہیں ہیں — اب آیئے اس سلسلہ میں ساری دنیا کو کھنگال ڈالیں ۔

ڈارون وہ پہلا شخص ہے جس نے دنیا کو بتایا کہ ابتداً میں انسان کیسا تھا اور کیا تھا ورنہ اس سے قبل تو سب ہی یہ سمجھتے کہ روز ازل سے انسان اسی شکل و صورت کا ہے جیسا کہ اب ہمیں نظر آتا ہے ۔ ڈارون نے بتایا تھا کہ انسان اور بندر کا سلسلہ جا کر ایک ہی جگہ ملتا ہے لیکن بعض حضرات نے یہ کہہ کر ڈارون کی اس تحقیق کا مضحکہ اڑایا کہ ڈارون کہتا ہے بندر کی اولاد سے ہے ۔

اس سلسلے کی تحقیقات کرنے والوں میں کینیا (افریقہ) کے ''ڈاکٹر لوئی لیکے اور مسز لوئی لیکے'' کو بھی عالمی شہرت حاصل ہے۔ میں یہ بتا کر آپ کا وقت نہیں لونگا کہ ڈاکٹر لوئی لیکے کینیا میں سنہ ۱۹۰۳ع میں پیدا ہوئے تھے اور ارتقاً انسانی کی تحقیق کے سلسلہ میں انہیں جغرافیائی رائل سوسائٹی (انگلینڈ) نیشنل جغرافک سوسائٹی (واشنگٹن) سے فاؤنڈرس میڈل اور ہربڈ میڈل سے نوازا گیا تھا ۔ اگسٹ سنہ ۱۹۶۹ع میں واشنگٹن کے سائنسدانوں نے اطلاع دی تھی کہ انسان نما جانور یعنی بن مانس (ہومیوچیلبس) کی مکمل کھوپڑی ملی ہے جو اس عہد کی عظیم دریافت ہے ۔ اس سے قبل اس جانور کی اتنی مکمل کھوپڑی نہیں ملی تھی ۔ خیال ہے کہ یہ جانور آج سے بیس (۲۰) لاکھ سال پہلے افریقہ میں رہا کرتا تھا ۔ یہ کھوپڑی تنزانیہ کی الدوائی کھاڑی میں ملی تھی ۔

اس سے قبل یعنی سنہ ۱۹۳۶ع کے لگ بھگ پروفیسر فون کوئے نگس والڈ (Vonkcenigswald) (ماہر حیاتیات) نے جاوا اور چین سے چند ہڈیاں لائی تھیں جو قدیم ترین انسانوں کی تھیں ۔ ان ہڈیوں اور دستیاب شدہ تین دانتوں سے اندازہ قائم کیا گیا تھا کہ یہ انسان جسامت کے لحاظ سے موجودہ انسان سے کافی قدآور اور جسیم ہوگا (قریباً دس فٹ)

شاید آپ ۲۰ لاکھ سال کے طویل ترین زمانے کو پیش نظر رکھ کر یہ خیال کریں کہ انسان اتنا قدیم ہے تو میں عرض کروں گا کہ زمین کی عمر کا لحاظ کرتے ہوئے انسان کی عمر اتنی کم ہے کہ جیسی سورج کے آگے زمین کی حقیقت ۔

انسان کے متعلق آج تک بھی کوئی ماہر یہ حکم نہیں لگا سکا کہ وہ ابتداً میں دنیا کے کسی حصے میں وجود میں آیا ۔ ہاں یہ بتایا جاسکتا ہے کہ قدیم ترین جو ہڈی دریافت ہوئی وہ ملک جاوا میں ملی تھی اور اس کی دریافت کا سہرا ڈوبوائے (Dubois) نامی ولندیزی (Dutch) ڈاکٹر (Anatomist) کے سر ہے ۔ ڈاکٹر ڈوبوائے کو قدیم انسانوں سے متعلق تحقیقات کا شوق زمانہ طالب علمی سے تھا چنانچہ انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ جاوا میں دریائے بنگوان کے کنارے ایک مقام پر مختلف زمانے کی چٹانوں میں قدیم زمانے کے جانوروں کی ہڈیاں ملی ہیں تو انہیں خیال گذرا کہ شاید وہیں اولین انسان کی بھی باقیات مل جائیں اس خیال نے انہیں سنہ ۱۸۹۰ء میں جاوا پہنچادیا ۔ وہاں انہوں نے ترینیل (Trinil) نامی مقام پر اپنے کام کا آغاز کیا چنانچہ انہیں کچھ عرصہ بعد کافی گہرائی میں ایک کھوپڑی ، ایک ران کی ہڈی اور دو دانت ملے ۔ یہ ہڈیاں انسانی ہڈیوں سے اس درجہ ملتی جلتی تھیں کہ ڈاکٹر ڈوبوائے نے اعلان کردیا کہ " میں نے انسان کی گمشدہ کڑی کو پا لیا ہے "، یعنی ایسے جانور کو دریافت کرلیا ہے جو انسان اور بندر کی درمیانی حالت میں تھا ۔ ڈاکٹر ڈوبوائے کے کہنے کے مطابق یہ جانور انسان کی طرح سیدھا کھڑا ہوتا تھا ۔ اس کا دماغی خول انسانی اور میمونی دونوں خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے ۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس کا سائنسی نام " پی تھی کن تھروپس اِی رکٹس (Pithecan Thropus erectus) یعنی بندر نما استادہ انسان رکھا گیا ہے ۔ اس بندر نما انسان کی کھوپڑی پر عرصہ تک تحقیقات ہوتی رہیں اور آخرکار ماہرین اس نتیجہ پر پہنچے کہ " جاوی انسان "، انسان اگر نہیں بھی تھا تو بندر ہرگز نہیں تھا ۔ اور اگر اسے بندر مان بھی لیا جائے تو یہ ایسا عجیب و غریب بندر تھا کہ جس کا دوسرا نمونہ آجتک نہیں مل سکا ۔ اس لئے کہ اس کے کاسہ سر کے اندر کی وسعت ۹۵۰ مکعب سمر تھی جب کہ بڑے سے بڑے بندر کی کھوپڑی کے اندر ۶۵۰ مکعب سمر سے وسعت زیادہ نہیں ہوتی انہوں نے یہ بھی خیال ظاہر کیا کہ " جاوی انسان " کو اگر انسان مان لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ وہ انتہائی وحشی تھا ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جاوی انسان کی کھوپڑی ایک طرح کا معمہ ہے کیونکہ اس کو نہ تو پوری طرح انسان ہی قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی میمونی ۔ کیونکہ اس کی کھوپڑی کے بیرونی حصہ کو دیکھئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی معمر گبن (Gibbon) (ایک قسم کا بندر) کی ہے اور اندرونی حصہ پر نظر کیجئے تو انتہائی قدیم انسان ہونے کی شہادت ملتی ہے ۔

جاوی انسان (Javaman) کے بعد " پے کنگ " انسان (peking Man) کا نمبر آتا ہے ۔ آپ کو شاید یقین نہ آئے کہ اس کی دریافت کا سلسلہ صرف ایک دانت سے شروع ہوا ۔ ایک دانت ملنے کے بعد جب اس بات کا یقین ہوگیا کہ یہ قدیم زمانے کے انسان کا ہے تو پھر کھدائی شروع کی گئی ۔ اس کھدائی کے دوران متعدد کھوپڑیاں برآمد ہوئی تھیں ۔(یہ بھی بتانے کی یہاں ضرورت ہے کہ یہ کھدائی چونکہ چین کے شہر پیکنگ میں ہوئی تھی اسلئے اس انسان کا نام پیکنگ انسان رکھا گیا) اس کا سائنسی نام "سی‌وان تھروپس پے کن نان سس (Sinanthropus) رکھا گیا ۔

پیکنگ انسان کی کھوپڑی بہت سی باتوں میں جاوی انسان کی کھوپڑی سے مختلف ہے ۔ اس میں بعض ایسی خصوصیات پائی گئیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ منگولیائی نسل اسی قدیم انسان سے نکلی ہیں ۔ تعجب تو اس بات پر ہوتا ہے کہ یہ ماقبل تاریخ کا انسان آگ کے استعمال سے واقف تھا ۔

پلٹ ڈاؤن انسان (Piltdownman) کی طرف آنے سے قبل یہ سن لیجئے کہ اسے یہ نام کیوں دیا گیا ہے ۔ انگلستان کے علاقہ " سسکس " میں پلٹ‌ڈاؤن کامن ایک مقام ہے ، یہاں کھدائی کے دوران انسانی ہڈیاں دستیاب ہوئی تھیں اس لئے اس انسان کا نام اس مقام کی مناسبت سے رکھا گیا ہے ۔ خیال ہے کہ پلٹ ڈاؤن انسان اور پیکنگ انسان ہم عصر تھے ۔

ماہر انسانیات سر آرتھر کتھ کا خیال ہے کہ یہ دونوں بعض ناگزیر حالات کے تحت اپنے اجداد سے الگ ہوگئے ہونگے ۔ اس کے بعد تحقیق کی کڑی " ہائیڈلبرگ انسان " پر رکی ہے ۔ انسان کی ذہانت کی داد دیجئے کہ ہائیڈلبرگ انسان کے ایک ہی مکمل جبڑے کے ملنے پر اس نے اپنے تخیل سے پورا انسان کھڑا کردیا ۔

جرمنی کے شہر ہائیڈلبرگ سے صرف دس میل مغرب میں سوایر (Mauer) میں ریت اور کنکر کے گڈھے میں سنہ ۱۹۰۸ء میں کھدائی ہورہی تھی ۔ کوئی اسی (۸۰) فٹ کی گہرائی میں ، میمتھ ، گینڈے ، ریچھ اور ہرن وغیرہ کے فوسل (Fossil) (متنود) کے ساتھ یہ جبڑا ملا تھا ۔ یہ جبڑا اتنا دبیز ہے کہ اس کی مثال موجودہ انسانوں میں مل ہی نہیں سکتی اس کے دانت بڑے بڑے مضبوط لیکن ہموار اور یکساں ہیں اور ٹھڈی نہ ہونے کے برابر ۔ اس جبڑے کی ساخت کا مشاہدہ

کرنے کے بعد ماهرین اس نتیجه پر پهنچے تھے که وه تیزی اور روانی سے زبان کو حرکت دے سکتا هوگا ۔

اس کے بعد انسان کی جو نسل یورپ میں پھیلی اسے کافی شهرت ملی ۔ اس کا نام نیاندر تهال انسان (Neandarthal) هے ۔ یہاں میں نے پھیلی کا لفظ جان بوجھ کر اس لئے استعمال کیا هے که اس کے باقیات یورپ میں تقریباً هر جگه پائے گئے تھے اور ایشیا میں بھی بعض مقامات پر ان کی هڈیاں ملی هیں ۔ جرمنی کے شهر ڈوزلڈورف (Dusseldorf) کے قریب نیاندر (Neandar) نامی وادی میں ایک غار هے جس میں سنه ۱۸۵۶ ع میں چند مزدور کھدائی کر رهے تھے که انهیں ایک کھوپڑی ملی ۔ مزید کھدائی کرنے پر کچھ اور بھی آثار ملے ۔

چونکه کھوپڑی اچھی اور صحیح حالت میں ملی اسلئے اس کی تفصیل زیادہ واضح طور پر بیان کی جاتی هے جو یه هے ۔ اس کی هڈیاں بهت موٹی نهیں هیں ۔ پیشانی تنگ اور سمٹی هوئی هے ، بھوں کی لکیریں بھاری اور دماغی وسعت کا اندازه ۱۲۳ مکعب سمر لگایا گیا هے ۔ اگر نیاندرتهال انسان کی دماغی وسعت کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے بھی انکار نهیں کیا جاسکتا که موجوده انسان کی دماغی وسعت سے یه صرف ۲۷ مکعب سمر کم هے ۔

اس کی آنکھوں کے حلقے بڑے اور گول هیں ۔ ناک بڑی ، چوڑی اور آگے کو نکلی هوئی هوگی ، جبڑا لانبا اور موجوده انسان سے کافی آگے نکلا هوا اور کافی مضبوط هے اور رخساروں کی هڈیاں سکڑی هوئی هیں ۔ ٹھڈی سے قریباً محروم اور دانت کافی مضبوط اور ابتدائی خصوصیات کے حامل هیں ۔

ٹانگیں موجوده انسان کے مقابله میں قدرے چھوٹی لیکن ان کے سهارے وه نه صرف آج کے انسان کی طرح بآسانی کھڑا هوتا هوگا بلکه چلتا بھی هوگا ۔ اس کا جسم کافی مضبوط لیکن قد کوتاه یعنی ۵ فٹ ۳ انچ سے زیاده نهیں رها هوگا ۔ اس کے ذهین هونے کا ایک اور ثبوت یه هے که اس کے ساتھ چقماق هتھیار بھی ملے تھے آگ کے حصول کے لئے چقماق کا استعمال معمولی ذهن کا ثبوت نهیں هے کیونکه آج بھی همارے ملک کے بیشتر حصوں میں بیڑی وغیره اسی چقماق سے جلایا جاتا هے یورپ کے علاوه ایشیا میں بیت المقدس کے قریب بھی نیاندرتهال انسان کے آثار دستیاب هوئے هیں ۔ یه اس بات کا بین ثبوت هے که نیاندرتهال انسان ایک اهم قوم تھی جو یورپ اور ایشیا میں بیک وقت پھیل گئی تھی لیکن کچھ هی عرصه بعد تمام جگهوں سے یکلخت نابود هوگئی تھی ۔ اس فنا کے پیچھے کیا حالات اور وجوهات کارفرما تھے یه هنوز پردهٔ راز میں هیں ۔

ماهرین کا بیان هے که یورپ اور ایشیا میں جو بھی نسلیں وجود میں آئیں ان کا تعلق نیاندرتهال انسان سے نهیں تھا ۔ یهاں ایک خلش همارے ذهن میں پنجے گاڑ دیتی هے که پھر دوسری نسلیں کس طرح وجود میں آئیں ؟ شاید ایسا هوا هو که نیاندر تهال انسان کے ساتھ ساتھ دوسری نسلیں بھی دنیا میں پھیلی هوئی هوں جن کے باقیات هم تک نهیں پهنچ سکے اور یکایک قدیم انسان کی آخری کڑی کرو میگنان انسان (Cro-Magnon Man) کا پته چلا ۔ (Cro-Magnon) ایک مقام کا نام هے جو فرانس (Leseyzies) کے قریب میں واقع هے ۔ جهاں پانچ بالغ کرو میگنان انسان کے ڈھانچوں کے ساتھ هی چند کم عمر بچوں کی هڈیاں بھی ملیں ۔ کرو میگنانی انسان کو ماقبل تاریخ کے انسانوں میں اس وجه سے اهمیت اور فوقیت حاصل هے که یه قدیم انسان کی آخری نسل هے اور دوسرے یه که کرو میگنان انسان ، موجوده انسان سے اس فرق کے ساتھ همشکل تھا که اس کے جبڑے زیاده مضبوط تھے اور وه زیاده جسیم اور قوی هیکل تھا ۔ تھوڑی جو قدیم انسان میں معدوم تھی اس کے پاس کافی نمایاں تھی ۔ ان ڈھانچوں کے ساتھ زیورات ، اس بات کی غمازی کرتے هیں که وه اس درجه مهذب اور متمدن هوگیا تھا که اپنی عورتوں کو بنا سنوارا دیکھنا پسند کرتا تھا ۔

کرو میگنان انسان کی جو کھوپڑی اچھی حالت میں ملی وه تقریباً مکمل تھی جو موجوده انسان کی کھوپڑی سے زیاده بڑی اونچی اور پتلی هے اور ناک اور اس کے سوراخ پھیلے هوئے تھے اس کے پیر کی چوڑی هڈی کو دیکھنے سے اندازه هوتا هے که وه کافی مضبوط ورزشی اور قوی هوگا ۔ اس کے باقیات فرانس کے علاوه جرمنی ، اٹلی ، برطانیه اور چیکوسلواکیه میں بھی دستیاب هوئے هیں ۔ خیال هے که یه آج سے تقریباً چالیس هزار سال قبل موجود تھے ۔ اور غاروں میں رها کرتے تھے اور هڈیوں پر نقش کنده کرنا اور غاروں کی دیواروں پر نقاشی کرنا ان کا محبوب مشغله تھا ۔

یه تھا ماقبل تاریخ (Prehistoric) کے انسان کا اجمالی خاکه حقیقت تو یه هے که یه کام هنوز تشنه تحقیق هے اور اس سلسله میں حکم نهیں لگایا جا سکتا ۔ مختلف ممالک میں دستیاب هونے والی هڈیوں کے مطالعه سے هم صرف یه خیال ظاهر کرسکتے هیں که قدیم انسان کی ساخت کیسی تھی اور چهره کیسا تھا ۔ لیکن یه نهیں بتایا جاسکتا که چهره بالوں سے بھرا هوا تھا یا خالی ، رنگ گورا تھا یا کالا ، هونٹ موٹے تھے یا پتلے اور یه بھی تو هم قطعی طور پر نهیں بتاسکتے که کون سی نسل کس سے نکلی ، مگر هم یه تو جانتے هیں که انسان کی دریافت کس سنه میں ، کس ملک میں هوئی ۔ * * *

آندھرا پردیش صنعتی ترقی کی راہ پر

گذشتہ بیس سال کا عرصہ سارے ملک میں ایک صنعتی انقلاب کے آغاز کا دور ہے ہماری معیشت کے اس نازک اور فیصلہ کن خصوصیت کے حامل دور میں گوناگوں صنعتوں کا آغاز اور فروغ کافی حوصلہ افزا اور مسرور کن رہا ہے۔ اس دور میں برقی مشین آلات اور عمارتی ساز و سامان سے تعلق رکھنے والی بھاری صنعتوں نیز ہیوی انجینیری کی دوسری شاخوں کے لئے مضبوط بنیادیں قائم کی گئیں ۔ کیمیائی صنعت کے شعبے میں بھی وسیع پیمانے پر ترقی ہوئی ہے ۔ اور بنیادی کیمیائی اشیاء کی پیداوار میں قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے۔ دیو قامت فولادی کارخانے ۔ کھودی ہوئی نئی نئی کانیں اور ملک کے بڑے بڑے اور اہم شہروں کے اطراف پھیلی ہوئی صنعتی آبادیاں ان پرزور صنعتی سرگرمیوں کی گواہی دیتی ہیں جو موجودہ صدی کے وسط سے ہمارے ملک میں شروع ہوئیں ۔

آندھرا پردیش کی ریاست بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں رہی ۔ ہماری ریاست میں گراں مایہ معدنیات جیسے کوئلہ خام لوہا ۔ بیرائٹس ۔ منگانیز ۔ ازبسٹاس ۔ چونے کا پتھر اورابرک وغیرہ کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں ۔ اور اس لحاظ سے صنعتی ترقی کے لئے ریاست کو عظیم مواقع اور امکانات ہمدست ہیں ۔ ان تمام برسوں کے دوران میں اس ریاست نے صنعتی ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنیکی خاطر بھر پور اور مکمل لگن کے ساتھ مساعی کی ہیں تا کہ بڑی چڑھی شرح میں پیداوار کا حصول ممکن ہوسکے اور عوام کے لئے روزگار کے مواقعات میں اضافہ ہو ۔

قدیم وندھیاچل کے جنوب میں شہر حیدر آباد حالیہ برسوں کے دوران پرزور صنعتی سرگرمیوں اور ہمہ گیر صنعتی ترقی کا مرکز بن گیا ہے۔ یہاں پر بہت سے پروقار اور باعث افتخار صنعتی پراجکٹوں جیسے مرکزی شعبے میں بھارت ہیوی الکٹریکلس انڈین ڈرگس اینڈ فارماسیوٹیکس۔ ہندوستان مشین ٹولس کی ایک یونٹ۔ الکٹرانکس کارپوریشن آف انڈیا اور ہندوستان ایروناٹکس وغیرہ اور ریاستی عوامی شعبے میں ریپبلک فورج کمپنی اور انڈونین پری سیشن بیرنگ اور اس کے علاوہ مشترکہ و نجی شعبوں میں متعدد پراجکٹوں کا قیام اس کوشش کی دلالت کرتا ہے۔ جو نئی اور بھاری صنعتوں کے آغاز کے لئے حیدر آباد میں موجود ہے ۔

۱۹۷۵-۷۶ میں " پرزور مہمات " کے آغاز کی بدولت حالیہ زمانے میں چھوٹی صنعتوں کے فروغ اور ارتقاء کو زبردست بڑھاوا ملا ہے ۔ ۱۹۷۶-۷۷ میں ان مہمات کو مزید تقویت دی گئی اور مارچ ۱۹۷۷ کے ختم تک ریاست کے پورے ۲۱ اضلاع کو محیط کرلیا گیا ۔ ان مہمات کے دوران میں ۲۳،۲۸ کروڑ روپیے کے سرمایہ کی مصروفیت سے تقریباً ۲۶۰۰۰ افراد کو روزگار کے مواقع فراہم کرنیوالی ۳۰۲۳ صنعتی یونٹوں کا انتخاب اور تعین عمل میں لایا گیا ۔ اب ان منتخبہ اور متعینہ یونٹوں کے تعلق سے بعد کی کارروائی پورے زور و شور سے جاری ہیں ۔

خود روزگار اسکیمات

خود روزگار اسکیمات کی عمل آوری کے سلسلہ میں آندھراپردیش کا شمار ملک کی سرفہرست ریاستوں میں ہوتا ہے ۔ ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران میں ان اسکیمات کے تحت ۱۸۵۸ یونٹوں کا قیام عمل میں لایا گیا جن میں مصروف سرمائے کی مقدار ۴۲۰،۷۰ لاکھ روپیہ ہے اور جن کی بدولت ۷۰۹۷ افراد کو روزگار میسر ہے۔ ان یونٹوں کے لئے ۶۱،۸۸ لاکھ روپیے کی گرانقدر امداد "مارجن منی" کے طور پر دی گئی ۔ ان خود روزگار اسکیموں کے تحت پڑھے لکھے بیروزگار لوگوں کو چھوٹی صنعتیں چھوٹے کاروبار اور صنعتی امداد باہمی انجمنیں قائم کرنے میں اعانت کی گئی ہے۔ یہ حقیقت کہ اس پروگرام کے تحت قائم کی ہوئی یونٹوں میں سے تقریباً (۸۳) فیصد یونٹیں بڑی کامیابی کے ساتھ اپنے کاروبار چلا رہی ہیں ، مالیاتی اداروں کے لئے ایک باعث طمانیت اور قابل اعتماد امر ہے ۔

حکومت کی جانب سے پیش کی جانیوالی پر کشش ترغیبات ریاست کی صنعتی ترقی میں ایک کلیدی رول ادا کرتی ہیں ۔ جنوری ۱۹۷۶ سے ترغیبات کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا گیا ہے ۔ پسماندہ علاقوں میں قائم ہونیوالی صنعتوں کے اصل سرمائے میں ۱۰ فیصد کی امداد دی جاتی ہے ۔ بلا سودی محصول فروخت قرض مہیا کیا جاتا ہے ۔ خود روزگار اسکیمیں چلانیوالوں اور ٹیکنیکل افراد کی صنعتی یونٹوں کے ضمن میں سود کی ادائی کیلئے بھی امداد فراہم کی جاتی ہے ۔ ۱۹۷۶-۷۷ میں کوئی

۲۱۷ یونٹوں کو ۱۰۰ لاکھ روپیوں کے مساوی امداد دی گئی اور مرکزی امدادی اسکیم کے تحت پسماندہ علاقوں میں ۲۲۶ یونٹوں کو گذشتہ سال ۱٫۸۰ کروڑ روپئے کی امداد فراہم کیگئی۔

اوسط صنعتیں

سال ۱۹۵۶ میں آندھرا پردیش کی تشکیل کے وقت ریاست میں اوسط اور چھوٹی صنعتوں کی تعداد صرف ۵۴ تھی جن میں تقریباً ۴۸ کروڑ روپئے کا سرمایہ مشغول تھا ۔ آج ہمارے یہاں ۲۴۸ بڑی اور اوسط صنعیں قائم ہیں اور پیداوار دے رہی ہیں جن میں مصروف سرمائے کی مقدار ۲۲۵ کروڑ روپئے ہے اور جن میں ۲ لاکھ افراد کو روزگار کے مواقع ہمدست ہیں ۔ بڑی اور اوسط نوعیت کی نئی صنعتوں کے قیام اور آغاز کے کام میں بھی سرعت پیدا ہوگئی ہے ۔ چنانچہ موضع یرا گنٹلا ضلع کڑپہ میں واقع ۲۲ کروڑ روپئے مالیت والی سمنٹ فیکٹری میں کام شروع ہوگیا ہے ۔ راما گنڈم میں واقع کوئلے پر مبنی فرٹیلائزر فیکٹری سال رواں کے ختم تک پیداوار دینے لگے گی ۔ ۲۳۰ کروڑ روپئے لاگت والی کاکی ناڈا کی فرٹیلائزر فیکٹری کے قیام کے سلسلے میں ابتدائی کارروائیاں تقریباً مکمل کرلی گئی ہیں ۔

اس سلسلے میں امدادی کارپوریشن کی جانب سے روبہ عمل لائی جانیوالی پیہم اور ثمر آور مساعی ایک نظر ثانی کی مستحق ہیں ۔ آندھرا پردیش انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن (آے ۔ پی ۔ آئی ۔ ڈی ۔ سی) نے پانچویں منصوبے کی مطابقت میں ۸۵ پراجکٹوں کا تعین کیا تھا جن میں ۶۶ پراجکٹوں کو متحرک کردیا گیا ہے ۔ اے ۔ پی ۔ آئی ۔ ڈی ۔ سی کی امداد سے قائم آج ۲۰۰ کروڑ روپئے لاگت والے ۷۵ یونٹ پیداوار دے رہے ہیں ۔ اور ان میں ۵۶۰۰۰ افراد بر سر روزگار ہے ۔ آندھرا پردیش اسٹیٹ فینانشیل کارپوریشن نے ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران میں چھوٹی صنعتی یونٹوں کے لئے ۱۴۹۵٫۲ لاکھ روپیوں مالی امداد منظور کی ہے اور اس سال یہ امداد ۱۷۳۰ لاکھ روپیوں تک پہنچ جانیکا امکان ہے ۔ آندھرا پردیش انڈسٹریل انفرا اسٹرکچر کارپوریشن جو سب سے کم عمر ہے ۔ ۹۸ صنعتی اسٹیٹوں اور ۴۳ صنعتی ترقیاتی علاقوں کا نگران ہے ۔ قائم شدہ یونٹوں کی پیداوار کی مالیت تقریباً ۳۰ کروڑ روپئے تک پہنچ گئی ہے ۔

ہماری ریاست میں پارچہ باف کی ۳۱ یونٹیں ہیں ۔ پائیدار سوت کی در آمد اور کپڑے کی قیمتوں میں اضافے کے رجحان کی بدولت جنوری ۱۹۷۷ سے ان یونٹوں نے منافع کمانا شروع کردیا ہے ریاستی اور مرکزی حکومتوں کی جانب سے دی جانیوالی بڑی بڑی ترغیبات کی بدولت آندھرا پردیش نئی صنعتوں کے قیام اور آغاز کے لئے انتہائی موزوں اور فائدہ مند علاقہ بن گیا ہے ۔ پورے ملک کے صنعتکاروں کے لئے یہاں نئی نئی کامیابیوں سے ھمکنار ہونے کے نایاب مواقع موجود ہیں ۔ توقع ہیکہ وہ ان مواقع سے بھر پور فائدہ اٹھائیں گے اور ریاست کی صنعتی ترقی میں نمایاں حصہ ادا کریں گے ۔

* * * *

محمد علی اثر ایم - اے

قدیم اردو شاعری میں غواصی کا مقام

ملک الشعراء ملا غواصی قدیم اردو کا ایک عظیم ترین شاعر ہے - اس کے حالات زندگی ہنوز پردہ تاریکی میں ہیں - اس کا نام ، سنہ پیدائش ، سنہ وفات اور خاص طور پر اسکی زندگی کے آخری زمانے کے حالات کا کچھ پتہ نہیں چلتا - البتہ درمیانی زندگی کے حالات کے کچھ واضح نقوش قطب شاہی تاریخوں ، تذکروں اور خود غواصی کے کلام میں ضرور مل جاتے ہیں ، جن کی مدد سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ غواصی ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں پیدا ہوا ، عمر میں ملا وجہی اور محمد قلی قطب شاہ سے چھوٹا تھا - اس کی ابتدائی زندگی عسرت میں بسر ہوئی ، شاہی تقرب سے قبل وہ سرکاری ملازم تھا - عہد محمد قلی قطب شاہ (۱۵۸۰ ع تا ۱۶۲۵ ع) میں اس نے شاعری کا آغاز کیا اور مشق و مزاولت کی بدولت ایک پختہ کار شاعر بن گیا - محمد قلی قطب شاہ کے دور حکومت میں اس کو کوشش کے باوجود دربار میں رسائی حاصل نہ ہوسکی ، شاید اسی لئے اس نے بادشاہ وقت (محمد قلی) کی غزلوں کے مقابلے میں انہی زمینوں میں غزلیں لکھنے کی جرات کی تھی - عبداللہ قطب شاہ نے نہ صرف غواصی کی سرپرستی کی اور اس کو " فصاحت آثار " کے لقب سے نوازا بلکہ اپنے دربار کا ملک الشعراء بھی مقرر کیا - سنہ ۱۶۳۶ ع میں عبداللہ قطب شاہ نے اپنے سفیر کی حیثیت سے غواصی کو بیجا پور روانہ کیا تھا ، جہاں پر اس کی عزت و احترام کے ساتھ آؤ بھگت کی گئی -

بیجا پور کے قیام کے دوران غواصی نے اپنی غیر معمولی قابلیت اور کمال فن کا ایسا مظاہرہ کیا نہ وہاں کے ملک الشعراء نصرتی اور مقیمی نے اپنی تصانیف میں غواصی کا ذکر بڑی عزت اور احترام سے کیا ہے - غواصی نہ صرف دبستان دکن کا ایک مقبول ترین شاعر ہے بلکہ شمالی ہند میں بھی اس کی شاعرانہ عظمت کے چرچے ہونے لگے ، چنانچہ قیام الدین قایم ، میر تقی میر اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں غواصی کا ذکر کیا ہے جبکہ اس عہد کے دوسرے بلند پایہ شعراء مثلاً ملک الشعراء وجہی اور محمد قلی قطب شاہ ان تذکروں میں جگہ نہ پاسکے -

غواصی کی مثنویوں (۱ - مینا ستونتی ۲ - سیف الملوک و بدیع الجمال ۳ - طوطی نامہ) اور مطبوعہ کلیات کا تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ وہ قدیم اردو کا صف اول کا شاعر ہے - قدیم اردو شاعری اور ادب کے جو نمونے گزشتہ چالیس پینتالیس برسوں میں منظر عام پر آئے ہیں انہیں بہ آسانی دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے پہلے حصے میں وہ نثری اور شعری تصانیف شامل ہیں جنہیں لسانی نقطہ نظر سے اردو زبان کی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت حاصل ہے - جیسے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے مختصر رسالے - نو سر ہار ، شاہ میراں جی شمس العشاق کی تصانیف وغیرہ - قدیم اردو کی ان تصانیف کا تعلق اردو زبان کے ایک ایسے دور سے ہے جبکہ یہ زبان بولی (Dialect) کے مرحلے سے گزر کر ادبی منزل میں داخل ہورہی تھی - اس دور کے تحریری آثار اردو کی اولین تحریروں کی حیثیت سے ہمیشہ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں یاد رکھے جائیں گے - مندرجہ بالا نوعیت کی تحریروں میں ادبی خوبیوں کی تلاش تحصیل لاحاصل ہوگی کیونکہ موجودہ دور میں ان تحریروں کی اہمیت تاریخی ہے نہ کہ ادبی -

قدیم دکنی شعر و ادب کے دوسرے حصے میں نثر و نظم کی ایسی تصانیف شامل ہیں جو ادبی نقطہ نظر سے بھی قابل لحاظ قدر و قیمت کی حامل ہیں ، ان کی اہمیت صرف تاریخی اور لسانی ہی نہیں بلکہ ان کا شمار ادب پاروں میں بھی کیا جائے گا - وجہی ، محمد قلی ، غواصی ، نصرتی ، نشاطی ، شوقی ، شاہی اور ہاشمی کے ادبی کارنامے موخرالذکر حصے سے تعلق رکھتے ہیں - لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ ہماری زبان نے طویل عرصے کے بعد اپنے فراموش کردہ قدیم ورثہ کو حال ہی میں دریافت کیا ہے ، اور اردو کے مستند عالموں میں آج بھی ایسے افراد کی تعداد صرف انگلیوں پر گنائی جاسکتی ہے جو قدیم اردو پر اسقدر عبور رکھتے ہوں کہ محمد قلی یا غواصی کے کلام کو خاطر خواہ سمجھ سکیں - قدیم اردو کے مندرجہ بالا شعراء کی تصانیف کے جو متن شائع ہوئے ہیں ان میں سے بیشتر صرف

مخطوطات کی نقلوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور مرتبین نے اکثر صورتوں میں متن کو خود سمجھے بغیر اسے " زیور طبع سے آراستہ ،، کردیا ہے جب صورت حال یہ ہو تو واقعہ یہ ہے کہ دکنی کے با کمال شاعروں کو معمولی اور اوسط صلاحیتوں کے شاعروں سے ممیز کرکے ان کا تفصیلی مطالعہ اور ان کے کلام کا تنقیدی اور تحسینی جائزہ عملاً ناممکن ہوجاتا ہے ۔

ڈاکٹر زور مرحوم نے محمد قلی قطب شاہ کے ضخیم کلیات کو مرتب کرکے شائع کیا اور اس پر ایک طویل اور بسیط مقدمہ تحریر فرمایا ۔ حیدر آباد میں بڑے اہتمام سے ہر سال یوم محمد قلی قطب شاہ کی تقریبات منائیں اور اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر کی حیثیت سے محمد قلی کے نام کے خوب چرچے ہوئے ۔ ان ساری کوششوں کا حاصل یہ ہوا کہ اہل اردو محمد قلی قطب شاہ کے نام سے بہر حال آشنا ہوگئے اور محمد حسین آزاد کے الفاظ میں " کوئی سمجھا کوئی نہ سمجھا لیکن واہ واہ سب نے کی ،، اور لوگ محمد قلی قطب شاہ کو اردو کا ایک عظیم شاعر ماننے لگے ۔

لیکن قدیم اردو کے ذخیرہ میں ایسے متعدد صاحبان کمال کی تخلیقات ابھی کسمپرسی کے عالم میں ہیں جن کے جوہر سے دنیائے ادب ہنوز نا آشنا ہے ۔ ان میں سب سے اہم نام ملک الشعرا غواصی کا ہے۔ قدیم دکنی پر اس درجہ عبور حاصل کرلیا جائے کہ محمد قلی وجہی ، غواصی اور ہاشمی کی تخلیقات کے مطالعہ میں زبان کی قدامت حائل نہ ہو تو کوئی صاحب نظر اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ غواصی ایک غزل گو ، مثنوی نگار اور قصیدہ گو کی حیثیت سے قدیم اردو کا عظیم ترین شاعر ہے ۔

قدیم دکنی میں ایسی متعدد چھوٹی بڑی مثنویاں موجود ہیں جنہیں ہم اردو کی شاہکار مثنویوں میں شمار کرسکتے ہیں ۔ اگر زبان پر عبور حاصل کرلیا جائے تو دکنی اسکول کی مثنویاں دلی اور لکھنو اسکولوں کی مثنویوں پر سبقت لے جاتی ہیں ۔ ان مثنویوں میں سب سے اہم نام " قطب مشتری ،، کا ہے ۔ قطب مشتری کا تخلیق کار ملا وجہی عام شاعروں کی طرح ایک بڑا شاعر ہی نہیں تھا بلکہ اپنے عہد کا ایک بلند پایہ عالم اور مفکر بھی تھا ۔ قطب مشتری کے بعد دکنی اسکول کی سب سے اہم مثنویاں غواصی کی سیف الملوک و بدیع الجمال، طوطی نامہ اور مینا ستونتی ہیں ۔ وجہی اور غواصی کی زبان کا ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ غواصی کی زبان وجہی کے مقابلے میں نسبتاً عام فہم اور رواں ہے ، اس کا کلام سادگی اور شعریت سے معمور ہے ۔

غواصی کی مثنویاں زبان ، انداز بیان ، مناظر فطرت ، انسانی نفسیات کی مرقع کشی اور سراپا نگاری کے نقطہ نظر سے اردو کی شاہکار مثنویوں میں شمار کئے جانے کی مستحق ہیں " سیف الملوک و بدیع الجمال ،، سے صبح کا ایک منظر ملاحظہ فرمائیے ۔

نورانی صبا کا جو بارا ہوا	چندر کا جھلک ٹک اوتارا ہوا
ستارے لگے ڈوبنے ٹھار ٹھار	پنکھی اٹھ لگے غل کرن یوں پکار
عرش کا مرغ بانگ کہنے لگیا	صبا کا ٹھنڈا دباو بہنے لگیا
پرندے لگے کو لنے ٹھار ٹھار	درندے چلے سیر کرنے کوں بہار
رین جوں جنی صبح کی پوت کوں	سو روشن ہوا صبح کی روت سوں

بحیثیت غزل گو غواصی نہ صرف دبستان دکن کا ایک عظیم المرتبت شاعر ہے بلکہ معیاری اردو کے چوٹی کے تین یا چار شاعروں میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے ۔ سادگی ، روانی اور تاثر غواصی کے کلام کی سب سے نمایاں خصوصیات ہیں ۔ وہ اپنے افکار و جذبات کو سادہ طرز اظہار اور رواں پیرایہ بیان میں پیش کرنے کا عادی ہے ۔ غواصی کے کلام میں بھرتی کے شعر یا ایسے اشعار جن میں گہرا تاثر نہیں پایا جاتا بہت کم ملتے ہیں چند شعر ملاحظہ کیجئے ۔

اے دل آرام میں جدھر جاؤں
دل کوں تیریچ پاس دھر جاؤں
یا کہ تیرا جمال دیکھوں تو
سدھ بدھ چھوڑے بے خبر جاؤں
ہماری و چنچل سجانا کہاں
لگی جیئبٹی کھیر بانا کہاں
منجے اس نہے دل توڑو کہتے ولے
اسوں توڑ دل بھی لگانا کہاں

پیو باج انکھیاں میں آئے نہ خواب ہرگز
بے تاب ہوں میں کچ منج تن میں تاب ہرگز

غواصی اور ولی اورنگ آبادی کے کلام کے سرسری مطالعہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ قدیم اردو کے ان دونوں عظیم المرتبت شاعروں کے افکار و خیالات اور جذبات و احساسات میں بڑی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ولی ، غواصی سے بیحد متاثر تھے ، شاید اسی لئے انہوں نے غواصی کے کلام سے راست طور پر استفادہ کیا ہے ۔ ولی نے نہ صرف غواصی کے افکار و خیالات اور مضامین کو اپنے انداز میں دہرانے کی کوشش کی ہے بلکہ غواصی کی زمینوں میں ہم قافیہ اور ہم وزن غزلیں بھی کہی ہیں مثلاً دو غزلوں کے مطلعے ملاحظہ کیجئے ۔

۱ ۔ غواصی

عاشق ہے جن تج لال کا اس مال و دھن سوں کیا غرض
ہے کام جس کوں روح سوں اس کوں بدن سوں کیا غرض

ولی

تجھ زلف کے بے تاب کوں مشک ختن سوں کیاغرض
تجھ لعل کے مشتاق کوں کان یمن سوں کیا غرض

۲ - غواصی

جب ترا عشق سٹھا دست و گریباں میں آ
صبر تکڑے ہو پڑیا عقل کے میدان میں آ

ولی

وہ صنم جب سوں بسا دیدہ حیراں میں آ
آتش عشق پڑی عقل کے ساماں میں آ

غواصی کے تغزل کا ایک نمایاں وصف حقیقت پسندی ہے۔ دکنی کے دیگر کلاسیکی شعرا کی طرح غواصی بھی ایک حقیقت پسند شاعر ہے۔ اس نے اپنے کلام میں ہندوستانی ماحول ، یہاں کے سبزہ و گل ، مناظر قدرت اور رہن سہن کے طور طریقوں کی مکمل تصویریں پیش کی ہیں۔ اس کی تخلیقات میں ہندوستانی اقدار اور مقامی روایات کا احترام ملحوظ رکھا گیا ہے ۔ چنانچہ اس کے کلام میں حسن و عشق کے وہی مضامین اپنائے گئے ہیں جو ہندو ستانی ذوق کے تقاضوں کا ساتھ دے سکتے تھے۔

غواصی نے جدت ادا ، اچھوتے مضامین اور نئی نئی ترکیبوں کے ذریعہ داماں غزل کو وسعت بخشی چنانچہ وہ خود اپنی غزل کے متعلق کہتا ہے۔

غواصی جو غزل بولیا ہے سو اس کا
نوا ہے طرح نوا ہے طرز ہور نوا قانون

جم اپنے اونچے خیال تھے نازوک دھاواں پائے کر
کہتا ہوں غزلاں رنگ بھرباں قانون نوے لا پاڑ میں

جہاں تک غزل گوئی کا تعلق ہے غواصی دبستان دکن کا سب سے بڑا شاعر ہے محمد قلی قطب شاہ کی غزلیں غواصی کے تغزل کے مقابلے میں بے کیف معلوم ہوتی ہیں۔ وجہی کی غزلیں تعداد کے نقطہ نظر سے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ علی عادل شاہ شاہی کا سرمایہ غزل بھی کمیت اور کیفیت دونوں اعتبارات سے غواصی کے مقابلے میں کمتر درجے کا حامل ہے۔ صرف ریختی کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یقیناً ہاشمی کو افضلیت حاصل ہے۔ کیونکہ وہ تنہا شاعر ہے جس نے ایک مستقل دیوان ریختی اپنی یاد گار چھوڑا ہے لیکن عام غزل گو شاعر کی حیثیت سے دبستان دکن کا کوئی شاعر غواصی کے درجہ کو نہیں پہنچا ۔

غواصی ایک باکمال غزل گو اور بلند پایہ مثنوی نگار شاعر ہی نہیں بلکہ ایک کامیاب قصیدہ نگار بھی تھا ۔ عہدوسطی کا زمانہ بادشاہوں اور شہنشاہوں کا زمانہ تھا ، قصیدہ کی صنف فارسی میں اپنے اوج کمال کو پہنچ چکی تھی ، فطری طور پر شعراء دکن نے بھی قصیدہ کو اپنی طبع کا موضوع بنایا ۔ دکنی شعراء کے قصیدوں کے بیشتر نمونے ابھی تک مخطوطات کی شکل میں ہیں ان میں سے بہت کم زیور طبع سے آراستہ ہوپائے ہیں۔ بحالت موجودہ دکنی کے ممتاز شاعروں میں حسب ذیل دوشاعر ایسے ملتے ہیں جنکے قصائد مطبوعہ قصیدوں میں قابل ذکرحیثیت کے حامل ہیں پہلا نصرتی ہے اور پھر غواصی ۔

جہاں تک قصیدہ نگاری کا تعلق ہے نصرتی دکنی اسکول کا سب سے بڑا شاعر سمجھا جاتا ہے۔ دکنی قصائد میں فارسی قصیدہ کی تمام تر روایات کا مکمل التزام سب سے پہلے نصرتی کے قصیدوں ہی میں ملتا ہے اس نے اپنے قصائد میں فارسی شاعری کی مکمل تقلید ہی نہیں کی بلکہ دکنی قصیدہ کو فارسی کے معیار پر لا کھڑا کیا ۔ نصرتی کے اسلوب و آہنگ میں انوری اور خاقانی کے انداز نمایاں ہیں۔ قدیم اردو شاعری میں قصائد کی تعداد اور تنوع کے اعتبار سے غواصی کا پلہ سب سے بھاری ہے۔ اسکے مرتبہ کلیات میں اکیس (۲۱) طویل قصیدے موجود ہیں۔ دبستان دکن میں غواصی کے قصائد اس لئے اہمیت کے حامل ہیں کہ اس نے قصائد میں بھی دکنی اسکول کے رجحانات کی بھر پور ترجمانی کی ہے۔اسی لئے اس کے قصیدوں میں بھی مثنوی اور غزل کی طرح سادگی اور روانی کا جوہر نمایاں ہے۔ سادہ اور رواں اندازبیان کے علاوہ غواصی کے قصائد کی ایک اور نمایاں خصوصیت جو اس کو نہ صرف دبستان دکن کے شعراء میں اہم مقام بخشتی ہے ، بلکہ بعد کے اہم قصید گو شاعروں سے بھی ممتاز کرتی ہے ، اس کے قصائد کی نغمگی اور موسیقی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

آج شہ گھر ہے تہار تہار خوشی
ذوق بر ذوق ہور ہزار خوشی

نازنیناں کے بیس زلفوں میں
بھوگ لیتی ہے نار نار خوشی

اس برس کانٹ کی طرف تھے آج
سب کو بخشتا ہے کردگار خوشی

لہلہا تے چمن کے جھاڑاں پر
لائی ہے پھول پھل ہور بار خوشی

قدیم دکنی شاعری میں غزل اور قصیدہ کے مقابلے میں مثنوی کی صنف کو زیادہ فروغ حاصل ہوا ۔ وجہی کی ''قطب مشتری ،، ابن نشاطی کی '' پھول بن ،، نصرتی کی '' گلشن عشق ،، اور ''علی نامہ ،، دبستان دکن کی مشہور مثنویاں ہیں لیکن شاعرانہ کمال کے نقط نظر سے ''قطب مشتری ،، ہو یا '' گلشن عشق ،، ''پھول بن ،، ہو یا'' علی نامہ ،، غواصی کی '' سیف الملوک و بدیع الجمال ،، ''مینا ستونتی ،، اور ''طوطی نامہ ،، کے مقابلے میں بے رنگ معلوم ہوتی ہیں ۔

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر :- شریمتی شاردا مکر جی گورنر نے ۲۲ - اگست کو راج بھون حیدر آباد میں سبکدوش شدہ چیف جسٹس شری بی - جے - دیوان کو ایک یادگاری تحفہ پیش کیا -

بائیں جانب درمیان میں :- شریمتی شاردا مکر جی گورنر ۱۹ - اگسٹ کو راج بھون حیدر آباد میں شری - ایس - اوبل ریڈی سے چیف جسٹس آندھرا پردیش ہائیکورٹ کے عہدے کا حلف لے رہی ہیں -

بائیں جانب نیچے :- شریمتی شاردا مکر جی گورنر نے ۲۰ اگسٹ کو راج بھون میں منعقدہ انڈین ریڈ کراس سوسائٹی کی سالانہ جنرل باڈی میٹنگ میں سال سنہ ۱۹۷۵ کے اوارڈس تقسیم کئے -

دائیں جانب اوپر :- شریمتی شاردا مکر جی گورنر نے ۱۸-اگسٹ کو جوبلی ہال حیدر آباد میں ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل آفیسرس کی سالانہ کانفرنس کا افتتاح کیا -

دائیں جانب نیچے :- شریمتی شاردا مکر جی گورنر نے ۲۹ -اگسٹ کو ویمنس کالج سلطان بازار حیدر آباد میں جنتا فوڈ پیکٹس کے ایک مرکز فروخت کا افتتاح کیا

محمد برہان حسین
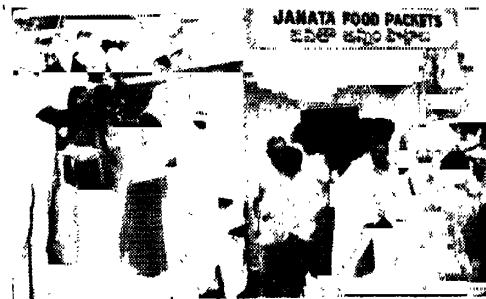
داماد کش سسر اور داماد کش سسر

آپ نے کبھی اپنے اطراف و اکناف پر نظر ڈالی ہے؟ نہیں؟ تو پھر آپ شادی شدہ ہونگے ۔ خیر اگر آپ تب بھی ایک نظر ڈال سکیں تو آپ کو انواع و اقسام کے انسان قسم قسم کے رشتوں میں بندھے بلکہ سسکتے بلکتے نظر آئیں گے ۔ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے شکایتیں ہی شکایتیں ہونگیں ۔ اگر چھوٹے بھائی کو شکایت ہوگی کہ اسے چھوٹا نہیں سمجھا جاتا تو بڑے بھائی کو شکایت ہوگی کہ وہ انہیں بزرگ نہیں سمجھتا ۔ اب پوچھ ڈالئیے " تمہیں کیسے معلوم ؟ . . . جواب ملے گا " ؟ . . . خون سفید ہوگیا صاحب ! " . . . . . اب پوچھئیے " ارے بابا ! کیسے معلوم ؟ " . . . . تو جواب دیں گے " دوسروں کے معاملات میں دخل دینے سے مطلب خود اپنے گھر میں تو جھانک کر دیکھئیے ۔ آپ کا چھوٹا بھائی نو کرانی سے عشق لڑاتا ہے . . . تمہاری بہن ، تمہارے سالے سے لگی ہوئی ہے ۔ تمہاری بہن وہ کلرک کی کیا لگتی ہے جو اسکو روز فون کرتا ہے " . . . . . . پھر خود ہی اپنے بارے میں کہینگے " آپ نے غلاظت پر پتھر مارا ہے تو غلاظت آپ پر پڑے گی ہی " ۔

سائنسدانوں نے تو کہل کر دیا کہ وھیل مچھلی اور انسان اور گدھے کو ایک ہی جماعت میں رکھدیا محض اس لئے کہ ان میں ریڑھ کی ہڈی مشترک ہے ۔ اسی طرح ہم بھی جماعت بندی کرسکتے ہیں چنانچہ فی الحال ہم ، ہم میں کی سب سے طاقتور جنس یعنی سسر صاحبان کی جماعت بندی کریں گے ۔ جو ہماری دستار بندی کی خوش فہمی کے دن ہی سے ہم پر مسلط ہوجاتے ہیں ۔ ان میں سے ایک جماعت کا نام ہے داماد کش اور دوسری کا داما کش ۔ جس طرح ان کے ناموں میں صرف زبر اور پیش کا فرق ہے اسی طرح ان کی عادات و اطوار ، مشغلوں اور شکل و صورت میں بھی بہت کم فرق ہوتا ہے ۔ بعض سسر سوٹ اور بو شرٹ پہنتے ہیں اور بعض شملہ اور شیروانی مگر یہ صرف فینسی ڈریس کا شوق ہوتا ہے ۔ لباس کے اندر آدمی بہر حال ایک ہی جیسے ہوتے ہیں ۔

پہلے ہم بغیر زیادہ وقت تمہید پر برباد کئے ، قسم اول یعنی داماد کش سسر کا مطالعہ کرینگے ۔ جیسا کہ جماعت کے سر نیم سے ظاہر ہے ۔ اس قسم کے سسر داماد کو اپنی جانب کھینچتے ہیں ۔ ان کے بال بلا شبہ دھوپ میں سفید کئے ہوئے ہیں ۔ لڑکی کی شادی سے قبل خود کو پریشان ظاہر کرتے ہیں ۔ رات جلدی سو جاتے ہیں لیکن لوگوں سے کہتے ہیں کہ جوان لڑکی کی وجہ سے ان کی راتوں کی نیند اڑ چکی ہے ۔ ان کی حالت بالکل سند باد جہازی کے پیر تسمہ پا کی سی ہوتی ہے کہ جب تک کندھوں پر سوار نہیں ہو جاتا مفلوج ، بے بس اور قابل رحم نظر آتا ہے لیکن اگر کسی جوشیلے نوجوان نے کندھوں پر سوار کرلیا تو بس ۔ دونوں میں سے ایک کی موت پر ہی ساتھ چھوٹتا ہے ۔ ان کی یہ معصوم صورت ، لڑکی کی شادی کے لئے پریشانی ان کا سب سے بے ضرر نظر آنے والا لیکن مضبوط جال ہوتا ہے ۔ نوجوان طبقہ ، نوزائیدہ مچھلی کی مانند ہوتا ہے ان کو " پیر مغاں " ، " اگلے زمانوں والے " ، اور " ٹائگر " کے القاب سے نوازتا ہے ۔ جس طرح نوزائیدہ مچھلی جال کو نہیں دیکھتی اور صرف آٹے کی گولیوں کے پیچھے چلی ہی چلی جاتی یہاں تک کہ جال میں پھنس جاتی ہے اسی طرح نوجوان لوگ لڑکی کے پیچھے دوڑتے بھاگتے ان کی جال میں پھنس جاتے ہیں ۔

اب آپ غور کیجئیے تو اپنے آس پاس کی پچاس فیصد نوجوان نسل اس کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہی ہے جس کو عرف عام میں گھر دامادی کہا جاتا ہے ۔ قدرت نے جن بزرگوں کو داماد کشی کے فن سے نوازا ہے وہ لڑکی کی پیدائش پر لڈو بانٹتے ہیں ۔ اور اپنے اطراف و اکناف کے ہونہار ، با کردار اور کھاتے پیتے گھرانے کے لڑکوں پر چیل کی سی نظر رکھتے ہیں ۔ ساتھ ہی لڑکوں کے والدین کی عادات و اطوار کو بھی دیکھتے رہتے ہیں تا کہ اگر یہ آخر میں طے ہوجائے کہ کسی خاص لڑکے کو گھیرنا ہے تو پھر اپنی لڑکی کو ان کے سامنے دلکش و دلچسپ بنا کر پیش کیا جاسکے جیسے اگر کچھ عورتیں پکوان کی شوقین ہوتی ہیں تو ان کو

بہترین باورچیوں سے پکوا کر مزے مزے کے کھانے یہ کہکر کھلائے جاتے ہیں " یہ بچی نے بنائی ہیں "، اور اگر وہ نمازی ہوں تو لڑکی کو اشارہ کیا جاتا ہے اور وہ بغیر وضو کے ہی نماز کے لئے کھڑی ہوجاتی ہے ۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ یو پی کے گھرانوں میں یہ کہا جاتا تھا ۔

جس کے گھر کتا وہ کتا
سسر کے گھر جنوائی وہ کتا
بہن کے گھر بھائی وہ کتا

لیکن زمانہ نے وہ پلٹا کھایا کہ مرزا شکور بیگ حیدر آبادی کا یہ شعر تفسیر حیات بن گیا ۔

تمہیں ماں باپ کی بھی پرورش ناف ہے مرزا
ہماری پرورش میں بھائی کے سالے کا سالا ہے

میں ایک بزرگ سے واقف ہوں جنکی پانچ لڑکیاں ہیں انہوں نے پانچوں کو وداع کروا کر واپس بلوالیا ہے ۔ اس دفعہ شوہروں کے ساتھ ۔ مل جل کر رہنے کی بہترین مثال یوں دی جاتی ہے " شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پیتے ہیں "۔ اب ایک ایسے گھر کا تصور کیجئے جس کے صحن میں پانچ مختلف عادتوں ، عہدوں اور رنگ و نسل کے لڑکے ایک ساتھ ٹہل رہے ہیں ۔ جب شام ہوتی ہے تو گھر کے مختلف کمروں اور دالان کے پردہ بندھے کونوں میں رین بسیرا کرتے ہیں ۔

ان میں کا ایک نوجوان کلرک ہے جو بغیر رشوت لئے دفتر کا کام نہیں کرتا لیکن گھر کا سارا کام پانچسو روپیہ ماہوار دے کر خود کرتا ہے ۔ ایک سائنسدان ہیں جو کیڑے مکوڑوں کی زندگی کی باریکیوں پر کام کرتے ہیں لیکن اپنی بیوی کی موٹی ناک کے اشاروں پر چلتے ہیں ۔ تیسرے صاحب اڈمنسٹریٹر ہیں جن کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنے فیصلوں کو منسٹر یا کلکٹر کے کہنے پر بھی نہیں بدلتے لیکن وہ سسر کے کہنے پر اپنے چھوٹے بھائی کو طلاق دلوا کر اپنی بے ھنگم سالی سے شادی کرنے پر مجبور کرتے ہیں ۔ چوتھے داماد آرٹسٹ ہیں اور تصویروں میں عورت کی کمر اتنی پتلی بناتے ہیں کہ نظر ہی نہ آئے لیکن اپنی بیوی کی موٹی کمر کی محبت سے چٹکیاں لیتے ہیں ۔ پانچویں داماد ، میرے دوست ہیں اور بالکل نئے جانور ہیں ۔ بے روزگار ہیں اور سنتر کی ہانڈی سے روٹی اٹھالیتے ہیں جسکے عوض وہ گھر کا کام کاج کر دیتے ہیں ۔ پانچوں داماد صبح اٹھ کر گھر کے کام کاج میں لگ جاتے ہیں اور سسر صاحب کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں اسوقت سسر صاحب پر اکبری جلال اور جہانگیری بے نیازی ایک ساتھ برستی ہے ۔ وہ دامادوں کو مصروف دیکھ کر مسرور ہوتے ہیں ۔ کھلی صبح کی ہوا ، مسرت بے فکری نے ان کو اسقدر توانا کردیا ہے کہ جسمانی میں بھی دامادوں پر ان کا پلہ بھاری رہے گا ۔ اتنے میں بجے اور انہوں نے دیکھا کہ چھوٹی لڑکی کمرہ سے نکلی نہیں تو انہوں نے داماد سے کہا ۔ "بیٹے ! چھوٹی ابھی جا گی "۔

جی نہیں ابا جان ۔

"تم دفتر جانے کی تیاری کرو ۔ تب تک اس کے انتظار مصروف رہوگے ۔ "

ایک دفعہ عید سے دو دن قبل محلہ کے دھوبی کے پاس ایک ہی رنگ کے بلوز لٹکتے نظر آئے ۔ ہم نے دھوبی سے پو "ارے کیا یہ درزی نے بھجوائے ہیں "، وہ بولا "جی نہیں مرزا صاحب کے گھر کے ہیں ۔ "

ہم نے انکھیوں سے بلاؤزوں کو دیکھا تو یقین نہ آیا مرزا صاحب کی تندرست لڑکیاں ان میں سما سکتی ہیں ۔ خیر آئے ۔ عید کی نماز کے بعد عجیب منظر دیکھا کہ مرزا صا کے پانچوں داماد وہی بوشرٹ پہنے ہوئے تھے جنکو میں نے سمجھا تھا ۔ اور مرزا صاحب کو اسطرح گھیرے میں لئے تھے ۔ جیسے ان کی کشش ثقل سے آزاد نہیں ہوسکتے ۔ اتنے مرزا صاحب نے ہوا میں ایک حکم اچھال دیا " ذرا ڈو چار مینار سگریٹ تو لے آنا میاں ! " یہ سنتے ہی پورے د ایک ساتھ دوڑ پڑے اور نتیجہ میں ایک دوسرے سے الجھ آخر صرف دو داماد کامیاب ہوئے ۔ ناکام دامادوں پر مرزا صا نے طنزیہ نظر ڈالی اور مسکرائے ۔ اور داماد انجانے خوف لرز اٹھے ۔ داماد کشی سسر کا بیان ختم کرنے سے قبل منا ہوگا اگر ہم آپ کو ایک ایسے ہی شخص سے ملائیں تا کہ کے مسائل کا بھی اندازہ ہوسکے ۔ ایک سسر صاحب سے ج چار داماد ہیں ہم نے پوچھا کہ انکے داماد کیسے ہیں ۔ انہو کہا "سوائے تیسرے نمبر کے داماد کے جس کے سلسلہ میں دھوکہ ہوا ہے باقی تین کے ساتھ میری لڑکیاں بہت خوش ہیں

ہم نے پوچھا "تیسرے داماد کے سلسلہ میں کیا دھ ہوا ۔ "تو وہ بولے "قصہ یوں ہوا کہ میرے پہلے اور دو داماد کسائز انسپکٹر ہیں اور اچھے کھاتے پیتے ہیں ۔ یہ دیکھ میں نے تیسری لڑکی کو بھی ایک اکسائز انسپکٹر سے بیاہ دیا ۔ لیکن صاحب ! ہماری قسمت کہ وہ کم بخت ایماندار نکلا سنا ہے مذہب کا پابند بھی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یہ لڑکی کی قسمت

اب ہم دوسری جماعت یعنی داماد کش سسر پر غور کریں گے ۔ ان کا نام اس طرح پڑا کہ ان لوگوں کا مشغلہ ہمیشہ دامادوں کے گھروں کو جہنم بنانا ہے ۔ یہ لوگ اپنی لڑکی کو چینی فوج کی طرح چھوٹے چھوٹے مہلک ہتھیاروں سے تباہی مچانے کی تربیت دے رکھتے ہیں ۔ داماد اور اس کے ماں باپ امریکہ کی طرح بڑی بڑی توپوں کے ڈھانے ہی میں لگے رہتے ہیں ۔ ان کی سوچنا ، تین پنج سالہ منصوبوں پر مشتمل ہوتی ہے ۔ پہلا منصوبہ لڑکی کے پندرہ سال کی عمر کو پہنچتے ہی شروع کردیا جاتا ہے ۔ لطف یہ ہے کہ اس منصوبہ کے دوران ہر سال پندرہ ہی موم بتیاں جلا کر سالگرہ کی جاتی ہے ۔ حتیٰ کہ اگر کسی وجہ سے دوسرا منصوبہ شروع ہونے میں اور پانچ سال بھی لگ جائیں تو عمر میں اضافہ نہیں کیا جاتا ۔ اس دوران لڑکی پر شفقت کی بارش کی جاتی ہے ۔ اسکو سیر سپاٹے ، میک اپ ، سینما بینی ، نت نئے لباس اور تتلی زبان میں گفتگو کا عادی بنایا جاتا ہے ۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ جب حکومت کوئی منصوبہ بناتی ہے کہ تالاب ، نہریں اور ریلوے لائن بنائی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ منصوبہ کے ختم پر ساری لاگت بطور ٹیکس وصول ہوجائیگی لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے ۔ ادھر سسر صاحبان کے منصوبوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ پہلے منصوبہ کے ختم ہونے ہونے تک لڑکی ۔ لڑکوں پر ٹیکس لگانا سیکھ جاتی ہے اور اپنے اخراجات کی خود کفیل ہوجاتی ہے ۔ یعنی رشتہ یا رشتہ کے منہ بولے کزنس ، تحفوں سیر سپاٹوں اور سنما اور اکثر اوقات لباس کے اخراجات بھی ادا کردیتے ہیں ۔ لطف یہ کہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ لڑکی ، باپ سے چھپا کر یہ سب کرتی ہے اور کزن ، اس سے بہت خوش رہتا ہے کہ ٹانگر کو معلوم نہیں ہوا ۔ اس منصوبہ کے دوران لڑکی کو پکوان سے دور رکھا جاتا ہے کپڑے درزیوں سے سلوائے جاتے ہیں ۔

دوسرا پلان شادی کے ساتھ ہی شروع کیا جاتا ہے ۔ جسکا مقصد لڑکی کو شوہر نامی پابندی سے آزاد رکھنا ہوتا ہے ۔ اس میں بقول اکبر الہ آبادی عقلوں پہ مردوں کی پردہ ڈالنے کا گر سکھایا جاتا ہے ۔ یہ کام عام طور پر ماں بڑی لڑکی کو اور بڑی چھوٹی کو سکھاتی ہے لیکن اس میں سسر صاحب ، کبھی کبھی گسٹ آرسٹ کی طرح نمودار ہو کر دو چار کام کے ڈائلاگ ضرور ادا کردیتے ہیں ۔

پہلے پلان کے دوران کوئی صاحبزادہ سر راہ چلتے چلتے ، صاحبزادی پر عاشق ہوجاتے ہیں کمال یہ ہوتا ہے کہ صاحبزادہ عاشق ہوتے ہیں ، لڑکی کے لباس پر جو درزی کے فن کا کمال ہوتا ہے کالی دار بھوؤں پر ، خوبصورت ہونٹوں پر ، اور کچھ اور بالوں پر جو کے سب کی سب میک اپ کا کمال ہوتی ہیں اور مصنوعی ہوتی ہیں ۔

دوسرے پلان کے ختم ہوتے ہوتے تیسرا پلان شروع کردیا جاتا ہے ۔ جس میں زینہ بہ زینہ وہ ڈائلاگ لڑکی کہتی ہے جو ان داماد کش سسر صاحبان میں سینہ بہ سینہ چلے آرہے ہیں ۔

بیوی ۔ '' ارے واہ ، آپ اسقدر شکی آدمی ہیں ۔ آخر دنیا بھر کی عورتیں اور لڑکیاں باہر گھومتی ہیں سبھی کسی نہ کسی کی بیوی ، بیٹی یا بہو ہوتی ہیں ۔،

'' آپ کس زمانہ میں ہیں مسٹر ! آج کل سبھی عورتیں میک اپ کرتی ہیں ۔ خود آپ نے بھی مجھے میک اپ میں دیکھا تھا ۔ آپ بھول گئے کہ جس تل پر عاشق ہو کر آپ نے مجھ سے شادی کی ہے وہ بھی مصنوعی تھا ۔ ،،

'' یہ لڑکا ! . . . یہ تو شروع سے ہمارے گھر میں آتا رہا ہے ۔ جب میں لڑکی تھی تو لوگوں کو کوئی اعتراض نہ ہوا ۔ اب تو میں شادی کا سرٹیفکٹ رکھتی ہوں ،، ۔

'' جی نہیں ! ہم نے کبھی پکوان نہیں کیا ۔ ہمارے بابا ہمیشہ ماما رکھے تھے ،، ۔

اسکے بعد داماد کو شکی مشہور کردیا جاتا ہے ۔ ہم نے ایک سسرصاحب سے پوچھا کہ یہ سب گر آپ نے کس سے سیکھے تو انہوں نے کہا '' بھلا مچھلی کے بچوں کو کون تیرنا سکھاتا ہے ۔،،

ان دو بھیانک اور خوفناک سسروں کی اقسام کے علاوہ ایک اور قسم بھی ہوتی ہے جو نہایت اقلیت میں ہے اور اگر ان کی نسل کی حفاظت کا حکومت انتظام نہ کرے تو شاید کچھ عرصہ بعد صرف کہانیوں میں رہ جائیگی ۔ یہ سسر صاحب لوگ اپنی لڑکیوں کو شدید قسم کے مذہبی بنانے ہیں اور شوہر کی خدمت گزار اور حیا دار وغیرہ وغیرہ ۔ ایسی بیوی شوہر کو خدا کے عذاب سے ڈرا ڈرا کر مار ڈالتی ہے ۔

شوہر جب اسکا ہاتھ پکڑتا ہے تو وہ کہتی ہے '' چھوڑئیے گناہ ہوگا ،، ۔

* * * *

قمر جمالی، بی۔ اے۔ (عثمانیہ)

جیون ریکھا

'' سنئے — کیا نام ہے آپ کا ؟ ''

'' کیا کرو گی جان کر ؟ ''

'' شادی ۔ ''

'' کیا کہا — ؟ ''

'' جو آپ نے سنا ۔ ''

'' مگر شادی شدہ ہوں ۔ ''

'' کچھ فرق نہیں پڑتا ۔ ''

'' پھر بھی دوسری نہیں چلے گی ۔ ''

'' یہ مذاق کا وقت نہیں ہے ۔ ''

'' اوہ — کیا بجا ہوگا ؟ ''

'' کیا سنجیدہ بننا آپ کے بس کا روگ نہیں ہے ؟ ''

'' سنجیدہ — ! ہوں ! — اسکی تو صرف دوائی ہی تیار ہوئی ہے ۔ بیماری تو ابھی پبلیسٹی ایجنسیز میں دبکی پڑی ہے ۔ ''

'' میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں ۔ ہاتھ جوڑتی ہوں ۔ '' پھر اس نے سچ سچ ہی نیچے جھک کر اس شخص کے پیر چھو لئے ۔

'' ارے — یہ آپ کیا کر رہی ہیں ! یہ کیسا مذاق ہے ؟ کون ہیں آپ ؟ کیا چاہتی ہیں ؟ ''

لڑکی کی خوبصورت آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں ۔ ڈبڈبائی آنکھوں میں سارے جہاں کا درد سمٹ آیا ۔ اسکی خاموش نگاہوں میں ایک عجیب التجا تھی ۔ ایک فریاد تھی ۔ حتیٰ کہ کھلنڈر سیماب کو بھی لڑکی کے آنسوؤں میں اپنا وجود بہتا ہوا محسوس ہوا وہ مبہوت سا کھڑا اس درد بھرے مجسمے کو دیکھتا رہا ۔ جسے کچھ لمحوں قبل وہ مذاق سمجھ رہا تھا ، وہی خیال اسے اب شرمندہ کررہا تھا ۔

''میری ماں فرض اور وقت سے ایک زبردست جہاد کررہی ہیں ، ان کی ہر سانس دوسری بار نہ آنے کی دھمکی دے رہی ہے ۔ مگر وہ موت کو ہر سانس کے ساتھ بار بار شکست دے رہی ہیں ۔ وہ ابھی مرنا نہیں چاہتیں کیونکہ اتنی بڑی دنیا میں میں اکیلی جو رہ جاؤں گی ۔ بچپن میں سنا تھا کہ مرنے والے کے دل میں اگر کوئی آرزو رہ جائے تو موت اس پر مشکل ہوجاتی ہے ۔ میں چاہتی ہوں میری ماں جو زندگی میں کبھی سچی خوشی کی ایک جھلک تک نہ دیکھ سکیں وہ کم از کم مرتے وقت تو تشنہ نہ مریں ۔ بس میرا ایک چھوٹا سا کام کر دو — میری ماں کی تڑپتی ہوئی روح کا واسطہ ۔ انہیں مرنے سے قبل یہ یقین دلادو کہ جسکا انہیں شدت سے انتظار تھا وہ آپ ہی ہیں ۔ وہ بیل جو بغیر سہارے ہی زمین پر دور تک رینگتی چلی ہے اسکی حفاظت کے لئے آپ حصار بن جائیے'' ۔

'' گھبرا کیوں رہے ہو ؟ یہ حقیقت نہیں ہوگی ۔ پھر — پھر اسکے لئے آپکو معاوضہ بھی ملے گا ۔ ''

'' لڑکی تم ہوش میں ہو ؟ ''

'' مجھے خواب میں چلنے کی عادت نہیں ہے ۔ ''

'' اپنی ماں کی روح کی آسودگی کے لئے تم میری انا کو للکارنے چلی ہو ۔ ''

''یہ بحث کا وقت نہیں ہے ۔ حیات و موت کے فاصلے جانے کتنے گھٹ گئے ہوں گے ۔ جنہیں آپ گھڑیاں سمجھکر ٹال رہے ہیں وہ میری ماں پر صدیاں بن کر گزررہی ہوں گی ۔ چلئے نا — پلیز — '' پھر وہ خود ہی سیماب کو گھسیٹتی ہوئی دوسری منزل پر جانے والے زینے طئے کرنے لگی ۔

سیماب نے اپنی زندگی میں اتنی بھیانک اور ویران رات کبھی نہ دیکھی تھی ۔ سارے دواخانے پر ایک مہیب سناٹے کا تسلط تھا ۔ رات کے کوئی تین بج رہے تھے مدھم سی زرد روشنی ، خوابیدہ ماحول ، وقت کے گذرنے کی پر ہول آواز اور کہیں ایک آدھ منٹ کے وقفے سے کسی مریض کی کراہ ۔ یہ سب سیماب کی وحشت میں اضافہ کررہے تھے ۔ دن بھر بیماری کی اذیت اٹھائے ، لحافوں سے باہر جھانکتے ہوئے مریضوں کے چہروں پر بلا کا کرب تھا ۔ کتنی پر اسرار رات تھی ۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش یہ تاریکی طویل ہوجاتی ۔ یہ خاموشی مستقل

ہوجاتی اور نیند ان مریضوں پر یوں ہی مہربان رہتی اور یہ یوں ہی سوتے رہتے ۔ ایسی نیند جو قیامت تک نہ ٹوٹتی ہو ۔ مگر ان میں بعض ایسے بھی ہوں گے جو ابھی مرنا نہیں چاہتے ۔ اپنے آپ کو زندگی کے ریگزاروں پر گھسیٹنا پسند کرتے ہیں ۔ اپنے آپ کو لہو لہان کرنا پسند کرتے ہیں مگر پرسکون نیند سونا پسند نہیں کرتے ۔ جانے کتنا لمبا جینا چاہتے ہیں یہ لوگ ! اپنی حیات کو ایک حد تک محدود کیوں نہیں کر لیتے ۔ ہوں — ! نار ہر انسان پر گلزار نہیں ہوتی ۔ پھر بھی ہر شخص شاید نار ابراہیم کی لالچ میں اپنے آپ کو آگ میں ڈھکیل دیتا ہے ۔ دھوکہ دیتا ہے اپنے آپ کو ۔ اف ! زندگی ایک دھوکہ — ! ایک سراب ۔ ! ! سیماب کو ایسے لگا جیسے وہ اپنے آپ سے باتیں کررہا ہو ۔

'' کینسر وارڈ فیمیل ۳ ،، یہ وارڈ ہے میری ماں کا ۔ شاید کچھ ہی دیر میں یہی وارڈ قبرستان بن جائے ۔ ،،

غم کی شدت سے لڑکی کی آواز رندھ گئی ۔ وہ خیالوں کی دنیا سے باہر نکلا تو اس نے خود کو ایک صاف ستھرے وارڈ میں پایا

'' اف خدایا ۔ اتنی ننگی حقیقت ! زندگی کا اتنا تلخ روپ ! ! وہ بےساختہ کہہ اٹھا ۔

'' زمانے کی ستائی ، مقدر کی ٹھکرائی ہوئی یہ میری ماں ہیں ۔ ،، ضبط کا بندھ ٹوٹ گیا ۔ لڑکی کی بے آواز فریاد اسکی آنکھوں سے پتجھڑ بن کر ٹپکنے لگی ۔

'' اوہ ! ،، وہ کہہ تو گیا مگر پھر اپنے دونوں جبڑے ایسی مضبوطی سے جکڑ لئے کہ کہیں کوئی لفظ اسکی شدت غم کا اظہار نہ کردے ۔ '' لڑکی تمہاری ماں ہے کہاں ۔ یہ تو ایک ڈھانچہ ہے ۔ زندگی کا وہ حنیفی روپ ہے جسے ہم سب بھلائے بیٹھے ہیں ۔ یہاں تو زندہ صرف آنکھیں ہیں ۔ حسرت و یاس سے پھیلی ہوئی بڑی بڑی آنکھیں ، خاموش اور پتھرائی ہوئی آنکھیں جن کے کنارے نم ہیں ۔ جن میں ایک کہانی ہے ۔ ایک خوابیدہ افسانہ ہے ۔ تصور کے بنائے محلات کی گری ہوئی یادیں ہیں ۔ ،، وہ اپنی خود کلامی پر ضبط نہ کر سکا ۔

'' اماں —— ! ،، لڑکی مریضہ کو جھنجھوڑ کر ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی تھی ۔ مریضہ کی زبان سوکھ کر کانٹا بن گئی تھی ۔ وہ بار بار منہ کو ایسے کھول رہی تھی جیسے وہ کوئی لو لگا پرندہ ہو ۔ سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا جیسے اندر آنے والی ہرسانس زندگی کے خلاف احتجاج کررہی ہو ۔ بجھتا دیا بھڑکتا ضرور ہے ۔

'' اماں — سنو ۔ صرف ایک بار ہوش میں آکر سن لو ۔ دیکھو جنکا تمہیں مدت سے انتظار تھا وہ تمہارے سامنے موجود ہیں ۔ اماں — ! ،، اور وہ بےقابو ہو کر مریضہ سے لپٹ گئی ۔ مریضہ کی آنکھوں میں آہستہ آہستہ جنبش ہوئی ۔ اور پھر اسکی پتھرائی ہوئی سی آنکھیں لڑکی کے چہرے پر جم گئیں جیسے پوچھ رہی ہوں '' کہاں ہے وہ شخص جس کا مجھے انتظار ہے ؟ ،، سیماب نے حیات و موت کی اتنی زبردست کشمکش شاید کبھی نہ دیکھی تھی ۔ ضبط غم سے اسکو اپنی بھی سانس پھنستی ہوئی محسوس ہوئی ۔ اسکے احساس میں ہلچل ہوئی اور ایک نیا جذبہ اسکے دل میں بیدار ہوا ۔ ہمدردی کا جذبہ ۔ ایک لمحے کے لئے وہ ٹھٹھکا اور پھر آگے بڑھکر لڑکی کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنے کپکپاتے ہونٹوں سے لگا لیا ۔ دو گرم گرم آنسو اسکے رخسار سے لڑھک کر مریضہ کے آنکھوں میں جذب ہو گئے ۔ مایوس اور دھندلائی ہوئی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی ایسی چمک جو گنگا میا کے سینے پر عقیدت سے چھوڑے ہوئے مٹی کے دیئے کی تھرتھراتی لو کو دیکھکر کسی ابھاگن کی آنکھوں میں پیدا ہوجاتی ہے ۔ مریضہ کا سوکھا ہوا ، تھرتھراتا ہوا ہاتھ اوپر اٹھا جس میں ایک ہیرے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی اور وہ مضطرب نگاہوں سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھنے لگی ۔ لڑکی شاید ماں کی یہ چپ کی زبان سمجھ گئی تھی ۔ کیونکہ اس نے سینے انداز میں ماں کی انگلی سے انگوٹھی اتاری اور سیماب کی انگلی میں پہنادی ۔ مریضہ کے لب تھرتھرائے ۔ چہرے پر بشاشت اور سارے بدن میں ارتعاش پیدا ہوا جیسے وہ اپنی ساری قوت کو ایک نقطے پر مجتمع کرنے کی کوشش کر رہی ہو ۔

'' بیٹے ۔ تم دونوں کو چاند سورج کی حیات — لگ جائے اگر — میری زندگی — کی کچھ اور گھڑیاں — باقی — رہ گئیں ۔ ہیں — تو — وہ — وہ بھی تمہیں مل جائیں ۔ ،،

پھر اس کا کمزور ہاتھ سیماب کے سر پر سے پھسلتا ہوا اسکے اپنے ہی سینے پر گر پڑا ۔ اور فضا میں خوشبو پھیل گئی ۔ فرشتہ اجل کی آمد پر مہکنے والی خوشبو ۔ لڑکی کی ایک ہلکی سی چیخ بلند ہوئی اور ساتھ ہی دروازے میں چرچراہٹ ہوئی ۔ دونوں نے ایک ساتھ مڑ کر پیچھے دیکھا ۔

'' اماں یار — تم یہاں ہو ! کہاں کہاں تمہیں ڈھونڈا ۔ چلو جلو سمینہ کی حالت سیریس ہو گئی ہے ۔ اس کے گروپ کا بلڈ نہیں مل رہا ہے ۔ تم سمینہ کے ساتھ رہو میں بلڈ بنک جاتا ہوں ۔ ،، پھر وہ سیماب کو تقریباً گھسیٹتا ہوا واپس چلا گیا ۔

نہیں پہچانا —— ؟

'' نہیں تو ۔ کس سے ملتا ہے ؟ ،، وہی لڑکی حیران و پریشان آنکھوں سے سیماب کی طرف دیکھتی ہوئی استفسار کرنے لگی ۔

" آپ ہی سے - میرا مطلب ہے اس ہاسپٹل والی - کیا آپ نے سچ مچ مجھے نہیں پہچانا ؟ "

" نہیں - میں نے شاید آپ کو کہیں نہیں دیکھا - "

" اچھا - اس ہیرے کی انگوٹھی کو تو پہچانتی ہو ؟ "

" نہیں " لڑکی نے ایک ٹک انگوٹھی کی طرف دیکھا اور اپنا ٹکا سا جواب دے دیا -

سیاب اس لڑکی کی بےرخی پر حیران و ششدر تھا - اگر وہ کوئی معمولی انسان ہوتا تو شاید معاملہ کبھی کے رفع دفعہ ہوچکا ہوتا - مگر وہ تو ایک ذمہ‌دار افسر تھا - وہ کچھ دیر تک خاموش کھڑا سوچتا رہا - پھر اس کے اندر کا افسر جاگ اٹھا - تیوری پر بل آگئے اور لہجہ روکھا اور سپاٹ ہوگیا -

" محترمہ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں - "

" اندر تشریف لائیے - "

" کیا آپ نے مجھے بالکل نہیں پہچانا ؟ " وہ اب بھی اپنی حیرانی کو دبا نہ سکا -

" کہا نا - کہیں دیکھا ہوتا تو ضرور پہچان لیتی - "

" ٹھیک ہے - رات کے کوئی تین بج رہے تھے - میں آپریشن تھیٹر کے سامنے کھڑا تھا - ایک ڈاکٹر سے ملنا تھا - کیونکہ میرے دوست کی بیوی کا ایک میجر آپریشن ہونے والا تھا - وہ خود پر گذرے ایک ایک لمحے کو کسی کہانی کی طرح سناتارہا اور وہ لڑکی اتنی سوگوار اور خوبصورت آنکھیں جھپکا کر اس واقعے کو پریوں کی کہانی کی طرح سنتی رہی - سیاب کا یہ تجربہ بھی بیکار گیا - کیونکہ پوری روداد سنکر بھی لڑکی نے اپنے چہرے پر کوئی ایسا تاثر پیدا ہونے نہ دیا جس سے اسکی وابستگی کا پتہ چلتا ہو -

" ـــــ اور یہ انگوٹھی مریضہ نے میری انگلی میں پہنادی اس غلط فہمی میں کہ میں ہی وہ لڑکا ہوں جسکا انہیں شدت سے انتظار تھا - لیجئے حفاظت کیجئے اپنی امانت کی - " انگوٹھی اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھی اور کچھ کہے سنے بغیر ڈرائنگ‌روم سے نکل گیا -

" سنئے ـــــ اس انگوٹھی پر آپکا پورا حق ہے - میں اسے کسی قیمت پر واپس نہیں لے سکتی - میں آپکی شکر گذار ہوں کہ آپ نے کچھ لمحوں کے لئے سہی ایک تڑپتی روح کو آسودگی پہنچانے میں میرا ساتھ دیا - "

" ہوں -! تو تم نے اعتراف کرلیا کہ مجھے پہچانتی ہو - محترمہ روح ، کان ، آنکھ اور دماغ جیسے ذرایعوں کی محتاج نہیں - وہ تو اب بھی دیکھ رہی ہے - سن رہی ہے - اور محسوس کررہی ہے ایسے ناکام روحوں کی آسودگی کے باعث نہیں ہوتے - تم دھوکہ دے رہی ہو - اپنی ماں کی روح کو مزید بےچین کررہی ہو -

" تو پھر ـ پھر میں کیا کروں ؟ " وہ ایکدم بےچین سی ہوگئی

" چند منٹوں کے لئے اسٹیج کئے گئے اس ڈرامے میں حقیقت کا رنگ بھر دو - "

" کیا کہا ـ آپ اس جھوٹ موٹ کئے گئے وعدے کو ــــ کو ـــــ - "

" نبھانے کے لئے تیار ہوں - یہی میں نے عہد کرلیا ہے - "

" مگر یہ جانے بغیر کہ میں کون ہوں ؟ کیا ہوں کہاں رہتی ہوں ؟ "

" میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتا - "

" تو پھر آپ خود کو دھوکہ دے رہے ہیں - "

" بعض اوقات انسان جان بوجھ کر اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے اور اس کا اسے کبھی پچھتاوا نہیں ہوتا - "

" مگر آپ کو یہ جان کر تو ضرور پچھتاوا ہوگا کہ میرا اور آپ کا کوئی جوڑ نہیں - کیونکہ میں ایک ـ رقاصہ کی بیٹی ہوں - "

" کیا کہا ـــــ !! "

" ہوگئے نا پریشان - میں جانتی ہوں - کوئی بھی شریف انسان اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ اسکا جوڑ کسی ایسی لڑکی سے کردیا جائے جو سماج کی پیشانی پر ایک کلنک ہے - جانے کتنی لڑکیاں ایسی ہونگی جو ایک شریف ماحول کیلئے ترس رہی ہوں گی - جنکا اپنا ایک زمانہ حسن اور جوانی کے ساتھ گرد کارواں کی طرح ابھرتا اور پھر دب جاتا ہے - جنکی اپنی کوئی منزل نہیں - اور جو بجلی کے کوندے کی طرح بھٹکے ہوئے مسافروں کو لمحے دو لمحے کے لئے روشنی بخش سکتی ہیں اور بس " لڑکی اس سے آگے کچھ کہہ نہ سکی - آواز رندھ گئی اور آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے -

" وہ دسمبر کی ایک ٹھٹھرادینےوالی رات تھی - گھر کے قریب میلہ لگا ہوا تھا - میں اس وقت شاید دس سال کی تھی اور سمو بارہ سال کا - "

"سمو -! یہ سمو کون تھا ؟ " سیاب کے بدن نے جھرجھری لی -

" میرا خالہ‌زاد بھائی - ہم ایک ہی گھر میں رہتے تھے - ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے - کہتے تھے بچپن میں جب میں پانچ سال کی تھی ہم دونوں کی منگنی کردی گئی تھی - اس لئے

به پر بڑا حق جتایا کرتا تھا ۔ اور میں بھی اسکے پیچھے سایہ
طرح لگی رہتی۔ کہتا تھا ۔ دیکھ تیری جیون ریکھا کلمے کی
لی کی طرف بڑھتی ہوئی انگریزی حرف " S " کی شکل بناتی
، ۔ یہ میرےنام کا پہلا حرف ہے۔ بس ہم دونوں ایک دوسرے
، لئے پیدا کئے گئے ہیں ۔ اور مجھے سچ مچ اپنی ہتیلی میں
کا نام لکھا دکھائی دیتا ۔ خیر — یہ سب بچپن کی باتیں تھیں ۔
م دونوں ہی بڑے شریر تھے ۔ سارے گھر کا ناک میں دم کر
کھا تھا ۔ اس دن کسی بات پر ہم دونوں کی خوب تنبیہ ہوئی
ھی ۔ پھر کیا تھا دونوں ہی گھر والوں کو پریشان کرنے کی
غرض سے بنا بتائے ہی گھر سے نکل پڑے اور میلے میں
گھومتے ہوئے وقت کا اندازہ نہ لگ سکے ۔ سردی ناقابل برداشت
تھی ۔ اچانک میری نظر کباب بنانے والے کے چولہے پر پڑی
اور میں گرمی کی لالچ میں وہاں رک گئی ۔ سمو بھی کچھ دیر
تک اپنے ہاتھ گرماتا رہا پھر نہ جانے کس تماشے کے پیچھے
غائب ہوگیا ۔ کیونکہ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود
کو کسی اجنبی ماحول میں پایا ۔ میں روتی بلکتی رہی ۔ سمو ،
امی اور پاپا کو پکارتی رہی ۔ مگر میری آواز سمندر کی لہروں میں
گرداب کی طرح ڈوب گئی ۔ دن گذرتے رہے اور بالآخر میں نے
حالات سے سمجھوتہ کرلیا ۔ اماں کے شفیق برتاؤ میں میں نے
پھر کبھی گھر کو یاد نہیں کیا ۔ وہ مجھ پر جان دیتی تھیں ۔
مجھے پڑھایا ، لکھایا ، اور ایک شریف زندگی دینے کے خواب
دیکھتی رہیں ۔ مگر — ان کا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ
ہو سکا ۔ جہاں بھی میری سگائی ہوئی وہ یہ کہہکر توڑ دی جاتی
کہ میں جنگل میں اگا ایک خودرو پھول ہوں ۔ میرے ماں
باپ کا پتہ نہیں ۔ اور میں نے ایک رقاصہ کی گود میں پرورش
پائی ہے ۔ مجھے پا کر اماں کی ممتا کو تسکین آگئی تھی ۔ مگر
اب میرا ہی وجود ایک رستے ناسور کی طرح ان کے وجود میں
زہر گھولتا رہا تھا ۔ اور میں آپ ہی آپ میں کڑھ رہی تھی ۔
اماں نے جب یہ محسوس کیا کہ اب میری بھی صحت گرنے
لگی ہے تو انہوں نے مجھے مزید تعلیم کے لئے کلکتہ بھیج دیا تاکہ
میں کچھ دن کے لئے اس ماحول کو بھول جاؤں ۔ یا پھر شاید
کسی خوشگوار حادثے سے دو چار ہو جاؤں ۔ مگر ایسا کوئی
خوشگوار حادثہ میری زندگی میں واقع نہ ہوسکا کیونکہ ایک
طرف تو میں نے زندگی کی تلخیاں اور کوڑیوں کے مول بکنے
والی محبت دیکھی تھی تو دوسری طرف فلسفہ کی تعلیم نے مجھے
بالکل ہی بنجر بنا دیا تھا ۔ میرے دل میں محبت نام کا کوئی
جذبہ باقی نہ رہا۔ پچھلے مہینے میں ایم ۔ اے۔ فائینل کی تیاریاں
کر رہی تھی کہ مجھے پڑوس کا ایک خط ملا ۔ جس میں لکھا تھا
کہ اماں کو کینسر ہوگیا ہے۔ مجھے اب کچھ بھی ہوش نہ رہا ۔
میں خوب سمجھتی تھی کہ اماں کو اس موذی مرض نے کیوں

آ دبوچا ۔ مجھے اپنے وجود سے نفرت سی ہو گئی ۔ اتنی شفیق ماں
جس نے میری خاطر اپنے عیش و نشاط کو خیرباد کہا ۔ اور
اپنی زندگی کے ماتھے پر لگے بدنما داغ کو مٹانے کے لئے ایسی
تڑپتی رہیں جیسے فضا کی بیکراں وسعتوں میں پرواز کرتا پنچھی
یکایک ہی سائیکلون کا شکار ہوگیا ہو ۔ جب میں گھر آئی تو
اماں زندگی کی آخری گھڑیاں گن رہی تھیں ۔ میں نے ان کی
تسلی کے لئے جھوٹ کہہ دیا کہ کلکتہ میں سمو ملا تھا ۔ وہ
وہاں انجینیر ہے اور اس نے بھی ابھی شادی نہیں کی ہے ۔
میں نے اماں سے یہ بھی کہا کہ سمو میرے حالات صحیح صحیح
جاننے کے باوجود بھی مجھے اپنانے تیار ہے ۔ اس نے وعدہ کیا
ہے کہ وہ ضرور آئے گا ۔ اور میں نے ایک جھوٹ موٹ کی تصویر
اماں کو تھمادی ۔ اماں اس تصویر کو دیکھکر اتنی خوش ہوئیں
کہ انکا ہارٹ فیل ہوتے ہوتے رہ گیا ۔ اتنی دعائیں دیں ۔ اتنی
اتنی بار اسے چوما کہ پلنگ کے اطراف کھڑے سب ہی لوگ
رونے لگے اور سبھوں کے ہاتھ یکلخت اس کردگار کی طرف دعا
کے لئے اٹھ گئے ۔ میں نے اپنے آپ پر بہت لعنت ملامت کی کہ
اتنا بڑا جھوٹ کیوں کہا ۔ اب ہر دن اماں پوچھتی رہتیں کہ
سمو کب آئے گا ۔ میں اب سمو کو کہاں سے لاتی ؟ ۔ پھر
آخر دل کڑا کرکے اس دن میں نے وہ ناٹک رچایا ۔ " اتنا کہہ
کر لڑکی خاموش ہوگئی ۔ ضبط غم اب اسکے لئے ناممکن ہو گیا
تھا اور آنسو بہ نکلے ۔

" پمی ! تمہیں اگر کہیں سمو مل جائے تو تم اسے پہچان لوگی؟"

" آپ نے مجھے پمی کہا ۔ اس نام سے تو صرف سمو ہی مجھے
پکارتا تھا ۔ "

" اس کو پہچانتی ہو ؟ " سیاب نے اپنی ڈائری سے ایک تصویر
نکال کر اس کے آگے رکھ دی ۔

" ارے — یہ تو — میری بچپن کی تصویر ہے !۔"

" اور یہ — ؟ "

" یہ سمو کی ہے " ۔ لڑکی کو اب اپنے جذبات پر قابو نہ رہا
اور وہ تصویر اٹھا کر اپنی آنکھوں سے لگایا ہی چاہتی تھی کہ
سیاب نے اسے ٹوکا ۔

" اوں ہوں — ! اسے نہیں ۔ اسے ۔ " پھر اس نے بڑے اطمینان
سے سمو اور پمی کی تصویریں اٹھا کر دوبارہ اپنے صدری جیب
میں رکھ لیں ۔

" یہ — یہ تو آپ کی تصویر ہے ۔ " لڑکی نے شرما کر تصویر
دوبارہ میز پر رکھ دی ۔

" ہاں ، ہاں ۔ بچپن کا سمو اب کیپٹن سیاب بن گیا ہے ۔ اور

یہ ہے تمہاری مہر محبت۔ بچپن میں تم نے غصے میں آکر میری ہتیلی میں اپنے دانت گاڑ دئے تھے۔ جن میں ٹانکے لگوانے پڑے تھے۔ ،، سیاب نے اپنی ہتیلی ہمی کی آنکھوں کے آگے پھیلا دی۔

’’سمو——!! ،، اس نے سیاب کے پھیلے ہوئے ہاتھ کو کھینچ کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

’’ ہمی—— ،،!!! سیاب نے ساڑھی کے پلو کو نیچے تک گھونگھٹ کی طرح کھینچ دیا۔ ہمی شرم سے سرخ ہوگئی اور فضاء میں ہزاروں جلترنگ بج اٹھے۔

* * * * *

جوہر ہاشمی

غزل

جنکے دلوں میں ہوتی ہے جینے کی آرزو
ظلمت میں روشنی کی وہ کرتے ہیں جستجو

برسائی جارہی ہیں تبسم کی بجلیاں
یوں ہو رہی ہے عشق میں تکمیل آرزو

شرمندۂ جمال ہے عالم بہار کا —
مست شباب ہے دنیائے رنگ و بو

چرچہ ہے حسن کا کہیں ، شہرہ ہے پیار کا
گھر گھر تمہاری بات ، ہمارا ذکر کو بہ کو

خسرو رح کے بعد غالب و اقبال سے کھلا
فکر سخن کو چاہئیے فن کار کا لہو

کیونکر نبھیگی راہ سفر ہوگی کیسے طئے
میں ہوں وفا سراپا مجسم جفا ہے تو

محفل میں اپنی آتا ہوا دیکھکر مجھے
بدلا ہے کیوں حضور نے موضوع گفتگو

آساں نہیں ہے منزل الفت رہ وفا
دھوکے میں زندگی ہے تو خطرہ میں آبرو

اک لفظ بھی میں کہہ نہ سکا رعب حسن سے
جوہر وہ اس ادا سے ہوئے میرے روبرو

* * * *

چیف منسٹر ۲ - ستمبر کو حیدر آباد میں آندھرا پردیش انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کانفرنس سے افتتاح کے بعد خطاب کر رہے ہیں

شری جے - وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۲۲ اگست کو حیدرآباد میں آندھرا پردیش شوگر ملز اسوسی ایشن بلڈنگ کامپلکس کا سنگ بنیاد رکھا -

خبریں

تصویروں

میں

شری ٹی - انجیا وزیر محنت و روزگار یکم ستمبر کو حیدر آباد میں اسپلائمنٹ آفیسرس کی کانفرنس سے خطاب کر رہے ہیں

سری پی - کے - کول ایڈیشنل سکریٹری وزارت تجارت کی زیر صدارت پارس رام بھون حیدر آباد میں ۳۰ - اگسٹ کو حیدر آباد کے لئے ایک فضائی بار برداری کامپلکس کے قیام کے سلسلے میں ایک میٹنگ کا انعقاد عمل میں آیا

شاھد پرویز

امانت

یہ تقسیم ملک سے پہلے کی بات ھے ۔ شاید آٹھ نو برس پہلے کی ۔ بیرسٹر فیض عالم کا شہار شہر کے گنے چنے ذھین اور مہنگے وکیلوں میں ھوتا تھا ۔ اپنے ساتھ کے تمام وکلا میں وہ سب سے زیادہ خوبصورت ، وجیہ اور جوان سال شخص تھا ۔ اس کے بارے میں لوگوں کا کہنا تھا کہ اگر کسی قاتل کو پھانسی کے پھندے سے اتارنا ھو تو فیض عالم کو اپنا وکیل کرے ۔ یوں تو اس کے موکلوں میں مختلف لوگ تھے ۔ لیکن آج کل کے مقدمے کی پیروی کے سلسلہ میں جو عورت اس کے سامنے بیٹھی تھی ، وہ واقعی حسین تھی ۔

جب اس نے اپنے سیاہ برقعے کی نقاب اٹھائی تو بیرسٹر فیض عالم کو لگا جیسے سہنے کی درمیانی تاریخوں کا بھر پور دمکتا ھوا چاند کالے بادلوں سے لڑ جھگڑ کر باھر نکل آیا ھو ۔

فیض عالم جیسے با اصول ، سنجیدہ اور خوبصورت آدمی نے سوچا ۔ کیا چیز ھے ؟ جیسے کسی پتھریلی چٹان کے پیچھے سے کسی پھول نے اچانک سر نکال کر مسکراھٹ کی خوشبو بکھیر دی ھو ۔ اور ویرانوں میں چپکے سے بہار آگئی ھو ۔

” میرا نام سردارجان ھے “ — وہ مسکرائی ۔ ”خوش بخت خان کی بیوی ھوں ۔ وھی خوش بخت خان جو آپکے شہر کی ایک طوائف کے قتل میں پکڑا گیا ھے “—

” صوبہ سرحد سے آئی ھو ؟ “ فیض عالم پہلی بار اس سے مخاطب ھوا ۔

” ھاں ، پشاور کے پاس ایک قصبہ ھے ۔ لورا لائی ۔ وھیں سے آئی ھوں ۔ خوش بخت ایک برس پہلے مجھے طلاق دیکر ادھر آگیا تھا ۔ اور اب میں اسے بری کرانے کے لئے آپکو وکیل کرنا چاھتی ھوں “۔

فیض عالم نے چونک کر سردار جان کی طرف دیکھا ۔ شاید یہ فیض عالم کی زندگی کا پہلا اور انوکھا واقعہ تھا جب ایک طلاق شدہ عورت اپنے آوارہ اور سابقہ شوھر کو پھانسی کے پھندے سے بچانے کے لئے اس کے پاس آئی تھی ۔ فیض عالم کو یاد آیا کہ ابھی ایک سہینے قبل ھی ایک سرحدی پٹھان کو دن دھاڑے شہر کی مشہور طوائف الہس بائی کا قتل کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا ۔

فیض عالم نے اپنے ذھنی خلفشار سے نکلتے ھوئے پوچھا ۔
” لیکن اب خوش بخت خان سے تمہارا کیا رشتہ ھے ؟ “

سردار نے ایک لمحہ خاموش رہ کر اپنے گورے گورے سبک ھاتھوں کی بھری بھری کلائیوں سے ھیرے کے دو جڑاؤ کڑے اتارتے ھوئے کہا ۔ ” یہ کڑے مجھے شادی کے دن خوش بخت کی ماں نے منھ دکھائی میں دیئے تھے “۔

فیض عالم نے پہلی بار دیکھا کہ سردار جان کے خوبصورت وجود میں سب سے زیادہ حسین اس کے ھاتھ ھیں ۔ بغیر مہندی کے اتنی گلابی ھتھیلیاں اور ان سے جڑی لانبی لانبی مخروطی انگلیاں فیض کو لگا جیسے سردار جان کی انگلیوں کے پورے خون کی سرخی سے دھک رھے ھوں ، اور ان پر چھوٹے چھوٹے سفید ناخنوں کے نکھراج جڑے ھوں ۔

سردار جان نے جڑاؤ کڑے فیض عالم کے سامنے میز پر رکھتے ھوئے کہا ۔ ” میری ساس نے کہا تھا کہ سردار ، یہ کڑے ھمارے خاندان کی آبرو ھیں ۔ اور انہیں کبھی اتارنا پڑے تو اپنے خاندان کی آبرو رکھنے کے لئے ھی اتارنا ۔
” پھر . . . “ فیض عالم نے سردار کے ھاتھوں پر سے نظریں ھٹائے بغیر پوچھا ۔

” میں چاھتی ھوں کہ آپ ان کڑوں کو اپنا محنتانہ سمجھ کر خوش بخت کو چھڑالیں “ ۔ اتنا کہکر سردار جان ایک پل کے لئے چپ رہ کر بولی —”در اصل میں خوش بخت کے اس آخری خاندانی بوجھ سے چھٹکرا پانا چاھتی ھوں ۔ “

فیض عالم نے اس کی بات پر دھیان دیئے بغیر کہا —
” تمہارے ھاتھ بہت حسین ھیں “

سردار نے اپنے دونوں ھاتھ فوراً برقعے میں کرلئے ۔ اور

فیض عالم کو پہلی بار سردار جان کے سامنے شدید شرمندگی کا احساس ہوا ۔ وہ سوچنے لگا کہ اتنی عامیانہ بات اس کے ہونٹوں سے نکلی کیسے ؟ ۔

”آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا ۔“

دوسرے ہی لمحہ فیض عالم پورے طور پر ایک کاروباری آدمی بن گیا ۔ وہ بولا ” دیکھو میں صرف قتل ہی کے مقدمے لیتا ہوں ۔ اور ایک مقدمے کے لئے میری فیس پانچ ہزار روپے ہے ۔ میں کسی چیز کے بیچنے خریدنے کے جھگڑے میں نہیں پڑتا ۔ تم پانچ ہزار لے آو تو میں یہ مقدمہ لے لوں گا ۔“

سردار اس کی بات سن کر مسکرائی ۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ برقعے کی اوٹ سے نکال کر میز پر رکھدئے اور فیض عالم کی طرف اس طرح مسکرا کر دیکھنے لگی جیسے کوئی معصوم پرندہ جال کے نیچے بکھرے ہوئے دانوں کو چگنے سے پہلے اپنی بھولی بھولی آنکھوں سے جال کو دیکھنے لگے ۔

فیض عالم نے اکثر اپنے لئے کئی لڑکیوں اور خوبصورت عورتوں کے ہونٹوں پر بہت پیار بھری مسکراہٹیں دیکھی تھیں ۔ اور وہ ہمیشہ جو کنا ہوجاتا تھا کہ کہیں ان کی بغل میں چھری نہ ہو ۔ لیکن سردار کی مسکراہٹ فیض کو ان سب سے الگ لگی ۔ اس مسکراہٹ میں ایک نمایاں فرق تھا ۔ اسے اس مسکراہٹ میں تقدس اور جاں نثاری کے ساتھ کچھ ایسی کیفیت کا احساس ہوا جو خوب دل لگا کر عبادت کرنے کے بعد چہرے سے جھلکتی ہے ۔

اس کے باوجود فیض کو اپنی شخصیت اور اپنے وقار کا بھر پور احساس تھا ۔ آج وہ جس مقام پر تھا ۔ یہ مقام پانے کے لئے اس نے بے حد محنت کی تھی ۔

اپنے باپ رائے بہادر بشن سروپ اور اپنی ماں اقبال بائی کی مشترکہ محبت کے داغ کو اپنی پیشانی سے دھونے کے لئے وہ اس شہر کے لوگوں کی رذالتوں کے ساتھ ساتھ سماج کی گھناؤنی کمینگیوں سے بھی جم کر لڑا تھا ۔ اکثر وہ اپنے بے تکلف دوستوں کے حلقے میں مسکرا کر کہتا — ” یار ، تم لوگ سچ مچ شریف ہو ۔ تمہارا میرا کیا مقابلہ ؟ میں تو اپنے ماں باپ کے حرام کا حلال ہوں ۔“

لیکن یہ کہتے وقت فیض کے لہجہ کی چبھن ہر شخص اپنے اندر محسوس کرکے شرمندہ ہو جاتا ۔

آج وہ شہر کا سب سے بڑا آدمی تھا ۔ اس کے اخلاق ، ذہانت ، علم اور ملنساری کے آگے بڑے‌بڑے قدآور لوگ خود کو بونا محسوس کرتے تھے ۔ چہرے کی خوبصورتی ، وجاہت اور ایک مرد کی بھرپور شخصیت کا حسن اسے مشترکہ طور پر اپنے ماں باپ سے ملا تھا ۔ مختلف تقاریب اور کلب کی بیشتر شامیں اس کی وجہ سے پر رونق نظر آتیں ۔ خاصے معقول گھرانوں کی فیشن ایبل عورتیں — حتی کہ غیرشادی شدہ لڑکیاں تک اس کی خوبصورتی کے سامنے پگھلنے لگتیں تھیں ۔

کئی سرگرم انجمنوں کا اعزازی عہدہ‌دار ہونے کے علاوہ اس سال اسے شہر کی میونسپل کارپوریشن کا میئر چنا گیا تھا ۔

غرض فیض‌عالم نے اپنے مثالی عمل اور اعلی کرداری کے آب زمزم سے اپنی شخصیت کے دامن پر لگے ماضی کے ہر گھناؤنے داغ کو دھو دیا تھا ۔ آج لوگوں کے ذہنوں کو اسکی اعلی ظرفی ، انسانیت اور شرافت نے مسحور کرلیا تھا ۔ اب کوئی شخص ایک لمحے کے لئے اس کے بارے میں اس طرح نہیں سوچتا تھا کہ وہ اپنے وقت کی مشہور طوائف اقبال بائی اور رائے بہادر بشن سروپ کے ناجائز تعلق کی علامت ہے ۔ لیکن جن لوگوں کو بیتے دنوں کی بوڑھی عینک لگا کر ماضی میں جھانکنے کی عادت ہے ۔ وہ یہ بات جانتے ضرور تھے کہ رائے بہادر بشن سروپ نے کس طرح اقبال بائی کو بازار سے اٹھا کر اپنے نورمحل کی زینت بنا لیا تھا ۔ پھر جب فیض‌عالم پیدا ہوا تو رائے بہادر نے کس طرح سماج سے ڈر ڈر راتوں رات اقبال بائی اور فیض عالم کو لندن بھیجدیا تھا ۔

یہ وہ دن تھے جب وضع‌دار لوگ دنیاداری اور راہ و رسم نبھانے کے لئے لاکھ رنجشوں کے باوجود اپنے وعدے وفا کرتے تھے ۔ اور رائے بہادر بشن سروپ تو سچ مچ اقبال بائی کے دیوانے تھے ۔

وہ جب تک زندہ رہے ۔ سال میں تین بار اقبال بائی اور فیض‌عالم کے پاس لندن جاتے رہے ۔ پھر جب اقبال بائی بھی اس دنیا میں نہیں رہیں اور فیض عالم ، بیرسٹر فیض عالم بن کر ہندوستان لوٹا تو اس نے اپنے لئے اسی شہر کا انتخاب کیا جس شہر میں اس کو بدنامی اور نفرت کے سوا کچھ ملنے کی توقع نہیں تھی ۔

لیکن یہ فیض‌عالم کی بےپناہ خود اعتمادی ہی تھی جس نے اپنے خلاف نفرت کے ہر جذبے کو شہد آگیں محبت اور خلوص میں بدل دیا تھا ۔

سردار جان بھی فیض عالم کی ذہانت اور اخلاق کی شہرت سن کر آج اس کے پاس آئی تھی ۔ مگر فیض عالم کو دیکھکر ، اس سے باتیں کرکے سردار کو لگا تھا کہ اس نے بارہ تیرہ برس کی عمر میں سفید گھوڑے پر بیٹھ کر کوہ قاف سے آنے والے جس پری‌زاد شہزادے کے خواب دیکھے تھے ، وہ شہزادہ فیض عالم جیسا ہی تھا ۔

یوں تو سردار جان ۲۶ - ۲۷ برس کی لمبے قد والی سرحد کی ایک پٹھان عورت تھی - لیکن اسے دیکھکر یہ کہنا مشکل ھی تھا کہ وہ ایک تجربہ کار زندگی گذار چکی ھے - اس کی کوئل جیسی کوکتی آواز — سراپا رس اور کشش سے بھرپور جسم میں خوش بخت خان کی قربت نے کچھ اضافہ اور نکھار ھی پیدا کیا تھا - جب وہ اپنی بڑی بڑی حیران آنکھوں کو جھپکا کر معصومیت سے دیکھتی تو سامنے والے کے حواسوں پر کئی بجلیاں کوند جاتیں -

لیکن فیض عالم تو سب سے زیادہ اس کے خوبصورت ھاتھوں سے متاثر ھوا تھا - سردار نے جب فیض عالم کا انکار سن کر اپنے دونوں ھاتھ برقعے کی اوٹ سے باھر نکال کر میز پر رکھے تو — وہ بولتے بولتے اس طرح چپ ھوگیا جیسے اس کا سوئچ آف کردیا گیا ھو -

" تو آپ خوش بخت کا مقدمہ نہیں لڑیں گے - " وہ مسکرائی -

" لڑوں گا کیوں نہیں ، مقدمے لڑنا میرا پیشہ ھے — لیکن میں یہ کڑے نہیں لوں گا - یہ تمہاری کلائیوں میں ھی خوب سجتے ھیں - "

" لو — " آپ بھی کمال کرتے ھیں - سردار جان بچوں کی طرح کھلکھلا کر ھنس پڑی - کڑے نہیں لینگے تو میں اتنے ڈھیر سے روپے کہاں سے لاؤنگی ؟ "

فیض عالم کو ایک پل کے لئے تو سردار جان کی کھلکھلا تی ھنسی میں شیمپئین کے گلابی بلبلوں کی سی تازگی اور گنگناھٹ کا احساس ھوا — لیکن روپوں کی بات سنتے ھی وہ پھر کاروباری وکیل بن گیا - " کہیں سے بھی لاؤ " -

فیض عالم نے اپنا آخری فیصلہ سناتے ھوئے کہا — " میں پانچ ھزار کی رقم کے بغیر مقدمہ نہیں لوں گا — "

" ٹھیک ھے پھر - " سردار جان مایوسی کے انداز میں کھڑی ھوتے ھوئے بولی — " آپ کا جو وقت برباد ھوا اس کے لئے شرمندہ ھوں — " اتنا کہکر اس نے میز پر سے کڑے اٹھا لئے اور اپنا گھیردار برقعہ سنبھالتی فیض عالم کے آفس سے باھر نکل گئی —

دوسرے دن کچہری میں فیض عالم کو جب یہ معلوم ھوا کہ خوش بخت خان والا کیس رتن بہاری ایڈوکیٹ نے لے لیا ھے تو اس کا موڈ دن بھر خراب رھا - کئی بار اس نے سوچا بھی کہ اس میں پریشانی کی کیا بات ھے - یہ مقدمہ تو اس نے خود واپس کیا تھا - پھر بھی کوئی ایسی خلش ضرور تھی جسے اس کا ذھن کوئی نام نہیں دے سکا تھا - شام کو وہ کلب چلا گیا - سب کچھ ویسا ھی تھا - کلب کی شام دھیرے دھیرے جوان ھو رھی تھی - لیکن اس کی طبیعت کی بے کیفی اپنے عروج پر تھی -

اور تیسرے دن جب حسب معمول وہ کچہری جانے کے لئے تیار ھو کر اپنی نیلی موٹر میں کوٹھی سے باھر نکلا تو آھنی پھاٹک کے باھر چند قدم کے فاصلے پر سیاہ برقعے میں سر سے پیر تک لپٹی سردار جان کو دیکھکر حیران رہ گیا —

فیض عالم نے سردار جان کو اس کے خوبصورت ھاتھوں سے ھی پہچانا - ورنہ اس کا چہرہ تو نقاب سے ڈھکا ھوا تھا - اس نے سوچا کہ ڈرائیور سے گاڑی روکنے کے لئے کہے - مگر الفاظ اس کے لبوں تک آتے آتے رہ گئے -

پھر دوپہر میں جب وہ سشن جج اگروال کی کورٹ سے نکل کر آرھا تھا تو ایک بار پھر اس کی نظر سردار جان پر پڑی - وہ سشن جج اگروال کی کورٹ کے سامنے پتھر کے ایک ستون سے ٹیک لگائے اسے گھور رھی تھی - اس بار بھی فیض عالم بس ایک لمحہ کے لئے ٹھٹکا — اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا -

اگلے دن جب وہ کچہری جانے کے لئے نکلا تو سردار پھر اس کی کوٹھی کے آھنی پھاٹک سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی اس کی طرف دیکھ رھی تھی - فیض عالم نے اس دن جان بوجھ کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا -

اس کے بعد سردار جان کا معمول ھوگیا کہ وہ روزانہ صبح بیرسٹر فیض عالم کی کوٹھی کے آھنی پھاٹک سے کچھ فاصلے پر آکر کھڑی ھوجاتی - جب فیض عالم اپنی موٹر میں بیٹھ کر کچہری کے لئے روانہ ھوجاتا تو سردار بھی کچہری پہنچ جاتی - پھر فیض عالم شام کو کچہری سے واپس لوٹتا تو سردار جان پہلے سے اس کی کوٹھی کے دروازے پر موجود ھوتی - اور اس وقت تک وھاں کھڑی رھتی جب تک فیض عالم ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد دوبارہ کلب جانے کے لئے نہیں نکلتا -

گذشتہ ایک ماہ میں ایک دن بھی ایسا نہیں آیا تھا جب سردار جان کے اس معمول میں فرق آیا ھو — فیض عالم سخت پریشان تھا - اس دوران ایک بار بھی اس کے اور سردار جان کے درمیان کسی قسم کی گفتگو نہیں ھوئی تھی - لیکن فیض عالم کو ایسا لگتا جیسے سردار جان کسی جونک کی طرح اس کے ذھن سے چپک گئی ھو — وہ اکثر سوچتا کہ آخر اب یہ عورت اس سے کیا چاھتی ھے ؟

سردار جان کے اس طرح مستقل اس کی کوٹھی کے سامنے کھڑے ھونے کی وجہ سے اب اڑوس پڑوس کے لوگوں میں بھی

کھسر پھسر شروع ہو گئی تھی - یہی نہیں ، بلکہ اس کے جن ساتھی وکلاء تک کسی نہ کسی طرح یہ پر اسرار خبر پہنچ گئی تھی - وہ بھی اکثر دبے دبے لفظوں میں فیض عالم کو چھیڑنے لگے تھے -

بیرسٹر چمن لال تو اکثر فیض عالم کو دیکھتے ہی پوچھتے "کہو میاں جی ، تمہاری اس سرحدی جوگن نے کوئی نیا پینترا بدلا یا ابھی تک کوٹھی کے دروازے پر ہی دھونی رمائے بیٹھی ہے ؟ "

فیض عالم اکثر سوچتا کہ کہیں اسے بدنام کرنے کے لئے یہ حرکت اس کے کسی حریف نے تو نہیں کی ہے - آخر اس نے فیصلہ کرلیا کہ آج شام کو گھر لوٹتے وقت وہ سردارجان سے ضرور بات کرے گا -

لیکن یہ موقع سردارجان نے اسے دوپہر کو لنچ ٹائم میں اپنے آپ فراہم کردیا -

کچہری کے باہر بڑے میدان میں قطار در قطار بہت سے وکلاء کے ایک کمرے پر مشتمل چھوٹے چھوٹے آفس بنے ہوئے تھے - جن وکلاء کو یہ آفس نما کمرے نہیں ملے تھے وہ داہنی طرف ٹین کے ایک لمبے چوڑے شیڈ کے نیچے بیٹھتے تھے - فیض عالم جب ایک جونیئر وکیل سے مل کر اپنے آفس میں لوٹا تو میز پر قلعی کیا ہوا تین خانوں کا ناشتےدان رکھا دیکھکر حیران رہ گیا - دوپہر کا لنچ وہ ہمیشہ کورٹ کینٹین میں کرتا تھا - اس کے گھر سے آج تک کبھی اس کے لئے دوپہر کا کھانا نہیں آیا تھا -

فیض عالم نے جب اپنے منشی گنگادھر سے اس سلسلہ میں پوچھا تو اس نے تھوڑی دور پر جامن کے درخت کے نیچے کھڑی سردارجان کی طرف انگلی اٹھا دی —

فیض عالم گنگادھر سے سردارجان کو آفس میں بلانے کے لئے کہتے ہوئے اپنی کرسی پر سر تھام کر بیٹھ گیا -

ایک منٹ بعد جب سردارجان فیض عالم کے آفس میں داخل ہوئی تو فیض نے اس کو اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہتے ہوئے گنگادھر کو باہر جانے کا اشارہ کیا — پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے میز پر رکھے ناشتہ دان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا— " یہ سب کیا ہے ؟ "

" کھانا ہے —"، سردار جان بہت بھولے پن سے بولی - "میں نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا ہے - آپ کے لئے - "

" لیکن کیوں ؟ "، فیض جھنجلا گیا -

" آپ نے اس دن میرے ہاتھوں کی تعریف کی تھی نا - میں نے انہیں ہاتھوں سے یہ کھانا پکایا ہے - اگر آپ کو پسند نہ آئے تو پھینک دیجیئے گا - "، اتنا کہکر سردار جان ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی — اور جب وہ دروازے تک پہنچی تو فیض نے کرخت لہجے میں کہا —

" سنو ، آئندہ میری کوٹھی کے سامنے مت کھڑی ہونا - یہ سب حرکتیں مجھے پسند نہیں - "، سردار جان نے کمرے سے باہر نکلتے نکلتے پلٹ کر ڈبڈبائی نظروں سے فیض کی طرف دیکھا اور باہر نکل گئی -

کچھ دیر بعد فیض عالم اپنی بغل میں کسی مقدمے کی فائل دبا کے باہر نکلا تو سردار اس جامن کے پیڑ کے نیچے کھڑی تھی - فیض نے اپنے منشی گنگادھر سے کہا — "دیکھو اندر جو خالی برتن رکھے ہیں - وہ ان بیگم صاحب کو دیدینا - اور کہنا کھانا بہت اچھا تھا - "

لیکن کھانے کی یہ تعریف فیض عالم کے لئے مزید مصیبت بن گئی - اب سردارجان روزانہ دوپہر کو بڑے اہتمام سے فیض عالم کے لئے کھانا تیار کر کے لانے لگی - فیض عالم بھی اب کسی حد تک معاملے کی نوعیت کو سمجھنے لگا تھا - سردار جان کی آنکھوں کی چمک اور اس کے چہرے پر کھیلتی امید و بیم کی قوس و قزح نے فیض کو یہ احساس تو دلا دیا تھا کہ یہ عورت اس پر بری طرح مر مٹی ہے - یوں بھی اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ لندن جیسے ماڈرن شہر میں گذارا تھا - اور وہ کوئی پارسا آدمی بھی نہیں تھا — اسے توہمیشہ روائتی قسم کے سست رو عاشقوں سے الجھن ہوتی تھی — وہ ان لوگوں کو نہایت احمق سمجھتا تھاجو ، اسکاچ کی بوتل کو بہت احتیاط سے کھولنے اور گلاس میں انڈیلنے کے بعد گلاس کو سوڈے سے لبریز کر کے شدید پیاس کے عالم میں بھی دھیرے دھیرے سپ کرنے کا ڈھونگ کرتے تھے -

وہ اکثر اپنے دوستوں سے کہتا کہ—"پیاس کی شدت میں بھری ہوئی بوتل کا کارک اڑا کر جو مزا بیتابی سے حلق میں انڈیل لینے میں ہے - وہ لطف ترس ترس کر گھونٹ گھونٹ پینے میں نہیں ہے - "

سردارجان کے بارے میں بھی فیض نے یہی سوچا تھا کہ وہ ایک جست میں تمام فاصلے طئے کر کے منزل تک پہنچ جائیگا - لیکن جب بھی وہ یہ آخری جست بھرنے کی کوشش کرتا تو اسے لگتا کہ مکمل خود سپردگی کا پیکر ہوتے ہوئے بھی سردارجان کے گرد اس کا وقار ، اس کی معصومیت اور بھولا پن دیوار بنے کھڑے ہیں -

آخر ایک دن اس نے تہیہ کرلیا کہ آج مہینوں سے چل رہے اس ڈرامے کا آخری سین وہ ضرور ترتیب دے لیگا۔

وہ ساحل سمندر کی ایک نم آلود شام تھی۔ سردارجان اس کے سامنے ریت پر بیٹھی اپنے خوبصورت ہاتھ کی موسی شمع جیسی نازک انگلیوں سے گیلی ریت کرید رہی تھی۔

آبی پرندوں کی چہکار اور لہروں کے سراسرتے شور میں فیض عالم کی آواز ابھری —— " آخر تم چاہتی کیا ہو؟ "

سردار جان نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اس طرح فیض عالم کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو۔ " اتنے نادان تو نہیں لگتے۔ تمہاری ذہانت کے چرچے تو سارے شہر میں مشہور ہیں۔" فیض کو لگا کہ سردار جان کے چہرے پر پچھلی ملاقاتوں کے تمام لمحے سلوٹوں کی طرح ابھر آئے ہیں۔

" کیا سوچنے لگیں — ؟ فیض نے پھر پوچھا۔

" کچھ بھی نہیں — بس یہ سوچ رہی ہوں کہ میری دعا کی شاخ پر کبھی قبولیت کے پھول بھی کھلیں گے یا نہیں۔ "

" پہیلیوں میں باتیں مت کرو۔ صاف صاف کہو، مجھ سے کیا چاہتی ہو۔ "

سردار کی اداس آنکھوں کی طاق میں امید کے چراغ جھلملائے — " تمہیں چاہتی ہوں۔ وہ دھیرے سے بولی — " صرف تمہیں۔ "

فیض عالم ایک لمحے تک اس کے چہرے کو غور سے دیکھتا رہا — پھر بولا۔ " دیکھو، میں بہت عملی آدمی ہوں۔ رومانی اور لیلی مجنوں والی محبت کا میں قائل نہیں۔ خودسپردگی کے جذبے اور جسموں کے ملاپ سے الگ ہٹ کر محبت کا کوئی تصور میرے ذہن میں نہیں ہے — اور زندگی میں گھل گھل کر مرنا میرے نزدیک سب سے بڑی حماقت ہے — "

"میں تمہیں زندہ نظر آتی ہوں "— سردار جان نے اپنی لانبی لانبی پلکوں کی جھالر اٹھا کر فیض عالم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا — "جب سے تمہیں دیکھا ہے۔ بس سانس لینے کی رسم پوری کر رہی ہوں۔ "

" پھر وہی بے وقوفی — مجھے حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم جب چاہو میں ایک ہفتہ کے لئے تمہارے ساتھ اس شہر کے علاوہ کہیں بھی چل سکتا ہوں۔ "

" ایک ہفتہ کے لئے — ! " سردار جان نے اسے چونک کر دیکھا۔

" ہاں —، تم شاید یہ سمجھ رہی ہوگی کہ میں کوئی عیاش آدمی ہوں — حالانکہ میری زندگی میں تم پہلی عورت نہیں ہو۔ پھر بھی میں اس قسم کے معاملوں میں ایک ضابطے اور رکھ رکھاؤ کا قائل ہوں۔ "

سردار جان نے اتنے پیار سے فیض عالم کی طرف دیکھا جیسے وہ اپنے پورے وجود سے چاہت کا تمام شہد نچوڑ کر فیض عالم کو شرابور کردینا چاہتی ہو۔

" میں تمہیں ایک ہفتہ کے لئے نہیں، ہمیشہ کے لئے حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ "

" کیا — ؟ " فیض نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

" ہاں —، میں تم سے نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ "

فیض بیٹھے بیٹھے اس طرح کسمسایا جیسے ساحل سمندر کی ٹھنڈی ریت پر نہیں۔ گرم گرم بھبھول پر بیٹھا ہو۔

" بکو مت، وہ جھلا کر بولا۔ یہ ناممکن ہے۔ "

سردارجان نے سوچا کہ ناممکن کا لفظ کتنا اہم ہے۔ اور کتنی بار اپنی شکلیں بدل بدل کر آدمی کی زندگی میں آتا ہے۔ ایک برس پہلے جب خوش بخت خان نے اسے طلاق دی تھی اس وقت بھی اس کے بوڑھے باپ گل شیرخان نے غصے میں کانپتے ہوئے کہا تھا۔ " یہ ناممکن ہے "۔ لیکن اسے طلاق ہو کر رہی۔ جب وہ ساتویں درجے میں پڑھتی تھی تو اس نے پڑھا تھا کہ نپولین کی ڈکشنری میں ناممکن کا لفظ ہی نہیں تھا۔ پھر جب اس کی زندگی میں آکر یہ لفظ اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا تو اس نے سوچا کہ یہ نپولین کیسا بڑا آدمی تھا جو ایسی دوسری ڈکشنری بھی نہ خرید سکا جس میں اسے یہ لفظ مل جاتا۔

سردار نے اپنے ہاتھوں کی طرف گھورتے ہوئے فیض عالم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا —" میں بھی حرامکاری کی قائل نہیں ہوں۔ "

فیض عالم زچ ہو کر بولا — " دراصل تم یہ بات نہیں جانتیں کہ میں ایک محبت کرنے والی بیوی کا شوہر اور دو بچوں کا باپ بھی ہوں۔ "

" پھر کیا ہوا — اسلام میں تو چار شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔ "

" لیکن میری بیوی اسے ہرگز برداشت نہیں کریگی۔ وہ یہ خبر سنتے ہی خودکشی کرلے گی۔ "

"جان تو میں بھی دیدوں گی "، — سردار نے پر یقین لہجے میں کہا —" دیکھو فیض جب تک تم نے مجھ سے میرے دا

کی بات نہیں پوچھی تھی ۔ میں خاموش تھی ۔ شاید میں ساری زندگی اسی طرح گھل گھل کر گذار دیتی ۔ لیکن اب اگر تم نے مجھ سے شادی نہیں کی تو میں سچ مچ جان دیدونگی اور یہ خون ناحق تمہاری گردن پر ہوگا ۔ ،،

فیض عالم جھنجلا کر غصے میں کھڑا ہوتے ہوئے بولا ۔ ،، کیوں — میری گردن پر کیوں ہوگا ؟ کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھ پر مرو — ،،

،، تمہاری مرضی ، لیکن دیکھ لینا ۔ میں زندہ نہیں رہوں گی ،، ۔ اتنا کہکر سردارجان ہچکیاں لیکر رونے لگی ۔

فیض عالم اسے وہیں بیٹھا چھوڑ کر جب اپنی موٹر کی طرف بڑھا تو اسے لگا جیسے سردارجان دھیرے دھیرے ، بوند بوند ہو کر پگھل رہی ہو ۔

پھر دوسرے دن صبح جب وہ کچہری جانے کے لئے نکلا تو اس نے دیکھا کہ آج سردارجان کوٹھی کے آس پاس تو کیا ۔ دور دور تک نہیں تھی ۔ فیض عالم نے موٹر روک کر چوکیدار سے پوچھا ۔ ،، کیا وہ کالے برقعے والی آج نہیں آئی — ،، اور چوکیدار کا جواب نفی میں سن کر ایک پل کے لئے اس کا دل بہت زور سے دھڑکا — اس کی انگلیوں میں دبا سگار کپکپایا ۔ اسے لگا کہ سردارجان کی بڑی بڑی روشن اور بار بار جھپکتی حیران آنکھیں کوٹھی کی آہنی سیخوں میں لٹکی اسے گھور رہی ہوں ۔ پھر اس نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو تسلی دی — ،، اونھ ، کون کس کے لئے مرتا ہے ۔ زندگی بڑی قیمتی شئے ہے — ،،

دوپہر میں جب فیض عالم کسی مقدمے کی پیشی نمٹا کر لوٹا تو میز پر وہی مخصوص ناشتہ‌دان رکھا ہوا دیکھکر اس کی نظر سامنے والے جامن کے درخت کی طرف اٹھ گئی — لیکن سردار جان وہاں نہیں تھی ۔

اس کے منشی گنگادھر نے بتایا کہ آج کھانا بیگم صاحبہ نہیں ۔ بلکہ ایک ۱۳ — ۱۴ سال کا لڑکا لایا تھا ۔ فیض عالم اطمینان کی ایک بھرپور سانس لے کر بیٹھا ہی تھا کہ بیرسٹر چمن لال گھبرائے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوئے ۔

چمن لال نے ہانپتے ہوئے اسے بتایا کہ سردارجان نے ابھی ایک گھنٹہ قبل کچہری روڈ کے چوراہے پر ایک ٹرک کے سامنے آ کر خودکشی کرلی ۔ ،، آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا — ؟ ،، فیض عالم نے غیر یقینی لہجہ میں پوچھا —

،، ابھی وہیں سے آ رہا ہوں بھئی ۔ میں نے اپنی گاڑی سے اتر کر اس کی لاش دیکھی ہے ۔ کیا میں اسے پہچانتا نہیں ۔ درجنوں بار یہاں تمہارے کمرے کے سامنے کھڑے دیکھ چکا ہوں ۔ ،،

فیض عالم اپنا سر تھام کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا ۔ نہ جانے کب تک وہ اسی طرح بےحس و حرکت بیٹھا رہا ۔ پھر جب اس طرح بیٹھے بیٹھے اسے اپنے جسم کی دکھن کا احساس ہوا تو اس نے آنکھیں کھولیں ۔ چمن لال اسے اسی عالم میں چھوڑ کر نہ جانے کب کا جا چکا تھا ۔

فیض عالم نے اپنے سامنے رکھے ناشتہ‌دان کو حسرت سے دیکھا ۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ بڑھا کر ناشتہ دان اپنی طرف گھسیٹا ۔ خلاف توقع پہلے اور دوسرے خانے خالی تھے — لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ تیسرے خانے میں سردارجان کے کلائیوں سے کٹے دونوں ہاتھ رکھے تھے ۔ خون میں لتھڑے ہوئے ہاتھوں پر کاغذ کا ایک پرزہ رکھا تھا ——

،،تمہیں یہ دونوں ہاتھ بہت اچھے لگتے تھے نا ۔
تمہاری امانت تمہیں سونپ رہی ہوں ۔ سردارجان
کو تم نہیں قبول سکے— اسے میں آج برباد کردوں گی ۔،،

سردارجان

فیض کو لگا جیسے اس کی کنپٹیوں سے بہتی پسینے کی ٹھنڈی دھاریں اس کے بالوں بھرے سینے کے بیچوں بیچ رینگ رہی ہوں اس کے بدن کا سارا خون سمٹ کر دماغ کی سمت یلغار کر رہا تھا ۔ اور سائیں سائیں کرتے کانوں میں صرف ایک آواز گونج رہی تھی —— ،، میں سچ سچ جان دیدوں گی فیض —— میں سچ مچ جان دیدوں گی ۔ ۔ ۔ ۔ ،،

* * * *

بائیں جانب نیچے :—چیف منسٹر نے ۹ ۔ ستمبر کو رام نگر حیدر آباد میں نارسی کلہ ھاؤزنگ اسکیم کا افتتاح کیا ۔ شری جلا سبا راؤ وزیر بلدی نظم و نسق نے صدارت کی ۔

دائیں جانب اوپر :—چیف منسٹر نے ۲۶ ۔ اگسٹ کو حیدر آباد میں " انڈین فیڈریشن آف ورکنگ جرنلسٹس " کے ۱۸ ویں سکمل اجلاس کا افتتاح کیا ۔ شری جارج فرنانڈس مرکزی وزیر صنعت مہمان خصوصی تھے ۔

دائیں جانب نیچے :- گورنر نے ۲۷ ۔ اگسٹ کو حیدر آباد میں " اے ۔ پی ۔ یونین ورکنگ جرنلسٹس " کی سلور جوبلی تقاریب کا افتتاح کیا ۔ اس موقع پر شری ٹی ۔ انجیا وزیر محنت نے حیدر آباد کے ایک بزرگ صحافی شری رضا علی کی خدمات کے اعتراف میں ان کو اعزاز عطا کیا ۔

بائیں جانب اوپر : شریمتی شاردا مکرجی گورنر نے حیدر آباد میں ۲ ۔ ستمبر کو " تعلیمی ہفتہ " تقاریب کا افتتاح کیا ۔ شری ایم ۔ وی ۔ کرشنا راؤ وزیر تعلیم نے صدارت کی ۔

بائیں جانب درمیان میں :—شری جے ۔ وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۲۹ ۔ اگسٹ کو جوبلی ہال حیدر آباد میں منعقدہ ایک تقریب میں سبکدوش چیف جسٹس شری پی ۔ جے ۔ دیوان کو ایک یادگاری تحفہ پیش کیا ۔

محمد شمس الدین تاباں

غزل

کشش حسن و محبت میں قیام روز و شب تک ہے
نہ جانے روز و شب کا سلسلہ کب سے ہے کب تک ہے

ہر اک غم اپنا امید عطا ترک طلب تک ہے
کریں کیا آرزو بھی زندگی جب تک ہے جب تک ہے

یہ سمجھے تھے، زمانہ مندمل کردے گا زخموں کو
مگر جو سوزش دل روز اول تھی سو اب تک ہے

ہم آہنگی میں کیف عشق باقی رہ نہیں سکتا
وفا میں استواری تو ملال بے سبب تک ہے

نظر کو حسن سے دل کو عشق سے آباد رہنے دیں
سنیں اپنے پرائے میرا یہ پیغام سب تک ہے

بصیرت سے کبھی تو حسن باطن کا نظارہ کر
ترا ذوق نظر محدود کیوں رخسار و لب تک ہے

ستاروں پر کمندیں ڈال بھی دیں اہل ہمت نے
ہماری دوڑ تاباں محفل شعر و ادب تک ہے

* * * * *

نجمه مصباح الدین

حیاتین کی حیات بخش خصوصیات

حضرت جگر مراد آبادی فرماتے ہیں ۔

مسرت زندگی کا دوسرا نام مسرت کی تمنا مستقل غم

لیکن میں اگر یہ کہوں کہ حیاتین زندگی کا دوسرا نام ہے تو غلط نہ ہوگا ۔ کیونکہ حیاتین جنہیں عرف عام میں وٹامن (Vitamin) کہتے ہیں حیات انسانی کیلئے کس درجہ ضروری اور اہم ہیں اس کا اندازہ ہر ایک کو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا ۔ دیکھئے ڈکشنری میں (Vitamin) کی تشریح اس طرح کی گئی ہے

A kind of factor contained by particular foods regarded as essential to health

یوں توغذا کئی اجزا مثلاً اجزأ لحمیہ ،اجزأ شحمیہ ، اجزأ نشائیہ اور اجزأ شکریہ پر مشتمل ہوتی ہے لیکن جیسے جیسے انسان نے فہم و ادراک میں ترقی کے ویسے ویسے اس کے معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور اس نے نہ صرف غذا بلکہ تمام چیزوں کی تحقیق کی اور غذا کے وہ اہم اجزا دریافت کرلئے جن پر انسانی نشو و نما کا انحصار ہے اور امراض کے پیدا ہونے اور ان کے زائل ہونے کا سوال ہے ۔ ان اجزا کا نام وٹامنز یعنی حیاتین ہے انیسویں صدی کے اواخر تک ان اجزا کی دریافت نے کافی ترقی کرلی اور سائنسدانوں نے ثابت کردیا کہ قیام صحت کیلئے غذا میں حیاتین کی موجودگی انتہائی ضروری ہے ۔

آج جبکہ ہم جدید سائنس کی بدولت غذائی ضرورتوں کی اہمیت سے واقف ہوگئے ہیں اور متوازن غذا کو زندگی میں شریک کرلینا چاہتے ہیں تو یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سے آگاہی بھی حاصل کرلیں ۔ اس آگاہی کا نام صرف یہ جان لینا نہیں ہے کہ پھل ، ترکاریاں ، دودھ ، دہی اور خشک میوے ہمیں وافر مقدار میں حیاتین فراہم کردیتے ہیں ۔ ہمارے ملک میں جہاں آبادی کا پچھتر فیصد حصہ مفلسی اور غریبی کی زندگی گزار رہا ہے روزانہ کے استعمال میں ایسی چیزیں نہیں لاسکتا جو اس کی قوت خرید سے باہر ہوں پھر بھی بعض پھل اور ترکاریاں ایسی ہیں جو غریب بھی استعمال کرسکتا ہے جیسے حیاتین ج (Vitamin C) کو لیجئے یہ ہماری روز مرہ زندگی میں کم ہی مقدار میں ہوتی ہے حالانکہ حیاتین ج زیادہ تر ترکاریوں اور بعض پھلوں میں ہوتی ہے ۔ ترکاری ہر گھر میں اور تقریباً ہر روز پکائی جاتی ہے ، پھر کیا وجہ ہے کہ یہ ہمیں کم مقدار میں ملتی ہے ، اسے ہم اتنا پکاتے اور بھونتے ہیں کہ وہ ضائع ہوجاتی ہے ۔ انہی ترکاریوں کو اگر ہم زیادہ نہ پکائیں (بلکہ کچا ، پکا رہنے دیں) تو حیاتین ج کی خاصی مقدار سے ہم مستفید ہوسکتے ہیں ۔

حیاتین (Vitamin) کی کمی ہماری صحت پر برا اثر ڈالتی ہے یا بعض بیماریاں اسی کی کمی کی وجہ سے ہوجاتی ہیں ۔ اس کا احساس سب سے پہلے ایک انگریز ملاح رچرڈ ہاکنس (Richard Hawkins) کو سنہ ۱۵۹۳ ع میں ہوا تھا ۔ اس نے یہ بات شدت سے محسوس کی تھی کہ خارش کی بیماری بہ نسبت دوسروں کے ملاحوں کو کثرت سے ہوا کرتی ہے ۔ یہ معلوم کرلینا اتنا تعجب خیز نہ تھا بلکہ اس سے کہیں زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس نے اس کا علاج بھی معلوم کرلیا تھا وہ یہ کہ سنگتروں کا متواتر استعمال اس مرض کو دور کردیتا ہے ۔ لیکن وہ یہ نہیں جان سکا کہ سنگتروں میں وہ کونسا جز ہے جس کی وجہ سے خارش کا مرض ختم ہو جاتا ہے ایک دوسرے مرض *بیری بیری (Beri Beri) کے متعلق عرصہ دراز تک یہ خیال گشت کر رہا تھا کہ یہ مرض کسی جرثومہ کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن سنہ ۱۸۸۲ ع میں جاپان کے ایک بحری

(*) بیری بیری لنکا کی زبان کا لفظ ہے اس مرض کی وجہ سے عصبی تنوں میں التہابی کیفیت و کمزوری واقع ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے مریض کی قوت حرکت و حس میں فرق آجاتا ہے بعض اوقات جسم کا کوئی حصہ مفلوج ہو جاتا ہے ۔ پیر کمزور اور گوشت گلنے لگتا ہے ۔ ہارٹ فیل بھی ہوجاتا ہے ۔

ڈاکٹر ٹاکاکی ،، نے یہ معلوم کیا کہ صرف غذا کی تبدیلی کی وجہ سے اس مرض کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے ۔ اس کے چند سال بعد جارا کے ایک ڈچ ڈاکٹر آیکمان نے یہ محسوس کیا کہ مرغیوں کو صرف پالش کئے ہوئے چاولوں پر رکھا جائے تو انہیں بھی بیری بیری سے ملتا جلتا مرض ہو جاتا ہے لیکن اگر ان کی روزانہ خوراک میں تبدیلی کردیں تو مرض دور بھی ہوجاتا ہے ۔ اس سے ڈاکٹر آیکمان اس نتیجہ پر پہنچے کہ چاول کی بھوسی میں کوئی شئے ایسی ہے جو اس مرض سے بچائے رکھتی ہے ۔

کیمیادان فنک نے سنہ ۱۹۱۱ ع میں خمیر سے ایک نہایت عامل قلمی مرکب حاصل کیا ۔ جس کی انتہائی قلیل مقدار کے استعمال سے مرغیوں کا اعصابی مرض آناً فاناً ختم ہو گیا تھا ۔ چونکہ اس مرکب میں اساسی نائٹروجن پائی گئی تھی اسلئے اس کا نام (Vit Amine) رکھا گیا ۔

سنہ ۱۹۱۲ ع میں پروفیسر ہاپکنس (کیمبرج) نے عام خیال کے مطابق چوہوں کو کاربو ہائیڈریٹ ، پروٹین ، چربی اور معدنی نمک پر رکھا لیکن انہوں نے محسوس کیا کہ چوہوں کی بالیدگی یکلخت رک گئی ہے ۔ جب انہوں نے روز کے راتب میں دودھ شریک کردیا جس کی وجہ سے جو ہے تندرست ہوگئے ۔ سنہ ۱۹۱۵ ع میں میک کولم اور ڈیوس نے دودھ سے دو قسم کے اجزا یعنی وٹامن اے اور بی حاصل کئے ۔ اور سنہ ۱۹۱۹ ع میں '' ہارڈن اور زلوا ،، نے ایک تیسرا جز وٹامن سی کا تیار کیا ۔ اس کے بعد سے اب تک کئی اور حیاتین دریافت ہوچکے ہیں ۔ جنہیں دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے پہلا گروہ ایسے حیاتین کا ہے جو چربی میں حل پذیر ہے ۔ دوسرا گروہ ایسے حیاتین کا جو پانی میں حل پذیر ہے ۔

یہ بات شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو کہ بدن انسانی میں تغیر و تبدل واقع ہوتا رہتا ہے چاہے انسان بیمار ہو یا مکمل صحت مند ۔ دونوں صورتوں میں قدرتی طور پر بافتیں فرسودہ ہوکر تلف و ضائع ہوتی رہتی ہیں اور پھر نئی بافتیں ان کی جگہ لیتی ہیں ۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ سانس کی آمد و رفت جاری ہے کچھ تو تباہ شدہ بافتوں سے اور زیادہ تر ہماری غذا سے تعمیری اجزا حاصل ہوتے ہیں ۔ اسی لئے ہماری غذا میں حیاتین کا ہونا از بس ضروری ہے ۔ ہم کو یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہئیے کہ حیاتین کیمیائی اشیا ہیں اور یہ بدن کے اندر تیار نہیں ہوتیں بلکہ ہمیں بدن کے اندر بیرونی ذرائع سے پہنچانا پڑتا ہے ۔

آپ نے کبھی اس پہلو پر غور کیا کہ اگلے وقتوں کے لوگ کیوں زیادہ صحتمند اور توانا ہوا کرتے تھے ؟ ۔ آپ کہینگے اس زمانے میں ملاوٹ کی لعنت نے اتنی ترقی نہیں کی تھی ۔ ایک حد تک آپ نے درست فرمایا ۔ لیکن ایک بات اور بھی ہے وہ یہ کہ وہ لوگ عموماً کچی غذا استعمال کیا کرتے تھے جس کی وجہ سے انہیں وافر مقدار میں حیاتین مل جاتی تھیں ۔ زمانے نے ہم کو اتنا بدل دیا ہے کہ اب کچھی غذا پر گزارا نہیں کرسکتے ۔ مگر غذا کو اتنا بھی نہیں پکانا چاہئے کہ حیاتین فنا ہوجائیں ۔ آئیے اب یہ دیکھیں کہ ہم کو کن کن چیزوں میں کون کون سی حیاتین مل سکتی ہیں اور ان حیاتین کے مقررہ مقدار میں بدن انسانی میں نہ پہنچنے سے کیا کیا امراض پیدا ہوجاتے ہیں سب سے پہلے حیاتین الف (Vitamin A) لیجئے ۔ حیاتین الف (Vitamin A) : — اس کو سب سے پہلے میک کولم اور ڈیوس نے سنہ ۱۹۱۳ ع میں دریافت کیا تھا اور سنہ ۱۹۲۹ ع میں '' خانیولر ،، نے معلوم کیا کہ کیروٹین ، حیاتین الف کا بدل ہوسکتا ہے ۔ اور '' مور ،، نے یہ ثابت کیا کہ کیروٹین حیوانات کے جگر میں حیاتین الف میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔

حیاتین الف بچوں کی نشوونما کیلئے نہایت ضروری ہے اور اس کا جسم میں مناسب مقدار میں ہونا متعدی امراض کے جراثیم کے حملوں سے محفوظ رکھتا ہے ۔ غذا میں اسکی کمی کی وجہ سے بچوں کی بالیدگی رک جاتی ہے ۔ جلد خشک اور آنسوؤں کے کم پیدا ہونے کی وجہ سے پپوٹوں کی اندرونی جھلی میں سوزش پیدا ہوجاتی ہے اور اگر زیادہ عرصے تک یہی حالت رہے تو بینائی کے ضائع ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے یا پھر انسان شب کو یا رنگ اندھا ہوجاتا ہے ۔ اسلئے ہر آدمی کو روزانہ غذا میں حیاتین الف کی تقریباً ۲ ملی گرام مقدار لینا ضروری ہے ۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے دانت کسی بھی خرابی سے دور رہیں تو آپ ایسی چیزیں استعمال کیجئے جس میں حیاتین الف زیادہ پایا جاتا ہے ۔ اس حیاتین میں ایک وصف یہ بھی ہے کہ یہ جسم کے مختلف حصوں میں جمع ہو کر وقت ضرورت کام میں آتا رہتا ہے ۔ حیاتین الف ذیل کی اشیا میں پایا جاتا ہے (جس نام کے بریکٹ میں آپ کو* والا نشان ملے آپ سمجھ لیجئے کہ اس میں زیادہ مقدار میں حیاتین الف ہوتا ہے) ۔ ہالیبٹ مچھلی کا تیل (*) ، کاڈ مچھلی کا تیل(*) ، گائے کا گوشت (*) ،، بکرے کا گوشت (.) ، انڈا (*) ، مچھلی (*) ، کلیجی (*) ، گائے کا دودھ (*) ، بھینس کا دودھ (*) بکری کا دودھ (*) ، دھی (*)، پنیر (*) ، پان (Betel leaves) ساگودانہ (*) ، خمیر خشک (Yeast Dried) (.) ، تیل کھوپرا ، باجرہ(*) ، جوار(*) ، مکئی (.) ، راگی(.)

گیہوں (*) ، بٹانے ، چاول ، چنا (*) ، اوڑد (.) لوبیا (.) ، مونگ (*) ، کولتھی Horse Gram (*) ، مسور(*)، تور(*) ، گوبھی (*) ، دھنیا سبز (*) ، میتھی کی بھاجی (*) ، بھاجی پالک (*) ، گاجر (*) ، اروی ، پیاز ، آلو(*) ، مولی ، کریلا (*) ، بیگن ، پھول گوبھی (.) ، پھلی گوار (*) ، بھنڈی (*) ، کبری (*) ، مٹر (*) ، کدو (.) ، نورانی (.) ، سنگھاڑا (.) ، ٹماٹر (*) ، اور ان میں بھی وافر مقدار میں حیاتین الف پایا جاتا ھے۔ پستہ ، کاجو ، تل ، مونگ پھلی ، سبز مرچ سرخ مرچ ، دھنیا ، زیرہ ، ادرک ، املی ، هلدی ، ثمرخ ، کھجور ، انجیر ، آم ، نارنگی ، پپیتہ ، اناناس ، آلوچہ ، بیر

حیاتین ب (Vitamin B) :- اس وٹامن کی کمی سے هاتھوں پیروں پر ورم آجاتا ھے (یعنی بیری بیری) دل کی کمزوری (Cardiae Weakness) کمزوری اعصاب (Palineuritis) مرض حذر اور فالج (Paralysis) میں مبتلا ھوجانے کا اندیشہ ھوتا ھے ۔ اسی حیاتین کی کمی کی وجہ سے عرالبلغ غثیان ، دور هاضمه اور اسہال جیسے امراض لاحق ھوجاتے ھیں ۔ طحال ، بانقراس ، معدہ اور دماغ کے افعال میں فرق آجاتا ھے اور جسم کی باریک ریشے دار رگوں (Tissues) کو اچھی طرح ھوا نہ ملنے کی وجہ سے جلدی امراض (Skin Diseases) ھوجاتے ھیں ۔

حیاتین ب ان چیزوں میں وافر مقدار میں پایا جاتا ھے۔

بکرے کا گوشت ، کلیجی ، خشک خمیر ، جو ، باجرا ، جوار ، مکئی ، راگی ، گیہوں ، بٹانے ، چنا ، اوڑد، مونگ ، کولتھی پالک ، چقندر ، اروی ، مولی ، پھول گوبھی ، مٹر ، کدو ، مونگ پھلی ، اخروٹ ، سیب ، کیلا اور کشمش ۔ ان سے کچھ کم مندرجه ذیل اشیا میں ھوتا ھے ۔

جھینگه ، دئے کا دودھ ، گڑ ، چاول ، مرمرے ، مسور ، تور ، بند گوبھی بھاجی میتھی ، گاجر ، پیاز ، آلو ، کریلا ، ککڑی ، بھنڈی ، ٹماٹر ، شلغم ، بادام ، کھجور ، نارنگی وغیرہ ۔ بغیر چھنے آٹے کی روٹی وغیرہ ۔

حیاتین ج Vitamin C کی کمی انسان کو جوڑوں ، مسوڑوں ، گھٹنوں کے درد ، مسوڑھے پھول کر پیپ اور خون بہنا ، دماغی کمزوری ضعف معدہ خون کی کمی (قلت الدم) Anaemia جیسے موذی امراض میں مبتلا کردیتی ھے ۔ حیاتین ج میں اسکروبک السیڈ Scurobicacid ھوتا ھے جو مرض اسکروی Scury کے لئے زهر هلاهل ھے۔ اس حیاتین پرچونکہ گرمی کا بہت جلد اثر ھوتا ھے اسلئے ان اشیاء کو جن میں حیاتین (ج) پایا جاتا ھے اسے زیادہ گرم نہیں کرنا چاھئے ۔ حیاتین ج ان اشیاء میں کافی مقدار میں ھوتا ھے ۔ بند گوبھی ، سبز دھنیا ، سائجن (Drum Btick) ، چقندر ، کریلا ، پھول گوبھی ، پھلی گوار ، آملہ ، ٹماٹر ، مرچ سبز ، جام ، لیمو ، نارنگی ، موسمی ، پپیتہ ، اناناس ، اسٹرابیری (Straw berry) وغیرہ اور اس سے کچھ کم مقدار میں حسب ذیل چیزوں میں پایا جاتا ھے ۔

آلوچہ ، انار ، خربوز ، انجیر ، راس بیری ، کیلا ، سیب ، انگور ، هلدی ، املی ، ادرک لہسن ، سرخ مرچ ، سیم کی پھلی ، ککڑی ، بھنڈی ، کبری ، مٹر ، کدو ، پالک ، گاجر ، پیاز(Onion) ، مولی ، بیگن ، بکرے کی کلیجی ، گائے کا دودھ ، بکری کا دودھ ، پان ، شہد ، کوتھمیر ، شلغم ۔ ۔ ھمارے ملک کے وہ تمام حضرات خوش نصیب ھیں جہاں لیمو ، سنگترہ ، نارنگی اور آنولہ بکثرت اور ارزاں مل جاتے ھیں ۔ آملہ ایک ایسا پھل ھے جس میں حیاتین ج بہت زیادہ مقدار میں پایا جاتا ھے ۔ آملہ کی خاص خصوصیت یہ ھے کہ خشک ھونے کے بعد بھی حیاتین ج اس میں سے ضائع نہیں ھوتے ۔ اسلئے اسے آپ کسی بھی حالت میں استعمال کرسکتے ھیں ۔

حیاتین (د) (Vitamin D) یہ حیاتین بھی ھماری غذا کا ایک نامیاتی جز ھے ۔ حیاتین د کے حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں اور بچے خاص طور پر محتاج ھوتے ھیں ۔ سنہ ۱۹۰۶ ع میں پروفیسر ھاپکنس نے یہ خیال ظاھر کیا تھا کہ رکٹس کا مرض غذا میں کسی امدادی جز کے نہ ھونے کی وجہ سے ھوتا ھے ۔ چنانچہ عام طور پر سمجھا جاتا تھا کہ حیاتین (الف) کی کمی اس مرض کا سبب ھے لیکن سنہ ۱۹۱۹ ع میں شیفیلڈ کے ڈاکٹر " میلانبی " نے مچھلی کے تیل سے حیاتین د بھی حاصل کیا ، اسی کو بنیاد بنا کر " میک کولم " نے اس بات کو غلط سمجھنے پر مجبور کردیا کہ رکٹیس مرض پیدا ھوتا ھے ، حیاتین (د) کی کمی سے نہ کہ حیاتین الف کی کمی سے ۔

سنہ ۱۹۲۴ ع میں هیس نے ثابت کیا کہ بالا بنفشی شعاعوں کے عمل سے حیاتین د (۲) ، د (۳) اور د (۴) تیار کئے جاسکتے ھیں انسان کے جسم میں بھی حیاتین د اسی طرح سورج کی روشنی کے عمل سے بھی پیدا ھوتا ھے ۔

حیاتین د کی کمی کی وجہ سے کیلسیم اور فاسفیٹ جسم سے آنتوں کے ذریعہ خارج ھوجاتے ھیں ، حیاتین د(اور کیلسیم فاسفورس) کی کافی مقدار نہ ھونے سے بچوں کے دانت کرم خوردہ

ہوجاتے ہیں ۔ لیکن یہی ایک حیاتین ایسا ہے جس کی زیادتی انسان کو ضرر بھی پہنچا سکتی ہے ۔ اسکے حصول کیلئے چھوٹے بچوں کے جسم کو کھوپرے کا تیل لگا کر ان کو ننگ دھڑنگ کچھ دیر دھوپ میں کھیلنے کیلئے چھوڑ دیں کیونکہ جلد کے نیچے کی چربی میں سورج کی کرنیں وٹامن ڈ نمایاں کرتی ہیں ۔ اس طرح بہت بڑی ضرورت پوری ہوجاتی ہے ۔ وٹامن ڈی کے ذخائر یہ ہیں ۔

بیضہ مرغ ، کاڈلیور آئل ، پیاز اور دھوپ ، اسکے علاوہ تھوڑی سی مقدار اپنے اندر یہ بھی رکھنے میں مچھلی ، گائے کا دودھ ، مٹر وغیرہ ۔

حیاتین ھ (Vitamin E) :— سنہ ۱۹۲۲ ع میں کیلیفورنیا میں ایوانس نے یہ معلوم کیا تھا کہ اس کی کمی سے چوھوں میں بانجھ پن پیدا ہوجاتا ہے ۔ اور " ضرمن " نے بتایا کہ باردری کی قابلیت کیلئے وٹامن اے اور ای ضروری ہیں ۔ عورتوں میں اسقاط حمل کی شکایت اکثر انہی حیاتین کی کمی سے پیدا ہوتی ہے ۔ اس حیاتین کی ناکافی مقدار ان امراض میں مبتلا کردیتی ہے ۔ اعصابی امراض بچوں کا فالج جنین کا مردہ پیدا ہونا ، کمزوری دماغ ، جنسی افعال کا انحطاط ۔ ان امراض سے محفوظ رہنے کیلئے یہ چیزیں استعمال کرلیا کیجئے ۔

گوشت بکرا ، کیلا ، راگی ، گیہوں ، بٹانے ، نارنگی ، مچھلی ، گائے کا دودھ اور نارنگی وغیرہ ۔

حیاتین پر یہ تھی سرسری نظر ، اس کا کینیسواس بہت اتنا وسیع ہے کہ اسے اکمل طریقہ پر ایک مضمون میں ظاہر نہیں کیا جاسکتا ۔ اس کے لئے ایک پوری کتاب درکار ہے ۔

آخر میں یہ بھی سن لیجئے کہ سنہ ۱۹۳۶ ع میں زینٹ جارجی اور اس کے ساتھیوں نے یہ معلوم کیا تھا کہ لیموں کے عرق میں حیاتین ج کے علاوہ ایک اور حیاتین پایا جاتا ہے جس میں شعری جریان خون کو روکنے کی خاصیت پائی جاتی ہے ۔ اسے حیاتین (پی) کہتے ہیں ۔

* * * *

رئیس اختر

غزل

دنیا سے آج پاس وفا مانگتا ہوں میں
یہ جرم ہے اگر تو سزا مانگتا ہوں میں

کس موڑ پر حیات کے چھوڑا ہے تم نے ساتھ
اک اک سے آج اپنا پتہ مانگتا ہوں میں

میں نے تو کی ہے درد مسلسل کی آرزو
تم نے سمجھ لیا کہ دوا مانگتا ہوں میں

کیا جانے اب سمیٹ کے ساری تباہیاں
اس درد اضطراب سے کیا مانگتا ہوں میں

برساؤ مجھ پہ سنگ بنام خلوص عشق
اپنے کئے کی آب سزا مانگتا ہوں میں

قاتل کو غم گسار سمجھتا ہوں اب رئیس
مقتل میں زندگی کی دعا مانگتا ہوں میں

HD-76.

آندھرا پردیش

ہری کامیابی لائق ستائش ہے

* * *

آندھرا پردیش

ترتیب — صفحہ

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

★

ماہ نومبر ۱۹۷۷

کارتک - اگرا ہائین

شکا بدھا ۱۸۹۸

جلد نمبر ۲۲

شمارہ (۱)

★

سر ورق کا پہلا صفحہ

افراط و خوشحالی کی تصویر :-

مادر ارضی کی فیاضیوں میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔

سر ورق کا آخری صفحہ

آندھرا پردیش کی عنبر سکھ اور رنگا رنگ کپڑوں کی دلدادہ بیٹی

★

اس شمارے میں اہل قلم نے انفرادی طور پر جن خیالات اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ہونا ضرور نہ۔

★

آندھرا پردیش (اردو) ماھنامہ

زر سالانہ چھ روپئے - فی پرچہ ۵۰ پیسے

وی - پی - بھیجنے کا قاعدہ نہیں -

چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے -

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ

حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا۔

راج بھون
حیدرآباد - ۵۰۰۰۴۱
۲۲ - اکتوبر ۱۹۷۷ ع

گورنر کا پیام

میں تشکیل آندھرا پردیش کی ۲۱ ویں سالگرہ کے موقع پر آندھرا پردیش کے عوام کو پرخلوص مبارک باد اور نیک تمنائیں پیش کرتی ہوں -

آندھرا پردیش قدرتی وسائل سے مالا مال ہے - اسکے عوام محنتی اور فعال ہیں - اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ریاست کا مستقبل خوشحالی اور ترقی سے ہمکنار ہوگا - لیکن ہمارا اولین فریضہ یہ ہیکہ ہم غریبوں اور پسماندہ طبقوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی بدرجہ اتم سعی کریں - اس مقصد کے حصول کے لئے ہم کو قربانی سے کام لینا سیکھنا چاہئیے اور ان کی مشکلوں اور دشواریوں کو سمجھنا چاہئیے - صرف اسی طرح ہمارے عوام کی ایک بڑی اکثریت کو جو غریب و جہالت کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں اصلی معنوں میں خوشحالی نصیب ہوسکتی ہے -

شاردا مکرجی

حیدر آباد
۲۱ - ستمبر ۱۹۷۷ ع
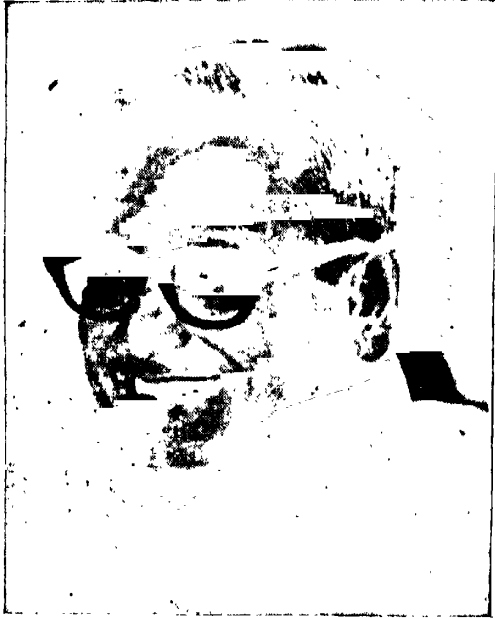
چیف منسٹر کا پیام

ہم جانتے ہیں کہ آندھرا پردیش کی تشکیل سے تلگو عوام کا ایک دیرینہ خواب اس سر زمین کے بہت سے عظیم فرزندوں کی قربانیوں کے نتیجے میں ایک حقیقت بن گیا ۔

تلگو عوام زمانے قدیم سے ہی ادب ۔ موسیقی ۔ ڈرامہ ۔ مصوری اور مجسمہ سازی جیسے مختلف فنی میدانوں میں پیش پیش رہے ہیں ۔ انہوں نے ہماری ثقافتی عظمت کو تمام سمتوں میں پھیلایا ہے ۔

ہم کو قدرت نے ہمیشہ بہتی رہنے والی بہت سے ندیاں عطا کی ہیں جو ہمارے کھیتوں کو سیراب کرنے میں مدد دیتی ہیں اور ہماری ریاست کو دودھ اور شہد کی سر زمین بناتی ہیں ۔ ہماری ریاست نے معیشت کے دوسرے شعبوں میں ترقی کے ساتھ ساتھ زرعی پیداوار، برقی کی تیاری اور صنعتی ارتقاء کے سلسلے میں لائق ستائش کارنامے انجام دیئے ہیں ۔

اس وقت تلگو عوام جذبے اتحاد سے سرشار ہو کر باقی ملک کے لئے ایک بہترین مثال قائم کر رہے ہیں ۔ مجھے بھروسہ ہےکہ یہ اتحاد آئندہ بھی قائم رہے گا اور ہماری ریاست کے عوام اپنے مستقبل کی تشکیل جدید میں کوشاں رہیں گے ۔

جے ۔ وینگل راؤ
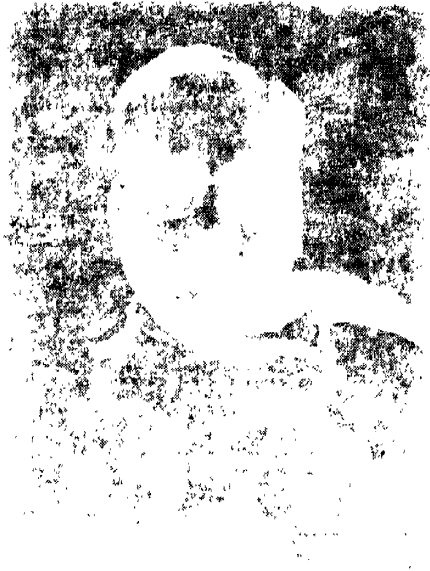
آندھرا پردیش کی افق پر صنعتوں کا ابھار

شری جے۔ وینگل راؤ
چیف منسٹر آندھرا پردیش

ہندوستان کی تیز رفتار صنعتی ترقی کی عین مطابقت میں آندھرا پردیش کی افق پر بھی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ۔ ہماری ریاست کلیدی معدنیات جیسے کوئلہ ۔ آہنی کچدھات ۔ بیرائٹس۔ منگا نیز ۔ اسبسطاس ۔ چونے کا پتھر اور ابرک وغیرہ کے ذخائر سے مالا مال ہے ۔ اس لئے ریاست کے صنعتی ارتقاء کے لئے عظیم امکانات اور مواقعات موجود ہیں ۔

سال ۱۹۵۶ میں وسیع تر ریاست آندھرا پردیش کی تشکیل کے وقت یہاں صرف ۴۵ بڑی اور اوسط صنعتیں قائم تھیں جن میں مصروف سرمائے کی مجموعی مقدار صرف ۴۸ کروڑ روپئے تھی ۔ آج ان صنعتوں کی تعداد بڑھکر ۲۴۹ ہوگئی ہے جن میں جملہ ۴۴۴ کروڑ روپیوں کا سرمایہ لگا ہوا ہے اور ۲۱۳۰۰۰ سے زائد اشخاص کے لئے روزگار کے مواقع ہمدست ہیں ۔ ریاست میں عوامی شعبے سے تعلق رکھنے والی انواع و اقسام کی صنعتوں کا ایک وسیع جال پھیلا ہوا ہے جیسے ہیوی الکٹریکلس مشینی آلات ۔ الکٹرانکس ۔ بال بیرنگس ۔ فور جنگ ۔ ادویات و کیمیائی اشیاء ۔ جہاز سازی ۔ تیل کی صفائی اور دخانی ظروف سازی وغیرہ ۔ چھوٹی صنعتوں کے میدان میں جو ترقی ہوئی ہے وہ اور بھی زیادہ نمایاں اور متاثر کن ہے ۔ ۱۹۵۶ میں چھوٹی صنعتوں سے تعلق رکھنے والی یونٹوں کی تعداد صرف ۱۲۲۹ تھی جبکہ آج یہ تعداد بڑھکر ۱۷۱۵۰ ہوگئی ہے ۔

صنعتوں کو مالی امداد کی فراہمی کے سلسلے میں ریاست نے گزشتہ ۱۲ برسوں میں تنہا انڈسٹریل ڈیولپمنٹ بینک آف انڈیا سے ہی ۸۷ کروڑ روپئے نکالے ہیں جبکہ بینکوں کی جانب سے دی ہوئی مالی امداد سے قائم صنعتی یونٹوں کی تعداد کے معاملے میں ریاست کا نمبر پورے ملک میں مہاراشٹرا کے بعد دوسرا ہے ۔

آندھرا پردیش کو حالیہ برسوں میں سب سے زیادہ نمایاں اور بے مثال کامیابی پڑھے لکھے بیروزگاروں کی امداد کے پروگرام کی عمل آوری میں حاصل ہوئی ہے جسکی سراہنا قومی سطح پر کی گئی ہے ۔ سستے کاروباری سائبانوں ۔ فنی اعانت اور مالی امداد کی فراہمی پر مشتمل ایک متحرک اور فعال حکمت عملی کے تحت کوئی ۲۷۰۰۰ پڑھے لکھے نوجوان مردوں اور عورتوں کو روزگار کے مواقع فراہم کئے گئے ۔ ایک اور اہم شعبہ جس میں ریاست نے قابل ستائش پیش رفت کی ہے وہ ریاست کے پسماندہ اور قبائلی علاقوں میں ترقیاتی پروگراموں کی عمل آوری کا ہے ۔

ریاست کے عاجلانہ صنعتی فروغ میں ان ریاستی اداروں اور ایجنسیوں کا بھی زبردست ہاتھ ہے جو کچھ عرصے سے یہاں قائم ہوئی ہیں اور ایک جال کے مانند ریاست بھر میں پھیلی ہوئی ہیں ۔ ان اداروں میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل بہ آسانی آندھرا پردیش انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن کو کہا جا سکتا ہے جو دسمبر ۱۹۶۰ میں وجود میں آیا اور آج پورے ملک میں قائم اولین ترقیاتی ایجنسیوں میں سے

شمار کیا جاتا ہے ۔ یہ کارپوریشن ۱۱۰ بڑی اور اوسط صنعتی یونٹوں کے یا تو قیام کا باعث ہے یا مالی امداد کا ذریعہ ہے ۔ اسکی جانب سے صنعتوں میں ۶۴٫۱۶ کروڑ روپیوں کا سرمایہ مصروف کیا گیا ہے اور اسکی بدولت لگ بھگ ۱۲۵ کروڑ روپیوں کی صنعتوں میں سرمایہ کاری کا اہتمام دوسرے ذرائع سے عمل میں آیا ہے اور تقریباً ۸۰۰۰ اشخاص کے لئے روزگار کی فراہمی کی گنجائش پیدا ہوئی ہے ۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی کافی اہمیت کی حامل ہے کہ مذکورہ بالا ۱۰۰ یونٹوں میں سے ۴۹ یونٹیں پسماندہ علاقوں میں قائم ہیں اور ۶۱ یونٹوں کا قیام مقامی قدرتی وسائل کی دستیابی کی اساس پر عمل میں آیا ہے ۔

چھوٹی صنعتوں کے فروغ اور ارتقاء کے لئے کام کرنیوالا سب سے اہم اور بڑا ادارہ آندھرا پردیش اسمال اسکیل انڈسٹریل ڈیولپمنٹ کارپوریشن ہے جو فی الوقت ۲۰ کی تعداد میں مشترکہ شعبے کی صنعتی یونٹس چلا رہا ہے اور جس نے چھوٹے صنعتکاروں کو ''ھائر پرچیز،، پر مشنری کی خریدی کے لئے ۳٫۷۱ کروڑ روپئے منظور کئے ہیں ۔

آج آندھرا پردیش پورے ملک کے صنعت کاروں کا انتہائی گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کرتا ہے اور انہیں یقین دلاتا ہیکہ یہاں صنعتی میدان میں نئی نئی کمپنیاں حاصل کرنے کے بکثرت مواقع موجود ہیں ۔ یہ امید کی جاتی ہیکہ صنعتکار وقت کی پکار پر لبیک کہیں گے اور ریاست کی صنعتی ترقی میں بھر پور اور پائیدار حصہ ادا کریں گے ۔

(باتیں کم کام زیادہ)
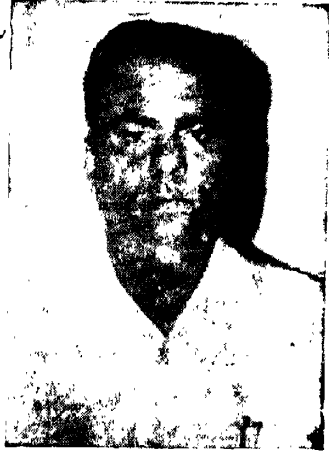
عزم صمیم کی تجدید کا دن

شری یم۔ مانک راؤ وزیر اطلاعات و تعلقات عامہ

آندھرا پردیش ہندوستان کی پہلی لسانی ریاست آج اپنی سالگرہ کے موقع پر اپنے ماضی قریب پر فخر و انبساط سے بھر پور نظر ڈالنے کے موقف میں ہے۔ ان پورے دو دھوں کے دوران بلکہ اس سے قبل ہی سے یہ ریاست اپنے وسیع معدنی وسائل سے ممکنہ استفادہ کرنے اور ساتھ ہی ساتھ آبپاشی و برق کے فروغ کے لئے اپنے آبی وسائل کو قابو میں لانیکی انتھک کوششوں اور جدوجہد میں مصروف رہی ہے۔ صنعتی ترقی کے میدان میں یہ ریاست اپنا بہترین قدم آگے بڑھا چکی ہے۔ مثال کے طور پر ریاست کا صدر مقام حیدر آباد آج ایک عظیم صنعتی مرکز بن گیا ہے جس پر آندھرا پردیش بالخصوص اور جنوبی ہند بالعموم بجا طور پر ناز کرسکتے ہیں۔

آندھرا پردیش زرعی پیداوار کے معاملے میں ہندوستان کی صف اول کی ریاست ہے۔ جسکی آمدنی کا ۵۰ فیصد سے زائد حصہ زراعت سے حاصل ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ غذائی اجناس کی پیداوار کے ضمن میں یہ ریاست خود مکتفی ہے بلکہ دوسری حاجتمند ریاستوں کو اپنی ضروریات سے فاضل اجناس سربراہ بھی کرتی ہے۔ ریاست کی ۸۰ فیصد سے زیادہ آبادی اپنی روزی پیشہ زراعت سے حاصل کرتی ہے۔ ان تمام برسوں کے دوران میں ریاست کے منصوبے زراعت کی ترقی اور غذائی پیداوار میں اضافے پر زبردست زور دیتے آئے ہیں۔ سال ۱۹۷۵-۷۶ میں ہماری ریاست نے ۸۲،۳۹ لاکھ ٹن غذائی اجناس پیدا کرکے ایک ہمہ وقتی ریکارڈ قائم کردیا۔ غذائی اجناس کی پیداوار میں یہ شاندار اضافہ وسیع تر رقبے پر کثیر پیداواری اقسام کے تخموں کی کاشت اور نئے نئے علاقوں تک آبپاشی کی توسیع سے ممکن ہوسکا۔

آندھرا پردیش دریاؤں کی سر زمین ہے جن کے گن ہماری قدیم مقدس کتابوں اور پرانوں میں گائے گئے ہیں۔ سال ۱۹۵۶ سے ہماری ریاست میں آبپاشی کے وسائل کے فروغ پر غیر منقسم توجہ دی جارہی ہے۔ آبپاشی کے لئے منصوبہ جاتی اخراجات میں سال بہ سال اضافہ عمل میں لایا گیا ہے۔ ۱۹۷۳-۷۴ میں شعبۂ آبپاشی کے لئے ۲۱،۶۱ کروڑ روپیوں کی گنجائش تھی جو بڑھکر ۱۹۷۶-۷۷ میں ۸۰ کروڑ روپئے تک پہنچ گئی۔ ۱۹۷۷-۷۸ کے لئے منظورہ منصوبے میں اس شعبے کے لئے ۱۰۷،۱۷ کروڑ روپئے کی متاثر کن گنجائش فراہم کی گئی ہے۔ اس توجہ اور انہماک کی بدولت اس شعبے میں بڑے اچھے نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ چنانچہ پانچویں منصوبے کے پہلے دو برسوں کے دوران میں بڑے اور اوسط پراجکٹوں کے ذریعہ ۷۱۰۰۰ ھکٹر رقبے کو آبپاشی کے تحت لے آیا گیا جبکہ اور ۷۸۰۰۰ ھکٹر پر مشتمل مزید رقبے کو نئے آبپاشی وسائل سے یا چھوٹے پراجکٹوں سے سیراب کرنیکے انتظامات کو مستحکم بنادیا گیا۔ سال ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران میں ۱.۳۳ لاکھ رقبے کو بڑے اور اوسط پراجکٹوں کے تحت اور ۳۶۰۰۰ ایکڑ رقبے کو چھوٹے آبپاشی پراجکٹوں کے تحت لے آیا جائیگا۔ سال رواں کے دوران میں بڑے اور چھوٹے پراجکٹوں کے احاطے میں علی الترتیب ۹۰۰۰۰ ھیکٹر اور ۴۹۳۰۰ ھیکٹر زمینوں کو لے آیا جائیگا۔ اس امر کا یہاں پر تذکرہ کرتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ ناگر جونا ساگر۔ سری سیلم ھائیڈرو الکٹرک پراجکٹ پوچم پاڈ پراجکٹ اور گوداوری بیریج پر کام پوری سرگرمی اور تیزی کے ساتھ جاری ہے۔

آج ہندوستان کی افق بڑی ہی جاذب نظر ہے ۔ گذشتہ پچیس برسوں سے کچھ زائد عرصے میں ہمارا ملک ایک خاموش صنعتی انقلاب سے بغل گیر ہوا ہے ۔ صنعتی ارتقاء کے سلسلے میں صرف دیو ہیکل کارخانوں پر ہی نہیں چھوٹی صنعتوں کی ترقی پر بھی کافی زور دیا جارہا ہے ۔ آندھرا پردیش میں ہم ریاست گیر پر زور و پرجوش سہموں کے ذریعہ چھوٹی صنعتوں کو ہمہ جہتی فروغ اور بڑھاوا دینے میں کامیاب رہے ہیں ۔ مارچ ۱۹۷۷ کے ختم تک ان سہموں کے احاطہ اثر میں ریاست کے پورے ۲۱ اضلاع آچکے ہیں ۔ جملہ ۲۳۰۲۸ کروڑ روپئے کی سرمایہ کاری کی گنجائش رکھنے والی کوئی ۳۵۲۰ یونٹوں کی شناخت عمل میں لائی گئی ہے ۔ خودروزگار اسکیم پڑھے لکھےبیروزگاروں کے لئےایک نعمت عظمٰی کا مقام رکھتی ہے ۔ اس اسکیم کی عمل آوری میں ہماری ریاست کسی سے پیچھے نہیں ہے ۔ سال ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران میں اس اسکیم کے تحت تقریباً ۱۸۵۸ یونٹیں کھڑی کردی گئی ہیں جن میں مصروف سرمایہ کی مقدار ۲۰۴۷ لاکھ روپئے ہے ۔

ہماری جیسی ایک زرعی ریاست کے لئے اصلاحات اراضی کی اہمیت کی وضاحت چنداں ضروری نہیں معلوم ہوتی ۔ پھر بھی یہاں پر اس امر کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ ہماری ریاست میں قانون آندھرا پردیش اصلاحات اراضی و حد بندی کا نفاذ پورے شد و مد سے جاری ہے ۔ اب تک تعلقہ مشاورتی کمیٹیوں کی سفارشات کی مطابقت میں ۸۵۹۱ ایکڑ تری اور ۱۳۷۰۲۰ ایکڑ خشکی اراضیات مجموعی طور پر ۹۳۷۲۶ مستحقین کے تفویض کی جاچکی ہیں جن میں ۳۸۶۷۹ درج فہرست اقوام سے ۔ ۱۸۰۵۶ درج فہرست قبائل سے ۔ ۲۲۳۶۵ پسماندہ طبقات سے اور ۱۴۶۲۶ دوسرے طبقات سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ان اعداد و شمار سے یہ ظاہر ہوجاتا ہیکہ ہم سماج کے کمزور طبقات کو سماجی انصاف بہم پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھ رہے ہیں ۔ یہاں اس امر کی وضاحت کی جاسکتی ہیکہ کمزور طبقات ریاست کی آبادی کے تقریباً ۵۲ فیصد پر مشتمل ہیں ۔ ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران میں ان طبقات کو آندھرا پردیش شیڈولڈ کاسٹس فینانس کارپوریشن ۔ آندھرا پردیش بیک ورڈ کلاسس فینانس کارپوریشن اور ویمن کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن کے توسط سے امداد باہمی قرضوں کی فراہمی میں لائق ستائش پیش رفت عمل میں آئی ہے ۔ ان کارپوریشنوں نے ۱۳۳۲ کروڑ روپئے درج فہرست اقوام کو فراہم کئے جن سے ۹۰۲۱۸ اشخاص مستفید ہوئے ۔ ۱۳۸۰ کروڑ روپئے پسماندہ طبقات کو مہیا کئے جن سے ۸۶۹۵۶ افراد کو فائدہ ہوا اور ۶۰۷۰ کروڑ روپئے خواتین کو دئے جو ۱۲۳۱۶ عورتوں کے کام آئے ۔ حال ہی میں ایک نیا کارپوریشن قائم کیا گیا ہے جو قبائلیوں کی اقتصادی بحالی کے پروگراموں کی اعانت کریگا ۔ درج فہرست اقوام ۔ درج فہرست قبائل اور پسماندہ طبقات سے تعلق رکھنے والے تقریباً ایک لاکھ طلباء کو اعانت خانوں کی سہولتیں مہیا کی گئی ہیں تاکہ وہ تعلیم کے فوائد سے پوری طرح مستفید ہوسکیں ۔ یہاں اس امر کا اضافہ کیا جاسکتا ہیکہ ان طلباء کو لباس ۔ کتابیں اور کاغذ وغیرہ کی فراہمی کے انتظامات بھی کئے گئے ہیں ۔ کمزور طبقات کے طلبا کو متعلقہ محکموں کے توسط سے ۲۸ لاکھ روپئے سے زائد مالیت کی قومیائی ہوئی درسی کتابیں مفت فراہم کی گئی ہیں ۔ درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے میٹرک کی سطح تک کے صد فیصد طلباء کو ۱۹۷۶-۷۷ میں پہلی مرتبہ درسی کتب کی مفت فراہمی کا نشانہ مکمل کیا گیا ۔

یہاں آندھرا پردیش کی معیشت پر ایک نظر ثانی ڈال لینا نا مناسب نہ ہوگا ۔ ۱۹۷۳-۷۶ کے درمیان کی تین سالہ مدت میں ریاست کی آمدنی میں ۳٫۷ فیصد کے سالانہ اوسط بہ شرح مرکب کے حساب سے اضافہ عمل میں آیا ہے ۔ ان تین برسوں میں غذائی پیداوار کی مقدار میں تقریباً ۳٫۷۲ لاکھ ٹن کا یا ۵٫۴ فیصد کا اضافہ ہوا ۔ اس طرح اسی فیصلہ کن مدت میں صنعتی اشیاء کی پیداوار میں بھی قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے ۔

صحافت ۔ ریڈیو ۔ فلم اور ٹیلی ویژن جیسے رابطہ عامہ کے ذرائع واضح اور موثر رائے عامہ کی تشکیل میں (جو جمہوریت کے ستونوں میں سے ایک ہے) ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں ۔ ان ذرائع سے استفادہ کرتے ہوئے محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ حکومت کی رابطہ عامہ کی ایجنسی کے فرائض ادا کرتا ہے ۔ اس سلسلے میں خاص طور پر ریاست کے دیہی علاقوں کے عوام سے ربط و ضبط قائم کرنے اور ان تک پہنچنے کی بھر پور مساعی اس محکمہ کی جانب سے روبہ عمل لائی جارہی ہیں ۔ اسکے علاوہ دیہی عوام کے فہم و شعور کو بلند کرنیکی غرض سے ریاست بھر میں کمیونٹی ریڈیو سٹوں کا ایک جال پھیلا دیا گیا ہے ۔ اس وقت ریاست کی جملہ ۱۳۸۰۰ پنچائتوں میں ۱۹۷۲۶ کمیونٹی ریڈیو سٹس کام کر رہے ہیں ۔ ٹیلی ویژن کا یہاں پر آغاز آندھرا پردیش کی تاریخ میں در حقیقت ایک سنگ میل کی حیثیت کا حامل ہے ۔

آج ریاست خوشحالی اور افراط کی نئی منزلوں کی جانب پیش رفت میں مصروف ہے ۔ اس لئے آئیے ہم اپنی ریاست کے یوم تاسیس کے موقع پر اس عظیم مہم کو سر کرنے کے لئے اپنے عزم صمیم کی تجدید کریں ۔

حیدرآباد ہوائی اڈے پر فضائی بار برداری کامپلکس

شری کے ۔ وی کیشولو وزیر تجارت و پارچہ

آندھرا پردیش میں کوئلہ ۔ آہنی کچ دھات ۔ ابرک ۔ مینگانیز کچ دھات ۔ لائی ۔ بیرائٹس ۔ باکسائٹ ۔ چونے کا پتھر اور دوسرے معدنی ذخیروں کی بہتات ہے ۔ یہاں کی زرخیز زمین سے تمباکو ۔ کپاس ۔ روغنی تخم ۔ مسالے ۔ میوے اور مردریاں وغیرہ جیسی تجارتی اہمیت کی اشیاء وافر مقدار میں پیدا ہوتی ہیں ۔ ہمارے پاس دوسرے ممالک اور ریاستوں کو سپلائی کے لئے کثیر تعداد میں مرغیاں ۔ انڈے اور مویشی موجود ہیں ۔ اس ریاست کے جنگلات میں بانسوں ۔ مختلف عمارتی لکڑیوں ۔ بیڑی کے پتوں ۔ سرخ صندل ۔ هلیله ۔ کچلا اور کاجو کے درختوں کی افراط ہے ۔ اس ریاست کے ہاتھ سے بنے ہوئے جاذب نظر کپڑے اور خوشنما دستکاریاں کافی مقبولیت کی حامل ہیں ۔ ہماری ریاست صنعتی میدان میں بھی زبردست پیش رفت کرچکی ہے ۔ یہاں پر تیار شدہ چمڑے کی اشیاء ۔ پارچہ جات تیار ملبوسات ۔ کیمیائی اشیاء اور ادویات ۔ شیشے کا سامان ۔ عام انجینیری کے آلات و اوزار ۔ برقی و الکٹرانک کی اشیاء خصوصی مقبولیت و پسندیدگی حاصل کرتی جارہی ہیں اور ریاست نے ہندوستان کے صنعتی نقشے میں اپنے لئے ایک مقام پیدا کرلیا ہے ۔ ریاست کی وسیع و عریض ساحلی پٹی اپنے اندر لاتعداد سمندری خزانے اور غذائی ذخیرے محفوظ کئے ہوئے ہے جن سے استفادہ کے وافر امکانات موجود ہیں ۔ ہمارا اقتصادی موقف آج اتنا مستحکم ہیکہ پہلے کبھی نہیں تھا چوتھے منصوبے کہ آخری سال یعنی ۱۹۷۳-۷۴ میں ریاست کی آمدنی ۱۱۷۳ کروڑ روپیہ تھی جو بڑھکر ۱۹۷۴-۷۵ میں ۹۱۴ کروڑ روپئے ہوگئی ۱۹۷۵-۷۶ کے دوران میں ریاست کی آمدنی میں مزید اور قابل لحاظ اضافہ ہوا ہے ۔

قدرت کے فیاضانہ عطیات اور ساتھ ہی صنعت کارانہ صلاحیتوں میں روز افزوں اضافے کی بدولت ریاست میں برآمدی اشیاء کی پیداوار اور ساز و سامان کی تیاری کے لئے ایک مضبوط اور مستحکم اساس کا قیام عمل میں آگیا ہے ۔ ریاست کی برآمدی تجارت مالیت کے لحاظ سے دس سال قبل ۵ کروڑ روپے تھی جو ۱۹۷۴-۷۵ میں بڑھکر ۱۶۲ کروڑ روپئے ہوگئی اور اندازہ ہیکہ سال ۱۹۷۵-۷۶ کے دوران میں یہ رقم ۲۰۰ کروڑ روپئے تک پہنچ گئی ہوگی ۔

سال ۱۹۷۴-۷۵ کے دوران میں ریاست سے برآمد کی گئی اشیاء اور ان کی مالیت حسب ذیل ۔

تمباکو مالیتی ۳۷،۸۳ کروڑ روپئے ۔ شکر مالیتی ۳۲،۵۱ کروڑ روپئے ۔ تیل نکالنے کے بعد روغنی تخموں کی بچی ہوئی کھلی مالیتی ۵،۸۳ کروڑ روپئے ۔ ابرک مالیتی ۴،۰۹ کروڑ روپئے ۔ تیل نکالا ہوا چاول کا بھوسہ مالیتی ۲،۴۹ کروڑ روپئے آہنی کروم مالیتی ۲،۰۳ کروڑ روپئے ۔ صندل کا تیل مالیتی ۱،۸۴ کروڑ روپئے ۔ مینگانیز کچ دھات ۱،۷۴ کروڑ روپئے ۔ اسبسطاس اور سمنٹ کی اشیاء مالیتی ۱،۳۳ کروڑ روپئے ۔ بیرائٹس مالیتی ۱،۰۷ کروڑ روپئے ۔ فرو مینگانیز مالیتی ۱،۰۵ کروڑ روپئے ۔ کھجور کا ریشہ اور ڈنٹھل مالیتی ۱،۳۰ کروڑ روپئے ۔

مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ ۱۵،۷۵ کروڑ روپئے کی مالیت کی کوئی ۷۰ اقسام کی دوسری اشیاء برآمد کی گئیں جیسے مسالے ۔ غذائی اشیاء ۔ چرمی اشیاء ۔ دستکاریاں ۔ دستی اور مشینی کپڑا ۔ کیمیائی اشیاء ۔ ادویات اور انجنیری کا سامان وغیرہ ۔

مغربی ایشیا کی منڈی کے ایک جائزہ سے اس امر کا

انکشاف ہوا ہیکہ آندھرا پردیش اس علاقے کے ممالک کو درکار اشیاء کی ایک بڑی مقدار برآمد و سربراہ کرنیکے موقف میں ہے - مغربی ایشیا میں اشیائے صارفین جیسے ترکاریاں میوے - مرغیاں اور انڈے - گوشت اور مویشی - تعمیری آہن و عمارتی سامان اور انجینیری کی اشیاء کی کھپت کی زبردست گنجائش موجود ہے اور آندھرا پردیش میں خاص کر حیدرآباد اور اسکے اطراف و اکناف میں بہ افراط قابل حصول ہیں -

ریاست میں وسیع نوعیت اور انواع اقسام کا جو صنعتی انفرا اسٹرکچر موجود ہے اور ساتھ ہی وسیع طور پر اور کفایتی شرح پر مزدوری کی دستیابی کی جو گنجائش ہمدست ہے اسکی بدولت صنعت کاروں کو بیرونی منڈیوں میں درکار سامان کی مقابلتی نرخوں پر تیاری کے کثیر مواقع حاصل ہیں - علاوہ ازیں ہمارے پاس روز مرہ کے استعمال کی اشیاء جیسے پیاز املی - پھل - ترکاریاں - مرغیاں - مویشی اور گوشت وغیر بھی وسیع مقدار میں موجود ہیں جنکو برآمد کیا جاسکتا ہے -

برآمدی تجارت کے فروغ کے لئے فضائی باربرداری کامپلکس کی اہمیت -

حالانکہ " بیرونی تجارت " مرکزی حکومت کا شعبہ ہے لیکن ملکی برآمدات میں فروغ و اضافے کی قومی مہم کو تقویت پہنچانے میں ریاستی حکومت کو بھی اپنا کردار موثر انداز میں ادا کرنے کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا - چنانچہ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت برآمدات کو ترقی دینے کے لئے متعدد تدابیر و اقدامات روبہ عمل لارہی ہے -

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ برآمدی اشیاء کی قابل لحاظ ہمدستی کے باعث ماضی میں ہماری برآمدی تجارت میں کافی اضافہ ہوا ہے لیکن پھر بھی اس شعبے میں مزید ترقی کے زبردست امکانات و مواقع موجود ہیں بسشرطیکہ بعض ضروری سہولتوں کی ہمدستی کے انتظامات میسر ہوجائیں - اس سلسلے میں سمندری راستے سے برآمدی تجارت کو فروغ دینے کے اقدامات کے علاوہ ریاستی حکومت فی الوقت بڑی سرگرمی کے ساتھ حیدرآباد ہوائی اڈے پر ایک فضائی بار برداری کامپلکس کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہے تاکہ ہوائی جہازوں کے ذریعہ بھی برآمداتی تجارت کو بڑھاوا دیا جاے اس مقصد کی تکمیل کے لئے ریاستی حکومت مسلسل حکومت ہند سے ربط قائم کئے ہوے ہے - حکومت ہند کی خواہش پر ریاستی حکومت نے نظامت تجارت و فروغ برآمدات کے ذریعے ان اشیاء کا ایک سروے کروایا ہے جنکی برآمد کے وسیع امکانات بذریعہ فضائی بار برداری پائے جاتے ہیں - اس سروے کے نتیجے میں برآمدی اشیاء کے ۱۲ گروپس کی شناخت عمل میں لائی گئی - ذیل میں آئندہ تین سالوں یعنی ۷۸-۱۹۷۷ - ۷۹-۱۹۷۸ اور ۸۰-۱۹۷۹ کے دوران میں لائق برآمد اشیاء کے نام اور انکی مالیت کا تخمینہ درج کیا گیا -

نشان سلسلہ	اشیاء کے نام	متوقع برآمدات کی مالیت کا تخمینہ (لاکھ روپیوں میں) ۷۸-۱۹۷۷ کامپلکس کے قیام کے پہلے سال میں	۷۹-۱۹۷۸ کامپلکس کے قیام کے دوسرے سال میں	۸۰-۱۹۷۹ کامپلکس کے قیام کے تیسرے سال میں
۱	۲	۳	۴	۵
۱	تازہ ترکاریاں	۵۰,۰۰	۶۰,۰۰	۷۵,۰۰
۲	تازہ پھل	۵۰,۰۰	۷۰,۰۰	۰۰,۰۰
۳	محفوظ اغذیہ	۴,۰۰	۵,۰۰	۶,۰۰
۴	مرغیاں - انڈے وغیرہ	۱۰۰,۰۰	۱۲۵,۰۰	۱۵۰,۰۰
۵	گوشت اور گوشت کی اشیاء	۲۰۰,۰۰	۲۴۵,۰۰	۲۱۰,۰۰
۶	بشمول مویشی -			
۶	چرم اور جرمی اشیاء	۲۶۵,۰۰	۲۷۰,۰۰	۲۷۵,۰۰
۷	دستی کپڑا	۱۷۰,۰۰	۲۰۵,۰۰	۲۴۵,۰۰
۸	تیار ملبوسات	۲۵,۰۰	۳۰,۰۰	۳۶,۰۰
۹	دستکاریاں	۵۰,۰۰	۵۶,۰۰	۶۲,۰۰
۱۰	کیمیائی اشیاء	۱۰۶,۰۰	۱۲۵,۰۰	۱۵۰,۰۰
۱۱	انجنیرنگ کا سامان	۱۷۵,۰۰	۲۰۰,۰۰	۲۴۰,۰۰
۱۲	شیشے اور شیشے کے ظروف	۵,۰۰	۹,۰۰	۱۱,۰۰
		۱۲۰۰,۰۰	۱۴۰۰,۰۰	۱۶۴۰,۰۰

آندھرا پردیش کا دارالسلطنت شہر حیدرآباد چو طرف سے خشکی سے گھرا ہوا ہے اس لئے دوسری ریاستوں کے مقابلے میں اس ریاست کا تجارتی موقف ناموافق صورتحال سے دو چار ہے۔ یہاں عام طور پر کسٹم سے حصول اجازت کی سہولتوں اور فضائی بار برداری کامپلکس کی آسانیوں کی عدم موجودگی کے باعث تاجرین کو اپنا مال دور دراز مقامات جیسے مدراس اور بمبی کو لیجانا پڑتا ہے۔ جسکے سبب انکے اخراجات میں اضافہ ہوتا ہے۔ درمیانی آدمیوں سے نمٹنا پڑتا ہے۔ اور دوھری چالی وغیرہ کے زاید اخراجات برداشت کرنا پڑتے ہیں اسکے علاوہ سڑک کے ذریعہ حمل و نقل میں سامان کی ٹوٹ پھوٹ اور تاخیر کی صورت میں ترکاریوں وغیرہ کے سڑ گل جانے کے خطرات درپیش رہتے ہیں۔ ان دشواریوں اور مشکیلات کی وجہ سے برآمدی تجارت کے فروغ کے لئے ریاست کی مساعی اتنی کامیاب نہیں ہوپاتی ہیں جتنی کہ ایسی ریاستوں کی جہاں ترقی یافتہ بندرگاہوں والے اور فضائی باربرداری کے انتظامات رکھنے والے شہر موجود ہیں۔ برآمدی تجارت میں کامیاب مقابلے کے لئے سامان کی سربراھی کی مدت میں کمی اور حمل و نقل وغیرہ کے اخراجات میں تخفیف ضروری ہے اور یہ بات اس وقت ممکن ہوسکتی ہے جبکہ حیدرآباد کے ہوائی اڈے پر ایک فضائی باربرداری کامپلکس کا قیام عمل میں لایا جائے۔

محولہ بالا حالات کی روشنی میں حیدآباد کے ہوائی اڈے پر ایک فضائی بار برداری کامپلکس کے قیام اور کسٹم کی سہولتوں کی موجودگی کی ضروریات کا احساس ایک مدت سے شدت کے ساتھ محسوس کیا جارہا تھا چنانچہ ریاستی حکومت کی مساعی اب ثمرآور ہوئی ہیں اور حکومت ہند نے حال ہی میں یہاں پر ایک فضائی باربرداری کامپلکس کے قیام سے اتفاق کرلیا ہے اور توقع ہے کہ یہ کامپلکس آئینڈہ چند ماہ کے اندر اپنا کام آغاز کردے گا۔

یہاں اس امر کا ذکر بیجا نہ ہوگا کہ حیدرآباد میں ریاستی حکومت کے محکمہ تجارت و فرغ برآمدات کی موجودگی کے علاوہ یہاں درآمدات برآمدات کے ڈپٹی چیف کامپٹرولر کا دفتر بھی قائم ہے جسکی بدولت حیدرآباد کے ہوائی اڈے سے برآمدات اور درآمدات کے لئے درکار ضروری لائسنسوں کی ھمدستی کی سہولت مل سکتی ہے اسکے علاوہ کلکٹر سنٹرل اکسائیز کا دفتر بھی یہاں قائم ہے جو اس سلسلہ میں ممکنہ معاونت کرسکتا ہے راجندرنگر میں قائم سنٹرل پلانٹ پروٹکشن ٹریننگ انسٹیٹیوٹ سے برآمد شدنی تازہ پھلوں وغیرہ کی نسبت نباتاتی بیماریوں سے برات کے صداقت نامہ جات کی اجرائی عمل میں آسکتی ہے۔ بلدیہ حیدرآباد میں متعین وٹرنری آفیسر حیدرآباد ہوائی اڈے سے بذریعہ ہوائی جہاز برآمد کئے جانے والے پرندوں اور جانوروں کے تعلق سے صداقت نامہ جات صحت اجراء کرسکتے ہیں۔ غرضکہ مرکزی حکومت کی جانب سے منظورہ فضائی باربرداری کامپلکس کو اپنے کاروبار کی انجام دھی کے لئے حیدرآباد میں پوری سہولتیں میسر ھوسکتی ہیں۔

محولہ بالا کامپلکس فی الوقت یکم نومبر ۱۹۷۷ سے حیدرآباد ہوائی اڈے کے قریب و جوار میں واقع ایک کرایہ کی عمارت میں آندھرا پردیش اسٹیٹ ٹریڈنگ کارپوریشن کے زیر نگرانی اپنا کام کررہا ہے۔ کامپلکس کی اپنی مستقل عمارت کی تعمیر کا کام محکمہ شہری طیارہ رانی حکومت ھند کی جانب سے ہوائی اڈے کے علاقے میں مختص کردہ زمین پر شروع کیا جائیگا۔

* * *

یوم تاسیس آندھرا پردیش ۔

یکم نومبر

مسٹر یم مانک راؤ وزیر اطلاعات کا پیام

آج کے دن ۲۱ بیس سال قبل تلگو عوام نے اپنے دیرینہ اور دلنشین خواب کو پورا ہوتے دیکھا جبکہ تلگو بولنے والے تمام عوام پر مشتمل ایک واحد ریاست عالم وجود میں آئی اور انکو اپنی پسند کے مطابق اپنے مستقبل کو ڈھالنے کا سنہری موقع ہمدست ہوا ۔ گزشتہ دو دھوں کے دوران آندھرا پردیش میں تلگو زبان اور تمدن کو وہ فروغ اور بڑھاوا حاصل ہوا جس کی شدت سے ضرورت تھی ۔ عوام کی اپنی زبان میں انتظامات چلانیکا عاجزانہ آغاز کیا گیا ۔ آندھرا پردیش مختلف میدانوں میں ترقی اور پیش رفت میں کسی سے پیچھے نہیں ہے ۔ ماضی میں انجام دئیے ہوئے کارنامے اس ریاست کے لئے مزید درخشاں و تابان مستقبل کے نقیب ہیں ۔

سماجی و اقتصادی ترقی کا آلہ

تحریک امداد باھمی جو سماجی اور اقتصادی ترقی کا ایک آلہ ہے لازمی طور پر عوامی تحریک ہے جسکی تنظیم اور دیکھ بھال خود عوام کے ہاتھوں میں ہوتی ہے ۔ ہمارے منصوبوں نے شعبہ امداد باھمی کی نئے ڈھنگ سے صورت گری کی ہے اور اسکو نئی اھمیت عطا کی ہے ۔ یاد ہوگا کہ پہلے پانچسالہ منصوبے نے امداد باھمی کو معاشی ترقی کے لئے ایک کار گر آلہ کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے ۔ دوسرے پانچسالہ منصوبے میں نجی اور عوامی شعبوں کے ساتھ ساتھ شعبہ امداد باھمی کے ارتقاء اور فروغ کو قومی حکمت عملی قرار دیا گیا ہے ۔ تیسرے منصوبے میں جمہوری بنیادوں پر اقتصادی ترقی کیلئے "امداد باھمی" کو اھم ترین ذرائع میں شمار کرتے ہوئے اس کے فروغ پر بھر پور زور دیا گیا ہے ۔ چوتھے منصوبے میں ہماری بہت سی معاشی ارتقاء کی سرگرمیوں کو امداد باھمی شعبے میں مدغم کردیا گیا ہے ۔ پانچویں منصوبے میں کاشتکاروں کو بڑھے چڑھے پیمانے پر زرعی قرضہ جات کی فراھمی کی خاطر شعبہ امداد باھمی کو مزید تقویت دینا پیش نظر رکھا گیا ہے ۔

اس وسیع منظر میں آندھرا پردیش نے ۱۹۷۴-۷۵ سے امداد باھمی تحریک کو مزید فعال اور موثر کردیا ہے تا کہ عام آدمی کی ضرورت کی پابجائی مختلف طریقوں سے عمل میں لائی جاسکے امداد باھمی کے شعبے نے زرعی شعبہ پر جو اثرات مرتب کئے ہیں وہ کافی نمایاں اور متاثر کن ہیں آندھرا پردیش امداد باھمی مرکزی زرعی ترقیاتی بینک (اے پی سی سی اے ڈی) ریاست میں قائم ۲۰۳ ابتدائی امداد باھمی زرعی ترقیاتی بینکوں کے ذریعہ اراضیات کی بہتری اور دوسری متعلقہ زرعی ترقیاتی سرگرمیوں کی بحالی اور بر قراری کے لئے کاشتکاروں کو طویل مدتی قرضے فراھم کر رھا ہے ریاست میں مواضعاتی سطح پر ۱۰۰۰۰ سے زائد ابتدائی زرعی قرضہ جاتی انجمنوں کا جال پھیلا ہوا ہے جو آندھرا پردیش ریاستی امداد باھمی بینک کی وفاق اکائیوں امداد باھمی مرکزی بینکوں سے ملحق ہیں جنکی تعداد ۲۶ ہے ۔ واضح رہے کہ سال ۱۹۷۵-۷۶ میں اے پی سی سی اے ڈی کی جانب سے ۲۳ء۲۷ کروڑ روپیوں کی حد تک قرضے فراھم کئے گئے اور سال ۱۹۷۶-۷۷

میں یہ بینک ۳۳ کروڑ روپیوں کے قرضوں کی اجرائی کا پروگرام رکھتا ہے ۔

شرائط میں نرمی

۱۹۷۵-۷۶ میں اجرا شدہ قلیل مدتی اور اوسط مدتی قرضوں کی مقدار ۳۷٫۶۳ کروڑ روپیوں کے مساوی تھی ۔ قرضوں کی اجرائی کے سلسلے میں ضابطے کے مطابق قرضوں کی رقم کا ۵۰ فیصد حصہ چھوٹے کاشتکاروں کو میسرھونا چاھئے ۔ اسلئے اجرائی قرضہ جات سے متعلق شرائط میں نرمی کردی گئی تاکہ چھوٹے کاشتکاروں کو معقول مقدار میں قرضوں کی اجرائی یقینی بن جائے ۔ چنانچہ نتیجتاً ۹۷ کروڑ روپیوں کے مقررہ نشانے کے مقابلے میں سال ۱۹۷۶-۷۷ کے موسم خریف کے دوران میں ھی اجرا شدہ قرضوں کی رقم ۷۶ کروڑ روپئے ھوگئی ۔ سال ۱۹۷۷-۷۸ کے لئے مقرر کردہ نشان ۱۱۰ کروڑ روپیوں کے مساوی ہے ۔ ریاست بھر میں صارفین کی انجمنوں کا بھی ایک جال بچھا دیا گیا ہے ۔ جو عوامی تقسیم کے نظام میں بر اثر عمل دخل رکھتی ھیں تاکہ مناسب قیمتوں پر صارفین کو اشیائے ضروریہ کی منصفانہ اور مساویانہ تقسیم کا تیقن حاصل ھوجائے ۔

۱۹۷۴-۷۵ سے موثر اور باوصف اقدامات روبہ عمل لائے جارہے ھیں جنکا مقصد نہ صرف موجودہ سوپر بازاروں کو جاندار فعال اور کار کرد بنانا ہے بلکہ ضلعوں اور ذیلی تعلقوں کے مستقروں پر نئے سوپر بازاروں کا ایک جال بچھا دینا ہے ۔ شہری علاقوں میں قائم صارفین کے جنرل فروش کے اسٹورس نے ۱۹۷۵-۷۶ میں ۳۵ کروڑ کی اور ۱۹۷۶-۷۷ میں ۶۵ کروڑ روپیوں کی بکری کی دیہی علاقوں میں بھی امداد باھمی انجمنوں نے بڑی اچھی کار کردگی کا مظاھرہ کیا ہے ۔ ان انجمنوں نے ۱۹۷۵-۷۶ میں ۱۷ لاکھ روپیوں کا جنرل فروش کا کاروبار انجام دیا ۔

امداد باھمی کاشتکاری

آئیے اب امداد باھمی کاشتکاری کی جانب بھی کچھ توجہ کریں ۔ اس پروگرام کا مقصد مشترکہ اور اجتماعی کاشت سے امداد باھمی انجمنوں کا فروغ ہے تاکہ بے زمین غریبوں کے لئے اراضیات کی ھمدستی کا تیقن ھوجائے اور زرعی پیداوار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ بے زمین زرعی مزدوروں اور معمولی کسانوں کے لئے سود مند روزگار کے مواقع فراھم ھوں ۔ مارچ ۱۹۷۶ کے ختم تک اسطرح کی (۱۰۰) انجمنیں قائم کی گئیں ۔ جن کے اراکین کی تعداد ۶۶۰۰ ہے ۔ یاد ھوگا کہ ۱۹۷۶-۷۷ سے ضلع مشرقی گوداوری کے علاقے "کونا سیما" میں (۲۰۰) اجتماعی کاشتکاری کی انجمنوں کی تنظیم کے لئے ایک "ماسٹر پلان" کو روبہ عمل لایا جارھا ہے ۔ اس علاقہ میں فی الوقت کاشتکاری کی ۱۰۹ انجمنیں سرگرم عمل ھیں جنکے اراکین کی تعداد (۱۰۳۳۶) ہے اور جنکو (۱۳۶۳۱) ایکڑ اراضی تفویض کی گئی ہے ۔ اس طرح ضلع کرشنا کے علاقے "دیوی سیما" سے متعلق "ماسٹر پلان" کے تحت (۴۰۰) انجمنوں کی تشکیل پیش نظر ہے ۔ فی الوقت اس علاقے میں (۲۲۸) انجمنیں کام کر رھی ھیں جنکے اراکین کی تعداد (۱۱۰۵) ہے اور جنکے تصرف میں (۱۱۵۵۰) ایکڑ اراضی ہے ۔

کمزور طبقات

مزدوروں کی امداد باھمی انجمنوں کی تشکیل کا مقصد پسماندہ طبقات ۔ درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل وغیرہ کو فائدہ پہنچانا ہے ۔ فی الوقت آندھرا پردیش میں ۲٫۳۰۵ معاھداتی مزدوری کی امداد باھمی انجمنیں شہری اور دیہی علاقوں میں کام کر رھی ھیں ۔ اس اسکیم کا مقصد عوامی کاموں کی تکمیل کے لئے عام طور پر رائج مزدوری کے ٹھیکہ کے نظام کا بتدریج خاتمہ اور اسکے بدل کی فراھمی نیز مزدوروں کے واسطے معقول اجرتوں کا تیقن اور ٹھیکہ داروں کی جانب سے مزدوروں کے استحصال کی روک تھام ہے ۔

یہاں اس امر کی وضاحت کی جاسکتی ھیکہ خالصتاً کمزور طبقات جیسے درج فہرست اقوام ۔ درج فہرست قبائل ۔ دھوبیوں اور نائیوں وغیرہ کے لئے ۱۹۷۴-۷۵ سے بڑی تعداد میں امداد باھمی انجمنیں تشکیل دی جارھی ھیں اور انکو ھر طرح کی امداد مہیا کی جارھی ہے تاکہ مرحلہ واری طور پر انکےسماجی اور اقتصادی حالات میں بہتری لائی جائے ۔ ریاستی حکومت انکی جانب خصوصی توجہ دے رھی ہے اور انکو فیاضانہ طور پر مالی امداد فراھم کر رھی ہے ۔ ۱۹۷۶-۷۷ کے مرسمہ موازنے میں اس اسکیم کی عمل آوری کے لئے ۶۳٫۴۸ لاکھ روپیوں کی گنجائش مہیا کی گئی تھی تحریک امداد باھمی کا یہ وصف ھیکہ وہ چھوٹے اور معمولی انسانوں کے لئے آزادی اورمواقعات کو یکجا کرتی ہے اور ان کو بڑے پیمانے پر انتظامات اور تنظیم کے تجربات سے فیضیاب کرنے کے علاوہ کمیونٹی کی جانب سے تائید و خیر سگالی کے جذبات سے ھمکنار کرتی ہے ۔ اس طرح تیز رفتاری کے ساتھ ترقی پذیر شعبہ امداد باھمی ، جس میں خصوصیت کے ساتھ کسان ۔ مزدور اور صارف کی ضروریات پر زور دیا گیا ہے ، سماجی استحکام وسعت روزگار ، اور عاجلانہ معاشی ارتقاء کے لئے ایک کلیدی اور اھم عنصر کی حیثیت کا حامل ہے ۔ آندھرا پردیش کو اس شعبے میں ماضی میں انجام دیتے ھوئے کار ھائے نمایاں پر ھر لحاظ سے فخر ہے اور وہ بڑے اعتماد کے ساتھ مستقبل کو درخشاں اور تاباں دیکھ رہا ہے ۔

پنچایت راج ادارے ہماری دیہی معیشت کے استحکام کا باعث ہیں

جب موجودہ نصف صدی کے آغاز پر کمیونٹی پراجکٹس کی عمل آوری کو ہاتھ میں لیا گیا تو کمیونٹی ڈیولپمنٹ کو ایک ایسا طریقہ اور دیہی توسیع کو ایک ایسی ایجنسی بیان کیا گیا تھا جنکے سہارے دیہاتوں کی معاشی اور سماجی زندگی میں انقلاب لایا جائیگا ۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا کمیونٹی ڈیولپمنٹ تحریک کے ذریعہ پورے کئے جانیوالے نوعی تقاضے اور مقاصد واضح اور متعین ہوتے گئے اور ساتھ ہی ساتھ دیہی توسیع کا تصور وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا اور بالآخر اس نے پنچایت راج کی شکل اختیار کرلی ۔ یعنی یہ کہ ایک ایسے نظام کے تخیل کی صورت گری ہوئی جسکے تحت موضع ۔ بلاک اور ضلع کی سطح پر جمہوری اور عوامی اداروں کا تال میل اور اشتراک عمل میں آیا اور دیہی پنچایتیں ۔ پنچائیت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں میں عوامی نمائندوں کو امداد باہمی انجمنوں اور حکومت کی دوسری مختلف امدادی ایجنسیوں کی تائید و حمایت سے ترقیاتی سرگرمیوں کی انجام دہی کے مواقع ہمدست ہوئے ۔ اس نظام کے تحت دیہی ترقیات سے متعلق مختلف ادارے ایک ٹیم کی صورت میں ہمہ جہتی ترقی کے کاموں میں مصروف ہوگئے ۔

روشن مثال ۔

آندھرا پردیش نے ملک کے جنوبی حصہ میں پنچایت راج اسکیم کی عمل آوری میں ایک روشن و تابناک مثال قائم کی ہے ۔ یکم نومبر ۱۹۵۹ کو آندھرا پردیش پنچایت سمیتی اور ضلع پریشد قانون کا نفاذ عمل میں آیا جو پنچایت راج کے ارتقاء میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت کا حامل ہے ۔ اس ریاست میں بلاک کی سطح پر تمام ترقیاتی پروگراموں کو روبعمل لانے کی مکمل طور پر ذمہ داری پنچایت سمیتیوں کو سونپی گئی جبکہ ضلع پریشدوں کی حیثیت چند عاملانہ ذمہ داریوں جیسے ثانوی تعلیم اور بین مواضعاتی سڑکوں کی تعمیر کے سوا مشاورتی اور نگرانکار اداروں کی ہے ۔ گرام پنچائتیں اپنے اپنے مواضعات میں پنچایت سمیتیوں کی ایجنسیوں کی حیثیت سے ترقیاتی پروگراموں کی عمل آوری کے فرائض انجام دیتی ہیں ۔

ہماری ریاست میں پنچائت سمیتیوں کو برتر اہمیت کے ترقیاتی پروگراموں کی انجام دہی کا کام سونپا گیا ہے ۔ جیسے زراعت ۔ افزائش مویشیان ۔ صنعت ۔ سماجی بھلائی ۔ تعلیم ۔ صحت و طبابت ۔ بہبودی خواتین و اطفال اور چھوٹی آبپاشی وغیرہ ۔ پنچایت سمیتیوں کو ترقیاتی کاموں کے لئے سرمایہ کی اجرائی کے وقت اس امر کا خصوصیت سے لحاظ رکھا جاتا ہے کہ ترقی یافتہ بلاکوں کے مقابلے میں ایسے بلاکوں کے حصے میں زیادہ رقومات آئیں جو کم ترقی یافتہ ہیں ۔ پنچائت سمیتیاں امدادی رقومات کو ہر سمیتی علاقہ کی ترجیحی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے خرچ کرتی ہیں ۔ مختلف ترقیاتی محکموں کی جانب سے ۱۹۷۷-۷۸ کے موازنے میں پنچایت راج کے لئے جملہ ۱۲۰٫۲۹ کروڑ روپیوں کی گنجائش فراہم کی گئی ہے ۔

پینے کا پانی

دیہی علاقوں میں محفوظ اور معقول مقدار میں پینے کے پانی کی فراہمی کا انتظام دیہی برداری کے لئے اولین اہمیت رکھتا ہے ۔ مارچ ۱۹۷۷ تک ریاست میں واقع ۶۳۸۰۱ مواضعات ، قریوں اور ہریجن بستیوں میں سے ۴۹۷۵۰ کے واسطے یا تو باؤلیوں یا بورویلز یا محفوظ آبرسانی کے ذریعہ پانی کی فراہمی کے انتظامات روبہ عمل لائے جاچکے ہیں ۔ اب بھی ۱۴۰۵۱ مواضعات ایسے ہیں جہاں پینے کے پانی کی سہولتوں کے انتظامات عمل میں لانا باقی ہے ۔ گذشتہ تین برسوں کے دوران میں عام منصوبے اور ۶ ۔ نکاتی فارمولے کے پروگراموں کے تحت ۱۳۵۶ لاکھ روپیوں کی گنجائش فراہم کرکے اس پروگرام کی عمل آوری کی رفتار میں قابل لحاظ تیزی پیدا کی گئی ہے ۔

گرام پنچائتوں کو اپنی ترقیاتی سرگرمیوں کو پوری قوت سے جاری و ساری رکھنے میں مدد دینے کی نیت سے ۱۹۷۷-۷۸ کے موازنے میں ۱۰ لاکھ روپئے کی گنجائش فراہم کی گئی ہے ۔ گرام پنچایتوں کے لئے مقابلتی انعامات کی

اسکیمات کو بھی پانچویں منصوبے کی مدت کے دوران بر قرار رکھا جائیگا۔

رقمی امداد میں اضافہ۔

یہ بات عام طو پر سب پر عیاں ھیکہ آندھرا پردیش میں پنچائیت راج اداروں کے اپنے مالی مسائل نا کافی اور غیر اطمینان بخش ہیں جسکے نتیجے میں یہ ادارے کوئی اہم اور نمایاں ترقیاتی اقدام کرنے کی بذات خود اہمیت نہیں رکھتے۔ تا حال حکومت گرام پنچائتوں اور پنچائیت سمیتیوں کو انکی آبادی کے لحاظ سے عام مقاصد کی بابجائی کے لئے فی کس ۲۵ پیسے اور مواصلات کے لئے پنچائیت سمیتیوں کو فی کس ۲۰ پیسے اور ضلع پریشدوں کو فی کس ۱۰ پیسے کے حساب سے مالی امداد دیتی آرہی تھی۔ اب پنچائیت راج اداروں کو اپنے کاروبار زیادہ موثر انداز میں انجام دینے کے قابل بنانے کی خاطر حکومت کی جانب سے دی جانیوالی فی کس امداد میں حسب ذیل طور پر اضافہ روبہ عمل لایا گیا ہے۔

(الف) گرام پنچائتوں کو دیجانیوالی فی کس ۲۵ پیسے امداد کو بڑھا کر فی کس ایک روپیہ کردیا گیا اور پنچائیت سمیتیوں کو فی کس ۲۵ پیسے کے حساب سے دی جانیوالی امداد فی کس ۵۰ پیسے تک بڑھادی گئی۔

(ب) پنچائیت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں کو "مواصلات" کے لئے دی جانیوالی فی کس ۳۰ پیسے کی امداد کو بڑھا کر فی کس ۶۰ پیسے کر دیا گیا ہے۔ جو پنچائیت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں میں علی الترتیب فی کس ۴۰ پیسے اور فی کس ۲۰ پیسے کے حساب سے تقسیم کی جائے گی۔

کلیدی ترمیم۔

اس سلسلے میں آندھرا پردیش گرام پنچائیت (دوسری ترمیم) قانون بابت ۱۹۷۶ کا یہاں پر تذکرہ کرنا بے جا نہ ہوگا جو ۱۰ - جون ۱۹۷۶ سے نافذ العمل کیا گیا ہے۔ یہ قانون کلیدی اور تاریخ ساز اہمیت کا حامل ہے اور اسکی بدولت گرام پنچایتوں کے دستور۔ انتخابات۔ اختیارات اور مالیاتی معاملات میں دور رس نتائج کی حامل تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ اب سر پنچ کا انتخاب گرام پنچایت کے رائے دھندے راست طور پر کیا کریں گے۔ گرام پنچایتوں میں درج فہرست اقوام۔ درج فہرست قبائل اور خواتین کی نمائندگی میں بھی اضافہ کردیا گیا ہے۔

پانچسالہ منصوبوں کے جو زبردست اثرات مرتب ہوئے ہیں انکی بدولت ہمارے دیہی علاقوں کی اقتصادی ترقی کو عظیم الشان اور لائق تحسین بڑھاوا ملا ہے۔ اسکے باوجود دیہی معیشت کی مزید بہتری اور ارتقاء کے اب بھی عظیم امکانات اور وسیع گنجائشات موجود ہیں۔ وسیع تر معنی میں پنچایت راج اداروں کے مقاصد اور ذمہ داریاں یہ ہیں کہ ہر علاقہ میں پائے جانیوالے ترقی کے امکانات سے اپنے حتی المقدور وسائل کو کام میں لا کر پورا پورا استفادہ کیا جائے اور اپنی سرگرمیوں کو خاطر خواہ طور پر وسعت دی جائے۔ ہمیں یقین کامل ہیکہ پنچائتی راج ادارے آنیوالے اہم اور فیصلہ کن برسوں میں دیہی معیشت کے استحکام میں حیات بخش اور ناد کار کردار ادا کریں گے۔

* * *

ہماری زرعی معیشت میں چھوٹے کسانوں کا بڑا ہاتھ ہے

آندھرا پردیش غالب طور پر ایک زرعی ریاست ہے جسکی آمدنی کا ۵۰ فیصد سے زاید حصہ زراعت سے حاصل ہوتا ہے۔ ہندوستان کے زرعی نقشے پر یہ ریاست ایک منفرد اور یکتا مقام کی حامل ہے۔ آندھرا پردیش نہ صرف غذائی اجناس کی پیداوار میں خود مکتفی ہے بلکہ دوسری ضرورت مند ریاستوں کو فاضل اجناس برآمد بھی کرتا ہے۔ ریاست کی ۸۰ فیصد سے زاید آبادی کی روزی کا دار و مدار زراعت پر ہے۔ گذشتہ دو دھوں کے دوران میں ریاست نے اپنی غذائی اجناس کی پیداوار کو دوگنا کرلیا ہے اور یہ بات کثیر پیداوار دینے والے تخموں کے زیادہ سے زیادہ استعمال اور نئے نئے علاقوں تک آبپاشی کے وسائل کو وسعت دینے کے باعث ممکن ہوسکی۔ اس طرح یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ریاست کے مستقبل کی خوشحالی کی کلید کسانوں کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی بہبود و فلاح کے لئے اور ریاست کی زرعی معیشت کے استحکام اور فروغ کے لئے '' اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی (یس ۔ ایف ۔ڈی اے)'' اور مارجنل فارمرس اینڈ ایگریکلچرل لیبررس ڈیولپمنٹ ایجنسی (یم ۔ ایف ۔ اے ۔ یل) کے ادارے نئی نئی اسکیمات کی تشکیل اور عمل آوری میں بڑھ چڑھ کر سرگرم عمل ہیں۔

یاد ہوگا کہ ۱۹۷۹ میں '' کل ھند دیہی قرضہ جاتی کمیٹی '' نے اور امور کے ساتھ ساتھ یہ سفارش بھی کی تھی کہ پورے ملک میں محولہ بالا '' چھوٹے کسانوں کی ترقیاتی ایجنسیاں '' نیز '' مارجینل کسانوں اور زرعی مزدوروں کی ترقیاتی ایجنسیاں '' رہبرانہ اساس پر قائم کی جائیں۔ کمیٹی نے یہ اظہار خیال بھی کیا تھا کہ ملک میں مارجینل اور چھوٹے کسانوں کے قبضے اور تصرف میں موجود اراضیات کی مقدار کے مقابلے میں ان کی تعداد غیر متناسب طور پر بہت زیادہ ہے۔ زراعت میں جدید ٹکنالوجی کے رواج نے امیر اور غریب کاشتکار کے درمیان واقع خلیج کو اور زیادہ وسیع کردیا ہے اس لئے کہ موخرالذکر خاص طور پر زراعت کے لئے درکار ضروری اشیا کے حصول کے معاملے میں ناسوافق موقف کا حامل ہے۔ اس وسیع پس منظر میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ مالیاتی ایجنسیوں کی شراکت اور تعاون حاصل کرنیکے لئے کارآمد اسکیمات تشکیل دی جائیں اور اس ضمن میں پرعزم مساعی روبہ عمل لائی جائیں تاکہ چھوٹے اور مارجینل کسانوں کو بہ حد امکان جیالا اور فعال بنایا جاسکے۔

جوتھے منصوبے کی مدت کے دوران میں حکومت ھند نے پورے ملک میں ۴۶ '' اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسیز '' اور ۴۱ '' مارجینل ایگریکلچرل لیبررس ڈیولپمنٹ ایجنسیز '' قائم کیں۔ ابتداً آندھرا پردیش کے لئے تین یس '' یف ڈی اے '' اور دو ایم ایف اے یل کی منظوری عمل میں لائی گئی۔ یہ تو آغاز تھا۔ لیکن مابعد کی ترقی کافی متاثر کن رہی اور نتائج بڑے ہی جاذب نظر برآمد ہوئے۔ آج ریاست کے ۱۶ اضلاع '' یس یف ڈی اے '' کی سرگرمیوں کے احاطے میں ہیں۔ چھوٹے کسان وہ ہیں جنکے قبضے میں ۲٫۵۰ ایکڑ تری کی اراضی اور ۵٫۰۰ ایکڑ خشکی کی اراضی ہے جبکہ مارجینل کسانوں کی تعریف میں ۱٫۲۵ ایکر تری اور ۲٫۵۰ ایکڑ خشکی کی اراضی رکھنے والے کسان آتے ہیں۔ زرعی مزدوروں میں ان اشخاص کا شمار ہوتا ہے جو اپنی ذاتی اراضی تو نہیں رکھتے لیکن ان کی کمائی کا ۵۰ فیصد حصہ کھیتوں میں مزدوری سے حاصل ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں معاشی بہتری کے لئے جو پروگرام تشکیل دئے گئے ہیں وہ وسیع دائرہ اثر کے حامل ہیں ۔ زرعی پروگراموں کے تحت کثیر پیداواری اقسام ، خشک دستکاری کی سرگرمیاں ۔ ترقیات اراضی ۔ کھیتوں کی زمین اور اسکی نمی کا تحفظ ۔ ریشم سازی ۔ پھولوں کی افزائش ۔ باغبانی اور پودوں کے تحفظ کے سامان کی فراہمی وغیرہ جیسے موضوعات آتے ہیں چھوٹی آبپاشی کا پروگرام ان اسکیمات پر مشتمل ہے ۔ بورویلز کی کھدائی ۔ آئیل انجنوں اور برقی موٹروں کی فراہمی اور سطح زمین پر واقع پانی کے استفادہ سے متعلق سرگرمیاں ۔ افزائش مویشیاں کی اسکیمات میں دودھیارے مویشیوں ۔مرغیوں ۔ بھیڑوں ۔ بطخوں اور سوروں کی مستحقین کو فراہمی اور انکی پرورش و پرداخت سے متعلق اقدامات کی عمل آوری شامل ہے۔

یہاں اس امر کی وضاحت کی جاسکتی ہیکہ یس ۔ یف ڈی ایجنسیاں ریاست کے پبلک سوسائٹیز رجسٹریشن قانون کے تحت رجسٹر کی ہوئی ہیں ۔ اضلاع کے کلکٹر متعلقہ یس یف ڈی ایجنسیوں کے صدر نشین بحیثیت عہدہ ہیں ۔ ایک ایجنسی کے دوسرے ارا کین یہ ہوتے ہیں ۔ ترقیاتی محکمہ جات کے صدور ضلع ۔ رہنما بینک کے نمائندے ۔ امداد باھمی مرکزی

بینکس اور آندھرا پردیش امداد باہمی مرکزی زرعی ترقیاتی بینک ۔ ریاستی سطح پر ایجنسیوں کی سرگرمیوں کا جائزہ چیف سکریٹری کی زیر صدارت تجزیاتی و تعمیلی کمیٹی میں لیا جاتا ہے ۔ اس طرح بلند ترین انتظامی سطح پر ایجنسیوں کی کارگزاری پر ایک نظر ثانی ڈالنے کا موقع میسر ہوتا ہے ۔

واضح رہے کہ ان ایجنسیوں کے دائرہ عمل کے علاقوں میں لگ بھگ ۱۰ لاکھ چھوٹے اور مارجینل کسان موجود ہیں ۔ اس تعداد میں سے تقریباً ۶،۵۲ لاکھ چھوٹے کسانوں مارجینل کسانوں اور زرعی مزدوروں کی شناخت ایجنسیوں کی جانب سے عمل میں لائی گئی ہے اور مختلف مالیاتی بینکوں سے انکو سفارشات کے ساتھ رجوع کیا گیا ہے ۔ اسکیم کے آغاز سے اب تک ۳۰،۲۶ کروڑ روپیوں کی خطیر رقم قرضوں کے طور پر اجرا کی جاچکی ہے ۔ یہاں اس امر کا خصوصیت سے بیان کیا جاسکتا ہیکہ چوتھے منصوبے کے دوران تنظیم پائی ہوئی ایجنسیوں نے ۵۸۷،۰۰ لاکھ روپیوں کی اجرا شدہ رقم میں سے ۵۳۶،۵۹ لاکھ روپیوں کو کام میں لایا ہے ۔ اس طرح پانچویں منصوبے کی مدت میں ایجنسیوں کے لئے ۲۰۱۵،۰۰ لاکھ روپیوں کے اخراجات کی گنجائش منظور کی گئی ہے ۔ اگسٹ ۱۹۷۷ کے ختم تک ایجنسیوں کی جانب سے ۳۸۹،۲۲ لاکھ روپیوں کے اخراجات عمل میں لائے جاچکے ہیں ۔

چوتھے اور پانچویں منصوبوں کے دوران میں یہ ایجنسیاں قابل لحاظ تبدیلیوں سے دو چار ہوئی ہیں ۔ چوتھے منصوبے کی مدت کے دوران میں چھوٹے کسانوں ۔ مارجینل کسانوں اور زرعی مزدوروں کے لئے علحدہ علحدہ ایجنسیاں سرگرم عمل تھیں ۔ لیکن پانچویں منصوبے کے زمانے میں انکی سرگرمیوں کی حیثیت اس لحاظ سے " جامع " ہوگئی کہ یہ بیک وقت تینوں زمروں کے کسانوں کا احاطہ کرنیکے قابل بن گئیں ۔ پھر یہ کہ چوتھے منصوبے کے زمانے میں ترقی یافتہ زراعت پر زور دیا جاتا تھا لیکن پانچویں منصوبے کے دوران میں فصل کی ابتدائی نشو نما اور دیکھ بھال پر توجہ مرکوز کی جارہی ہے ۔ علاوہ ازیں ملک کے مختلف حصوں میں چھوٹے کسانوں ۔ مارجینل کسانوں اور زرعی مزدوروں کی اصطلاحات کی تعریف میں اختلاف موجود تھا جسکو رفع کرکے پورے ملک کے لئے ایک ہی معیار مقرر کردیا گیا ہے ۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہیکہ حالیہ کچھ عرصے سے چھوٹے کسان کی فلاح و بہبود اور بڑھاوے کو زبردست اہمیت دی جارہی ہے اور اس امر کی قوی توقع ہیکہ آنیوالے برسوں میں ہمارا چھوٹا کسان زرعی معشیت کی بہتری اور استحکام میں فیصلہ کن کردار ادا کریگا ۔

* * *

آندھرا پردیش میں اصلاحات اراضی

زراعت ہمارے کروڑوں برادران وطن کا ذریعہ معاش ہے
ر ہماری سماج کا سب سے بڑا طبقہ کاشتکاروں پر مشتمل ہے ۔
، لئے اس طبقے کی پریشانیاں اور مصیبتیں ہمارے پورے
ج پر اثر انداز ہوتی ہیں ۔ ایک کاشتکار کا سب سے بڑا سہارا
کی اپنی زمین ہوتی ہے ۔ اگر یہ سہارا اس کے پاس موجود
ہو تو وہ اپنے آپکو معذور و مفلوج محسوس کرتا ہے اور
کا یہ احساس ہماری دیہی معیشت کی ترقی کی راہ میں ایک
دست رکاوٹ بن جاتا ہے ۔ ایک کسان کو معذور اور بے بس
نے میں سب سے بڑا ہاتھ نظام زمینداری کا تھا ۔ چند زمیندار
ن کے مالک بن کر مادر گیتی کے حقیقی فرزندوں کے جائز
وق غصب کر بیٹھے تھے ۔ اس ظلم و زیادتی کے قلع قمع کے
سب سے پہلے نظام زمینداری کا خاتمہ کیا گیا اور بالآخر
ضی مقبوضوں کی حد بندی کے متعلق ریاست میں قانون تحدید
ضی منظور و نافذ کیا گیا ۔

اس قانون کے تحت (۱۰) ایکڑ تری یا (۲۵) ایکڑ خشکی
اراضی کے مالکین کے لئے لازمی گردانا گیا کہ وہ اپنی مقبوضہ
ضیات کے متعلق کاکٹروں کے تحت قائم کی ہوئی ابتدائی
یونلوں میں اطلاعنامے داخل کریں چنانچہ۲۴۴۲۴۴اطلاع نامے
ل کئے گئے جنکی تحقیقات کے لئے ۸۶ ٹریبیونلس تشکیل
گئیں ۔ ابتدائی تحقیقات اور اطلاعناموں کی تنقیح
لئے اور اپنی تحقیقاتی رپورٹیں ٹریبیونلوں کو پیش کرنے کیلئے
۳) نائب تحصیلداروں کی جائدادیں منظور کی گئیں اور
پر تقررات عمل میں لائے گئے ۔ نائب تحصیلداروں کی
تی رپورٹوں کی نقلیں متعلقہ داخل کنندگان اطلاعنامہ جات
بھی فراہم کی گئیں ۔ ہر شہری کو یہ حق دیا گیا کہ وہ
قہ اطلاع ناموں کے متن کے متعلق اپنی معلومات کی
ن پر ٹریبیونل کے سامنے اپنے نقطہ نظر کی نمائندگی کرسکتا
۔ اسطرح اس قانون کی عملی آوری میں عوام کو پوری طرح
شامل کرلیا گیا ہے ۔ ۳۱ ۔ اگست ۱۹۷۷ تک ٹریبیونلوں
۲۳۹۹۲۱ مقدمات کا تصفیہ کردیا ہے ۔ ان میں سے
۵۵۵ کو " فاضل " اور ۱۵۴۴۷۳ کو " غیر فاضل "
قرار دیا گیا ہے ۔ ٹریبیونلوں کے تصفیوں کے نتیجے میں ۱۰۴۰۳۹
ایکڑ تری اراضی اور ۱۳۹۸۳۱۵ ایکڑ خشکی کی اراضی فاضل برآمد
ہوئی ہے ۔

قانون کی عمل آوری میں عدل و انصاف

اطلاعنامے داخل کرنیوالوں کو اپنے مقدمات کی پوری
پوری نمائندگی کے مواقع فراہم کئے گئے ہیں تاکہ فیصلے
عدل و انصاف کے مطابق ہوں ۔ وہ وکلاء مقرر کرسکتے ہیں
انکے لئے ہر ضلع میں قائم مرافع ٹریبیونل میں اپیل کی گنجائش
رکھی گئی جسکا افسر اعلی ریاستی عدلیہ کی خدمات سے تعلق
رکھتا ہے اور رتبے میں ڈسٹرکٹ جج کے مساوی ہوتا ہے ۔
اس ٹریبیونل کے فیصلوں کے خلاف حکومت اور خانگی فریقین
دونوں کو ہائی کورٹ میں نظر ثانی کی درخواست پیش کرنیکا
حق حاصل ہے ۔ اب تک مرافع ٹریبیونلوں کے پاس حکومت
کی جانب سے ۲۱۴۹ مرافعے اور فریقین کی جانب سے ۳۰۹۹۲
مرافع پیش کئے گئے ہیں ۔ مرافع ٹریبیونلوں نے اب تک
(۳۴۶۵) اپیلوں کا اطلاعنامے داخل کرنیوالوں کے حق میں اور
(۱۶۳۸) اپیلوں کا حکومت کے حق میں فیصلہ کیا ہے ۔ ان
فیصلوں سے اور ایک بڑی تعداد میں اطلاعناموں کو
" غیر فاضل " قرار دئے جانیکے عمل سے اس غیر جانبداری کا
ثبوت فراہم ہوتا ہے جسکے تحت حد بندی کی مشنری ابتدائی
ٹریبیونلوں اور مرافع ٹریبیونلوں دونوں سطحوں پر اپنی کارروائیاں
روبہ عمل لارہی ہے ۔ عاملہ کے کسی بھی عہدہ دار کو اس
قانون کی عمل آوری میں کسی بھی سطح پر مداخلت کا قطعاً
اختیار نہیں ہے ۔

یہ تصفیہ کیا گیا ہیکہ مرافع ٹریبیونلوں میں زیر سماعت
مقدمات کی اراضیات کو تا تصفیہ حکومتی قبضہ میں نہ لیا
جائے خواہ ابتدائی ٹریبیونلوں نے ان اراضیات کو فاضل ہی
کیوں نہ قرار دیا ہو ۔ ان مرافعوں کے تحت تری کی (۱۲۸۸ء)
ایکڑ اراضیات اور خشکی کی (۸۹۵۵۲۶) ایکڑ اراضیات تصفیہ
طلب ہیں چنانچہ سابقی رقبہ جس پر قبضہ کیا جاسکتا ہے وہ
(۳۳۲۵۲) ایکڑ تری اور (۵۰۰۲۸۳۰) ایکڑ خشکی پر مشتمل

ہے - مرافعہ کے مراحل سے گذرنے کے بعد بھی قانون میں بہت سے تحفظات موجود ہیں جیسے کہ متعلقہ اراضیات سے متعلق نوٹسوں کی اشاعت وغیرہ تا کہ سرکاری قبضے میں دی جانیوالی اراضیات میں اگر کسی کا کوئی مفاد یا ادعا ہو تو اسکو اپنے ادعا سے متعلق عذر داری کی پیش کشی کی سہولت میسر ہوسکے ان قانونی نوٹسوں کی اجرائی اور اشاعت کے بعد ہی جس میں کافی وقت لگ جاتا ہے اراضیات کو سرکاری تحویل میں لیا جاسکتا ہے - چنانچہ یہ ظاہر ہوگیا کہ اراضیات کو حکومتی تحویل میں لینے سے قبل مالکین کو عدل و انصاف کے حصول کی پوری پوری سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں - حکومت نے اب تک (۱۶۱۰۶) ایکڑ تری اراضیات کو اور (۲۳۰۸۴۶) ایکڑ خشکی کی اراضیات کو اپنی تحویل میں لیا ہے-

فاضل اراضیات کی تفویض

حکومت کے قبضہ میں آجانیکے بعد قانون کے منشاء کے مطابق فاضل اراضیات کو سماج کے سب سے زیادہ مستحق افراد کو حوالے کردینے کے انتظامات روبہ عمل لائے جاتے ہیں - قانون کے مطابق یہ اراضیات رہائشی جگہوں کے طور پر ایسے زرعی مزدوروں کو، دیہی صناعوں کو اور غریب دیہاتیوں کو دی جاسکتی ہیں جنکے پاس رہائشی جگہیں یا مکانات نہیں ہیں یا پھر عوام کے ایسے کمزور طبقات کے حوالے کی جاسکتی ہیں جن کی گذر بسر زراعت پر ہے - فاضل اراضیات کی تقسیم میں اس امر کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ تقسیم شدنی اراضی کے مجموعی رقبے کا نصف حصہ درج فہرست ذاتوں اور درج فہرست قبائل کے حصے میں آئے اور پسماندہ طبقات کے حصے میں ماباقی رقبے کے دو اور ایک تہائی حصے سے کم اراضی نہ آنے پائے -

اب تک تعلقہ مشاورتی کمیٹیوں کی تجاویز کے مطابقت میں ۱۸۵۹۱ ایکڑ تری اور ۱۳۷۰۲۰ ایکڑ خشکی اراضی جملہ ۹۳۷۲۶ مستحقین کو تفویض کی جاچکی ہے جن میں سے ۴۸۶۷۹ کا تعلق درج فہرست ذاتوں سے - ۱۸۰۵۶ کا درج فہرست قبائل سے - ۲۲۳۶۵ کا پسماندہ طبقات سے اور ۴۶۲۶ کا دوسرے طبقات سے ہے -

اس امر کی ضمانت کے حصول کے لئے کہ فاضل اراضیات پانے والے اشخاص بلا کسی رکاوٹ کے اپنی اپنی زمینات پر قانونی اور حقیقی حقوق سے بہرہ یاب ہوسکیں - کمشنر اصلاحات اراضی نے کلکٹروں سے درخواست کی ہے کہ وہ خود ذاتی طور پر اور محکمہ مالگزاری کے عملے کے ذریعہ معائنہ کروا کر یہ یقین حاصل کرتے رہیں کہ تفویض کی ہوئی اراضیات پر سے نئے پٹے داروں کو کسی حیلے سے دخل نہ کیا جاسکے - اسکے علاوہ موضع - تعلقے اور ڈیویژن کی سطح کے رجسٹر تیار کئے گئے ہیں جن میں ضروری اندراجات روبہ عمل لائے گئے ہیں اور مالگذاری کے عملے کو پابند کیا گیا ہیکہ وہ اپنے دوروں میں ان رجسٹرات کا معائنہ کرتے رہیں -

مالیہ کی سہولت اور امداد

یہ بات سب جانتے ہیں کہ فاضل اراضیات پانیوالے اشخاص اقتصادی اعتبار سے خستہ حال ہوتے ہیں اور اس لئے کسی بیرونی امداد یا قرض کے بغیر زرعی سرگرمیاں جاری نہیں کرسکتے - چنانچہ کلکٹر ان کی '' قرضہ جاتی امداد باھمی انجمنوں ،، کی تشکیل عمل میں لارہے ہیں اور جہاں نہیں ممکن ہوسکتا ہے انکے لئے اداره جاتی مالیہ کی فراھمی کے انتظامات کر رہے ہیں - اسطرح انکو دیہی ساہوکاروں کے چنگل میں پھنسنے اور اپنے مقبوضوں کو خطرے میں ڈالنے سے بچایا جا رہا ہے - حتی المقدور مالی امداد کی فراھمی کے علاوہ زراعت کے لئے درکار ضروری اشیاء کے حصول میں بھی انکی ممکنہ اعانت کی جارھی ہے -

کسی نے کیا خوب کہا ہیکہ کوئی بھی قانون اسی وقت اپنا کام کرسکتا ہے جبکہ با شعور عوام اپنی عقابی نظریں اس قانون پر جمائے رہیں اور اس امر کی نگرانی کرتے رہیں کہ قانون کی عمل آوری ٹھیک ٹھیک ہو رہی ہے یا نہیں - اس قسم کی نگرانی اور چوکسی کے بغیر چاھے کتنے ھی قوانین بنا ڈالئے سماجی انصاف حاصل نہ ہوسکے گا - اس لئے عوام کو بھی اس ضمن میں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ہے -

* * * *

ومسادھر پراجکٹ

مسٹر جے ۔ وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۲۹۔ ستمبر ۱۹۷۷ کو ومسادھر پراجکٹ کے پہلے مرحلے کا افتتاح کیا اور اس کے گوٹا بیریج سے پانی چھوڑا ۔ ذیل میں ومسا دھر پراجکٹ سے متعلق کچھ تفصیلات بیان کی گئی ھیں ۔

موضع گوٹا کے قریب ومسا دھر پر ایک اینی کٹ کی تعمیر کی تجاویز پر متعدد مرتبہ غور و خوض کیا گیا لیکن زمینداروں کے غیر مفاھمانہ رویئے اور عدم تعاون کے باعث ان تجاویز کو روبہ عمل نہ لایا جاسکا ۔ زمیندار اس اسکیم کی عمل آوری کے لئے محصول آب کی ادائی کے واسطے تیار نہیں تھے ۔ زمینداری کے خاتمے پر ومسا دھر پراجکٹ کے بارے میں از سر نو غور کیا گیا اور اس سے متعلق تفصیلی تحقیقات کا کام آغاز کیا ۔

تفصیلی تحقیقات کے نتیجے میں یہ بات سامنے آئی کہ صرف اینی کٹ کی تعمیر سے کام نہیں چلے گا اس لئے کہ ندی میں بہنے والا کم مقدار پانی آبپاشی کی ضروریات کو پورا نہیں کرسکتا تھا اور نہ ھی اس پانی سے پورا پورا استفادہ کیا جاسکتا تھا ۔ چنانچہ پانی کی ھمہ وقتی دستیابی کے لئے ایک خزانہ آب کی تعمیر کو ضروری خیال کیا گیا ۔

سال ۱۹۵۱-۵۲ میں جو ابتدائی تحقیقات روبہ عمل لائی گئیں انکے مطابق سنگڑی ۔ مونا پورم اور گوٹا یا ھیرا منڈلم کو خزانہ آب کے قیام کے لئے امکانی مقامات خیال کیا گیا تھا ۔

جون ۱۹٦۸ میں ایک بین ریاستی کانفرنس بھبکنڈ میں منعقد ھوئی جس میں جولائی ۱۹۵٦ میں ایک اور منعقدہ کانفرنس میں کئے ھوئے تصفیے کی مطابقت میں گوٹا خزانہ آب کے بارے میں فیصلہ کیا گیا اور حکومت آندھرا پردیش نے ریاستی حکومتوں کے درمیان ۷ ۔ جولائی ۱۹۵٦ کو تکمیل پائے ھوئے معاھدے کی روشنی میں گوٹا خزانہ آب کی تعمیر کا کام شروع کرنا طئے کیا ۔

بعد میں ایسی دیہی پنچائتوں کی جانب سے ۱۹٦۸ میں نمائندگیاں وصول ھونے پر جنکی وسیع اور قیمتی اراضیات گوٹا میں زیر آب آجا رھی تھیں متبادل مقام کی تلاش کا آغاز کیا گیا اور تحقیقات کے بعد موضع ھیرا منڈلم کے قریب ومسا دھر ندی کی ایک چھوٹی وادی میں خزانہ آب کے قیام کا فیصلہ کیا گیا ۔ جبکہ ھیرا منڈلم خزانہ آب کے سلسلے میں تحقیقاتی کام جاری تھا ، مرکزی وزیر برائے آبپاشی و برق شری کے ۔ یل راؤ نے چیف انجینیر آبپاشی کے ھمراہ ڈسمبر ۱۹٦۸ میں ومسا دھر پراجکٹ کا معائنہ کیا اور یہ تصفیہ کیا گیا کہ اس عظیم پراجکٹ کو دو مرحلوں میں مکمل کیا جائے ۔

ومسادھر ندی

ومسادھر ندی ریاست اڑیسہ میں ''بھمسادھر ،، کے نام سے جانی جاتی ھے ''اوریا ،، زبان میں ''بھمسا ،، کے معنی بانس کے ھیں اور چونکہ یہ ندی اڑیسہ میں بانسوں کے جنگل سے نکلتی ھے اس لئے وھاں اسے ''بھمسادھر ،، کا نام دیا گیا ھے ۔ آندھراپردیش میں اس ندی کا آغاز مشرقی گھاٹ میں '' بیسم،، کے مقام سے ھوتا ھے جو ریاست اڑیسہ کے ضلع ''کوراپٹ،، کی ''جیسپور ،، زمینداری کے تعلقہ '' کٹک ،، میں واقع ھے ۔ اس ندی کو شمال مشرق اور جنوب مغربی دونوں مانسونوں سے ھونیوالی بارش سے وافر مقدار میں پانی دستیاب ھوتا ھے ۔ اسکے آس پاس کے علاقے میں ھونیوالی بارش کا سالانہ اوسط تقریباً ۴۷ ڈگری ھے ۔ یہ ندی ریاست اڑیسہ اور ریاست آندھرا پردیش کے علاقوں میں بہتی ھوئی ضلع سریکاکلم کے ساحل پر واقع بندرگاہ ''کلنگا پٹنم ،، کے مقام پر خلیج بنگال میں جا گرتی ھے ۔ اس کے بہاؤ کا جملہ رقبہ ۴۱٦٠ مربع میل ھے جس میں سے ۳۵۰۰ مربع میل اڑیسہ میں واقع ھے اور سابقی

۶۶ مربع میل ریاست آندھرا پردیش میں ہے ۔

وسادھر ندی کا بیسن (Basin) شمال میں مہا ندی بیسن اور مغرب میں " لنگویا " بیسن سے گھرا ہوا ہے ۔ اس ندی کا بیسن اپنے منبع سے موضع "بیتیلی " (آندھراپردیش) تک ۵۰ میل وسیع ہے۔ اسکے بعد بتدریج تنگ ہوتا ہوا " ہیراسنڈلم پر ۱۰ میل رہ جاتا ہے۔ اس ندی کا اپنے منبع سے دھانے تک جملہ طول ۱۰۵ میل ہے۔ اسکو اپنے منبع سے موضع "بیتیلی " تک متعدد چھوٹی معاون ندیوں سے پانی حاصل ہوتا ہے لیکن موضع "بیتیلی کے بعد اس کی لائق اہمیت معاون ندی صرف " سہندرتانیا " ہے جو "پارلا کھیمدی " کے قریب سے بہتی ہوئی موضع "گوٹا " سے تقریباً ۳ میل اوپر بائیں جانب وسادھر میں آملتی ہے۔ موضع "گوٹا " پر اس ندی کے بہاؤ کا کل رقبہ ۳۵۰۷ مربع میل ہوجاتا ہے۔

وساد ھر پراجکٹ

وسادھر ندی پر ایک آبپاشی پراجکٹ کی تعمیر کے لئے متعدد مرتبہ اور مختلف مقامات پر تحقیقات عمل میں لائی گئیں ۔ نئی تجاویز کے جائزے کے بعد آخر کار ۱۹۶۹ میں یہ طے پایا کہ وسادھر ندی کے پانی کو دو مرحلوں میں روکا جائے ۔

پہلا مرحلہ

اس مرحلہ کے تحت وسادھر ندی پر گوٹا کے مقام پر ایک بیریج کی تعمیر اور بائیں جانب ایک ۶۷ میل طویل نہر کی کھدائی رکھی گئی تا کہ ضلع سریکا کلم کے تعلقہ جات بتھاپٹنم ۔ نرسناپیٹھ اور ٹیکالی میں واقع ۱۴۸۰۰۰ ایکڑ رقبہ کو سیراب کرنیکی گنجائش مہیا کی جائے ۔ اس کام کے لئے ۱۹۶۸ میں اخراجات کا ابتدائی اندازہ ۳۷۷،۶۴۵ لاکھ روپیہ تھا ۔ پھر ۱۹۷۲-۷۳ میں کی گئی پہلی نظر ثانی کے مطابق اخراجات کا تخمینہ ۱۸۲۹،۱۹۳ لاکھ روپیہ ہو گیا ۔ ۱۹۷۶-۷۷ میں کی گئی نظر ثانی اور مرکزی آبی کمیشن کے تبصرے کے لحاظ سے آج کی تاریخ تک اخراجات کا تخمینہ ۲۹۵۰ لاکھ روپیہ ہوتا ہے۔ اس مرحلے سے صرف وسادھر ندی کے بائیں جانب کے آیا کٹ کو فائدہ ہوگا ۔ پراجکٹ کے مرحلہ نمبر (۱) میں پانی جمع کرنیکے لئے کسی ذخیرہ کی تعمیر شامل نہیں ہے۔ یہ صرف ندی سے پانی کی سمت موڑنے میں مددگار ہے۔ ذخیرہ آب کے لئے گنجائش دوسرے مرحلے میں رکھی گئی ہے۔

پہلے مرحلے میں گوٹا کے قریب وساد ھر ندی پر ایک بیریج کی تعمیر اور بائیں جانب ایک نہر کی کھدائی شامل ہے جو پانی کو ۶۷ میل ۵ فرلانگ کی دوری تک لے جائیگی ۔ گوٹا بیریج کی تعمیر کے بعد لانبائی ۱۵۶۱ فیٹ ہے۔ افتادہ پانی کی سطح مثبت ۱۲۵ فٹ ہے ۔ اور اس سے ۳۲۶۰۰ "سی ۔ ایس " کی مقدار میں پانی کی نکلسی کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ بیریج کے مقام پر تاس کا رقبہ ۳۵۰۷ مربع میل ہے ۔ بیریج میں پانی کی نکلسی کے لئے ۲۲ خانے ہیں جن میں ۱۵۶۰ فٹ کی جسامت کے نیم قطری شکل کے دروازے لگے ہوئے ہیں ۔ بائیں نہر گوٹا بیریج کے بائیں بازو سے نکلتی ہے۔ نہر کی سطح کی چوڑائی ۹۶ فٹ ہے۔ نہر سے مستفید ہونیوالا آیا کٹ رقبہ ۱۴۸۲۲۸ ایکڑ ہے جس میں چھوٹے کنٹوں اور کھلی نہروں کے تحت کا ۹۸۴۹۴ ایکڑ رقبہ بھی شامل ہے ۔

دروازوں کی تنصیب کے بشمول گوٹا بیریج کی تعمیر مکمل ہوچکی ہے۔ پہلے مرحلے کے تحت ترجیجی علاقہ کے ۵۸۰۰ ایکڑ رقبے تک پانی کی رسائی کے لئے بائیں بڑی نہر کی کھدائی ۲۴ میل تک عملی طور پر مکمل ہو گئی ہے۔ اور عزتمآب چیف منسٹر صاحب نے ۱۰۰ "سی یس "کی مقدار میں پہلی مرتبہ بیریج سے پانی کی نکلسی کا افتتاح کیا ہے ۔ سال ۱۹۷۷-۷۸ کے لئے پراجکٹ کے واسطے ۵۰۰ لاکھ روپیوں کی منظوری فراہم کی جاچکی ہے۔ اور آئندہ سالی سال کے واسطے درکار مالی امداد بھی جلد ہی ملجانے والی ہے ۔

پراجکٹ کے پہلے مرحلے پر کام کی ابتدا ۱۹۶۹-۷۰ میں ہی کی جاچکی تھی لیکن اس سلسلے میں ۱۹۷۳-۷۴ تک کچھ زیادہ پیش رفت نہ ہوسکی اور اس وقت تک صرف ۲۷۶۰،۱۲ لاکھ روپیہ کی حدتک اخراجات کئے گئے ۔ پانچویں منصوبے کے آغاز سے کام کی رفتار میں تیزی پیدا ہوئی اور اب تک اس پراجکٹ کے پہلے مرحلے پر جملہ تقریباً ۱۰۲۷،۲۰ لاکھ روپیہ خرچ کئے گئے ہیں ۔ سرمائے کی فراہمی کے تیقن اور درکار سہولتوں کی دستیابی کی بناء پر یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ پراجکٹ کا پہلا مرحلہ ۱۹۸۰ تک تکمیل کو پہنچ جائے گا ۔

اس پسماندہ علاقے کی ترقی کی رفتار میں تیزی پیدا کرنیکی نیت سے مرکزی آبی کمیشن کی اجازت اور ریاستی حکومت سے تخمینہ اخراجات کی متوقع منظوری کے پیش نظر پراجکٹ کے دوسرے مرحلے پر بھی کام کا آغاز کردیا گیا ہے۔ سال ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران میں دوسرے مرحلے کے لئے ابتدائی کارروائیوں کے آغاز کی منظوری ریاستی حکومت نے دیدی ہے۔ اور اس سلسلہ میں تقریباً ۲۲ لاکھ روپیہ کے اخراجات عمل میں لائے جاچکے ہیں ۔ مرحلہ دوم کے اخراجات کا تخمینہ قطعیت پاجانے کے قریب ہے اور جلد ہی پوری رفتار کے ساتھ اس اسکیم کی عمل آوری شروع کردی جائیگی ۔

وسادھر پراجکٹ کی تعمیر سے اس پسماندہ علاقہ کے عوام کی برسوں سے وابستہ توقعات کی تکمیل ہو گی ۔ اور اس علاقہ کی سماجی و اقتصادی ترقی کے لئے راہ ہموار ہو جائیگی ۔

چھوٹی صنعتوں کو بڑھاوا

آج آندھرا پردیش چھوٹی صنعتوں کے فروغ اور ارتقاء کے میدان میں نئی منزلوں اور عظیم تر نشانوں کی جانب رواں دواں ہے ۔ کچھ عرصے سے اضلاع کی سطح پر پرزور صنعتی مہموں کے اہتمام ۔ خود روزگار اسکیموں کی توسیع و ترقی اور وسیع پیمانے پر ترغیبات کی پیش کشی کی بدولت ریاست کو صنعتیانے کی رفتار پر زبردست موافق اثرات مرتب ہوئے ہیں ۔

آئیے ذرا ان پرزور مہمات پر ایک نظر مکرر ڈال لیں جو چھوٹی صنعتوں کی سرعت انگیز ترقی کے لئے شروع کی گئیں ۔

یاد ہوگا کہ اس حکمت عملی پر ابتداً عمل پیرائی ۱۹۷۵-۷۶ میں آغاز کی گئی اور ریاست بھر میں تقریباً ۶۳۰۰ صنعتی یونٹوں کی رجسٹری روبہ عمل لائی گئی ۔ ان میں سے ۱۱۶۰ یونٹوں کو ۳۰۲ لاکھ روپیوں کے سرمائے سے کھڑا کردیا گیا ۔ اس اسکیم کو مزید کار کرد بنانے کی نیت سے ۱۹۷۶-۷۷ میں اس اسکیم سے متعلق اختیار کردہ حکمت عملی میں تھوڑی سی ترمیم روبہ عمل لائی گئی یعنی یہ کہ کسی صنعت کار کو اس مہم کے تحت کوئی صنعتی یونٹ کے قیام کی اجازت کے سلسلے میں پہلے اسکے فطری رجحان کا پتہ چلا لینے کو مقدم قرار دیا گیا ۔ اس سلسلے کی پہلی مہم جولائی ۱۹۷۶ میں تروپتی میں شروع کی گئی اور مارچ ۱۹۷۷ کے ختم تک ریاست کے پورے (۲۱) اضلاع کا لحاظ کرلیا گیا ۔

ان مہمات کے دوران میں ۳۵۲۳ صنعتی یونٹوں کی ساخت عمل میں لائی گئی جن میں ۲۸٫۲۳ کروڑ روپئے مصروف کرنے کی گنجائش تھی اور تقریباً ۲۱۰۰۰ افراد کے لئے فراہمی روزگار کے مواقع تھے ۔ اس سلسلے میں صنعت کاروں کی جانب سے ابتداً میں ظاہر کردہ جوش و خروش کو برقرار رکھنے اور آئندہ درپیش آنیوالی رکاوٹوں کو دور کرنے آندھرا پردیش کی صنعتی ترقی کے لئے ماضی قریب میں خاص طور پر بہت سی ترغیبات کا اعلان کیا گیا ہے ۔ واضح رہے کہ ان ترغیبات پر عمل آوری جنوری ۱۹۷۶ سے شروع کردی گئی ہے ۔ ان ترغیبات کے نمایاں خد و خال یہ ہیں ۔ مرکزی امدادی علاقوں کو چھوڑ کر پسماندہ علاقوں میں شروع کیجانیوالی صنعتوں کے لئے چھ نکاتی فارمولے کے تحت اصل سرمایہ میں (۱۰) فیصدی کی مدد ۔ محصول فروخت کی ادائی کے لئے بلا سودی قرض کی منظوری اور فنی افراد کی جانب سے قائم کی جانیوالی نیز خود روزگار اسکیات کے تحت کام کرنیوالی یونٹوں کے تعلق سے ادائیگی سود میں امداد ۔ ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران میں ۲۱۷ یونٹوں کو ۵٫۱ لاکھ روپئے کی مقدار میں مالی امداد بہم پہنچائی گئی جو کسی ایک سال میں ریاستی ترغیبات کی اسکیم کے تحت دی جانیوالی سب سے بڑی رقم ہے اسکے علاوہ آندھرا پردیش اسٹیٹ الکٹرسٹی بورڈ نے ریاست میں کسی بھی مقام پر شروع کردہ نئی صنعتوں کی جانب سے خرچ کی ہوئی برق پر ۲۰ فیصد کٹوتی دینے سے اتفاق کرلیا ہے ۔

یہاں پر مرکزی امدادی اسکیم پر ایک نظر ثانی ڈال لینا بے جا نہیں معلوم ہوتا ہے ۔ حکومت ہند نے بعض ریاستوں کو پسماندہ ریاستیں قرار دیا ہے اور ان ریاستوں کے بعض علاقوں میں صنعتوں کے فروغ کے لئے سرمایہ اصل میں امداد کی منظوری پر غور کرنا طے کیا ہے ۔ اضلاع چتور ۔ کڑپہ ۔ اننت پور ۔ کرنول ۔ پرکاشم ۔ میدک ۔ کریم نگر ۔ ورنگل ۔ کھمم ۔ نلگنڈہ ۔ محبوب نگر ۔ نظام آباد اور سریکاکلم کے کچھ علاقوں کا پلاننگ کمیشن کی جانب سے صنعتی ترقی کی پرزور سرگرمیوں کے لئے تعین کیا گیا ہے ۔ جہاں قائم ہونیوالی تمام نئی صنعتوں کو ۱۰ فیصد کی حد تک اصل سرمایہ میں مرکزی مالی امداد کی بھی منظوری کی گنجائش رکھی گئی ہے ۔ چنانچہ ۱۹۷۴-۷۵ میں ۱۵۹ یونٹوں کے واسطے ۵۲٫۲۲ لاکھ روپئے کی امداد منظور کی گئی تھی ۔ اسکے مقابلے میں ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران دیجانے والی امدادی رقم بڑھکر ۱۸۰٫۰۶ لاکھ روپئے اور امداد پانیوالی یونٹوں کی تعداد ۲۲۶ ہوگئی ۔

آج آندھرا پردیش کا صنعتی ماحول انتہائی ساز گار اور حوصلہ افزا ہے ۔ حالیہ برسوں میں حیدرآباد تیز رفتار صنعتی ترقی کا مرکز بن گیا ہے ۔ یہاں پر قائم مرکزی عوامی شعبے سے تعلق رکھنے والی بڑی بڑی اور پروقار صنعتیں جیسے بھارت ہیوی الکٹریکلس ۔ انڈین ڈرگس اینڈ فارماسیوٹیکلس ۔ ہندوستان مشین ٹولس کی ایک یونٹ ۔ الکٹرانکس کارپوریشن آف انڈیا اور ریاستی عوامی شعبے کی صنعتیں جیسے ریپبلک فورج کمپنی اور انڈو نپن پرسیشن بیرنگ اور ان کے علاوہ مشترکہ اور نجی شعبوں کے تحت متعدد پراجکٹس اس روز افزوں کشش کی شاہد ہیں جو اس مقام کو نئی نئی صنعتوں کے قیام کے لئے حاصل ہے ۔

یہ امر واقع ہیکہ آج آندھرا پردیش میں دلفریب اور پر کشش مواقع جفاکش ۔ مہم پسند اور ترقی کی امنگ رکھنے والے اشخاص کے انتظار میں ہیں ۔ یہ ریاست صنعت کاروں کو ان مواقع سے بھر پور استفادے کی پر خلوص دعوت دیتی ہے اور ان کے مستقبل کو روشن بنانے میں امکانی اعانت کا پیش کش کرتی ہے ۔

* * * * *

صحت سے متعلق اسکیات کی جدید طرز پر تشکیل و ترتیب

ہمارے پانچساں منصوبوں میں شامل صحت اور خاندانی منصوبہ بندی کے پروگراموں کا وسیع طور پر یہ مقصد ہیکہ صحت سے متعلق خدمات کو وسیع کر کے صحت جسمانی کے لئے مقررہ ایک اقل ترین معیار کے مطابق عوام کی صحت کو بتدریج بہتر بنایا جائے تاکہ ان کی کارکردگی میں اضافہ ہو اور ان کی پیداواری صلاحیتوں کو جلاء حاصل ہو۔ اس نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے برتر توجہ اور زور ایسی خدمات پر دیا جارہا ہے جو حفظ ما تقدم سے تعلق رکھتی ہیں۔ ہمارے پچھلے منصوبوں میں ماحول کی صفائی۔دیہی اور شہری علاقوں میں پانی کی سربراہی۔ متعدی امراض کی روک تھام کے لئے خصوصی پروگرام مرتب کئے گئے اور صحت سے متعلق خدمات کی فراہمی کے لئے صحت عامہ و طبابت کے عملہ کی مناسب تربیت کے انتظامات روبہ عمل لائے گئے اور اس عملہ کو بہبودی زچہ و بچہ، صحت مند اغذیہ اور صفائی وغیرہ سے متعلق تدابیر سے عوام کو واقفیت بہم پہنچانے کی تعلیم سے آراستہ کرنیکی گنجائش فراہم کی گئی۔

اس وسیع قومی پس منظر میں سال رواں (۱۹۷۷-۷۸) کے دوران آندھرا پردیش میں صحت سے متعلق بلند حوصلہ اسکیات کو روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ طبی نگہداشت۔ پروگرام متعلقہ اقل ترین ضروریات اور صحت عامہ سے وابستہ اسکیموں کے لئے سالانہ موازنے میں علی الترتیب ۲۱۵،۳۱ لاکھ روپیے - ۱۳۶،۰۰ لاکھ روپیے اور ۸۳،۰۰ لاکھ روپیے کی خطیر رقمی گنجائشات فراہم کی گئی ہیں۔ متعدد تعلقہ ہسپتالوں کو بلند درجہ بنایا جارہا ہے۔ اور اندرونی دیہی علاقوں میں واقع دور دراز مقامات کی ضروریات کو پورا کرنے کی خاطر نئے ہسپتالوں کی تعمیر کا کام سر انجام دیا جارہا ہے۔

بستروں کی تعداد میں اضافہ

پندرہ تعلقہ ہسپتالوں میں دانتوں کے علاج کی فراہمی کے انتظامات روبہ عمل لائے جارہے ہیں اور اس سلسلہ میں ہر تعلقہ ہسپتال کے لئے دانتوں کے ایک اسسٹنٹ سرجن کی تعیناتی روبہ عمل لائی جارہی ہے۔ اس سال کے دوران میں دواخانوں کے لئے بستروں کی تعداد میں جملہ ۵۱۷ بستروں کا اضافہ کیا جارہا ہے۔ اسکے علاوہ اضلاع سریکاکلم۔ اور راجمندری کے مستقر مقامات پر واقع ہسپتالوں میں فی ہسپتال ۵۰ بستروں کے اضافے کی بھی تجویز ہے۔ شہر حیدر آباد میں علاقہ شاہ علی بنڈہ کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک زچگی خانہ قائم کیا گیا ہے۔ جس میں ۲۵ بستروں کی گنجائش ہے۔

کمیونٹی ہیلتھ ورکرس کی اسکیم کا مدعا ہر ایک ہزار نفوس کی آبادی والے گاؤں میں ایک کمیونٹی ہیلتھ ورکر کی تعیناتی ہے جو اس گاؤں میں مستقل طور پر سکونت پذیر رہیگا۔ آندھرا پردیش میں قائم ابتدائی مراکز صحت میں سے ۱۰۶ مراکز میں فی مرکز ایک کے حساب سے ۱۰۶ زاید میڈیکل افسروں کی تقرری بھی مجوزہ پروگرام میں شامل ہے۔ جسکی عمل آوری اس سال کی جائیگی۔ ڈسمبر ۱۹۷۷ تک ۲۱۲۰ کمیونٹی ہیلتھ ورکرس کی تربیت کا کام مکمل کرلیا جائیگا اور جنوری ۱۹۷۸ سے ۲۱۲۰ ورکرس پر مشتمل ایک اور جماعت کو تین ماہ کی مدت تک تربیت دی جائیگی۔ یہ انتہائی بر فہم ور نتائج خیز اسکیم ہے جو حکومت ہند کی جانب سے مرتب کی گئی ہے۔ اور سال رواں کے دوران میں اس کی عمل آوری پر ۶۰ لاکھ روپیے کے اخراجات درپیش آئیں گے۔

ابتدائی مراکز صحت

اقل ترین ضروریات کے پروگرام کے تحت اضلاع مشرقی گوداوری اور وساکھا پٹنم کے قبائیلی علاقوں میں چار ابتدائی مراکز صحت کے قیام کی منظوری دی گئی ہے۔ یہاں پر اس امر کی وضاحت کی جاسکتی ہے کہ ریاست کے جملہ ۳۲۴ بلاکوں میں صرف یہ چار بلاک ایسے ہیں جن میں ابتدائی مراکز صحت قائم نہیں ہیں۔ ان بلاکوں میں ابتدائی مراکز صحت کے قیام سے ریاست کے جملہ ۳۲۴ بلاکوں میں مراکز صحت کے قیام کا کام مکمل ہوجائیگا اور مراکز کی کل تعداد ۳۲۴ ہوجائے گی۔ متذکرہ بالا چار مراکز کے تحت تین تین ذیلی مراکز کام کریں گے۔ جنکا تعلق کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام سے ہوگا۔ اسکے علاوہ قبائلی علاقوں کے ۱۰ مراکز کے لئے عمارتیں بھی تعمیر کی جارہی ہیں اس لئے کہ ان مراکز کی اپنی عمارتیں نہیں تھیں۔

اس سال کے دوران میں ایک اہم اقدام یہ کیا گیا ہے کہ غیر مقیم مریضوں کے علاج کے لئے خریدی ادویہ کی خاطر گذشتہ سال کی منظورہ رقم ۵۰ لاکھ روپئے کے مقابلے میں اس سال مختلف دواخانوں کے واسطے مختص کردہ رقم کو بڑھا کر ۷۶ لاکھ روپیے کردیا گیا ہے اور ادارہ جاتی خامیوں جیسے عملہ وغیرہ کی کمی کے مسئلہ سے نمٹنے کے لئے ریاستی حکومت نے ایک موزوں پالیسی مدون کی ہے اور اس سلسلہ میں ۱۳۰ لاکھ روپیے کی رقمی گنجائش مختص کی گئی ہے۔

اس تعلق سے اگر اسٹیٹ ہیلتھ ایجوکیشن بیورو کی جانب سے شروع کردہ صحت سے متعلق تعلیمی اسکیمات پر بھی اگر نظر ڈالی جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ اسٹیٹ ہیلتھ ایجوکیشن بیورو کی جانب سے پہلی مرتبہ خالصتاً ہندوستانی ریلویز کے نیم طبی عملے کو تغذیہ اور علم صحت کے بارے میں تربیت دینے کا ایک بے مثال پروگرام شروع کیا گیا ہے اور اس کے ماسوا محکمہ میں صحت سے متعلق جو عملہ ہے اس کی بھی تربیت و تعلیم کے انتظامات روبہ عمل لائے گئے ہیں۔ آندھرا پردیش کے ایم۔ اے (آخری) کے طلباء کے دو گروہوں کے لئے صحت اور کمیونٹی سرگرمیوں کی تربیت کا اہتمام کیا گیا۔ اسٹیٹ ہیلتھ ایجوکیشن بیورو کی جانب سے گورنمنٹ ہاسپٹل نامپلی میں ہیلتھ ایجوکیشن اور طبی خدمات کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے سے متعلق ایک عدیم المثال اسکیم روبعمل لائی جارہی ہے۔ بیورو نے مختلف تعلیمی اداروں اور شہر کے محلوں میں عوام کو بیماریوں کی مدافعت اور امراض سے متاثر نہ ہونیکے قابل بنانے کے پروگرام کو بھی سر انجام دیا۔

مرکزی اور ریاستی حکومتوں کی اسکیمات کے تحت ملیریا۔ جذام اور چیچک کے خلاف جنگ میں بھی آندھراپردیش نے ماضی قریب میں زبردست اور لائق تحسین کارنامے انجام دیا دیۓ ہیں۔ سال رواں کے دوران میں ضلع نلگنڈہ کے لئے مرض ”فیل پا“ کی روک تھام کی ایک اسکیم زیر منظوری ہے۔ تقریباً ۰ لاکھ روپیے کے تخمینی اخراجات پر مبنی ایک اسکیم منظور کی گئی ہے۔ جسکے تحت اضلاع نلگنڈہ اور پرکاشم میں پینے کے پانی کی صفائی عمل میں لائی جائیگی۔

ہمیں قوی امید ہے کہ صحت سے متعلق اسکیات کی جدید طرز پر تشکیل و ترتیب سے آنیوالے برسوں میں عوام کی صحت پر بلا شبہ مثبت و مفید اثرات مرتب ہوں گے۔

* * * *

خاندانی منصوبہ بندی وقت کی اہم ضرورت ہے

گندے پیشوں میں مصروف افراد کے بچوں کے لئے حکومت ہند کے تعلیمی وظائف

حکومت ہند نے ایسے افرد کے بچوں کے لئے میٹرک کے تعلیمی وظائف کی منظوری کی ایک نئی اسکیم کا آغاز کی ہے جو خشک پائخانوں کی صفائی اور چمڑے کی دباغت وچھیلائی کے کاموں میں مصروف ھیں لیکن درج فہرست اقوام اور درج فہرست قبائل کے رکن نہیں ھیں ۔

یہ تعلیمی وظائف ہندوستانی قومیت رکھنے والوں کے لئے ھیں اور مسلمہ اداروں میں منظورہ پوسٹ میٹریکیولیشن اور پوسٹ سکنڈری نصابات کی تعلیم کے حصول کے لئے دیئے جائیں گے ۔

یہ وظائف تربیتی نصابات جیسے ایرکرافٹ ۔ انجینیرنگ کورس ۔ پرائویٹ پائیلیٹ لائسنس کورس ۔ ملٹری کالج دھرددون کے تربیتی نصابات کل ہند اور ریاستی سطح کے قبل از امتحانات تربیتی مراکز کے نصابات اور صنعتی تربیتی اداروں میں فنی نصابات کے لئے نہیں ھیں ۔

ان وظائف کے مستحق صرف وہ امیدوار ھیں جو درج فہرست اقوام و درج فہرست قبائل سے باھر خشک پائخانوں کی صفائی ۔ چمڑے کی دباغت اور چھیلائی کے کام کرنیوالوں سے تعلق رکھتے ھیں اور جو میٹریکسولیشن یا ھائیر سکنڈری یا اسکے مساوی اور بر تر امتحانات کسی مسلمہ یونیورسٹی یا بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن سے کامیاب کرچکے ھیں ۔

ایسے طلباء وظائف کے مستحق نہیں ھیں جو ھائر سکنڈری کی گیارویں کلاس یا ملٹی پر پز کی بارھویں کلاس میں زیر تعلیم ھیں اس لئے نہ یہ جماعتیں اسکول کے نصاب کا سلسلہ ھیں ۔ البتہ جہاں ایسے نصابات کی دسویں جماعت کے امتحان کو میٹریکیولیشن کے مماثل سمجھا جاتا ھے اور طلباء دسویں جماعت کامیاب کرلینے کے بعد دوسرے نصابات میں شریک ھوجاتے ھیں وھاں ایسے طلباء کو پوسٹ میٹرک کے طلباء سمجھا جائیگا اور وہ وظائف کے مستحق قرار پائیں گے ۔

ایسے طلباء ان وظائف کے مستحق نہیں ھوں گے جو ایک درجہ کامیاب کرنے کے بعد اس درجے میں مختلف مضامین کے ساتھ تعلیم حاصل کر رھے ھیں جیسے انٹر آرٹس جونیر کے بعد انٹر سائنس یا بی ۔ اے کے بعد بی ۔ کام یا ایک مضمون میں ایم ۔ اے کے بعد دوسرے مضمون میں ایم ۔ اے ۔

ایسے طلباء ان وظائف کے مستحق نہیں ھوں گے جو ایک پیشہ ورانہ نصاب کی تکمیل کے بعد دوسرے پیشہ ورانہ نصاب کی تعلیم حاصل کر رھے ھیں جیسے بی ۔ ٹی کے بعد ایل ۔ ایل ۔ بی ۔

طبابت میں پوسٹ گریجویشن کرنیوالے طلباء وظائف کے لئے مستحق ھوں گے بشرطیکہ دوران تعلیم ان کو پریکٹیس کی اجازت نہ دی جائے ۔

آرٹس ۔ سائینس میں انڈر گرایجویٹ ۔ گرایجویٹ ۔ پوسٹ گرایجویٹ کے امتحانات میں کامیاب یا نا کام طلباء اگر کسی منظورہ پیشہ ورانہ یا ٹیکنیکل سرٹیفکیٹ یا ڈگری کورس میں داخلہ لیں تو وہ ان وظائف کے مستحق ھوں گے بشرطیکہ کسی اور لحاظ سے غیر مستحق نہ قرار پاتے ھوں ۔ ایسے طلباء کی مزید نا کامی کو نظر انداز نہیں کیا جائیگا اور نہ ھی نصاب کی مزید تبدیلی کی اجازت دی جائیگی ۔

مراسلاتی نصاب کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنیوالے طلباء وظائف کے مستحق نہیں ھیں ۔

ایسے طلباء جو ھمہ وقتی ملازمت میں ھیں وظائف کے مستحق نہیں ھوں گے ۔ البتہ ایسے طلباء جو دوران تعلیم پوری مدت کے لئے بلا معاوضہ رخصت حاصل کرلیں اور ھمہ وقتی طالب علم کی حیثیت سے تعلیم حاصل کریں ان وظائف کے مستحق ھونگے ۔

ایک ھی سرپرست یا والدین کے صرف دو بچوں کو وظائف منظور ھوسکیں گے ۔

اسکیم کے تحت وظائف پانیوالے کسی دوسرے وظیفے یا امداد سے استفادہ نہیں کرسکیں گے ۔

اس اسکیم کے تحت صرف ایسے طلباء وظائف کی منظوری کے مستحق ھوں گے جن کے والدین یا سرپرستوں کی سالانہ آمدنی ۹۰۰۰ روپئے سے زائد نہیں ھے ۔

پوری ریاست کے لئے وظائف کی تعداد ۳۰ ھے ۔

* * * * *

بائیں جانب اوپر :—شریمتی شاردا مکر جی گورنر نے ۲۸ - ستمبر کو مانیر بند کے محل وقوع پر "لوئر مانیر ڈیم" (کریم نگر) کے تحت مجوزہ آیاکٹ سے متعلق تفصیلات سے واقفیت حاصل کی -

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب درمیان میں :—شری جے - وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۱۳ - ستمبر کو "سبا رایا ساگر" (ضلع آننت پور) سے پانی چھوڑا اور غریبوں کو کھانا کھلایا -

بائیں جانب نیچے :—شری ایم - وی - وی - این - - سنی چیرمین ویسیا بینک نے حال ہی میں چیف منسٹر کو ۸۰۰۰ روپئے کا چیک چیف منسٹر فلڈ ریلیف فنڈ کے لئے پیش کیا -

دائیں جانب اوپر :—شریمتی شاردا مکر جی گورنر اور شریمتی کرشنا ویدی سنجیویا وزیر بہبودی خواتین ۱۹ - اگست کو چکڑ پلی حیدر آباد میں ویسیا بینک کی افتتاحی تقریب میں -

دائیں جانب نیچے :—چیف منسٹر نے ۲۳ - ستمبر کو ضلع چتور کے موضع موگیلی میں "گونی چیرو" کا سنگ بنیاد رکھا -

ہرا پردیش کی
ثنا دستکاریاں

احترام اسلام
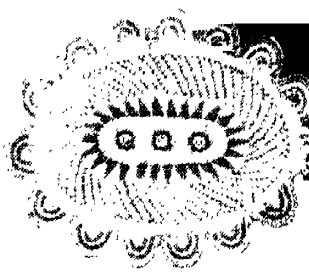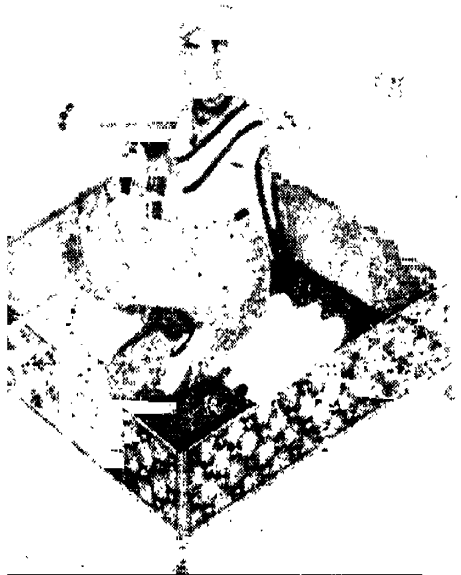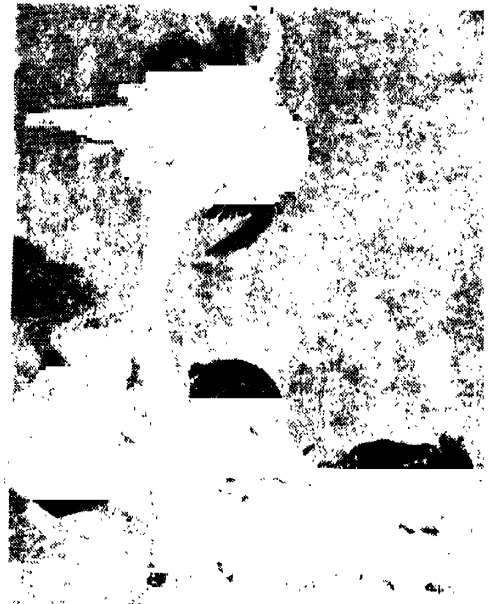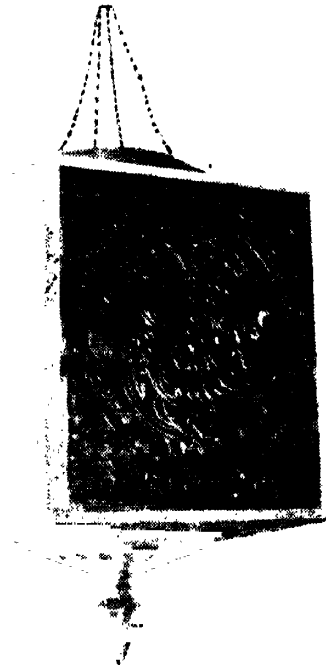
غزلیں

نشتروں کو سرخرو کرتا ہوا زندہ ہوں میں
تھا کبھی گل اب تو زخموں کا نمائندہ ہوں میں

کود جاؤں آگ میں ، سر بیچ دوں تیرے لئے — میرا کیا سرتا قدم ایثار پائندہ ہوں میں

چاندنی چھٹکے نہ سہمکے رات تو کیا فائدہ ؟ — پھول کا ہم جنس ہوں یا ماہِ تابندہ ہوں میں

چاہتا کچھ بھی نہیں نقد تبسم کے سوا — سہر بانو ! شہر محرومی کا باشندہ ہوں میں

بحر آتش میں کھلے ہیں آرزوؤں کے کنول — جھانکے آنکھوں میں میری خواب آئیندہ ہوں میں

اپنی خریت لکھوں تو کیا لکھوں اس کے سوا — ہر نفس زھر اب پیتا ہوں مگر زندہ ہوں میں

یہ طلسم وقت ہی تو ہے جناب احترام
حسن افسانہ ہے وہ ، عنوان شرمندہ ہوں میں

سارے ہی چہرے تو اٹے ہیں کدورت بار سے
کون خوش ہوگا بھلا تجھ آئینہ بردار سے

جان نثاری خون بن کر دوڑتی ہے جسم میں
بولئے جو چاھیئے میرے لہو کی دھار سے

آپ کو میرے رویوں میں نظر آتا ہے فرق
مطمئین میں بھی کہاں ہوں آپ کے اطوار سے

بے تعلق کر گیا ہر چیز سے سنسار کی
تحفہ جو حاصل ہوا مجھ کو ترے دیدار سے

آپ بھی کترا گئے ماضی کی یادوں سے تو کیا
”بچ کے چلتے ہیں سبھی گرتی ہوئی دیوار سے

اپنے قاتل کو دعائیں دے رہا تھا احترام
کس قدر مخمور تھا وہ نشہ ایثار سے

* * * *

صلاح الدین نیر

غزلیں

کب سے خاموش ہیں ہم ، خالی مکانوں کیطرح
کب تلک پھرتے رہیں خانہ بدوشوں کیطرح

ذہن کی روشنی دل میں تو اتر جانے دو
یہ اندھیرے نظر آئیں گے اجالوں کیطرح

کاسہ زیست لئے ہاتھوں میں اب بھی کچھ لوگ
ہم کو مل جاتے ہیں جلتی ہوئی لاشوں کیطرح

اس بھری بزم میں پھولوں کا کفن پہنے ہوئے
اب بھی کچھ لوگ ہیں بے نام سے رشتوں کیطرح

تم نے جاتے ہوئے یہ کیسی امانت سونپی
ایک ایک لمحہ گراں ہے کئی برسوں کیطرح

یاد کر کر کے بھلا دیتے ہیں اکثر احباب
ہم کو پڑھتے ہیں سبھی درسی کتابوں کیطرح

تم ہی اچھا سا کوئی نام دو ان کو نیر
حادثے ملتے ہیں ہم سے بھی عزیزوں کیطرح

اجنبی شہر ہے ہم پر بھی بھروسہ نہ کرو
دل کے رشتوں کا ابھی سے یہاں سودا نہ کرو

صرف آنکھوں ہی میں رہنے دو محبت کا بھرم
گھر کی باتیں کبھی بازار میں لایا نہ کرو

اسلئے چپ ہیں کہ تم کو ہی ندامت ہو گی
زندگی کیسے بسر ہوتی ہے پوچھا نہ کرو

اب زیادہ نہیں دو چار قدم چلنا ہے
مجھکو مڑ مڑ کے تم اسطرح دیکھا نہ کرو

میں نے برسوں ان اجالوں سے محبت کی ہے
اور کچھ دن سری راہوں میں اندھیرا نہ کرو

دور و نزدیک اندھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں
ایسے حالات میں محفل سے اٹھایا نہ کرو

کچھ زیادہ نہیں تھوڑی سی شناسائی ہے
شہر کی گلیوں میں ہم کو ابھی رسوا نہ کرو

دشمنوں کے بھی احسان ہیں تم پر نیر
صرف احباب کو ہی ٹوٹ کے چاہا نہ کرو

* * * *

نصر قریشی

یہ میرا وطن

میرا وطن ، صدر شک چمن ، ملکوں ملکوں شہرت کا چلن
دھرتی دھرتی خوشبو اس کی ، مٹی میں گھلی پھولوں کی پھبن
ابوں کی گلی پر ایک گلی ، سمٹی ، شرمائی جیسے دولہن
ہونٹوں پر پیار کے نغمے ہیں ، پیروں میں بجتی ہے جھانجھن
لاب ، ندی ، دریا ، پربت ، سب اس کے حسن کا ہیں درپن

یہ میرا وطن

تنے شاعر اور سہا کوی ، لیکھک ، دانشور نخر زمن
تہذیب و ثقافت کا دامن بھرتے ہیں یہاں سب اہل فن
کوں ملکوں مکتی کے مارگ پہ تپتے ہوئے بھکشو کے بدن
گوتم ، چشتی ، اور نانک کی تعلیم سے ہر دل ہے روشن
ک تاج محبت کا پہنے ، جمناتٹ ناچیں رادھا کشن

یہ میرا وطن

رام ، رحیم کے متوالوں کی یکجہتی کا ہے درپن
سیتا ، ساوتری ، مریم کی تقدیس کی پاکیزہ چلمن
بمیر سے کاشی ، متھرا تک پھیلا ہے پیار کا برندابن
مذھب کے پرستاروں میں ہے گنگا جمنا کا جیسے ملن
در ، مسجد ، گردواروں اور گرجوں میں حق کی ہے دھڑکن

یہ میرا وطن

یوں ، منیوں سے بھری ہوئی یہ دھرتی پیر فقیروں کی
مٹھ ، مندر اور درگاھوں میں جھکتی ہے جبیں امیروں کی
ولوں کی سیج کے ساتھ کبھی اک سیج سجی ہے تیروں کی
آزادی کے دیوانوں پر یلغار ہوئی شمشیروں کی
نستے ھنستے مرنے والے یہ امر شہیدوں کا مسکن

یہ میرا وطن

میرا وطن ، اس کی دھرتی سونا گلے ، گلزار کھلیں
ہر شاخ نئی کونپل پھوٹے ، ہر موسم میں رخسار کھلیں
کوں کے کنارے رونق سے بھرپور حسیں بازار کھلیں
پھولوں کی طرح شاعر کے قلم سے نکلے ہوئے اشعار کھلیں
ں شاعر گیت لکھوں اس کے ، اشعار میں ہے نغموں کا چمن

یہ میرا وطن

اس دور کشا کش میں بھی ہے یہ امن بھرا پیغام لئے
ہر صبح کے بچھڑوں کی خاطر اک پیاری ملن کی شام لئے
پیاسوں کی پیاس بجھانے کو بادل امرت کا جام لئے
ہونٹوں پر پیار کے نغمے ہیں ، ہر دل ہے وفا کا نام لئے
یہ میرا وطن الفت کے چلن میں ڈوبا ہوا ھنستا مدھوبن

یہ میرا وطن

یہ میرا وطن ، دنیا میں وفا کا نام جگا کر زندہ ہے
اک پیار کا دیپک آندھی میں ہر سمت جلا کر زندہ ہے
نفرت سے بھری دنیا کے لئے اخلاص لٹا کر زندہ ہے
انسانی محبت کا پرچم ہاتھوں میں اٹھا کر زندہ ہے
یہ شاہ محبت ، فخر زمن ، دنیا پہ لٹائے پیار کا دھن

یہ میرا وطن

اے میرے وطن ! تیری شہرت کا چاند کبھی نہ گہنائے
نفرت کے غاروں سے یوں ہی ابھر کر پیار بھرا سورج آئے
ظلمت کے پرستاروں کا دل روشن ہو ، تجھسا بن جائے
تیری عظمت بڑھتی ہی رہے ، یہ پیار کا پرچم لہرائے
تو سب کا وطن ، الفت کا چلن ، تجھ پر ہیں نچھاور جان و تن

دھرتی پہ گگن !

ہے سب کا وطن !!

یہ میرا وطن !!!

حمید آرسوری —

دریائی گھوڑا

اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ وہ کون سا جانور ہے جسکی آنکھیں اس کے سر پر ہوتی ہیں - اور جو ایک وقت میں چار سو پونڈ غذا کھا سکتا ہے - جس کا پیٹ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس میں پچاس گیلن پانی سما سکتا ہے - تو آپ سوچ میں پڑجائیں گے اور خیال کریں گے کہ ضرور یہ کوئی راکشس ہوگا - ٹھیک ہی ہے - یہ جانور راکھشس جیسا ہی لگتا ہے - مگر رہتا ہے دریا میں - اس جانور کو انگریزی میں '' ہپو پوٹامس (Hippopotomus) '' کہتے ہیں -

ہپو (Hippo) کا سر دور سے دیکھنے میں گھوڑے کی طرح دکھائی دیتا ہے - شاید اسی مشابہت کے پیش نظر قدیم یونانیوں نے اس جانور کو '' دریائی گھوڑا '' کا نام دیا ہے -

دریائی گھوڑا ایک عجیب الخلقت جانور ہے - جو زبردست طاقت کا مالک ہوتا ہے - کرۂ ارض پر ہاتھی اور سفید گینڈے کے بعد دریائی گھوڑا ہی سب سے زیادہ قوی اور وزنی جانور ہے - اس کا شمار دودھ پلانے والے جانوروں میں ہوتا ہے - اور یہ سور کے ذیلی گروہ '' سوئی فامس '' سے تعلق رکھتا ہے - اس لئے اس کی شکل سور سے بھی بہت حد تک ملتی ہے -

دریائی گھوڑا جب کھڑا ہوتا ہے تو شانوں تک پانچ فیٹ اونچا ہوتا ہے - اور اس کے جسم کی لمبائی دس سے چودہ فیٹ تک ہوتی ہے - اس کا وزن چار ٹن تک ہوتا ہے - اس کی غیر معمولی جسامت سے متاثر ہوکر مشرق وسطی کے بعض محققین نے اس پر بی ہی موتھ (Bihimoth) کا لیبل چسپاں کردیا - عبرانی زبان کے اس لفظ کے معنی عفریت کے ہوتے ہیں !

دریائی گھوڑا زمین اور پانی دونوں جگہوں پر رہ سکتا ہے - مگر زیادہ تر پانی میں رہنا پسند کرتا ہے - اور گھنٹوں پانی میں پڑا رہتا ہے - اس کی کھال کے مساموں سے ایک سرخی مائل چپچپا مادہ رطوبت کی شکل میں نکلتا ہے - جو اسے پانی میں زیادہ دیر تک رہنے میں مدد کرتا ہے - اور ساتھ ہی اس کی کھال کو خشک ہونے نہیں دیتا -

دریائی گھوڑے کی کھال کا رنگ گلابی ہوتا ہے - جو دو انچ موٹی ہوتی ہے - جس میں دو سو پونڈ چربی ہوتی ہے - اس چربی کا وزن پورے جسم کے وزن کا ۱۶ فیصد ہوتا ہے - کھال کی خاص بات یہ ہے کہ اس پر مطلق بال نہیں ہوتے البتہ ہونٹ ، دم اور کان پر ہلکا رواں پایا جاتا ہے -

یہاں اس امر کا تذکرہ بے محل نہ ہوگا کہ اس کی کھال سے نکلنے والی سرخ رطوبت نے بعض لوگوں کو ایک مغالطہ میں ڈالدیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ دریائی گھوڑے کے جسم سے پسینہ کی بجائے خون نکلتا ہے - لیکن یہ رطوبت دریائی گھوڑے کی زندگی کے لئے بہت ضروری ہے - اگر یہ رطوبت دھوپ میں بخارات بن کر اڑ جائے تو اس کی کھال خشک ہوکر پھٹ جاتی ہے - جس سے اس کی موت واقع ہوسکتی ہے -

دریائی گھوڑے کا جسم پیپے نما ہوتا ہے - جس سے اس کو تیرنے میں مدد ملتی ہے - اس کے چھوٹے چھوٹے ستون نما پاؤں جو خشکی پر اس کے بھاری بھر کم جسم کو سہارا دیتے ہیں - پانی میں پیڈل کا کام کرتے ہیں - اس کی چھوٹی سی چپٹی دم پانی میں دائیں بائیں چپو کی طرح چلتی ہے - کان اگر چہ چھوٹے اور لچکدار ہوتے ہیں - لیکن سماعت کی حس غضب کی ہوتی ہے - بصارت بھی تیز ہوتی ہے -

دریائی گھوڑا جب پانی میں تیرتا ہے تو اس کا سارا جسم پانی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے - اور وہ دور سے ایسے نظر آتا ہے - جیسے کوئی بڑا سیاہ دھبہ حرکت کر رہا ہے - یا شہتیر ہے کہ بہی چلی جارہی ہے - اس طرح آرام سے تیرتے ہوئے وہ آسانی کے ساتھ سونگھ سکتا ہے اور دیکھ سکتا ہے - کیونکہ مگر مچھ ، مینڈک اور مچھلی کی طرح اس کی آنکھیں ، کان اور نتھنے سر کے بالائی حصے پر واقع ہوتے ہیں - وہ تیرتے وقت سر کو پانی کے باہر رکھتا ہے - البتہ خطرہ محسوس ہو تو

کو پانی کی سطح کے نیچے کرلیتا ہے ۔ اس وقت اس کے
ہوط اور لمبے پھیپھڑوں میں ہوا بھر جاتی ہے ۔ جس کے
ث وہ پانی کے اندر پانچ سے دس منٹ تک رہ سکتا ہے ۔

غیر معمولی وزنی جسم ہونے کے باوجود اسے تیرنے
غوطہ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی ۔ ایک ماہر
یانات کا مشاہدہ ہے کہ اس نے ایک چڑیا گھر میں ایک
پانی گھوڑے کو کتے سے ڈر کر پورے ۲۹ منٹ پانی کے
ر چھپے دیکھا ـــ! ؟

دریائی گھوڑے کے نتھنوں کی خاص بات یہ ہے کہ وہ
سرے جانوروں کے برعکس اوپر کھلتے ہیں ۔ چنانچہ جب
وئی دریائی گھوڑا کسی کی آہٹ پا کر یا خطرہ محسوس کر کے
ی میں غوطہ لگاتا ہے تو اس وقت اس کے نتھنے بند ہوجاتے
یں ۔ اور ان نتھنوں میں پانی بھر جاتا ہے ۔ اور جب وہ پانی
ے باہر آتا ہے تو نتھنے کھل جانے سے یہ پانی اچھل کر
ل پڑتا ہے ۔ اس لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ دریائی گھوڑا
ھیل مچھلی کی طرح پانی کا فوارہ چھوڑتا ہے ۔

دریائی گھوڑے کا قبیلہ ہوتا ہے ۔ جس میں ۵۰ سے
۱۰۰ تک دریائی گھوڑے ہوتے ہیں ۔ جب کئی دریائی
گھوڑے ایک ساتھ ہوتے ہیں تو وہ تیرتے تیرتے ایک
وسرے کے ساتھ اٹھکیلیاں کرتے ایک دوسرے کو منہ مارتے
ور ڈھکیلتے آگے بڑھتے ہیں ۔

دریائی گھوڑے کا سب سے بڑا عجوبہ اور خوفناک
ہتھیار اس کا غار نما منہ ہوتا ہے ۔ جس میں دونوں طرف
ڑے بڑے سفید خونخوار دانت نظر آتے ہیں ۔ اوپر کا ہونٹ
نچلے ہونٹ کی بہ نسبت بہت موٹا ہوتا ہے ۔ دریائی گھوڑا
پنے دانتوں سے مگر مچھ کی سخت کھال کو گنے کے چھلکے
ی طرح چھیل کر رکھ دیتا ہے ۔ جو اس کے بچوں کی دشمن
ہے ۔

جسم اور صورت سے دریائی گھوڑا ایک خونخوار جانور
دکھائی دیتا ہے ۔ مگر اصل میں وہ سبزی خور جگالی کرنے
والا حیوان ہے ۔ اس کی خوراک جنگلی گھاس ، دریائی پودے
ور سر کنڈے ہیں جھاڑیاں ، ٹہنیاں اور پتے بھی بڑے شوق
سے کھاتا ہے ۔ بھوک و فاقہ کی حالت میں خس و خاشاک
سے بھی اپنے پیٹ کی آگ بجھانے میں عار نہیں سمجھتا ۔ ایک
قت میں وہ چار سو پونڈ کے لگ بھگ کھاتا ہے ۔

دریائی گھوڑا دن بھر کسی دریا یا جھیل میں پڑا رہتا
ہے ۔ اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی غذا کی تلاش میں خشکی
ر نکل آتا ہے ۔ رات بھر شکم سیر ہو کر کھاتا ہے اور صبح
ہوتے ہی کسی قریبی جھیل ، دریا یا دلدل کی راہ لیتا ہے ۔
خشکی سے پانی کی طرف لوٹتے وقت وہ اپنے پیچھے پیروں کے
نشان چھوڑ جاتا ہے ۔ ان نشانات سے جنگل کے دوسرے جانور
پانی کے ذخیرہ کا سراغ لگاتے ہیں ۔

اس قوی ہیکل بھاری بھر کم جانور کو دیکھ کر
کوئی اندازہ نہیں کرسکتا کہ یہ آدمی سے زیادہ تیز دوڑ سکتا
ہے ۔ اس کے دوڑنے کی عام رفتار بیس میل فی گھنٹہ ہوتی ہے ۔
اگر اس کا تعاقب کیا جائے تو ۳۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے
دوڑ سکتا ہے ۔ مگر یہ رفتار تھوڑے سے فاصلے تک ہی برقرار
رکھ سکتا ہے ۔ دوڑتے وقت اس کی حالت بڑی مضحکہ خیز
ہوتی ہے ۔

بعض ماہرین حیوانیات کا خیال ہے کہ دریائی گھوڑا
سات کروڑ پرانی نسل ہے ۔ آجکل دنیا میں اس کی دو قسمیں
پائی جاتی ہیں ان میں سے ایک " بڑا دریائی گھوڑا "
کہلاتی ہے اور دوسری " بونا دریائی گھوڑا " ـــ دونوں اقسام
فطرتاً شرمیلی اور بزدل ہوتی ہے ۔ لیکن اگر جان پر آبنے تو
یہ دشمن کی گردن دانتوں سے کتر ڈالتا ہے ۔

دریائی گھوڑے آپس میں بھی لڑتے ہیں ۔ اور یہ لڑائیاں
اکثر ماداؤں کو جیتنے کے لئے ہوا کرتی ہیں ۔ چنانچہ جب
" جنسی ملاپ " کا موسم آتا ہے تو مادہ ایک مخصوص قسم
کی آواز نکالتی ہے ۔ جس پر بہت سے دریائی گھوڑے اس کے
قریب پہنچ جاتے ہیں ۔ اب ان میں زور آزمائی ہوتی ہے ۔ وہ
ایک دوسرے کی گردن دبوچنے کی سعی کرتے ہیں ۔ اپنے تیز
دانتوں سے ایک دوسرے کے کندھوں اور پیروں پر زخم لگاتے
ہیں ۔ جس سے ان کا جسم لہو لہان ہو جاتا ہے شکست
خوردہ دریائی گھوڑا سر جھکا کر اپنی ہار تسلیم کرلیتا ہے تو
لڑائی ختم ہوجاتی ہے ـــ !

ماں بننے والی مادہ دریائی گھوڑا پانی میں اپنے ساتھیوں
کے قریب ہی رہتی ہے ۔ اور حاملہ ہونے کے ۲۳۰ سے ۲۴۰
دن بعد ماں بنتی ہے ۔ پیدائش کے وقت بچے کا وزن ۶۰ سے
۷۰ پونڈ تک ہوتا ہے ۔ دریائی گھوڑا سات سال کی عمر میں
بالغ ہوتا ہے ۔ اور ۴۰ سے ۵۰ برس تک زندہ رہتا ہے ۔

دریائی گھوڑے کو سست رفتار ندی میں پڑے رہنے میں
بہت زیادہ سکون ملتا ہے ۔ جب سورج تیز ہوتا ہے تو کیچڑ
میں پڑے رہنے کو ترجیح دیتا ہے ۔ ایسے موقع پر چھوٹے
چھوٹے پرندے آ کر اس کی پیٹھ پر بیٹھ جاتے ہیں ۔ مگر اس
کا وہ برا نہیں مانتا ۔ بعض پرندے تو اس کے جسم کی صفائی

تے ہیں ۔ اور اس کے جسم پر جمٹے ہوئے کائی ، کنجال اور
ں کو نوچ کر کھا جاتے ہیں ۔

قدرت نے دریائی گھوڑے کو کئی فن عطا کئے ہیں ۔
ہاتھی کی طرح چنگھاڑ سکتا ہے ۔ اور اسے شیر کی طرح
ڑنے کا فن بھی آتا ہے ۔ جب وہ رات کے سناٹے میں دھاڑتا
تو اس کی یہ آواز کوئی دو میل دور تک سنی جا سکتی
۔

مرتبہ اس کی آواز پر شیر یا جنگلی بھینسے کی آواز کا
ہوتا ہے ۔ وہ دریا یا جھیل کی تہہ پر چل پھر سکتا ہے ۔

عام طور پر دریائی گھوڑا گدلے پانی کو پسند کرتا ہے ۔ کیونکہ ایسے پانی میں اسے چھپنے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے ۔ شفاف پانی میں اس کی زیر آب دلچسپ حرکتوں کو دیکھ کر لطف اٹھایا جا سکتا ہے ۔ چنانچہ آج بھی کینیا (افریقہ) میں واقع ساؤ کے نیشنل پارک کے چشموں کے شفاف پانی میں دریائی گھوڑے کی زیر آب دلچسپ حرکتیں دیکھ کر ہزاروں سیاح روزانہ لطف اندوز ہوتے ہیں ۔ اگر کبھی آپ کو کینیا جانے کا اتفاق ہو تو اس عجیب الخلقت جانور کی عجیب و غریب دلچسپ حرکتوں کا مشاہدہ کرنا کبھی نہ بھولئے ۔ ! ؟

* * * *

ندیم صدیقی

غزل

سامنے ہر وقت لیکن دسترس سے دور ہے
آدمی مختار ہو کر کس قدر مجبور ہے

دل کی حرکت بس میں ہے اپنے نہ سانسوں کا نظام
زندگی جیسے کوئی رستا ہوا ناسور ہے

کچھ تو کہئیے ان مسائل کی بھڑکتی آگ میں
شہر کی دوزخ سے میرا گاؤں کتنی دور ہے

چھن گئی وہ مسکراہٹ لٹ گئیں انگڑائیاں
اب تو سورج بھی نگاہوں میں مری بے نور ہے

تم حسیں ہو ٹھیک ہے لیکن وفا بھی چاہئے
ناؤ کاغذ کی نہیں چلتی مثل مشہور ہے

تم بلاتے ہو مگر ایسے میں کیا آؤں ندیم
زندگی اپنے ہی مرکز سے ابھی تک دور ہے

* * * * *

بائیں جانب درمیان میں :-

چیف منسٹر نے گاندھی ہاسپٹل سکندر آباد میں ۶ - ا نومبر کو مختلف طبی یونٹوں کا افتتاح کیا - شری کے - راجمنو وزیر طبابت و صحت نے تقریب کی صدارت کی -

بائیں جانب نیچے :-

چیف منسٹر نے یکم ستمبر کو ان سیلاب زدہ علاقوں کا دورہ کیا جہاں حال ہی میں تباہی کی واردات ہوئی ہیں - اور لوگوں کو بچانے اور تحفظ کا یقین دیا -

دائیں جانب اوپر :-

چیف منسٹر نے یکم ا نومبر کو حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر " راجدھانی ایکسپریس " کو افتتاحی سفر کے لئے جھنڈی بتائی -

دائیں جانب نیچے :-

شری پی - نرسا ریڈی وزیر مالگزاری نے ۔ - ستمبر کو کلا بھون حیدر آباد میں تلگو انسائیکلو پیڈیا کی ۱۳ ویں جلد کی رسم اجراء انجام دی -

شریمتی شاردا مکرجی گورنر اور شری جے - وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۲۲ - ستمبر سنہ ۱۹۷۷ ع کو شری مرار جی دیسائی وزیر اعظم ہند کا ترومپتی ہوائی اڈے پر خیر مقدم کیا - تصویر میں شری پی - رام چندرن مرکزی وزیر توانائی اور شری بریمو داس پٹواری گورنر تامل ناڈو بھی دیکھے جاسکتے ہیں -

خبریں تصویروں میں

انیس قیوم فیاض ایم ۔ اے۔(عثمانیہ)

(مقالہ) "حیدر آباد کے اولین افسانہ نگار ۔

انیسویں صدی میں جو بھی افسانہ نگار گذرے ہیں ، انہیں واقعہ نگار زیادہ ، کہانی نویس کم کہنا زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے ۔ ان افسانہ نگاروں کی تخلیقات میں مختلف حیثیتوں سے داستان کی قائم کی ہوئی روایت کا جو گہرا عکس ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ سب تخلیقات کہانی کی ایک نئی صنف کی نقش اول بھی ہیں ۔ ایسا نقش جس سے زمانے کے تقاضوں کی تکمیل بھی ہوتی ہے اور افسانوی فن کی روایت میں ایک نئے اسلوب کا اضافہ بھی ہوتا ہے ۔

قدیم افسانہ نگار خیالی دنیا میں ضرور اڑا کرتے تھے لیکن کبھی کبھی حقائق پر اتر آنا ان کے لئے لازمی تھا ، وہ اپنے ماحول ، اپنے عصر کی اہم تحریکات سے متاثر ہوتے تھے ۔ باغ و بہار ، داستان امیر حمزہ کا مطالعہ اس امر کو یقین دلانے کے لئے کافی ہے کہ ان سے بعض تاریخی صداقتوں کا پتہ چلتا ہے ۔ بلکہ ان کے لکھنے والوں نے اپنے ماحول کے بہت سے واقعات اور روایات کی ترجمانی کی ہے ۔ جن کی صداقت کا اندازہ مصنفین کے ماحول سے مطابق کرکے لگایا جا سکتا ہے ۔

پروفیسر عبدالقادر سروری لکھتے ہیں ۔

> " قدیم افسانے عموماً قوم کے طفلانہ تخیلات کی یادگار اور ان امور کا آئینہ ہوتے ہیں جن میں وہ آنکھ کھولنے ہی دلچسپی لینے لگتی ہے ۔ "

حیدر آباد کے پرانے لکھنے والوں میں جنھوں نے انیسویں صدی کے اواخر میں سب سے پہلے کہانیاں لکھیں ۔ ان میں خاص طور پر قابل ذکر بیگم صغرا ھمایوں مرزا ، عظمت اللہ خان اور رگھناتھ راؤ درد ہیں ۔

بیگم صغرا ھمایوں مرزا ، قدیم مصنفہ اور شاعرہ ہیں لیکن ان کی بیشتر کتابیں اس دور میں شائع ہوئیں ۔ انہوں نے خواتین کی ترقی اور اصلاح کے مسائل سے بطور خاص دلچسپی لی ۔

وہ حیدر آباد کی پہلی مسلم خاتون ہیں جنھوں نے پردے سے باہر آ کر جلسوں میں تقریریں کیں ، وہ حیا تخلص کرتی تھیں اور انہیں استاد جلیل سے تلمذ تھا ۔ سرگذشت ھاجرہ ، مجموعہ نصائح حصہ اول ، مشیر نسواں ، بی بی طوری کا خواب ، زہرہ مشیر نسواں وغیرہ میں سرگذشت ھاجرہ کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی جسے علامہ اقبال اور سر عبدالقادر اور حسن نظامی جیسے مشاھیر نے سراھا ۔

بیگم صغرا ھمایوں مرزا فن پر توجہ دینے کی بجائے مسائل کو پیش نظر رکھتی تھیں ۔ خواجہ حسن نظامی بیگم صاحبہ کے فن کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

> " حکایات عموماً معتبر اور تاریخی ہیں جس کے اندر ایک خاص اثر پایا جاتا ہے ۔ "

جناب بشیرالدین احمد نے تو بیگم صغرا ھمایوں مرزا کو حیدر آباد فرخندۂ بنیاد کی روح رواں کہا تھا ۔ وہ قوم و ملک کی اصلاح کی خاطر ایسی تصویر دکھایا کرتی تھیں جس سے قوم نادم ہو ۔ اور اپنے آپ کو سدھار سکے ۔

بیگم صاحبہ کے بیان کی اثر آفرینی ملاحظہ ہو " سارا کی سرگذشت " میں لکھتی ہیں ۔

> " آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ آپ کا رھنا میرے لئے دوبھر ہے ۔ یا آپ کی وجہ سے میرے اخراجات میں اضافہ ہو گیا ہے ۔ جو مجھے گراں گذر رہا ہے ——
> نہیں ہرگز نہیں جو کچھ کہہ رہا ہوں یقین جانیئے آپ کی بھلائی کے لئے ——
> دنیا میں آپ مجرد زندگی کب تک بسر کریں گی ۔ عورت کے لئے شوہر ایک نعمت ہے ۔ اور مرد کے لئے نیک بی بی کا ملنا جنت ہے ۔ "

یہ ان کے دوسرے ناول " سر گزشت ھاجرہ " کا ایک حصہ ہے ۔ جس پر مکمل افسانے کا اطلاق ہو سکتا ہے ۔ جس میں وہ مغربی تہذیب کے ساتھ مشرقی قدروں کو بھی اپنانے پر زور دیتی ہیں اس تہذیبی امتزاج کو ایک جگہ انہوں نے کرداروں کے ذریعہ یوں واضح کیا ہے ۔

آداب مجلس و آداب سوسائیٹی مشرق و مغربی دونوں طریقوں سے تمھاری ماں نے تم کو ماہر کردیا ہے ۔
یا پھر جیسے زہرہ مشیر نسواں میں لکھتی ہیں ۔

” کسی قوم کے رسم و رواج کی آنکھیں بند کر کے تقلید کرنی فضول ہے۔ البتہ اس کے ہنر سیکھنے چاہئیں

مشرقی قدروں کے ساتھ مذہب پر کاربند رہنے کا جذبہ بھی پوری شدت کے ساتھ ان کے ہاں ملتا ہے ۔ ان کے ناول طول و طویل نہیں ہوتے ۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ کے بیان کے بموجب ان کے ناولوں کو قصہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا ۔

محترمہ نے کہانی کو محض نشاط خاطر کا ایک ذریعہ سمجھنے کے بجائے اس معاشرتی اور اخلاقی اصلاح کا کام لیا ۔ اصلاح کے مقصد کو زیادہ واضح شکل دے کر اسے وسیع تر خصوصی مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ گو مصنوعی انداز میں سہی زمانے کی روش سے متاثر ہو کر اپنے قصوں میں تزئین اخلاق کی طرف اشارے کئے ۔ ان کے یہاں زندگی کے پس منظر کے باوجود مصنف کی اصلاح کا جذبہ اور مقصدیت ، قاری کی خوشنودی کے احساس پر غالب ہے۔ انہوں نے حیدر آباد کے معاشرے کو پس منظر بنا کر مرقع کشی کی اور اصلاح معاشرت کے مطالبات پورے کئے تا کہ قاری اصلاحی مقصد میں ان کا ہم‌نوا ہونے کے ساتھ ساتھ کہانی میں بھی دلچسپی محسوس کرے ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب وقت ادیب و فنکار سے کہانی کی 'ایک ایسی صنف کا تقاضہ کر رہا تھا جو رومان کی رنگینیوں کے بجائے سادہ و پر پیچ حقیقتوں کی حامل ہو ۔ ایک ایسی صنف جس میں فنکار کے تخیل اور تصور کی جدت پسندی نہیں بلکہ تفکر کی گہرائی شامل ہو۔ ناول کثرت سے لکھے جا رہے تھے لیکن وقت میں پھیلاؤ باقی نہ رہا تھا اس طرح انسان کو اپنے تفریحی مشاغل میں کانٹ چھانٹ کرنی پڑی ۔ اس کا مزاج جیسے کہانی سننے کا چسکا ہمیشہ سے تھا ۔ افسانہ کی ایک ایسی صنف کا طلبگار ہوا جو زندگی اور فن کو اسطرح سموئے کہ انسان کو اس سے ذہنی سرور و مسرت کا سرمایہ بھی ہاتھ لگے ۔ زندگی کے مسائل کو حل کرنے اور اپنے ماحول کو حسین تر بنانے کی آرزو بھی پوری ہو ۔ اسکے باوجود اتنی مختصر ہو کہ وقت پر اسکی گرفت مضبوط رہے ۔ وہ اپنے بےشمار مشاغل کے باوجود کہانی پڑھنے کا وقت نکال سکے ۔ افسانے کے یہ سب تقاضے اور انسان کی یہ سب ضرورتیں مختصر افسانے کی تخلیق کی بنیاد ہیں ۔

اردو میں پریم‌چند ہی افسانے نگاری کے باوا آدم کہلاتے جاتے ہیں انہوں نے پہلا افسانہ دنیا کا سب سے انمول رتن غالباً سنہ ۱۹۰۵ ع میں لکھا تھا جو بعد میں سوز وطن میں شامل ہوا ۔ پریم‌چند کے سوز وطن اور سجاد حیدر یلدرم کے خارستان و گلستان،، سے قبل بیگم صاحبہ کے قصے وجود میں آچکے تھے ۔ اگرچہ ان کے قصوں میں داستان اور ناول کی ملی جلی روایات کا گہرا عکس ملتا ہے۔ لیکن ان کی تخلیقات کہانی کی ایک نئی صنف کا نقش اول بھی کہلائی جا سکتی ہیں۔ ایک ایسا نقش جس سے زمانے کے تقاضوں کی تکمیل بھی ہوتی ہے ۔

افسانہ کہانی میں پہلی مرتبہ وحدت کی اہمیت کا مظہر بنا ۔ کسی ایک واقعہ ایک جذبہ ، ایک احساس ، ایک تاثر ، ایک اصلاحی مقصد ، ایک رومانی مقصد کو اس طرح بیان کیا جانے لگا کہ دوسری چیزوں سے الگ اور نمایاں ہو کر پڑھنے والوں کے جذبات و احساسات پر اثرانداز ہونے لگا اس خصوصیت نے اس فن میں سادگی حسن ترتیب اور توازن کی ضرورت کو پیدا کیا ۔ اور یہ سب چیزیں ہمیں پریم‌چند، سلطان حیدر جوش، سجاد حیدر یلدرم اور نیاز فتحپوری کے افسانوں کے ذریعہ ملیں جنھوں نے داستان کی روایت کو زندہ رکھا اور کہانی کی ایک نئی صنف کی بھی بنیاد ڈالی ۔

اس طرح بیگم صغرا ہمایوں مرزا کے قصوں کو افسانوں کا نقش اولین سمجھنے میں کوئی قباحت نہیں اگرچہ کہ ان کے قصوں میں افسانہ کے تمام ضروری اجزا یا لوازم نہیں ملتے ۔ لیکن اصلاح کا جذبہ بھر پور پایا جاتا ہے۔ ان کی تحریروں میں ناول اور کہانی کی ملی جلی تکنک ملتی ہے۔ ان کے قصے حیدرآباد میں کافی مقبول تھے۔ اور عوام اور خواص دونوں طبقوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں حیدرآباد کی خاتون اول بھی کہا گیا ۔

عظمت‌اللہ‌خاں ، انیسویں صدی کے اولین قصہ نویسوں میں دوسری اہم شخصیت ہیں ، وہ شاعر بھی تھے اور نثار بھی اور ایک طرز خاص کے موجد بھی ۔ ان کی دو کہانیاں ” من چلا ،، ” گڑیا خانہ ،، ملتی ہیں جو زبان و بیان کے لحاظ سے ان اولین افسانوں میں شمار کی جاسکتی ہیں جن پر داستانی رنگ بہت زیادہ غالب تھا۔ ان کے مضامین کے دو مجموعے ، مضامین عظمت حصہ اول و دوم شائع ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ نثر نگار کی حیثیت سے انہوں نے بہت کم مدت میں نمایاں ترقی کی۔ سورما چنا ، زندہ بدست ، ان کے ایسے مضامین ہیں جن سے اردو نثر میں ایک طرح نو کی داغ بیل پڑی ۔ وہ علم جدید کے ان ادیبوں میں سے تھے جنھوں نے اردو ادب پر اپنی انفرادیت ، خوش مذاق اور اجتہاد کے بہت گہرے نقوش چھوڑے ہیں ۔

ڈاکٹر زینت ساجدہ کے بیان کے بموجب

” وہ زیادہ دن نہیں جیے تاہم اپنی مختصر اور مصروف

زندگی میں انہوں نے نظم و نثر کے جو نمونے پیش کئے ہیں وہ ڈاکٹر بجنوری اور سجاد انصاری کے تخلیقی اور تنقیدی کارناموں کی طرح اردو ادب میں ہمیشہ یادگار رہیں گے ۔ ،،

شگفتہ ، شوخ اور دلکش انداز میں خیال آرائی کا عظمت کو بڑا اچھا سلیقہ تھا ان کے موضوعات میں بچپن کی یادیں ۔ نوجوانی کے رومانی تجربے، زندگی اور حسن کو چھونے اور پانے کی لذت ، انہوں نے خوبصورت دلوں کی خوبصورت کہانیاں لکھیں ہیں ۔ ان کی ہر کہانی یادوں کی کہانی ہے۔ جو بچپن کی محبت سے عبارت ہے۔ وہ پڑھنے والے کو بچپن کی اسی دنیا میں لے جاتے ہیں جہاں معصومیت ، بے فکری اور بھولی بھالی یادیں ہیں ۔ دو تین گھروں کا آپس میں میل جول اینٹیں ہٹا کر بنائی ہوئی کھڑکی ، بچپن کے کھیل ، گڑیا گڑے کی شادی ۔ چھوٹے لڑکے لڑکیوں کی غیرشعوری کشش ، یہ تصویریں پہلی بار کامیابی کے ساتھ عظمت اللہ خاں کے ہاں ملتی ہیں ۔ ان کے پاس مثالی محبت کا دیوانہ پن نہیں ملتا۔ وہ ایک دل نرم اور ذہن رواں رکھتے ہیں ۔ان کے کردار رومانی ٹائیپ نہیں۔ نہ ہی یکسر تخیل زدہ ۔ تخیل رومان اور حقیقت کا عکس ان کے کرداروں کی زندگی ہے ۔

آل احمد سرور نے اپنے مضامین میں اسی قسم کی رومانیت کی متضاد کارفرمائیوں کی یوں وضاحت کی ہے کہ

’’ رومانیت کبھی مضحک بھی ہوتی ہے ،،

ڈاکٹر زور لکھتے ہیں ۔

’’ عظمت اللہ خاں نے اردو ادب کو اپنی نظم و نثر کے وہ جواہر پارے عطا کئے تھے جو آج بھی اپنی جدت و جودت کے باعث قابل قدر دکھائی دیتے ہیں ،،

عظمت نہایت شریف باوقار مخلص اور قابل آدمی تھے، محنتی اور کارگذار ، کام کرنے سے تھکتے نہ تھے ۔ خاکے اور اسکیم بنانے میں تو انہیں کمال حاصل تھا ۔ انہوں نے سینکڑوں لوگوں کو شاعر اور مضمون نگار سب کچھ بنا یا ۔ فرحت اللہ بیگ اپنے مضامین میں عظمت ھی سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ موت سے قبل انہوں نے اپنے ناتمام مضامین عصمت اللہ بیگ کو دے دیئے تھے جو فرحت اللہ بیگ کے بھائی تھے ۔ بہر حال عظمت ایک مشین تھے جو نظم و نثر انگریزی ، اردو ، سبھی کچھ ڈھالتے رہے ۔

حیدر آباد میں جن افسانہ نگاروں کے نام ملتے ہیں ۔ ان میں رگھناتھراؤ درد ممتاز حیثت رکھتے ہیں ۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے بطور خاص اپنی کتاب’’ داستان ادب حیدر آباد ،، میں انہیں افسانہ نگار لکھا ہے۔ اگرچہ کہ انہوں نے عظمت اللہ خاں صغرا ھمایوں مرزا کے افسانوں کی بھی نشاندھی کی ہے ۔

ڈاکٹر زینت ساجدہ لکھتی ھیں ۔

’’ درد نے شاعری سے زیادہ افسانہ نگاری میں دلچسپی لی ۔ ،،

اس سے اندازہ ھوتا ہے کہ بیسویں صدی کے شروع ھونے سے قبل اور اس کی ابتداً میں درد نے جس قدر افسانے لکھے یا جس قدر ان کے افسانے منظر عام پر آئے تھے۔ ان دنوں کسی اور افسانہ نگار کو یہ بات نصیب نہ ھو سکی ۔

وہ ان بزرگوں میں سے تھے جنھوں نے تحصیل تخیلی ادب اور روایت پرستی سے ھٹ کر اپنے لئے راہ نکالی ، ادب اور زندگی کے رشتہ کو سمجھا اور اپنی تحریروں کو سماجی اصلاح کے لئے وقف کردیا ۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی پائیگاہ کی ملازمت میں بسر کی اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ مرتے دم تک جاری رکھا ۔ وہ ایک مدت تک وفا صاحب کے ساتھ تاج کی ادارت کے فرائیض انجام دیتے رہے۔ سنہ ۱۹۱۲ع میں بچوں کے لئے ایک رسالہ ’’ اطفال ،، جاری کیا تھا جو زیادہ دنوں تک نہ رہ سکا ۔ وہ کچھ مدت تک کے لئے بیدر گزٹ کے ایڈیٹر بھی رہے آخری دنوں میں رعیت کا مزاحیہ کالم لکھا کرتے تھے ۔ انہوں نے اپنے عہد کی سماجی زندگی سے متاثر ھو کر بہت سی اچھی اور کامیاب کہانیاں لکھیں جس میں کلجگ ، سچا محسن ، ظہور قدرت ، تازیانہ عبرت ، نیرنگی دھر ، ثمرہ محنت ، یتیم کی عید ، صدائے بیکس اور پیکر وفا قابل ذکر ھیں۔ ڈاکٹر زینت ساجدہ لکھتی ھیں۔

’’ درد کا تعلق افسانہ نگاری کے اس دور سے ہے ۔ جبکہ یہ صنف ابھی ابتدائی مراحل طے کررھی تھی ،،

درد کے افسانے بالکلیہ افسانے معلوم ھوتے ھیں۔ ان میں وہ تمام عناصر ترکیبی موجود ھیں جو افسانے کو کامیاب بنانے کے لئے کافی ھوتے ھیں۔ پلاٹ ، کردار ، ماحول سے لے کر زمان و مکان تک زبان اور اسلوب پر اور سوچنے کے انداز پر قدما کی چھاپ ضرور موجود ہے ۔ لیکن اس کے باوجود وہ کامیاب افسانہ نگار کہلائے جانے کے مستحق ھیں ۔

انداز بیان ملاحظہ ھو ـــــ

’’ سب سے آخیر پر ایک فوٹو تھا اسکے نیچے (   ) لکھا ھوا تھا کیونکہ میں اس تصویر کو کسی جگہ دیکھ چکا تھا ۔ میری نظر اس تصویر پر جم گئی۔ مجھے متوجہ دیکھ کر اس عورت نے کہا کہ کیا یہ چیز پسند ہے ۔ میں نے جلدی سے پوچھا کون اور کس خاندان کی ہے ۔

باقی صفحہ ۴۰ پر

اظہر افسر

زحمت تو ہوگی

افراد —

عندلیب — منوہر

پہلا ملاقاتی — دوسرا ملاقاتی

(دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے)

(کچھ دیر بعد دروازہ کھولنے کی آواز)

منوہر :— اوہ عندلیب ۔ آؤ آؤ تم نے اپنی یہ حالت کیا بنا رکھی ہے ۔

عندلیب :— رہنے دو جیسی بھی ہے (ہانپ رہا ہے) مگر خدا کے لئے سب سے پہلے دروازہ بند کردو ۔

منوہر :— آخر بات کیا ہے ۔ کوئی پیچھا کر رہا ہے تمہارا ۔؟

عندلیب :— (ہانپتے ہوئے) ہاں ۔ اف ۔

منوہر :— کون ہے؟ پولیس ؟

عندلیب :— نہیں پولس نہیں ۔

منوہر — پھر کوئی قرض خواہ —دشمن ؟

عندلیب :— نہیں کوئی قرض خواہ نہیں ، کوئی دشمن نہیں ، پہلے تم مجھے ذرا سا پانی دیدو میں سب کچھ بتاتا ہوں ، (گلاس میں پانی انڈیلتا ہے) ۔

منوہر :— یہ پریشان حال چہرے پر ہوائیاں ، کوٹ کے بٹن نیچے اوپر ، آخر یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے ۔ اور یہ (ہنستا ہے) ایک پیر میں سلیپر اور دوسرے میں شوز . . . . .

عندلیب :— تم شوز اور سلیپروں کو دیکھ رہے ہو۔ ارے ظالم مجھے دیکھو مجھے ۔

منوہر :— آخر بات کیا ہے ۔ کچھ کہوگے بھی یا یونہی ۔

عندلیب :— بات کیا ہوئی ۔ آج چھٹی تھی کوئی کام نہیں تھا ۔ کوئی مصروفیت نہیں تھی ۔ کل دفتر سے واپس ہوتے ہوئے ۔ بڑے دنوں بعد میں نے دو تین رسالے اور ایک نیا ناول خریدا ، اراد تھا کہ پر تکلف ناشتے کے بعد آرام کرسی پر بڑے آرام سے سگار سلگا کر ان رسالوں کا مطالعہ کرونگا لیکن . . . .

منوہر :— لیکن ؟

عندلیب :— لیکن پتہ چلا کہ زندگی کی کوئی چھوٹی سی چھوٹی راحت بھی اپنی نہیں ، ہر بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی تکلیف ضرور اپنی ہے ۔ مجھے آرام چیر پہ پیر پھیلائے مشکل سے ایک منٹ ہوا ہوگا کہ . .

(دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز)

پہلا ملاقاتی :— میں حاضر ہوسکتا ہوں ؟

عندلیب :— تشریف لائیے ۔ آئیے ۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں ۔

پہلا ملاقاتی :— جی ہاں آپ مجھے نہیں جانتے ، قاضی صاحب سے تو بخوبی واقف ہوں گے ۔ وہ میرے خاص عنایت فرما ہیں ۔

عندلیب :— قاضی صاحب ! کو نسے قاضی صاحب آپ کا مطلب ہے اس بستی کی عقد خوانی کے لئے جن کو ابھی ابھی حال میں سرکاری طور پر احکام ملے ہیں ؟

ملاقاتی :— جی نہیں قاضی شریعت علی ابن المظفر حضرت زلف کے بارے میں عرض کر رہا تھا ۔

عندلیب :— او. . . . . زلف صاحب جی فرمائیے

ملاقاتی :— آپ کے نام انہوں نے یہ خط دیا ہے ۔

(کاغذ کی آواز)

عندلیب :— (پڑھتا ہے) محبی عندلیب تم سے ملے ایک عرصہ گزر گیا ۔ ہائے کیسا زمانہ تھا ۔ خدا جانے اب وہ ملاقاتیں پھر کب نصیب ہوں ۔ خیر حامل ہذا میرے ہم زلف ہیں ۔ اور اپنی ملازمت کے سلسلہ میں سخت پریشان ہیں ۔ معلوم ہوا ہے کہ ان کے محکمہ کے کچھ ذمہ دار عہدہ داروں سے تمہارے کافی اچھے تعلقات ہیں ۔ حامل ہذا کے لئے تم جو کچھ کروگے گویا مجھے اپنے احسانوں سے بن داموں خریدوگے ، زیادہ کیا لکھوں ، باقی باتیں بالمشافہ یادگار ماضی ۔۔ تمہارا قاضی ۔

ملاقاتی :- پسینے کی وجہ سے خط کچھ بھیگ گیا ہے - آپ کوئی خیال نہ کیجئے گا -

عندلیب :- نہیں نہیں کوئی حرج نہیں ، آپ کا اسم گرامی ؟

ملاقاتی :- بد نصیب کو میر محمد نصیب کہتے ہیں -

عندلیب :- نصیب صاحب آپ بے روزگار ہیں -

ملاقاتی - جی نہیں خدا کا شکر ہے بر سر روزگار ہوں -

عندلیب :- پھر قاضی صاحب نے یہ خط..........

ملاقاتی :- جی میں واقعات عرض کرتا ہوں ، میں عرصہ سات سال سے ایک بہت ہی چھوٹے قصبے میں پڑا ہوا ہوں ، چاہتا ہوں کسی اور جگہ میرا تبادلہ ہوجائے -

عندلیب :- آپ شاید شہر پر تبادلہ چاہتے ہیں - مگر جانتے ہیں - آپ شہر پر کسی کا تبادلہ کیا جانا کس قدر مشکل کام ہے - ہر شخص شہر آنے کی کوشش کرتا ہے - کوئی دیہات میں رہنا پسند نہیں کرتا - جب سبھی اپنا تبادلہ شہر پر چاہیں تو قصبوں اور دیہاتوں کے کام کس طرح سنبھلیں گے ؟

ملاقاتی :- اگر شہر پر تبادلہ ممکن نہیں تو کسی اور قصبہ یا دیہات پر ہی سہی -

عندلیب :- جب کسی قصبہ میں جانا ٹھرا - تو آپ اسی قصبہ میں کیوں کام نہیں کرتے ، جہاں سات سال سے آپ کام کر رہے ہیں -

ملاقاتی :- جی وہ ، کیا عرض کروں - شادی کے بعد حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی ہے کہ اس قصبہ سے تبادلہ ضروری ہوگیا ہے - خدا کیلئے مجھ پر رحم کیجئے - اور..........

عندلیب :- بھئی آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں ، جیسے کہ تبادلہ میرے ہی اختیار میں ہو - قاضی صاحب نے اس خط میں لکھا ہے کہ آپ جس محکمہ سے متعلق ہیں - وہاں کے کچھ ذمہ دار حکام سے میں واقف ہوں - مگر اب جو سوچتا ہوں تو مجھے ایک نام بھی ایسا یاد نہیں آتا جسے اس محکمہ سے متعلق سمجھوں -

ملاقاتی :- سیٹھ شنکر لال سے تو آپ کا کافی .... میرا مطلب ہے وہ آپ کے بہت قریبی دوست ہیں -

عندلیب :- ہاں شنکر تو میرے بہت قریبی دوست ہیں - لیکن وہ آپ کے اس محکمہ میں کب سے آگئے -

ملاقاتی :- جی وہ نہیں ، مگر ان کے.........

عندلیب :- ان کے -

ملاقاتی :- ان کے داماد کی بڑی بھاوج کے ماموں سب کچھ کرسکتے ہیں -

عندلیب :- شنکر جی کے (رک رک کر) داماد کی بڑی بھاوج کے ماموں ....

ملاقاتی :- (خوش ہو کر) جی ہاں سب کچھ ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ سب کچھ کرسکتے ہیں -

عندلیب :- یعنی میں شنکر لال جی سے کہوں گا - شنکر لال جی اپنے داماد سے -

ملاقاتی :- جی ہاں داماد اپنی بڑی بھاوج سے اور بڑی بھاوج اپنے ماموں سے ...... وہ تو ان کے گھر کی ہی بات ہے - زحمت تو آپ کو بہت دے رہا ہوں -

عندلیب :- (ٹھنڈا سانس لیتا ہے) زحمت کی ایک ہی رہی ، نصیب صاحب زمانہ کس قدر بدل چکا ہے - حیرت ہے آپ اس ترقی یافتہ زمانے میں بھی ایسی باتیں کر رہے ہیں - جو آج سے شاید پچاس سال قبل ممکن ہوں تو ہوں ، مگر اب تو قطعی ممکن نہیں -

ملاقاتی :- ممکن نہیں -

عندلیب :- بالکل نہیں ، قطعی نہیں ، آپ کے محکمہ کے ذمہ دار حکام کو خود آپ کی کارگزاری اور خدمت کا پورا پورا احساس ہے - میرا تو مشورہ آپ کے لئے ہمیشہ یہی رہیگا کہ آپ ادھر ادھر غلط قسم کی سفارشوں اور زحمتوں سے اپنا مقصد حاصل کرنے کے بجائے راست ان حکام کے پاس درخواست دیں ملیں اور اپنی مجبوریوں کا اظہار کریں جو تبادلہ کے مجاز ہیں - وہی آپ کے حق میں کوئی فیصلہ کرسکیں گے -

ملاقاتی :- لیکن قاضی صاحب نے کہا تھا - اگر آپ کو زحمت دی جائے تو..........

عندلیب - قاضی صاحب نے کچھ ہی کہا ہو - آپ تو ایک سمجھدار آدمی ہیں - ذرا غور کیجئے - یہاں صرف میری زحمت کا سوال نہیں ہے - میں شنکر لال جی سے کہوں ، شنکر لال جی اپنے داماد کو زحمت دیں ، داماد اپنی بڑی بھاوج

کو زحمت دی ۔ اور بڑی بھاوج اپنے ماموں کو ....

ملاقاتی :— جی ہاں ذرا سلسلہ تو لمبا ہوگیا ہے ۔

عندلیب :— یقین مانئیے اگر یہ سلسلہ انتہائی مختصر بھی ہوتا تب بھی میں مجبور تھا ۔

ملاقاتی :— مگر قاضی صاحب ۔

عندلیب :— قاضی صاحب کو میرا سلام کہئیے ۔ اور کہئیے کہ آپ کا محبی سخت مجبور ہے ۔ وہ کچھ نہیں کرسکتا ۔

ملاقاتی :— کچھ نہیں (غصہ سے) بہت اچھا غلطی کی میں نے جو آپ کو تکلیف دی ۔

عندلیب :— جی بڑی غلطی کی : آداب عرض ہے ۔

ملاقاتی :— آداب عرض ہے (تیز تیز قدموں کی آواز) ۔ (ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی ہے)

عندلیب :— ہاں ہلو ۔

آواز :— عندلیب صاحب ہیں ۔

عندلیب :— جی ہاں ہیں ۔

آواز :— زحمت تو ہوگی ذرا انہیں بلوا دیجئیے ۔

عندلیب :— میں خود عندلیب بول رہا ہوں ، فرمائیے ۔

آواز :— اوہ ۔ عندلیب صاحب ، آداب عرض ہے ۔ میں گل ہوں ۔ گل بہار بوری ۔

عندلیب :— آداب عرض ہے ، آداب عرض ہے ۔

آواز :— ایک زحمت دینی تھی آپ کو ....

عندلیب :— (مری ہوئی آواز میں) زحمت !

آواز :— جی ہاں کہنا یہ ہے کہ .... اچھا سنئیے کوئی اور تو نہیں ہے ۔ وہاں میرا مطلب ہے آپ اکیلے ہی ہیں ۔

عندلیب :— جی ہاں بالکل اکیلا ہوں فرمائیے ۔

آواز :— آپ میرے بڑے لڑکے کو تو جانتے ہیں نا ۔

عندلیب :— جی ہاں شاید کوئی حادثہ پیش آگیا ہے ۔

آواز :— جی نہیں کوئی حادثہ نہیں سب خیریت ہے ۔ خدا خیر خواہان گل کو صد سال سلامت رکھے ۔ عرض کرنا یہ تھا کہ اسی آپ کے خادم زادے نے اس سال میٹرک کلاس کے کچھ پرچوں کا امتحان دیا ہے ۔

عندلیب :— بڑی خوشی کی بات ہے ۔

آواز :— لیکن مسرت کی تکمیل اس وقت ممکن ہے ۔ جب آپ ایک زحمت بھی فرمائیں ۔ وہ زحمت یہ ہے کہ مسٹر منوہر ۔ وہی جو دوار کا پرشاد ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر اور آپ کے نہایت دوست ہیں ، اور پڑوسی ۔

عندلیب :— جی ہاں ، ہیں تو سہی ۔

آواز :— اور یہی کہ آپ (کھسیانی ہنسی کے ساتھ) میرے اور آپ کے قدیم تعلقات کا ان سے ذکر کردیں ۔ کم سے کم اتنا تو ہوجائے کہ لڑکا سکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہوجائے ۔ آپ چپ ہیں ہلو ۔

عندلیب :— جی ۔

آواز :— آپ نے کچھ جواب نہیں دیا ۔

عندلیب :— یہی سوچ رہا ہوں کہ آپ کو کیا جواب دوں ۔

آواز :— اوہ ۔ میں سمجھ گیا ، شکریہ ، دلی شکریہ ، بھئی عندلیب تم سے یہی امید تھی ۔ دیکھئیے لڑکے کا رول نمبر ہے ۔ تین ہزار چھ سو ستاسی ، تین چھ آٹھ ، سات جی ! ۔

عندلیب :— جی ہاں ، تین چھ سات آٹھ ۔

آواز :— اوہ تین چھ سات آٹھ نہیں صاحب تین چھ آٹھ سات ، یوں تو بڑی گڑ بڑ ہوجائے گی ۔ آپ رول نمبر نوٹ فرمالیں ۔ اور دیکھئیے وقت بہت کم ہے ۔ آج مسٹر منوہر سے ملکر آپ یہ قصہ ختم کردیں ۔ رول نمبر نوٹ کرلیا آپ نے ؟

عندلیب :— ہاں ہاں نوٹ کرلیا ۔

آواز :— کیا نوٹ کیا ذرا سنائیے تو ۔

عندلیب :— اونوہ ، جان چھوٹنی مشکل ہے ۔

آواز :— جی کیا کہا ؟

عندلیب — میں نے کہا ، تین چھ سات سات ۔

آواز :— تین چھ سات سات نہیں حضرت تین چھ آٹھ سات ، آپ تو لٹیا ڈبو دینگے ۔ ٹھہرئیے میں خود آتا ہوں یا اپنے لڑکے کو آپکے ہاں بھیجتا ہوں ۔ آج چھٹی بھی ہے ۔ منوہر صاحب بھی گھر پر ہوں گے ۔

عندلیب :— آپ یہاں آرہے ہیں ۔

آواز :— جی ہاں ابھی اور فوراً خود آتا ہوں ۔ یا اپنے لڑکے کو بھیجتا ہوں ۔ مسٹر منوہر سے آپ

ملا دیجئے گا ۔ زحمت تو آپ کو بہت دے رہا ہوں ۔

عندلیب :- سنئے سنئے، ہلو خدا کے لئے خود آؤ نہ مجھے اس جنجال میں پھنساؤ ۔ ہلو بند کردیا ظالم نے اف ۔

عندلیب :- (ہانپ رہا ہے) .... شاید وہ آرہا ہے ۔

منوہر :- آرہا ہے کون ؟ کوئی بھی نہیں ، خواہ مخواہ تمہیں تو وہم ہوگیا ہے ، مرد خدا ، ذرا ہمت سے کام لو ، اگر وہ گل بہار ہوری یا اس کا لڑکا اس دروازہ پر آیا تو سمجھ لو بری طرح پچھتائے گا ۔ میں نبٹتا ہوں اس سے تم اطمینان رکھو ...

(دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے)

(پہلے آہستہ اور پھر زور زور سے)

عندلیب :- لو وہ آگیا — اب بھگتو ، اب نبٹو ۔

منوہر :- ہاں ہاں تم فکر مت کرو ۔ میں دروازہ کھولتا ہوں ۔

(دروازہ کھولتا ہے)۔

منوہر :- کون ، تین چھ سات آٹھ ؟ ۔

دوسرا ملاقاتی :- جی ہاں ، تین چھ سات آٹھ ۔ مگر آپ کو کیسے علم ہوگیا ۔

منوہر :- میری بات چھوڑئے صاحب ، مجھے تو ساری باتوں کا علم حاصل ہے ۔ مگر تم یہ بتاؤ تمہارے علم حاصل کرنے کا یہ کونسا طریقہ ہے کہ اتنی بڑی عمر ہوگئی اور میٹرک جیسی معمولی جماعت کا امتحان دیتے ہوئے شرم نہیں آتی تمہیں ۔

دوسرا ملاقاتی :- جی آپ ....

منوہر :- آپ آپ کیا کرتے ہو ۔ اور پھر طرہ یہ کہ کامیابی کے لئے ادھر ادھر سفارشیں ڈھونڈتے ہو ۔ تمہارا خیال ہے پرچوں میں لکھے ہوئے مواد پر نہیں بلکہ لوگوں کے کہنے سننے سے ممتحن نشانات بڑھا دیتا ہے ایں !

ملاقاتی ۲ :- ذرا آپ سنئے تو آپ کو بڑی بھاری غلط فہمی ہو رہی ہے ۔

منوہر :- غلط فہمی کیسی ؟

ملاقاتی ۲ :- یہی کہ نہ تو میں نے میٹرک کا امتحان دیا ہے ۔ اور نہ میں آپ سے کسی پرچے میں نشانات ہی بڑھوانا چاہتا ہوں ۔

منوہر :- میں ، میں سب واقف ہوں ۔ تم نے نہیں تمہارے لڑکے نے دیا ہے اور کیا ۔

ملاقاتی :- جی نہیں آپ کو پھر غلط فہمی ہورہی ہے ۔ میرے تو کوئی اولاد ہی نہیں میں تو ایک بس کنڈکٹر ہوں ۔ آپ میرا لباس نہیں دیکھتے ؟

منوہر :- بس کنڈکٹر ؟

ملاقاتی :- جی ہاں بس کنڈکٹر ، یہاں سے کچھ فاصلہ پر بس خراب ہوگئی ہے ۔ معلوم ہوا تھا کہ آپ کے پاس ٹیلیفون ہے ۔ میں چاہتا ہوں بس ڈپو کو فون کرکے دوسری گاڑی منگواؤں ۔

منوہر :- دوسری گاڑی ؟ وہ تین چھ سات آٹھ ؟

ملاقاتی :- یہی تو اس خراب شدہ بس کا نمبر ہے ۔ حیرت ہے آپ کو اسکا کیسے علم ہوگیا میں فون کرلوں ، زحمت تو آپ کو ہوگی ۔

منوہر :- کیجئے صاحب کیجئے شوق سے فون کیجئے — بھئی عندلیب اب زحمت دینے والوں نے میرا گھر بھی دیکھ لیا ہے ۔

آ عندلیب مل کے کریں آہ وزاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

(سازی موسیقی)

* * * *

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر :—

شری جے ۔ وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۳۰ ۔ ستمبر کو راجمندری میں سری وینکٹیشورا کلا کیندرم ،، کا سنگ بنیاد رکھا ۔

بائیں جانب درمیان میں :-

شری پی ۔ رنگا ریڈی وزیر فینانس نے ۱۳ ۔ ستمبر کو تاری میلا (تعلقہ لاگور) میں گورنمنٹ جونیر کالج کا افتتاح کیا ۔ تصویر میں شری ایم ۔ وی ۔ کرشنا راؤ وزیر تعلیم بھی ہیں ۔

بائیں جانب نیچے :—

شری ایم ۔ وی ۔ کرسنا راؤ وزیر تعلیم نے بتاریخ ۱۳ ۔ ستمبر کو مارول (تعلقہ گدلور) میں جونیر کالج کا افتتاح کیا۔ تصویر میں شری پی۔رنگاریڈی وزیر فینانس بھی نظر آرہے ہیں۔

دائیں جانب اوپر :—

شری جے ۔ وینگل راؤ چیف منسٹر نے ۲ ۔ اکتوبر کو پالونچہ ضلع کھمم میں قرضے اور سکونتی اراضیات کے پٹے تقسیم کئے ۔

دائیں جانب نیچے :—

شری ڈی ۔ منو سوامی وزیر سمکیات نے حال ھی میں گاندھی جینتی تقاریب کے موقع پر ڈھون ضلع کرنول میں کمزور طبقات کے درمیان سکونتی اراضیات کے پٹے تقسیم کئے ۔

سیدہ چاند سلطانہ ، اورنگ آباد

فیصلہ

آج کالج میں اس کا پہلا دن تھا اور وہ اس ماحول کے لئے بالکل اجنبی تھی رفتہ رفتہ کالج کے ماحول کی رنگین فضاؤں نے اسے شوخ و چنچل بنادیا تھا کھڑا نقشہ گورا رنگ متوسط قد و قامت دراز زلفوں نے اسے پرکشش بنا ہی دیا تھا اس کی خوش مزاجی و ملنساری نے اسے کچھ زیادہ ہی مشہور کردیا تھا ۔ کالج کی رنگینیوں نے رفتہ رفتہ اسے اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا اس نے یہ سوچنا تک گوارہ نہ کیا کہ ایک دن ایسا بھی آئیگا جو اس سے اس کا سکھ چین چھین لیگا اور وہ اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور محض ہوکر رہ جائیگی ۔ اکثر اوقات وہ کسی جگہ خاموش بیٹھے بیٹھے کسی گہری سوچ میں غرق ہوجاتی ۔ اس کے دل میں یہ احساس تلاطم پیدا کردیتا کہ جو زندگی آج ہے وہ کل نہیں رہیگی چمن کے گرتے ہوئے پھولوں کو وہ حسرت بھری نظروں سے دیکھتی اور دوسرے پھولوں کے غیر یقینی زندگی پر افسوس کرتی کہ ان کا کیا حشر ہوگا پتہ نہیں ان میں سے کون کسی سر کی زینت بھی بنے گا کون وہ خوش نصیب ہوگا جو محبت کے پاکیزہ اظہار کا ذریعہ بنے گا اور کون وہ بد نصیب ہوگا جسے پیروں تلے روند دیا جائیگا ۔ یہ بات ثمینہ کے دل میں ہر وقت کھٹکتی رہتی کہ محبت کا یہ تند دھارا اسے کس سمت بہالے جائیگا ۔

وہ اپنے ہر ہم جماعت اور ہر لکچرر سے خوش اخلاق سے پیش آتی ۔ ذہین ہونے کے باعث وہ اپنی جماعت میں ہر دلعزیز تھی ۔ نفسیات کے لکچرر سے تو وہ کچھ زیادہ ہی مرعوب تھی لیکن اس مرعوبیت میں خوف کا نہیں بلکہ پسندیدگی کا عنصر غالب تھا ۔ لکچرر جاوید اعلی تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ خوش مزاج پرکشش شخصیت کا مالک اور ہردلعزیز تھا۔ لہذا دونوں کا ایک دوسرے میں دلچسپی لینا ایک قدرتی بات تھی روز روز کی ملاقاتوں نے بہت جلد معلم اور شاگرد کو دو دوستوں میں بدل دیا ۔ اور ان کی اسی دوستی کی بنیاد پر پیار و محبت کی عمارت کھڑی ہوگئی تھی۔ لیکن ہر ایک اپنی محبت کا اظہار کرنے سے گریز کرتا رہا ۔ دل کا درد دل ہی میں گھر کرتا رہا ۔ لبوں کو جنبش تو ہوتی لیکن زبان اظہار الفت سے قاصر تھی ۔ دونوں ہی یہ جانتے ہوئے کہ یہ اک آگ کا دریا ہے اس میں ڈوبنے کے لئے جیسے تیار تھے ۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے بے چین رہتے اور جب ایک دوسرے کے سامنے ہوتے تو دل کی بات حدف نظروں تک محدود ہوکر رہ جاتی ۔ دلوں کی دھڑکنیں خود درد دل کا باعث بن گئی تھیں ۔ دونوں اپنی جگہ سوچتے کہ کہیں تو کیا کہیں اور کس طرح کہیں ؟ ایک تو زمانے کا ڈر حجاب دوسرے ہمت کی کمی ۔ لیکن وقت کے ساتھ دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئے ۔

اب وہ اس مقام پر پہنچ چکے تھے کہ بغیر کہے رہ نہیں سکتے تھے آخر ایک دن جاوید نے ہمت کر کے طے کرلیا کہ خود ہی ثمینہ پر اپنی محبت کا اظہار کردے گا اور اس سے اپنی محبت کی بھیک مانگے گا ۔ وہ خوب جانتا تھا کہ ثمینہ بھی اسکی طرف راغب ہے لیکن عورت زبان سے کچھ نہیں کہتی چاہے دل میں کتنے ہی طوفان کیوں نہ اٹھیں وہ ہر چیز کا مقابلہ خاموشی سے کرلیتی ہے ۔ وہ جانتا تھا کہ ثمینہ جواب میں سر کو جھکا لے گی ۔ محبت کی اظہار کی ساری تیاری کے باوجود جاوید کا جب ثمینہ سے سامنا ہوا تو وہ جیسے اپنی قوت گویائی کھو بیٹھا " یہ تو سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا کی تفسیر بنا رہ گیا " آخر کار ایک دن اس نے اپنے آپ کو تیار کر ہی لیا لیکن اتفاق سے اس دن اسکی ثمینہ سے ملاقات ہی نہ ہوسکی دوسرے دن ثمینہ سے ملاقات ہوگئی وہ کہنا تو بہت کچھ چاہتا تھا لیکن الفاظ اسکی زبان سے ادا نہ ہوسکے۔ بڑی مشکل سے وہ ثمینہ سے صرف اتنا ہی کہہ سکا کہ ثمینہ مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے ۔ تم مجھ سے کل کہاں مل سکو گی ۔ ثمینہ نے کچھ دیر تامل کے بعد جواب دیا کہ وہ اپنے کالج کے گارڈن میں ملیگی ۔ دوسرے دن جاوید صبح ہی سے اپنے آپ کو تیار کرتا رہا ۔ اس نے اظہار مدعا کے لئے مناسب الفاظ کا انتخاب بھی کرلیا ۔ دوسرے دن ٹھیک وقت پر جاوید جب اپنے کالج کے گارڈن پہنچا تو ثمینہ کو اپنا

منتظر پایا ۔ آج جاوید نے خود سے ہی یہ دیوار گرادی ۔ ثمینہ کی پلکیں شرم و حیا کا بار نہیں اٹھا سکنے کی وجہ سے جھک گئیں ۔ ثمینہ خود حیران تھی کہ اس خبر کے سننے کے بعد اس نے دیوانہ بنادینے والی خوشی کے اظہار پر قابو پالیا ۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی ملاقاتیں بڑھتی گئیں ۔ محبت زمانے اور زمانے والوں سے بے پرواہ بنادیتی ہے اور اسی حالت سے وہ دونوں دو چار تھے ۔ جاوید کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا ۔ لیکن ثمینہ جب بھی اکیلی ہوتی یہ بات اسے کانٹے کی طرح کھٹکتی رہتی کہ ایک شادی شدہ عورت ہونے کی وجہ سے دوسرے سے محبت کرنے کا اسے کوئی حق نہیں پہنچتا ۔ بے اختیاری میں اسکے قدم جو بھٹک چکے تھے اسکا اسے بہت ہی افسوس تھا ۔ اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تعلق جو بوجھ بن گیا تھا اسے توڑ دینا چاہتی تھی لیکن یہ اس کے بس کی بات نہ تھی ۔

جاوید نے کہا '' ثمینہ جب ہم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں تو پھردنیا سے کیوں ڈریں ؟ ہمارا پیار سچا ہے ۔ یہ تو دنیا کا دستور رہا ہے کہ وہ دو چاہنے والوں کو کبھی ملنے نہیں دیتی ۔ بزدل ہیں وہ لوگ جو دنیا والوں سے ڈر کر اپنی چاہت اپنی محبت کو دل میں لئے گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیتے ہیں اپنی محبت کو نیلام کردیتے ہیں ۔ ڈرپوک ہیں وہ جو جلنے اور روکاوٹیں پیدا کرنیوالوں کا مردانہ وار مقابلہ نہیں کرسکتے ۔ ان لوگوں کو پیار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ۔ نہ جانے پہلے کیوں نڈر بنکر پیار کے راستے پر قدم بڑھاتے ہیں اور منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتے ہیں ۔ انہیں پیار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے ''ثمینہ کوئی حق نہیں '' محبت کا جذبہ محض انسانی خواھشات کا تبادلہ ہی نہیں بلکہ روح کی ایک غیر فانی جھلک ہے،، ۔

آخر کار ایک دن ثمینہ نے دل مضبوط کرکے جاوید سے کہہ ہی دیا '' لیکن جاوید میں تو شادی شدہ ہوں ایک سال بعد میرے شوہر امریکہ سے اپنی ٹریننگ پوری کر کے آجائینگے یا پھر مجھے ہی بلالینگے ۔ بتاؤ جاوید تب کیا ہوگا ؟ ہم تینوں کا کیا حال ہوگا ؟ بہتر تو یہی ہے کہ ہم جس راستے سے آئے ہیں اسی سے واپس ہوجائیں ۔ اس میں ہماری بھلائی ہے اور بد نامیوں سے بچنے کا یہی ایک واحد راستہ ہے ۔ ضبط کے سارے بندھنوں کو توڑ کر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے جاوید نے خود فراموشی کے عالم میں کہا ثمینہ اب میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ جہاں سے واپس ہوا نہیں کرتے چاہے میری راہ میں ہزاروں رکاوٹیں آئیں میں ان کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں ۔ تم ایک شادی شدہ عورت ہو لیکن پھر بھی کیا میں تمہیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤنگا ۔ کیونکہ سماجی اعتبار سے اور خاندانی روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات تمہارے اور میرے بس سے باھر ہے ۔ یہ باتیں تو ہمیں بہت پہلے ہی سوچنی چاہئے تھی اب کیا ہوسکتا ہے ؟

'' جاوید میں بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہوں ۔ میں اب اس منزل پر پہنچ چکی ہوں کہ اب تمہارے بغیر میں ایک پل بھی نہیں رہ سکتی ۔ تمہاری محبت نے مجھے اس قدر جکڑلیا ہے کہ میں واپس بھی نہیں جاسکتی ۔ لیکن جاوید — سوچو— دل تو نہیں چاھتا کہ تم سے دور ہوجاؤں . . . لیکن دماغ اور فرض مجھے لوٹ جانے پر مجبور کر رہے ہیں :

لیکن ثمینہ سنتے آئے ہیں کہ محبت اندھی ہوتی ہے ۔ آتش نمردو میں عشق بے خطر کود پڑتا ہے ۔ اور عقل لب بام محو تماشہ رہ جاتی ہے ۔ محبت کے اندھے دماغ کی نہیں دل کی سنتے ہیں محبت کو فرض پر قربان کردینا محبت کرنے والوں کا شیوہ نہیں ،، اسکے باوجود بھی دونوں ایک دوسرے کوٹوٹ کر چاہتے رہے ۔ کالج میں ان کی محبت ضرب المثل بن گئی تھی لوگ ان کی محبت پر رشک کرتے ۔ وہ جہاں کہیں بھی جاتے رشک کی نظروں سے دیکھے جاتے ۔ وہ کبھی پارکوں میں ، کبھی سینما گھروں میں کبھی تفریح گاھوں میں دیکھے جاتے اسی طرح دن بیتتے رہے امتحانات قریب آتے گئے جاوید کے کہنے پر ثمینہ روزآنہ کچھ پڑھ لیا کرتی وہ تو ایک ایسے دو راہے پر کھڑی تھی کہ اسکے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا تھا ۔ ایک طرف شوہر اور دوسری طرف محبوب ۔ جاوید کی لافانی الفت ۔ جاوید اکثر اس کے مکان بھی جایا کرتا تھا ۔ جہاں ثمینہ اپنی ساس کے ہمراہ رہتی تھی ۔ وہ تو جاوید کو اپنے بیٹے کے دوست کی حیثیت سے جانتی تھی اور اسے اپنے بیٹے کی طرح چاہتی تھی وہ جاوید اور ثمینہ کی محبت سے لاعلم تھی ۔ جاوید ہر طرح سے ثمینہ کی مدد کرتا رہا ۔ آخر امتحان کا زمانہ آگیا ۔ اور پرچے شروع ہوگئے ۔ جاوید امتحان حال پابندی سے جاتا اور ثمینہ کی ڈھارس بندھاتا ۔ جوں جوں امتحان ختم ہو گیا ثمینہ تذبذب کے عالم میں پڑگئی کے پتہ نہیں اسکا شوہر خود آتا ہے ۔ انہیں ہی امریکہ بلا لیتا ہے ۔ وہ یہی سوچتی رہتی کہ اگر اس کا شوہر خود اسے ہی بلالے تو کیا کیا جائے ؟ یا پھر وہ خود امریکہ سے آجائے تب کیا ہوگا ؟ اسی تذبذب کے عالم میں پندرہ دن گذر گئے ۔ کہ ایک دن اسکے شوہر کا خط آہی گیا ۔ جس میں اس نے ثمینہ اور اپنی والدہ کو بلالیا تھا ۔ ساتھ ہی دونوں کا ویزا بھی بھجوادیا تھا ۔ اور لکھا تھا کہ اپریل کی ۲۹ ۔تاریخ کو وہ جہاز میں سوار ہوجائیں وہ ان دونوں کو لینے ایرپورٹ پر آجائے گا ۔ ثمینہ کی جیسے جان ہی نکل گئی ۔ مجھے دل میں سے

اس نے امریکہ جانے کی تیاریاں شروع کردیں ۔ ثمینہ کی ساس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا ۔ وہ تو پانچ سال بعد اپنے اکلوتے بیٹے سے ملنے کی خوشی میں پاگل ہوی جارہی تھی ۔ اور جلد سے جلد تمام چھوٹے بڑے کاروبار سے نبٹ لینا چاہتی تھی ۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس میں ایک نئی قوت آئی ہو خوش ہونے کی وجہ سے بڑھاپا کی کمزوری و ضعف دور ہو گیا تھا ۔ خوشی سے اس میں حستی و چالاکی نظرآنے لگی لیکن دوسری طرف ثمینہ کی چستی و چالاکی ختم ہو گئی تھی اس کا کسی کام میں دل نہ لگتا تھا۔ وہ جہاں بیٹھتی وھیں بیٹھی رھی وہ چاھتی تھی کہ اسے تمام مسئلوں سے چھٹکارا مل جائے ۔ جس کا کہ وہ مقابلہ نہیں کرپارھی تھی ۔ وہ تمام جذبات سے عاری ہو گئی تھی ۔ وہ روحانی و جسمانی طور پر بے جان سی ہو گئی تھی ۔ اور دل پر پتھر رکھے تمام حالات کا جائزہ لے رھی تھی ۔ جاوید کے لئے ثمینہ کی جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت ھوا جارھا تھا ۔ اور دوسری طرف ثمینہ کا عجیب حال تھا ایک طرف شوھر سے ملنے کی مجبوری تو دوسری طرف اپنے محبوب سے بچھڑنے کا غم ھے وہ فیصلہ نہیں کر پارھی تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ اس کے جانے میں اب صرف ایک ھفتہ باقی رہ گیا تھا ۔ ثمینہ بہ حالات مجبوری اپنی ساس کی مدد کررھی تھی دوسرے دن اچانک ڈاکیہ تار دے گیا ۔ جیسے ھی ثمینہ نے تار ھاتھ میں لیا اس کے ھاتھ کانپنے لگے ۔ اس نے تار چاک کیا ۔ اور پڑھنے لگی ۔ اسکے شوھر کے ھارٹ فیل کی خبر تھی ثمینہ پر جیسے سکتہ طاری ہو گیا ۔ نہ جانے وہ کب تک گم صم کھڑی رھی ۔ اسے کچھ سمجھائی نہیں دے رھا تھا ۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ۔ وہ خود بھی فیصلہ نہیں کرپارھی تھی کہ یہ آنسو خوشی کے تھے ۔ یا غم کے ۔

* * * *

(بہ سلسلہ صفحہ ۳۷)

اس پر اس نے فخریہ لہجے میں کہا آپ مطمئین رھیئے
یہ کوئی بازاری رنڈی نہیں ـــــ سال کا مول ھے ۔
آپ کو خاندان سے کیا واسطہ ـــــ ،،

یہ '' کلج ـ ،، کا اقتباس ھے ۔ کلجگ ان کی کامیاب کہانیوں میں سے ایک ھے۔ لیکن افسوس ھے کہ ان کی کہانیاں کتابی صورت میں شائع نہ ھوسکیں۔

ان کی کہانیوں میں پلاٹ کا سلیقہ ملتا ھے ۔ آغاز ، درمیان اور انجام ایک باھمی ربط کے ساتھ موجود ھیں اور سب سے اھم بات یہ ھے کہ افسانے کے مختلف اجزائے ترکیبی یعنی پلاٹ ، کہانی کردار نگاری ، پس منظر ، نظریہ حیات میں ایک آھنگ اور توازن ملتا ھے ۔ جسکی وجہ سے ان کے افسانے اس دور کے اعتبار سے مکمل بن گئے ھیں۔ کردار اور قاری میں راست رابطہ قائم ھوجاتا ھے ۔ اور مصنف نظروں سے اوجھل ھو جاتا ھے ۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں جہاں انسان کی کمزوریاں دکھائی ھیں وھاں خوبیاں بھی جواھرات کی طرح تولی ھیں ۔

یہی وجہ ھے کہ ان کے افسانوں کے کردار زندگی سے قریب معلوم ھوتے ھیں ۔ کیونکہ اچھائی میں برائی دیکھنے سے کردار نگاری اتنی متاثر نہیں ھوتی جتنی برائی میں اچھائی دیکھنے سے مسخ ھوتی ھے ۔

اپنے افسانوں کے ماحول میں انھوں نے ایسی فضا پیدا کی جو جاری اورساری نظر آتی ھے ۔ جو دلچسپ بھی ھے اور تحیرزا بھی ۔ پلاٹ کی تنظیم کے ساتھ کردار نگاری کے سبھی ستھرے نمونے بھی ان کے ھاں مل جاتے ھیں ۔

* * * * *

خبریں تصویروں میں

بائیں جانب اوپر :— شری آر۔ وی۔ راگھوندرا راؤ کلکٹر مشرق گوداوری نے حال ہی میں گونیڈا کے مقام پر ایلوری ندی پر تعمیر کئے ہوئے پل کا افتتاح کیا۔

بائیں جانب درمیان میں :— ساڈا کے مقام پر سرکاری امداد سے کھودی ہوئی کمیونٹی باؤلی۔

بائیں جانب نیچے :— شریمتی جی۔ کملا دیوی ایم۔ ایل۔ اے نے ۲ - ا اکتوبر کو مشرقی گوداوری میں مہاتما گاندھی کے یوم پیدائش کی تقریبات کے سلسلے میں منعقدہ مقابلہ مضمون نویسی کا انعام شری ایس۔ جانکی راما شاستری کو عطا کیا۔

دائیں جانب اوپر : ضلع مشرقی گوداوری کے تعلقہ تنی دورہ میں گونیڈا کے مقام پر جدید تعمیر شدہ پل۔

دائیں جانب نیچے :— گاندھی جینتی تقریبات کے اختتام کے موقع پر کاکیناڈا میں شری نٹراجہ نرتیہ نکیتن کی جانب سے پیش کردہ رقص کا ایک منظر۔

جناب سید محمد ۔ ارباب نثر اردو کے مصنف

دنیا ایک دیدہ زیب آرٹ گیلری ہے ، رنگ برنگی تصویروں سے آراستہ ، اس آرٹ گیلری میں کچھ تصویریں دور سے شاندار دکھائی دیتی ہیں مگر قریب سے قریب نگاہ کے سوا کچھ بھی نہیں ، اس کے برعکس چند تصویریں قریب سے جتنی نفیس اور رنگین نظر آتی ہیں دور سے اتنی ہی زیادہ مبہم نقش معلوم ہوتی ہیں لیکن بعض تصویریں ایسی بھی ہیں جنہیں قریب سے دیکھیں کہ دور سے یا کسی زاویہ نظر سے ، ان کے جاذب نگاہ خطوط کے حسن واضح میں کوئی فرق آنے نہیں پاتا ، کچھ یہی حال والد مرحوم مولانا ابوالمحاسن متین کے دوست اور میرے استاد محترم جناب سید محمد کا تھا ، زندگی کے ہر موڑ پر وہ ایک ہی عالم میں نظر آئے ، عہد پیری میں بھی وہی بانکپن تھا اور ہونٹوں پر زخم دل کی پردہ دار وہی مسکراہٹ ۔ جو دور شباب کا طرہ امتیاز تھی ۔ ہر وقت ان کی رفتار ، گفتار اور کردار میں ایک مانوس ہم آہنگی محسوس ہوتی ۔ خلوص و محبت ، دردمندی ، سنجیدگی ، وضع داری ، شرافت نفس ، ایثار و قربانی اور صبر و ضبط ان کی شخصیت کے دل آویز خط و خال ہیں اور عزم مصمم ، یقین محکم اور جہد پیہم جیسے اخلاقی اقدار ان کی سیرت کی نمایاں خصوصیات تھیں ۔

سید صاحب اردو ادبیات کے ایک شفیق معلم ، ایک با عمل عالم ، ایک ممتاز ادیب ، ایک نقاد نظر محقق ، مرحوم حیدر آباد کی ایک جیتی جاگتی انسائیکلو پیڈیا ، فارسی اور انگریزی پر عبور رکھنے والے ایک مترجم ، دکھنیات کے ایک عظیم ماہر اور ان سب سے بڑھکر ایک روشن ضمیر ، ایک اعلیٰ دماغ اور ذکی الحس انسان تھے ۔ ان کی اسی ہمہ گیریت کے سبب اگر یہ کہا جائے تو نازیبا نہیں کہ ''وہ اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں،،

قلی قطب شاہ کے فرخندہ بنیاد شہر حیدر آباد میں ۱۹۰۶ ع کو مولوی سید محمد نے ایک معزز منصب دار گھرانے میں آنکھ کھولی ، گنگا جمنی تہذیب کی فضا میں پل کر جوان ہوئے ، مدرسہ نظامیہ اور مفیدالانام ہائی اسکول میں تعلیم کے ابتدائی مراحل طے کئے ، سٹی ہائی اسکول سے میٹرک کامیاب کیا اور ۱۹۲۸ ع کو عثمانیہ یونیورسٹی سے امتیازی طور پر ایم ۔ اے ۔

محترم سید محمد کے والد جناب سید عبدالرحمن ایک سلیقہ مند اور اپنی وضع کے پابند بزرگ تھے ، منصب دار تھے اور نظم جمعیت میں جمعداری کے عہدے پر برسرکار ، ان کی تمام زندگی خوش حالی کی گود میں گزری ، سید صاحب کے جد امجد ، سید امجد حسین ، جن کا حسب نسب بیجا پور کے ایک صاحب حال صوفی حضرت امین الدین اعلیٰ سے ملتا ہے ، کسی خاندانی نزاع کے باعث حیدر آباد چلے آئے اور یہیں کے ہو رہے ۔ سر سالار جنگ اول کا عہد وزارت تھا جس کی اہم خصوصیت شرفا نوازی تھی ، اسی لئے سید حسین صاحب کو منصب عطا ہوا ۔

جناب سید محمد ایک فرض شناس اور قبیلہ پرور شخص تھے ، بہت ہی خلیق ، بامروت اور مرنجان مرنج ، کیا اپنے ، کیا پرائے سب سے ہمیشہ خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے ، اپنے بزرگوں کا احترام کرتے ، '' خیال خاطر احباب ،، رکھتے ، اپنے خوردوں کی دل نوازی کرتے ، اپنے طلبہ کو اتنا چاہتے کہ ان کے دکھ سکھ کو اپنا دکھ سکھ سمجھتے ، راہ حیات میں ہر قدم پر ان کی رہبری کرنا اور ان کی بھلائی چاہنا تو گویا ان کا نصب العین ہی تھا ۔

سید صاحب ایک اطاعت گزار ، ذہین ، شوقین اور محنتی طالب علم تھے ، شائد یہی وجہ تھی کہ اساتذہ انہیں بے حد عزیز رکھتے اور قدم قدم پر ان کی خاطر افزائی کرتے تھے ، پروفیسر وحید الدین سلیم کے تو وہ سب سے زیادہ چہیتے شاگرد ہے اور سلیم صاحب ہی کا فیض تربیت تھا کہ ان کو اپنے دور کے صف اول کے ادیبوں میں جگہ ملی ۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد جناب سید محمد صاحب نے پہلے پہلے سٹی کالج کے ہائی اسکول میں اردو ، فارسی پڑھائی اور پھر کالج میں ، انہوں نے نہ صرف طلبہ کی ذہنی تربیت کی ،

ان کے ادبی شعور کو نکھارا اور ان میں جوش عمل پیدا کیا بلکہ ان کی صلاحیتوں کے اظہار کے لئے ہر دل عزیز پرنسپل محترم سید محمد اعظم کی اجازت سے اپنی نگرانی میں کالج کی طرف سے ایک ادبی سہ ماہی میگزین "انموسی" نکالا جس کی بزم میں شریک ہونے والے کئی ایک طالب علم اردو دنیا میں ادیب یا شاعر بن کر ابھرے اور نامور ہو گئے ۔

۱۹۳۷ ع وہ یادگار سال ہے جب کہ سید صاحب ہی کی تحریک پر شان دار پیمانہ پر "یوم ولی" منایا گیا جس میں اردو کے مشاہیر جیسے مولوی عبدالحق ، ڈاکٹر زور ، ڈاکٹر یوسف حسین خاں ، ، پروفیسر سروری ، مولوی سید محمد ، جناب عبدالقیوم باقی ، پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد ، جناب شیخ چاند ، پروفیسر عبدالمجید صدیقی ، جناب نصیرالدین ہاشمی ، حضرت امجد حیدر آبادی ، حضرت تمنی ، جناب مخدوم محی الدین ، جناب جلال الدین رشک ، جناب صمد رضوی ساز ، جناب وجد اورنگ آبادی ، اور صاحب زادہ سکندر نے ولی اورنگ آبادی کی زندگی اور شاعری پر اپنے بیش قیمت مقالے اور خوش آہنگ نظمیں سنائیں جن کا مجموعہ ایک مستند دستاویز کی شکل میں یادگار ولی کے نام سے شائع ہوا ۔

۱۹۴۳ ع کی بات ہے کہ سید محمد صاحب جامعہ عثمانیہ کے شعبہ اردو سے منسلک ہوئے جہاں برسوں مددگار پروفیسر رہے البتہ کچھ عرصے کے لئے ریاست حیدر آباد دکن کے ذی قدر وزرائے تعلیم نواب مہدی یار جنگ اور نواب اعظم جنگ (محمد اعظم) کے ایک کامیاب پرائیوٹ سکریٹری رہے لیکن تقاضائے وقت کہئے یا دور اندیشی کہ ۱۹۴۷ ع میں حالات بدلنے سے پہلے ہی عثمانیہ یونیورسٹی لوٹ آئے ، طالب علموں کو اپنے حسن اخلاق اور طرز تعلیم سے متاثر کیا اور ۱۹۶۱ ع کو وظیفہ حسن خدمت پر علحدہ ہو کر دو تین سال تک پرنسپل کی حیثیت سے اردو کالج کو پروان چڑھانے میں نمایاں حصہ لیا پھر کچھ دنوں تک حیدر آباد کے ایک کالج آف سروجنی نائیڈو میموریل (نمائش میدان) میں پڑھاتے رہے ۔ یہ بات کچھ کرامت سے کم نہیں کہ وہ جہاں جاتے ان کے دم قدم سے وہاں کی رونق بڑھ جاتی چنانچہ وہاں بھی پہلے سال طالبات کی تعداد بیس بائیس تھی مگر دوسرے سال سو سے کچھ زیادہ ہوگئی ۔ ان کے دل نشین درس و تدریس اور مشفقانہ سلوک کا اعجاز کہئے کہ انہیں طالب علموں میں بہت جلد مقبولیت حاصل ہوتی ، ان کے لکچر نہ صرف دل میں اتر جاتے تھے بلکہ کچھ دعوت فکر بھی دیتے اور نسیم بہار کی طرح ذہن کو تازگی اور فرحت بھی بخشتے ہے ۔

سید صاحب ایک سر گرم سماجی کارکن بھی تھے ، علمی ادبی انہاک کے باوصف اپنے دل میں سماجی خدمت کا ایک جذبہ پر خلوص بھی رکھتے تھے چنانچہ اسی جذبے کی تسکین کی خاطر کچھ زمانے تک میونسپلٹی کے ممبر رہے اور عوام کے بلدی شعور کو بیدار کیا ۔ دوسری بڑی لڑائی کے موقع پر ملک بھر میں ہوائی حملے سے بچاؤ کی تدبیریں کی جارہی تھیں ، اے آر پی کا ایک سررشتہ قائم ہوا ۔ سید محمد صاحب کو ڈویژنل وارڈن کے معزز عہدے پر فائز کیا گیا ۔ حیدر آباد کے شہرہ آفاق ادارہ ادبیات اردو کی تاسیس تعمیر و ترقی میں ان کا بھی خون دل شامل ہے اور سر سالار جنگ مرحوم کی سرپرستی میں قائم ہونے والی مجلس دکنی مخطوطات کی معتمدی کے فرائض بھی بحسن و خوبی انجام دیتے رہے ۔

عمر کے آخری مرحلے میں ان کا "اعجاز پریس" ہی ان کی دل چسپی کا مرکز بنا رہا ، شاید انہیں یہ احساس ہو چلا تھا کہ اس دنیائے آب و گل میں ۔

ہم نے سب کچھ گنوا کے کیا پایا ؟

پھر بھی انہیں کا حوصلہ تھا کہ وہ علمی ، ادبی ، تہذیبی اور سماجی مصروفیات سے اس وقت تک کنارہ کش نہ ہوسکے ، جب تک کہ ۳۰ ۔ اگسٹ ۱۹۷۶ ع کی صبح نہ آپہنچی اور ان کے طائر روح نے قفس عنصری سے پرواز نہ کی ۔

حق مغفرت کرے ، عجب آزاد مرد تھا ۔

سید مرحوم کی رفیقہ حیات کی اخلاقی قدریں بھی اپنے شوہر نامدار سے کچھ کم نہ تھیں ، وہ ایک سلیقہ مند ، منتظم ، روشن خیال اور باکردار سرشت خاتون تھیں ۔ جب کبھی ان سے نیاز حاصل ہوتا ، اپنی والدۂ محترمہ کی یاد تازہ ہوجاتی ۔ انہیں اپنے شوہر کے انتقال کا اتنا صدمہ ہوا کہ چوبیس دن بعد ۲۳ ۔ سپتمبر ۱۹۷۶ ع کو رات کے دس بجے اپنے پانچ صاحبزادگان خوش سیر اور پانچ دختران نیک اختر کو سوگوار چھوڑ کر دنیا سے سدھاریں ۔ اور حضرت شمس الدین قادری کے احاطہ مصری گنج میں سید محمد صاحب کے مزار کی سیدھی جانب ان کی تدفین عمل میں آئی ۔

یہ دعا ہے کہ روز سورج فاتحہ خوانی کرے
آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے

* * * *

مومن خاں شوق

دیوالی کا سندیس

دیپ جلاؤ
دیوالی کے دیپ جلاؤ
پیار محبت ، بھائی چارہ
ہم سب کا ہو ایک ہی نعرہ
بستی بستی ، آنگن آنگن
جگمگ جگمگ ہو اجیارا
رہے نہ کوئی غم کا مارا
دیوالی کے دیپ جلاؤ
آشاؤں کے گیت سناؤ
رنگوں کی تقدیس کو سمجھو
رنگوں کی توقیر کو جانو
دیپ جلاؤ ، دیپ جلاؤ
ہندو ، مسلم ، سکھ عیسائی !
بھارت کے رہنے والوں نے
جیون کی تیرہ راھوں میں
یگ یگ دیپ جلائے ھیں
دیوالی پھر آئی اب کے
کیسی نئی سوغات لئے
دین ، دھرم کے رشتے ناطے
بھارت دھرموں کا گلدستہ
بھارت تہذیبوں کا وطن
دیوالی کا یہ سندیس
دھرتی جاگے ، جنتا جاگے
جاگے سب سنسار

* * * * *

نئی کتابیں

(۱) مطالعہ : کیوں اور کیسے از ڈاکٹرضیاءالدین احمدشکیب
(۲) یاران شہر (ادبی خاکے) طیب انصاری
(۳) بہارستان (شعری مجموعہ) منوہرلال بہار
(۴) اقرا (شعری مجموعہ) روف خیر

ارسطو کے تعلق سے یہ روایت مشہور ہے کہ وہ شب و روز مطالعہ کرتا تھا اور راتوں میں اپنے پلنگ کے قریب ایک پیتل کی تھالی رکھ لیتا ، ایک ہاتھ میں کتاب لیتا اور دوسرے میں پتھر تھامے رہتا اور مطالعہ میں کھو جاتا اگر غنودگی طاری ہوتی تو پتھر ہاتھ سے چھوٹ کر تھالی میں گر پڑتا اور وہ اس کی آواز سے چونک پڑتا اور پھر پڑھنا شروع کردیتا — اس واقعہ سے مطالعہ کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

ایک اور واقعہ سنئیے ، لارڈ میکالے مسلسل پانچ پانچ دن تک پڑھنے کا عادی تھا اور اس کے مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ اس کی دو کتابوں پر دس کتابوں کے مطالعہ کا اوسط پڑتا ہے ۔ جدید دنیا کے اکثر ذمہ دار مصنفین کا مطالعہ ایک سطر پر بائیس کتابوں سے بھی زیادہ ہوتا ہے ۔

علی گڈھ کے پروفیسر حبیب سوئے بغیر مسلسل تیرہ دنوں تک پڑھتے رہنے کا ریکارڈ قائم کرچکے ہیں ۔

ایسے ہی کئی واقعات پر مشتمل ایک مفید کتاب ، '' مطالعہ کیوں اور کیسے ،، کے نام سے ڈاکٹر ضیاءالدین احمد شکیب نے لکھی ہے ، جس سے ہر مطالعہ پسند کو استفادہ کرنا چاہئیے ، مختصر سے کتابچہ میں جناب شکیب نے ۲۸ مختلف چھوٹے چھوٹے عنوانات کے تحت مطالعہ کی افادیت کے رموز کو سلیس اندازبیان میں ظاہر کرنے کی سعئ مشکور کی ہے ۔ اردو والوں میں کتابوں کو خرید کر پڑھنے کا اوسط قابل اطمینان نہ ہونے کی کئی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مطالعہ کی افادیت پر صحیح توجہ مرکوز نہیں کی گئی ، اردو زبان اور اس کا ادب زندگی ، مذہب ، سماج اور معاشرہ کی ہر لحظہ بدلتی اور ارتقاء پذیر اقدار کا آئینہ رہا ہے ۔ ضرورت ہے کہ ذوق مطالعہ کو زندگی کے روزمرہ کا جز و لازم بنایا جائے تاکہ قلب و روح کی تشنگی دور ہوسکے ۔

(۴۸) صفحات پر مشتمل اس مختصر مگر افادی کتاب '' مطالعہ : کیوں اور کیسے ،، سے استفادہ ہر فرد کے لئے یکساں طور پر مفید قرار پاتا ہے خصوصاً کالجوں میں تعلیم پانے والوں کو چاہئیے کہ وہ اسے تین روپیوں میں خرید کر خود کو مطالعہ کا عادی بنائیں ۔ یہ کتاب '' ادارۂ ساز ادب ،، کی طرف سے بہ اعانت اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش چھپی ہے اور اکیڈیمی کے بکڈپو سے دستیاب ہے ۔

'' یاران شہر ،، (۳۴)سوانحی خاکوں کا نیا مجموعہ ہے ، جسے طیب انصاری نے سپرد قلم کیا ہے اس سے پہلے '' میرا شہر میرے لوگ ،، کے نام سے ادبی خاکوں پر ان کی کتاب مقبول ہوچکی ہے ۔ '' یاران شہر ،، (۲۲۴) صفحات پر مشتمل ہے ، جسے '' ادارۂ ادبیات اردو ،، نے شائع کیا ہے ۔

طیب انصاری ، ادبی دنیا میں '' ذرا ویسے ،، نقاد کی حیثت سے داخل ہوئے ۔ '' ادراک معنی ،، جب چھپی تو ان کے تیکھے اور عجیب و غریب انداز تنقید پر خوب تبصرے ہوئے فکر و نظر کے ترچھے پن پر گفتگو بھی چلی اور ایسے میں انہوں نے چپکے سے سوانحی خاکوں کی کتاب نقادوں کے آگے رکھدی ۔ طیب نے اپنی زندگی اور اپنے فن کو جی کے زیاں کا سودا قرار دے کر لکھنے اور جم کر لکھنے کی طرف توجہات

میں لوٹ گئیں ۔ تنقید کے وار سے انہوں نے ہار نہیں مانی، وہ اب بھی تنقیدی تحریریں لکھتے اور چھپواتے ہیں ، اب انکی فکر و نظر میں بلوغیت اور عصری حثیت کے آثار بھی نمایاں ہو چلے ہیں ، ہاں تخلیقی شعور اور متنی تنقید کے بھرپور اظہار کے امکانات کا ان پر ابھی سے ابلاغ ہو تو کیسے ۔

" یاران شہر ،، میں طیب انصاری کے بیشتر خاکے " بابو گرافیکل آرٹیکل ،، نظر آتے ہوئے بھی کہیں کہیں صاحبان خاکہ کی کوئی نہ کوئی غیر سوانحی ادا نمایاں ہوجاتی ہے اور درون‌چہرہ کا عکس مزہ دے جاتا ہے ، پروفیسر سید علی اکبر ، جناب حبیب الرحمن ، بیرسٹر میر اکبرعلی خاں ، عابد علی خاں، ڈاکٹر حفیظ قتیل ، بھارت چند کھنہ ، یوسف ناظم ، اختر حسن، نریندرلوتھر ، امیر احمد خسرو ، عاتق‌شاہ ، سرینواس لاہوٹی ، سلیمان اطہر جاوید ، احمد جلیس، صلاح‌الدین نیر ، غلام جیلانی سلیمان خطیب اور سعادت‌علی‌خاں وہ خاکے ہیں جو " یاران شہر ،، کی آبرو بڑھاتے ہیں ۔ اس کتاب میں چند " ندیدہ ،، افراد پر بھی خاکہ نما مضامین شامل ہیں جن میں عزیز جنگ ولا اور محب حسن کے نام آتے ہیں ۔

اردو میں خاکہ نگاری عہد طفولیت سے گزر کر عہد شباب میں داخل ہو گئی ہے ۔ اور کہیں کہیں تو اس پر پیرانہ سالی کا گماں بھی گزرتا ہے ۔ طنز کے خاکوں کا افق عہدشباب کی شوخی سے عبارت ہے ۔ دکن کے لوگوں سے ان کا پیار ، ٹوٹ کر چاہنے کی ادا اور خرابیوں میں بھی خوبیوں کو تلاشنے کا ہنر وہ اوصاف ہیں جن میں اولیت دی جا کر ان خاکوں کا مطالعہ کیا جائے کہ دکن کے کیسے کیسے باکمال آج بھی شعر و ادب ، سیاست و صحافت ، مذہب و ثقافت کی رواں رھگزر پر اپنی فعال صلاحیتوں کے ساتھ ہم قدم رہے ہیں ۔ ان خاکوں کے مطالعہ سے عہد حاضر کی حیدرآبادی تہذیب اور اردو کلچر کے انداکس سے شناسائی ہوتی ہے ۔ یہ کتاب ایوان اردو یا اردو اکیڈیمی کے بکڈپو سے صرف دس روپیوں میں خریدی جا سکتی ہے ۔

حیدرآباد کو شہر غزل کہا جاتا ہے ۔ عہد قطب شاھیہ سے عہد آصفی تک دکن میں اردوغزل نے کلاسک سے جدیدیت تک اپنا سفر خوشگوار طریقہ پر جاری رکھا ہے ۔

منوھرلال بہار حیدرآباد کے کہنہ مشق غزل گو شاعر کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں جانے پہچانے جاتے ہیں ۔ فصاحت جنگ جلیل سے بہار نے اکتساب فن کیا ہے تقریباً چالیس سال سے دبستان جلیل سے منسلک ہیں ۔ کلام میں سلاست، شیرینی اور گل‌پیرھنی کی بو باس ملتی ہے ۔ زندگی کے مسائل کو اشارتی انداز میں برتنے کا انہیں سلیقہ رہا ہے ، انکی غزلیہ شاعری کی لفظیات محدود ہوتے ہوئے بھی تراکیب کی ندرت اور تنوع کے سبب اثرانداز ہوتی نظر آتی ہیں ۔ انسانی اقدار، زمانوں کے مد و جزر اور مذاہب کا احترام وہ عناصر ہیں جن سے منوھرلال بہار کی شاعری اور شخصیت عبارت ہے ۔

حیدرآباد کے گنگا جمنی کلچر کی مہک اور شرافت سے انکی شاعری کا خمیر اٹھا ہے ۔ اساتذہ کی صحبتوں اور شریفانہ حیدرآبادی ماحول نے انکی فکر کو روشنی بخشی ہے ۔ بہار کے مجموعہ " بہارستان ،،کا دیباچہ لکھتے ہوئے پروفیسر مہندر راج سکسینہ نے بالکل درست تحریر کیا ہے کہ " بہار ایک فطری شاعر ہیں ان کے کلام میں ماحول کے بدلتے ہوئے اثرات کا یکساں اثر ملتا ہے ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب کا ایک آینہ ہے جو فطرت کے ہر بدلتے ہوئے روپ کی بحسنہ عکاسی کرتا ہے ۔ افق کی تابانی ، شفق کی رنگینی اور رات کی تیرگی سے وہ نہ صرف یکساں طور پر تاثر قبول کرتے ہیں بلکہ ان کی تصویر کشی میں قادر بھی نظر آتے ہیں ۔ حالانکہ انہوں نے اپنا تخلص بہار رکھ چھوڑا ہے لیکن بہار ہو یا خزاں ، قنوطیت ہو یا رجائیت ، احساس غم ہو یا امید کی سرخوشی وہ اپنے کلام کے جادو سے ایسا سماں باندھ دیتے ہیں کہ نظاروں کے سامنے فطرت کی ان بدلتی ہوئی کیفیتوں کا نقشہ کھنچ آتا ہے ،،۔

بہار کی شاعری روایت کے احترام اور پاسبانی کا نام ہے اور یہ بضا "بہارستان ،، کی سو (۱۰۰) غزلوں میں یکساں اثرپذیر ملتی ہے بقول ڈاکٹر عالم خوندمیری " بہار کی شخصیت اور انکی شاعری میں ہمیں کوئی تضاد اور تصادم نظر نہیں آتا ۔ وہ جیسے صاف ذھن اور پاک نفس انسان ہیں ، ویسے ہی انکی شاعری پیچیدگیوں اور الفاظ کے بے جا طلسم سے پاک ہے ۔ ،،

منوھر لال بہار کے یہ چند شعر پڑھئیے اور سر دھنئیے ، مضامین کی بو قلمونی ، حسن ادا کا طریق اور علم شعر کے عرفان نے کیا کیا گوشے روشن کئیے ہیں

اعمال نیک و بد ہی سے انساں کو جانچئیے
یہ کفر دیکھئیے نہ وہ اسلام دیکھئیے

کروٹ بدل رہا ہے زمانے کا اقتدار
لو ، صبح ہورہی ہے نئے انقلاب کی

ہر اک کی بیکسی پر جو کہ تڑپے
وہی انسان سب میں محترم ہے

سمجھوں گا جینا آ گیا ، کام آگئی حیات
ٹوٹے ہوئے دلوں کو اگر میں ملا سکوں

آؤ ھنس‌بول لیں بہار جئیں
کیا بھروسہ ہے زندگی کتنی

نفرتوں کی تاریکی دور ہوتی جاتی ہے
جذبہ محبت کا جب چراغ جلتا ہے

ہمارا ظرف وفا کیا تو آزماتا ہے
فریب کھا کے ترا اعتبار کرتے ہیں

اب بہار سے ایک پیام سنیئے ، رباعی میں کہتے ہیں ۔

نفرت کو محبت کی جلا دیتا ہوں
تکلیف کوئی دے تو دعا دیتا ہوں
میں فرض محبت کی اذاں دے کے بہار
انسان کو غفلت سے جگا دیتا ہوں

غرض انسانی اقدار کی توقیر ، محبوں اور یکجہتی کی تقدس سے مملو ایسی شاعری کو کون پسند نہ کرے گا '' بہارستان ،، خرید کر پڑھیئے ۔ (۱۲۸) صفحات اور قیمت صرف چھ روپے ۔ اردو اکیڈیمی کی اعانت سے چھپا ہے اور بکڈپو سے مل سکتا ہے ۔

رؤف خیر ، حیدر آباد کے جواں عمر اور جدید فکر کے ذہین شاعر ہیں انکی فکر کا افق جذبات کی کلاسک آئینہ رو کے باعث جلوۂ صد رنگ ٹھہرتا ہے ۔ ان کے مجموعہ '' اقرا ،، میں آٹھ دس سال کی شاعری کا انتخاب شامل ہے ، یہ مجموعہ بھی اردو اکیڈیمی کی اعانت سے چھپا ہے ۔ جب سے جدید شعری حیث عصری فکر کا کینویس بن گئی ہے ، نئی علامتوں کی رنگ رنگ کرنیں قوس قزحی طریق سے قاری کو اپنی طرف راغب کرنے میں ہنرمندی کے سبب موثر کردار ادا کر رہی ہیں ۔ رؤف خیر کی ٹوٹل شعری ذہانت شعر کے ابلاغ کے ساتھ ان کا رویہ ترسیل کے باب میں ان کا کلاسیکی اپروچ کہیں کہیں طرز نو اور اسلوب نہفتہ کی شناخت ضرور کراتا ہے ۔ غزلیہ شاعری میں رؤف خیر ، یگانہ آرٹ کے ساتھ بانی کے لہجہ میں جادو جگاتے اور طلسماتی فضا بناتے نظر آتے ہیں ۔ ان کی غزلوں میں ادق اور بوجھل قوافی کے ساتھ سبک دہ اور دلوں کو چھونے والے شعر بھی ملتے ہیں ، سوچنے اور غور کرنے کے مقام بھی آتے ہیں فن شعر سے ان کا رویہ ، تجربات کی ندرت کے سبب کسی حد تک مخلصانہ ہی ٹھہرتا ہے ۔ زندگی کے مسائیل محنت اور محبت کے رموز، مشینی عہد کے کرب کو رؤف خیر نے نظموں، سانیٹس اور ترائیلوں میں برتنے کی اس حد تک سعی کی ہے کہ بیشتر کلام اپنا تاثر چھوڑتا نظر آتا ہے ۔ سانیٹ اور ترائیلے علحدہ اصناف سخن تو ہیں ہی ، مگر ہم انہیں نظم کی توسیع قرار دیتے ہوئے پڑھ لیں تو کیا قباحت ہے ۔ ان کی نظموں میں اثر آفرینی کی افقی رو اس امر کی شاہد ہے کہ یہ موضوع سے بڑی حد تک انصاف کرتے ہیں ۔ مجموعہ '' اقرا ،، کی اچھی نظموں میں '' بے اثاثہ ' بونوں کا خطاب ، لذت آوارہ ، قصہ دل دکھنے کا اور نگاہ آئینہ‌ساز ،، بے حد اچھی نظمیں ہیں سانیٹ اور ترائیلے ندرت خیال کے اظہار کا اشاریہ ہیں جن سے خیر فہمی کی تکمیل ہوتی ہے ۔

غزلوں کے چند شعر کسی حاشیہ آرائی کے بغیر نقل کئے گئے ہیں ، جن سے لطف لیا جا سکتا ہے ۔

سنو ، یہاں سے مرے دوستو، اجازت دو
مجھے تلاش میں اپنی روانہ ہونا ہے

ہر بات کا ثبوت نہ مانگا کرو یہاں
کچھ بے‌نشان ہوتے ہیں گھاؤ بھی مان لو

افق کو دیکھوں تو اس کی سپردگی یاد آئے
اب ایک عمر لگے گی اسے بسرتے ہوئے

وہ مر گیا تو خدا ہو گیا ہزاروں کا
وہ شخص اپنے ہی جیسا تھا جب حیات سے تھا

گزر رہا ہوں ابھی تک تو خود تراشی سے
کہاں میں دست ہنر ہوں تراش دو مجھ کو

ہم اپنے قتل کا اب کس سے خوں بہا چاہیں
ہر آئینے میں تو قاتل ہمیں دکھائی دیئے

ہم کہاں حرف شناس اتنے مگر پڑھتے ہیں
کاغذوں پر تری ہاتھوں کی نمی کا لکھا

وہ لوگ تھے جو کہانی کے مرکزی کردار
وہ حرف حرف جئے ، خواب خواب مر کے رہے

رؤف خیر سے آؤ کوئی غزل سن لیں
یہ مسئلے تو مرے یار عمر بھر کے رہے

قصہ مختصر رؤف خیر سنبھلے رہنے کے طور سے واقف شاعر ہیں ، ان کے ہاں علم اور فکر کی لہریں بھی ملتی ہیں ۔ ڈاکٹر وحید اختر کا روائتی دیباچہ '' اقرا ،، میں شامل ہے اور بس ۔۔۔۔

مجموعہ کی پہلی نظم '' امانت آنے والی ساعتوں کی ،، میں پیدا پنہاں تاثر کا ذرا وسیع کینواس یہ انتخاب ہے کہ شاعر فرسودہ ذہنوں اور زمانوں میں مبعوث نہیں کیا گیا ۔ مجموعہ کے آخری ترائیلے کی دو سطروں میں جس بات کی طرف طنزیہ اشارہ کیا گیا ہے اسے بھی ذہن میں رکھا جائے کہ یہ ادا ذرا ویسی ہے ۔ جی لگنے اور قدم جمنے میں جو فاصلہ ملتا ہے اسے طئے کرنا پڑے جو کہم کا کم ہوتا ہے ۔ رؤف خیر ان منزلوں سے بہر حال '' حسب حال ،، گزرے ہیں ۔
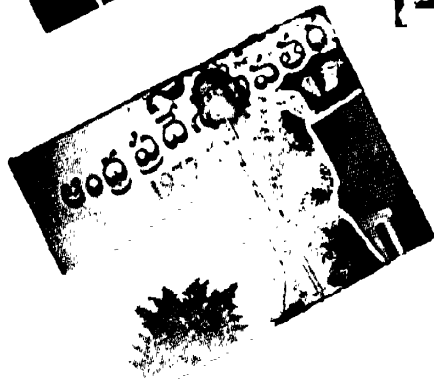
* * *

No. H./HD-76.

آندھرا پردیش

ڈسمبر سنہ ۱۹۷۷ع

۵۰ پیسے

آندھرا پردیش

ترتیب　　　صفحہ

ایڈیٹر انچیف

شریمتی سری راجیم سنہا

★
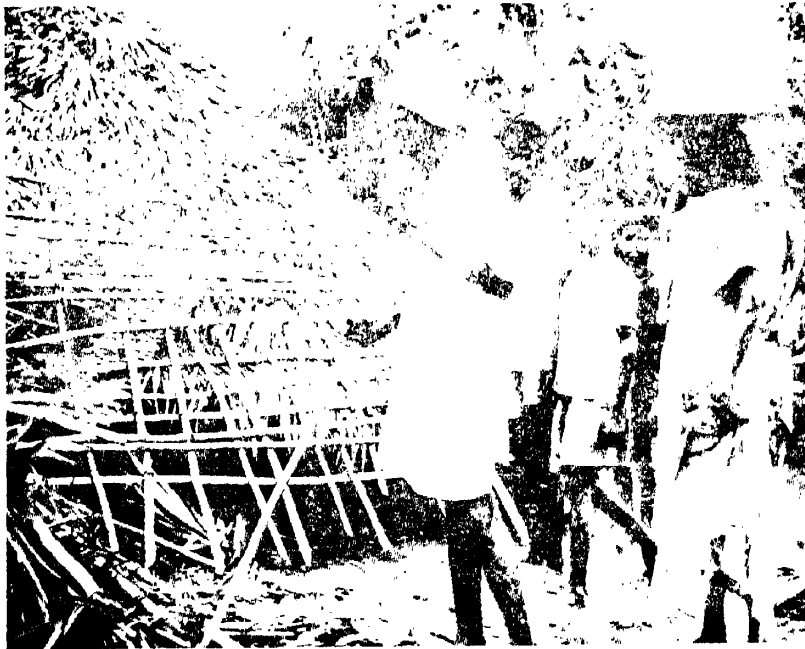
ماہ ڈسمبر ۱۹۷۷

اگراہاین ۔ پوش

جلد نمبر ۲۲

شمارہ ۲

سرورق کا دوسرا اور تیسرا صفحہ

المناک تباھی

سرورق کا چوتھا صفحہ

کاجولا دنے پراجکٹ

(فوٹو سری کے ۔ جگدیشور راؤ)

اس شمارے میں اھل قلم نے انفرادی طور پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے لازمی طور پر حکومت کا متفق ھونا ضروری نہیں ۔

آندھرا پردیش (اردو) ماھنامہ

زر سالانہ چھ روپئے ۔ فی پرچہ ۵۰ پیسے

وی ۔ پی ۔ بھیجنے کا قاعدہ نہیں ۔

چندہ منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیا جائے ۔

ناظم اطلاعات و تعلقات عامہ

حکومت آندھرا پردیش نے شائع کیا ۔

آندھرا پردیش شاہراہ ترقی پر رواں دواں ہے

آفتاب عالم تاب کی شعاعوں کے حیات افروز بوسوں سے درخشندہ و تابندہ سر زمین دکن پر واقع ریاست آندھراپردیش اپنی گنگاجمنی تہذیب وثقافت کی بو قلمونی اور ہمہ گیریت کی بنا پر ایک چھوٹا موٹا ہندوستان کہلانے کی مستحق ہے۔ اس ریاست میں ماضی ۔ حال اور مستقبل تینوں ادوار کی زندگیوں کے آثار موجود ہیں۔ یہاں عہد ماضی کے پرشکوہ منادرہیں۔ زمانہ حال کے پرعظمت ترقیاتی پروجکٹس ہیں اور یہاں کے عوام کی چمکدار اور روشن آنکھوں میں اپنے شاندار اور پر امید مستقبل کی تابناکی جلوہ گر ہے۔ آندھرا پردیش کے درخشاں تمدن کا منبع اورسرچشمہ اسکا شاندار ماضی ہے ہندوستان کے ثقافتی ورثے میں اس ریاست کے لافانی فن بت تراشی اور جاذب نظر فن تعمیر کو ایک یکتا اور منفرد مقام حاصل ہے۔ حلاوت سے معمور تلگو زبان ، جو مشرق کی لاطینی کہلاتی ہے۔ ہندوستانی عوام کی ایک بڑی تعداد کی مادری زبان ہے اور پورے ملک کی زبانوں میں ہندی کے بعد دوسرا نمبر اسی کا ہے۔ اپنے ماضی پر بجا طور پر نازاں یہ ریاست آج پورے جوش وخروش اور عظیم توقعات کے ساتھ ایک نئے دور میں قدم رکھ چکی ہے۔

آندھرا پردیش کی خوشحالی کا دار و مدار اسکے کسانوں کے ہل پر ہے ۔ پانچسالہ منصوبے برسوں سے غذائی پیداوار میں تیزرفتار اضافہ پر زبردست زوردیتے آئے ہیں۔ ریاست نے ۱۹۷۵-۷٦ میں ۹۳،۲۸ لاکھ ٹن غذائی اجناس پیدا کئے جوایک اہم کارنامہ اور ایک ہمہ وقتی ریکارڈ ہے۔

قلت کے حالات سے اکثر و بیشتر دو چار ہونیوالے علاقوں کی آفات کے ازالے کے لئے '' ڈراوٹ پرون ایریاز پروگرام،،روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ جو فی الوقت اضلاع اننت پور ۔ کڑپہ ۔ کرنول ۔ چتور محبوب نگر ۔ نلگنڈہ اور پرکاشم پر محیط ہے۔

چھوٹے کسان کا بڑا کردار

چھوٹے کسان کو فراموش نہیں کیا گیا ہے۔'' دی اسمال فارمرس ڈیولپمنٹ ایجنسی اور مارجینل فارمرس اینڈ ایگریکلچرل لیبرس ڈیولپمنٹ ایجنسی،،کے دونوں اداروں نے اب تک ۸۲۸،۸٦ لاکھ روپیوں سے استفادہ کیا ہے اور ۲۲،۹۲ کروڑ روپیوں کی مقدار میں ادارہ جاتی مالیے کی فراہمی کا انتظام کیا ہے۔ تقریباً ۹۲،٦ لاکھ چھوٹے کسانوں ، مارجینل کسانوں اور زرعی مزدوروں کی شناخت عمل میں لائی گئی ہے۔

حالیہ کچھ عرصہ سے ریاست میں ترقیاتی سر گرمیوں میں زبردست حرکت پیدا ہوئی ہے۔ سال ۱۹۷۷-۷۸ کے سالانہ منصوبے کے لئے اخراجات کی گنجائش کو بڑھا کر ۳٦٥،۷۵ کروڑ روپیہ کردیا گیا جبکہ اس رقم کے مقابلے میں سال ۱۹۷٦-۷۷ کے لئے فراہم کردہ گنجائش ۲۹۰،۳۸ کروڑ روپیہ تھی اب اس رقم کو مزید بڑھا کر ۳۸۰،۲۳ کروڑ روپیہ کردیا گیا ہے۔ زرعی شعبے کو ہماری انتھک مساعی میں ایک مرکزی موقف حاصل ہے۔

کثیر پیداوری اقسام کے تخموں کی کاشت کے لئے بڑھے چڑھے نشانے مقرر کئے گئے ہیں ۔ کیمیائی کھادوں کی رسد میں اب قلت باقی نہیں رہی ہے۔ شعبہ آبپاشی کو بڑھاوا دینے کے نتیجے میں توقع ہے کہ ۱۹۷۷-۷۸ کے دوران میں مزید (۵۵۲۷۰) ہیکٹر رقبہ اراضی کو سیراب کرنیکی گنجائش پیدا ہو جائیگی ۔ آبپاشی کے ترقیاتی کاربوریشن نے متعدد لفٹ اریگیشن اسکیمات کا آغاز کیا ہے۔ صنعتوں اور معدنیات کے شعبے کے لئے اخراجات کی گنجائش کو بڑھا کر ۱۹۷۷-۷۸ کے دوران میں ۱۱،۲۵ کروڑ روپیہ کردیا گیا ہے۔ جبکہ ۱۹۷٦-۷۷ میں اس مد کے لئے ۸،۹۲ کروڑ روپیوں کی گنجائش فراہم کی گئی تھی ۔

منصوبہ بندی کے دور کا آغاز

ہماری منصوبہ بندی کے دور کے آغاز سے ہی آبپاشی اور برق قوت کو ترقیاتی شعبوں میں اہم ترین مقام دیا گیا ہے۔ چوتھے پانچسالہ منصوبہ کے ختم تک چھ بڑی اسکیمات پر تقریباً ۱۰۰ کروڑ روپیوں کے اخراجات عمل میں لائے جاچکے ہیں ان چھ بڑی اسکیمات کے نام یہ ہیں ۔ تنگبھدرا پروجکٹ لولیول کنال اور ہائی لیول کنال اسکیمات ۔ کے سی کنال ترقیاتی اسکیم مرحلہ اول اور دوم ۔ کڑم پروجکٹ اور وسسادھر پروجکٹ ۔ اسکے علاوہ ۱۵ اوسط آبپاشی اسکیمات بھی روبہ عمل ہیں ۔ ان اسکیمات کی بدولت مزید ۳،۳۳ لاکھ ہیکٹر اراضی کو سیراب کرنیکی گنجائش مہیا ہوئی ہے۔ ریاست کے آبپاشی منصوبہ کو سرعت کے ساتھ بڑھاوا دیا گیا ہے۔ اس منصوبہ کے لئے ۱۹۷۳-۷۴ میں ۲۱،٦۱ کروڑ روپیہ کی گنجائش

رکھی گئی تھی - جو بڑھا کر ۷۷-۱۹۷۶ میں تقریباً ۸۰ کروڑ روپیہ کردی گئی اس شعبے پر ۷۸-۱۹۷۷ میں ۱۰۷،۱۷ کروڑ روپیہ کے اخراجات عمل میں آنیکا تخمینہ ہے - بڑے اور اوسط پراجکٹوں کے تحت پانچویں منصوبے کے پہلے دو برسوں کے دوران میں ۱۰۰۰۱۷ ہیکٹر اراضی کو قابل کاشت بنایا گیا ہے - جبکہ ۸۰۰۰۷ ہیکٹر رقبے کو نئی آبپاشی اسکیموں کے تحت لے آیا گیا ہے یا چھوٹے آبپاشی پراجکٹوں کے تحت مستحکم بنالیا گیا ہے -

ایک ترقی پذیر ریاست یا پسماندہ علاقے کی تیز تر ترقی کے لئے برقی قوت کا فروغ انتہائی ضروری ہے - سعودی عربیہ فنڈ سے بیرونی امداد کے حصول کے لئے جو ہماری جدوجہد جاری تھی وہ ثمر آور ہوئی ہے - اور جون ۱۹۷۷ میں ایک معاہدہ طے پایا ہے جو ایک سنگ میل کی حیثیت کا حامل ہے - اور جسکی بدولت ناگرجونا ساگر نیز سری سیلم ہیڈرو الکٹرک اسکیمات کو عاجلانہ طور پر روبہ عمل لانے میں سہولت ہوگی - سری سیلم ہائیڈل پروجکٹ ریاست کا ایک پر وقار پراجکٹ ہے اور اس کی تکمیل کا کام پوری سرگرمی کے ساتھ جاری ہے - ۷۸-۱۹۷۷ کے دوران میں اس پروجکٹ کے واسطے فراہم کردہ گنجائش کو بڑھا کر ۳۲ کروڑ روپیہ کردیا گیا ہے - تھرمل برقی قوت کی جانب بھی پوری توجہ دی جارہی ہے -

ریاست میں تقریباً ۲۷۲۲۱ مواضعات ہیں جن میں سے نصف تعداد کو مارچ ۱۹۷۷ کے ختم تک برقالیا گیا ہے - دیہاتوں کو بجلی کی فراہمی کی تاریخ میں یہ ایک قابل فخر کارنامہ ہے - برقی قوت پیدا کرنے کے سلسلہ میں آندھرا پردیش پوری مستعدی کے ساتھ خود کفالتی کے راستے پر گامزن ہے -

تغیر پذیر آسمانی افق :

ہندوستان کی آسمانی افق میں رونما ہونیوالی تبدیلیوں کی کہانی بلاشبہ ایک دلکش کہانی ہے - ہمارے ملک میں گزشتہ دو دہے ایک صنعتی انقلاب کے آغاز کے شاہد ہیں - ہماری ریاست میں نہ صرف دیو ہیکل اور پر عظمت صنعتی کارخانوں پر زور دیا جا رہا ہے بلکہ چھوٹی صنعتوں کی ترقی کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھا جا رہا ہے - چھوٹی صنعتوں کے فروغ کے لئے ریاست بھر میں پر زور مہموں کا اہتمام کیا گیا - مارچ ۱۹۷۷ کے ختم تک ریاست کے پورے ۲۱ اضلاع کا ان مہموں کے ذریعہ احاطہ کرلیا گیا - جسکے نتیجہ میں تقریباً ۳۵۲۰ صنعتی اکائیوں کی شناخت عمل میں لائی گئی جن میں ۲۳،۲۸ کروڑ روپیوں کی سرمایہ کاری کی گنجائش تھی -

خود روزگار اسکیموں کی عمل آوری کے معاملہ میں آندھرا پردیش کا مقام صف اول میں ہے - ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران میں تقریباً ۱۸۵۳ یونٹوں کا قیام عمل میں لایا گیا جن میں ۴۲۰،۷۰ لاکھ روپئے مصروف کئے گئے - ۱۹۵۶ میں وسیع تر ریاست کے قیام کے وقت صرف ۵۴ اوسط اور چھوٹی صنعتوں کا وجود تھا - جن میں تقریباً ۴۸ کروڑ روپیوں کا سرمایہ لگا ہوا تھا - آج ریاست میں بڑی اور اوسط صنعتوں کی تعداد ۲۴۳ ہے جن میں ۲۲۰ کروڑ روپئے کا سرمایہ مصروف ہے - واقعی یہ کامیابی کی جانب ایک زبردست چھلانگ ہے ہماری ریاست میں دلفریب اور دلکش مواقعات نئے میدانوں کے متلاشی صنعتکاروں کا خیر مقدم کرتے ہیں -

حکومت نے اپنے ایک حالیہ تصفیے میں کاکیناڈا کے مقام پر ۲۰۰ کروڑ روپئے مالیت کا ایک فرٹیلائیزر پراجکٹ مشترکہ شعبے میں قائم کرنا طئے کیا ہے - دستی پارچہ کے شعبہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا ہے - سال ۷۸-۱۹۷۷ کے ختم تک تقریباً ۵۰۰۰۳ بافندوں کو شعبئہ امداد باہمی کے تحت لے آنیکی توقع ہے - آندھرا پردیش اسٹیٹ ٹکسٹائل ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے مختلف اضلاع میں ۹ پیداواری مراکز قائم کئے ہیں جو تقریباً ۳۰۰۰ بافندوں پر محیط ہیں -

آندھرا پردیش جیسی زرعی ریاست کے لئے افزائش مویشیاں جیسی اسکیمات کی اہمیت پر زیادہ زور دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے - پھر بھی یہاں پر مختصراً کیٹل ڈیولپمنٹ پراجکٹ (آئی سی ڈی پی) کا ذکر بیجا نہ ہوگا جو ایک انتہائی منفعت بخش پروگرام ہے - اس پروگرام کے تحت چوتھے منصوبے کے ختم پر تین یونٹیں قائم تھیں جبکہ اس وقت دس یونٹیں کام کر رہی ہیں اور ۸،۴۴ لاکھ گائیوں اور بھینسوں پر محیط ہیں -

فی الوقت ۳۴ کلیدی مواضعاتی مراکز سرگرم عمل ہیں جنکے تحت تقریباً ۳،۴۶ لاکھ گائیں اور بھینسیں ہیں - اسکے علاوہ مختلف نسلوں کے سانڈوں کی پرورش اور فراہمی کی خاطر افزائش مویشیاں کی ۱۰ پرورش گاہیں قائم ہیں - ریاست میں افزائش مویشیاں کے پروگراموں کے تحت ۱۹ پراجکٹ کام کر رہے ہیں جن پر سال ۷۸-۱۹۷۷ کے دوران میں ۲۰۰ لاکھ روپئے خرچ کرنے کی گنجائش مختص کی گئی ہے - ان پراجکٹوں سے تقریباً ۵۵۷۵۰ مستحقین کو فائدہ پہنچانے کی تجویز ہے توقع ہیکہ افزائش مویشیاں کی اسکیمات کی بدولت ہماری دیہی معیشت پر بھر پور اور فائدہ مند اثرات مرتب ہوں گے -

تیز رفتار اقتصادی ترقی اور تکنیکی فروغ کے لئے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل واحد عنصر شعبئہ تعلیم و تدریس

ہوتا ہے ۔ چنانچہ ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران میں اول تا پنجم جماعتوں میں تقریباً ۹۰,۰۰۰ لاکھ کی تعداد میں طلباء کے زائد داخلے عمل میں لائے گئے ہیں جسکے نتیجے میں ۶ تا ۱۱ سال کی عمر والے بچوں کے داخلوں کا فیصد ۸۳,۴ اور اس عمر کی بچیوں کے داخلے کا فیصد ۶۰,۹ ہوگیا ہے ۔ یہ واقعی ایک لائق افتخار کارنامہ ہے ۔

کل ہند ریکارڈ :

ریاست میں آج ۳۵۰۰ کی تعداد میں ہائی اسکول قائم ہیں ۔ سال ۷۸-۱۹۷۷ کے موازنہ میں ثانوی تعلیم کے ارتقاء کے لئے ۳۴,۶۷ کروڑ روپیوں کی سب سے بڑی گنجائش فراہم کی گئی ہے ۔ ریاست کے ۳ رھائشی مدارس نے بڑے ہی شاندار معیار کا مظاہرہ کیا ہے ۔ ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران میں ان تینوں اسکولوں کے پورے کے پورے طلباء نے درجہ اول میں کامیابی حاصل کرکے ایک کل ہند ریکارڈ قائم کیا ہے ۔

آندھرا پردیش میں انپڑھوں کے ساتھ ایک نئی طرز کا سلوک روا رکھا جا رہا ہے اس سلسلے میں اضلاع کرشنا ۔ کھمم اور کڑپہ میں غیر رسمی تعلیم سے متعلق ایک اسکیم کی عمل آوری ہورہی ہے ۔ اس سال ضلع عادل آباد کے علاوہ دو اور اضلاع کو بھی اس اسکیم کے دائرہ عمل میں لے آیا جائیگا ۔ بے شک موجودہ نسل ایک نئی صبح کی دھلیز پر پہنچ گئی ہے ۔

سماجی اور اقتصادی ترقی کے لئے اولین اہمیت کی حامل تحریک امداد باہمی لازمی طور پر ایک عوامی تحریک ہے ۔ اس لئے ہمارے منصوبوں میں شعبہ امداد باہمی کو خصوصی مقام دیا گیا ہے ۔ ایک عام آدمی کی شدید ضروریات کی بھر پور تکمیل کی خاطر سال ۷۵-۱۹۷۴ سے ریاست کے اندر اس تحریک میں نئی جان ڈالنے کا اہتمام کیا گیا ہے ۔ آندھرا پردیش امداد باہمی مرکزی زرعی ترقیاتی بینک (اے ۔ پی ۔ سی ۔ سی ۔ اے ۔ ڈی) ریاست میں پھیلے ہوئے اپنے ۲۰۴ ابتدائی امداد باہمی زرعی ترقیاتی بینکوں کے جال کے توسط سے کاشتکاروں کو طویل مدتی قرضے فراہم کر رہا ہے ۔

لائق افتخار شعبہ امداد باہمی :

ریاست میں مواضعات کی سطح پر ۵۰۰۰ ابتدائی زرعی قرضہ جاتی انجمنوں کا بھی ایک جال پھیلا دیا گیا ہے جو آندھرا پردیش اسٹیٹ کوآپریٹیو بینک سے ملحق ہیں ۔ سال ۷۶-۱۹۷۵ کے دوران میں اے ۔ پی ۔ سی ۔ سی ۔ اے ۔ ڈی نے ۲۷,۲۴ کروڑ روپیوں کے طویل مدتی قرضے فراہم کئے ہیں ۔

۷۷-۱۹۷۶ کے دوران میں اب تک اس بینک کے فراہمی قرض کے پروگرام نے ۳۳ کروڑ روپیوں کے نشانے کو چھولیا ہے ۔ یقیناً یہ ریاست اپنے امداد باہمی شعبے پر نازاں اور شاداں ہے ۔

بادلوں کو چومنے والی ہماری پہاڑیاں اور سرسبز و شاداب وادیاں ہندوستان کے مایہ ناز سپوتوں یعنی قبائلیوں کی پرورش اور پرداخت بڑے ہی چاؤ سے کرتی ہیں دور آزادی کے آغاز سے ہی انکی فلاح و بہبود کے لئے بہت سی فلاحی اسکیمات روبہ عمل لائی جارہی ہیں ۔ اس ضمن میں اولین اہمیت بلاشبہ تعلیمی پروگرام کو حاصل رہی ۔ اس وقت قبائلیوں کے لئے قائم آشرم اسکولوں کی تعداد ۳۷۵ ہے جن میں ۲۲۱۲۰ طلبا مقیم ہیں ۔ درج فہرست اور غیر معلنہ قبائلیوں کے لئے ۷۵-۱۹۷۴ میں ۲۹۹ اقامت خانے قائم تھے ۔ ۷۷-۱۹۷۶ میں ان اقامت خانوں کی تعداد بڑھکر ۳۲۳ ہوگئی ہے ۔

قبائیلی علاقوں میں ہمہ جہتی ترقی کو بڑھاوا دینے کی نیت سے بہت سی پرکشش ترغیبات کا پیشکش کیا جاتا ہے جیسے محصول تجارت ۔ اسٹامپ ڈیوٹی ۔ محصول آبرسانی ۔ اور غیر زرعی محصول سے استثناء ۔ آندھرا پردیش شیڈولڈ ٹرائیبس کوآپریٹیو فینانس کارپوریشن کی جانب سے بھی قبائلیوں کے حالات کو بہتر بنانے پر غیر منقسم توجہ دی جارہی ہے ۔ آج قبائلی عظیم منزلوں اور نئی سرحدوں کی سمت پیش رفت میں مصروف ہیں ۔

ہمارے کمزور طبقات :

سماج کے کمزور طبقات آندھرا پردیش کی جملہ آبادی کے ۵۲ فیصد پر مشتمل ہیں سال ۷۷-۱۹۷۶ کے دوران میں انکی مالی امداد کے لئے آندھرا پردیش شیڈولڈ کاسٹس فینانس کارپوریشن ۔ آندھرا پردیش بیک ورڈ کلاسس فینانس کارپوریشن اور ویمنس کوآپریٹو فینانس کارپوریشن کی جانب سے قرضوں کی اجرائی میں دگنی پیش رفت عمل میں آئی ہے ۔ ان کارپوریشنوں نے شیڈولڈ کاسٹس کے ۹۰۲۱۸ اشخاص کے لئے ۳۲ کروڑ روپئے ۔ پسماندہ طبقات کے ۳۸۹۵۲ افراد کے لئے ۱۴,۸۰ کروڑ روپئے اور ۱۲۴۹۶ خواتین کے فائدے کے لئے ۱,۷۰ کروڑ روپیوں کے قرضے اجراء کئے ۔ حال ہی میں درج فہرست قبائل کے امدادی پروگراموں کی مالی اعانت کے لئے ایک نیا کارپوریشن تشکیل دیا گیا ہے ۔

اصلاحات اراضی کی عمل آوری کے معاملے میں یہ ریاست رہبرانہ موقف کی حامل ہے ۔ قانون تحدید اراضی کے تحت ۱۰۶۴۴۲۶ ایکڑ اراضی کو فاضل قرار دیا گیا ہے ۔ جس میں سے ۷۹۵۱۱ ایکڑ اراضی ۵۲۱۳۴ مستحقین میں تقسیم

کردی گئی ہے ۔ تقریباً ۴,۳۰ لاکھ ایکڑ اراضی راست قابضین سے ۹۰۶۳۰ محفوظ قولداری کے نام منتقل کی گئی ہے ۔ اسکے علاوہ ۲۲ لاکھ ایکڑ سرکاری اراضیات بے زمین غریبوں کو تفویض کی گئی ہیں ۔ ریاست نے درج فہرست ذاتوں اور غریب دیہاتیوں کو رہائشی جگہوں کی فراہمی کا ایک وسیع پروگرام شروع کیا ہے ۔ اپریل ۱۹۷۵ سے اب تک ۸,۰ لاکھ خاندان کو رہائشی جگہوں کی فراہمی کی غرض سے تقریباً ۳۵۰۰۰ ایکڑ اراضی کی تقسیم عمل میں لائی گئی ہے ۔

ایک نشان راہ :

"آندھرا پردیش فروغ ماہی گیری کارپوریشن" کا قیام ریاست میں ماہی گیری کی ترقی کے سلسلے میں ایک "نشان راہ" کی حیثیت کا حامل ہے ۔ یاد ہوگا کہ یہ کارپوریشن اکٹوبر ۱۹۷۴ ع میں عالم وجود میں آیا تھا ۔ اس کارپوریشن کی سرگرمیاں مارکیٹنگ ۔ برف خانوں کی دیکھ بھال ۔ کٹماڈا کی گھریلوینٹ ۔ کشتی سازی کے اڈے اور ماہی گیروں کی فلاح و بہبود پر مرکوز ہیں ۔ ماہی گیروں کو امداد باہمی تحریک میں شامل کرنے کے لئے کئی برسوں سے مسلسل کوششیں کی جارہی ہیں ۔ ان کوششوں کے نتیجے میں اب تک ماہی گیروں کی ۸۰۴ امداد باہمی انجمنیں اور مارکیٹنگ کی انجمنیں قائم کی جاچکی ہیں جن کے اراکین کی تعداد ۱۶۱۰۱۵ ہے اور جن کا اداشدہ سرمایہ ۱۸,۰۷ لاکھ روپئے ہے ۔

پنچایت راج کا کلیدی کردار :

ضلع اور اس سے نیچے کی سطح پر منصوبہ بند ترقی میں زور پیدا کرنے کی نیت سے پنچایت راج کو رواج دینے کے معاملے میں آندھرا پردیش کا شمار ہندوستان کی اولین ریاستوں میں ہوتا ہے ۔ اس ریاست میں بلاک کی سطح پر ترقیاتی پروگراموں کی عمل آوری کے لئے پنچایت سمیتیوں کو پوری پوری ذمہ داری سونپی گئی ہے جبکہ ضلع پریشدوں کی حیثیت بالکلیہ طور پر مشاورتی اور نگرانکار اداروں کی ہے ۔

ریاستی حکومت نے متعدد محکموں کے توسط سے پنچایت اداروں کو خصوصی مالی امداد کی فراہمی کا اہتمام کیا ہے ۔ ۱۹۶۱-۶۲ میں دی ہوئی ۱۳ کروڑ روپیوں کی امداد کو بڑھا کر ۱۹۶۵-۶۶ میں ۳۱ کروڑ روپئے اور ۱۹۶۸-۶۹ میں ۵۰ کروڑ روپئے کردیا گیا ۔ ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران میں دی ہوئی مجموعی امداد ۹۳,۵۰ کروڑ روپیوں تک پہنچ گئی ۔ ہمارے مستقبل کی تشکیل جدید میں پنچایت راج ادارے ایک کلیدی کردار ادا کر رہے ہیں ۔

آج آندھرا پردیش عظیم منزلوں اور نئی سرحدوں کی سمت رواں دواں ہے ۔ آئیے ہم سب ملکر ترقی کے پہیئے کو زور لگائیں اور پورے ملک کی ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنے میں پائیدار حصہ ادا کریں ۔

* * *

(باتیں کم کام زیادہ)

شری پربھوداس بابو بھائی پٹواری

سردار ولبھ بھائی پٹیل ۔ معمار ہند

۱۵ دسمبر ۱۹۵۰ء کو سردار ولبھ بھائی پٹیل کی موت پر اپنے آشرم میں دیہاتیوں کے مجمع سے شری ونوبا نے کہا تھا "ہمارے درمیان سے راجہ جنک کی حیثیت کی ایک عظیم ہستی اٹھ گئی ہے۔ شاہی عیش و نشاط کے درمیان ہوتے ہوئے بھی انہوں نے ایک ایسی بے نیازانہ زندگی گزاری جیسا کہ راجہ جنک کی زندگی تھی۔ حکومت میں ان کی موجودگی سے عوام کو یہ بھروسہ تھا کہ ملک کا جہاز محفوظ ہاتھوں میں ہے۔"

جب میں سوچتا ہوں کہ اس صدی کی تیسری دہائی میں انہوں نے کس کسر نفسی سے باردولی کے تعلقہ میں دیہاتیوں کو متحد کیا جس سے بیورو کریسی کو ایک سخت جنگ کا سامنا کرنا پڑا اور یہ سارا مرحلہ عدم تشدد کے اسلحہ سے حل کیا گیا تو میں محسوس کرتا ہوں کہ خدا کی ایک لازوال نعمت تھی جس نے سردار کو اپنے جادو اثر الفاظ عطا کئے جن سے عوام میں اتنی بیداری پیدا ہوئی۔

گرچہ ریلیف کے کام میں سردار کے نام کو گجرات کے باہر بہت کم لوگ جانتے ہیں مگر حقیقتاً انہیں گجرات میں ریلیف کے کام کا موجد کہنا بجا ہوگا ۱۹۱۸ء میں جب شہر میں طاعون اور انفلوئنزا پھیلا تو وہ میونسپل کونسلر کے عہدہ پر فائز تھے۔ مگر وہ اپنی حفاظت کے لئے شہر چھوڑ کر باہر نہیں گئے بلکہ بیماروں کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ ایک ایک مریض کے پاس جا کر اس کی خیریت دریافت کرتے اور اسے تسلی دیتے رہے۔

۱۹۲۷ء میں جب گجرات برسات کی زد میں آیا تو سردار نے رات دن ایک کر کے تباہی کے لئے بڑے پیمانہ پر ریلیف کا انتظام کرایا۔ اور پورے گجرات کو عنقریب ہونے والی تباہی کے غار میں گرنے سے بچایا۔ انہوں نے ایسا منظم کام کیا کہ دو ماہ کے اندر ہی حالات معمول پر آ گئے۔ نتیجہ میں حکومت اتنی متاثر ہوئی کہ ریلیف کے لئے دو کروڑ روپیہ کا فنڈ دینے پر مجبور ہو گئی۔

تقسیم ملک سے قبل ہند میں تقریباً ۵۶۰ ریاستیں موجود تھیں جن کا رقبہ پورے ملک کا ۴۵ فیصد حصہ تھا۔ جب ملک تقسیم ہوا تو یہ رقبہ بڑھ کر ۴۸ فیصد ہو گیا۔ اکیلے جموں و کشمیر ریاست کا رقبہ ۸۲ ہزار مربع میل تھا۔ ۱۵ ریاستیں ایسی تھیں جنکا رقبہ دس ہزار مربع میل سے زیادہ تھا۔ آئین کی رو سے ان ریاستوں کو ملک کا اٹوٹ حصہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ سردار پٹیل نے ان ریاستوں کو ملک میں شامل ہونے پر راضی کیا اور ایسا متحد ملک قائم کیا جو آج ہمارے سامنے ہے۔ یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔ صرف دو ریاستوں کی ملک میں شمولیت باقی رہ گئی تھی جو ۱۹۴۹ء میں پوری ہو گئی۔

سردار پٹیل نے مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے "کچھ" (Kucth) کو مرکزی انتظام کے تحت شامل کرلیا اور دفاعی انتظامات کے مد نظر پیپسو کی ریاست بھی جلد ہی بنالی گئی جوناگڑھ، حیدرآباد اور کشمیر ایسی ریاستیں تھیں جن کی شمولیت کے سلسلہ میں دقتیں مسائل سامنے آئے جنہیں وہ اپنے طور پر سلجھانے میں کامیاب رہے۔

* * * *

اقتصادی ترقی اور دیہی صنعت

ترقی پذیر ممالک کی اقتصادی ترقی کا سب سے بڑا امتحان غریبی دور کرنا اور فی کس آمدنی میں حقیقی اضافہ کرنا ہے۔ ہند سب سے زیادہ آبادی والے ممالک میں سے ایک ہے اور یہاں موجودہ قیمتوں کے اعتبار سے فی کس اوسط آمدنی ۹۸۰ روپیہ سالانہ ہے۔ آبادی میں تیزی سے اضافہ ہونے سے بے روزگاری اور نیم روزگاری کے مسائل اور زیادہ اہمیت اختیار کرجائیں گے۔

دیگر ترقی پذیر ممالک کی طرح سے ہمارے ملک میں بھی ۷۰ فیصد دیہی عوام کی روزی کا انحصار زراعت پر ہے۔ زراعت پر اتنی زیادہ آبادی کے انحصار سے نیم روزگاری کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کام کے لئے حقیقتاً اتنے زیادہ لوگوں کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

ہماری پیداواری صلاحیت بھی کم ہے اور نتیجہ کے طور پر بچت کی شرح بھی کم ہے۔ جو کچھ تھوڑی بہت بچت کی جاتی ہے وہ اعلی طبقہ کے اصراف کی نذر ہوجاتی ہے۔ ہماری اقتصادی صورت حال میں تعطل کی یہی حقیقی داستان ہے۔

منصوبہ بندی کمیشن نے اقتصادی ترقی کی حکمت عملی میں چھوٹی صنعت اور دیہی صنعت کی ضرورت کو تسلیم کیا ہے اور اس کے مطابق تمام منصوبوں میں کھادی اور دیہی صنعت کو ایک اہم کردار سونپا گیا ہے۔ ان منصوبوں کے نتائج سے یہ تصدیق ہوگئی ہے کہ عمومی اقتصادی ترقی اور خصوصیت سے دیہی معیشت کی ترقی کے لئے کھادی اور دیہی صنعت کی ترقی لازمی ہے۔

۱۹۷۱ء میں ۲۳ کروڑ ۸۰ لاکھ مزدوروں کو معقول روزگار کی تلاش تھی۔ اندازہ کے مطابق ۱۹۸۱ء تک ان کی تعداد تیس کروڑ ہوجائے گی۔ اتنے زیادہ بے روزگار افراد کو غیر زرعی حلقہ میں، منظم صنعت کی مدد سے روزگار کے مواقع پیدا کرنا ناممکن ہے۔ یہ ایک ناگزیر حقیقت ہے کہ ہمارے ملک کے ۸۰ فیصد عوام دیہاتوں میں رہتے ہیں اور ۷۰ فیصد کی روزی کا انحصار زراعت پر ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ دیہی علاقوں میں ہر قسم کی زبردست بے روزگاری اور غربت کا دور دورہ ہے۔ لہذا اس مسئلہ کی بیخ کنی کے لئے غیر زرعی حلقہ میں روزگار کے مواقع پیدا کرنا ضروری ہے۔

کم ترقی یافتہ ممالک میں اگر اقتصادی ترقی پر موثر طور سے گرفت نہ کی جائے تو ملک غریبی کی دلدل میں پھنس جاتا ہے ملک اس وجہ سے ترقی کر نہیں پاتا کیونکہ وہ غربت کا شکار تھا اور غربت اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ترقی نہیں ہوسکی۔ اور غربت کا یہی خطرناک دائرہ اقتصادی ترقی کے پہیئے کو گھومنے سے روکے رہتا ہے۔ ہمارے ملک میں فی کس اوسط آمدنی، بہت سے ترقی پذیر ممالک سے بھی کم ہے۔ لہذا لوگوں میں بنیادی ضروریات کی اشیاء تک خریدنے کی صلاحیت نہیں ہے ایسی صورت میں ان سے بچت کرنے اور سرمایہ لگانے کی توقع کرنا فضول ہے۔ غریبی اور بے روزگاری ختم کرنے اور اقتصادی ترقی کا واحد حل یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے روزگار کے مواقع پیدا کئے جائیں۔

کھادی اور دیہی صنعتوں میں ان لوگوں کو روزگار فراہم کرنے، اقتصادی ترقی کی ضمانت دینے اور غربت کے خطرناک دائرے کو توڑنے کی صلاحیت موجود ہے۔

کھادی اور دیہی صنعتوں میں روز مرہ کے استعمال کی اشیاء مثلاً کپڑا، تیل، گڑ، چمڑے کا سامان وغیرہ بنائے جاتے ہیں اور ان مصنوعات کی کھپت اور پیداوار کے معاملے میں ان صنعتوں کا مقابلہ بڑے کارخانوں سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ ان صنعتوں میں۔ ۵۱۱ روپیہ اور تین ہزار روپیہ کے درمیان سرمایہ کاری کے ذریعہ ایک شخص کو روزگار فراہم کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ بڑی صنعتوں میں ایک شخص کو روزگار دینے کے لئے ۱۵ ہزار اور ۳۰ ہزار اور ایک لاکھ روپیہ تک کی سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتی ہے۔ معاشی نشو و نما کی شرح سرمایہ اور مبادلہ کی کمی کی وجہ سے اقتصادی ترقی کے لئے کھادی اور دیہی صنعتیں لازمی ہیں۔

بہت سے قدرتی وسائل ضائع ہوجاتے ہیں۔ کھادی اور دیہی صنعتیں بیکار سمجھ کر پھینک دی جانے والی اشیاء کو دولت میں تبدیل کرتی ہیں۔ گوبر گیس صنعت، ہاتھ کے بنے کاغذ کی صنعت غیر خوردنی تیل، صابن کی صنعت وغیرہ اس طرح کی اشیاء کو دولت میں تبدیل کرنے کی نمایاں مثالیں ہیں۔

کھادی اور دیہی صنعتوں کو غیر مرکزی بنیاد پر درمیانہ درجہ کی ٹیکنالوجی کی مدد سے قائم کیا جاتا ہے۔ ان صنعتوں کے دیہاتوں میں پھیلنے سے روز مرہ کی ضروریات کی اشیاء کے سلسلہ میں خودکفالت پیدا ہوگی۔ امدادباھمی اور ذاتی بنیاد پرفراہم ہونے والے روزگار میں استحصال نہیں ہوتا اور اس سے ابتدائی سطح پر جمہوریت اور سوشلزم کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اس سے دیہی معیشت میں تنوع پیدا ہوتا ہے اور متوازن ترقی کا تحفظ ہوتا ہے۔

ان صنعتوں کے ذریعہ غریب طبقہ کے لوگوں کو گھروں کے قریب روزگار فراہم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے سماجی خدمات اور دیگر لوازمات کے فاضل خرچ کی بچت ہوجاتی ہے۔ بڑے شہروں میں روزگار فراہم کرنے میں یہ خرچ لازمی ہوتا ہے اس کے علاوہ گندی بستیوں میں ثقافتی زندگی پر اثر پڑتا ہے۔ کھادی اور دیہی صنعت کے پروگرام، صنعت کاری کی برائیوں سے بچنے کا ایک معیاری سماجی ذریعہ ہیں۔

دوسری سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جب تک دیہی حلقہ میں غریبی اور بےروزگاری دور نہیں کی جاتی، اقتصادی ترقی نہیں ہوسکتی، کھادی اور دیہی صنعتیں لاکھوں افراد کو روزگار فراہم کرنے کا سماجی مقصد پورا کرسکتی ہیں اس کے ساتھ ہی روزمرہ کی ضروریات کی اشیاء تیار کرسکتی ہیں۔ صرف کھادی اور دیہی صنعتیں ہی موثر طور پر اقتصادی ترقی میں مدد دے سکتی ہیں۔

* * *

بیحس الہ آبادی

غزل

میں شب گزیدہ ہوں، لیکن رہین یاس نہیں
سحر پہ مجھکو یقیں ہے، جو میں اداس نہیں

نہ ہوسکا وہ کبھی آشنائے لطف حیات
جو زندگی کے غموں کا ادا شناس نہیں

جو کہدیں اہل نظر امر واقعی ٹھہرے
مشاہدے کا یہ فن ہے، فن قیاس نہیں

چہار سمت سے مجھ پر غموں کی یورش ہے
مگر یہ میرا ہی دل ہے جو بد حواس نہیں

سنے تو کون سنے میرے کرب کی آواز
میں جس جگہ ہوں، وہاں کوئی آس پاس نہیں

کھلے گا راز مرا، ہوگی جسقدر تحقیق
میں اک صحیفۂ کامل ہوں اقتباس نہیں

ادا ادا سے عیاں ہے برہنگی بیحس
ابھی یہ آدمی شائستہ لباس نہیں

* * * *

کے ایم ترپاٹھی

صنعتی تعلقات کی پالیسی کے بارے میں نیا انداز نظر

صنعتی تعلقات کا ایک نیا نظام تشکیل پارہا ہے ۔ کارخانوں میں کام رک جانے کی وجہ سے معیشت کو جو نقصان پہونچتا ہے اس سے نہ صرف پیداوار پر برا اثر پڑتا ہے بلکہ قیمتوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے ۔

نیا نظریہ یہ ہے کہ مزدوروں کو یہ یقین دلوایا جائے کہ صنعت کو بہتر طور پر چلانے میں ان کی کلیدی حیثیت ہے ۔

تمام دنیا کی جمہوری قومیں اقتصادی نشوونما کے لئے ایک ترقی پسند اور مثبت لیبر پالیسی کی ضرورت کی بڑھتی ہوئی اہمیت کو مانتی ہیں ۔ تیز رفتار سماجی اور صنعتی ترقی کے لئے صرف اتنا ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کی خواہش کریں اور ملک کے لئے اسے اہم سمجھیں ۔ اس کے لئے ضروری وسائل اور حالات بھی پیدا کرنے پڑتے ہیں ۔ایک پرسکون صنعتی ماحول کے بغیر بہتر نتائج نہیں حاصل کئے جاسکتے خواہ اس کے لئے کتنے ہی وسائل یا تمام وسائل کیوں نہ اکھٹا کئے جائیں ۔

صنعتی تعلقات کی ابتری کا اندازہ اسباب سے لگایا جاسکتا ہے کہ کارخانوں میں بحساب فی کس فی دن کسقدر نقصان ہوا ہے ۔ ۱۹۶۳ میں فی دن کے حساب سے کام کا نقصان ۷۷ لاکھ دن ، ۱۹۶۶ع میں ۱۳۸،۵۶ لاکھ ۱۹۷۳ع میں ۲۰۶ لاکھ اور ۱۹۷۴ع میں ۴۰۲ لاکھ تک پہونچ گیا۔ ایمرجینسی کے دوران جو جبروتشدد کا ماحول پیدا کیا گیا اس کے باعث یہ تعداد گھٹ کر ۱۹۷۵ع میں ۲۱۹ لاکھ اور ۱۹۷۶ع میں ۲۸ لاکھ رہ گئی ۔ لیکن یہ تعداد بھی ۱۹۶۱ ع کی ڈھائی گنی تھی ۔ اگر ہم ۱۹۶۱ع میں فی ہزار مزدوروں پر ہونے والے کام کے دنوں کے نقصان کو ۱۰۰ مانیں تو یہ اشاریہ ۱۹۶۶ع میں ۱۹۹،۷ ہوگیا اور بڑھتے بڑھتے ۱۹۷۴ع میں یہ ۴۳۰،۸ تک پہونچ گیا ۔ زیادہ تر تنازعے اجرت مہنگائی بھتے اور بونس کے وسائل کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں ۔ اس دوران اشیائے صرف کا قیمتوں کا عدد اشاریہ بھی متواتر بڑھتا رہا ۔ ظاہر ہے کہ قیمتوں کے اضافہ کو روکے بغیر صنعت میں پرامن ماحول نہیں قائم کیا جاسکتا ۔ اسکے علاوہ صنعتی تعلقات سے متعلق موجودہ قوانین اور ان پر عمل در آمد بھی تشفی بخش طور پر مزدوروں کی شکایات کو دور نہیں کرسکتے ۔ محنت سے متعلق قومی کمیشن نے اپنی رپورٹ مجریہ ۱۹۶۹ع کے ذریعہ موجودہ قوانین میں ترمیم کے متعلق متعدد سفارشات پیش کی تھیں ۔ کافی عرصہ تک ان ترمیات اور اصلاحات کے بارے میں بحثیں ہوتی رہیں لیکن فیصلہ اب تک نہ ہوسکا ۔

مرکز میں نئی حکومت جیسے ہی قائم ہوئی اس نے اس معاملے میں دلچسپی لینی شروع کی ۔ آجرین، مزدوروں اور سرکاری اداروں کے نمائندگان سے متعدد بار تبادلہ خیالات ہوئے تاکہ صلاح مشورے اور تعاون کی پالیسی کو روبہ کار لایا جاسکے نیز آجرون مزدوروں اور تمام متعلقہ لوگوں کا رویہ تبدیل کیا جاسکے ۔ حکومت نے ایک کھلے دماغ کی پالیسی اپنائی اور مزدور طبقہ کو واضح طور پر بتایا کہ صنعت کی کامیابی پیداوار اور پیداواری صلاحیت میں اضافہ اور روزگار کی تیزی سے فراہمی وغیرہ میں ان کا کلیدی رول ہے اور یہ کہ تیز رفتار ترقی کے بغیر انہیں بھی کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا ۔ حکومت نے مزدوروں کو یقین دلایا کہ ان کے حقوق کی حفاظت کے لئے اور ایمرجینسی کے دوران ان پر کی گئی زیادتیوں کے تدارک کے لئے پوری کوشش کی جائے گی۔ اسکے ساتھ ہی حکومت نے یہ بھی توقع ظاہر کی کہ مزدور امن اور نظم و ضبط قائم رکھیں گے کیونکہ نراج کی حالت میں اور نظم و ضبط کے بغیر کوئی بھی صنعت نہیں چل سکتی ۔

حکومت کی ٹریڈ یونین پالیسی بھی بالکل صحیح ہے کیونکہ حکومت نے واضح کردیا کہ اسے کسی ایک ٹریڈ یونین کو اونچا اٹھانے میں کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ مزدور طبقہ کی یک جہتی میں اور ٹریڈ یونین تحریک کے انتشار کی روک تھام میں دلچسپی رکھتی ہے ۔ حکومت نے یہ بھی کہا کہ ٹریڈ یونینوں کو حکومت پر نہیں بلکہ ان مزدوروں پر تکیہ کرنا چاہئے جنکی وہ نمائندگی کرتی ہیں ۔

حکومت نے سہ فریقی مساورت کے طریقے کو بحال کیا جو چھ سال قبل ختم کردیا گیا اور مئی ۱۹۷۷ع میں ایک وسیع نوعیت کی کانفرنس بلائی گئی ۔ اس میں مرکزی ملازمین کی کئی تنظیموں نے پہلی بار شرکت کی ۔

حکومت نے صنعتی تعلقات ، قیمتوں کے عدد اشاریہ اورانتظامی امور میں مزدوروں کی شرکت کے بارے میں جائزے لینے کے لئے تین کمیٹیاں بھی قائم کیں ۔

* * * *

ہمارے ماسٹر پلان

آندھرا پردیش میں ۱۹۷۱ کی مردم شماری میں جمع کئے ہوئے اعداد و شمار کے مطابق ۲۲۳ بڑے قصبات اور شہر ہیں ۔ ریاست میں شہروں کی جملہ آبادی ۱۹۶۱ میں تقریباً ۶۲٫۷۷ لاکھ تھی جو بڑھکر ۱۹۷۱ میں ۸۴٫۰۰ لاکھ ہوگئی ۲۲۳ قصبوں اور شہروں میں سے ایک فیصد ایسے ہیں جن میں ہر ایک کی آبادی ایک لاکھ سے زیادہ ہے ۔ اپنے قدرتی طور پر پھیلاو کے علاوہ اڑوس پڑوس کے دیہاتوں سے انتقال آبادی کے باعث بھی شہر وسعت اختیار کرتے جارہے ہیں پھر شہروں میں صنعتوں کا فروغ بھی دیہی آبادی کو اپنی جانب کھینچنے کا باعث بنا ہے ۔ شہروں میں آبادی کے بے پناہ اضافے اور نتیجتاً انکے حدود اربعہ میں روز افزوں وسعت کے سبب مسائل کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا ہے جیسے مکانات کی قلت ۔ رہن سہن کے لئے عدم گنجائش کی وجہ سے معیار زندگی میں گراوٹ ۔ بلدی سہولتوں کے نظام پر ناقابل برداشت بوجھ کے سبب بلدی خدمات کے معیار میں کمی اور ٹرافک کی غیر یقینی صورتحال کی بناء پر سواریوں کی آمد و رفت میں بار بار خلل اور رکاوٹیں اور نتیجتاً سڑکوں پر حادثات کی تعداد میں اضافہ وغیرہ ۔ ماضی میں کسی قبل از قبل منصوبہ بندی کے بغیر جو صنعتوں کا قیام عمل میں آیا ہے اسکی وجہ سے آج بڑے بے ہنگم انداز میں شہری علاقے وسیع و عریض ہوگئے ہیں جسکے نتیجے میں بے ترتیب جھونپڑیوں وغیرہ پر مشتمل گندی فضاء والے علاقے ابھر آئے ہیں ۔ آبرسانی اور ڈرینیج وغیرہ جیسی بلدی خدمات میں بے قاعدگی اور ابتری آگئی ہے اور ماحول غیر صحتمند اور آلودہ بن گیا ہے ۔ مقامی بلدی مجالس اپنی امکانی مساعی کے باوجود صورتحال کو بہتر بنانے اور پیدا شدہ مسائل سے کامیابی کے ساتھ نمٹنے میں اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتی ہیں ۔

مذکورہ بالا صورتحال کو بہتر بنانے کے مقصد کے تحت شہروں کے لئے طویل مدتی پلان تیار کئے جاتے ہیں جس کو ”ماسٹر پلان“ کا نام دیا گیا ہے ۔ ان شہری منصوبوں کی ترتیب و تشکیل میں کسی شہر کے عام حالات اور ان خطوط کو پیش نظر رکھا جاتا ہے جن پر اس شہر کی توسیع کا امکان ہوتا ہے یا جن پر اسکو توسیع دینا مقصود ہوتا ہے ۔ کسی ماسٹر پلان کے بنیادی مقاصد یہ ہوتے ہیں کہ سب شہروں کے لئے قابل قبول معیار زندگی کو روبہ عمل لایا جائے ۔ رھن سہن کے حالات میں مساوات پیدا کی جائے ۔ صحت عامہ اور عام صفائی کے حالات پیدا کئے جائیں اور ٹرافک کی بلا روک ٹوک اور سہولت بخش آمد و رفت کا ایک موثر نظام مہیا کیا جائے ۔ ایک ماسٹر پلان کسی شہر کی پچھلی بے ہنگم توسیع کے نتیجے میں پیدا ہونیوالے نقصان رساں صورتحال کی بہتری کے لئے تجاویز پیش کرنیکے ساتھ ساتھ ان خطوط کی رہنمائی بھی کرتا ہے جن پر اس شہر کی جدید توسیع عمل میں آنی چاہئے ۔

ریاست میں تیزی کے ساتھ شہروں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے منتظر شہروں اور قصبوں کی با قاعدہ اور منظم ترقی کی ضرورت اور اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے حکومت ہند نے مرکزی اسکیم کی حیثیت سے تیسرے پانچسالہ منصوبے کے دوران ”ماسٹر پلانس کی تیاری“ کے نام سے ایک اسکیم کا آغاز کیا ۔ اس اسکیم کے تحت پہلے مرحلے میں حیدر آباد ۔ وجے واڑہ ۔ وساکھاپٹنم ۔ گنٹور اور ورنگل کو ماسٹر پلانس کی تیاری کے لئے ٹاون پلاننگ ڈپارٹمنٹ کی جانب سے منتخب کیا گیا ۔ یہ اسکیم سالانہ منصوبے میں جاری رہی پھر چوتھے منصوبے میں اسکو ریاستی اسکیم کی حیثیت دیدی گئی اور بالاخر ۱۹۷۴-۷۵ سے اسکو غیر منصوبہ جاتی موازنے میں منتقل کردیا گیا ۔

شاندار ریکارڈ

تیسرے پانچسالہ منصوبے کے دوران میں اس اسکیم کے آغاز سے اب تک جن شہروں اور قصبوں کے لئے ماسٹر پلانس کی تیاری کا کام شروع کردیا گیا ہے وہ یہ ہیں ۔ حیدر آباد ۔ وساکھاپٹنم ۔ وجے واڑہ ۔ گنٹور ۔ ورنگل ۔ راجمندری ۔ کاکیناڈا ۔ کرنول ۔ نلور ۔ ایلورو ۔ نظام آباد ۔ مچھلی پٹنم ۔ ٹینالی ۔ اننت پور ۔ کتہ گوڑم ۔ انکاپلی ۔ چتور ۔ کھمم ۔ گڈی واڑہ ۔ گنتکل ۔ اور نلگنڈہ ۔ ریاستی حکومت نے بارہ شہروں اور قصبوں یعنی

حیدر آباد - وسا کھاپٹنم - وجے واڑہ - گنٹور - ورنگل - راجمندری- کا کیناڈا - کرنول - ایلورو - کتہ گوڑم اور منچریال سے متعلق تیار کیئے گئے ماسٹر پلانس کو قطعی طور پر منظور کرلیا ہے -

۱۹۷۴-۷۵ سے بلدیات کو ماسٹر پلان کے منصوبوں کے تحت موجودہ سڑکوں کی توسیع - نئی سڑکوں کی تعمیر اور کلورٹس اور پلوں کی تعمیر وغیرہ کے لئے رقمی امداد فراہم کی جارہی ہے - ۱۹۷۴-۷۵ - ۱۹۷۵-۷۶ اور ۱۹۷۶-۷۷ کے دوران میں فی سال ۱۱۰۰۰۰۰ روپیوں کے حساب سے جملہ ۲۳۰۰۰۰۰ روپیوں کی رقم مختلف بلدیات کو منظور کی گئی - ۱۹۷۷-۷۸ اور ۱۹۷۸-۷۹ کے لئے فی سال ۱۱۵۰۰۰۰ روپئے کے حساب سے ماسٹر پلان کے تحت کاموں کی انجام دھی کے لئے سالانہ منصوبوں میں بلدیات کو رقمی امداد کی منظوری کی گنجائش رکھی گئی ہے - بلاشبہ ہمارے ماسٹر پلان اس ریاست کی افق کو مزید خوبصورت اور خوشنما بنادینگے اور یہاں کے شہروں کو مسرتوں اور خوشیوں سے بھر پور زندگی سے ہمکنار کریں گے -

* * * * *

خیال انصاری مالیگاؤں

غزل

غم نہ کر ہم نشیں ہے مجھے یہ یقیں ، دن غموں کے خوشی میں بدل جائینگے
مسکرائیں گے ہم ساتھ رھکر صنم ، یہ جدائی کے لمحات ٹل جائینگے

کہہ دو جا کر کوئی رونے والوں سے یہ ، اپنی آنکھوں سے آنسو ذرا پونچھ لیں
وہ بھی دن آینگے جب یہ شام و سحر ، عیش و عشرت کے سانچے میں ڈھل جائینگے

آتش شوق میں شام سے تا سحر ، شمع کو تنہا جلتے ہوئے دیکھ
دور سے کچھ پتنگوں نے آواز دی ، ہم ترے حسن کی رلو پہ جل جائینگے

کوئی مظلوم ہوگا نہ ظالم کوئی ، ظلم کی داستاں بھی نہ رہ پائیگی !
نور چاروں طرف ہوگا انصاف کا ، ظلمتوں کے شب و روز ڈھل جائینگے

اے خیال آپ دنیا سے کہہ دیجئے ہم جو راہ محبت پہ ہیں گامزن
تیرے جھوٹے سہاروں کی حاجت نہیں ، ہم گریں گے تو خود ھی سنبھل جائیں گے

* * * *

اعراج احمد جلیلی (ایم اے)

حالی ۔ سر سید اور حیات جاوید

''حالی ۔ سر سید اور حیات جاوید،، یہ اردو ادب کا ایک خاص مثلث ہے جس کا ہر نقطہ اپنی جگہ مسلمہ اہمیت رکھتا ہے ۔ اس مثلث کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں ہر نقطہ کی اہمیت کو واضح کرنا ہوگا ۔ چنانچہ سب سے پہلے حالی کو پیش کیا جاتا ہے ۔

حالی :- ایوان اردو کے اہم ستونوں میں سے ایک مولانا الطاف حسین حالی ہیں ۔ حالی سنہ ۱۸۳۷ع میں پانی پت کے مقام پر پیدا ہوئے ۔ آپکے والد کا نام ایزد بخش تھا ۔ اپنی ابتدائی تعلیم آپ نے گھر پر ہی حاصل کی ۔ پہلے قران حفظ کرایا گیا ۔ پھر عربی اور فارسی کی تعلیم دی گئی ۔ ابھی ان کی تعلیم مکمل بھی نہ ہونے پائی تھی کہ انتہائی کم عمری میں مرضی کے خلاف شادی کردی گئی ۔ اس شادی سے ناراض ہو کر حالی دہلی چلے گئے ۔ جہاں ان کو نواب مصطفی خان شیفتہ کی مصاحبت میسر آئی ۔ پھر حالی کو پنجاب گورنمنٹ بکڈپو لاہور میں ملازمت مل گئی ۔ جہاں انہیں انگریزی سے ترجمہ کی ہوئی اردو کتابوں کی تصحیح کا کام کرنا پڑا ۔ اس کام سے حالی کو انگریزی ادب سے واقفیت کا بڑا اچھا موقع ملا ۔

لاہور سے دہلی آنے کے بعد حالی نے ''مسدس مدو جزر اسلام،، لکھی اور پھر بعد میں حیات سعدی ، حیات جاوید اور مقدمہ شعرو شاعری جیسے شاہکاروں کی تخلیق کی ۔ حالی کو سنہ ۱۹۰۴ع میں ادبی خدمات اور علم و فضل کے صلے میں انگریزی سرکار سے ''شمش العلما'' کا خطاب ملا ۔ شعر و ادب کی یہ شمع ۳۱ ۔ ڈسمبر سنہ ۱۹۱۴ع کو گل ہوگئی ۔

حالی کی شخصیت کو اردو ادب میں بڑی اہمیت حاصل ہے انہوں نے اردو ادب کے مختلف شعبوں میں اپنے کارناموں سے قابل قدر اضافے کئے ہیں ۔ مثلاً آپ ایک قابل فخر شاعر ہیں ۔ اور اردو شاعری میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں ۔ اردو شاعری کے لئے آپ نے نئی راہیں ہموار کیں ۔ اسے گل و بلبل کے قفس سے نکال کر ایک نئی بلندی پرواز عطا فرمائی ۔

شاعری کے علاوہ حالی نے تنقید کی جانب بھی خاص توجہ کی ہے ۔ وہ ایک بڑے نقاد اور ماہر تنقید ہیں ۔ حالی کی تنقیدی نظریات اردو تنقید نگاری میں کافی اہمیت کے حامل ہیں ۔ حالی نے خیال کے ساتھ ساتھ مادہ کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے ۔ اس طرح ترقی پسند تنقید کی جھلک سب سے پہلے حالی کے یہاں ہی نظر آتی ہے ۔ کلیم الدین احمد جیسے سخت نقاد بھی جو کہ اردو میں تنقید کا وجود معشوق کی کمر کی طرح فرض سمجھتے ہیں ۔ وہ بھی حالی کی بعض تنقیدی صلاحیتوں کی داد دینے پر مجبور ہوجاتے ہیں ۔

حالی کا ایک اور خاص میدان سوانح نگاری ہے ۔ اور ان ہی کے ہاتھوں اس صنف نے ابتدا ، ارتقا اور منتہا کی ساری منزلیں طے کرلی ہیں ۔ اس مرد کامل کی سوانح تصنیفات اگر چہ اردو ادب میں سوانح نگاری کے اولین نقوش ہیں مگر اس ماہر فن نے جونقوش چھوڑے ہیں وہ اسکی مہارت اور کاریگری کا بیش بہا نمونہ ہیں ۔ مولانا حالی کی کاریگری میں ایک حقیقی سوانح نگار کی تمام صفات موجود ہیں ۔ یہ ایک حقیقت ہیکہ جب تک کسی سوانح نگار کی ذات میں فن سوانح نگاری کی صفات اور جراثیم موجود نہ ہوں وہ ایک کامیاب سوانح نگار نہیں بن سکتا ۔ حالی کا دل، حالی کی شخصیت اور حالی کا قلم دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ واقعی یہ شخص سوانح نگاری کے لیے موزوں ترین تھا ۔

حالی اس دکھی انسانیت کے ایک علمبردار تھے ۔ خلوص و محبت کے پیکر جس میں شریفانہ جذبات ، جوہر شناسی، اخلاق و ہمدردی کے احساسات بدرجہ اتم موجود تھے ۔ یہ درد مند انسان اپنے سینے میں ساری دنیا کا غم چھپا لینا چاہتا تھا ۔ نیم مردہ انسانوں کی اس بستی میں ہمدردی کا یہ فرشتہ پتہ نہیں کہاں سے آ کر ابھی بھٹک ہی رہا تھا کہ ایک مرد آہن نے اسے اپنے حلقہ احباب میں جکڑ لیا ۔ سر سید کے روپ میں حالی کو اپنے تصورات کی تکمیل نظر آئی اور وہ خوشی خوشی سر سید کے گروپ میں داخل ہوگئے ۔

حالی کے ذہن میں قوم کی بد حالی کا جو ناسور پک رہا تھا ۔ وہ سر سید کے نشتر سے مسدس'' مدو جزر اسلام ،، کے

نام سے پھوٹ پڑا ۔ اور سر سید پکار اٹھے کہ ''اگر قیامت کے روز خدا مجھ سے سوال کرے کہ تم نے دنیا میں کیا کارنامہ انجام دیا ہے تو میں عرض کرونگا کہ میں نے حالی سے مسدس لکھوائی ہے ،، ۔

حالی کے شاندار کارناموں میں سے ایک کارنامہ '' حیات جاوید ،، ہے جو سر سید احمد خان کی سوانح عمری ہے ۔ حالی ایک پر خلوص مصلح قوم تھے ۔ ہمدردی آپکی گھٹی میں پڑی تھی اور خدمت خلق کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ۔ آپ ساری زندگی ادب کی خدمت اور عوام کی بھلائی کے لئے کام کرتے رہے ۔

حالی کا یہ شعر ہم خود حالی کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ۔

ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ بات ہے کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں

سر سید :- دھلی ہندوستان کی وہ دلہن ہے جسکی مانگ کبھی چاند ستاروں سے بھری گئی اور کبھی خون سے لال کردی گئی ۔ اسی دھلی میں سنہ ۱۸۱۷ ع میں سر سید وجود پائے ۔ سر سید نے دھلی کا حسن بھی دیکھا اور اس کا اجڑتا روپ بھی دیکھا ۔ انہوں نے وہ دور بھی دیکھا کہ جب عیش و عشرت اور شان و شوکت سے دھلی جگمگا رہی تھی اور ایک دور وہ بھی دیکھا کہ جب لال قلعہ اپنی ویرانی کا ماتم کر رہا تھا ۔ مغلیہ سلطنت انگریزوں کے سامنے گھٹنے ٹیک چکی تھی اور نحوست کے سیاہ بادلوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا ۔ اس اجڑے دیار میں سر سید پوری قوت کے ساتھ ابھرے وہ ایک باشعور رہنما تھے انہوں نے لوگوں کو بتلایا کہ جو خواب دیکھنے جاچکے ہیں وہ آ نہیں سکتے اس لئے اب ہمیں نئے خواب بننا ہیں ۔ انہوں نے ہر کمزوری کا طاقت سے مقابلہ کیا ۔ اور جدید ہندوستان کی تعمیر کے ساتھ ساتھ نئے خیالات و افکار کی ترقی کے لئے گراں مایہ خدمات انجام دئیں ۔

سر سید انیسویں صدی کی ایک اہم شخصیت تھے وہ بیک وقت ماہر دینیات، عالم ، سماجی مصلح ، ماہر تعلیم، مدبر، مصنف اور صحافی تھے ۔ اپنی قوم کو انہوں نے غفلت کے میدان میں سوتے دیکھا تو وہ اس میدان میں مرد آھن بنکر کود پڑے انہوں نے قوم کو پکارا ، جھنجھوڑا اور اپنے ہتھیار عمل سے اس پر دے پر ضرب پر ضرب لگاتے گئے جو کہ قوم کے ذھنوں پر پڑھ چکا تھا ۔

سر سید نے جو خدمات انجام دی ہیں ان میں اردو زبان کی ادبی خدمت بھی نا قابل فراموش ہے ۔ اس زمانے میں وقت کی پکار یہ تھی کہ ادب کو مقفی اور مسجع ، الفاظ کی پیچید گیوں سے دور کرکے اس کے سادہ حسن کو پیش کیا جائے ۔ اردو زبان کا قافلہ قدیم طرز نگارش کے راستے پر گامزن تھا ۔ جس میں الفاظ کی شان و شوکت تو بہت تھی مگر اس میں ذھن کی پرورش کا سامان بہت کم تھا ۔ سر سید نے وقت کی پکار کو سنا اور ادب کا رخ موڑ کر وقت اور زمانے کا ساتھ دیا ۔ انہوں نے ایک نئے ادب کی تعمیر کی جسکی بنیاد غالب اپنے خطوط کے ذریعہ ڈال چکے تھے ۔

سر سید کا اخبار تہذیب الاخلاق وقت کی ایک اہم پکار بن کر فضا میں گونج اٹھا ۔ اس اخبار کے ذریعہ سر سید نے مختلف مضامین میں اپنے جن خیالات کو پیش کیا ہے وہ قابل قدر ہیں ۔

سر سید احمد خان مذہب کے بارے میں بڑا انقلابی تصور رکھتے تھے ۔ انہوں نے کہا کہ اگر تمہارے مذہب میں صداقت ہے تو وہ صداقت ہر قسم کی صداقت سے آنکھ ملا سکتی ہے اور یہ کہ تمہارے مذہب میں اتنی جرأت ہونی چاہئیے کہ وہ جدید تصورات کو اپناسکے ورنہ تمہارامذہب غلط ہے ۔ انہیں اپنے مذہب سے بے پناہ محبت تھی ۔ لوگوں نے مذہب کا دامن تنگ کر رکھا تھا سر سید نے اسے وسعت دینا چاہا تو انہیں کافر کہا گیا ۔

سور کے اعتراضات کا جواب انہوں نے خطبات احمدیہ میں بڑی تفصیل کے ساتھ دیا ۔ یہ کتاب نئی سوچ اور نئے رحجانات کو راہ دکھاتی ہے ۔ اپنی ایک اور کتاب'' آثارلصنادید ،، میں انہوں نے دھلی کی مسلم قدیم عمارتوں کی تاریخ لکھی ہے ۔ وہ قرآن کی تفسیر بھی لکھ رہے تھے ۔

سماج کے بارے میں سر سید کا خیال تھا کہ ایسے عناصر جو کہ فرسودہ ہوگئے ہیں انکو چھوڑ دیا جائے اور ایسے عناصر کو سماج میں جگہ دی جائے جن میں نئے زمانے اور وقت سے ملکر اور ہم آہنگ ہو کر چلنے کی صلاحیت ہو ۔ یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جبکہ مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہو رہا تھا اور ایک نیا نظام آرہا تھا ۔ چنانچہ سر سید کی علیگڈھ تحریک زندگی کے نئے رحجانات کو اپنانے کی کوشش ہے ۔

سر سید کے ان خیالات سے حالی کافی متاثر تھے ۔ سر سید سے انکی عقیدت اور قدر شناسی ابتدا' سے رہی ہے ۔ چنانچہ سر سید کے خاکے میں رنگ بھرنے اور اسے مکمل کرنے کا کام حالی نے اپنے ذمہ لیا اور اسطرح '' حیات جاوید ،، کا وجود عمل میں آیا ۔

حیات جاوید :- سر سید احمد خان کے حالات زندگی اور حالی کے اسلوب بیان کا ایک حسین سنگم حیات جاوید ہے

ویسے تو خود حالی کی ادبی شخصیت کافی شاندار تھی لیکن سر سید کی شخصیت کے سامنے وہ کافی دبے دبے سے لگتے ہیں ۔ سر سید احمد خان انکے ہیرو ہیں اور وہ سر سید کے پرستار۔

پنجاب سے دھلی آنے کے بعد حالی کی بے چین روح اپنے آئڈیل کی تلاش میں بھٹک رھی تھی ۔ پھر جب انکی نظریں سر سید سے ٹکرائیں تو کچھ دیر کے لئے انکی آنکھیں خیرہ ھوکر رہ گئیں ۔ سر سید کے روپ میں حالی نے وہ سب کچھ پالیا جسکے وہ متلاشی تھے اور سر سید نے بھی حالی کو گلے سے لگا لیا ۔

حیات جاوید کی شروعات سے متعلق حالی حیات جاوید کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ ۔

" راقم کو سر سید کی زندگی کے حالات لکھنے کا خیال پہلے پہل اس وقت پیدا ہوا تھا جب کہ وہ اپنے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ مفید کام کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ مدرسۃ العلوم علیگڈھ میں قائم ہوچکا تھا ۔ اور باوجود سخت مخالفتوں کے بہت تیزی کے ساتھ ترقی کرتا جا رہا تھا اور اسی کے ساتھ تہذیب الخلاق میں سر سید کی دلنشین تحریریں شائع ہو رہی تھی ۔ اگر چہ قوم میں عموماً مخالفت پھیلی ہوئی تھی ۔ مگر ایک گروہ ایسا بھی تھا جو سر سید کے کارناموں کو نہایت عظمت کی نگاہ سے دیکھتا تھا ۔ میرے دل میں بھی انکی وقعت روز بروز زیادہ ہونے لگی ۔ اسی وقت سے میں نے کچھ نوٹ انکی لائف کے متعلق قلمبند کرنے شروع کئے ۔ میں نے یہ بھی چاہا کہ برس چھ مہینے خود علیگڈھ میں جا کر رھوں جہاں اس کام کے لئے قیام کرنا نہایت ضروری تھا "۔

چنانچہ حیات جاوید کے تعلق سے حالی کئی بار علیگڈھ گئے وھاں انہوں نے سر سید کی زندگی کا ہر زاویہ سے تجزیہ کیا ۔ انکے حالات زندگی کے متعلق سوالات مرتب کئے اور جواب کے لئے سر سید سے درخواست کی تو ابتداً میں سر سید ٹالتے رہے وہ کہا کرتے " میری لائف میں سوا اس کے کہ لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھلیں ، کنکوے اڑائے ، کبوتر پالے ۔ ناچ مجرے دیکھے اور بڑے ہوکر نیچری ، کافر اور بے دین کہلائے اور رکھا ہی کیا ہے "۔

لیکن حالی اتنی آسانی سے پیچھا چھوڑنے والے نہ تھے ۔ انہوں نے کرید کرید کر سر سید کی زندگی کے حالات ، واقعات کارناموں کو جمع کیا اور انہیں حیات جاوید کی شکل میں حیات جاوداں بخشی ۔

یہ ایک حقیقت ھیکہ اردو میں سوانح نگاری کی ابتداً حالی کے ہاتھوں ہوئی اور حیات جاوید انکی لکھی ہوئی ایک ایسی سوانح نگاری ہے جسکا موازنہ ہم بلا تامل انیسویں صدی میں لکھی ہوئی یورپ کی بے شمار ادبی اور کامیاب سوانح عمریوں سے کرسکتے ہیں ۔ حالی کا یہ کارنامہ اردو سوانح نگاری میں ایک قابل قدر اضافہ ہے ۔ جس نے ہماری سوانح نگاری کی لاج رکھ لی اور اس فن کو اپنی بلندیوں پر پہنچادیا بقول ڈاکٹر سید عبداللہ " اردو میں سوانح نگاری بہت سے اہل قلم نے کی ہے مگر ان میں سے شائد کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جسکے پاس سوانح نگاری کا دل ہو ، سوانح نگار کا دل صرف حالی کے حصے میں آیا ہے "۔

سر سید ایک ہمہ رنگی شخصیت کے مالک تھے ۔ اور اسی رنگا رنگ شخصیت کی زندگی کا موضوع حیات جاوید ہے ۔ سر سید کی زندگی بڑے بڑے ہنگاموں کا مرکز اور بڑی سہانی زندگی تھی ۔ انقلاب ، جدت پسندی اور بغاوت کے ساتھ ساتھ سلامت پسندی اور اعتدال پسندی کو انہوں نے کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا ۔ قوم کی بد حالی ، کمتری اور پسماندگی کا درد کوٹ کوٹ کر انکے کلیجہ میں بھرا ہوا تھا ۔

سنہ ۱۸۵۷ ع کا واقعہ سر سید پر ایک پہاڑ بنکر ٹوٹا ۔ قوم کے آنسو سر سید کی زندگی کی سب سے بڑی للکار بن گئے ۔ چنانچہ اس سانحہ کے بعد تعمیری اور ترقیاتی کاموں کے میدان میں وہ مرد آہن بنکر کود پڑے ۔ بہر حال اس موم سے زیادہ نرم اور فولاد سے زیادہ مضبوط شخصیت کی سوانح عمری کی تکمیل کوئی آسان کام نہیں تھا ۔ اس کٹھن اور گراں بار کو حالی نے اپنے کاندھوں پر اٹھایا اور نہایت کامیابی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالتے ہوئے سوانح نگاری کے میدان میں میں اپنا کارنامہ حیات " جاوید " کے عنوان سے پیش کیا ۔

حیات جاوید کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے یہ جانچنا ضروری ہوتا ھیکہ ۔ اس کا مصنف فن سوانح نگاری کے پیمانے پر کس حد تک کھرا اترتا ہے ۔ کسی بھی سوانح نگار کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ موضوع کی صحیح طور پر عکاسی کی گئی ہو ۔ اور یہ کہ جس ہیرو کی سوانح پیش کی جارہی ہو اسکی زندگی کے ہر روپ کو نہایت غیر جانبداری کے ساتھ ظاہر کردیا جائے ۔ اور ایک ایسی تصویر کشی کی جائے جو مردہ نہیں بلکہ جاندار لگے ۔ انسان کو صرف فرشتہ یا شیطان کے روپ میں پیش کرنا سوانح نگار کی غلطی ہوگی ۔ چونکہ ہر انسان میں اچھائیوں کے ساتھ ساتھ چند کمزوریاں بھی ہوتی ہیں ۔ چنانچہ اسکی اچھائیوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہوتا ھیکہ اسکی خامیوں اور کمزوریوں کا بھی اظہار کردیا جائے ۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا رہا ہے کہ '' حیات جاوید،، مدلل مداحت طرازی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے ۔ مولانا شبلی نعمانی کی رائے میں حیات جاوید '' سر سید کی ایک رخی تصویر ،، ہے ۔ انہوں نے اس کے انداز تحریر کو '' مدلل مداحی،، قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ '' حیات جاوید کو میں لائف نہیں بلکہ کتاب المناقب سمجھتا ہوں اور وہ غیر مکمل ،، ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہیکہ شبلی صاحب کا یہ دعوی کہاں تک درست ہے ۔ اگر ہم بغور اور تفصیلی طور پر حیات جاوید کا مطالعہ کریں تو حقیقت خود بخود ہمارے سامنے آجاتی ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حالی ایک پرستار تھے اور سر سید انکے ہیرو لہذا ایک پرستار کی حیثیت سے حالی کی نگاہ زیادہ تر اپنے ہیرو کے کار ناموں ، خوبیوں اور اچھائیوں پر ہی پڑھتی رہی ۔ لیکن اس کے باوجود بھی جہاں کہیں اور جب کبھی بھی انہیں اپنے ہیرو کی کوئی بات یا کوئی تصویر کھٹکتی نظر آئی انہوں نے اسکا بھی پوری دیانت داری کے ساتھ اظہار کردیا ۔

حالی نے سر سید کی جس تصویر کو پیش کیا ہے وہ ایک سچی اور حقیقی تصویر ہے ۔ حیات جاوید صرف '' مدلل مداحی،، ہی نہیں بلکہ '' تنقیدی ،، بھی ہے ۔ حالی جیسے شریف انسان میں اتنی جرأت نہیں کہ وہ سر سید پر کیچڑاچھال سکے وہ تو صرف سچائی بیان کرسکتا ہے ۔ اگر اسکی یہ سچائی '' مداحی ،، بن جاتی ہے تو اس میں اسکا کوئی قصور نہیں ۔

اسطرح شبلی کا یہ کہنا غلط ہیکہ حیات جاوید سر سید کی ایک رخی تصویر ہے اور یہ کہ اسکا انداز تحریر '' مدلل مداحی ،، ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ شبلی صاحب کا یہ خیال بھی غلط ہیکہ حالی نے سر سید کی تصویر نامکمل پیش کی ہے ۔

حیات جاوید کو پڑھے تو آپ کو سر سید کی پیدائش سے لیکر انکی موت تک کے حالات کافی تفصیل کے ساتھ مل جاتے ہیں ۔ سر سید کے بچپن کی شرارتیں ، جوانی کی رنگیاں ، پیری کے کار نامے ۔ ان کا خاندان ، تعلیم ، ملازمت ، مشغلے ، خدمات ، کار نامے ، اس زمانے کے سماجی اور سیاسی حالات غرض سر سید کے ہر دور اور ہر بات کا حالی نے مکمل طور پر بیان کیا ہے ۔ اتنی مکمل اور جامع سوانح کو ادھورا نہیں کہا جاسکتا ۔

حالی ہر دور میں ہر جگہ اور ہر وقت ایسا لگتا ہے جیسے سر سید کے ساتھ ہوں کہیں وہ اپنے ہیرو کی بسم اللہ کی تقریب مناتے ہیں تو کہیں سے کبڈی کھیلتے اور کنکوے اڑاتے دیکھتے ہیں ۔ کبھی ان کا ہیرو کسی شوخ و حسین رقاصہ کی رنگین محفل میں نظر آتا ہے ۔ تو کبھی ماں کے سامنے سر جھکائے کھڑا دکھائی دیتا ہے ۔ کبھی عیش و کامرانی کا دور دورہ ہے تو کبھی غم و یاس کی محفل ۔ کبھی وہ دھلی کی پرانی عمارتوں پر نظر آتا ہے تو کبھی غدر کے خونی معرکہ پر آنسو بہاتا دکھائی دیتا ہے ۔ اور پھر دیکھتے دیکھتے ملک و قوم کا یہ عظیم رہنا اپنے ہاتھوں میں تعلیم کا علم اٹھائے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے ۔ حالی کی جرأت کی داد دینی پڑھتی ہے کہ وہ اپنے ہیرو کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتے ۔

انتہائی جامعیت اور بڑی تفصیل کے ساتھ حالی نے سر سید کی داستان حیات کو قلم بند کیا ہے ۔ جہاں تک اسلوب اور بیان کا تعلق ہے حالی نے اس داستان سے اپنے آپ کو ہمیشہ دور اور الگ رکھا ۔ اور صرف اپنے ہیرو کے حالات اور اس کے کار ناموں کو بیان کیا ہے ۔ وہ چاہتے تو سر سید کے ساتھ ساتھ اپنے نام کو بھی اچھالنے کی کوشش کرتے لیکن انکی شرافت نے اس بات کو بالکل گوارہ نہیں کیا ۔ حالی نے اپنے قلم سے سر سید کی تصویر پیش کی ہے وہ ایک شریف فنکار کا شریفانہ کار نامہ ہے ۔ ان کا قلم بڑی احتیاط سے چلتا ہے اور انکی زبان بڑے میٹھے بول بولتی ہے ۔

حالی کے اسلوب میں مٹھاس ہے ، خوبصورتی ہے ، ایک رنگی اور اعتدال پسندی ہے ۔ انکے یہاں جذبات اور جوش کی کمی ہے تو صرف اس لئے کہ حالی خود کافی سلجھی ہوئی شخصیت کے مالک تھے ۔ جوش ، ہنگامے ، اور جذباتیت سے دور میٹھے میٹھے سروں میں گنگنانے والا یہ شاعر جب کبھی نثر میں لکھتا تو ہمواری اور خاموشی کے ساتھ الفاظ کا دریا بہاتے چلا جاتا ۔

مثلاً حیات جاوید میں ایک جگہ لکھتے ہیں ۔

'' ہمدردی کا اصل مادہ ظاھرا انسان اور تمام حیوانات میں یکساں پیدا کیا گیا ہے ۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ دیگر حیوانات کی ہمدردی اس حد سے جو ان کی فطرت میں رکھی گئی ہے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتی ہے ۔ بر خلاف انسان کے کہ کبھی اسکی ہمدردی ایک چھوٹے سے حلقہ میں محدود رہی ہے اور کبھی بیرونی اسباب سے وہ نہایت وسیع ہوجاتی ہے ۔ لیکن ہمیشہ اس کا تعلق اول گھر کی چار دیواری سے شروع ہوتا ہے پھر جس قدر انسان میں بیرونی اسباب سے متاثر ہونے کی قابلیت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر وہ تعلق بڑھتا جاتا ہے ،، ۔

حالی کے اسلوب بیان میں فقرے سادہ مگر طویل ہوتے ہیں ۔ اور انکی تحریر سے صداقت خلوص اور ہمدردی ہمیشہ ظاہر ہوتی رہتی ہے ۔

حالی کے اسلوب بیان کی ایک اور خصوصیت سچائی ہے
ور وہ خود بھی اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ سر سید کی
ر بات میں خلوص اور سچائی کو ثابت کیا جائے چنانچہ لکھتے
یں ۔ " اس بات کا ہم کو خود بھی یقین ہے اور ہم چاہتے
یں کہ اوروں کو بھی اس کا یقین دلائیں کہ سر سید کا کوئی
کام سچائی سے خالی نہ تھا "۔ بہرحال اپنے فن ، اسلوب اور
بیان کے لحاظ سے حیات جاوید ایک مکمل اور جامع
سوانح حیات ہے۔

-: ختم شد :-

صلاح الدین نیر

آندھرا پردیش

(یہ نظم یوم تاسیس آندھرا پردیش کی تقریب میں سنائی گئی)

یہ سر زمین دکن ہے وفا شعاروں کی
یہاں کے چہروں پہ تحریر ہے اجالوں کی

ہم آندھرائی جو مدت کے بعد پھر سے ملے
کھلی ہیں کلیاں قطب شہہ کی آرزؤوں کی

یہاں کی مٹی اگلتی ہے آج بھی سونا
یہاں کے کھیتوں میں خوشبو ہے تازہ پھولوں کی

ہر ایک رت میں یہاں لہلہاتی ہیں فصلیں
ہمارے دلمیں ہے عظمت بہت کسانوں کی

ہمارا ذہن نئے دور کا اجالا ہے
ہمارے ہاتھوں میں تقدیر ہے مشینوں کی

اندھیرے گھر تھے جہاں کل ، وہ آج روشن ہیں
ہمارے گاؤں میں رونق ہے آج شہروں کی

بہت سے آج یہاں ہیں ہرے بھرے دامن
جدھر بھی دیکھئے تصویر ہے بہاروں کی

شگفتہ ، نکھرے ہوئے ہیں یہاں کے صبح وشام
تمام ملک میں روشن ہے آندھرا کا نام

* * * *

اقبال اسلام اور شاعری

علامہ اقبال سر زمین مشرق کی ایک انوکھی اور غیر معمولی شخصیت تھے ان کے جسد خاکی میں ایک فلسفی کا دماغ ایک شاعر کا تخیل اور مرد مومن کا حساس اور بصیرت سے آشنا دل تھا ۔ فلسفہ اور شعر کا امتزاج ھمیں اکثر شعراء کے کلام میں مل جاتا ہے لیکن فلسفے و شعر کے ساتھ عرفان کی گھلاوٹ دنیائے شعر و ادب میں فال فال ھی نظر آتی ہے ۔ اقبال اپنی خدا داد صلاحیت و قابلیت کی وجہ سے زندگی کے نقیب نباض وقت اور حکیم الامت کہلاتے تھے ۔ شاعری میں ان کی دور بینی ہر آن ہر دور و عہد میں بنی نوع آدم کو پیغام انفس و آفاق سے روشناس کراتی رھی ہے اور رھیگی ان کے کلام پر محض شاعری کا اطلاق کرنا تنگ نظری کے مترادف ھوگا ۔ جب کبھی ھم اقبال کے کلام کا مطالعہ کرتے ھیں تو ھمیں اس کا اندازہ ھوجاتا ھیکہ اقبال ھمارے ان جانے پہچانے شعراء سے کتنے مختلف ھیں جن کا مطمح نظر شاعری محض حظ نفس اور لذت اندوزی کے سوا نہیں لیکن اقبال کی شاعری جہاں ایک طرف حسن پرستی لذت اندوزی اور تسکین بہم پہچاتی ہے وھیں ھمارے شعور و احساس قلب کو وجدان سوز گداز حرکت و حرارت درد و تپش اور اس سے بھی زیادہ " ایمان و ایقان ،، کی تعلیم دیتی ہے یہ ایک ایسا شعلہ جوالہ ہے جس کی گرمی سے مادیت کی زنجیریں پگھل پگھل جاتی ھیں اور باطل قدریں تہس نہس ھوکر حق کا بول بالا ھوجاتا ہے ۔ اور اسی حق و صداقت ایمان و ایقان کی آبیاری سے انسان کو اسکی پیدائش کا مقصد سمجھ میں آجاتا ہے ۔

اقبال نے بار ھا کہا ہیکہ انہیں شاعری سے کچھ سروکار نہیں انکا مقصد شعر و سخن نہیں بلکہ کچھ اور ہے بعض جگہ تو انہوں نے اس امر پر سخت تاسف کا اظہار کیا ھیکہ قوم ان کی اصلی تعلیم پر توجہ دینے کی بجائے ظاھری آب و تاب اور شعریت کے حسن کی متلاشی ہے ۔

او حدیث دلبری خواھد زمن
رنگ و آب شاعری خواھد زمن

کم نظر بے تابیٔ جانم ندید
آشکارم دید و پنہانم ندید

حقیقت یہ ھیکہ علامہ اقبال نے شاعری کو کبھی مقصود بالذات نہیں سمجھا بلکہ ان کے لئے شاعری ایک ذریعہ ایک واسطہ یا ایک میڈیم ہے حقائق و معارف کو آشکار اور اسرار و رموز کو بے نقاب کرنے کا ۔

میری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ھوں محرم راز درون میخانہ

ویسے اقبال کی شاعری نعرۂ رندانہ نہیں بلکہ اسکا ایک مقصد ہے ایک معین اور واضح مقصد ان کا فلسفہ انکا تصوف انکا آرٹ سب ایک مخصوص مقصد کے تابع ھیں ۔ وہ مقصد کیا ہے ۔ اسلامی تعلیم کی اشاعت قرآنی اصولوں کی ترویج صحیح او حقیقی اسلامی طرز معاشرت ، ان کا سارا کلام کہیں سے بھی دیکھ لیجئے اسکی تہہ میں یہی خواھش اور یہی مقصد جاگزین ھوگا ۔ اسلام کی روح اور اسلام کی حقیقت سے مسلمانا عالم کو ، بہرہ ور کرنے کی خواھش نے اقبال کو وھی نغمہ دلنواز وھی صوت سرمدی سنانے پر مجبور کیا جو بظاھر کہنہ اور پارینہ سمجھ میں آتا ہے اور جو تیرہ سو سال قبل چھڑ گیا تھا ۔ اس ضمن میں اقبال نے مشرق و مغرب ہر دو نظا تعلیم سے استفادہ کیا ۔ جب انہوں نے مغرب کے علمی ذخیرو کو تلاش کیا تو ان کی زبان الہام پر یہ شعر از خود آگیا ۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ھنر ہے
سچ یہ ھیکہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات

بعد ازاں مشرق نے ان کو اپنی طرف کھینچ ھی لیا مذھب فلسفہ تاریخ تمدن اور دیگر علوم کے حصول کے بع بھی ان کی روح میں درد و کرب باقی رھا جس سکون اور جـ حقیقت کی انہیں تلاش تھی وہ انہیں بالآخر قرآن حکیم میں ـ ھی گئی ۔ چنانچہ اقبال نے اپنی پوری زندگی قرآن ـ غور و فکر کرتے گزاری وہ قرآن پڑھتے قرآن سے سوچتے قر

سے ہوتے تھے قرآن ان کی محبوب کتاب تھی جس سے انہیں نئے نئے علوم کا انکشاف ہوتا اور انہیں ایک نئے عزم نئے حوصلہ نئے یقین کی روشنی اور علم و عملی قوت و دانائی حاصل ہوتی اور جوں جوں ان کا قرآنی مطالعہ بڑھتا گیا ان کی فکر میں بلندی اور ایمان میں زیادتی ہوتی گئی وہ اوروں کو بھی اسکا مشورہ دیتے ہیں -

قرآں میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھکو عطا جدت کردار

یوں بھی اقبال کا کائناتی تصور قضا و قدر تسلیم و رضا کا انداز خالصتاً اسلامی رنگ لئے ہوئے ہے اس سلسلے میں وہ قریب قریب انتہا پسند تھے قطع نظر دیگر نظریات کے اقبال کا خیال بلکہ یقین تھا کہ قرآن ہی وہ جامع صحیفہ آسمانی ہے جو بنی نوع انسان کی ھدایت کے لئے حرف آخر کی صورت سے جدا نہیں - قرآن ہی زندہ جاوید کتاب ہے جو انسان کو ابدی علم اور ابدی سکون و سعادت سے بہرہ ور کرتی ہے -

یہ انسانی فطرت ہیکہ جب وہ کسی حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے یا کوئی مفکر اسکے سراغ کو پا جاتا ہے تو اپنے میں ایک بے چینی ایک اضطراب محسوس کرتا ہے اسکی بیقرار طبیعت کی ہر لحظہ یہ خواھش ہوتی ہیکہ جو کچھ اس نے دیکھا ہے پایا ہے اوروں کو بھی اس سے روشناس کرائے اقبال نے ہمیشہ بارگاہ خداوندی میں یہ دعا کی کہ - "میرا نور بصیرت عام کردے " ان کی یہی خواھش بعد ازاں ان کی آرزو بن گئی کہ انسانوں کو اس حقیقت سے آشنا کردیں جس سے وہ بہرہ مند ہوچکے تھے - اس سلسلے میں انہیں تادم آخر یہی تردد رہا کہ کوئی " دانائے راز " آتا بھی ہے یا نہیں -

سرود رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سرآمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

یہ تو رہا اقبال کے مقصد حیات کا منتہا اور معراج مگر اسکے حصول کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوگی وہ ان چیزوں کو قرآن حدیث اور اولیا اللہ کی تعلیم سے اخذ کرتے ہیں - اور یہی اقبال کی شاعری کا منبع ہے - انہوں نے اثر آفرین الفاظ لطیف پیرایہ بیان اور لباس شعر میں درس قرانی کا اعادہ کیا - مسلمانوں کو روح اسلام کی جانب متوجہ کیا اور بتایا کہ

بے خبر تو جو ھر آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اقبال نے اصل اسلام کو سمجھا اور اس طرح سمجھا کہ اس کی روح ان کے رگ و پئے میں سرایت کر گئی

شوق میری لَے میں ہے شوق میری نَے میں ہے -
نغمہ اللہ ھو میرے رگ و پئے میں ہے -

اقبال اسلام کے حیات افروز اصولوں سے قلب کو روشن و منور کر کے اور نظر میں وسعت جہانداری پیدا کر کے جب اقبال نے حالات کا جائزہ لیا تو انہیں ماضی اور حال کا موازنہ کرنے سے سخت تکلیف بلکہ روحانی اذیت ہوئی اسلاف کی میراث گنوانے کا از حد ملال ہوا ناقابل تلافی نقصان - احساس زیاں ، کا فقدان تھا - لیکن انہوں نے ھمت سے کام لیا اور مسلمانوں کو ان کے نقصان کا احساس دلایا قوم خفتہ نصیب کو جگایا - اقبال کا میدان بہت وسیع ہے انتہائی وسیع جتنی کہ زندگی یا اسلام کا لائحہ عمل - اقبال نے زندگی کے بیشمار گوشوں کو بے نقاب کیا - اس کے لا محدود امکانات پر روشنی ڈالی تسخیر فطرت اور سعی پیہم کے راز بتائے یہ سب ، اصول اسلامی کے ذریعہ اور قران کی روشنی میں - اقبال نے سب سے پہلے عالمگیر اسلامی اخوت کے راستے کی بیشتر خلیجوں کو پاٹ دینے کی کوشش کی وہ بکھرے ہوئے دانوں کو تسبیح میں پرونے کے لئے بہت شد و مد سے کوشاں تھے - انہوں نے ہمیشہ خالص اسلامی اصولوں کی اشاعت کی وطن قوم رنگ نسل اور تہذیب کو کبھی جدا نہ سمجھا - کہتے ہیں -

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے -
جو پیرھن اسکا ہے وہ مذھب کا کفن ہے -
نسل قومیت کلیسا سلطنت تہذیب رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کو بنائے مسکرات
نسل گر مسلم کی مذھب پر مقدم ہوگئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رھگذار
جو کریگا امتیاز رنگ و خون مٹ جائیگا
ترک خر گاھی ھو یا اعرابی والا گہر
ایک ھوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کاشغر

اقبال کی نظر بہت گہری ہے وہ سطحی اور خارجی اسباب زوال تک محدود نہیں رہتی بلکہ ان سے گذرتی ہوئی بنیادی اورحقیقی کمزوریوں اورنقائص تک پہنچتی ہے اعمال کے ساتھ وہ عقائد اور اقدار کی بھی اصلاح چاھتے تھے - یہی ان کی عظمت کا راز ہے - دل کی ناپختگی اور عقائد کی کمزوری کو وہ اصلی مرض تشخیص کرتے ھیں اور اس کے لئے عشق خدا اور عشق رسول کا نسخہ کیمیا تجویز کرتے ھیں -

خارجی اور مادی دنیا خودی کی پہلی منزل ہے اس پر غلبہ پانا کوئی بڑی بات نہیں خودی اس سے بھی آگے ہے ۔ جب وہ طلسم زمان و مکان توڑ کر آگے بڑھتی ہے تو اسکو ضمیر وجود میں بیشمار عالم نظر آتے ہیں ۔

خودی کی ہے یہ منزل اولین
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں

تری آگ اس خاکدان سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر
طلسم زمان و مکان توڑ کر

جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود

ہر ایک منتظر تری یلغار کا
تری شوخیٔ فکر و کردار کا

ان خیالات سے قطع نظر زندگی کے مادی اور امکانی پہلو پر نظر رکھتے ہوئے اقبال نے ان اصولوں اور جزئیات پر بھی توجہ دی جو انسان کو ایک کامیاب مفید اور حقیقی زندگی گذارنے میں مدد دیتے ہیں زندگی میں کامیابی و کامرانی حاصل کرنیکے لئے اس سے بہتر اور کیا لائحہ عمل ہوگا ۔

یقین محکم ، عملی پیہم ، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

ولایت بادشاہی ، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطہ ایماں کی تفسیریں

اس ایمان و ایقان علم و عمل صالح کے لئے محنت اور اکل حلال کی سخت ضرورت ہے۔شکمپوری کے لئے کوشش و محنت ضروری ہے۔ ورنہ یہ عزت نفس اوراحساس خودی کو مجروح بالکہ پارہ پارہ کردے گی ۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دل کی آزادی آزادی شکم سامان موت
فیصلہ ترا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم

اقبال نے مرد مومن کاذکر بار بار کیا ہے ان کی اصطلاح میں مرد مومن سے مراد انسان کامل ہے جو اخلاق فاضلہ کا بہترین نمونہ ہو ۔ بعض لوگ اقبال کے مرد مومن کا "نشٹے،، کے فوق البشر سے مقابلہ کرتے ہیں ۔ حق تو یہ ہے کہ ان دونوں میں نمایاں فرق ہے اقبال کا مرد مومن اخلاق فاضلہ کا بہترین نمونہ ہے جبکہ "نشٹے،، کا فوق البشر اخلاقی وسعتوں کو کمزوریوں پر محمول کرتا ہے اقبال کا مرد مومن لا کےساتھ الا کا بھی قائل ہے ایمان اور یقین اس کی زندگی کے اعلی جوہر ہیں اسکے برعکس نشٹے خدا کا منکر تھا وہ کہتا تھا " خدا مر گیا ۔ تاکہ فوق البشر زندہ رہے۔،، اقبال نے بالکل اسلامی نکتہ نظر سے انسانی اخلاق و کردار کی اصلاح کی انہوں نے قلب و دماغ اور روح تینوں کی ترقی و تربیت کا سامان بہم پہنچا یا اسکے مقصد کی تحصیل کے لئے یقین محکم ایمان راسخ سعیی و تزکیہ نفس اکل حلال صبر وقناعت جود و سخاسوز ومستی عشق رسول اور عشق خدا کا سبق مختلف طریقوں اور موثر پیرایوں میں دیا وہ مسلمان کے کردار میں لچک پیدا کرنا چاہتے تھے اگرایک طرف وہ یہ کہتے ہیں ۔

زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر
شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہوجا

گذر جا بن کے سیل تندرو کوہ و بیاباں سے
گلستان راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہوجا

تو دوسری طرف صاف ستھری اور اجتماعی زندگی کی اہمیت کو اسطرح ظاہر کرتے ہیں ۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

غرض اقبال نے شاعری کو ہمیشہ اپنے مخصوص مقاصد حیات کی ترجمانی کا ذریعہ سمجھا ۔ اور گو انہوں نے آب ورنگ شاعری کی پرواہ نہ کی لیکن قدرت کی و دیعت کردہ شاعرانہ روح اور شاعرانہ طبعیت ان کی بے توجہی کے باوجود ان کے فلسفہ اور پیغام کے اندر تابناکی کے ساتھ جھلک رہی ہے ۔

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا نہ تو بن

* * *

رفیعہ سرمت

انسان اشرف المخلوقات ہے اور اسے یہ شرف صرف اس کی ذہانت ور عقل کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔ اس نے اپنی عقل کی وجہ سے پہلے تو چاند پر کمندیں پھینکیں اور اس کے بعد خود جا پہنچا ۔ یہ اس کی ذہانت کی انتہا تو نہیں ہاں کسی حد تک معراج ضرور ہے سکے اس قابل تحسین کام کو اسی کے بھائی بندوں نے خوب اچھالا، سکا خوب پروپگنڈہ کیا ۔ یہ تو حالیہ بات ہے۔ وہ تو صدیوں سے پنے آپ میاں مٹھو بنتا چلا آیا ہے ۔ دنیا کی بیسیوں عمارتیں ایسی ہیں جن پر ان کی ابتداء سے آجتک لکھا جاتا رہا ہے۔ اس کی باریکیاں نزاکت اور ہنر مندی کو طرح طرح سے سراہا جارہا ہے۔ پتہ نہیں کب تک ایسا ہوتا رہیگا ۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تاریخی عمارتوں پر نہ لکھا جائے، لکھا جانا چاہئیے مگر اس کے ساتھ ان کے فن تعمیر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئیے جسے وہ ''جانور ،، سمجھتا ہے ۔ بہت کم لوگ ایسے ہونگے جنھوں نے اسطرف توجہ کی ۔

ہماری برادری نے جب انسان کی اس '' جشم پوشی ،، کو محسوس کیا تو رائے یہ ہوئی کہ خود ہمیں چاہئیے کہ اپنے فن تعمیر کو انسان سے متعارف کرائیں ۔ چونکہ تعمیر کے معاملے میں حیوانات میں پرندے بہت آگے بڑھ گئے ہیں ۔ اس لئے سب کی نگاہ انتخاب مجھ خاکسار یعنی ''درزی پرندہ ،، (Tailor Bird) پر پڑی ۔ اور اب اس کا تعارف کا گراں بار کام مجھے انجام دینا پڑ رہا ہے ۔

جانوروں میں دیمک ، شہد کی مکھی اور چیونٹی وغیرہ ایسے ہیں جن پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اور آپ سب ان کے فن تعمیر سے کسی حد تک واقفیت ضرور رکھتے ہیں ۔ لہذا ان کے حالات سے پہلوتہی کرتے ہوئے میں صرف فقری حیوانات (ریڑھ کی ہڈی والے) (VERTEBRA) کے بارے میں بتاونگی ۔

اگر آپ اسے خود نمائی پر محمول نہ کریں تو میں پہل اپنے ہی سے کرتی ہوں ۔ مضمون کے عنوان پر کی تصویر کو ذرا غور سے دیکھئیے ۔ یہ میری ہی تصویر ہے۔ پرندوں کی دنیا میں میرا شمار ننھے پرندوں میں ہوتا ہے۔ ہماری برادری کے پرندے کسی درخت کے مضبوط اور قدرے جوڑے دو تین پتیوں کو آپس میں ملا کر گھاس کے باریک تاروں سے ''سی ،، دیتے ہیں جسکی وجہ سے اس گھونسلا کی شکل پیالہ کی سی ہوجاتی ہے ۔ بعد ازاں اس پیالہ میں روئی اور درختوں کے نرم ریشوں سے ایک گھونسلا تیار کرلیتے ہیں ۔ لیکن گھونسلا بنانے کے فن میں ہم سے بھی ہوشیار پرندہ ''بیا ،، ہے۔ اسکا گھونسلا دیکھکر ہم بھی حیران رہ جاتے

ہیں اور فخر یہ اسکے ہنر کا ذکر کرتے ہیں ۔ گھونسلا کی تیاری میں جن باتوں کو مد نظر '' بیا ،، رکھتا ہے۔ شاید ہی کسی دوسرے پرندے کی وہاں تک رسائی ہو ، گھونسلا کی خوبی یہ ہے کہ وہ مضبوط ، پائیدار ، محفوظ ہو اور اگر ساتھ ہی ساتھ دیدہ زیب بھی ہو تو پھر کیا کہنا ۔ یہ اکثر تالابوں میں اور دریاؤں کے کنارے پر ببول یا کھجور کے درختوں کے آخری سروں پر گھونسلا بناتا ہے۔

اگر تالاب یا دریا نہ ہو تو کنٹہ یا ایسی باولی کا انتخاب ضرور کرتا ہے جسکے قریب ببول قسم کا درخت اور اس درخت کی شاخیں پانی کے اوپر چھا گئی ہوں ۔

وہ اپنے گھونسلے میں کھجور کے باریک باریک ریشوں اور تاروں کا استعمال کرتا ہے یہ تار آپس میں اسطرح جڑے رہتے ہیں کہ انہیں الگ نہیں کیا جاسکتا ۔ اس گھونسلے کا راستہ نیچے کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کے اندر دو خانے ہوتے ہیں ۔ باہر کا خانہ اٹھنے بیٹھنے کے کام آتا ہے۔ اور اندر کا خانہ انڈے دینے کے لیئے

کیٹھ پھوڑا (Horn Bill) اپنی فولادجیسی مضبوط، سخت ،نوکدار اور مڑی ہوئی چونچ سے دھنتر درختوں کے تنوں کو کھو کھلا کر کے اندر گھونسلا بنالیتا ہے ۔ ان میں سے بعض کاھل اور کام چور اس زحمت سے بچنے کیلئے درختوں کے کھو کھلے حصے کو کام میں لاتے ہیں ۔ طوطے بھی انہی کی جماعت میں شامل ہیں ۔

اصل (Pelican) کا ذکر یہاں میں اسلئے نہیں کرونگی کہ وہ گھونسلا نہیں بناتے بلکہ سمندر کے کنارے کی ایسی چٹانوں کو منتخب کرتے ہیں جن میں درہ یا گڑھا ہو ۔

اسی طرح مچھلی مار (King Fishers) بھی دریا کے کنارے ریت میں پیدا ہوجانے والے سوراخوں میں گھونسلا بنا لیتا ہے ۔

یہ تو آپ جانتے ہی ہونگے کہ پرندوں کو گھونسلا بنانے کی ضرورت افزائش نسل کے وقت ہی پڑتی ہے ۔ ۳۔ چہچہاتے پرندے یعنی (Humming Birds) بڑا ہی نازک خوبصورت گھونسلا

کسی بڑے سے پتے پر گول اور کپ (Cup) کی وضع کا روئی اور ریشوں سے بناتے ہیں اور باہر سے چھوٹے پتوں اور (Lichen) کے ٹکڑوں سے ڈھک دیتے ہیں ۔

فلیمنگو (Flamingo) کسی ٹوٹے ہوئے درخت کے تنے میں گڑھا سا بنا کر انڈے دیتا ہے ۔ اسی کو آپ اسکا گھونسلا گھر کچھ بھی کہہ لیجئے ۔

اگر میں اپنی ھی برادری کے بارے میں بتانے رھونگی تو بات طویل ہوجائیگی اور آپ کہہ اٹھینگے کہ کر خدا کیلئے قصہ مختصر ۔

اسلئے اور چند پرندوں کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں ایک ایسے پرندے کا ذکر کرونگی جسے آپ بخوبی جانتے ھ مگر اسکی ایک ستم ظریفانہ عادت سے یقیناً ناواقف ھیں ۔ ہم سارے پرندے ایسے ہیں جو گھر یا گھونسلا بنانے کے فن میں بہت سمجھے ھیں ۔ چیل ، کوا ، کبوتر اور گھریلو چڑ وغیرہ ایسے ھیں جو ہماری برادری کے سب سے کمزور گھونس بنانے والوں میں گنے جاتے ھیں ۔ یہ گھونسلا کیا بناتے ہ درخت کی دو تین شاخیں جہاں ملتی ھیں بس وھاں لکڑی تنکے گھاس ، سوکھے پتے وغیرہ لا کر رکھ دیتے ھیں انڈے لڑھک کر نیچے نہ گرجائیں اس خوف سے ایک گ سا کرلیتے ھیں ۔ یہ گھونسلا نہ تو دشمنوں سے ان انڈوں بچوں کو محفوظ رکھتا ہے اور نہ ھی تیز ھوا اور پانی بردا کرسکتا ہے ۔ یہ پرندے ان گھونسلوں میں کبھی ٹک کر رہتے بس جب انڈے دینے کا زمانہ آتا ہے نیا گھونسلا کرلیتے ھیں اسکے بعد اسے خیر باد کہہ دیتے ھیں ۔

اب اس ستم ظریف پرندے کا ذکر بھی سن لیجئے ۔ آپ کوئل کہتے ھیں اور جسکی سریلی آواز پر سر دھنتے ھی وہ کبھی گھر یا گھونسلا نہیں بناتی بلکہ دوسروں کے ب

ہوئے گھروں سے نا جائز فائدہ ضرور اٹھاتی ہے اور اسکی نگاہ
انتخاب ہمیشہ سیانے کوے پر ہی پڑتی ہے ۔ وہ کوے کو
مار مار کر گھر سے بھگا دیتی ہے اور اسکے گھونسلے میں
انڈے دینے کے بعد اڑ جاتی ہے کوئل کے چلے جانے کے بعد
کوا واپس آکر انڈے سینے لگتا ہے اور جب بچے نکلتے ہیں
تو ان ”بے مانگے“ بچوں کی پرورش بھی اسی کو کرنی پڑتی
ہے ۔ اس دوران میں کوئل ایک بار بھی پلٹ کر اپنے انڈوں
اور بچوں کی کیفیت نہیں لیتی ۔ الو بھی کبھی گھر نہیں بناتا
بلکہ دوسروں کے چھوڑے ہوئے گھونسلوں پر قبضہ کرلیتا ہے
یا ویران مقامات یا کھنڈروں کو آباد کرتا ہے ۔

سانپ با ضابطہ گھر نہیں بناتے بلکہ زمین کے اندر
سادہ سی ”بل“ بنالیتے ہیں جنمیں نہ تو کمرے ہوتے ہیں
اور نہ ہی خانے بلکہ سوراخ ہوتے ہیں ۔ خرگوش (ربیٹ)
کو بھی اسی قبیل کا سمجھئے کیونکہ یہ بھی زمین کے اندر
سرنگ بنالیتے ہیں اور بار آوری کے زمانے میں مادہ ربیٹ اپنے
جسم کے بال اس سرنگ میں بچھا دیتی ہے ۔ اسکے بر خلاف
خرگوش کی دوسری قسم جسے ”تہیر“ کہتے ہیں ، گھاس
کو پیروں سے روند کر گڑھا سا بنالیتے ہیں جسے ”فارم“
کہتے ہیں ۔

آپ چوہے کی ”بل سے واقف کیا عاجز ہونگے ۔ یہ

ایک گھر سے دوسرے گھر اور اسی طرح ساری بستی میں
”بلوں“ کا جال بنا دیتے ہیں ۔ مگر کھیتوں میں رہنے
والے چوہے اونچے پودوں کی شاخوں پر گھونسلا بنالیتے ہیں ۔

گلہری اپنے بالوں ، روئی اور کپڑے وغیرہ کے اشتراک
سے ایک بہت ہی آرام دہ اور مضبوط گھونسلا درختوں کے
کھوکھلے حصوں میں یا دیواروں میں بناتی ہے ۔

مچھلیوں کے بارے میں آپ کو سنکر تعجب ہوگا کہ

بعض مچھلیاں پانی کی تہہ میں آبی پودوں کو آپس میں ملا کر
گھونسلا بناتی ہیں اور اسی میں انڈے دیتی ہیں اور بعض
مچھلیاں اس مقصد کیلئے سیپیوں کو کام میں لاتی ہیں ۔
مینڈک کی ایک قسم ہے جو دو پتوں کو جوڑ کر اسے پیالے
کی شکل دے لیتا ہے اور اسی کے اندر انڈے دیتا ہے ۔ ورنہ
عموماً مینڈکوں اور مچھلیوں کے انڈے پانی پر تیرتے پھرتے ہیں ۔

بندروں میں افریقہ کا میمون ، چمپا نیزی اور جاوا کا اورنگ اوٹان درختوں پر گھونسلا بناکر رہتے ہیں ۔ بعض اوقات زمین پر بھی راتیں بسر کرلیتے ہیں ۔ قوی ہیکل ، بد مزاج ، تند خو اور خوفناک گوریلا اپنی طاقت کے زعم میں گھر یا گھونسلا نہیں بناتا بلکہ گھنے جنگل ہی کو اپنا گھر اپنی ملکیت سب ہی کچھ سمجھتا ہے ۔ لیکن اسکی مادہ چونکہ کم جسامت اور قدرے کم طاقت رکھتی ہے اسلئے درختوں پر رہتی ہے بعض گوریلے گھاس کا بستر تیار کرکے زمین پر بچھا دیتے ہیں اور اسی پر رات بسر کرتے ہیں۔

ریچھ بھی کوئی گھر نہیں بناتا بلکہ پہاڑو ں کی کھوہ اور درازوں کو اس مقصد کیلئے استعمال کرتا ہے ۔ شیر کو تو آپ جانتے ہی ہیں وہ تو جنگل کا شہنشاہ ہوتا ہے وہ گھر بنانے کی زحمت کیسے گوارہ کریگا ۔ وہ کسی پہاڑ کی کھوہ کو اپنا گھر سمجھتا ہے جسے آپ ” کچھار ،، یا ” گوی ،، کہتے ہیں ۔ چیتا ، بور بجہ اور اسی طرح کے دوسرے درندے بھی اسی کی تقلید کرتے ہیں ۔

مضمون کی طوالت کے خوف کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں نے جانوروں کے فن تعمیر کا ایک اجمالی خا کہ پیش کیا ہے ورنہ بہتیرے جانوروں کے حالات ایسے ہیں جنکا ذکر اس مضمون میں آسکتا ہے جیسے بیور (Beaver) ہی کو لیجئے ۔ میں سمجھتی ہوں کہ پرندوں کو چھوڑ کر جانوروں میں کوئی ایسا نہیں جو گھر بنانے کے معاملے میں اسکی ہمعصری کا دعوی کرسکے ۔ جانور تو جانور انسان بھی اسکی ہوشیاری ، کاریگری اور تعمیری صلاحیت کا تصور نہیں کرسکتا ۔ یہ اپنا گھر (حویلی یا قلعہ جو بھی کہیں جائز ہے) دریاوں میں ایسی جگہ بناتا ہے جہاں پانی کا بہاو کمزور اور کم ہو اور پانی کافی گہرائی تک آکر ٹھیرا رہتا ہو ۔ کسی ایسی جگہ کا انتخاب ہوجانے کے بعد وہ گھر بنانے کیلئے بڑے بڑے درختوں کو اپنے تیز دانتوں سے کاٹ کر زمین بوس کردیتا ہے اسکے بعد اسکی ٹہنیاں کاٹ کاٹ کر پانی میں گاڑ دیتا ہے ۔ لکڑیوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے پتھر اور کیچڑ
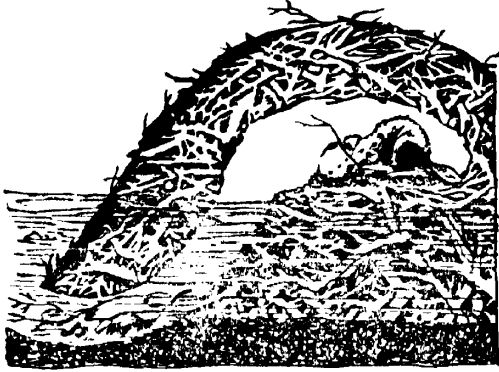
وغیرہ بھی استعمال کرتا ہے ۔ اور اسطرح کئی فٹ چوڑا اور کئی فٹ لانبا پل سا وجود میں آتا ہے ۔ اور اس پل پر لکڑیوں وغیرہ سے گھر بناتا ہے جسکا راستہ پانی کے اندر سے ہوتا ہے ۔ اسکے گھر کا یہ راستہ اتنا دشوار ہوتا ہے کہ دوسرے جانور کی اس تک رسائی نہیں ہوسکتی ۔ بیور کا گھر حقیقت میں حیوانی دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے کے قابل ہوتا ہے ۔

* * * * *

ریاستی فلم اوار
تقریب

دو شادیاں

کشن بابو اور بشن بابو دونوں حقیقی بھائی تھے - الگ الگ رہتے تھے۔ ان دونوں کی الگ الگ ایک ایک ذاتی بلڈنگ تھی - حسن اتفاق کہ دونوں بلڈنگس میں سے ہر ایک کا دس دس ہزار روپئے ماہانہ کرایہ آتا تھا اور کمال یہ کہ یہ دونوں اپنی اپنی بلڈنگ میں رہتے بھی تھے -

یہ بھی حسن اتفاق کہ دونوں کو ایک ایک نو عمر خوبصورت اکلوتی بیٹی ریکھا اور سریکھا تھی یہ دونوں لڑکیاں اعلی تعلیم یافتہ ، کئی زبانوں کی ماہر ، سگھڑ ، تیوناری اور گھر گر ھستی کے کاموں میں پروین تھیں -

ریکھا کی شادی بمبئی کے مشہور سیٹھ شری رام جیون جی کے بیٹے شیو کمار اور سریکھا کی شادی کلکتہ کے مشہور سیٹھ شری رام گوپال جی کے بیٹے سنجیو راج سے ہوئی -

ریکھا کے پتا کشن بابو نے اپنے سمدھی سیٹھ رام جیون جی کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی میں ایک لاکھ روپئے خرچ کروں گا اس کے علاوہ میرے بعد میری بلڈنگ کی بھی میری بیٹی ہی مالک ہوگی اور سارے بنک بیلنس کی بھی جو ڈیڑھ کرڑوڑ روپئے ہے اور جس کا سالانہ سود سات لاکھ پچاس ہزار روپئے ملتا ہے -

سیٹھ رام جیون جی جہاں دیدہ اور عاقبت اندیش تھے اپنے سمدھی کی بات مان گئے - اچھے ڈھنگ اور شاندار پیمانے پر شادی ہوئی - برات میں پانچ سو آدمی آئے - یہ برات تین دن تک لڑکی کے گھر ٹہری - ہاتھ روک کر ضروری رسمیں ادا کی گئیں اور یہ امر و اصول پیش نظر رکھا گیا کہ ڈھونگ دھتوروں اور فضول خرچیوں سے بچ کر لڑکی کو ہر شکل میں زیادہ سے زیادہ دیا جائے -

براتیوں کی خوب ہی خاطر تواضع کی گئی - کافی دھیز و جہیز دیا گیا - مانیہ سجنوں کو ٹیکے کرکے کافی نذرانے دئے گئے - برھمنوں کو دان دچھنا دی گئی - ہزاروں غریبوں کو کھانا کھلایا گیا - وغیرہ وغیرہ اور یہ سب کچھ تین دن کے اندر ہی کرکے لڑکی سسرال کو بدا کردی گئی -

بشن بابو کی بیٹی سریکھا کی شادی کلکتہ کے مشہور سیٹھ شری رام گوپال جی کے بیٹے سنجیو راج سے ہوئی - اس شادی کی بھی کیفیت سنئے :-

سیٹھ شری رام گوپال جی نے بشن بابو سے پوچھا کہ آپ شادی کس پیمانے پر کریں گے بشن بابو نے جواب دیا کہ میں شادی اسی طرح کی اور اسی پیمانے پر کروں گا جیسی کہ میرے بھائی کشن بابو نے اپنی بیٹی ریکھا کی کی ہے - یہ سنتے ہی سیٹھ شری رام گوپال جی غصے سے لال پیلے ہوگئے اور بولے وہ کوئی شادی تھی انہوں نے اپنی پوری شرطیں پیش کیں اور مطالبے بشن بابو کے سامنے رکھے اور اتنی رسمیں اور ریتیں انجام دینے کو کہا جن کی ادائی کے اخراجات شاید سمیر کے خزانے کے لٹادینے پر بھی پورے نہ ہوتے - بشن بابو نے سمدھی کو لاکھ سمجھایا کہ میں اپنی یہ بلڈنگ اپنی بیٹی کو دے دیتا ہوں اور اس کے علاوہ پورا بنک بیلنس (جو ڈیڑھ کروڑ روپئے ہے اور جس کا سود سالانہ سات لاکھ پچاس ہزار روپئے ملتا ہے) اسی بچی کے نام کردیتا ہوں -

سیٹھ شری رام گوپال جی انتہائی حریص ، عیاش ، عاقبت نا اندیش ، فضول خرچ ، شہرت کے خواہاں اور کنجوس تھے اپنے سمدھی سے بولے کہ میں لڑکے کا باپ ہوں مجھے میرے باپ ہونے کی حیثیت و محنت کا صلہ بشکل نذرانہ پچاس لاکھ روپئے دیجئے اور اس کے بعد میری تمام شرطوں کو مان کر شادی کی بات چیت کیجئے ورنہ وں ٹو میں ادھر آپ ادھر -

لڑکی کے باپ کو عام طور پر لڑکے کے باپ کے سامنے جھکنا اور دبنا ہی پڑتا ہے - بشن بابو کے حلق تک یہ بات آئی کہ میں اس شادی کو منع کردوں مگر مجبور ہوگئے کیونکہ ادھر تو بشن بابو کے گھر کی ناقص العقل عورتیں بشن بابو ہی کو دبا رہی تھیں کہ بچی کو ایسا گھرانہ اورکہاں ملیگا - سیٹھ شری رام گوپال جی جو جو مانگیں انہیں وہ سب دو جتنی رقم اور جتنا جہیز مانگیں وہ سب دو - جن جن رسموں کے پورا کرنے کو کہیں وہ سب پوری کرو -

ادھر سیٹھ شری رام گوپال جی اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے حاضرین نے لاکھ سمجھایا کہ لڑکی اعلی تعلیم و ڈگری یافتہ ہے اور لڑکا صرف ہاف مڈل پاس ہے بالفاظ دیگر صرف مڈل ہاف پاس یعنی یہ کہ مڈل میں صرف تین ہی مضمونوں میں فیل ہے ۔ سیٹھ شری رام گوپال جی آخر لڑکے کے باپ تھے کڑک کر بولے میں کچھ سننا نہیں چاھتا جو ہے سو ہے ۔

بشن بابو نے سوچا کہ اب میری زندگی تو چند روزہ ہے ۔ اس بھی لڑکی مالک ہے بس بھی لڑکی مالک ہے ۔ اب میں کیوں نہ سیٹھ شری رام گوپال جی کی ضد پوری کردوں ۔ بشن بابو نے تنگ ہو کر ہر بات پر ھامی بھرلی ۔ بنک کی پوری رقم نکال کر گھر لے آئے ۔ بلڈنگ کے بھی ٹکے لڑا دئے اور پوری جمع جتھا بھی اپنی شریمتی جی کے حوالے کردی کہ لو خوب اچھی طرح سے شادی کرو اور دل کے پورے ارمان اچھی طرح نکالو ۔

سیٹھ شری رام گوپال جی کی طرف سے جہیز کی فہرست عطا ہوئی جس میں دنیا بھر کی ضروری و غیر ضروری ، نمائشی، آرائشی ، کار آمد و غیر کار آمد چیزیں درج تھیں ۔ اگر ہم یہاں اس فہرست کی نقل کریں تو شاید پانچ دستے بھی کاغذ کافی نہ ہو ۔

اس فہرست کے علاوہ اور کئی فہرستیں بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ بشن بابو کو وصول ہوئیں ۔ ایک فہرست میں سونے و ہیرے و جواہرات کے زیورات ، چاندی سونے کے برتن ، ریشمی ، مخملی ، بنارسی ولائتی وغیرہ کپڑے ، گدے ، بچھونے، شال ، دو شالے ، فرنیچر ، الماری ، پلنگ ، ٹی سٹ ، کافی سٹ ، لیمن سٹ ، اگالدان ، پاندان ، کٹور دان ، عطر دان ، قلمدان ، برف دان ، آتش دان ، شمع دان ، زیور دان ، اگر بتی دان ، آئینہ دان ، موم بتی دان ، شرنگار دان ، اچار دان ، اور کشتی وغیرہ (یہ سب میڈ آف سلور) اور مختلف قسم کے لا تعداد کھلونے درج تھے ۔

ایک فہرست میں شری رام نومی کے موقع پر بچے کے پوجا کرنے کو بھگوان شری رامچندر جی و شری سیتا ماتا کی سونے کی مورتیاں ۔ ناگ پنچمی کے موقع پر بچے کے پوجا کرنے کو ناگ ناگن کی سونے کی مورتیاں شری ۔ کرشن جنم اشٹمی کے موقع پر بچے کے پوجا کرنے کو بھگوان شری کرشن جی و شری رادھا ماتا کی سونے کی مورتیاں ۔ بچے کو دسہرے کے جلوس کے ساتھ جانے اور اپنے ھاتھ میں ایک لمبا چاندی کا بانس رکھنے کے لئے ایک بہت ھی لمبا چاندی کا بانس جس کا اوپری حصہ کم سے کم دو نیٹ سونے کا ہو ۔ دیپاولی میں جلانے کے لئے بیس ہزار چاندی کے دیپ یہ بچے کا خاص شوق ہے ۔ تلسنکرات پر پتنگ اڑانے کو بچے کو سونے کا چرخ ۔ ہولی میں رنگ کھیلنے کو بچے کو سونے کی پچکاری ۔ انولہ نومی کے موقع پر بچے کو پوجا کرنے کو اکیاون عدد سونے کے انولے ۔ بچہ شری ہنومان جی کا پکا بھگت ہے اس لئے شری ہنومان جی کی سونے کی مورتی ، تاکہ بچہ گھر بیٹھے روزانہ شری ہنومان جی کی پوجا کرسکے ۔ گیتا اور رامائن پڑھنے کو سونے کے رحل اور پوجا کے لئے ھلدی کو رکھنے کو کو سونے کی چھ کٹوریاں وغیرہ درج تھیں ۔

بشن بابو نے بادل ناخواستہ ھی سہی ، مگر تمام اشیائے مطلوبہ حسب فرمائش فراہم و تیار و مہیا کرلیں ۔

معاھدے کی بعض شرطیں یہ تھیں کہ بشن بابو لڑکی کی سسرال کو چھ نوکر (تین عورتیں تین مرد) بھیجبن جو وھاں پانچ سال تک کام کریں گے اور ان کی ماھانہ تنخواہ و خوراک بشن بابو برداشت کریں گے ۔ پانچ سال تک لڑکی کے پورے سسرال والوں کا پورہ خرچہ (غلہ ، گھی ، تیل ، شکر ، چائے ، بھاجی ، سبزی ، کوئلے ، لکڑیاں ، پان سپاری کتھا الائچی لونگ ، زردہ ، صابن ، کپڑے ، نائی دھوبی بھنگی کی تنخواھیں پانی ، لائٹ ، ریڈیو کا بل ، ٹیکس مکان ، وغیرہ وغیرہ) بشن بابو برداشت کیا کریں گے ۔

ہر موسم میں اس کے موسمی پھل ۔ ہر تیوھار میں اس تیوھار میں کام آنے والی چیزوں کے علاوہ چالیس سیر کے من سے کم سے کم پانچ من مٹھائی وغیرہ بشن بابو بیھجا کریں گے ۔ اگر بشن بابو کی بیٹی کی زچگی ہوجائے تو کم سے کم بشن بابو کو ایک لاکھ روپہ کا سلوک کرنا پڑے گا ۔ اور ہر زچگی میں ایسا ھی کرنا پڑےگا اور اتفاق سے بشن بابو کی بیٹی کی ساس کی زچگی ہوجائے تو اس کے اور اس کے سلسلہ کے مراسم کے پورے اخراجات بشن بابو ھی کو برداشت کرنے پڑیں گے ۔ بیٹی کی سسرال میں اگر کوئی بیمار پڑجائے تو اس کے جملہ اخراجات، سلطانی آسمانی کوئی بلا نازل ہوجائے تو اس کے دافیہ کے ہر طرح کے جملہ اخراجات ، مقدمہ بازی کی صورت میں عدالتی اخراجات ، وکیلوں کی فیس ، اور رسوم عدالت وغیرہ جملہ بشن بابو کے ذمہ ۔ یہاں تک کہ بیٹی کی سسرال میں اگر کوئی ایشور کو پیارا یا پیاری ہوجائے تو اس کا تمامتر حرچہ بشن بابو ھی کے ذمہ ۔

برات کی سربراھی کیسے کی جائے اور کس طرح کی جائے یہ سب آپ آگے پڑھیں گے ھی ۔

ھاں ایک بات تو آپ نے پوچھی ھی نہیں کہ شادی میں لڑکے کے باپ کو اپنے گھر پر لڑکے کی سسرال میں کیا خرچ کرنا پڑا ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سیٹھ شری رام گوپال جی کے گھربھن یہ چال ہے ھی نہیں کہ بیٹے کی شادی میں گھر سے کچھ خرچ کیا جائے ۔ رقعہ چھپائی ، دعوت چھپائی ، روشنی ، تیل ، مائن ، منڈوا ، کھمب استھاپن ، باجہ ، آتش بازی ، سجاوٹ ، رتجگا ،

کتھا کرائی دعوت وغیرہ میں جو جو خرچ کیا جائے وہ سب سے پہلے ہی لڑکی کے باپ سے دھرا اور جھڑا لیا جاتا ہے۔

برات کی آمد و رفت کا خرچہ تو لڑکی کے باپ کے ذمہ ہوتا ہی ہے لڑکے کے باپ نے لڑکی ہی کے باپ کے خرچہ پر برات لانے کو کئی ریلوے گاڑیاں ریزرو کرائیں جن میں سبھی ڈبے فرسٹ کلاس کے تھے اور وہ اپنی شان جتانے اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ان کا خاندان بہت ہی بڑا ہے۔ ادھر ادھر سے فراہم کر کے تین ہزار براتی لائے۔ ان براتیوں میں اکثر و بیشتر کرائے کے لوگ تھے۔ کس کرائے پر لائے گئے تھے یہ مت پوچھئے۔

یہ بے شرم، حرام خور، نکھٹو، کاہل، کام چور، مفت خور ایسے تھے جو اس لالچ میں چلے آئے تھے کہ مفت میں ہوا خوری ہوجائے گی۔ رکشا یکہ تانگہ موٹر بس لاری اور ریل گاڑی وغیرہ کے کرائے سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ بہترین کھانا ملے گا خوب خاطر تواضع ہوگی (بھائی یہ تو شادی ہے میت اٹھانے اور میت پر رونے کے لئے کرایہ کے لوگ مل جاتے ہیں)

لڑکی کے باپ نے اسٹیشن سے اپنے گھر تک سیکڑوں شاندار کمانیں بنوادی تھیں۔ اسٹیشن پر سیکڑوں شاندار موٹر گاڑیاں براتیوں کے لانے کے لئے کھڑی کردیں اور کئی سو مزدور و قلی مقرر کردئے تاکہ وہ براتیوں کا سامان اٹھا سکیں۔

دولہے صاحب کی سواری کے لئے انتہائی قیمتی گھوڑا، بیحد خوب صورت اور سونے کے زیورات سے لدا ہوا تیار رکھا گیا تھا۔ باجوں میں یو۔ پی کی شہنائی، ناگپور کی نفیری، شاہ جہاں پور کی شتری، برما کی نکٹوئی، پنجاب کا جل ترنگ، روہیلکھنڈ کی ڈھولک مجیرے، مانپرس کا ڈنکا، بنگال کا ڈنکورہ، پیلی بھیت کا بلوہ، بریلی کا بھوسی، دکن کا دھپڑا، جینوا کا راڈر، امریکہ کا یورک، انگریزی بینڈ باجے، قصہ مختصر یہ کہ دنیا بھر کے ہر قسم کے باجے اسٹیشن پر موجود، معزز براتیوں کی اگوانی (پیشوائی، ویل کم سواگت) کے لئے ہزاروں حضرات منتظر۔

براتیوں کی گاڑیاں اسٹیشن پر آئیں۔ سب باجوں نے سلامی دینی شروع کی براتیوں کے اوپر پھول برسائے گئے روپیے نچھاور (نثار) کر کے پھینکے گئے لڈو لٹائے گئے مبارک مبارک کے فلک بوس نعرے لگائے گئے بجتے ہوئے باجوں کے ساتھ کمانوں میں سے گذرتی ہوئی برات لڑکی کے دروازے پر آئی۔ یہاں کی روشنی اور آتش بازی قابل دید تھی۔ پہلے سمدھی بھینٹ (سجن ملاپ) ہوئی لڑکے کے پتا کو قیمتی دوشالے کے علاوہ نقد ایک لاکھ روپیہ ملے۔ لڑکی کے باپ نے دولہے کو گھوڑے سے اتارنے سے پہلے اس عمل کی پاداش میں بطور تاوان بعنوان نیگ لڑکے کے باپ کو پچاس ہزار روپیے دئے۔ دوارچار ہونے کے بعد برات کو جنما سے بس لے جایا گیا۔

جنما سے کی اتنی شاندار طریقہ سے سجاوٹ اور روشنی کی گئی تھی جو سنہ ۱۹۱۱ ع کے دھلی دربار کی سجاوٹ اور روشنی کو مات کررھی تھی۔ متذکرہ صدر باجے اتنے زور و شور سے بجائے جارہے تھے کہ ان کی دھنیں اور آوازیں ھز مجسٹی ملک معظم شہنشاہ جارج پنجم کی میت دسمبر ۱۹۳۰ ع کے موقع پر بجائے جانے والے باجوں کی دھنوں اور آوازوں کو شرمارھی تھیں فرق صرف اتنا تھا کہ یہ شادی کے باجے تھے اور وہ میت کے۔

لڑکی کے پتا نے ایک سو نائی براتیوں کی حجامت بنانے، ان کو نہلانے ان کی پیٹھیں ملنے کئی سو کہار براتیوں کو تیل کی مالش کرنے ان کی دھوتیاں دھونے کئی سو مالش کار براتیوں کے پیر دبانے، کئی سو دھوبی براتیوں کے کپڑے دھونے۔ کئی سو نوکر براتیوں کو پانی وغیرہ پلانے، کئی سو پالش کاربراتیوں کے جوتوں پر پالش کرنے کو فراہم کر رکھے تھے۔

براتیوں کے دل و دماغ معطر کرنے اور رکھنے کے لئے بہت سے مالی مقرر کر رکھے تھے جو روزانہ مختلف باغیچوں سے پھولوں کے گلدستے بنا کر براتیوں کی خدمت عالی مرتبت میں پیش کریں۔

بہترین صابن، خوشبودار تیل کی سیکڑوں بوتلیں اور مختلف قسم کے قیمتی تیل وغیرہ براتیوں کی مالش کرنے کو مہیا کر رکھے تھے۔ برات کے نوجوان، ناتجربہ کار، اندون عیاش، شوقین طبیعت افراد اور آوارہ و بدچلن حضرات کی دل بہلائی و کارآجرائی کے لئے بہت سے خوبرو لڑکے، متعدد حسین نوجوان پیشہ ور عورتیں فراہم کر رکھی ہوئیں تھیں۔

جنما سے میں گانے بجانے کے لئے یعنی مجرا کرنے کے لئے کئی سو طوائفیں، نقلیں کرنے کو کئی سو بھانڈ (نقال) نخرے دکھانے کو کئی سو ہجڑے، مختلف قسم کے کلچرل پروگراموں کے لئے بہت سی پارٹیاں، نوٹنکی کے کھیل والے، رام لیلا کرنے والے، راس لیلا کرنے والے، ناچنے کے لئے نٹنیاں، قلا بازیوں کے کرتب دکھانے کو نٹ اور مختلف قسم کے کلا کار وغیرہ براتیوں کے دل بہلانے اور ٹائم پاس کے لئے فراہم و جمع و مہیا کر رکھے تھے۔

براتیوں کے جنما سے میں پہنچتے ہی انتہائی پر تکلف پیٹ بھر کر ناشتہ کرایا گیا اور اس ناشتے میں لڑکی والوں کے مہمان کے علاوہ متعدد بن بلائے بے شرم شریک ہوگئے۔ ناشتے کے بعد براتیوں کو زعفران، مغزیات و شکر پڑا ہوا ایک ایک بڑا گلاس دودھ سے بھرا ہوا دیا گیا بنگلہ پان کے بیڑے جن میں انتہائی خوشبودار مسالے تھے۔ لونگ الائچی، زردہ، قوام، ھنسرہ اور بہترین قسم کے سگریٹ پیش کئے گئے۔

حقہ پینے والوں کو حقے پیش کئے گئے اور سگار و چرٹ پینے والوں کو سگار و چرٹ اور اشیائے مشنسی کے عادی حضرات کو ان کی دل پسند نشیلی چیزیں دی گئیں ۔

رات کے تین بج گئے دولھے کو بواہ منڈپ میں لے جایا گیا ۔ دلہن بٹھائی گئی شادی کی رسمیں پوری ہوئیں بھانوریں پڑیں اب چونکہ لڑکی دلہن بن چکی اس لئے دولھے کے بائیں ہاتھ کی طرف بٹھادی گئی ۔ کنیادان میں کافی نقدی کے علاوہ بے شمار بے بہا مختلف قسم کی چیزیں دلیں اب دوسری رسمیں انجام دینی شروع کی گئیں ہر ہر رسم پر ہزاروں روپیے نیگ و نذرانہ کے عنوان سے لڑکے کے پتا نے رولنے شروع کردئے ۔ لا تعداد رسموں میں سے بعض کے نام آپ بھی سن لیجئے دولھا اترائی (یعنی دولھے کو گھوڑے سے اتارنا) پانو دھرائی (دولھے کا سب سے پہلی دفعہ دلہن کے مکان کے سامنے پیر دھرنا) ڈھولک بجائی ، تھاپ لگائی ، سہرہ ھٹائی ، چہرہ دکھائی ، شال اڑھائی ، بھانور پھرائی ، گھونگھٹ اٹھائی ، مٹھی کھلائی ، دودھ پلائی ، پان چبائی ، مالش کرائی ، جوتا چرائی ، خوشبو سنگھائی ، پیر دھلائی ، مہندی لگائی ، کھور چھڑائی ، پلو پکڑائی، چادر پھیلائی ، جلیبی بتائی ، لڈو اڑائی ، سوٹر کوائی، عبیرہ جھکائی ، مالا پرائی ، ابنگر لگائی، مانگ بھرائی، میدان چلائی ، خط پڑھائی ، دوہے سنائی ، پانو دبائی ، عبارت لکھائی ، شربت پلائی ، میوہ کتائی ، پیسے بکھرائی ، تختی کرائی ، گرو بڑھائی ، سڑک پچائی ، بیدائی جتائی ، آئینہ دکھائی ، جوت ملائی ، جوت جلائی ، رونمائی ، سینک (سیخ) سڑائی ، ہاتھ چھوائی ، بوسے گنائی ، سنار بنائی ، چوک پرائی ، کور اٹھائی ، کالی گوائی ، زبان ملائی ، دانت گھسائی ، منڈپ بٹھائی ، اگیاری کرائی ، دیو پتر پجائی ، سوٹر چڑھائی ، کھیر چٹائی ، انگوٹھی پہنائی ، ابٹن کرائی ، پانی نہلائی ، سرمہ لگائی ، آرتی کرائی ، نظر اترائی ، دودھ بخشائی ، دوا کھلائی ، پردہ کرائی ، گھونگھٹ ڈلوائی ، آنکھ ملائی ، پلو سرکائی ، پھول پھنکائی ، چڑیل جولی ، شیطان پیڑہ ، ساڑھی پہنائی ، بواہ کرائی ، پلنگ بچھائی ، تکیہ رکھائی ، دولھا دلہن یکجائی ، خاص نہلائی وغیرہ وغیرہ ۔

صبح ہوئی جنا سے کے براتی ابھی پوری طرح سے حوائج ضروری یعنی روزانہ کی ضروریات سے فارغ بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ قیمتی ناشتہ ان کا انتظار کرنے لگا ۔ یہ بیچارے معزز براتی کسی نے منھ دھویا کسی نے نہیں سب ناشتہ ناشتے پر ٹوٹ پڑے ۔ آناً فاناً سینیں صاف ہوگئیں ۔

یہ ہو ہی رہا تھا کہ اتنے میں لڑکی کے پتا جنا سے میں آئے اور سمدھی اور دوسرے سب حضرات سے ہاتھ جوڑ کر اور جھک کر پرارتھنا کرنے لگے کہ کرپا کرکے کشٹ کیجئے جیونار (بھوجن) تیار ہے ۔ یاد رہے کہ جیونار کے معنی ہیں دعوت ، بھوجن یا کھلانا ۔ مگر ایک خاص اہتمام و انتظام کے ساتھ براتیوں کو کھلانے کی دعوت کا بھی نام جیونار ہے ۔ محترم سمدھی اور معزز براتیوں نے اپنی اعلی ظرفی و دریا دلی سے لڑکی کے پتا کی پرارتھنا کو منظور فرما کر قدم رنجہ فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائی ۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ جم غفیر ٹڈی دل کی طرح لڑکی کے گھر پر آن براجمان ہوا ۔ دعوت بچھتر طرح کے پکوان ہر قسم کی مٹھائیاں ، دھی ، ربڑی ملائی ، ہر وہ بھاجی جو اس موسم میں مل سکتی تھی ، ہر طرح کے موسمی پھل ، چاکلیٹ ، جکا ، گیارہ طرح کے اچار ، چالیس طرح کی چٹنیاں ، رائتہ ، پچیس قسم کے پاپڑ ، دنیا کے ہر حصے کے بھوجنوں کا نمونہ ، اٹھوریاں ، کجوریاں ، سوآر ۔

سمدھی کے لئے سونے کی تھالی ، دولھے کے لئے چاندی کی تھالی ، اور ہر ہر پتل ان تمام چیزوں سے سجی و بھری ہوئی تھی دونوں تھالیوں میں پانچ پانچ اشرفیاں اور ایک پتل پر ایک ایک اشرفی برائے دانت گھسائی رکھدی گئی تھی ۔ ایک ایک پتل کے سامنے ایک ایک براتی براجمان ہوگیا ۔ لڑکی کے باپ نے انتہائی مودبانہ طریقے سے ہاتھ جوڑ کر اور جھک کر جمنے (کھانے) کی پرارتھنا کی ۔ لڑکے کے باپ کو طیش آگیا (جو قدرتی طور پر صحیح بھی تھا کیونکہ وہ لڑکے کے کرائے کے نہیں بلکہ حقیقی باپ تھے) ناخوش ہوکر لڑکی کے باپ سے بولے ۔ " ارے تم سمجھ میرا نیگ (نذرانہ) کہاں ہے ۔ لڑکی کا باپ کچھ سٹ پٹایا سا مگر بیچارے نے فوراً ہی ہیرے کی ایک ایک انگوٹھی لڑکے ، کے باپ اور لڑکے کی خدمت فیض درجت میں پیش کردی ۔ اب لڑکے کے باپ نے قطار در قطار بیٹھے ہوئے ان جمع و فراہم شدہ براتیوں میں سے بہت سوں کو اپنا داماد ، بہت سوں کو اپنا بھانجہ ، بہت سوں کو اپنا بزرگ ، بہت سوں کو اپنا گرو ، بہت سوں کو اپنا نواسہ ، بہت سوں کو بھتیجہ ، بہت سوں کو بہنوئی ، بہت سوں کو سالہ ، بہت سوں کو جگری دوست ، وغیرہ بنا و بتا کر نہ صرف ٹیکے ہی لگوائے بلکہ انہیں منھ مانگے نیگ و نذرانے بھی دلوائے اس کے علاوہ بہت سے لوگوں کو نیگ میں چاندی کی تھالیوں ، چاندی کے گلاس ، چاندی کی دو دو کٹوریوں ، چاندی کی دو دو طشتریوں ، اور سونے کی دو دو چمچیوں کا ایک ایک سٹ دلوایا ۔ اس کے بعد لڑکے کے باپ کی آگیا و آدیش (اجازت) پر براتی کھانے کو کچھ آمادہ سے ہوئے مگر اصل فکر دولھا کھانے کو کچھ غیر آمادہ سا نظر آیا ۔ لڑکے کے باپ نے جو اس کے بازو ہی بیٹھے تھے اپنا کان لڑکے کے منھ کے سامنے رکھدیا اور پھر زور سے لڑکی کے باپ سے (جو سامنے ہی ہاتھ جوڑے اور جھکے ہوئے کھڑے تھے) لڑکے کی

، اشارہ کرکے بولے دو حرام زادے کو امپالہ گاڑی ۔ اس
خت کے گھر میں امپالہ گاڑیوں کی کیا کمی ہے اس نے
ہمارے خاندان کا نام ڈبو دیا ۔ لڑکی کے تاؤ کشن بابو نے
ں بھر کر فوراً ہی ایک لاکھ روپئے کا چک برائے خریدی
ہ گاڑی لڑکے کو دے دیا ۔

چلئے کھانا شروع ہوا ۔ لڑکے کے باپ نے انتہائی سجی
ی کھانے کی سونے کی تھالی پر بے حد حقارت اور تنفر کی
ڈالی اور بہت ہی امیرانہ ٹھاٹھ و انداز سے بولے کہ میری
ی کے مقابلے میں یہ بالکل ہی ہیچ ہے یہ کسی حالت
میری شان شایان بالفاظ دیگر شایان شان نہیں ۔

خیر رام رام کرکے کھانا ختم ہوا ۔ سونے کے ورقوں میں
، ہوئی گلوریاں تقسیم ہوئیں ۔ انتہائی قیمتی سگریٹ پیش
، گئے ۔ اس کے بعد یہ براتی جنا سے کو آئے ۔ جنا سے میں
، ہی لڑکے کے باپ نے ان کرایہ کے براتیوں اور ان فرضی
نے ہوئے رشتہ داروں سے وہ سب سامان اور روپئے حاصل
لئے جو انہیں لڑکی کے باپ سے بطور نیگ و نذرانہ دلائے
، تھے ۔

لڑکی کے باپ نے براتیوں کو عام دعوت ، خاص دعوت ،
دعوت ، کچی دعوت ، ملواں دعوت ، پاک دعوت ، میٹھی
ت ، کھاری دعوت ، پھلوں کی دعوت ، میووں کی دعوت ،
وبات کی دعوت ، منشیات کی دعوت ، سسرالی دعوت ،
نی دعوت ، ابلی دعوت ، تلی دعوت ، بگھاری دعوت ، اور
ونی دعوت وغیرہ دی ۔

دن میں چھ چھ وقت براتیوں کو قیمتی سے قیمتی ناشتہ
ایا گیا ۔ براتیوں کو ہوا خوری ، سیر کرائی ، سینما و مشہور
ات دکھائی ، جنگل پھرائی ، شہر گھمائی ، کے سلسلے میں
ں لاریوں اور موٹروں وغیرہ کے کرائے میں اور مختلف قسم
دل بہلائی کے سلسلے میں لاکھوں روپئے صرف کردئے گئے ۔

دلہن والوں کی طرف کے ایک دل جلے بڈھے نے نہ رہ کر
ھ ہی ڈالا کہ سیٹھ شری رام گوپال جی چڑھاوے میں لڑکی
، کیا کیا لائے ؟ یہ سنتے ہی سیٹھ شری رام گوپال جی
ر گئے شیر کی طرح گرج کر بولے کہ ہمارے پاس جال نہیں
کہ لڑکے کی شادی میں کسی طرح کا ادھر کا یا ادھر کا
ھ خرچہ لڑکے والے کریں ۔ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ لڑکی
، اتنے غریب ہیں تو ہم کبھی یہ رشتہ نہ جوڑتے ہمیں
اپنے بیٹے کی شادی کرنے کی خواہش ہی نہیں تھی ۔ لڑکی
باپ ہمارے قدموں پر گر گیا تو ہم نے رحم کھا کر یہ رشتہ
ل کر یا ۔

سچ ہے کہ اہل غرض تو لڑکی والے ہی ہوتے ہیں ۔
لڑکی والے خواہ ہر حیثیت سے بہتر کیوں نہ ہوں چونکہ وہ لڑکی
والے ہیں اس لئے غریب کمزور اتھلے اور نا برابر کہلاتے
ہیں اور نیچی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں ۔

اکیس دن تک برات روکی گئی ہر براتی کو پانچ پانچ
کپڑے دئے گئے ۔ سمدھوارا ، نکٹورا ، بکٹورا کئی کئی دفعہ
انتہائی اعلی پیمانے پر کئے گئے ۔ گونے ، رونے ، ٹھونے ، سمونے
کی رسمیں بے حد پر تکلف طریقے پر کی گئیں ۔

بائیسویں دن برات معہ دلہن بدا ہوئی ۔

لڑکی والوں کا پچاس ہزار روپئے روزانہ خرچہ ہوا ۔
اس خرچے میں سجاوٹ ، روشنی آتش بازی ، باجوں وغیرہ کی
رقمیں شریک نہیں ہیں ۔

لڑکی کے سکتے میں جھاڑو پھر گئی ۔ لڑکی کے پتا بذریعہ
ہارٹ فیل ملک عدم سدھارے ۔!

ایک عرصے سے سی ۔ آئی ۔ ڈی سیٹھ شری رام گوپال جی
کی ٹوہ میں تھی ۔ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی ۔ آخر
ایک دن ایسا آ ہی گیا کہ سیٹھ صاحب ذخیرہ اندوزی ، ملاوٹ ،
بلیک مارکٹ ، چور بازاری ، کم وزنی ، مصنوعی قلت پیدا کرنے ،
اسمگلنگ اور مختلف خلاف قانون سرگرمیوں کی علت میں پھنس
گئے ۔ متعدد دفعات کے تحت متعدد مقدمے قائم ہوئے ۔

چار سال میں مقدمہ بازی وغیرہ میں سارا سرمایہ ، پورا
بنک بیلنس اور جملہ جمع جتھا ٹھکانے لگ گئی ۔

میونسپل کارپوریشن کے مجوزہ ٹیکس اور گورنمنٹ کے
مقررہ مختلف قسم کے ٹیکسوں سے بچنے کی خاطر سیٹھ صاحب
نے جن جن رشتہ داروں کے ناموں پر الگ الگ رقمیں جمع
کرادی تھیں وہ سب ڈوب گئیں اور جن جن کو اپنی رقموں سے
بلڈنگیں وغیرہ دلادی تھیں وہ سب دبا بیٹھے ۔ جن جن قرض
لینے والوں کو من مانے سود پر رقمیں قرض دی گئی تھیں انہ
سب نے رقم یعنی قرض واپس دینے سے انکار کردیا ۔

سیٹھ صاحب ان کی تحریریں عدالت میں اس لئے پیش
نہیں کرسکتے تھے کہ ان میں من مانی شرح سود (یعنی یہ کہ
کسی میں تیس اور کسی میں چالیس فی صد) درج تھی ۔
اول تو دعوی کرنے کو سیٹھ صاحب کے پاس پیسے ہی نہ تھے
اور اگر پیسے ہوتے بھی تو بھی اس ڈر سے دعوی نہیں کرتے
کہ کہیں وہ خود ہی مواخذہ میں نہ پھنس جائیں اور اپنے
کے دینے پڑجائیں ۔

شریمان جی سٹہ بازی و مقدمے داری میں تباہ و برباد ھوگئے ۔ شکر ھے کہ یہ سزائے قید سے بچ گئے ۔ مگر ھماری ناقص رائے میں یہ اچھا نہیں ھوا ۔ انہیں سزائے قید ھوجاتی تو بہتر تھا کیونکہ آٹے دال کی فکر سے تو بچے ھی رھتے ۔

اب یہ حال کہ نہ رھنے کو مکان ھے نہ پہننے کو کپڑے ۔ دانے دانے کو محتاج ھوگئے دو دو دن چولھا نہیں جلتا ۔ محلے والے جو ان کی رعونت ، شیخی ، فضول خرچی اور ان کے متعدد قسم کے متعدد بیوھاروں سے ان سے انتہائی متنفر تھے مگر اب وہ ان کی یہ حالت دیکھ کر ان پر ترس کھانے لگے اور انہوں نے ان کی بہو سریکھا کو جو کہ پڑھی لکھی تھی کارخانے میں پچاس روپئے ماھانہ پر نوکر رکھا دیا ۔

بے چاری سریکھا کے شوھر اب تک مڈل کلاس کا امتحان پوری طرح پاس نہیں کرسکے ھیں ۔ لیکن ھیں وہ عالی ھمت اور بلند خیال ۔ ان کا ارادہ ھے کہ مڈل پاس تو ھوتے ھی رھیں گے کیوں نہ نائٹ کالج " ایم ۔ اے " کرلیں ۔

ان کے اس ارادے کی کامیابی کے لئے ھماری دعائیں اور نیک تمنائیں بھی شریک ھیں بہو کما کے لاتی ھے سیٹھ صاحب معہ اپنے خاندان کے ایک کرائے کے مکان میں پڑے نکھٹو بنے کھاتے اور یہ شعر گنگناتے رھتے ھیں ۔

گیا دور سرمایہ داری گیا
تماشہ دکھا کر مداری گیا

کسی نے کسی سے پوچھا کہ سیٹھ صاحب کو لڑکے کی سسرال سے ملی ھوئی دولت کہاں گئی اسے جواب ملا جیسی آئی ویسی گئی سچ ھے کہ مال حرام بود بجائے حرام رفت ۔

ریکھا کو اپنے باپ سے جو بلڈنگ ملی وہ تو ریکھا کے پاس محفوظ ھے ھی اور دس ھزار روپئے ماھانہ اس کا کرایہ اسے وصول ھورھا ھے ۔ اس کے علاوہ اپنے باپ کی بنک کی ڈیڑھ کروڑ رقم جو اسی کے نام پر جمع ھے وہ تو محفوظ ھے ھی اور اس کا سالانہ سود سات لاکھ بچاس ھزار روپئے مل رھا ھے ۔ یا یوں سمجھئے کہ ماھانہ سود باسٹھ ھزار پانچ سو روپئے مل رھا ھے ۔

ریکھا انتہائی شریف، ملنسار ، رحمدل ، ھمدرد ، متواضع، خیر خواہ اور نیک طینت و طبعیت لڑکی ھے ۔ خیر ھیں تو یہ سب صفتیں سریکھا میں بھی ۔ مگر غریبی ھر خوبی و ھر صفت پر پانی پھیر دیتی ھے اب اس بیچاری کے پاس ھے ھی کیا جن سے اس کی ان صفتوں کا اظہار ھو ۔

ریکھا ، مستقل و غیر مستقل وقتاً فوقتاً ھر تیوھار ، ھر موسم ، اور ھر موقع پر کسی نہ کسی عنوان سے اپنی بہن سریکھا کے ساتھ سلوک کرتی ھی رھتی ھے گو سریکھا کی غیرت بہ گوارہ نہیں کرتی کہ وہ ریکھا کی اس طرح زیر بار احسان ھو اور رھے ۔ مگر کیا کیا جائے غریبی بہت ھی بری بلا ھوتی ھے وہ ھر چیز ھر امر اور ھر عمل کو گوارہ کرا ھی دیتی ھے ۔

* * * *

(محنت سے قوم طاقتور بنتی ھے)

درگاوتی ...... شادی و مرگ

اجی ، پرنام !

خوش رهو درگاوتی ۔ بھگوان کسی بہادر آدمی کو تمھارا
یک حیات بنائے ۔

شیو کے بڑے مندر کے قریب ایک پرانے پیپل کے درخت
، سائے میں بیٹھے ہوئے ایک سادھو نے درگاوتی کو دعا دی ۔
، درگاوتی کا روزانہ کا معمول تھا کہ وہ اپنی دو تین سہیلیوں
یساتھ اس مندر میں آتی ، بھگوان شیو کے درشن کرنے کے بعد
ٹتے وقت وہ تھوڑی دیر کیلئے اس سادھو سے ضرور گفتگو کرتی
کثر وہ سادھو بڑی دلچسپ کہانیاں بھی سناتا ۔ وہ کافی
عیف العمر سادھو تھا ۔ اسکے پاس راجپوتوں کی بہادری اور
ضی قریب کے حکمرانوں کے کارناموں کی کہانیوں کا خزانہ
ھا جنہیں درگاوتی اور اسکی سہیلیاں سنتے کبھی نہ تھکتیں اکثر
، ان کہانیوں کے علاوہ بھی بہت سی دیگر باتیں پوچھا کرتیں ۔

درگاوتی راجپوتانہ میں سہوبا کے بادشاہ شالی واھن کی
ٹی تھی ۔ اسکا سلسلہ بہادر اور غیور جیدنل راجپوتوں سے
لتا تھا ۔ شالی واھن درگاوتی کو کسی بیٹے کیطرح چاھتا تھا ۔
سکی تعلیم و تربیت بھی اسی انداز میں دلائی گئی تھی ۔ اوائل
مری ھی میں درگاوتی کی ماں فوت ہوگئی تھی اسلئے اسکے
پ نے اپنی تمام خواھشوں اور نوازشوں کا اسی کو مرکز
ا کر بہتر سے بہتر تعلیم کا انتظام کیا تھا ۔ شروع سے ھی اسکو
ہسواری ، شکار ، اور فن حرب و ضرب میں ماھر کردیا گیا ۔
ر عمر بڑھنے کیساتھ ساتھ اس نے خونخوار جنگلی جانوروں
ے شکار اور بہادری کے بے مثال کارناموں کی سابقہ روایتوں کو
تم کردیا ۔ وہ خوبصورت لمبے قد ، مضبوط جسم اور نیکھے
ک نقشے کی دوشیزہ تھی ۔ اسکے اندر ایک جنگجو راجپوت
، تمام صفتیں موجود تھیں اور دھیرے دھیرے اسکی بہادری
ے ان کارناموں کی داستان اس ریاست سے نکل کر قریب کی
مسایہ حکومتوں تک پہنچ گئی ۔ غیور اور بہادر راجپوت
ں بہادر دوشیزہ کو شریک حیات بنانے کے لئے بے چین ہو اٹھے ۔

ایک دن درگاوتی حسب معمول شیو کے مندر گئی اور
ں نے زیر شجر بیٹھے ہوئے ضعیف العمر سادھو کو معمول کے
مطابق پرنام کیا لیکن جانے کیوں آج اسکا لہجہ کچھ متفکر
سا تھا ۔

" بھگوان تمھاری عمر دراز کرے اور جلد ھی کسی
بہادر شخص کو تمھارا شریک حیات بنائے "، سادھو نے ھاتھ
اٹھا کر روز کیطرح اسکو دعا دی ۔

درگاوتی کی سہیلی پدما مسکرائی اور آھستہ سے اسکا ھاتھ
دبا کر بولی " دل پسند بردان، ملنے پر مبارکباد قبول ھو "۔

" شاید سادھو بابا ھماری راجکماری کے دل کا راز جانتے
ھیں "، دوسری سہیلی شیاما نے سرگوشی سے کہا ۔

درگاوتی تیز قدموں سے مندر کیطرف بڑھ گئی ، بھگوان
کے درشن کے بعد وہ سہیلیوں کے ساتھ واپس ہوتے وقت تھوڑی
دیر کیلئے پھر اس پیڑ کے قریب رک گئی ۔ تھوڑی دیر تک
سکوت رھا پھر شیاما نے خاموشی توڑتے ہوئے سادھو سے
مخاطب ہو کر کہا " بابا کیا آج آپ منڈلا گڑھ کے بہادر راجہ
دلپت شاہ کے بارے میں کچھ دوسری باتیں بتائینگے "۔

پدما نے پر اسرار مسکراھٹ کیساتھ کہا " ھماری راجکماری
دلپت شاہ کے بارے میں آپکی بتائی ہوئی بہادری اور شجاعت
کی حکایتوں سے متاثر ھیں "۔

درگاوتی کے چہرے پر ھلکی سی سرخی آگئی لیکن اس
نے چھپاتے ہوئے کہا " بہادری کے قصے سننا سبھی کو پسند
ہوتے ھیں ۔

ایک لمحے تک سادھو خاموش رھا پھر بولا " راجپوت
ھمیشہ بہادری اور شجاعت پر ناز کرتا ھے لیکن دلپت شاہ
راجپوت نہیں ھے وہ گونڈ ذات سے تعلق رکھتا ھے "۔

درگاوتی نے نگاھیں اٹھا کر سادھو کو دیکھا اور بولی
" کوئی بھی شخص اپنے کارناموں سے بڑا ہوتا ھے ۔ ذاتی
افتخار سے نہیں ۔ دلپت شاہ گونڈ ذات میں پیدا ضرور ہوا ہوگا
لیکن اسکے کارنامے کسی بہادر راجپوت سے کم نہیں ھیں "۔

" تم ٹھیک کہتی ھو بیٹی "، سادھو ایک طویل سانس
لیکر بولا "، لیکن دنیا والے اس بات کو نہیں مانتے یہ تنگ نظر

لوگ ذاتی افتخار اور خاندانی وجاہت کیلئے خون خرابہ کرتے ھیں ، میری نگاہ میں ایسے لوگ کم عقل ہوتے ھیں ،، ۔

اسکے ساتھ ھی سادھو نے دلپت شاہ کی بہادری کے قصے سنانا شروع کردیا ۔ جس نے انسانیت اور عزت کیلئے مغلوں سے ایک طویل اور خطرناک جنگ لڑی تھی ۔ جس نے جنوبی ہندوستان کیطرف پیش قدمی کرنے والے مغل جرار لشکر کے سیلاب کو روک رکھا تھا ۔ کیونکہ منڈلا کا قلعہ جنوبی ہندوستان جانے کیلئے ایک دروازے کی حیثیت رکھتا تھا اسکو فتح کرنے کے بعد مغل پورے جنوبی ہندوستان پر چھاسکتے تھے ۔ دلپت شاہ کی بہادری ، شجاعت اور جرأت کے صرف مغل ھی مداح نہیں تھے بلکہ بہت سے راجپوت حکمرانوں نے بھی اسکی افضلیت تسلیم کرلی تھی ۔ ان سب باتوں کے علاوہ اسکی شرافت اور بلند کرداری کا ھر شخص معترف تھا ۔ اس نے ہمیشہ گائے اور برھمن عورتوں کی حفاظت کی ۔ اسی وجہ سے وہ اپنی حدود سلطنت میں بہت جلد مقبول ھوگیا اور لوگ اسکی تعریف میں رطب اللسان ھوگئے ۔ اسکا نام اور مقبولیت دور دراز تک پھیل گئیں خاص طور پر وسط ہندوستان کی تمام ریاستوں میں اسکا شہرہ گونج اٹھا تھا ۔

درگاوتی کی شادی کیلئے بہت سے پیغام آنے لگے لیکن شالی واھن نے ھر قاصد کو یہ کہکر واپس کردیا کہ وہ اس پیغام کے بارے میں سوچیگا ۔ وہ اس وجہ سے تعطل نہیں برت رہا تھا کہ درگاوتی کمسن تھی ۔ بلکہ وہ اپنی پیاری اور بہادر بیٹی جسکو اس نے بیٹے کیطرح لاڈ و پیار سے پالا تھا اتنی جلد جدا نہیں کرنا چاھتا تھا ۔ وہ کچھ دنوں کے لئے اس کام کو بھول جانا چاھتا تھا اسکو اپنی محبوب شریک حیات کے آخری الفاظ یاد تھے ۔ جب وہ بستر مرگ پر زندگی کی آخری سانس لے رھی تھی اسکی خوبصورت آنکھوں سے آنسو کے تار بندھ گئے تھا دل کی گہرائیوں کی ساری اداسی پر قابو پاتے ھوئے اس نے کہا تھا ”میری رانی اسطرح آنسو مت بہاؤ ۔ کیا تمہارے دل میں کوئی ایسی بات ھے ۔ جو تمکو اس طرح رونے پر مجبور کررھی ھے ۔ مجھ سے اس وقت کچھ مت چھپاؤ میں تماری ھر آخری خواھش کا احترام کروں گا ،،

نقاہت اور کمزوری کے باعث رانی نے بہت آھستہ سے کہا تھا ،، میں کچھ نہیں چاھتی لیکن میری ایک معمولی سی درخواست ھے ۔،،

”کون سی بات ھے ۔ رانی اسے جلد بتا دو تاکہ میں تمہاری زندگی ھی میں اسے پورا کردوں گا ۔ ،،

وہ خواھش اس وقت پوری نہیں کی جاسکتی ۔ میرے سوامی میری صرف اتنی درخواست ھے کہ میری بیٹی کی پرورش ایک لڑکے کیطرح کرنا اور اس وقت تک شادی کی کوشش مت کرنا جبتک وہ خود اس خواھش کا اظہار نہ کرے ۔

اس بات کو سنکر اسکے دل کو صدمہ ضرور ھوا تھا پھر بھی اس خواھش کی تکمیل کا اس نے وعدہ کرلیا اور اس لمحے رانی موت کی آغوش میں ایک دائمی نیند سو گئی ۔

اس وعدے کی تکمیل کے باعث اس نے درگا کی تعلیم و تربیت ایک راجپوت لڑکے ھی کیطرح کی ۔ لیکن جب اس نے لڑکپن کی عمر کو خیر باد کہکر عہد شباب میں قدم رکھا تو اس کی شادی کے بارے میں سوچنا ایک اھم مسئلہ ھوگیا ۔ اسی وجہ سے وہ اب تک شادی کے پیغامات کو ٹال رھا تھا ۔

شیوراتری کے دن شیو کے مقدس مندر کے قریب ایک میلہ لگا لوگوں کا ایک عظیم اژدھام جمع تھا اسی بھیڑ کی وجہ سے راجکماری درگاوتی بھگوان کے درشن کرنے کے لئے مندر بھی نہیں جا پارھی تھی ۔ شام کے وقت جب تاریکی پھیل گئی اسوقت وہ اپنی سہیلیوں کیساتھ مندر کیطرف روانہ ھوئی ۔ جس وقت وہ اسی پیپل کے پرانے پیڑ کے قریب سے گزرنے لگی تو اس نے دو آدمیوں کو کھڑے دیکھا ۔ درگاوتی کو دیکھتے ھی ان دونوں نے سرگوشی میں کچھ باتیں کی اور پھر اچانک ایک شخص آگے بڑھکر درگاوتی کے سامنے آگیا ۔ اس نے جھک کر بہت ادب سے اسے پرنام کیا اور بولا ،، اگر میں غلطی نہیں کررھا ھوں تو شائد آپ بادشاہ سہویا کی بہادر اور عظمت مآب بیٹی راجکماری درگاوتی ھیں ۔ ،،

اسکے پہلے کے درگاوتی سمجھ پاتی کہ وہ کون آدمی ھے ۔ پدما اچھل کر سامنے آگئی اور تلخ لہجے میں بولی ،، ھاں ۔ یہ راجکماری ھی ھیں ۔ تمہیں ان سے کیا کہنا ھے ۔ تم کون ھو؟ کسجگہ سے آئے ھو ۔ ؟ ،،

ایک ھی سانس میں اس نے سارے سوالات کرڈالے ۔ وہ شخص تھوڑی دیر کیلئے بالکل گھبرا گیا پھر ھمت کر کے بولا ” میں اپنے بادشاہ دلیپت شاہ کا خط لایا ھوں جو انہوں نے راجکماری درگاوتی تک پہونچانے کا حکم دیا ھے ،،

اسی وقت دوسری سہیلی شیامانے ایک قدم آگے بڑھکر پوچھا وہ خط کہاں ھے ۔،، قاصد نے خاموشی سے وہ خط شیاما کو دے دیا ۔ پدما کا غصہ ایکدم ختم ھوگیا اس نے قاصد سے کہا کہ وہ اسی جگہ رک کر مندر سے واپس آنے تک انتظار کرے ۔ اتنا کہنے کے بعد وہ تینوں بڑی بیتابی سے مندر کے اندر داخل ھوئیں ۔ پدما نے اس خط کو کھولا اور مندر کے دئیے کی دھندلی روشنی میں پڑھنے لگی ۔

” تقدس مآب راجکماری درگا دیوی کی خدمت میں بادشاہ منڈلا دلپت شاہ کا پرنام “

سب سے پہلے آپ سے بالواسطہ تخاطب کی گستاخی پر معافی کا خواستگار ہوں کیونکہ یہ ہماری تہذیب اور معاشرے کے قطعی خلاف ہے امید ہے آپ مجھے معاف فرمائینگی ۔ حالانکہ ابھی تک میں نے ذاتی طور پر آپکو نہیں دیکھا لیکن آپکی شرافت اور بہادری کی داستانوں سے میرے کان آشنا ہوچکے ہیں اور میں آپکی شجاعت کا ایک خاموش پرستار بن گیا ہوں ۔ میں نے خوابوں میں آپ ہی کیطرح بہادر اور عصمت مآب لڑکی کو اپنی رانی کے روپ میں دیکھا ہے ۔

کیا میں امید کروں کہ میرے خواب حقیقت بن جائینگے ؟

اس مقصد کے تحت میں آپکے والد شاہ مہوبا کے پاس قاصد بھیجنا چاہتا تھا لیکن اسکے پہلے میں آپکے خیالات جان لینا بہتر سمجھتا ہوں ۔ کیا آپ میری ہم خیال ہوکر مجھے ممنونیت کا موقع عطا کرینگی ۔

معافی کا خواستگار .... بہ صد احترام

مخلص

دلپت شاہ

شیاما نے پر مسرت لہجے میں کہا ” آج شیو راتری کے مقدس دن یہ خوش خبری ملی ہے ۔ میری دلی مبارکباد قبول کرو میری راجکماری “ ۔

” واقعی یہ تعجب خیز بات ہے “ پدما نے بھی خوشی سے بھر پور انداز میں کہا ” اس خوش خبری کو سنکر معلوم ہوتا ہے کہ راجکماری کی دعاؤں کو بھگوان شیو نے قبول کرلیا ہے “ ۔

راجکماری کھڑی ہوگئی اسکی آنکھوں میں شباب کی چمک ابھر آئی اور رخسار شرم و حیا سے سرخ ہوگئے ۔

اس نے اپنی سہیلیوں سے مندر کے باہر چلنے کو کہا لیکن ان لوگوں نے اسوقت تک باہر جانے سے انکار کردیا جبتک درگاوتی نے سوا پانچ سیر پرساد “ شیو کے نام پر چڑھانے کا وعدہ نہیں کرلیا ۔ وہ لوگ مندر کے باہر آگئیں ۔ پیڑ کے نیچے وہ دونوں آدمی بے تابی سے راجکماری درگاوتی کی آمد کے منتظر تھے ۔ جب وہ ان لوگوں کے قریب پہونچی تو اس نے شیاما کے کان میں کچھ سرگوشی کی ۔ شیاما نے ان قاصدوں سے مخاطب ہوکر کہا ” ہماری راجکماری آپکے بہادر شاہ منڈلا گڑھ کے پیغام پر خوشی کا اظہار کرتی ہیں اور انکا کہنا ہے کہ وہ اپنے والد کے پاس پیغام بھیجنے پر معترض نہیں ہیں “

اتنا کہکر وہ لوگ اس جگہ سے آگے بڑھ گئیں اور قاصد بھی تاریکی میں غائب ہوگئے ۔

ایک ہفتہ ہی گزرا تھا کہ شاہ مہوبا کے دربار میں منڈلہ کے قاصد پہونچ گئے ۔ وہ راجکماری درگاوتی کیساتھ دلپت شاہ کی شادی کا پیغام لائے تھے ۔ ایک لمحے کیلئے شالی واھن بالکل خالی الذہن ہوگیا اسکی سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا وہ کیا جوابدے ۔ ایک راجپوت لڑکی کا ہاتھ کسی گونڈ کے ہاتھ میں نہیں دیا جاسکتا تھا لیکن اس پیغام سے انکار کرکے وہ شاہ منڈلہ کو ناراض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا ۔ اس بات کو ہر راجپوت جانتا تھا کہ صرف دلپت شاہ ہی کی ذات ایسی ہے جس نے مغل لشکر کو آگے بڑھنے سے روک رکھا ہے ۔ خود راجہ شالی واھن اس بات کو جانتا تھا کہ اس بات سے انکار کرنے کا مطلب ہوگا دلپت شاہ سے ایک زبردست جنگ مول لینا ۔ جب وہ تنہا اس مسئلے کو نہ سلجھا سکا تو اس نے تمام درباریوں کو بلا کر ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا ۔ تمام درباریوں نے ایک زبان ہوکر یہی کہا ” یہ قطعی ناممکن ہے راجکماری درگاوتی کا ہاتھ دلپت شاہ کو نہیں دیا جاسکتا ۔ ایک راجپوت اور گونڈ کے درمیان شادی کا رشتہ کبھی نہیں ہوسکتا “ ۔

وزیر اعظم نے کہا ” لیکن اس انکار سے بات یہیں ختم نہ ہوجائیگی دلپت شاہ خاموشی سے انکار کو برداشت نہ کریگا “ ۔

تمام راجپوتوں نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا ” ہم اپنی جانیں قربان کردینگے لیکن اس بے عزتی کو براشت نہ کرینگے کہ کوئی ہماری رگوں میں بہتے ہوئے مقدس خون میں دھبہ لگادے “ ۔

قاصدوں کو جواب سے مطلع کردیا گیا وہ ناکامیابی کیساتھ منڈلہ گڑھ واپس ہوگئے ۔ مہوبہ میں دلپت شاہ سے مقابلہ کرنے کی تیاری ہونے لگی ۔ پوری ریاست میں بے چینی اور دہشت کی لہر دوڑ گئی ۔

شالی واھن اپنی بیٹی درگاوتی کی فکر میں پریشان تھا ۔ اسکے کانوں میں اپنی رانی کے آخری الفاظ گونج رہے تھے ۔ ” درگاوتی کی پرورش اور تربیت ایک بیٹے کیطرح کرنا اور اسوقت تک اسکی شادی مت کرنا جبتک وہ خود اس خواہش کا اظہار نہ کرے “ ۔

وہ گہری سوچ میں مستغرق ہوگیا کچھ دیر بعد اس نے درگاوتی کو اپنے کمرے میں بلاکر کہا ” بیٹی تمہیں معلوم ہے کہ منڈلہ گڑھ کے راجہ دلپت شاہ نے تمہارے ساتھ شادی کا پیغام بھیجا تھا “ ۔

” آپنے کیا جوابدیا “ درگاوتی نے نگاہیں جھکاکر پوچھا ۔

''میں نے اس تجویز کو رد کردیا،، راجہ نے جوابدیا ۔

کچھ لمحے تک درگاوتی خاموش رہی پھر آہستہ سے بولی''کیوں ؟،، ۔

''کیونکہ وہ گونڈ ہے ۔ ایک راجپوت لڑکی کی شادی گونڈ کیساتھ نہیں کی جاسکتی ۔ میں نے تمام درباریوں سے مشورہ کیا تھا اور ان سب نے یہی فیصلہ کیا ہے،، ۔

درگاوتی خاموشی سے نگاھیں نیچی کئے کھڑی رھی تھوڑی دیر مکمل سکوت چھایا رہا پھر شالی واھن خاموشی توڑتے ہوئے پوچھا ''بیٹی تمہارا کیا خیال ہے،، ۔

''میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات ہے،، درگاوتی نے آہستہ مگر سپاٹ لہجے میں جوابدیا ۔ ''کوئی بھی شخص اپنے اعمال سے پہچانا جاتا ہے خاندانی افتخار اور ذاتی وجاھت سے نہیں ۔ دلپت شاہ گونڈ ہوتے ہوئے بھی ایک سچا بہادر ہے اور اس بات کا امتحان جلد ھی ہوجائیگا اگر اس نے اپنی پسندیدہ چیز حاصل کرنے کیلئے مہوبہ پر حملہ کیا تو یقیناً وہ ایک سچا اور بہادر راجپوت ہوگا،، ۔

شالی واھن کو زبردست ذھنی جھٹکا لگا پھر بھی اس نے جذبات پر قابو پالیا ۔ تھوڑی دیر کیلئے وہ جیسے گونگا ہوگیا اسکے ہونٹوں سے ایک لفظ نہ نکل سکا ۔ وہ تھک کر بستر پر گر گیا ۔

کاتب تقدیر جو چاھتا ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا ۔ دلپت شاہ نے ایک عظیم الشان لشکر کیساتھ مہوبہ پر حملہ کردیا اور ایک خونریز جنگ کے بعد درگاوتی کو حاصل کرلیا ۔

شالی واھن جنگ میں بری طرح زخمی ہوکر اس جگہ آکر لیٹ گیا جہاں پیپل کے سائے میں سادھو عبادت میں مصروف تھا تاریکی کیوجہ سے کوئی شئے نظر نہیں آرھی تھی ۔ اچانک ایک انسانی پر درد آواز سن کر وہ چونکا ۔ آواز کہیں قریب ھی سے آرہی تھی ۔ اس نے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھائی اور اندھیرے میں اس آدمی کو تلاش کرنے لگا ۔ اچانک اسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ۔ راجہ شالی واھن خون سے تر تھوڑی ھی دور پر پڑا آخری سانس لے رہا تھا ۔ سادھو نے اسکے حلق میں پانی کی چند بوندیں ٹپکائیں ۔ شالی واھن نے آنکھیں کھولدیں ۔ شمع کی الوداعی لو کیطرح اسکی آنکھیں چمکیں وہ اپنے آپ ھی بڑبڑانے لگا ۔ ''میں درگاوتی کو چھوڑ کر جارہا ہوں ... اسکی ماں کے آخری الفاظ ... ایک بیٹے کیطرح پرورش کرنا .... اسکی مرضی کے بغیر شادی مت کرنا .... کیوں ... کس لئے ... میں نہیں سمجھ سکا .... ،، ۔

''اس لئے کہ اسکی ازدواجی زندگی بہت کم ہے،، سادھو نے جملہ پورا کردیا ۔ راجہ کے حلق سے تکلیف دہ چیخ نکلی اس نے پانی مانگا ۔

سادھو نے فوراً اسکے حلق میں پانی کی کئی بوندیں ٹپکائیں اور آہستہ سے کہا ''ان داتا ۔ اس بات کا اب غم مت کیجئے ۔ درگاوتی کی ماں رانی مرحومہ سے میں نے ھی اسکی زندگی کیلئے پیشین گوئی کی تھی ۔ آپ نے اور رانی جی نے حتی الامکان بہتری کی کوشش کی ۔ لیکن تقدیر کا لکھا کوئی نہیں جانتا ۔ بھگوان کے کام ھی نرالے ہوتے ہیں وہ اپنی مرضی کا مالک ہے ۔ اب درگا کو اسکی قسمت اور بھگوان پر چھوڑ دو جو سب کی رکھشا کرنے والا ہے،، ۔

شالی واھن نے ایک طویل ھچکی لی اور ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگیا ۔

دلپت شاہ درگاوتی کو گڑھ منڈلہ لے گیا ۔ اسی جگہ دونوں کی شادی ہوئی ۔ جاتے وقت دلپت شاہ نے مہوبہ کی عوام سے بے خوف و خطر خاموشی سے رہنے کی تلقین کی اس نے کسی ایک شخص کو بھی بلا وجہ تکلیف نہیں پہونچائی بلکہ حتی الامکان انکے ساتھ نوازش اور رحم و کرم سے پیش آتا رہا ۔ درگاوتی نے ایک بہت بڑی قیمت چکانے کے بعد من پسند شوہر پایا تھا ۔ دونوں ایک دوسرے کی خوشی ، مسرت اور جذبات کے ساتھی بن گئے ۔ درگاوتی عوام کی فلاح و بہبودی کے کاموں میں دلپت شاہ کا ھاتھ بٹاتی ۔

لیکن سادھو کی پیشین گوئی غلط ثابت نہیں ہوئی ۔

سات سال کے بعد راجہ دلپت شاہ درگاوتی کے گود میں پانچ سال کا بچہ چھوڑ کر اس دنیا سے چل بسا ۔

لیکن درگاوتی نے اپنے ذاتی غم کو فرض کے راستے کا روڑہ کبھی نہیں بننے دیا ۔ اس نے اپنے بچے ویر نرائن کی تعلیم و تربیت ایک بہادر جنگجو بنانے میں صرف کردی ۔

اس نے دوبارہ مغل فوجوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا لیکن تیسری بار ایک جاگیر دار کی غداری اور فریب کیوجہ سے اسکو شکست ہوگئی ۔

وہ آخیر وقت تک جنگ کرتی رہی اور ملک و قوم کیلئے اس نے اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ تک بہادیا ، اور آخیر میں جنگ کے میدان ھی میں اس نے موت کو لبیک کہا ۔

* * * * *

قمر جمالی ، بی ۔ اے (عثمانیہ)

تبصرہ

کتاب — مرزا دبیر نمبر (مجموعہ مقالات)
مرتب — عبدالقوی دسنوی
اشاعت — پہلی بار آگسٹ ۱۹۷۷ ع
صفحات — ۲۰۰
ناشر — ماہنامہ ، کتاب نما ، جامعہ نگر نئی دھلی - ۲۵
ملنے کا پتہ — مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ پرنس بلڈنگ بمبئی ، اردوبازار دھلی اور یونیورسٹی مارکٹ علی گڈھ

مرزا دبیر اردو کے عظیم ، مستند اور مسلم الثبوت شاعر ھیں ۔ مرثیہ گوئی میں وہ میر انیس کے مد مقابل تھے ۔ حد یہ کہ ان کے زمانے میں پورا لکھنو ، دو حصوں میں بٹا ہوا تھا ۔ دبیر کے طرف دار دبیرئیے اور انیس کے حامی انیسئے کہلاتے تھے ۔ اب اسے شو مئی نصیب ھی کہئے کہ اردو ادب آج تک اس قابل قدر شخصیت سے مکمل تعارف حاصل نہ کرسکا ۔ اور یوں مرثیہ گوئی مرزا دبیر کے تذکرے کے بغیر تشنہ ھی رھی ۔

جناب عبدالقوی دسنوی کا مرتب کردہ ، ماھنامہ کتاب کتاب نما جامعہ نگر دھلی کا شائع کردہ مرزا دبیر نمبر ، ایک جامع کتاب ھے ، جو گیارہ عنوانات پر مشتمل ڈاکٹر اکبر حیدری ، سبط محمد نقوی ، ڈاکٹر مجاھد حسین حسینی ، ڈاکٹر عبدالودود ، ڈاکٹر نیر مسعود ، کاظم علی خاں ، ڈاکٹر سید حامد حسین اور خود عبدالقوی دسنوی کی جادو بیانی کا بہترین مجموعہ ھے ۔

ڈاکٹر اکبر حیدری کا مضمون ، مرزا دبیر — تحقیقی مطالعہ ، جسے انہوں نے مرزا کی حیات سے چیدہ چیدہ شئے پاروں کو یکجا کرکے بڑی خوش اسلوبی سے رقم کیا ھے یقیناً ایک مختصر مگر جامع مقالہ ھے ۔

ادب میں جہاں میر انیس کا نام آتا ھے وھیں دبیر کا نام بھی برابر گونجتا سنائی دیتا ھے ۔ اس بات کی تشریح اس امر سے ہوتی ھے کہ اس زمانے میں پورا لکھنو ، دو حصوں میں بٹا ہوا تھا ۔ دبیر کے طرفدار دبیرئیے اور انیس کے حامی انیسئے کہلاتے تھے ۔ دونوں ھی اساتذہ ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے ۔ مگر بعد اذاں جب انیسیوں نے دیکھا کہ معاصرین اور امراء جیسے رجب علی بیگ سرور ، مرزا غالب ، سید احمد حسین قرقانی ، نجات حسین عظیم آبادی سعادت خان ناصر ، منیر شکوہ آبادی اور سلطان واجد علی شاہ دبیر مداحوں میں تھے تو یہ بات انہیں بری طرح کھٹکی اور انہوں نے ھر ممکن طور پر انیس کی عظمت کو بڑھانے کی کوشش کی ۔ ان میں آزاد ، حالی اور شبلی پیش پیش تھے ۔

ڈاکٹر منیر مسعود اپنے مقالے ، معرکہ انیس و دبیر ، میں لکھتے ھیں کہ معرکہ انیس و دبیر کی سب سے دلچسپ بات یہ ھے کہ دونوں اساتذہ ایک دوسرے کا بڑا احترام کرتے تھے ۔ حد یہ کہ مرزا دبیر ، انیس کے بعد صرف تین ماہ زندہ رھے ۔ آپکے سوانح نگار جناب افضل حسین ثابت کا بیان ھے کہ '' وہ اس زمانے میں میر صاحب کے کمالات کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے ۔ کہتے تھے کہ اب نہ پڑھنے کا لطف ھے نہ کہنے کا مزہ ھے ۔ اب ھمیں بھی چراغ سحری سمجھو ۔ کوئی جھونکا آیا اور خاموش ھوگئے '' ۔ اور ایک ایسا قطعہ تاریخ پڑھا جیسا ان سے پہلے یا ان کے بعد کسی نے نہیں کہا تھا ۔ اس قطعہ کا ایک شعر ھے ۔

آسماں بے ماہ کامل سدرہ بے روح الامین
طور سینا بے کلیم اللہ و منبر بے انیس

اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ دبیر ایک زبردست شاعر اور مسلم الثبوت استاد تھے ۔ میر انیس بھی انہیں باکمال اور قادر الکلام سمجھتے تھے ۔ وہ فرماتے تھے ۔ '' جب ھم نے لکھنو ، میں مرثیہ پڑھنا شروع کیا تو اس وقت دو صاحب اس فن کے لکھنو ، میں نامی گرامی تھے ۔ ایک میر مداری صاحب دوسرے مرزا سلامت علی دبیر '' ۔ ساتھ ھی ھمیں اس بات سے بھی اعتراف ھے کہ میر انیس کے آجانے سے مرزا دبیر کا مقابلہ ایک بڑے شاعر سے پڑا جسکی وجہ دبیر کے جوھر کھلے اور اردو مرثیہ کے خزانے میں بیش بہا اضافہ ہوا ۔ مگر ایک بات یقیناً ناگوار ھوئی کہ لکھنو کا ادبی حلقہ دو حصوں میں منقسم ھوگیا جو ادبی میدان میں ایک دوسرے سے ھمیشہ ٹکراتے نظر آتے تھے ۔ مگر دونوں اساتذہ ایک دوسرے کا رتبہ مانتے تھے ۔ جناب محمد طاھر فاروقی فرماتے ھیں ۔ '' انیسئیوں اور دبیرئیوں نے دونوں کو باھم ٹکرایا اور

مقابلے اور مناظر کا طوفان برپا کر دیا لیکن یہ دونوں کبھی ایک دوسرے کے سامنے نہیں آئے اور ایک دوسرے کے رتبے کو پہچانتے رہے ،، ۔

جناب سبط محمد نقوی اپنے مقالے '' مرزا دبیر کے دو استاد ،، میں لکھتے ہیں کہ آپکو مولانا کاظم علی صاحب اور ملا مہدی ماز رندانی کا تلمذ رہا ۔ مگر آپکی شخصیت کی تشکیل میں زیادہ تر مولانا کاظم علی صاحب کا ہاتھ رہا ۔ فرماتے ہیں ۔ '' اپنے استاد کی طرح صائم النہار تو نہیں رہتے تھے لیکن غذا دن میں نو دس بجے نوش فرماتے ۔ رات میں صرف چائے پیتے تھے ۔ وجہ پوچھی گئی تو فرمایا نماز شب میں دقت ہوتی ہے ۔ مزید کہتے ہیں کہ مرزا صاحب اکثر باوضو جانماز پر بیٹھ کر تصنیف فرماتے تھے ۔ کبھی کبھی بعد نماز شب اور کبھی بعد نماز صبح کھانے کے بعد گیارہ بجے دن تک ۔

ڈاکٹر مجاھد حسین حسینی اپنے مقالے ۔ میراثی دبیر کے علمی پہلو ، کی ابتداء کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔ '' اگر یہ عدیم النظر اور باکمال شاعر اردو زبان کو نہ ملتا تو اس زبان کے ادب عالیہ میں ایک بہت بڑی کمی رہ جاتی ،، ۔ اور یہ سچ ہے مرزا دبیر نے شاعری کا رتبہ ایسا بلند کیا کہ اور زبانوں کی شاعری اسے دیدۂ حیراں سے نگراں ہے ۔

ڈاکٹر عبدالودود دبیر کے تعلق سے اپنے تاثرات رقم کرتے ہوئے کہتے ہیں جہاں انیس نے مرثیوں میں اپنی انفرادیت اور زبان کا دعوی کیا ہے وھاں دبیر کو بھی اپنے فن پر کم اعتماد نہ تھا ۔ وہ جب ایک جز سے دوسرے جز کی طرف اور ایک خیال سے دوسرے خیال کی طرف آتے ہیں تو اپنے فن کا اعتراف کرتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو :

گر کاہ ملے فائدہ کیا کوہ کنی سے
میں کاہ کو گل کرتا ہو رنگین سخنی سے
خوش رنگ ہیں الفاظ عقیق یمنی سے
یہ ناز ہے سوز غم شاہ مدنی سے
آھن کو کروں نرم تو آئینہ بناؤں
پتھر کو کروں گرم تو عطر اسکا نکالوں

جناب کاظم علی خاں کا مضمون '' مرزا دبیر کے مطبوعہ مرثیے ،، یقیناً اس کتاب کا ایک قیمتی سرمایہ ہے ۔ اس میں جناب کاظم علی خان نے ' دفتر ماتم ' کی ۴۴ جلدوں معہ تاریخ طبع اور پبلشرز کا پتہ کے ساتھ درج کی ہیں ۔ اور ساتھ میں اشاریہ مراثی دبیر کے عنوان کے تحت مرزا دبیر کے بے شمار مرثیوں کے اشارئیے بلحاظ حروف تہجی قلم بند کئے ہیں ۔

اردو مرثیے کی تاریخ میں جو بات مرزا سلامت علی دبیر کی مراثی کو ممتاز کرتی ہے وہ ان کا علمی رنگ ہے ۔ انہوں نے جہاں اپنے مرثیوں کو لفظی اور معنوی رعایتوں سے آراستہ کیا ہے وھیں موضوع کے اعتبار سے ان کے مراثی ، واقعات اور روایات کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں ۔ مرزا دبیر کے مراثی کی خصوصیت در اصل یہی موضوعاتی رنگا رنگی ہے ۔ قرانی تلمیحات ، تاریخی واقعات ، احادیث و روایات کے ساتھ ساتھ بزرگ ہستیوں کے فضائل و مناقب کا ذکر کیا ہے ۔ ڈاکٹر سید حامد حسین اپنے مقالے ' مراثی دبیر میں تلمیحات و اعلام ، میں راقم طراز ہیں ''دبیر نے روایات اور تلمیحات کو اپنے مراثی میں جس طرح استعمال کیا ہے اسکا اصل مقصد تاثر کے ساتھ ساتھ عقیدت میں تقویت پیدا کرنا ہے ،، ۔

مرزا دبیر کو بسیار گو بتایا جاتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ وہ بہت لکھتے تھے ۔ ہر مہینے کی گیارہ تاریخ کو ان کے گھر میں مجلس ہوا کرتی تھی جس میں ہمیشہ وہ نیا مرثیہ پڑھتے تھے ۔ جسکا ذکر اس شعر میں وہ خود کرتے ہیں :

نیا مرثیہ نظم ہوتا ہے ہر مہ
دبیر اسکو سمجھو مہینہ ہمارا

دبیر کے مراثی کی صحیح تعداد کا علم اب تک نہیں ہوسکا ۔ آب حیات ، مراثی کی تعداد تین ہزار بتائی گئی ہے ۔ لیکن مصنف دبستان دبیر نے ایک ہزار کا اندازہ لگایا ہے ۔

دبیر میدان مرثیہ گوئی کے شہنشاہ تھے ۔ مگر افسوس چند نا گزیر حالات کی بناء وقت نے ان کی شخصیت پر گمنامی کی ایک طویل و عریض چادر اڑھادی ۔ مرزا دبیر کی عظمت میں بلا مبالغہ کوئی کسر نہیں ۔ خود مرزا غالب نے بھی مرزا دبیر کی عظمت کا اعتراف کیا ہے ۔ جناب مختار الدین آرزو اپنے مضمون میر غالب در حدیث دیگراں ، میں رقم کرتے ہیں ایک بار ریاض الدین امجد کو مرزا غالب کا ایک ادھورا مرثیہ سننے کا اتفاق ہوا ۔ مرزا نے خود تین بند اپنے مرثیے کے سنائے ۔ لوگ روئے پیٹے اور رلائے ۔ مرزا نے اپنے ادھورے مرثیے کے بارے میں خود کہا ۔ یہ حصہ دبیر کا ہے ۔ وہ مرثیہ گوئی میں فوق لے گیا ہے ۔ ہم سے آگے نہ چلا نا تمام رہ گیا ،، ۔

تاثرات دبیر کے لئے ملاحظہ ہو ۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ قارئین کتابیں تو ذوق و شوق سے پڑھ لیتے ہیں مگر لکھنے والے کی شخصیت کو یکسر نظر انداز کر جاتے ہیں ۔ در حقیقت لکھنے والے کی شخصیت بڑی حد تک اسکی تحریروں کی پس پردہ ڈوبتی ابھرتی نظر آتی

ہے ۔ چنانچہ مرزا دبیر کے مرثیہ گوئی میں اگرچہ مرزا انیس کے مقابلے میں صفائی اور شگفتگی کی کمی ہے لیکن جو سنجید گی اور متانت ان کے یہاں ہے وہ بلاشبہ انکی اپنی شخصیت کی عکاسی ہے ۔ جناب عبدالقوی دسنوی اپنے ایک اور مقالے مرزا سلامت علی دبیر اور دبیریات ، میں ڈاکٹر اکبر حیدری کے حوالے سے لکھتے ہیں ۔ دبیر کی مرثیہ گوئی میں اگر چہ مرزا انیس کے مقابلے میں صفائی اور شگفتگی کی کمی ہے لیکن جو سنجیدگی اور متانت ان کے یہاں ہے اس سے کسی کو انکار نہیں '' ۔

الغرض جناب شاہد علی خاں ، ایڈیٹر ، کتاب نما ، جن کی سرپرستی میں جناب عبدالقوی دسنوی نے مرزا دبیر نمبر ، کو مرتب کیا ہے قابل مبارک باد ہیں ۔ ' مرزا دبیر نمبر ، خصوصاً صنف مرثیہ گوئی کے ذخیرے میں ایک بیش بہا اضافہ ہے اور اسکی اشاعت ادب کے با ادب شائقین پر ایک بہت بڑا احسان ہے ۔ جناب عبدالقوی دسنوی صاحب اور جنہوں نے بھی دبیر نمبر کو ترتیب دیا ہے ان کی کاوشیں لائق تحسین و آفریں ہیں ۔

المختصر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ' مرزا دبیر نمبر ، بہت ہی خوبصورت سر ورق کے ساتھ ایک بہترین کتاب ہے ۔ اسکی قیمت ۵۰/ ہے جو مرثیہ گوئی کے شیدائیوں اور عقیدت مندوں کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتی ۔

* * * *

خاندانی منصوبہ بندی وقت کی اہم ضرورت ہے

صابر کوسگوئی

غزل

مرے نوک مژگاں پہ رشک غم مچلتے ہیں
روشنی میں تاروں کے قافلے نکلتے ہیں

پتیاں گل تر کی چٹکیوں میں ملتے ہیں
دل کہیں مچلتے ہیں دل کہیں بہلتے ہیں

بوئے گل سسکتی ہے اشک ، ریز شبنم ہے
سہم کر گل و غنچے پیرہن بدلتے ہیں

آدمی بھٹکتا ہے دل کے ورغلانے سے
غم کی آگ میں ہم بھی دل کے ساتھ جلتے ہیں

درمیاں سستا کر ہم قدم اٹھاتے ہیں
منزلیں کہاں بدلیں راستے بدلتے ہیں

دل نگار خانہ ہے عالم محبت کا
رنگ و بو کے سانچے میں شعر میرے ڈھلتے ہیں

کیفیت مرے دل کی باغباں سمجھتا ہے
میرے آشیانے میں برق و باد پلتے ہیں

جب کبھی گزرتا ہوں عالم محبت سے
ہوش گم فرد کے ہیں پر جنوں کے جلتے ہیں

روشنی مرے دل کی انی سر مژگاں
اک چراغ کے بدلے سو چراغ جلتے ہیں

رنگ و بو کے بدلے میں رنج وغم ملے صابر
اس طرح محبت کے کاروبار چلتے ہیں

* * *

محمد تابش صدیقی

غزل

میں زندگی کا ایک فراموش باب ہوں
پہچانے کون مجھ کو میں کب بے نقاب ہوں

مجھکو سمجھنا ہے تو مرے دل میں جھانکئے
فہرست جس کی پھٹ گئی ایسی کتاب ہوں

بد ظن ہیں مجھ سے اہل خرد کوئی غم نہیں
بزم جنوں میں آج بھی میں بار یاب ہوں

سب کچھ سکون قلب کی خاطر لٹا دیا
دنیا یہ کہ رہی ہے کہ میں فیض یاب ہوں

تم کر رہے ہو مجھ سے عبث کوئی آرزو
میں ریگذار زیست میں مثل سراب ہوں

چہرے پہ میرے عزم و عمل کی ہے روشنی
ابھرا ہے جو لہو سے میں وہ انقلاب ہوں

تابش کسی کا زیب گلو ہوں گا ایک دن
میں باغ زندگی کا مہکتا گلاب ہوں

* * * *

اوم پرکاش بجاج

کرشن

ایک پیمبر
پریم کا پیکر
واقف ہستی
کاشف راز ہستی و مستی
دے کے پیام حق پرستی
اس نے بانٹی گھر گھر مستی
موت کو کہہ کر نقل مکانی
اس نے جیون سمجھا جانی
نغمے اسکے ہر سو گونجے
سر بستہ راز اس نے کھولے
اندھیاروں میں نور کا دیپک
اتنا چمکا ، اتنا ابھرا
ظلم مٹا، ظالم پچھتایا
باطل سے لی اس نے ٹکر
فرض انساں کو یاد دلایا

اس کے نغمے
اسکی گیتا
سب سے انوکھا اسکا رستہ
ہاتھ میں لی وہ قندیل اس نے
کی جیون کی تکمیل اس نے
برسانہ میں دھام تھا اسکا
اتم اجول کام تھا اس کا
کتنا اونچا نام تھا اس کا
اندھیاروں میں دیپ جلا کر
من سے دکھ اور بھے کو مٹا کر
اس نے جیون جوت جلائی
پوج رہی ہے اس کو دنیا
میرا کا وہ گردر دھاری
برسانہ کا کرشن مراری
سور داس کا پیتم پیارا
رادھا جی کا کنت دلارا
وہ نہ آتا پریم نہ رہتا
جیون میں نت یم نہ رہتا

* * * * *

طوفان کی تباہ کاریاں
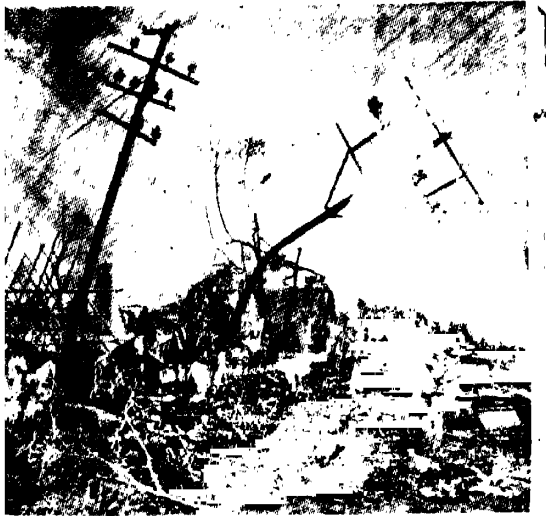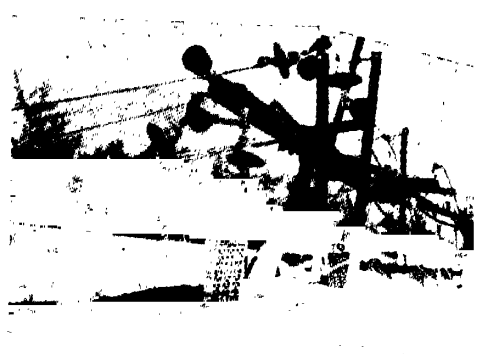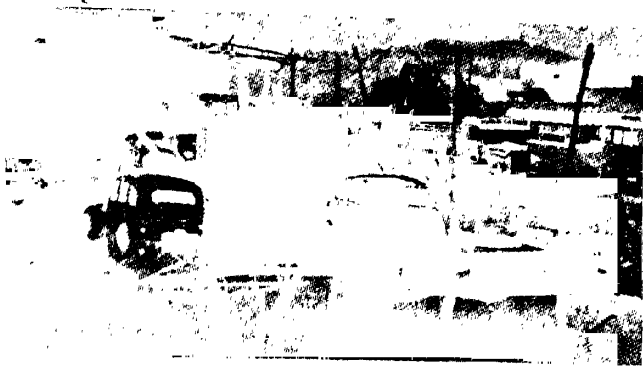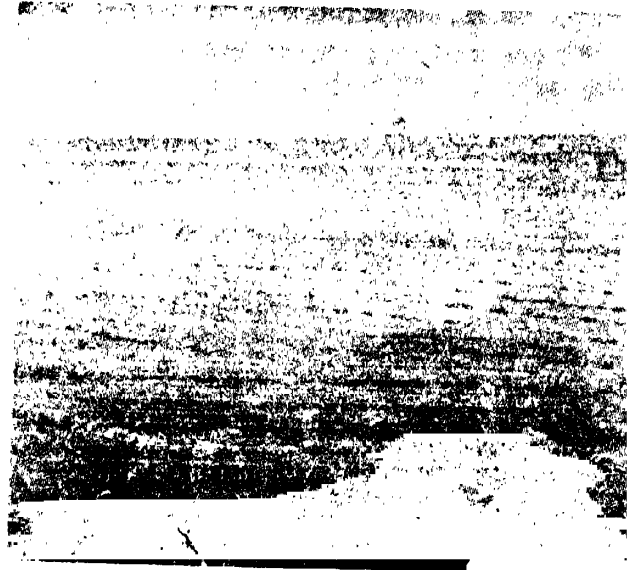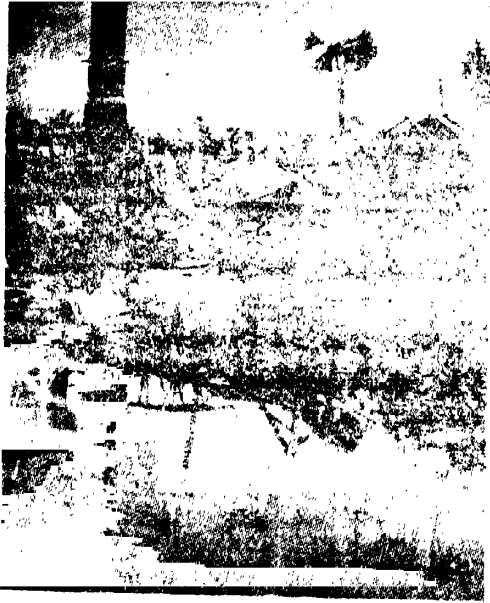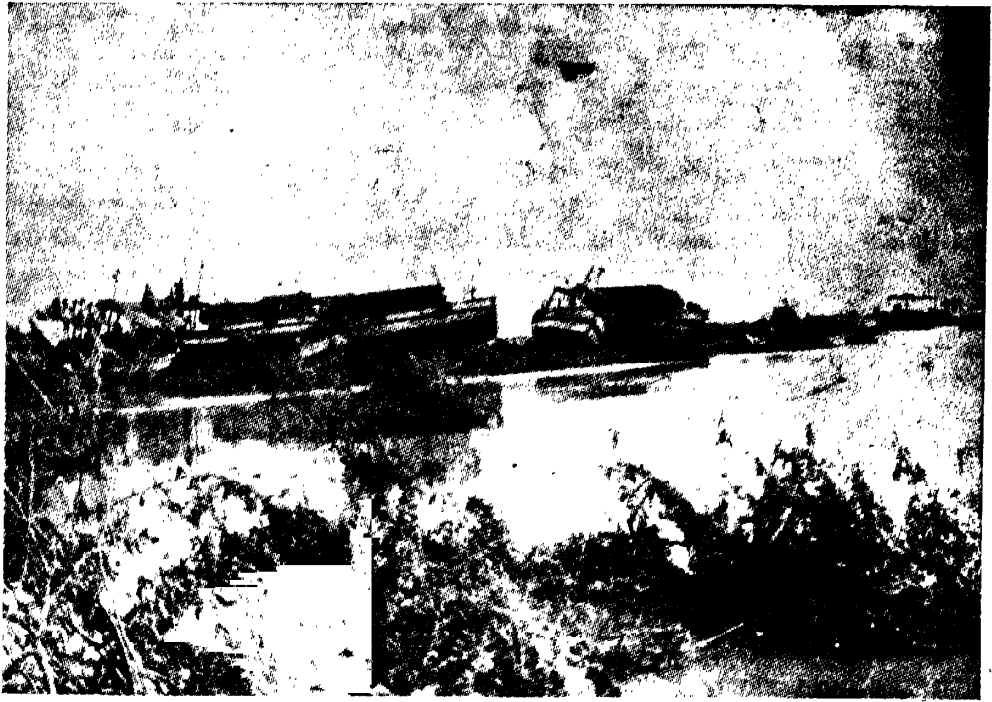
سمندری طلاطم سے سسولا میں تمام موٹر بوٹس زمین پر آگئے ہیں۔

غذا، رہایش اور کام کی تلاش میں۔

اپنی ہر چیز دوست احباب رشتہ دار سب طوفان کی نذر ہو گئے۔

دھان کے بچے کچے کھیتوں سے پانی نکالا جا رہا ہے۔

نسانی
یخ کا
با سے
ڑا المیہ

صدر جمہوریہ ہند نے طوفان سے متاثر لوگوں سے گفتگو کی اور انہیں تسلی دی ۔

قوم

٦ - چیبرواہ — دھان کا گھانس بارش سے بہہ گیا ہے

٧ - اندرا نگر گنٹور — زیر آب ہے۔

٨ - باپٹلہ — ریلوے اسٹیشن ۔

٩ - بتی پرلو — مٹوے تیار کرنے والی فیکٹری بالکل تباہ ہوگئ

١٠ - گنٹور مارکٹ یارڈ کی تباہی ۔
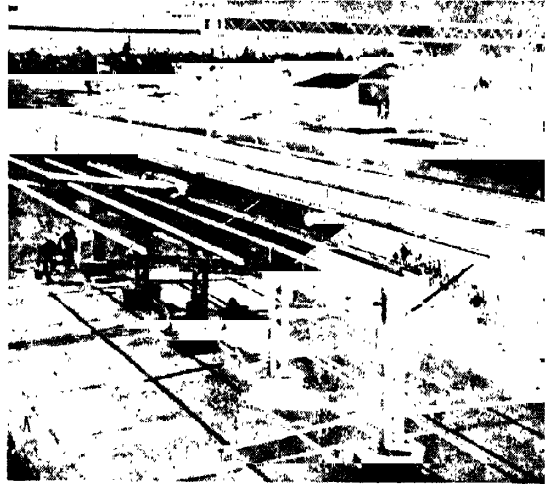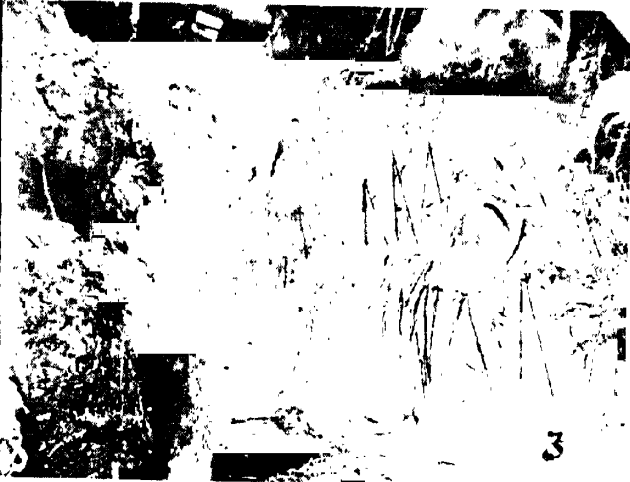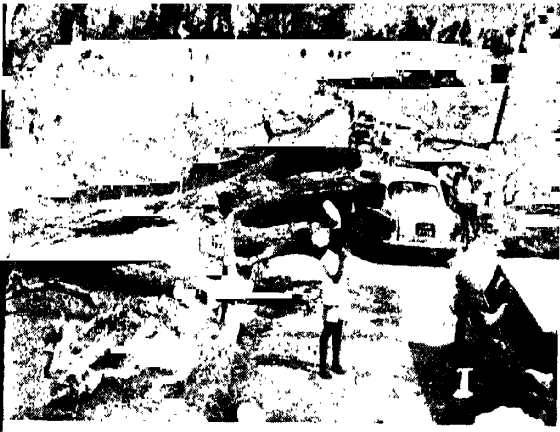
پونور — طوفان سے گرے ہوے درختوں کو ہٹایا جارہا ہے

باپٹلہ — ریسرچ اسٹشن میں چاول سکھانے کے ڈبے طوفان سے اڑ گئے

گنٹور — طوفان میں تباہ شدہ تمبا کو

گنٹور — تمبا کو گودام

چنتل پوڈی — پان کا باغ بالکل تباہ ہو گیا ہے۔

امدادی

امدادی سرگرمیاں

بچوں کے لئے دودھ